حِكْمَةُ التَّشْرِيْعِ وَفَلسَفتهٖ

گا اُردو ترجمہ

شریعت اسلامیہ کی حکمت وفلسفہ

تالیف

الاستاذ الشیخ حضرت علی احمد الجرجاوی الازہری رحمہ اللہ
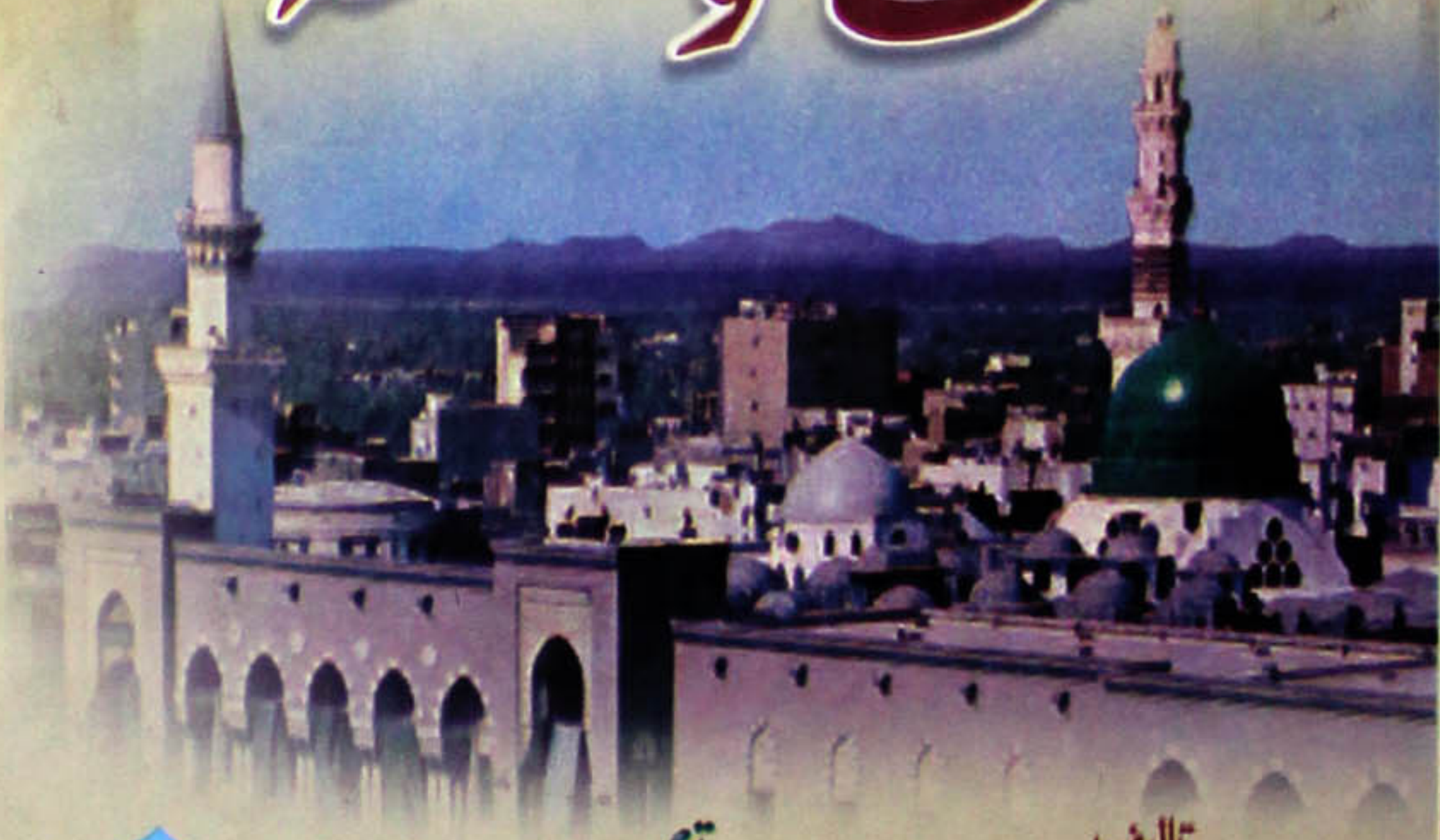
رئیس جمعیۃ الازھر العلمیۃ ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف مصر

ترجمہ

پروفیسر ذوالفقار علی ساقی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

زاویہ پبلشرز

(8-C محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فون: 042-37248657

موبائل: 0300-4505466 - 0300-9467047

Email:zaviapublishers@yahoo.com

2011ء

باراول..........................1000

ہدیہ..........................680

زیرِ اہتمام...............نجابت علی تارڑ

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

﴿ملنے کے پتے﴾

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5536111

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف 0301-7241723

مکتبہ قادریہ پرانی سبزی منڈی کراچی 0213-4944672

مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی 0213-4219324

مکتبہ غوثیہ ہول سیل کراچی 0213-4926110

مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی 0213-2216464

مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد 041-2631204

مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد 0321-3025510

مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

مکتبہ المجاھد بھیرہ شریف 048-6691763

رائل بک کمپنی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی 051-5541452

مکتبہ فیضان سنت بوہڑ گیٹ ملتان 0306-7305026

مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ 0321-7083119

انتساب

مکرمہ، محترمہ، محتشمہ

ہمشیرہ صاحبہ

کے نام

جن کا وصال اس تصنیف کے ترجمہ کی تکمیل سے صرف ایک ماہ قبل ہوا
خدا تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین!

کس درجہ سکوں دیتی ہیں سرکار کی باتیں
ہوتی رہیں کونین کے سردار کی باتیں

فہرست

حصہ اوّل

حُسن و جمالِ مُصطفےٰ
وَاَحسَنُ مِنکَ لَم تَرَ قَطُّ عَینی
وَاَجمَلُ مِنکَ لَم تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقتَ مُبَرَّاً مِّن کُلِّ عَیبٍ
کَاَنَّکَ قَد خُلِقتَ کَمَا تَشَاءُ

حصہ اوّل

شریعتِ مطہرہ کی حکمت

جان لو کہ آسمانی شریعتوں کا مقصود صرف چار امور ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کی توحید، تمجید اور ان صفاتِ کمال کا عرفان جو اس کے لیے واجب اور اس ذاتِ والا کے علاوہ کسی اور کے لیے محال ہیں۔
2. اس کی اس عبادت کو ادا کرنے کی کیفیت جو اس کی تعظیم اور اس کی ان نعمتوں کے شکر کو محیط ہے جنہیں اگر ہم شمار کرنا چاہیں تو گن نہ سکیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (ابراہیم: ۳۴)

ترجمہ: ”اور اگر تم گننا چاہو اللہ کی نعمتوں کو تو ان کا شمار نہیں کر سکتے۔“

3. نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے، اخلاقِ حسنہ اور آدابِ فاضلہ اور صفاتِ سنیہ سے خود کو آراستہ کرنا، جو انسان کو شرف و رفعت کی بلندیوں پر آشیاں بند کرتے ہیں۔ جیسا کہ غریب کی مدد کرنے میں مروت، پڑوسی کی مدد، امانت کی حفاظت وغیرہ وغیرہ۔ دیگر عمدہ اوصاف۔
4. معاملات میں مقررہ احکام لاگو کرکے ظالم کو حد لگا کر روکنا۔ اس طرح کہ ان سزاؤں کو جاری کرتے وقت اجتماعی نظم وضبط میں خلل نہ آئے۔ (اگرچہ آج کل ان سزاؤں کو ترک کر دیا گیا ہے) ان کے علاوہ دیگر سارے احکام جن کا تعلق لوگوں کی زندگی کے نظام کے ساتھ ہے۔

تمام آسمانی شریعتیں مذکورہ بالا چار امور کے لیے ہی نازل ہوئی ہیں۔

رُسلِ عظام کو مبعوث کرنے میں حکمت اور انسانوں کو ان کی ضرورت

بلاشبہ یہ موضوع جس کا ہم قصد کر رہے ہیں جس کے سمندر میں دانشمندوں عقلمندوں اور فلاسفروں نے بہت غوطہ زنی کی ہے۔ انہوں نے اپنے اکثر مسائل میں اصول دینیہ کی طرف رجوع

کیا۔ بعض نے اپنی خواہشات نفسانیہ کے مطابق فیصلہ کیا۔ ان میں سے بعض گمراہ ہو گئے۔ وہ ہر رطب و یابس کو ملاتے رہے اور بصیرت کے بغیر امور میں تصرف کرتے رہے۔ وہ تاریک رات میں (توندی والی) اونٹنی کی طرف ٹیڑھے ٹیڑھے چلتے رہے ان میں سے بعض ایسے خوش نصیب بھی تھے جن کے لیے رب تعالیٰ نے حقائق سے پردہ اٹھا دیا۔ وہ جان گئے کہ رسُل عظام کو مبعوث کرنے میں کون سی حکمت کارفرما ہے اور انسان انُ کے محتاج کیوں ہیں۔

ہم بھی اس موضوع کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد کرے اور ہمیں راہِ راست اپنانے کی توفیق دے اور اپنے فضل و کرم سے ہمیں صراطِ مستقیم کی توفیق دے۔

خوب جان لو کہ یہ دنیاوی زندگی ایک راستہ کی مانند ہے جو اس حیاتِ ابدی کی طرف لے کر جاتا ہے جو ہمیشہ کے لیے اور ابدی اور دائمی ہے۔ جسے فناء نہیں۔ ان لوگوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں جو کہتے ہیں کہ جب انسان کی روح نکل جاتی ہے تو اس کا جسم تحلیل ہو جاتا ہے۔ اسکا جسم اس مادہ کی طرف لوٹ جاتا ہے جس سے اس کی تخلیق ہوئی ہوتی ہے۔ انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی زندگی ختم ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ ان لوگوں کی باتوں کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو تناسخ کے قائل ہیں۔ یا ان کا مؤقف یہ ہے کہ ارواح دیگر اجسام میں حلول کر جاتی ہیں، خواہ اجسام حیوانیہ ہو یا اثیریہ ہوں جو ان اجسام سے زیادہ لطیف ہوں، یہ ان لوگوں کے نظریات ہیں جو راہِ راست سے بھٹک گئے جو وہم کے میدانوں اور عقل کی ظلمتوں میں سرگرداں رہے۔

جب آپ عقل کو ساری مصروفیات سے جدا کر کے اس کائنات کے نظام اور حیات کے میدان میں غور و فکر کریں گے تو اس غور و خوض میں آپ کو واضح دلیل اور قوی برہان نصیب ہوگی کہ انسان کے اعمال لغو اور بے کار نہیں جاتے۔ بلکہ آپ کو علم یقینی نصیب ہوگا کہ ایک اور زندگی بھی ہے جو قاضی اور عادل، محکم اور بلند تر ہے جہاں ہر انسان کو اس کے عمل کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

میں آپ کے سامنے ایک نظریہ پیش کرتا ہوں، مجھے یقین واثق ہے کہ آپ اس کا انکار نہیں کر سکیں گے وہ یہ کہ قوانین خواہ وہ سماوی ہوں یا کسی انسان کے وضع کردہ ہوں، ہر مکان اور زمان کا ہر مذہب ایک ایسے وجود کا اقرار کرتا ہے جو حدود قائم کرے تا کہ عدل و انصاف کا مینار سربلند رہے۔ جیسے قاضی اور ججز جو ظالموں کو سزا دیں اور مظلوموں کو انصاف دلائیں۔ اب دیکھیں کہ اگر کوئی انسان آپ پر ظلم کرے ظالم کا محاسبہ نہ ہو سکے، اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ ظلم آبادی سے دور

کسی ویران جگہ پر رونما ہوا ہو یا آپ پر ظلم کرنے والا قوت وسطوت کا مالک ہو۔ اس سے انتقام لینا ناممکن ہو۔ پھر تم دونوں میں سے کسی ایک کی زندگی اختتام پذیر ہو جائے تو کیا یہ عمل اکارت اور ضائع جائے گا۔ اس سے انصاف نہیں مانگا جائے گا جس نے آپ پر ظلم کیا ہوگا، یا لازم ہے کہ یہ ظالم اس جرم کی جزاء پائے جس کا اس سے صدور ہوا ہو یہ سزا اسے ایسی عدالت میں ملے جو دنیاوی عدالتوں سے جداگانہ ہو۔ تا کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو اور باطل بھی اس ظالم کی مدد نہ کر سکے۔ آپ لازماً یہ تسلیم کریں گے کہ ان لمحات میں سے کسی لمحہ میں آپ کا اپنا حق ملے اور ظلم کرنے والے سے انصاف کا تقاضا کیا جائے۔

یک . دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کسی انسان کے لیے کوئی عمل سرانجام دیں اس انسان پر لازم ہے کہ وہ آپ کو اس کا بدلہ دے۔ فرض یں کہ وہ آپ کو اس عمل کا بدلہ دینے پر قادر نہیں تو کیا آپ یہ رائے رکھتے ہیں آپ کا یہ عمل ضائع ہو جائے، یا آپ اس عمل کا اجر وثواب لینا چاہیں گے اور آپ کو اس نیکی اور حسنِ عمل پر کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

ان دلائل سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے علاوہ ایک اور زندگی بھی ہے وہاں حساب وکتاب، ثواب وجزاء اور سزا ملے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دنیاوی زندگی اس رستہ کے ساتھ متصل ہے جو ابدی زندگی کی طرف جاتا ہے۔ مگر یہ راستہ ظلمتوں میں ہے۔ یہ ظلمتیں معنویہ ہیں، ازروئے فطرت انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کی حقیقت پا سکے حتیٰ کہ وہ تن تنہا کسی راہ نما کے بغیر ہی اس پر سرگرداں ہو جائے، کیونکہ انسان صفاتِ کمال کو نہیں پا سکتا، کیونکہ یہ رب تعالیٰ کی صفات میں ہیں۔

پھر انسان کو ایسے چراغ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اس کے لیے راستہ منور کر دے حتیٰ کہ وہ سارے خطرات وآفات سے دامن بچا کر اخروی زندگی تک پہنچ جائے۔ یہ چراغ وہ شریعتیں ہیں جنہیں لے کر رسلِ عظام علیہم السلام تشریف لائے۔ ان رسلِ عظام کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف بھیجا تا کہ وہ لوگوں کی اس چیز کی طرف راہ نمائی کریں جس میں دو جہانوں کی سعادت ہے۔

پھر اس تاریکی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم آفتوں، خطرات اور سزاؤں سے لبریز ہے جبکہ دوسری قسم بڑی آسان ہے۔ اس میں خطرات کا وجود تک نہیں۔ عقل اگرچہ اپنی فطرت کے اعتبار سے اس میں موجود بعض خیر وشر کو جان لیتی ہے لیکن بعض کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس حالت میں وہ ایسی ہستی کی محتاج ہوتی ہے جو اس کے ہر خیر وشر سے نقاب اٹھا دے تا کہ اس کے لیے سفر آسان

ہو جائے اور وہ ہر نقصان سے سلامت رہے۔ اسی مقصد کے لیے رسلِ عظام علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا۔

ہم آپ کے لیے ایک مثال سے مزید وضاحت کرتے ہیں۔ مثال یہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ ہو جو اپنے براعظم کے علاوہ دوسرا براعظم آباد کرنا چاہے۔ وہ وہاں ایسا شخص بھی پائے جو اسے آباد کر سکتا ہو، تو آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اسے بدانتظامی میں چھوڑ دے گا، وہ ایسا مدبر متصور نہیں کرے گا جو ان کے امور اور مصلحتوں کی تدبیر کرے، اور ان کے ٹیڑھے امور درست کرے۔ یا وہ ان میں ایسا منتظم مقرر کرے گا جو اس اہم کام کو سرانجام دے گا۔ لازماً آپ کا فیصلہ یہی ہوگا کہ ایسے مدبر اور منتظم کا ہونا ازبس ضروری ہے، ورنہ وہاں کے باشندوں کے حالات خراب ہو جائیں گے۔ ان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ طاقتور کمزور پر ظلم کرے گا اس براعظم کو بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسے آباد کرنے والا بادشاہ تو نہ یہ چاہے گا اور نہ ہی اس کا ارادہ کرے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کاملہ کا بھی تقاضا ہے کہ وہ اس زمین کو تخلیق کرے، انسان ہی وہ واحد ذات ہے جس نے اسے آباد کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہر فردِ انسانی معاشرہ میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ جہانِ رنگ و بو آباد ہو گیا ہے۔ حکمتِ الٰہیہ نے کبھی بھی یہ تقاضا نہیں کیا کہ وہ اسے مدبر اور منتظم کے بغیر آزاد چھوڑ دے۔

اسی عظیم مقصد کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا۔ انہوں نے ہی ایسے خطوط واضح کیے ہیں جن پر رواں دواں ہو کر انسانی کارواں امن و آشتی کے ساتھ دارِ آخرت تک پہنچ جائے گا۔

ممکن ہے بعض معترض اعتراض کریں کہ بہتر تھا کہ یہ سارا معاملہ عقل کے سپرد کیا جاتا وہ تنِ تنہا اس اہم امر کو سرانجام دیتا۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔

ہم اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ عقل درجہ کمال پر فائز نہیں، کہ وہ جان لے کہ اس کی اس زندگی میں اس کے لیے کیا چیز ضروری ہے۔ اس سے یہی لازم آتا ہے کہ ایسی ذات کا ہونا ناگزیر ہے جو ہدایت کی طرف اس کی مدد کرے۔ اس کا ہاتھ تھام کر ضروری ساز و سامان اسے فراہم کرے۔ اس کا معاملہ درست کرے اور اس کی مسرت کی تکمیل کرے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ایک اور عالم بھی ہے جسے ''عالم الغیب'' کہا جاتا ہے۔ ایک اور دار بھی ہے جسے دارِ آخرت کہا جاتا ہے۔ جب انسان ان امور میں بھی حیران و سرگرداں ہے جو بدیہی ہیں جن کے متعلق وہ سنتا رہتا ہے۔ جنہیں دیکھتا رہتا ہے۔ جن کے بارے سنتا رہتا ہے۔ وہ اپنی عقل سے ان سارے وسائل کا

ادراک کیسے کرسکتا ہے جو اس دارِ آخرت تک پہنچا دیں، وہ دارِ آخرت جو بہت بڑا اور عظیم ہے۔

اہلِ بصرہ میں سے ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ انسان کے احوال کی درستگی اور اس کی زندگی کے سارے امور کا انتظام کرنے کیلیے عدل کافی ہے۔ ہم ان سے عرض کرتے ہیں کہ عدل کے قوانین کون وضع کرے گا۔ اگر انہوں نے کہا: "عقل" تو ہم انہیں عرض کریں گے "یہ امر عقل سے بعید ہے کہ اس سے کسی ایسی چیز کا صدور ہو جس کی حقیقت سے وہ آگاہ نہ ہو" ہر انسان ہر حالت میں عاقل عادل شخص کے حکم پر راضی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی عاقل عادل شخص اٹھ کھڑا ہو۔ اقوام میں سے کسی قوم یا گروہ کو کسی چیز کا حکم دے تو سارے اس حکم اور امر پر راضی نہیں ہوں گے۔

جب یہ دانا انسان اپنی عقل کی قوت پر فخر کرتا ہے۔ اپنی فکر کی شمع کو روشن کر کے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو اسے عالم ملائکہ کے قریب کر دیتا ہے۔ ایسے انسان کو جب کسی مشکل امر کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ نہ تو اس کے سبب آگاہ ہوتا ہے اور نہ ہی اسے اس سے نکلنے کا راستہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس کے سامنے حقیر ہو جاتا ہے وہ اس ذات کے سامنے ذلیل و رسواء ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے جو اسے راہِ راست کی طرف ہدایت دے۔ مجھے اور اپنے والد گرامی کو بتاؤ کہ وہ دوسرے لوگوں کو کیسے راہِ ہدایت پر گامزن کریں۔ حالانکہ وہ ایسی ذات کے محتاج ہیں جو انہیں ہدایت کے رستہ پر چلا دے۔

جب انسان کی حالت یہ ہے کہ رسل عظام ﷺ کی بعثت، واعظین، حکماء، علماء اور راہ نماؤں کے باوجود، حکومتوں، آسمانی اور وضعی قوانین کے باوجود وہ حقوق ضبط کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنے سے کمزور پر ظلم کرتا ہے ہر طرح کے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسے راہِ راست کی طرف ہدایت نصیب نہیں ہوتی اس وقت اس کی حالت کیا ہوگی۔ جب سارا اختیار اس کے سپرد کر دیا جائے اور وہ اپنا معاملہ عقل کے سپرد کر دے بلاشک وشبہ وہ ہلاکت وضلالت کی وادیوں میں منہ کے بل گر پڑے گا اور خود کو بربادی کی وادی میں پھینک دے گا۔

اگر معترض یہ اعتراض کرے کہ جب معاملہ اس طرح ہے کہ عقل خواہ کتنا عظیم، بڑا اور روشن ہو وہ اپنے صاحب یا کسی اور کی ہدایت کے لیے ناکافی ہے، اللہ رب العزت نے انسان میں ایسی قوت کافیہ کیوں نہ پیدا کر دی جس کے ذریعے اس کے لیے ایسے امر تک پہنچنا ممکن ہوتا جس میں اس کی اصلاح ہوتی۔ ایسے رسول کو مبعوث کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی جو اس کے لیے راہِ ہدایت کو واضح کرے اور اپنے ارشادات کے ساتھ اس کی مدد کرے، ہم ایسے معترض سے عرض

کریں گے کہ اس جہانِ شش جہات کا تقاضا ہے کہ لوگ عقل کے اعتبار سے مختلف درجات پر فائز ہوں، اگر وہ سارے اسی کیفیت پر ہوتے اور نوعِ انسانی کے ہر ہر فرد کو وہ قوت حاصل ہوتی جو اس کی ہدایت کے لیے کافی ہوتی تو اس کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ ایک اور عالم ہوتا جو اس عالم کے برعکس ہوتا۔ وہ اس انسان کے خلاف ہوتا جو اپنی طبیعت کے اعتبار سے ہی مفکر ہوتا وہ عالم ملائکہ کے ساتھ ملحق ہوتا۔ پھر وہاں ثواب اور سزا کا فائدہ نہ ہوتا ذاتِ باری تعالیٰ سے رحمت اور غفران کی صفات کی منفی ہو جاتی۔ وہاں نہ خیر ہوتی نہ شر کا وجود ہوتا۔ کیونکہ رحمت کے وجود کے لیے لازمی ہے کہ گناہوں کا ارتکاب ہو اور بھلائی کی پہچان برائی سے ہی ہو سکتی ہے جس طرح ظلمت روشنی سے اور روشنی کی پہچان تاریکی سے ہو سکتی ہے۔

اس لیے ہم استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر سارے انسان ہی دانا اور عقلمند ہوتے تو یہ دنیا برباد ہو جاتی۔ اگر سارے انسان جاہل ہوتے پھر بھی یہی حالت ہوتی، اس کائنات کا نظام ختم ہو جاتا اور یہ دنیا آج تک اس حالت پر برقرار نہ رہتی۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں ہی برباد ہو جاتی۔ اس ساری بحث کا لب لباب یہ ہے کہ مخلوق کی ہدایت کیلیے، انہیں خیر کے رستہ پر چلانے کے لیے اور انہیں شر کے رستہ سے دور کرنے کے لیے رسل عظام کی بعثت ناگزیر اور ازبس ضروری تھی۔ جب آپ پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی ہے تو پھر میرے ساتھ یہ دعا مانگیں۔

اللھم اجعلنا ممن اھتدوا بھدایۃ الرسول الامین واجعلنا فی جنتك من المقربین ونعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

رسل عظام علیہم السلام کے فرائض کی حکمت

اس سے قبل ہم یہ امر آشکارا کر چکے ہیں کہ نوعِ انسانی کے لیے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بعثت انتہائی ناگزیر تھی تنہا عقل انسانی ہدایت کے لیے ناکافی ہے جو اسے دارین کی سعادت سے آراستہ کر دے۔ اسی طرح اگر انسان میں اس کی ہدایت کے لیے قوت کافیہ پیدا کر دی جاتی ہر انسان دانا اور عقل بن جاتا تو کائنات کے نظام میں خلل واقع ہو جاتا۔ لوگوں کی مصلحتیں خراب ہو جاتیں اور دنیا کی آبادی اس وقت تک نہ پہنچتی جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم نے اس موضوع کے لیے علیحدہ باب باندھا ہے تاکہ ہم رسل عظام علیہم السلام کے فرائض بیان کریں اور انہیں تفصیل کے ساتھ زینت قرطاس بنائیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں۔

سارے ادیان میں سے ہر ہر دین کے پیروکار اور مذاہب میں سے ہر ہر مذہب کے متبعین کا اتفاق ہے کہ ان سارے عالمین کا ایک خالق ہے۔ افلاک پر تاباں ستارے اسی نے بنائے ہیں۔ اجسام کو بنا کر ارواح اسی نے ڈالی ہیں۔ ہر جگہ درخت اسی نے اگائے ہیں، یہ جمادات اسی کی پیدا کردہ ہیں جو فصیح زبان میں محو گفتگو ہوتی ہیں میں نے اپنا آپ خود تو تخلیق نہیں کیا بلکہ مجھے کسی خالق نے ہی تخلیق کیا ہے لیکن اس خالق عظیم اور ذوالقوۃ المتین کے عرفان سے عقلیں حیران ہیں۔ افکار گم ہیں، اذہان پیچھے ہٹتے ہیں اور ہمتیں حقیر ہیں جس کے عجائب اور غرائب میں سے یہ انسان ہے جو ناطق اور مفکر ہے۔

جب اس ذاتِ مقدسہ کے عرفان سے ہمتیں تھک گئیں اور عقلیں عاجز آ گئیں اور نفوس نے ارادہ کیا کہ وہ سفر کی تھکاوٹ سے آرام پائیں تو ہر اہلِ دین نے سفر کا عصا رکھ دیا۔ اس حد پر ٹھہر کر اپنے نفوس کو راحت پہنچائی۔ اس حد سے مراد وہ تعین ہے جسے ہر دین کو ماننے والوں نے خالق، اس کے اوصاف، اس کی ذات اور حاسۂ بصر اور حاسۂ لمس کے لیے اس کی تمثیل مقرر کی ہے ہر دین میں ایسا وجود اور قوانین موجود ہیں جن سے وہ اپنے گمان کے مطابق اپنے خالق کی ذات اور اس کی صفات کو پہچانتے ہیں۔ اگرچہ وہ علم حق کے مطابق نہ ہو۔ مجوسی اس عنصر کو آگ کہتے ہیں اور آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ بت پرست بھی اس ذات کا تعین کرتے ہیں پھر جامد و ساکت بتوں کی پوجا کرتے ہیں ستارہ پرست سورج کو دیگر ستاروں سے بڑا سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔

دیگر لوگ کہتے ہیں: "یہ بھی درست نہیں، وہ بھی صحیح نہیں، وہ کہتے ہیں خالق کائنات نگاہوں سے مخفی ہے وہ آنکھوں کے حاسہ سے مستور ہے۔ وہ ہماری نگاہوں سے مخفی ہے۔ کسی بشر میں طاقت نہیں کہ وہ پردوں کو اٹھا سکے۔ اسی طرح وہ نظریات بھی ہیں جو دیگر شرائع اور مختلف عقائد میں ہیں جن کا تعلق ربِ کائنات کی معرفت کے ساتھ ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ معرفتِ الٰہیہ پہلی چیز ہے جو انسان پر واجب ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے سب سے پہلے رسلِ عظام علیہم السلام اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے مخلوق کی عظیم، قوی اور طاقتور خالق کی طرف راہ نمائی کی۔ انبیائے کرام نے لوگوں سے اس ذاتِ والا کے ایسے اوصاف بیان کیے جنہوں نے اسے مشقت ومحنت کے بغیر ان کی عقلوں کے قریب کر دیا۔ ان کے ادراک آسان ترین اور قریب ترین راستوں سے توحید کا معنیٰ سمجھ گئے۔

❷ انبیائے کرام علیہم السلام کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خالقِ حقیقی کی عظمت وجلال اور

قدرت و طاقت کے بارے بتائیں۔ وہ انہیں بتائیں کہ وہ اپنی مخلوق میں کیسے تصرف کرتا ہے۔ اس کے ذمہ کرم پر کیا لازم ہے۔ کون سے اوصاف اس کے لیے جائز اور کون سے اس کے لیے محال ہیں۔ نیز یہ کہ وہ ذاتِ بے ہمتا قادرِ مطلق ہے۔ جسے چاہتی ہے اس کے سر پر عزتوں کا تاج سجا دیتی ہے جسے چاہتی ہے اسے رسوا کر دیتی ہے وہ ہر ایک کو اس کی نیکی یا بدی کے مطابق سزا یا جزا دے گا۔ اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام مخلوق کو ڈراتے ہیں۔ انہیں بشارات دیتے ہیں۔ انہیں وعدہ اور وعید سناتے ہیں۔ اسی طرح انہیں ہر اس چیز سے آگاہ کرتے رہیں جو وعظ و ارشاد کے مفہوم میں شامل ہے۔

۳ انبیائے کرام کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو اخلاقِ حسنہ اور آدابِ سنیہ کی ترغیب دیں، جو نفوس آراستہ ہوتے ہیں، ان اخلاق و آداب کا نفع یا تو خود اس انسان کی طرف لوٹتا ہے، مثلاً سچ، زبان کو جھوٹ سے محفوظ کرنا، نظر کو اس چیز سے دیکھنے سے روک لینا جس کا دیکھنا اس کے حلال نہیں، یا ان اخلاق کا فائدہ کسی دوسرے انسان کو ملتا ہے۔ مثلاً سخاوت، غریب کی مدد کرنا مظلوم کے ساتھ انصاف کرنا۔ سائل اور محروم کو کھلانا، اسی طرح شجاعت، پیش قدمی، مروت اور دیگر اخلاقِ فاضلہ بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ انبیاء کرام ایسے مرشدین کاملین ہوتے ہیں جو انسان کے لیے اس خالق کائنات کی وضاحت کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اس کے عظیم ثواب کا مژدہ سناتے ہیں اور اس کے دردناک عذاب سے انہیں ڈراتے ہیں۔

۴ انبیائے کرام علیہم السلام کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو بتائیں کہ وہ اس خالقِ دو جہاں کی تعظیم کیسے کریں، اور ساری عبادات صحیح ترین طریقہ سے کیسے ادا کریں، حتیٰ کہ دل ہمیشہ حاضر ہو جائے، عبودیت اپنے پورے کمال کے ساتھ متحقق ہو۔ نفس اپنے لعب و لہو سے دور ہو جائے، اپنے خالق سے اغیار کے پردے اٹھ جائیں، وہ خواہش کے سلطان کے سامنے نہ جھکے، وہ گمراہی اور ضلالت کی وادی میں نہ گرے۔

۵ وہ حدود مقرر کریں۔ ایسے قوانین وضع کریں جن پر انسان کے سارے معاملات کا انحصار ہو۔ مثلاً بدکار کو سزا دینا، چور کے ہاتھ کاٹنا، قاتل سے قصاص لینا، بہتان لگانے والے اور شراب پینے والے پر حد جاری کرنا، حرام اور حلال کی تمیز کرنا، نہ بے جا اور ناحق خون بہایا جائے نہ کسی اجنبیہ سے بدکاری کی جائے نہ ہی کسی دوسرے کی رقم میں تصرف کیا

جائے، مگر حلال طریقے سے، اسی طرح دیگر قواعد اور قوانین جن سے مینارِ عدل قائم رہ سکے حتیٰ کہ بندوں کے احوال درست ہو جائیں اور شہروں میں حق کا بول بالا ہو جائے۔

اس اعتبار سے انبیاء کرام علیہم السلام مقامِ قضاء پر فائز ہوتے ہیں۔

❻ وہ انسان کے لیے ان راہوں کی وضاحت کریں جن سے اس کی ساری زندگی بھی سنور جائے، وہ ان رستوں پر چلنے کے لیے انہیں ترغیب دلاتے ہیں۔ مثلاً عمل اور کام کاج میں چستی اور تیز رفتاری پر ابھارنا، ان کے لیے ضرب الامثال بیان کرنا، ان سے ایسی حکمت آمیز باتیں کرنا جن سے وہ سستی سے نفرت کرنے لگیں۔

اسی طرح ہر اس عمل کے متعلق بتانا جسے انسان دنیاوی زندگی میں بجالائے تو وہ عمدہ اور خوشگوار زندگی بسر کرے، اگر آپ سابقہ تفصیل سے آگاہ ہو گئے ہیں تو یقیناً آپ یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ فریضہ نہیں کہ وہ صنعتوں کی تعلیم دیں۔ زمین سے معدنیات نکالنے اور اس میں موجود نباتات کو پالنے کی تعلیم دیں اسی طرح وہ دیگر فنون کی تعلیم دیں جنہیں لوگ سرانجام دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ چیز ان کے فرائض میں شامل نہیں جو وعظ، نصیحت اور ہدایت کے منافی ہو۔ ان کے فرائض امر بالمعروف، نہی عن المنکر، لوگوں کو بھلائی کا رستہ دکھانے اور برائی کے رستے سے منع کرنے کا مجموعہ ہے۔

اس تفصیل سے آپ پر انبیائے کرام کے فرائض عیاں ہو چکے ہیں۔ آپ اس واجب سے بھی آگاہ ہو چکے ہوں گے جسے پورا کرنے کے لیے رب تعالیٰ انہیں اس جہانِ رنگ و بو میں بھیجا۔ جب فلک اور زمین کی ہیئت کے بارے انبیائے کرام علیہم السلام سے کوئی چیز منقول ہو تو اس کا مقصد صرف غور و فکر ہوتا ہے تاکہ خالقِ عظیم کی عظمت عیاں ہو۔ تاکہ مخلوقات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ودیعت رکھا ہے اسے جاننے پر ابھارا جائے تاکہ خالق کائنات پر یقین قوی ہو جائے اور انسان کی زندگی میں اس کی مصلحت بہتر ہو سکے۔

انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کی عقول کے مطابق ان سے گفتگو فرماتے۔ آسان زبان استعمال فرماتے تاکہ اذہان اسے سمجھ سکیں۔ ورنہ ساری امم کی طرف انہیں مبعوث کرنے کی حکمت ضائع ہو جاتی۔ یہ کسی بھی حالت میں روا نہیں کہ دین متین ارواح اور افہام کے مابین رکاوٹ بن کر کھڑا ہو جائے۔ نہ ہی ممکنہ اشیاء کو بقدرِ امکان جاننے کی استعداد کے سامنے رکاوٹ بن کر کھڑا ہو جائے، جس میں انسان کی دنیوی اور اخروی حالات کو سدھارنے کی منفعت موجود ہو۔ اس لیے

شارع حکیم نے ترغیب دلائی۔ دلائل اور براہین کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ساتھ حد تجاوز کرنے سے بچنے کا حکم دیا اس مقام پر آ کر قلم رک گیا ہے۔ موضوع کی جلالت وقدر کی وجہ سے غور وفکر کی جدو جہد ختم ہوگئی ہے۔

ایک مشہور اعتراض

بہت سے معترض یہ اعتراض کرتے ہیں ''جب سارے انسانوں کے دنیوی اور اخروی حالات میں سارے انسانوں کے لیے دین لازمی ہے۔ یہ انسان کی دونوں جہان میں فلاح کے لیے کافی ہے اور اس میں انسان کی ضرورت کا ہر سامان موجود ہے پھر ہم انسانوں کو کیوں دیکھتے ہیں کہ وہ گمراہی کے سمندروں میں غوطہ زن ہیں، ضلالت کے میدانوں میں سرگرداں ہیں، عقائد میں اختلاف کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کے مابین لڑائیاں اور جھگڑے ہو رہے ہیں۔ مخالف کے ساتھ معرکہ آزما ہونے کے لیے ہر صاحبِ دین نے اپنے دین کو حجت بنا رکھا ہے۔ خون بہائے جا رہے ہیں۔ ان کے درمیان جنگ کی چکی چل رہی ہے، مصالح اور منافع کا اختلاف ان کے سامنے ہے۔

ہم کیوں دیکھتے ہیں کہ ایک ہی دین کے لوگ مختلف فرقوں میں منقسم ہیں۔ ہر فریق اپنے عقائد اور مذہب کے بارے متعصب ہے۔ شرارتوں کا آتش فشاں پھٹ پڑا ہے۔ ان کا معاملہ درہم برہم ہوگیا ہے، اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ مصائب عام ہو گئے ہیں، دل، ضمیر اور نفس تبدیل ہو گئے۔ ہم کیوں دیکھتے ہیں کہ دل لالچ، حرص، ظلم، شر سے محبت، خیر سے دوری سے کیوں بھر چکے ہیں وہ طرح طرح کے فتنوں، قسم قسم کی شرارتوں، نوع نوع کی شقاوت، مصیبت اور مکر و فریب سے لبریز ہیں۔

ہم کیوں دیکھتے ہیں کہ وہ دین جسے آپ سارے امور کا سرمایہ کہتے ہیں، وہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس نے انسان کے لیے ہر زمان اور مکان میں سارے احوال میں مصلحتوں کو گھیر رکھا ہے۔ انہوں نے اس دین کو لڑائی اور جھگڑے کا سبب کیوں بنایا ہے۔

جواب

ہم اس کا جواب دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں ''اے معترض! ذرا آہستہ! جان لو کہ اس انداز سے جو کچھ رونما اور رواقع ہو رہا ہے، وہ رسلِ عظام کے عہد ہمایوں کے گزر جانے اور ان کے

پردہ فرما ہو جانے کے بعد رونما ہو رہا ہے۔ اب دین ایسی قوم میں ہے جو اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے ہی دین کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہے۔ یا ان کا تعلق ان کینہ پروروں اور اہلِ بدعت کے ساتھ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کے باوجود انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ یا وہ دین میں غلو کا شکار ہیں۔ یا وہ ایسے افراد ہیں کہ دین کی محبت ان کے دلوں سے نہیں ملی۔ یا ان کے عقول کی وسعتیں دین کے اسرار و رموز اور حکمتیں سمجھنے سے قاصر رہی ہیں انہوں نے علم کے بغیر اس کے برعکس تاویل کی جو شارع حکیم کا ارادہ تھا انہوں نے اسے اس طرح نہ سمجھا جس طرح رسلِ عظام علیہم السلام سمجھتے تھے۔ وہ ان لوگوں کی مانند دینِ متین کو نہ سمجھ سکے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتیں اور طریقے پر چلے۔ اس مواقف کو مزید سمجھنے کے لیے ہم کہتے ہیں۔

رسلِ عظام علیہم السلام انسان کے لیے عقل کی طرح ہیں۔ بلکہ ان کا منصب اس سے بلند تر ہے۔ ہم پاتے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت بصارت کے واسطہ سے قبیح یا حسین منظر کا ادراک کرتی ہے۔ وہ اسی سے دشوار گزار اور آسان رستہ میں امتیاز کرتے ہیں مگر وہ کبھی حسن وقبح کی پہچان میں خطا کر جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یا تو غفلت یا بغض یا عناد ہوتا ہے۔ اگرچہ انہیں ان کی لغزش پر ایک ہزار دلیلیں دی جائیں پھر بھی وہ اپنی لغزش کو نہیں جان پاتے۔ یہ عیب دین کے اعتبار سے نہیں بلکہ یہ دین اختیار کرنے والوں اور اس کی طرف دعوت دینے والوں کی طرف سے ہے، جو دین میں ایسی چیز داخل کر دیتے ہیں جو اس میں سے نہیں ہوتی اور اس سے وہ چیز نکال دیتے ہیں جو اس نے بنیادی قواعد میں سے ہوتی ہے۔ ہم نے یہ تو کبھی نہیں سنا کہ رسلِ عظام علیہم السلام میں سے ایک رسولِ مکرم بھی ناقص دین لے کر آیا ہو۔ جو انسان کی ضرورت کو پورا نہ کر سکتا ہو۔ لوگوں میں جو جھگڑے اور فسادات ہو رہے ہیں ان کا سبب خواہشات نفسانیہ، کوتاہی اور ادراک کرنے سے عاجزی ہے۔ مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کی نگاہِ بصیرت کو رب تعالیٰ نے نورِ حکمت سے منور کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (البقرہ:۲۶)

"گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو۔ اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو۔"

یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ لوگ جو دینِ حنیف کے اسرار و رموز کو نہیں سمجھ سکے ان کا شمار بھی ایسے فساق میں ہوگا۔ بلکہ یہ ایک اور گروہ ہے جس نے دینِ متین کی تاویل اپنے عقل اور فہم کے

مطابق کی ہے۔ اب آپ نے جان لیا ہے کہ یہ اختلافات اور کسی چیز میں رونما ہونے والی بدعتیں رسلِ عظام علیہم السلام کے زمانہ کے بعد وقوع پذیر ہوئیں۔ ان کی وجہ وہ اسباب ہیں جن کی وضاحت ہم نے کر دی ہے۔ ورنہ ہر شریعت جسے لے کر کوئی رسولِ مکرم مبعوث ہوئے وہ مکمل تھی اور ہر زمان و مکان میں انسانی ضروریات کو پورا کرنے والی تھی۔ اب اصل مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔ مرض کے منبع کا علم ہو گیا اور اس کی دوا کی بھی وضاحت ہو گئی۔ اللہ رب العزت ہمیں اور آپ کو دین حنیف کی حقیقت کی معرفت کی ہدایت دے اور ہم سب کو اہلِ یقین میں سے کرے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کو مبعوث کرنے کی حکمت

حضور ﷺ کے اس کائنات میں جلوہ گر ہونے سے قبل اس جہان پر کفر و الحاد کی تہ در تہ ظلمتیں چھائی ہوئی تھیں لوگ ظلم و جفا کی سختیوں میں پس رہے تھے۔ تم جہاں کہیں دیکھتے تمہیں ایسی تاریکیاں نظر آتیں جو عقل کو حیران کر دیتیں اور انسان انہیں احاطۂ تحریر میں نہ لا سکتا خواہ اسے جتنا بھی علم اور قوتِ بیان عطا کی گئی ہوتی۔

ایران اور روم دو ایسی سلطنتیں تھیں جن کا دنیا کی اکثر اقوام پر غلبہ تھا۔ ایران نے مشرق کی زمام اقتدار سنبھال رکھی تھی۔ جبکہ روم نے مغرب پر اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ دونوں سلطنتوں کے حکام، اغنیاء اور صاحبانِ منصب اپنی رعایا پر گونا گوں ستم ڈھاتے تھے۔ وہ انہیں دردناک اذیتوں میں مبتلا کرتے۔ وہ اسی جور و جفا سے بلند و بالا محلات تعمیر کرتے۔ عوام پر اتنے ٹیکسز لگائے جاتے کہ غرباء ان کے بوجھ سے کراہنے لگتے۔ لوگوں کو غلام بنا لیا گیا تھا لیکن ان کے لیے شفقت و رحم کا جذبہ تک نہ پھوٹتا انسانی خون سے زمین بھر جاتی۔ لوگوں کے حقوق ناجائز ہضم کر لیے جاتے، ظالموں کی قوت و طاقت، باغیوں کے غرور و تکبر اور وحشیوں کی سنگدلی کے سامنے کمزور لوگ بے بس اور لاچار تھے۔ آپ اس ظلم و ستم اور ان اذیتوں کے بارے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں جو ان باغی حکام اور اغنیاء کے لیے مظلوم رعایا پر روا سمجھے جاتے تھے جو جہالت و ظلم کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ ساری عوام ان کی غلام بے دام ہے۔ وہ مقدس و مطہر ہیں اور ان غلاموں کی گردنوں کے غلام ہیں۔ جہانِ رنگ و صوت میں امن و آشتی کا نام تک مٹ چکا تھا۔ دل خوف اور رعب سے لبریز تھے۔ کمزوروں پر مصائب اور شدائد کا غلبہ تھا۔ تکالیف، مصائب اور ستم عام تھے۔ زمین چیخ اٹھی، اس نے اپنے خالق کے حضور ان مصائب اور غم انگیز معاملات کی شکایت کی۔

ان مظالم کی وجہ سے ذلت، مسکنت اور عاجزی ان اقوام کے نفوس میں جڑ پکڑ چکی تھی۔
ان کی طبیعتیں یوں ہو چکی تھیں کہ گویا کہ وہ ان ظالموں کی وجہ سے ہی اپنا وجود قائم رکھ سکتی تھیں یہ امر باپ سے بیٹوں کی طرف اور دادوں سے پوتوں کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔ یہ حالت زار ان اقوام کی تھی جو محکوم تھیں بالخصوص قیصر و کسریٰ اور دیگر ملوک اور امراء جن پر حکومت کر رہے تھے۔ البتہ اہلِ عرب کسی سلطان کے زیرنگیں نہ تھے۔ کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کے امور کو سرانجام دیتا۔ کتنے ہی قبائل جنگ کی بھٹی میں جھونکے جا چکے تھے۔ کتنے ہی گھر کھنڈرات بن چکے تھے، حتیٰ کہ فضاء گریہ و زاری اور آہ و فغاں سے لبریز ہو چکی تھی۔ مردون پر ان کی قبروں میں پرندوں کو ان کے آشیانوں میں، جانداروں کو ان کے مساکن میں اور جانوروں کو جنگلات میں بے قرار کر دیتی تھیں۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی ان کا عام پیشہ تھا، ان کی وحشت کا عالم یہ تھا کہ ایک شخص اپنے جگر کے ٹکڑے کو زندہ درگور کر دیتا تھا۔ وہ اسے کسی گناہ کے بغیر ہی زمین میں دفن کر دیتا تھا۔ وہ اپنے اس سنگدلانہ عمل کی دلیل یہ دیتے تھے کہ انہیں مستقبل میں اپنی بیٹیوں کے بارے عار کا خدشہ ہے انہیں خطرہ ہے کہ وہ کسی روز بدکاری نہ کر بیٹھیں۔ لیکن ان کی یہ دلیل کتنی بھونڈی ہے کسی سے مخفی نہیں وحشت کا عالم یہ تھا کہ وہ رزق کے خوف سے اپنی اولاد تہ تیغ کر دیتے تھے۔ ان کی بلاغت و فصاحت اور خطبے اور اشعار ان کے نفوس پر کوئی اثر نہ کرتے تھے کہ وہ اس طرح کے جرائم اور مظالم سے رک جاتے۔ جن سنگدلی اور وحشت اپنے پورے مفہوم کے ساتھ عیاں نظر آتی ہے۔
تاریخ کے اوراق ہمارے سامنے ہیں۔ ہم ان کی خونریز جنگوں کا مطالعہ کرتے ہیں مثلاً حرب البوس، راحس، غبراء، ایام الفجار وغیرہ ان جنگوں نے ستم و جفا کی وجہ سے زمین کو لہو سے بھر دیا تھا۔ اس قوم کے حالات میں غور و خوض تو کرو کہ بنو شیبان کی اونٹنی کو بنو ربیعہ کے سردار نے قتل کر ڈالا ان دونوں قبیلوں کے مابین خونریز جنگ ہوئی۔ اور چالیس سال تک خون آشام جنگ کی چکی چلتی رہی۔ ظلم، جفا، حوادث اور انسان کے ابن انسان پر تعدی کی داستان ایک طرف تھی۔ جہاں تک عقائد کا تعلق ہے تو یہ قوم متفرق مذاہب میں منقسم تھی۔ وہ گونگے حیوانوں، ٹھوس پتھروں، جلانے والی آگ اور ان ستاروں کی پوجا پاٹ کرتے تھے جنہیں متغیر زمانہ فنا کے گھاٹ اتار دیتا۔ اسی طرح انہوں نے دیگر مذاہب اور عقائد فاسدہ اپنا رکھے تھے۔ سابقہ شریعتوں کے کچھ امور پر بھی وہ کاربند تھے لیکن انھوں نے ان میں اس قدر تغیر و تبدل کر دیا تھا جس نے انہیں اس شکل سے ہی پھیر دیا تھا۔ وہ اس کا مفہوم تک نہ سمجھ سکتے تھے۔ وہ خود بھی گمراہ تھے، دیگر اقوام کو بھی گمراہ کر

رہے تھے۔ اسی لیے جنگ کی آتش ان میں پھیل گئی تھی، حالات اضطراب کا شکار تھے۔ بدعتیں بہت زیادہ تھیں۔ ان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ وہ حلوہ سے بت بنا لیتے، ان کی پوجا کرتے جب بھوک لگتی تو انہیں کھا لیتے، زمانہ کے صفحات پر مرقوم ان فتنوں اور آزمائشوں کی وجہ سے کائنات تیرہ و تار تھی۔

زمین فصیح زبان سے عرض کناں تھی ''پروردگار! ان مظالم سے مجھے نجات دے۔ ان مصیبتوں میں میری مدد کر۔ رب غفور نے اس کی التجا کو شرف قبولیت سے نوازا۔ اپنے سارے انسانوں کی طرف رسولِ کریم ﷺ کو مبعوث کیا۔ جو خلق عظیم کے مرکب کے شہ سوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خیر الامم کو پسند فرمایا۔ قبائل میں سے افضل قبیلہ کو منتخب فرمایا۔ اس میں سے افضل خاندان چنا۔ گھروں میں سے معزز گھر کو پسند فرمایا پھر کائنات کے لیے ہر اس خالص، طیب، طاہر اور پاکیزہ جوہر کو ظاہر کیا، آپ ﷺ بزرگی، شرف کا خلاصہ ہیں، گراں قدر موتیوں کا عمدہ جوہر ہیں۔ آپ ﷺ سارے انبیاء کرام، رسلِ عظام، ملائکہ اور ساری مخلوق سے افضل ہیں۔

آپ ﷺ کی طلعت زیبا کا نیر تاباں عام الفیل ۱۲ ربیع الاول بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ م کو مکہ مکرمہ میں طلوع ہوا۔ آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کی ولادت مبارکہ سے قبل ہی انتقال فرما ہو چکے تھے۔ جب آپ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا بھی وصال فرما گئیں۔ آپ کی کفالت آپ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب نے کی دو سال بعد وہ بھی دارِ فانی کو الوداع کہہ گئے تو آپ کی کفالت جناب ابوطالب نے کی۔ آپ کو پانچ اونٹ اور کچھ بھیڑیں ترکہ میں ملیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ اپنے چچازادوں کے ساتھ عزت و آبرو کے ساتھ عنفوانِ شباب تک پہنچے۔ خواجہ ابوطالب قلیل المال اور کثیر العیال تھے۔ لیکن سخی، فیاض، کریم النفس اور بلند ہمت تھے۔ ان کے اوصاف کی امثال بیان کی جاتی تھیں آپ ﷺ اپنے چچازادوں میں اخلاقِ کریمانہ اور اوصاف حسنہ کے ساتھ پروان چڑھتے آپ نے نہ تو یتیم بچوں کی سی ذلت اٹھائی اور نہ ہی غرباء کی مانند مسکنت کا سامنا کیا۔ آپ ملحدوں کے کفر اور جابروں کے ظلم و تعدی کی تباہ کن تاریکیوں میں اسی طرح پروان چڑھتے رہے حتیٰ کہ فرشتہ آپ پر وحی الٰہی لے کر آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔ آپ اس طرح جوان ہوئے کہ آپ اوہام و خرافات سے دور تھے۔ ان گمراہیوں سے آپ کا دامن پاک تھا۔ حالانکہ رب تعالیٰ کے علاوہ آپ کا معلم اور مؤدب کوئی نہ تھا۔ آپ توحید پر تھے، حالانکہ آپ کی قوم مشرک تھی۔ آپ نہ تو ان لوگوں

میں سے تھے جو پڑھ یا لکھ سکتے تھے، نہ ہی ان لوگوں میں سے تھے جو تقریر یا اشعار کی وجہ سے مشہور تھے۔ اس مفہوم کو صرف وہی بلند اقبال سمجھ سکتے ہیں۔ جو راسخ فی العلم ہیں جن کا علم مضبوط ہے اور جنہیں حکمت وعرفان کا نور نصیب ہوا ہے۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ بچہ انہی عقائد اور اوصاف پر پروان چڑھتا ہے جن پر اس کی قوم ہوتی ہے مگر آپ کی ذاتِ والا نے اپنی قوم کے عقائد اور مذاہب کے مخالف نشو ونما پائی، اگر آپ نے بعثت سے قبل قرأت اور کتابت سیکھی ہوتی اور آپ کا شمار شعراء اور خطباء میں ہوتا تو آپ کا قوم کی اس طرح مخالفت کرنے میں عقل کے لیے گنجائش ہوتی۔ اسی طرح آپ اگر نشو ونما پالینے اور کامل عقل رکھنے والے افراد کی حد تک پہنچنے کے بعد اپنی قوم کی مخالفت کرتے تو یوں کہا جا سکتا تھا کہ آپ نے اپنی بے نظیر دانشمندی اور عمدہ دانائی کی وجہ سے اپنی قوم کی مخالفت کی ہے، نیز یہ بھی کہا جا سکتا تھا آپ نے اس غور وفکر کے بعد اپنی قوم کی مخالفت کی جو کبھی خطا نہیں کرتا۔ مگر آپ نے اسی عمدہ حالت پر نشو ونما پائی۔ آپ کو بچپن سے ہی بت پرستی سے نفرت تھی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح مبعوث کیا کہ آپ اخلاق اور آداب میں کامل ترین تھے۔ آپ ان خرافات سے دور تھے حتیٰ کہ بعثت سے قبل آپ کی قوم آپ کو ''الامین'' کہہ کر پکارتی تھی۔

آپ ﷺ کا امر بھی بڑا عجیب ہے۔ آپ کے پاس نہ تو لشکر تھے، نہ ہی قوت وسلطنت تھی، نہ ہی مال ودولت کے انبار تھے کہ کہا جاتا کہ آپ ساری مخلوق کے لیے عام دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بلکہ یہ دعوتِ حق لے کر اٹھے تو آپ اس وقت تنہا تھے۔ نہ تو کوئی آپ کا بوجھ اٹھانے والا تھا، نہ ہی کوئی سہارا تھا، جو آپ کی مدد کرتا۔ آپ ایسے لوگوں کے سامنے یہ دعوتِ حق لے کر اٹھے جو جابر اور متکبر تھے۔ ان کا اثر ان کی اقوام اور قبائل میں بہت زیادہ تھا۔ وہ اپنی اپنی قوم کے سردار تھے، آپ نے انہیں ان کے غرور وتکبر کے آسمان سے اتارا اور انہیں عاجزی و انکساری کی حد پر لا کر کھڑا کر دیا۔ ان کے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ ساری عزتیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے کہ سلطنت عطا فرما دیتا ہے جس سے چاہتا ہے اس سے اقتدار چھین لیتا ہے۔ وہ اپنے گھروں میں اس لیے نہیں ٹھہرے تا کہ وہ لوگوں کو غلام بنائیں بلکہ یہ گھرانے کے ٹھکانے اس لیے ہیں تا کہ وہ انکی مصلحتوں کے مطابق انتظامات کریں۔ ان سے ظلم وستم اٹھائیں۔ وہ اس چرواہے کی مانند ہیں جو اپنی بکریاں شاداب میدان اور سبزہ زار میں لے کر جاتا ہے وہ انہیں بھیڑیوں اور وحشی جانوروں سے بچانے کے لیے جاگتا ہے۔ وہ ان سے ہر تکلیف روکتا ہے اور

انہیں ہر قسم کا سکون اور آرام پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنی قوم میں اقتدار، مال اور جاہ و منصب کی وجہ سے ممتاز نہیں، بلکہ تقویٰ اور راہِ ہدایت پر گامزن ہونے کی وجہ سے ممتاز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: ''تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔
اس روز حساب لینے والے کے سامنے ان سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا
جب ہر نفس کے اچھے یا برے اعمال کا حساب ہوگا۔''

آپ ﷺ نے اہلِ شرک اور گمراہوں کے سامنے بآواز بلند دین حق کی تبلیغ کی، انہیں حکم دیا کہ وہ بتوں کی عبادت چھوڑ دیں، وہموں کے دامن کو پکڑنے سے اجتناب کریں۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ احد اور یکتا ہے، وہ سارے جہانوں کا خالق ہے، وہ آنکھوں سے مخفی ہے، نہ تو کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اس پر زمانہ رواں ہو سکتا ہے، افکار اور سوچیں اس کی ذات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتیں۔ عقول اور حواس اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ اس کے ادراک سے عاجزی ہی ادراک ہے۔ آپ نے ان اہلِ کتاب کو صدا دی جنہوں نے دین میں تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی کتب کو بدل دیا تھا۔ اس میں تحریف کر دی تھی۔ ان اشیاء کو اس کا شریک بنا دیا تھا۔ جو اپنے نفع اور نقصان کے بھی مالک نہ تھے۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی طرف ایسے افعال اور ایسی صفات منسوب کر رکھی تھیں جو اس کے شایانِ شان نہ تھیں۔ آپ نے قرآنِ پاک کی زبان سے انہیں فرمایا:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا۔ (آل عمران: ۶۴)

ترجمہ: اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے وہ تو ذاتِ بابرکات ہے جس نے کسی کو جنم نہیں دیا نہ ہی اسے کسی نے جنا اور نہ ہی کوئی اس کی مملکت میں شریک ہے۔

آپ نے ان باغیوں، سرکشوں، خون بہانے والوں روائے حرمت کو چاک کرنے والوں، بچوں کو یتیم کرنے والوں، عورتوں کو بیوہ کرنے والوں، کمزوروں کے حقوق کھانے والوں

اور ناداروں پر ظلم کرنے والوں کے منہ کو لگام دی۔ انہیں ذلیل و رسوا کر کے انہیں خاک آلود کیا۔ ان کے نفسوں کو ذلیل کیا حالانکہ وہ تکبر کر رہے تھے۔ صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہ نمائی کی جبکہ وہ سر تسلیم خم کیے ہوئے تھے۔ خون محفوظ ہو گئے۔ عزتیں اموال اور ارواح ظالموں، باغی اور سرکشوں کے ہاتھ سے محفوظ ہو گئیں، مظلوم غریب کو انصاف ملا، کمزور کو عدل کی وجہ سے ایسا ہتھیار مل گیا جس کے ساتھ وہ طاقتور سے بدلہ لے سکتا تھا۔ آپ نے بتوں کے پجاریوں پر نظر کرم کی، وہ شہوتوں کے سلطان کی پیروی کر رہے تھے۔ وہ لذتوں پر منہ کے بل گرے ہوئے تھے، سامانِ دنیا سے دھوکہ کھائے ہوئے تھے، ان کے اخلاق خراب ہو چکے تھے، آداب مٹ چکے تھے، آپ نے ان کی راہِ راست کی طرف راہ نمائی کی۔ ان کے لیے واضح کیا کہ دنیاوی ساز و سامان قلیل ہے۔ آخرت کی نعمتوں کے علاوہ کوئی نعمت نہیں، وہ ابدی نعمتیں ہیں، آپ نے گمراہ کو ہدایت عنایت کی، نڈر کو ادب سکھایا ٹیڑھے کو سیدھا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے، ذرا اس ہستی پاک کی طرف تو دیکھو جس کا رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی وزیر اور مددگار نہیں جو اس کے ساتھ تعاون کرے۔ وہ ایسے عظیم امور لے کر اٹھ کھڑے ہوتی ہے جو بتوں کو تھکا دیتے ہیں، جن کے سامنے عزائم حقیر نظر آتے ہیں، ایک ہستی پاک کے سامنے بادشاہوں اور اقوام نے سر تسلیم خم کر دیا۔ آپ کے سامنے بڑے بڑے جابر رسواء ہو گئے، قیصر و کسریٰ کے تاج جھک گئے، آپ ایسے اُمی تھے جس کے سامنے فلاسفر کے حواس، علماء، شعراء اور خطباء کے اذہان حقیر ہو گئے تھے، آپ ایسے اُمی تھے جس نے بت پرستوں کے سامنے نشو و نما پائی آپ سماوی کتب پڑھنے والوں کو ہدایت کے لیے کھڑے ہو گئے کہ وہ ان کتابوں کو چھوڑ دیں جو ان کے ہاتھوں میں ہیں، ان کی تعلیمات کو ترک کر دیں، اس دعوت کی وجہ سے عقلیں مبعوث ہو گئیں۔ اس امی، حکیم اور یکتائے روزگار کے لیے دانشمند اور صاحب رائے حیران تھے جن کے سامنے بادشاہوں قیصر اور کسریٰ کی گردنیں جھک گئی تھیں۔ آپ بہت بڑے نفس کے مالک تھے، بچپن ہی سے نگاہ ناز بلندیوں اور رفعتوں کی سمت تھی، آپ بڑے بڑے امور کا ہی ارادہ فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب کے لیے ایک چٹائی تھی جسے ان کی عزت و احترام کی خاطر کعبہ معظمہ کے سایہ میں بچھایا جاتا تھا اس پر ان کے علاوہ کسی اور کو بیٹھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے فرزندانِ ارجمند بھی اس قالین کے اردگرد بیٹھتے تھے۔ اس وقت حضور سید عالم ﷺ کا معصوم بچپن تھا۔ آپ اس قالین پر تشریف فرما ہو جاتے۔ جب آپ کے چچا

آپ کو پکڑ کر وہاں سے اتارنا چاہتے۔ تو حضرت عبدالمطلب ان سے فرماتے:

''میرے اس نورِ نظر کو چھوڑ دو، بخدا! اس کی شان نرالی ہوگی۔''

وہ آپ کو اپنے ساتھ اس قالین پر بٹھا لیتے، آپ کی مبارک کمر پر ہاتھ پھیرتے اور آپ کا حسن و جمال دیکھ کر مسرور ہوتے۔

اے اسلام پر طعن کرنے والو! سید انام ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے والو! کیا یہ امور آپ کے سب سے بڑے معجزات میں سے نہیں ہیں۔ آپ کی رسالت کی صداقت پر سب سے قوی دلائل نہیں ہیں۔ بلاشبہ آپ کو یہ قوت و حکمت اس ذاتِ والا کی طرف سے ملی جس نے ارواح تخلیق کیں، نعمتیں عطا فرمائیں، حکمت سے نوازا اس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپ نے جان لیا کہ کس طرح سید المرسلین ﷺ دعوتِ حق لے کر اٹھ کھڑے ہوئے، آپ نے یہ بھی جان لیا کہ آپ نے کیسے نشو و نما پائی، جو علم تمہیں حاصل ہوا ہے، اس کی خوب حفاظت کرو۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

ترجمہ: ''اور دعا مانگا کیجیے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو۔''

روم کے بادشاہ ہرقل کی ہمارے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بارے رائے

حضرت ابوسفیان سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ''ہرقل نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں ملک شام میں قریش کے ایک کارواں کے ہمراہ تھا۔ ہرقل نے ہمیں اپنی مجلس میں بلایا۔ اس کے اردگرد روم کے عظیم لوگ بیٹھے ہوئے تھے، پھر اس نے اپنا ترجمان بلایا، اس نے کہا:

''تم میں سے سب سے زیادہ نسب میں اس شخص کا قریبی کون ہے؟''

ابوسفیان کہتے ہیں، میں نے کہا:

''میں نسب میں ان کا سب سے زیادہ قریبی ہوں۔''

ہرقل نے کہا:

''اسے میرے قریب کرو۔''

اس کے درباریوں نے مجھے اس کے قریب کر دیا۔ دیگر افراد کو اس نے اپنے پیچھے کھڑا کر

دیا۔ پھر اپنے ترجمان سے کہا:

"ان سے کہو کہ میں اس شخص سے چند سوالات کرنے لگا ہوں اگر وہ جھوٹ بولے تو اس کی بات جھٹلا دینا۔"

بخدا اگر مجھے یہ حیا نہ ہوتی کہ مجھے جھوٹا سمجھا جائے گا تو میں ہرقل سے ضرور جھوٹ بولتا۔

اس نے پہلا سوال کیا:

ہرقل: "اس شخص کا تم میں نسب کیسا ہے؟"

میں نے کہا:

"وہ نسب کے اعتبار سے ہم سب سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔"

ہرقل: "کیا تم میں سے اس شخص سے پہلے بھی کسی نے دعویٰ نبوت کیا؟"

مَیں نے کہا:

"نہیں۔"

ہرقل: "کیا اس شخص کے آباء میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟"

مَیں نے کہا:

"نہیں۔"

ہرقل: "کیا سردار لوگ اس کی اتباع کر رہے ہیں یا کمزور؟"

مَیں نے کہا:

"کمزور۔"

ہرقل: کیا ان کے پیروکاروں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟"

مَیں نے کہا:

"بڑھ رہی ہے۔"

ہرقل: "کیا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کسی نے ان کے دین کو چھوڑا بھی ہے۔"

مَیں نے کہا:

"نہیں۔"

ہرقل: "کیا اس کے دعویٰ نبوت سے قبل کبھی تم نے اس کی طرف جھوٹ منسوب کیا تھا؟"

مَیں نے کہا:

''نہیں۔''

ہرقل: ''کیا اس نے کبھی دھوکا کیا ہے؟''

مَیں نے کہا:

''نہیں! ابھی ہم میں ایک معاہدہ ہوا ہے، ہم نہیں جانتے کہ وہ اس کے متعلق کیا کرتے ہیں۔''

اس بات کے علاوہ میں کوئی اور گفتگو داخل کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ ہرقل نے کہا:

''کیا تم نے اس کے ساتھ کبھی جنگ کی ہے؟''

مَیں نے کہا:

''ہاں!''

ہرقل: ''اس کا نتیجہ کیا نکلا؟''

مَیں نے کہا:

''کبھی ہمیں غلبہ نصیب ہوا اور کبھی اسے۔''

ہرقل نے کہا:

''وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے؟''

''مَیں نے کہا:

''وہ ہمیں کہتا ہے: ''صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ان معبودانِ باطلہ کی عبادت چھوڑ دو جن کی پوجا تمہارے آباء واجداد کرتے تھے۔ وہ ہمیں نماز، سچ، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔''

ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا:

''اسے کہو! میں نے اس سے اس ذات کے نسب کے بارے پوچھا: تو تو نے کہا:

''وہ تم میں بلند نسب ہیں''

رسلِ عظام علیہم السلام کو اسی طرح بلند و بالا نسب میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ مَیں نے پوچھا:

''کیا اس سے قبل تم میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کیا تھا؟'' تو نے کہا: ''نہیں۔'' اگر اس سے قبل کسی نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا: ''یہ وہ شخص ہے جو اس قول کی پیروی کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہا گیا۔''

مَیں نے تجھ سے پوچھا:

"کیا اس کے آباء میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

تو نے کہا:

"نہیں۔" میں نے کہا: "اگر اس کے آباء میں سے کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا یہ وہ شخص ہے جو اپنے آباء کا اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

مَیں نے تجھ سے پوچھا:

"کیا اس کے دعویٰ نبوت سے قبل تم نے کبھی جھوٹ اس کی طرف منسوب کیا؟"

تو نے کہا: "نہیں۔" مَیں جان گیا کہ وہ ذات والا جو لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتی وہ رب تعالیٰ کے بارے کیسے جھوٹ بول سکتی ہے؟ میں نے تجھ سے پوچھا: "کیا امراء اس کی اتباع کر رہے ہیں یا کمزور لوگ؟"

تو نے کہا: "کمزور لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں۔" رسلِ عظام علیہم السلام کی پیروی کمزور لوگ ہی کرتے ہیں۔

مَیں نے تجھے کہا:

"کیا اس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟"

تو نے کہا: "ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔" ایمان کا معاملہ اسی طرح ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ مکمل ہو جائے۔

میں نے تجھ سے پوچھا:

"کیا اس کا دین اپنا لینے کے بعد کوئی مرتد بھی ہوا ہے؟"

تم نے کہا: "نہیں!" ایمان کی کیفیت اسی طرح ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

مَیں نے تجھ سے پوچھا:

"کیا اس نے کبھی دھوکا دیا ہے؟"

تو نے کہا:

"نہیں!" رسلِ عظام علیہم السلام اسی طرح ہوتے ہیں وہ کسی سے دھوکا نہیں کرتے۔

مَیں نے تجھ سے پوچھا:

"وہ کیا حکم دیتا ہے؟

تو نے کہا:

"تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، وہ تمہیں بت پرستی سے روکتا ہے، تمہیں نماز، صدق اور پاکدامنی کا حکم دیتا ہے، اگر وہ سچ ہے جو تو کہہ رہا ہے، تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک بن جائے گا، جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں، اگر مجھے علم ہوتا کہ میں اس ہستیٔ پاک تک پہنچ سکوں گا تو میں چٹیل میدانوں اور ریگستانوں کو طے کرتا ہوا ان تک پہنچ جاتا اگر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو آپ کے قدمین شریفین دھوتا۔"

نضر بن حارث کا تعلق بنو عبدالدار سے تھا۔ وہ آپ کا جانی دشمن تھا، مگر اس نے آپ کے بچپن ہی سے آپ کی صداقت، امانت اور عفت نفس کی گواہی دی۔ اس نے کہا:

"محمد (ﷺ) تم میں ایک نوخیز جوان تھے ان کی عادات سب سے زیادہ پسندیدہ تھیں، وہ تم میں سے سب سے زیادہ راست گو تھے۔ سب سے زیادہ امانت دار تھے، لیکن جب تم نے ان کی کنپٹیوں میں سفیدی دیکھی اور تمہارے پاس حیات آفرین پیغام لے کر آئے تو تم نے کہا: 'یہ تو جادوگر ہے۔' بخدا وہ جادوگر نہیں۔"

یہ آپ ﷺ کی صداقت کی عجیب وغریب دلیل ہے کہ آپ پیر کے روز اس جہانِ آب و گِل میں رونق افروز ہوئے، پیر کے روز ہی آپ کے سرِ قدس پر نبوت کا تاج زریں سجایا گیا، پیر کے روز ہی آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے۔ پیر کے روز ہی آپ کا وصال ہوا۔ جس روز اہلِ مکہ نے حجر اسود رکھنے کے لیے آپ کو ثالث مقرر کیا وہ پیر کا دن ہی تھا، ربیع الاول میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ربیع الاول میں ہی آپ نے ہجرت فرمائی، اور اسی مہینہ میں ہی آپ کا وصال ہوا۔ علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم۔

حضور سید کائنات ﷺ کے بارے نجاشی کی رائے

جب مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا ہو گئی تو انہوں نے مکہ مکرمہ سے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا قصد کر لیا تا کہ ان مشرکین کی تکالیف سے محفوظ ہو جائیں۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، اس کارواں کے امیر تھے جب مسلمانوں کا یہ قافلہ حبشہ پہنچا تو قریش مکہ نے عرب کے چالاک

افراد میں سے دو فرد ان کے پیچھے پیچھے یہ دو افراد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ تھے۔ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، ایک اور روایت کے مطابق دوسرا قاصد عمارہ بن ولید تھا۔ ان قاصدین کے پاس گراں قدر تحائف بھی تھے، جنہیں وہ نجاشی کے درباریوں کے لیے لے کر جا رہے تھے، تاکہ وہ ان مہاجرین کو اپنے شہروں سے نکال دیں۔

نجاشی کے درباریوں کو قیمتی تحائف دینے کے بعد یہ دونوں نجاشی کے دربار میں گئے، انہوں نے کہا: "اے شاہِ والا! ہمارے چند احمق جوان آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہوئے ہیں۔" انہوں نے اپنا اور اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے آپ کا دین بھی اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ ایک ایسا نیا دین لے کر آئے ہیں، جس سے نہ ہم آشنا ہیں نہ تم۔ ان کی قوم کے سرداروں نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں واپس لوٹا دیں، جب بادشاہ نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھا تو ان میں سے ان افراد نے کہا جنہوں نے قریش مکہ کے تحائف قبول کر رکھے تھے، یہ دونوں فرد جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے۔ ان پناہ گزینوں کو ان کے اہلِ خانہ کی طرف لوٹا دیا جائے، مگر نجاشی نے ان کی اس بات کی پرواہ نہ کی، حتیٰ کہ اس نے ان مہاجرین کی بات بھی سن لی۔ اس نے انہیں بلایا وہ بادشاہ کے پاس آئے۔ مگر اسے سجدۂ تعظیمی نہ کیا جس طرح کہ اہلِ حبشہ کی عادت تھی۔ بادشاہ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے کہا:

"تم نے مجھے سجدہ کیوں نہ کیا"

انہوں نے فرمایا:

"ہم اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔"

بادشاہ نے ان سے اس نئے دین کے بارے پوچھا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے یوں گوہر افشانی کی:

"اے شاہِ والا! ہم ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں غوطہ زن تھی۔ ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، غلیظ کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، پڑوسیوں پر ظلم کرتے تھے، ہم میں سے قوی ضعیف کو ہڑپ کر جاتا تھا، حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے ہم میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا، ہم ان کے بلند نسب، ان کی صداقت اور امانت سے آگاہ تھے۔ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تاکہ ہم اسے یکتا تسلیم کریں، صرف اسی کی عبادت کریں،

انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا۔ ہمیں گندے کاموں اور جھوٹ سے روکا۔ ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لے آئے، اور ان کے پیغامِ حق کی اتباع کر لی۔ ہماری قوم ہم پر چڑھ دوڑی، اس نے ہمیں تکالیف میں مبتلا کر دیا، ہمارے دین کے بارے ہمیں فتنہ میں مبتلا کر دیا تاکہ ہمیں دوبارہ بت پرستی کی طرف لوٹا دیں، جب انہوں نے ہم پر غلبہ پالیا اور ہم پر ظلم کیا تو ہم نے آپ کے ملک کی طرف ہجرت کی، دوسروں کو چھوڑ کر آپ کو ترجیح دی۔ ہمیں امید ہے آپ کے ہاں ہم پر ظلم و ستم نہیں ہوگا۔"

نجاشی نے کہا:

"کیا تمہارے پاس اس روح پرور کلام کا کچھ حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے رسول معظم ﷺ پر نازل ہوا۔"

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہاں!"

انہوں نے اسے سورۂ مریم کی آیات بینات سنائیں، جنہیں سن کر نجاشی گریہ بار ہو گیا، حتیٰ کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی، پھر اس نے اپنے اردگرد دیکھا اور کہا:

"بخدا! یہ کلام روح فزاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والا کلام ایک ہی چراغ سے نکلے ہیں۔"

پھر اس نے تحائف واپس کر دینے کا حکم دیا، تحائف واپس کر دیئے گئے، نجاشی نے کہا:

"بخدا! میں کبھی بھی ان مہاجرین کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔"

جب یہ قاصد اس شرمندگی اور ذلت کے بعد دربار سے باہر نکلے، انہوں نے باہم مشاورت کی، پھر بادشاہ کے پاس آ کر اسے کہا:

"شاہِ ذیشان! کیا آپ کو علم ہے کہ ان کا نیا دین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے اس طرح کا قول آپ پسند کرتے ہیں۔"

نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ اپنے دربار میں بلایا۔ اس نے انہیں کہا:

"تمہارا دین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی طرف پھینکا تھا۔"

نجاشی نے کہا:

"ان دو دینوں کے مابین اس سے بھی کم فرق ہیں۔"

اس کے ہاتھ میں گھاس کا تنکا تھا، اس نے اس کی طرف اشارہ کیا، پھر ان قاصدوں پر صرف ایک نگاہ ڈالی، اس نے مہاجرین سے کہا کہ وہ اس کے پڑوس میں امن وسکون سے رہیں۔ حتیٰ کہ وہ صحیح وسالم اپنے وطن لوٹ جائیں انہیں کسی بھی مخلوق سے کسی قسم کی اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ آپ نے اہلِ ایمان کے لیے مشرکین کی تکالیف ملاحظہ فرمائیں، پھر فرمایا:

"کاش! تم اللہ تعالیٰ کی سرزمین میں پھیل جاؤ حتیٰ کہ اس تکلیف دہ صورت حال سے نکلنے کا کوئی رستہ پیدا ہو جائے۔"

صحابہ کرام عرض گزار ہوئے:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم کہاں جائیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حبشہ۔ وہاں ایسے بادشاہ کا بسیرا ہے جو خود بھی ظلم نہیں کرتا نہ ہی اس کے پاس کسی کو ظلم کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں نجاشی کے ان اخلاق کو دیکھا جن میں سے بعض کا تذکرہ میں نے اختصار کے ساتھ کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کے نام گرامی نامہ اور اس کا جواب

ہجرت کے چھٹے سال حضور داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوبِ گرامی دے کر نجاشی (اصحمہ) کے پاس بھیجا۔ نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا۔ اس خط مبارک میں آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے آپ کے مکتوب مبارک کا جواب دیا۔ حضور اکرم

ﷺ کا گرامی نامہ یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ کی طرف!

''امابعد! میں تیرے پاس اس خدائے یکتا کی ستائش کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ملک، قدوس، سلام، مومن اور مہیمن ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے پاکیزہ، پاک طینت اور کنواری مریم کی طرف پھینکا تھا۔ اسی روح اور پھونک کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے شکم اقدس میں جلوہ افروز ہو گئے، جس طرح کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت اور پھونک سے تخلیق کیا۔ میں تجھے اس رب تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو وحدہٗ لا شریک ہے۔ میں تجھے اس کی اطاعت بجالانے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز یہ کہ تو میری اتباع کرے۔ مجھ پر ایمان لے آئے۔ اس پیغامِ حق پر ایمان لے آئے جو مجھ پر اترا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ میں تجھے اور تیرے لشکر کو اللہ رب العزت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے پیغام حق پہنچا دیا ہے اور تجھے نصیحت کر دی ہے، تو میری نصیحت قبول کر لے۔ میں نے اپنے چچازاد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ایک گروہ کے ہمراہ تیری طرف بھیجا ہے۔ اگر وہ تیرے پاس آئیں تو انہیں اپنے پاس ٹھہرا لینا، سرکشی چھوڑ دو۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی۔''

جب نجاشی تک آپ کا یہ گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ اور اس کی تعظیم بجالایا۔ وہ اپنے تخت شاہی سے نیچے اترا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے وہ مکتوبِ گرامی ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں رکھ دیا اور کہا:

''بخدا! حبشہ اس وقت تک خیر و برکت کے ساتھ رہے گا۔ جب تک اہلِ حبشہ میں یہ خط مبارک رہے گا۔''

نجاشی نے اسلام قبول کر لیا، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر اسلام کی بیعت کی، اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ یہ خط بھیجا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نجاشی اصحمہ کی طرف سے!

سلام علیك یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! لا الہ الا اللہ الذی

ھدانی الی الاسلام!

یا رسول اللہ! مجھے آپ کا گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا ہے، اس میں آپ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے، آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم! حضرت عیسٰی علیہ السلام اس سے زائد نہیں جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ گٹھلی اور گندم میں باہم کوئی تعلق نہیں۔ جن چیز کے ساتھ آپ ہماری طرف مبعوث ہوئے ہیں، ہم اسے پہچان گئے ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں، کہ آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، میں نے آپ کے چچازاد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے آپ کی بیعت کی ہے، میں ان کے ہاتھوں ہی اللہ رب العالمین پر ایمان لایا ہوں۔

السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آمین!

بعض روایات میں ہے کہ جب آپ کو نجاشی کا یہ خط ملا تو آپ نے فرمایا:

”حبشہ کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں۔“

القرآن الشریف

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا قدیم کلام ہے، یہ اس کا صراطِ مستقیم ہے۔ یہ اس کی حجت بالغہ ہے۔ یہ اس کا پھیلنے والا نور ہے۔ یہ کفر کی گردنیں کاٹنے والی تلوار ہے۔ اس کا سرچشمہ شیریں ہے، جو جہالت کی وجہ سے پیاسے کی پیاس بجھا دیتا ہے۔ اس کا علم گمراہی سے ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ یہ حکمت کا چشمہ، عدل کا میزان اور ہر چیز کا سرمایہ ہے۔ یہ معجزات کا معجزہ ہے یہ نشانیوں کی نشانی ہے۔ یہ زمانے کی بقا تک باقی رہنے والا ہے۔ یہ تبدیلی کرنے والوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہے۔ اسے تلاوت کیا جاتا ہے، اسے روایت کیا جاتا ہے، مگر اس سے اکتایا نہیں جاتا۔ اس کا طریقہ کتنا لذیذ ہے، اس کی ترکیب کتنی فصیح ہے، اس نے بلغاء کو چیلنج کیا تو انہیں خاموش کرا دیا۔ انہوں نے اس کے ساتھ جھگڑا کیا تو اس نے ان کا سر جھکا دیا۔ انہوں نے اس کے ساتھ جنگ کی تو

اس نے انہیں رسوا کر دیا۔ ان سے انتقام لیا، اس نے دلیل کے ساتھ دشمنوں سے جھگڑا کیا، یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے وحی ہے، جسے حضرت جبرائیل امین نے سید المرسلین ﷺ پر نازل کیا۔

اس سے پہلی فصل میں ہم نے تحریر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے کیسے نشوونما پائی۔ آپ امی تھے کسی استاذ نے آپ کو تعلیم نہ دی تھی۔ کسی مؤدب نے آپ کو تادیب نہ سکھائی تھی (صرف رب تعالیٰ نے ہی آپ کو تعلیم اور تادیب سکھائی تھی) کسی کلام سکھانے والے نے آپ کو کلام نہ سکھایا تھا۔ عرب کے شعراء اور خطباء کی طرز پر آپ کی تربیت نہیں ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ اس میں اس شخص کے لیے کچھ گنجائش ہوتی جو آپ پر تہمت لگائے کہ آپ ہی ان آیات بینات والے ہیں۔ یہ کلام پاک وہ ہے جو صحائف میں مرقوم ہے اور سینوں میں محفوظ ہے۔

قرآن پاک فصیح عربی زبان میں اس وقت نازل ہوا جب اہلِ عرب کے ہاں بلاغت اپنے پورے جوبن اور عنفوانِ شباب پر تھی۔ یہ قوم اپنے اشعار پر فخر کرتی تھی حتیٰ کہ حالت یہ ہو گئی تھی کہ وہ بلیغ شعر کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے تھے، وہ اپنے اظہارِ بیان اور اشعار پر فخر کرتے ہوئے اپنے قصائد کعبہ مشرفہ کے ساتھ لٹکا دیتے تھے۔

جب حضور ہادیٔ اعظم ﷺ نے لوگوں کو اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف دعوت دی اور انہیں سمجھایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے تو اپنے معبودانِ باطلہ کی وجہ سے تعصب کرتے ہوئے اور اپنے عقائد باطلہ کو لازم پکڑتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آپ شاعر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے ان کا رد فرمایا۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ (یٰسین:۶۹)

ترجمہ: ''اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر، اور نہ یہ ان کے شایانِ شان ہے۔''

جب انہوں نے کہا:

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا۔ (الفرقان:۵)

ترجمہ: ''افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں۔''

تو انہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (الواقعۃ:۸۰)

ترجمہ: ''یہ اتارا گیا ہے رب العالمین کی طرف سے۔''

پھر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ وہ لوگوں کے لیے بیان فرما دے کہ قرآن پاک معجزہ

ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے رسول مکرم ﷺ کی تائید فرمائی ہے تو اس نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے فرمایا:

قُلۡ فَأۡتُوا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ۔ (ہود:۱۳)

ترجمہ: ''آپ فرمایئے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی۔''

ایک اور آیت طیبہ میں فرمایا:

فَأۡتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثۡلِهٖ۔ (البقرہ:۲۳)

ترجمہ: ''تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی۔''

حالانکہ تم سب لوگوں سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی دلیل کی قوت میں اضافہ فرمایا، اپنی برہان کو اور زیادہ واضح فرمایا، لوگوں نے فرمایا:

قُل لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡإِنسُ وَالۡجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأۡتُوا بِمِثۡلِ هَٰذَا الۡقُرۡءَانِ لَا يَأۡتُونَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيرًا۔ (الاسراء:۸۸)

ترجمہ: ''(بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لاسکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار۔''

جب وہ اس چیلنج کا جواب دینے سے عاجز آ گئے، وہ اپنی بغاوت اور سرکشی پر ڈٹے رہے، انہیں علم ہو گیا کہ اگرچہ وہ فصاحت و بلاغت کے پیش رو ہیں لیکن پھر بھی سارے لوگوں میں ایک شخص بھی قرآن پاک جیسا کلام پیش نہیں کر سکتا۔ اس دلیل نے انہیں مبہوت کر دیا جو اس لاریب کلام کو اتارنے والے نے ان کے خلاف دی تھی، وہ یہ کہ سارے جن و انس مل کر بھی قرآن پاک جیسا کلام پیش کرنے سے قاصر ہیں، وہ تالیف، وصف کلام اور اختیار معانی میں اس مبارک کلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے، پھر انہوں نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ حضور ﷺ جھوٹ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ) رب تعالیٰ نے انہیں یہ جواب دیا:

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنۡ أَحَدٍ عَنۡهُ حَٰجِزِينَ ۝ وَإِنَّهُۥ لَتَذۡكِرَةٌ لِّلۡمُتَّقِينَ ۝ وَإِنَّا

لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ۝ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ۝ (الحاقۃ: ۴۴ تا ۵۱)

ترجمہ: ''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا، تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگِ دل، پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لیے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں اور یہ بات باعثِ حسرت ہوگی کفار کے لیے اور بے شک یہ یقیناً حق ہے۔''

آپ جانتے ہیں کہ اہلِ عرب فصاحت و بلاغت کی رفعتوں پر فائز تھے، وہ قرآن پاک کی ایک سورت کا بھی مقابلہ نہ کر سکے، یہ بات آپ کے یقین میں اور اضافہ کر دے گی کہ وہ اس کتاب عزیز کی ایک آیت طیبہ جیسی آیت بھی پیش کرنے سے عاجز رہے۔

قرآن مجید کے اعجاز کا صرف یہی ایک پہلو نہیں، بلکہ شریعت مطہرہ کے ان قواعد وضوابط کے اعتبار سے بھی معجز ہے جو اس نے عبادات اور معاملات کے بارے بیان کیے ہیں۔ ان کائنات کے نقطۂ آغاز سے لے کر تا قائم قیامت تک کے سارے علماء اکٹھے ہو جائیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور مدد کریں تو وہ عبادات کے بارے ایسے قواعد وضوابط کبھی بھی پیش نہیں کر سکیں گے جیسے قوانین قرآنِ پاک میں پیش کیے گئے ہیں، اسی لیے وہ معاملات کے بارے میں قواعد نہیں بنا سکیں گے جس طرح قرآن پاک نے پیش کیے ہیں۔ حدود اور سزاؤں کے نفاذ، حقوق اور گناہوں کے بارے قرآن مجید کے بیان کردہ قوانین کائنات کے سارے امور کے انتظام کے لیے کافی ہیں، حالانکہ ان قوانین اور قواعد وضوابط نے بڑے بڑے علماء، فلاسفہ اور ان قانون ساز اداروں کو تھکا دیا ہے جنہیں اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے قوانین میں تبدیلی اور تغیر وتبدل کر رہے ہیں، ہر قوم نے ایسے قوانین وضع کر رکھے ہیں جو دیگر اقوام کے قوانین کے مخالف ہیں وہ اس کے نفاذ اور مواد میں بھی کمی وبیشی کرتے رہتے ہیں مگر وہ ابھی تک ایک قانون بھی بنانے میں کامیاب نہیں ہوئے جو ان کے سارے امور کو شامل ہو اور انسان کے آرام اور راحت کا کفیل ہو۔

اسی طرح یہ کتابِ زندہ حکمت بالغہ اور ضرب الامثال اور مواعظہ حسنہ اور ان جوامع الکلم کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے جن کی مثال نہ تو زمانۂ ماضی کے حکماء، علماء اور شعراء پیش کر سکے، نہ ہی اس زمانہ کے لوگ ان کی مثال لا سکتے ہیں۔ اہلِ عرب جو سارے لوگوں سے زیادہ فصیح تھے وہ بھی

قرآن حکیم کے چیلنج کا جواب نہ دے سکے۔ عجمی اس بے مثل کتاب کی نظیر کیسے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ بات تمہاری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے کہ ان کی قوت اس سے کہیں قلیل ہے۔ ان کی صحت اس سے عاجز تر ہے وہ اس سے زیادہ تر حقیر ہیں کہ وہ اس قرآن پاک کی مثل پیش کر سکیں۔

صحیح ترمذی میں حضرت حارث اعور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا:

میں مسجد میں سے گزرا، لوگ احادیث کے بارے بحث و مباحثہ کر رہے تھے، میں حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، مَیں نے عرض کی:

"امیر المومنین! کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ لوگ احادیث میں بحث و مباحثہ کر رہے ہیں۔"

انہوں نے کہا:

"کیا وہ اس طرح کر رہے ہیں۔"

مَیں نے عرض کی:

"ہاں!"

انہوں نے فرمایا:

"مَیں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا:

"عنقریب ایسا فتنہ رونما ہوگا۔"

مَیں نے عرض کی:

"اس سے باہر نکلنے کا راستہ کیا ہوگا؟"

آپ نے فرمایا:

"اللہ رب العزت کی کتاب۔ اس میں تم سے پہلے لوگوں کی بھی داستانیں ہیں اور تمہارے آنے والوں کی بھی حکایتیں ہیں، یہ تمہارے مابین ثالث ہے، یہ قولِ فیصل ہے۔ جس نے سرکشی کرتے ہوئے اسے ترک کیا، یہ رب تعالیٰ کی مضبوط رسی (واسطہ، تعلق) ہے، یہ ذکر حکیم ہے، صراطِ مستقیم ہے اس سے خواہشات ٹیڑھی نہیں ہوتیں، زبانیں التباس کا شکار نہیں ہوتیں، علماء اس سے سیر نہیں ہوتے، یہ بار بار پڑھنے سے بوسیدہ نہیں ہوتا، نہ ہی اس کے عجائب ختم ہوتے ہیں، یہ وہی کلام مقدس ہے جسے سن کر جنات بھی ہدایت قبول کرنے سے نہ رک سکے، حتیٰ کہ انہوں نے کہا:

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ۔ (الجن:1)

''ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ راہ دکھاتا ہے ہدایت کی۔''

جس نے اس کتاب کے ساتھ گفتگو کی، اس نے سچ کہا، جس نے اس کے مطابق عمل کیا، اسے اجر ملا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا، اس نے عدل کیا، جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کی۔

ایک امریکی پادری نے جب حق کو جان لیا، اس کے لیے انوارِ اسلامیہ ضوفشاں ہو گئے تو اس نے کہا:

''ان تند و تیز آندھیوں کے مابین جو صلیبی جنگوں سے لے کر اب تک چل رہی ہیں، اور مغربی استعمار کے باوجود اسلام کا یوں محکم رہنا قرآن پاک کے سب سے بڑے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔''

فرانس کے مشہور ڈاکٹر مریس نے کہا ہے:

''قرآن پاک وہ سب سے افضل کتاب ہے جسے عنایت ربانی نے نوع انسان کے لیے نازل کیا ہے۔ مشہور مستشرق بوسورث سمتھ نے اپنی مشہور کتاب ''حیاۃ محمد'' میں لکھا ہے، محمد عربی ﷺ نے ایک ہی وقت میں تین عظیم اور جلیل القدر امور کی بنیاد رکھی۔ آپ نے ایک امت، ایک سلطنت اور ایک مذہب کی بنیاد رکھی۔ حالانکہ آپ امی تھے، آپ نے کہیں سے پڑھا لکھا نہ تھا، پھر بھی ایک ایسی ذی شان کتاب لے کر آئے جو فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہے اور دین، نماز اور شریعت کے قوانین پر مشتمل ہے۔''

جیبون نے لکھا ہے:

''بحر اٹلانٹک سے لے کر نہر لجانس تک یہ بات مسلمہ ہے کہ قرآن پاک ایک بنیادی دستور ہے، یہ صرف دین کے اصولوں پر ہی مشتمل نہیں بلکہ یہ ان احکام اور قوانین پر مشتمل ہے جس پر نوع انسان کی زندگی اور اس کے امور کی ترتیب کا انحصار ہے، حضور ﷺ کی شریعت بیضاء ایک غریب سے لے کر سب سے بڑے بادشاہ تک سب کو محیط ہے، یہ ایک ایسی شریعت مطہرہ ہے جسے سب سے زیادہ مضبوط اور محکم طریقہ پر بنایا گیا ہے ساری دنیا میں اس کی مثال لانا ناممکن ہے۔''

کارلائل نے لکھا ہے:

''قرآن مقدس ایسی کتاب ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، سچے اور پاکیزہ احساسات اور عمدہ نیتیں میرے لیے قرآن کریم کی فضیلت آشکارا کرتی ہیں۔ وہ سب سے پہلی اور آخری فضیلت جو قرآن پاک میں پائی جاتی ہے کہ سارے فضائل اپنے اختلافات کے باوجود اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے متعلق بالآخر یہی کہنا پڑتا ہے، ان گوناگوں فضائل کی کثرت کی وجہ سے مقابلہ کرنے والوں کو اس میں مقابلہ کرنا چاہیے۔''

ڈاکٹر ایم، اہنو مصر میں جاپان کے قونصلت تھے) نے کہا ہے:

''زمین کے مشارق ومغارب میں مسلمانوں نے اگر قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل کر لیا تو یہ ان کے لیے زندگی کے سارے میدانوں مثلاً اجتماعی، معاشرتی، ادبی، دینی اور سیاسی میدانوں میں ترقی اور رفعت کا سبب بنا، کیونکہ اس کتابِ زندہ نے جدید اور قدیم تمدن کا احاطہ کر رکھا ہے، یہ ایک جامع کتاب ہے۔ میرے پاس اس کے کئی تراجم ہیں، مجھے ابھی علم ہوا ہے کہ اس کا انگلش میں بھی ترجمہ ہے، میں نے اس کا بہت مطالعہ کیا۔ میں اس کی بالغ حکمتوں اور معاملات کا نظم وضبط دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔ مجھے اس بات نے بھی تعجب میں ڈالا کہ مسلمان اپنے دینی معاملہ کا اہتمام کس قدر کرتے ہیں اور اس کی رفعت کے لیے کس قدر کوشاں رہتے ہیں، اگر وہ اسی طرح رواں دواں رہے تو وہ یقیناً اس منزل تک پہنچ جائیں گے جن کی انہیں امید ہے۔''

مسٹر اڈمونڈ بورک مشہور انگریز نے کہا ہے:

''قانونِ محمدی (حضور ﷺ کی شریعت مطہرہ) بادشاہ سے لے کر کم درجہ کی رعایا تک سب کو محیط ہے، یہ قانون انتہائی محکم ہے، ساری دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

محترم جوئٹہ نے کہا ہے:

''جب بھی ہم نے قرآن پاک میں غور وفکر کیا تو ہمیں خوف اور ڈر نے آ لیا لیکن ہم نے جلد ہی اس میں ایسی جاذبیت پائی جس سے ہمیں اس کی عظمت کا قائل ہونا پڑا۔ قرآن پاک مقدس کتب میں ایک بلند وبالا نمونہ ہے، عنقریب

سارے زمانوں اور ساری نسلوں میں اس کی تاثیر پیدا ہو جائے گی۔"

ڈیوڈ بورٹ نے کہا ہے:

"قرآن پاک ایک ایسا دستور ہے جو اجتماعی تہذیبی، تجارتی، عدالتی اور جنگی پہلو کو محیط ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ ایک عظیم آسمانی قانون ہے۔"

ولیم مویر نے کہا ہے:

"قرآن مجید کے سارے دلائل طبعی ہیں، وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ کس قدر مہربان ہے۔"

ڈاکٹر جبون نے کہا ہے:

"دستورِ اسلامی ایسا دستور ہے جو ہر انسان کو شامل ہے، یہ تخت نشیں سے لے کر خاک نشیں تک سب کا گھیراؤ کیے ہوئے ہے، کیونکہ یہ ایک ایسی حکمت پر قائم ہے، جسے اس ہستی نے بنایا ہے جو اس زندگی کے بارے میں سب سے زیادہ علم وعرفان رکھتی ہے۔"

برنارڈ شا نے کہا ہے:

"اگر محمد عربی ﷺ اس زمانہ میں مبعوث ہوتے تو آپ کو اس نئے عالم پر پورا کنٹرول حاصل ہوتا آپ ساری دنیا کے مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو جاتے اور ساری دنیا کی قیادت سعادت اور سلامتی کی طرف کرتے۔"

بعض فلاسفہ اور بڑے بڑے علماء نے فرمایا ہے:

"کیا قرآن حکیم وہ عظیم آسمانی صحیفہ نہیں ہے جس نے انسان کو ظلم، ستم اور بغاوت کے پھندے سے آزاد کیا، دلوں کو کینہ، حسد اور سرکشی کی میل کچیل سے پاک کیا۔ لوگوں کے لیے حق، ایمان، عدل اور احسان کا رستہ روشن کیا، اقوام کے لیے تہذیب وتمدن، معاشرہ، سیاست اور فیصلوں کے بارے ارفع اور اعلیٰ نمونے قائم کیے۔ فطرتِ انسانی کو قوت، صفائی اور تہذیب کا بہت بڑا حصہ عطا فرمایا، لوگوں کو حقوق، حدود اور واجبات میں مساوات عطا کی۔ چہرے اور دل رب تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف جھک گئے، وہ فرق مٹ گئے جنہوں نے بعض کو بعض کا رب بنا رکھا تھا، ان کے خون برابر ہو گئے، ان کا ادنیٰ شخص بھی اپنے

حقوق کے لیے کوشش کرنے لگا، نہ کوئی غلام رہا نہ آقا، نہ کوئی سربلند رہا نہ گمنام، سارے مسلمان باہم بھائی بھائی بن گئے، وہ جماعت میں ہر فرد کے لیے اور فرد جماعت کے لیے مددگار بن گئے۔"

قرآن مجید لوگوں کے لیے اترا، اس نے ان کے لیے ابتداء اور انتہا کو واضح کر دیا، اس نے شریعت اور راہِ راست کو واضح کر دیا، اس نے نہ تو آنکھوں پر پٹی باندھی نہ ہی عقلوں پر پردہ ڈالا، نہ دلوں کے دروازے بند کیے نہ ہی ارواح کو محبوس کیا بلکہ ان میں سے ہر ایک کو بلند پرواز کے لیے پر عطا کیے اور پاکیزہ اور صاف فضا میں انہیں کھلا چھوڑ دیا، روحانی، مادی، عقلی اور قلبی زندگیاں اسلام کے پاکیزہ سایہ میں ایک ہی صف میں کھڑی ہو گئیں۔ یہ ایک ایسی قوت واحدہ سے آراستہ ہیں کہ ان میں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہے ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہے، وہ ایک دوسرے کا نہ ساتھ چھوڑتی ہیں نہ ہی ایک دوسرے کی مدد ترک کرتی ہیں وہ کسی عاجزی یا انکساری کا اظہار نہیں کرتیں، بلکہ وہ سب ایک ہی منزل کی رواں دواں رہتی ہیں ان کی منزل وہ سعادت ازلی ہے جو فرد اور جماعت کو شامل ہے۔ یہ کتاب زندہ عقل انسانی کی کس طرح حلیف بنی، اس سے کمزوری اور سستی کی گرد کو دور کر دیا، جمود کی زنجیریں توڑ ڈالیں، اس نے اسے غور وفکر، تدبر، انتظام، اعتبار، استفسار، سوچ و بچار، کائنات کی نشانیوں مخلوق کے عجائبات، فطرت کے اسرار اور زندگی کے رازوں میں غور وخوض کرنے کی قوت عطا فرمائی، تاریخ کی عبرت انگیز داستانوں اور پہلے لوگوں کے قصوں میں غور کرنے کی طاقت بخشی، قرآن پاک نے عقل اور دل کے مابین ایک مضبوط رابطہ قائم کر دیا، ایمان عقل کو تقویت بخشتا ہے جبکہ عقل ایمان کو طاقت دیتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (یونس:۱۰۱)

ترجمہ: "فرمایئے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔"

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

النَّارِ۝ (آل عمران:۱۹۰،۱۹۱)

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں اہلِ عقل کے لیے، وہ عقل مند جو یاد کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں) اے ہمارے مالک! نہیں پیدا فرمایا تو نے یہ (کارخانۂ حیات) بے کار پاک ہے تو (ہر عیب سے) بچا لے ہمیں آگ کے عذاب سے۔''

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝ (الذاریات:۲۱)

ترجمہ: ''اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتیں۔''

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝ (المؤمنون:۱۱۵)

ترجمہ: کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔''

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۝ (الانعام:۱۱)

ترجمہ: ''آپ فرمائیے سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیا ہوا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا۔''

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝ (الاعراف:۱۷۹)

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے پیدا کیے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل (بے خبر) ہیں۔''

اسی قوت کی وجہ سے قرآن مجید عقل کو غور و فکر کی دلآویز اور روشن جنت کی طرف لے گیا، اسی قوت کی وجہ سے اس سے خود میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی تا کہ عیاں ہو سکے کہ کیا اس میں

ضعف یا اختلاف کا کوئی طعنہ پایا جاتا ہے یا یہ واضح، قوی اور قدیم ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿النساء:٨٢﴾

ترجمہ: ''تو کیا تم غور نہیں کرتے قرآن میں؟ اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلافِ کثیر۔''

اسلام نے عقل انسانی کو احترام بخشا ہے، اس کے صحیح قیاس کو شریعت اسلامی کے ارکان میں سے ایک رکن مانا ہے، قرآن پاک توحید کی سب سے بڑی کتاب ہے، اس کا شعار وہ وحدت ہے جو دین و دنیا کو شامل ہے۔ جو سلامتی، جنگ اور ابتداء اور انتہا کو محیط ہے سارے مسلمان ایک ملت ہیں وہ ایک کلمہ کی مانند ہیں، ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿المؤمنون:٥٢﴾

ترجمہ: ''اور یہی تمہارا دین ہے (اور) وہ ایک ہی ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں سو تم ڈرا کرو مجھ سے۔''

اس مقام پر ہم تھوڑا سا توقف کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا فرمان کے ساتھ رب ذوالجلال نے سارے مسلمانوں کو تفریق و انتشار سے ڈرایا۔ مسلمانوں نے کتاب الٰہی کی طرف کتنی جلدی کی۔ قرآن پاک کے الفاظ کے پیچھے علم، ادب، حقیقت، شریعت، آثار اور اخبار کی اسرار و رموز سے شفا پائی۔ انہوں نے قرآن پاک کے مقاصد کے اظہار کے لیے دینی، لسانی اور کونی علوم وضع کیے۔ عالمی تہذیب و تمدن کے علوم کا ترجمہ کیا، جلد ہی عربی زبان یونان، روم، ایران، ہندوستان اور مصر کے علوم کی جامع ہو گئی۔ ہر ہر قوم تہذیب، ادب اور فن کے علوم سے آراستہ تھی۔ اس نے مسلمانوں کو وافر حصہ عطا کیا۔ مسلمانوں نے ان علوم و فنون میں تیز دل اور جرأت مند عقل کے ساتھ غور و فکر کیا۔ ان کے دین کی فیاضی نے انہیں بحث و مباحثہ پر ابھارا اسی طرح مسلمان پہلے لوگوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کی تہذیبوں کے مابین خوبصورت مالا کا دھاگہ بن گئے۔ مصر، شام اور اندلس کے مسلمانوں سے اسلامی تہذیب یورپ کی طرف منتقل ہو گئی، آج ہمیں جہاں کہیں بھی خوشگوار زندگی، علم، تہذیب، عدل اور آزادی نظر آ رہی ہے یہ حضور سید عالم ﷺ کی رسالت کا ہی فیضان ہے، جب لوگ اس صحیفۂ رشد و ہدایت میں بصیرت کی نظر اور سیرت کے نور سے غور و فکر کریں گے تو انہیں علم ہوگا کہ اسلام فطرت سلیمہ کا دین ہے۔ یہ درست فکر کا دین ہے یہ عقل بصیر کا دین ہے، یہ

علم منیر کا دین ہے، یہ غور و فکر اور تدبر کا دین ہے۔

مشارق و مغارب کی ترتیب کیسے درست نہ ہو، یہ رب تعالیٰ کا شہاب ثاقب ہے یہ اس کا نور ہے جو تاریکیوں میں ضوفشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ انکار فرماتا ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو ضرور مکمل فرمائے گا۔

لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ۝ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (الانبیاء: ۱۰۵،۱۰۷)

ترجمہ: ”اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند و موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے، یقیناً اس قرآن میں کفایت ہے اسی قوم کی (فلاح دارین) کے لیے جو عبادت گزار ہے، اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔“

اس کے بعد ربِ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فرمایا:

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ (الانبیاء: ۱۰)

ترجمہ: ”بے شک ہم نے اتاری تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔“

اس ذکر کریم کی شہرت دور تک پھیلی ہوئی ہے، یہ شان میں بلند مرتبت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور سید المرسلین ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ۝ (الزخرف: ۴۴)

ترجمہ: ”اور بے شک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور (اے فرزندانِ اسلام) تم سے جواب طلبی ہوگی۔“

مسلمانوں کے لیے یہ اللہ رب العزت کے ذمۂ کرم پر ہے کہ اگر انہوں نے قرآن مجید کا دامن مضبوطی سے تھام لیا تو وہ اس زندگی میں مکمل کامران و کامیاب ہوں گے، اس وعدہ کے بعد کون سا وعدہ رہ جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہے۔ وہ اس بات کے لائق ہے کہ اسے پورا کرے۔ رب تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہے، اس سے زیادہ سچا کون ہے۔

اے حاملِ قرآن! تجھے تو سردار، آزاد، قوی اور غالب ہونا چاہیے جس کی طرف دنیا اپنی زمامِ اقتدار پھینک دے جس طرح کہ اس نے اس سے قبل تیرے آباء کی طرف اقتدار کی زمام پھینکی تھی، صاحبِ قرآن وہ نہیں جو اس کے اوراق کو تو اٹھائے ہوئے ہو لیکن اخلاق کے اعتبار سے اسے پس پشت پھینک دے، نہ ہی وہ حاملِ قرآن ہے جو اسے تلاوت تو کرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ حاملِ قرآن تو وہ ذات ہے جو اس پر ایمان لاتی ہے، اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتی ہے اس دین متین کی شریعت میں سے ہے کہ ایمان اور عمل لازم وملزوم ہیں، عمل کے بغیر ایمان کامل نہیں۔ ایمان کے بغیر اعمال کی کوئی حیثیت نہیں درحقیقت صاحبِ قرآن وہ شخص ہے جس کی روح قوی ہو، جس کا دل پاک وصاف ہو۔ نفس امارہ کا انکار کرنے والا، اور زبان کا سچا ہو۔ اس کا وجدان بیدار ہو، وہ راہِ حق پر ایسے محکم قدموں سے رواں ہوتا ہے کہ حوادث اس کا رخ نہیں پھیر سکتے۔ وہ نہ تو کسی ملامت گر کی ملامت سے ڈرتا ہے نہ کسی جابر کی طاقت کے سامنے خوفزدہ ہوتا ہے۔

اے مسلمان! قرآن پاک کے جھنڈے کے نیچے آجا۔ اس کے مبارک جھنڈے کے نیچے ایسی شوکت ہے جس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ اس کے نیچے ایسی نعمت ہے جسے چھینا نہیں جا سکتا۔ اس کے نیچے ایسی بات ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے نیچے ایسی قوت ہے جس کی حد نہیں، اس کے نیچے ایسی عزت ہے جو ختم نہیں ہو سکتی۔

ذرا غور وفکر کرنے والی آنکھ سے دیکھو کہ جب تک مسلمان اس راہ پر گامزن رہے جو قرآن مجید نے ان کے لیے متعین کیا تھا تو وہ عزت ورفعت کے بلند مراتب پر فائز رہے۔ شرف و بزرگی کے بلند درجات پر آشیاں بند رہے۔ جب انہوں نے قرآن پاک کے حکم کو پس پشت ڈالا تو انہیں مکدر زندگی اور برے حالات کے شکنجے میں کس دیا گیا حتیٰ کہ دیگر اقوام نے انہیں اپنا غلام بنا لیا، اس کرۂ ارضی کو اپنے سامنے رکھو، اسلامی ممالک اور ان کی جوانب میں دیکھو تو تمہیں ایک بھی ایسا شہر نظر نہیں آئے گا جو اجنبی قدموں سے خالی ہو جس نے اس کی آزادی سلب نہ کر لی ہو۔

لا حول ولا قوۃ الا بك یا مقلب القلوب و نسئلك اللھم ان تغیر الاحوال الی احسن حال۔ آمین!

اسلام دینِ حنیف

اسلام وہ دینِ متین ہے جسے وہ نبی کریم ﷺ لے کر تشریف لائے جو خلقِ عظیم کے شہ سوار تھے جو خاتم النبیین والمرسلین ہیں۔ یہ کتاب لاریب رب تعالیٰ کی طرف سے ان پر وحی کی گئی۔ رب تعالیٰ نے معجزات باہرہ کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی، ان معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے، ان میں ایسی آیات بینات ہیں جن میں کوئی شک نہیں یہ تقویٰ شعاروں کے لیے سراپا ہدایت ہے یہ غافلوں کے لیے نصیحت ہے یہ ایک ایسی سیدھی کتاب ہے جس میں ٹیڑھا پن نہیں ہے، باطل نہ اس کے آگے سے اور نہ پیچھے سے داخل ہوسکتا ہے۔

جب یہ دین متین آیا، اس وقت یہ عالم جہالت، کفر، ظلم اور ستم کی تاریکیوں میں گم تھا۔ اس نے دلوں سے پردے اٹھا دیے، اندھے پن کے بعد آنکھوں کو بصارت عطا کر دی، اس نے بت پرستوں کے معاملات منتشر کر دیے، قلوب پر سے عقائد فاسدہ، خرافات اور گمراہیوں کی زنجیریں کاٹ ڈالیں، نوعِ انسان کے لیے ایک ایسا صراطِ مستقیم پیش کیا جس پر چل کر وہ سعادتِ ابدی تک پہنچ سکتے تھے۔ لوگ اپنے خالق سے بھی غافل تھے، وہ وہم، گمراہی، جہالت اور ضلالت کی وادی میں سرگرداں تھے۔ اس دینِ متین نے دلوں سے کثیف پردہ اٹھایا۔ خالق کی پہچان ہوئی، عقول کے لیے توحید کے دلائل عیاں ہوئے، یہ بھی علم ہوا کہ رب تعالیٰ کے لیے کون سی صفات اور اسماء واجب ہیں کون سی محال اور کون سی جائز ہیں۔ عقل، ارادے اور افکار ان زنجیروں میں مقید تھے جنہیں ان لوگوں نے بنا رکھا تھا جن کے دلوں کو رب تعالیٰ نے برباد کر دیا تھا۔ انہیں اتنی آزادی بھی نہ تھی کہ وہ اس کائنات میں تصرف کر سکیں یا آسمانی کتب کے معانی کا مفہوم سمجھ سکیں۔ اس دینِ حق نے انسان کو ان زنجیروں سے آزادی بخشی، عقل کو آزادی بخشی کہ وہ خالق کی اس کاری گری میں غور وفکر کرے۔ وہ ان احکام اور آیات کو سمجھے جنہیں اس نے اپنے رسول امین ﷺ پر نازل کیا۔ وہ انہیں ان شرائط اور حدود کے تقاضا کے مطابق سمجھے جن کو اس نے اگر عبور کیا تو وہ گمراہ ہو جائے گا اور خواہشات کے سلطان کی پیروی کرنے لگے گا۔

اس دینِ حق کے نور کے پھیلنے سے قبل کائنات میں ایک انسان بھی اس کلام سے آگاہ نہ تھا جو اس نے اپنے رسل عظام پر نازل کیا۔ بلکہ ایک گروہ ایسا بھی تھا جو اپنی خواہشات کے مطابق اس میں تصرف کر لیتا تھا، دینِ حق آیا تو اس نے لوگوں کے لیے وہ چیز واضح کر دی جسے سمجھنا ان

کے لیے مشکل تھا، ان حقائق کو عیاں کر دیا جو ان سے دور تھے گمراہ کو ہدایت نصیب ہوئی۔ متردد کو یقین کی دولت ملی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ۝ (البقرۃ:۷۸)

ترجمہ: ''اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے اور وہ تو محض وہم و گمان ہی کرتے رہتے ہیں۔''

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

(الجمعۃ:۵)

ترجمہ: ''ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں، (اس سے بھی زیادہ) بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔''

جب دینِ مبین آیا تو لوگ آسمانی کتب کے مفہوم کے بارے متفرق گروہوں میں منقسم تھے ہر شخص کلامِ الٰہی کی اس طرح تاویل کرتا جس طرح چاہتا قرآن مجید نے لوگوں کے لیے ایک طریقہ مقرر کر دیا، انہیں بتایا کہ وہ ساری شریعتیں جو انبیاء کرام اور مرسلین عظام پر نازل ہوئیں ان کا مقصد ان کی دنیاوی اور اخروی سعادت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی تعظیم، تمجید، دنیا اور آخرت کی بھلائی کی طرف راہ نمائی ہے، اللہ رب العزت کے اس فرمان کا مصداق یہی ہے:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۭ (آل عمران:۱۹)

ترجمہ: ''بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور نہیں جھگڑا کیا جن کو دی گئی تھی کتاب مگر بعد اس کے کہ آگیا تھا ان کے پاس صحیح علم (اور یہ جھگڑا) باہمی حسد کی وجہ سے تھا۔''

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ إِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا ۭ (الشوریٰ:۱۳)

ترجمہ: ''اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں۔''

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آلِ عمران: ٦٤)

ترجمہ: ''اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنالے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا پھر وہ اگر روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہلِ کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں۔''

کیا اس امر کے بعد بھی کسی دلیل اور برہان کی ضرورت رہتی ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ دین حق ہر زماں اور ہر مکاں کے لیے ہے۔ یہ وہی دین قیم ہے جو عقول کی وحدانیت اور اس معبودِ حقیقی کی معرفت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ یہی دینِ حق ہے جو انسان کے لیے راہِ سعادت روشن کرتا ہے اور اس کی راہ نمائی اس چیز کی طرف کرتا ہے جو اس کے دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کر دیتی ہے۔

جب تم اس دین کے اصول اور قواعد میں بصیرت کے ساتھ غور و فکر کرو گے تو تم پاؤ گے کہ یہ دین توحید الٰہی کے بعد عدل کا حکم دیتا ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے پر ظلم نہ کرے، قوی ضعیف کو ہڑپ نہ کرے، اسی سے شہروں میں امن کی خوشبو پھیلے گی، انسان اس دنیا میں امن کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ یہ دین متین ہمیں اتفاق کا حکم دیتا ہے، نا اتفاقی سے روکتا ہے، یہ دلوں سے کینہ اور حسد مٹانے کا حکم دیتا ہے، اس طرح لوگ باہم محبت اور الفت کرنے لگیں گے۔ اس طرح ان کے احوال درست ہوں گے، وہ خوشگوار زندگی گزار سکیں گے۔

یہ مغربی تہذیب جس پر اہلِ مغرب فخر کرتے ہیں ساری دنیا کے سامنے پھولے نہیں سماتے۔ اسی وجہ سے وہ دینِ اسلام پر طعن کرتے ہیں، اس کے بھی بعض امور وہی ہیں جن پر اس دینِ حنیف نے ابھارا ہے۔ اگر یہ لوگ دینِ اسلام کا مفہوم سمجھ جائیں، یہ جان لیں کہ اس سے

شارعِ حکیم کا ارادہ کیا ہے۔ وہ عقل کے فیصلے پر راضی ہو جائیں تو تم پاؤ گے کہ وہ سارے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے، وہ فاسد عقل اور باطل عقائد رکھنے والوں سے اس کا دفاع کریں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قوانین بنانے والے قانون بناتے ہیں۔ وہ لوگوں کے مابین عدل قائم کرنے کے لیے اپنی طرف سے قواعد وضع کرتے ہیں پھر ہر ہر لحہ ان قوانین وقواعد میں تغیر وتبدل کرتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ کدوکاوش ایک ایسا قانون نہیں لاسکتی جو انسان کی دنیا اور آخرت کی سعادت کا کفیل ہو۔ آج تک قوم وادئ حیرت میں سرگرداں ہے۔ وہ اس وقت اس وادی میں اسی طرح سرگرداں رہیں گے جب تک وہ دینِ اسلام کے قواعد اور قوانین سے پہلو تہی کرتے رہیں گے۔

انسان کی ایک مصلحت ایسی ہے جس کا تعلق صرف اس کی ذات کے ساتھ ہے اور ایک مصلحت ایسی ہے جس کا تعلق سارے انسانوں کے ساتھ ہے۔ دینِ حنیف انسان کے لیے واضح کرتا ہے کہ وہ ان دو مصلحتوں کو کیسے پورا کرے اگر سارے جن وانسان اکٹھے ہو جائیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مدد کریں تو پھر بھی دینِ اسلام کے سارے اسلام احکام جیسے نہ تو احکام بنا سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں سے بعض وضع کر سکتے ہیں ہم اس امر کی وضاحت مزید ایک دلیل سے کرتے ہیں۔

دینِ اسلام نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا مقرر کی ہے، اگر یہ حد قائم کر دی جائے اور اسے معطل نہ کیا جائے تو تجھے قید خانوں میں ایک چور بھی نظر نہ آئے، اگر تم جگہوں، سڑکوں اور راستوں پر سونا بھی چھوڑ دو تو کسی میں جرأت نہ ہو کہ وہ اس کے قریب جائے یا اسے پورا چرا لے۔ شارعِ حکیم نے بدکاری کی حد مقرر کی ہے، اگر یہ حد قائم کی جائے، اسے معطل نہ کیا جائے تو ہمیں ایک بھی عزت فروش عورت نظر نہ آئے نہ ہی وہ فسق وفجور کے بازار میں اپنے حسن و جمال کو فروخت کرے۔ دینِ متین نے شراب نوش کے لیے سزا مقرر کی ہے اگر یہ سزا قائم کی جائے تو قوم میں یہ مرض نہ پھیلے، نہ ہی شراب کے گندے نتائج سامنے آئیں، یہ ام الخبائث ہے، دینِ حق نے جھوٹوں، دغابازوں اور ملاوٹ کرنے والوں کے لیے حد مقرر کی ہے، یہ ایسے طریقوں سے مال بٹورتے ہیں کہ ابلیس بھی ان سے عاجز ہے، اگر یہ حدود قائم کر دی جائیں تو شہر اس گمراہ ٹولے سے پاک ہو جائے جس کا نقصان تذکرہ سے مستغنی ہے۔ شریعت مطہرہ نے زکوٰۃ مقرر کی ہے۔ اگر

اغنیاء زکوٰۃ ادا کریں تو تمہیں غرباء اور مساکین پر فاقہ کے اثرات نظر نہ آئیں گے، اسی طرح ان امور پر قیاس کرو جن کا ربِ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا جن سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سرکشوں اور باغیوں سے فرمایا جو دینِ قدیم کے رستہ سے ہٹ گئے ہیں۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ (البقرہ:۱۱۱)

''آپ (انہیں) فرمایئے لاؤ اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو۔''

اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ دینِ حق انسانی ضروریات کے لیے کافی ووافی بن کر آیا ہے۔ یہ مخلوق کی راہ نمائی اس امر کی طرف کرتا ہے جس میں دونوں جہاں کی سعادتیں ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے جب یہ دین حق ظاہر ہوا تو دیگر اقوام اور ملتوں کو مختلف فرقوں اور گروہوں نے منتشر کر رکھا تھا یہی ساری مخلوق کی ہدایت کا سبب بنا۔ اس دینِ متین کے سامنے سارے لوگوں کی دو کیفیتیں بن گئیں۔

١. وہ یا تو اس میں برضاء ورغبت داخل ہوئے۔
٢. یا اسے عظیم سمجھتے ہوئے اس کی تقلید کی۔

سارے اہلِ ادیان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دینِ اسلام نے نوعِ انسان سے سارے بوجھ اور زنجیریں اتار پھینکیں۔ سارے حالات میں ان کا معاملہ درست کیا حتیٰ کہ دیگر اقوام اور ملل اس چشمۂ صافی کی طرف آئیں تا کہ اس سے اپنی تشنگی کا مداوا کریں۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ دین عدل وانصاف، مساوات واخوت کا حکم دیتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے ساتھ جھگڑوں میں بھی فیصلہ ان کے حق میں ہوا حالانکہ وہ مسلمان جنجز میں تھے اسی لیے وہ گروہ در گروہ اسلام قبول کرنے لگے۔

فتوحاتِ اسلامیہ میں علم پھیل گیا، ہارون الرشید اور مامون کے عہد میں بغداد میں اٹھنے والی علمی تحریک اس علمی تحریک سے کم نہ تھی جو پیرس میں لویس ۱۴ کے زمانہ میں ابھری، ان دونوں تحریکوں میں علوم کی کلید درحقیقت دینِ اسلام ہی تھا جس نے ہر چیز میں غور وفکر کی دعوت دی۔ ہر غافل، کاہل اور گمراہ نفس کی قباحتیں اور عیوب عیاں کیے۔ دینِ اسلام ہر علم کا منبع اور ہر سعادت کا دروازہ ہے۔ یہ رائے، فکر اور ارادہ کی آزادی کی چابی ہے۔ اسی سے انسانیت تکمیل پذیر ہوتی ہے اسی سے اس میں اس قدر طاقت آجاتی ہے کہ وہ منزل رفیع تک پہنچ سکتا ہے جہاں اس کا دامن اجر و ثواب سے بھر دیا جائے گا۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء نے غیر مسلموں کے علم و ہنر سے بھی فائدہ اٹھایا۔ دولت اسلامیہ میں انہیں بلند منصب عطا کیے۔ وہ اس دینِ متین کے سایہ میں امن کی زندگی

بسر کرتے تھے۔ وہ اس کے قلعہ میں پوری طرح محفوظ تھے۔ پھر یہ علم اندلس کے راستہ سے یورپ پہنچا۔

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞ (الحج:5)

ترجمہ: ''وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور اگاتی ہے ہر خوش نما جوڑے کو۔''

اہلِ یورپ تو اپنے قائد سے بھی غافل تھے۔ انہیں اپنے راہ نما کا علم تک بھی نہ تھا۔ وہ قرب کا ارادہ کیے ہمارے پاس آئے۔ پھر وہ ان زنجیروں کو توڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جو انہوں نے مغرور بادشاہوں کے ہاتھوں پہنی تھیں۔ انہوں نے وہ پھندے کاٹ ڈالے جو انہیں دینی راہ نماؤں نے پہنائے تھے۔ ان کی یہ خوبیاں بڑھتی رہیں حتیٰ کہ انہوں نے جہالت کے پردے چاک کر دیے۔ ان کے دلوں اور آنکھوں پر تنا ہوا پردہ اٹھ گیا۔

مسلمان آزادی کا شرف کھو بیٹھے۔ حالانکہ ان کے دین نے انہیں آزادی عطا کی تھی۔ انہوں نے اپنے دین پر بیڑیاں ڈال لیں حتیٰ کہ دینِ حق ایسی بیڑیوں کو کاٹنے کے لیے آیا تھا، وہ خود غلام بن گئے حالانکہ وہ غلام آزاد کرتے تھے، وہ خیانت کرنے لگے حالانکہ ہر وقت عہد و وفا ان کا وتیرہ تھا ان میں جھوٹ، دھوکہ اور دغا پھیل گیا۔ حالانکہ ان کا دین انہیں جھوٹ اور ملاوٹ سے روکتا ہے، اب انہیں کیا ہو گیا ہے وہ ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے، وہ رب تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھامتے۔ حالانکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اہلِ مغرب نے ان کے لیے ایسی سازش کی ہے جس کی چھری ہڈیوں تک پہنچ چکی ہے۔ مسلمانوں کو ان کے وطنوں سے نکال دیا گیا۔ انہیں اپنے ہی گھاٹ سے دور کر دیا گیا اب ان کی سادگی اور فراخدلی کی وجہ سے ان کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ نقصان دینے والے اور نفع پہنچانے والے کے مابین فرق نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے ہیں، انہیں یہ کہتے ہوئے حیاء بھی نہیں آتی کہ دینِ اسلام ان کا دشمن ہے، اور ان کی اس پستی کا پہلا سبب ہے، مگر وہ یہ بکواس کرتے ہیں رب تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ لوگ جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ کل کی عزت اور آج کی ذلت میں فرق نہیں کر سکتے۔ انہیں اتنا علم نہیں کہ کل ان کا مقام کیا تھا، اور آج وہ کس طرف رواں ہیں۔

وہ کل آہ و فغاں کریں گے۔ لیکن یہ آہ و فغاں فائدہ نہ دے گی۔ وہ گریہ وزاری کریں گے لیکن یہ گریہ وزاری انہیں نفع نہ دے گی۔ اس وقت شرمندہ ہوں گے لیکن شرمندگی کا وقت نہ ہو گا۔ کیونکہ آج کی ساری مصیبتیں ان کے گناہوں کی وجہ سے آئی ہیں۔ رب تعالیٰ جس طرح اپنی

طاعت پر ثواب سے نوازتا ہے وہ اسی طرح اپنی نافرمانی کی سزا بھی دیتا ہے، مخلوق میں اس کی سنت یہی ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۝ (الفتح:۲۳)

اللهم انا نسئلك طهارة في العقول وخلوصًا في العمل من العوج والرياء و هداية بالعلم الى الطريق المستقيم و رجوعا لآداب الدين الحنيف التي فارقناها انك على كل شي قدير۔

اسلام اور مسلمانوں کے لیے انگریزوں کی گواہی

ہم نے سابقہ فصل میں قاری کے لیے دینِ اسلام کی حقیقت آشکارا کی ہے، اس فصل میں ہم بعض انگریزوں اور علمائے مغرب کی شہادتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو انہوں نے مسلمانوں اور اسلام کے حق میں دی ہیں، تا کہ اس حقیقت سے وہ لوگ بھی آگاہ ہو جائیں جس کے دلوں کو رب تعالیٰ برباد کر دیا ہے، جن کے کانوں پر اس نے مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔

مؤرخ شہیر جوستاف لیون نے لکھا ہے۔ اس شخص کے بارے تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ یہ ایسا آدمی تھا کہ جب اس کے منہ سے کوئی بات نکلتی تو وہ تیزی سے آگے ہی بڑھتی رہتی اور وہ دنیا کے آخری کونے تک پہنچ جاتی، اس نے اپنی کتاب ''تمدن العرب'' میں لکھا ہے:

جب یورپ کے علاقہ کو غرناطہ کے عیسائیوں نے فتح کیا، یہ وہاں پر اسلام کے غلبہ کے آخری ایام تھے تو عیسائیوں کے دلوں میں یہ بات نہ گزری کہ وہ حسنِ سلوک میں اہلِ عرب کی اقتدا کریں کہ انہوں نے ان کی کئی نسلوں سے کس طرح عمدہ سلوک کیا تھا۔ وہ اُن سے کس طرح نرمی کے ساتھ پیش آئے تھے اور انہوں نے ہر تعصب کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ عیسائیوں نے غلبہ حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے مسلمانوں کو اذیت ناک عذاب میں مبتلا کیا۔ انہوں نے وہ معاہدے توڑ ڈالے جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کر رکھے تھے۔ ان معاہدوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے عقائد کا احترام کریں گے اور ان کی طرف انہیں کسی اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ عیسائی مسلمانوں کی ایک نسل کے ساتھ یہی بہیمانہ سلوک کرتے رہے۔ ان کا کوئی عہد

معاہدہ اور شرف ایسا نہ تھا جو انہیں مسلمانوں کے ساتھ یوں سنگدلانہ سلوک کرنے سے روک دیتا۔ حتیٰ کہ انہیں خیال آیا کہ وہ مسلمانوں کو اپنے شہروں سے نکال دیں۔ انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکیں، عیسائیوں نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ مسلمانوں نے ساری چیزوں کا ذخیرہ کر رکھا ہے۔ منڈیوں پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ ساری وہ فضیلتیں اور شرف اپنے لیے مختص کر رکھی ہیں جو عقل کے اعمال کا منبع ہیں۔ حق کی قسم! اس حالت میں اہلِ عرب نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ ان کا دشمن علوم و فنون میں ان سے کم تر تھا اور ہسپانوی عیسائی امت کے تقاضے کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے شہروں سے نکال دیا گیا۔ ان کے پادری اور دین کے آئمہ نے دور تک مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے اور ان کے آخری فرد کو بھی شہید کرنے کے لیے کہا:

''عورت، عمر رسیدہ اور بچے کی تمیز کیے بغیر سب کو تہ تیغ کر دو۔''

ہسپانیہ کے دوسرے بادشاہ فلپ نے پہلے مسلمانوں کو جلاوطن کرنے کا حکم دیا پھر انہیں اذیتوں کی چکی میں پیسنے کا حکم دیا، مسلمانوں کا ایک چوتھائی حصہ ہی ان ہولناک مظالم سے بچ سکا۔ ظلم کی تلوار سے اور اندھے تعصب کی چھری سے بچ نکلنے والے کہیں روپوش ہو گئے۔ جب ہسپانیہ کے لوگوں نے اہلِ عرب کو اپنے شہروں سے باہر نکال کر اپنا انتقام لیا اور بہت سے افراد کو تہ تیغ بھی کر دیا تو ان کے شہر خوشی اور شادمانی سے بھر گئے۔ ان کے دل فرحت و انبساط سے لبریز ہو گئے۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ ان کے شہر جدید دور میں داخل ہو جائیں گے۔ ترقی اور تمدن کی نئی راہیں نکلیں گی۔ جب ہسپانوی قوم نے مسلمانوں کا یوں قتلِ عام کیا تو نیا دور تو شروع ہو ہی گیا۔

اب ہم ذرا ان انقلابات اور تبدیلیوں کو دیکھتے ہیں، یورپ سے عربی حکومت کو ختم کرنے کے بعد ہسپانوی قوم کا جن کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ صدیوں تک اہلِ عرب کے ساتھ محوِ جنگ رہے۔ وہ ان کے ساتھ لڑتے رہے حتیٰ کہ معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ جنگ کے طریقے اور اصول اہلِ عرب سے سیکھیں۔ ①

اہلِ عرب کو وہاں سے جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کے بعد ہسپانوی قوم تنزل اور پستی کی ان اتھاہ گہرائیوں میں گر پڑی کہ تاریخ نے کسی اور قوم کا تذکرہ نہیں کیا جو ان پستیوں میں گری ہو۔ علوم و

① ہسپانیہ تو خون مسلماں کا امیں ہے
مانندِ حرمِ پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں

فنون، زراعت اور صنعت تیزی سے رو بہ زوال ہوئیں۔ کارخانوں کے دروازے بند ہو گئے۔ زمین کاشتکاری سے محروم ہو گئی، شہر مکینوں سے خالی ہو گئے۔ اہلِ عرب کے بعد باقی رہ جانے والے کارخانے آہستہ آہستہ ختم ہونے لگے، حتیٰ کہ سولہویں عیسوی صدی کی ابتداء میں ہسپانیہ مجبور ہو گیا کہ وہ ہولنڈہ (Nederland) سے مزدور منگوائے تاکہ اس کپاس کے بننے کے کارخانے میں کام کر سکیں جسے ہسپانوی حکومت نے سیجوقیا کے شہر میں پیدا کیا تھا۔ اس تیز رفتار پستی کا انجام یہ ہوا کہ ہسپانوی شہروں میں فاقہ نے ڈیرے ڈال لیے وہ اپنے دفاتر اور محکمے کے لیے افراد دیگر ممالک مثلاً طلیان اور المان اور فرانس وغیرہ سے منگوانے لگے، انہوں نے ہسپانوی قوم کو انحطاط کے لیے افراد کے گڑھے سے نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن اس مقصد کا حصول ان کے لیے محال ہو گیا، کیونکہ ان کا مرض بہت بڑا تھا۔ وہ ان ڈاکٹروں کے کنٹرول سے باہر ہو گیا، ان کی کوشش اس طرح رائیگاں گئی جس طرح اس شخص کی جدوجہد بے کار جاتی ہے جو مردہ زندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے ہسپانوی قوم کے ظلم وستم کی وجہ سے مسلمان تو وہاں سے ختم ہو چکے تھے کیونکہ انہوں نے انہیں اپنے شہروں سے اکھیڑ پھینکا تھا۔ وہ سارے مورخین اور صحافی جنہوں نے اس وقت ہسپانیہ کو دیکھا تھا وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ قوم علم کے اس زوال تک پہنچی کہ کوئی قوم بھی اس پستی تک نہ گری ہوگی سترھویں عیسوی صدی کے اختتام تک جہالت وہاں اپنے پنجے پوری طرح گاڑھ چکی تھی، وہاں ایک بھی کالج نہ تھا جہاں طب یا ریاضی کی تعلیم دی جاتی، ہسپانوی مورخ کمبومانیس نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ہسپانیہ میں اپنی وسعت کے باوجود ۱۷۷۶ء ایک بھی کیمیاوی کارخانہ نہ تھا جو سادہ کیمیاوی مواد کو پرکھتا۔ وہاں چھوٹی کشتی بنانے کا یا کپڑے کا ایک کارخانہ بھی نہ تھا۔

کارل دیرموزہ دینِ اسلام کی رفعت پر تعجب کرتے ہوئے کہتا ہے:

”دنیا میں اسلام سے زیادہ ثابت اور محکم اور کوئی دین نہیں۔ مسلمانوں کو ان کے دین سے مرتد کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ حضور ﷺ کے دینِ حنیف کے رسوخ نے عیسائی مبلغین کو تھکا دیا ہے۔ وہ اس سے مایوس ہو گئے ہیں کہ مسلمانوں کو عیسائی بنائیں۔ انہیں احساس ہو گیا ہے کہ گویا وہ اونٹوں کے بڑے گلا کو مار رہے ہیں خیالات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔“

مغرب میں چھپنے والے ایک مجلہ میں اس نے دینِ اسلام کی حقانیت کا اظہار اس طرح کیا:

”اس وقت سارے ادیان سے زیادہ پھیلنے والا دین، دینِ محمدی ہے جبکہ دیگر

ادیان یا تو کم ہو رہے ہیں یا ایک جگہ رکے ہوئے ہیں، اسلام پیش قدمی کر رہا ہے۔ اس کا نور پھیلتا جا رہا ہے، یہ افریقہ، ایشیاء اور سمندر کے ان جزائر تک پہنچ چکا ہے عقل جن کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ تعجب کا مقام ہے کہ غلبہ اسلام کے مقدر میں ہی ہے۔ یورپ کے شہروں میں پھیل جانا اس کی قسمت میں ہے۔ یہ ایسے امور میں سے ہے جن میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر ہمیں کسی دن یہ خبر ملے کہ روس، المانیہ، فرانس یا انگلینڈ کے کچھ لوگوں نے اس دینِ متین کو اختیار کر لیا ہے تو ہمارے لیے یہ بالکل تعجب کا مقام نہیں ہوگا تم ایسے لوگ دیکھو گے جو بڑے بڑے اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ انہوں نے انتہائی اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھ کر دامنِ اسلام میں پناہ لے لی ہے۔ کیونکہ ان کی عقلیں انسانی خرافات سے تھک چکی تھیں۔ دیگر کئی اسباب سے تم دیگر لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ ابھی اس حد تک تو نہیں پہنچے لیکن حضور ﷺ کی طرف ان کی قلبی میلان ضرور ہے وہ دینِ محمدی اور شریعتِ بیضاء کے ساتھ مل جانا چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہاں سے ہے، یہ عجیب امر کیوں ہے۔"

جاک ملیان نے کہا ہے:

"اسلام ایک آسمانی دین ہے یہ محبت، شفقت اور شرف کا دین ہے۔ ادیان میں سے اتنا آسان دین اور کوئی نہیں۔"

ولز کا شمار مشہور مصنفین میں ہوتا ہے، اس نے لکھا ہے:

"وہ سچا مذہب میں نے جسے پایا ہے کہ وہ تہذیب وتمدن کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، وہ مذہب اسلام ہی ہے۔"

برنارڈ شا کئی سالوں تک یورپ میں سرگرداں رہا، حتیٰ کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ جب اسے اسلام قبول کر لینے کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا:

"اسلام اپنی عالمگیریت اور بلند مقام کی وجہ سے پہلے دن سے ہی میرے دل پر قابض رہا، میں دیکھتا ہوں کہ یہ واحد دین ہے جو ان ضروری عناصر پر مشتمل ہے۔ یہ عناصر اس میں اتنی لچک پیدا کر دیتے ہیں کہ یہ دنیا کے سارے احوال کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے۔ ہر ہیئت میں اس کے ساتھ رہتا ہے سارے

امم اور سارے زمانوں کے لیے مناسب مذہب یہی ہے۔ یہ حقیقت ہر گردے پاک ہے کہ دنیا پر لازم ہے کہ وہ اس سچے مذہب کا اہتمام کرے۔ میں یہ پیش گوئی کرسکتا ہوں، وہ دین جسے محمد عربی ﷺ لے کر آئے ہیں یورپ کی آنے والی نسلیں اسے ضرور اختیار کرلیں گی جس طرح کہ موجودہ نسلیں اسے خوشی سے قبول کررہی ہیں۔

قرونِ وسطیٰ میں اہلِ کلیسا جہالت یا شدتِ تعصب کی وجہ سے اسلام کی تاریک تصویر پیش کرتے تھے بلکہ ان کی نشو ونما ہی حضور سید عالم ﷺ سے نفرت اور آپ کے دین حق سے بغض پر ہوئی تھی۔ وہ آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن سمجھتے تھے، لیکن میں نے اس عظیم ہستی کا مطالعہ کیا تو مجھے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ یہ آپ پر تہمت ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہیں۔ بلکہ آپ کے بارے میں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ آپ تو انسانیت کے لیے مخلص ہیں۔ اگر آپ کی مانند کوئی شخص آج بھی اس کرۂ ارض کا اقتدار سنبھال لے تو یقیناً اس کی مشکلات کا حل نکال لے گا اور اس جہانِ رنگ و بو کو سعادت وسلامتی سے بھر دے گا۔"

انیسویں صدی میں مخلص مفکر مثلاً کارلائل، جیتر جیبون منصہ شہود پر آئے، انہوں نے اس دینِ حق کی فضیلتوں کا ادراک کرلیا، اس سے گزشتہ صدی میں یورپ میں اسلام کے متعلق رائے میں مثبت تبدیلی آئی، موجودہ یورپ اس اعتبار سے اور آگے ہے۔ وہ تو دینِ اسلام سے عشق کرنے لگے ہیں، وہ اس کے دلدادہ بن گئے ہیں۔ شاید آئندہ صدی میں یورپ اور آگے بڑھے اور وہ اعتراف کرلے کہ ساری مشکلات کا حل صرف اسلام میں ہی ہے، اس اعتبار سے وہ مفہوم سمجھا جا سکتا ہے جس کی پیش گوئی میں نے کی ہے۔ بہت سے یورپی باشندے حضور ﷺ کے دین متین کو قبول کررہے ہیں اس سے آپ پر یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اہلِ یورپ تیزی سے اسلام قبول کررہے ہیں۔

ڈاکٹر جرمانس ایک مشہور مستشرق ہیں وہ بوداپسٹ (Budapest) کی یونیورسٹی میں پروفیسر بھی ہیں انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"میرا عقیدہ ہے کہ اسلام روشن دماغوں کا دین ہے، روشن اذہان لوگ ان میں ایسی خصوصیات پاتے ہیں جو ان کی حیرت پر غلبہ پالیتی ہے، جلد یا بدیر دنیا

کے اعلیٰ طبقات کا مذہب یہی دین ہوگا۔ میں اپنے شہروں میں اور سارے یورپ میں ایسے افراد کو جانتا ہوں جو اسلام کا ازحد احترام کرتے ہیں۔ عنقریب وہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہو جائیں گے، خواہ وہ اپنا اسلام پوشیدہ رکھیں۔

پانچ سال ہونے کو ہیں کہ ہم میں سے ایک ایسے شخص نے اسلام قبول کیا جو اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا تھا اس کو آران فلس کہتے تھے، اس نے اپنا نام عمر رکھا۔ ایک اور شخص نے بھی اسلام قبول کر لیا، اس کا نام فلیکس فامی (Flix-Fay) تھا۔ وہ وہاں سے سویزا (Sujsee) گیا۔ وہاں ایک اسلامی مجلہ کا اجراء کیا۔ یہ واقعات اس امر کی دلیل ہیں کہ اسلام کی قوت کس قدر زیادہ ہے وہ کس طرح ذہنوں اور سوچ پر غلبہ پالیتا ہے جو لوگ یہ دینِ حق قبول نہیں کرتے ان میں بھی اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اس نور کا انکار کر سکیں جس نے اندلس سے لے کر چین اور جاپان تک دنیا کو نور سے منور کر دیا ہے۔ کوئی شخص بھی یوں نہیں کر سکتا خواہ اس کا تعلق عیسائیت سے ہو یا یہودیت سے یا بدھ مذہب کا پیروکار ہو یا کسی بھی دین سے تعلق ہو۔ اس کے علاوہ دنیا میں میری اور کوئی تمنا نہیں کہ میں قرآنِ پاک کا اپنی زبان میں ترجمہ کروں۔ ۱۸۳۲ء میں قرآن پاک کا ترجمہ لاطینی زبان سے ہماری زبان میں ہوا تھا۔ دس سالوں میں میں نے قرآن مجید کی آخری سورتوں کے بعض نسخے بھی تیار کیے تھے۔ میری ایک اور آرزو بھی ہے۔ جس کے بغیر میرے نفس کو ایک لحہ کے لیے بھی قرار نصیب نہیں ہوتا۔ وہ تمنا یہ ہے کہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے ان مقدس مقامات کی زیارت کروں جن کی وجہ سے مسلمانوں کے نفوس فرحت وانبساط سے جھومتے رہتے ہیں خواہ وہ زمین کے کسی حصہ میں رہ رہے ہو۔"

لیون روش، یہ فرانسیسی لیڈر اور زبردست سیاسی راہ نما تھے۔ انہوں نے ازمشرق تا مغرب مسلمانوں کے شہروں کی سیاحت کی، انہوں نے وہاں تیس سال قیام کیا، اچھی طرح عربی زبان سیکھی، بعض علوم شرعیہ سیکھے۔ وہ مصر، حجاز، تونس اور الجزائر کے مسلمانوں کے ساتھ ملے۔ مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا، انہوں نے لکھا:

''امیر عبدالقادر کے پاس جانے کے لیے طویل مدت قبل ہونے میں مَیں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ میں نے یہ چال چلی تھی جس میں کامیاب ہوا۔ امیر عبدالقادر نے مجھ پر پورا اعتماد لیا اور مجھے اپنا سیکرٹری بنالیا۔ میں نے اس دین کو سارے ادیان سے افضل پایا جس کے لوگ عیب نکالتے ہیں یہ ایک انسانی، طبیعی، اقتصادی اور ادبی دین ہے۔ جب میں نے اپنے قوانین کو دیکھا تو ان کی کوئی اصل مجھے دینِ اسلام میں ضرور نظر آئی۔ میں نے اس شریعت کو دیکھا جسے جون سیمون کہا جاتا ہے۔ میں نے اسے پایا کہ گویا کہ اسے شریعت اسلامیہ سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس دین نے مسلمانوں کے نفوس پر کیسا اثر چھوڑا ہے میں نے پایا کہ اس دین نے ان کے نفوس کو شجاعت، خودداری، متانت وقار، جمال، جلال اور کرم سے بھر دیا ہے۔ بلکہ میں نے پایا کہ وہ نفوس بھلائی، رحمت اور نیکی کی بلند پایہ مثال ہیں، فلاسفہ جن کے خواب دیکھتے ہیں۔ یہ پاکیزہ فطرت انسان شر، لغو اور جھوٹ سے آشنا بھی نہیں۔ مسلمان کشادہ دل ہوتے ہیں۔ وہ کسی سے سوئے ظن نہیں رکھتے۔ وہ حصول رزق کے لیے حرام راستہ اختیار نہیں کرتے اسی لیے وہ اسرائیلیوں سے غریب ہیں۔ وہ بعض عیسائیوں سے بھی مال میں کمتر ہیں مجھے ان مسلمانوں کی نظیر نظر نہیں آتی۔ میں نے اسلام میں ان دو اجتماعی مسئلوں کو حل پایا ہے، جنہوں نے سارے عالم کو مشغول کر رکھا ہے۔ پہلے مسئلہ کا حل تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (الحجرات:۱۰)

ترجمہ: ''بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔''

اشتراکیت کے بنیادی قواعد میں سے یہ خوبصورت ترین ہے۔ دوسرے مسئلے کا حل زکوٰۃ میں ہے اسلام نے ہر ثروت مند پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ اگر اغنیاء برضا ورغبت زکوٰۃ نہ دیں تو حاکم کے ذریعے جبراً زکوٰۃ وصول کر کے فقراء کے سپرد کی جاتی ہے یہ لاقانونیت کا علاج ہے۔ یہ اس دین کریم کی تاثیر ہے، یہ فضائل اور محامد کا دین ہے۔ اگر ایسے افراد ہوں جو اس دین کے بارے لوگوں

کو پوری طرح آگاہ کریں اور اس دین مبین کی پوری تشریح کریں تو آج مسلمان ساری دنیا سے ترقی یافتہ قوم بن جائیں اور ہر ہر میدان میں گوئے سبقت لے جائیں۔"

اسحاق طیار، یہ انگریزوں کے ایک کنیسہ کا رئیس تھا، اس نے کنیسہ کی ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اسلام نے تہذیب کے ایسے جھنڈے لہرائے ہیں، جنہوں نے اسلام کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ یہی مبارک مذہب ہے جو عمدہ لباس پہننے کا حکم دیتا ہے جو پاکیزگی اور استقامت کا درس دیتا ہے، یہ عزتِ نفس کا سبق سکھاتا ہے، دینِ اسلام کے فوائد شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ اس کے فوائد تہذیب کے ارکان میں سے بالاتر ہیں۔"

دوزی نے لکھا ہے:

"اہلِ یورپ جہالت کی تاریکیوں میں سرگرداں تھے، انہیں نور وضیاء کہیں سے نظر نہیں آرہے تھے کہ اچانک دنیائے اسلام کے عظیم مراکز بغداد، بصرہ، سمرقند، دمشق، قیروان، مصر، ایران، غرناطہ اور قرطبہ سے ملت اسلامیہ کی طرف سے علوم، ادب، فلسفہ، صنعتوں اور دستکاریوں عظیم نور نکل آیا، وہاں سے یہ نور مختلف اقوام میں بکھر گیا، قرونِ وسطیٰ میں یورپ نے ایجادات، صنعتوں اور دیگر فنون سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔"

داود کوہارٹ نے کہا ہے:

"دینِ اسلام نہ تو جدید عقائد کی اتباع کرنے کا حکم دیتا ہے، نہ ہی جدید وحی کے نزول کے بارے کہتا ہے، نہ ہی جدید طریقوں اور اسالیب کے بارے کچھ کہتا ہے، نہ اس میں کہانت ہے نہ ہی سیاسی غلامی ہے، بلکہ اس میں امتوں کا دستور اور ممالک کا نظام ہے۔"

روسی عظیم فلسفی تولستوی (Tolstoi) نے کہا ہے:

"دینِ اسلام کے فضائل میں سے ہے کہ یہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے، ان کے ساتھ حسن معاملہ کا حکم دیتا ہے، اس دین

حق نے اپنے پیروکاروں کے لیے مباح قرار دیا ہے کہ عیسائی خواتین سے شادی کر سکتے ہیں خواہ وہ خواتین اپنے مذہب پر ہی رہیں، یہ رواداری اصحابِ بصیرت پر کیسے مخفی رہ سکتی ہے، اس کے لیے یہی فخر کافی ہے کہ اس نے پوری امت کو نورِ حق کی طرف راہنمائی کی۔ جنگ و جدل اور خون ریزی کے بعد انہیں سلامتی اور سکون کی طرف پھیر دیا، ان کے لیے ترقی اور تہذیب کے دروازے کھول دیے، یہ ایک عظیم عمل ہے۔ اسے صرف وہی شخص سرانجام دے سکتا ہے جسے انسانی قوت سے زیادہ طاقت و قوت سے نوازا گیا ہو"

فرانس کے سابق وزیر دوریانوس نے کیا خوب تجزیہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

"اسلام ان ادیان کے مخالف ہے جنہوں نے اپنی حقیقت ضائع کر دی ہے۔ یہ ان خرافات سے پاک اور منزہ ہے جو عقلِ انسانی میں نہیں آ سکتے۔ یہ امر عجیب ہے اور یہی اس کی صداقت کی دلیل ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت و تکریم کی ہے۔ اس نے عیسائیوں کے عقیدہ کی مخالفت کی ہے، اس نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشر ہیں جو اذنِ الٰہی کے بغیر اپنے نفس کے لیے بھی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ اسلام انسانیت کی تکمیل کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں۔ یہ وحدانیت کا اثبات کرتا ہے، عقلی اختلافات اور تضادات سے پاک ہے، اس نے مساوات اور جدوجہد کا درس دیا ہے، یہ رہبانیت سے پاک اور صاف ہے لیکن مسلمان اس لیے پسماندہ ہیں کیونکہ انہوں نے اسلام کے اصولوں سے انحراف کیا اور دیگر امور کی طرف توجہ کی جو قرآن پاک کے مقاصد میں سے نہیں"

ڈاکٹر سولہ کا تعلق اسرائیل کے ساتھ ہے۔ وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں، انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام انتہائی عمدہ کیا، وہ اسلام کی صداقت کو عیاں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلام کی طرف میرا میلان تیرہ سال قبل اس وقت سے تھا۔ جب میں نے پہلی بار قرآن پاک کا مطالعہ کیا تھا، اس وقت میں الجامع الامریکیہ البیروتیہ میں زیر تعلیم تھا۔ مجھے قرآن سے عشق ہو گیا۔ میں نے اس کا مفہوم سمجھنے کے

لیے مختلف تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ میں اپنے بعض دیگر اسباق سے غفلت برتنے لگا میں قرآن پاک کی آیات باآواز بلند پڑھتا تھا۔ میں موسم گرما میں درختوں کے سایہ میں گوشہ نشین ہو جاتا یا لبنان کے پہاڑوں پر چلا جاتا وہاں کئی کئی گھنٹے گزارتا۔ بلند آواز سے ترنم کے ساتھ قرآن پاک پڑھتا۔ مگر میں نے اسلام قبول کرنے کے بارے کبھی سوچا تک نہ تھا۔ بعد میں میں نے امریکہ میں کئی سال گزارے۔ میں نے ادیان کا فلسفہ پڑھا۔ میں تاریخی اور معاشرتی موضوعات پر بہت زیادہ مطالعہ کیا، حتیٰ کہ میں نے بہت سے ایسے امور کا ادراک کر لیا جن کا سمجھنا میرے لیے خاصا مشکل تھا۔ اس وقت مجھے یہ بھی یقین ہوا کہ یہ امریکی سمندر جس میں جمہوریت کی زندگی پوری طرح شفاف نظر آتی ہے، وہاں ایسے شخص کے لیے محال ہے جو آزادی کی صحبت میں پروان چڑھے کہ وہ دینِ اسلامی کی تعلیمات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ وہ تعلیمات تو صحیح جمہوریت، آزادی اور حریت کی روح سے سرشار ہیں۔ اب میں بغیر کسی تردد کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں بچپن سے ہی مسلمان ہوں۔ مجھے اس دینِ حق کا بہت بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے یہ اسی کا فیضان ہے کہ میں نے خود سے دین اور عنصر کی میراث کے غبار کو اتار پھینکا ہے۔ میں اسی وجہ سے اس قابل ہوا کہ میں حقیقت کی گہرائیوں کی پیائش کر سکوں تاکہ ان کی نورانیت میں صحیح مذہب کی طرف جا سکوں۔ ورنہ اس وقت یہ اعتراف کرنا کیسے لازم تھا کہ فطری میلان اس چیز کے لیے مستند نہیں ہوتا جسے علمی جستجو، فکری سوچ و بچار اور شخصی تجربات ثابت کر دیں۔ اب میرا سرور کتنا عظیم ہے کہ علمی صحیح استدلال نے میرے فطری میلان کی تائید کر دی ہے، میں فطری، طبعی اور علمی تائید کی وجہ سے دینِ اسلام کی طرف آیا ہوں، اس طرح میں شعور، فطرت اور دین کے اعتبار سے مسلمان ہوں۔

یہ بات عام مروج ہے، مگر عجیب وغریب کہ ہر وہ شخص جو نئی تعلیم حاصل کر لیتا ہے، وہ ملحد ہو جاتا ہے یہ بات ہمارے ذہین جوانوں کے ذہنوں میں جا گزیں ہے، بہت سے طلباء اس وقت حیران وششدر رہ جاتے ہیں جب کوئی طالبعلم

کسی دینی امر کو ظاہر کرے یا دینی موضوع پر بحث کرے۔ میں نے خود پر لازم سمجھا کہ میں اپنے ایک دوست سے اس موضوع پر بحث کروں۔ خواہ وہ بحث برجستہ اور مختصر ہی ہو۔ میں نے اسے اسلام کے بارے اپنی رغبت بتائی اور اس موضوع پر لے آیا۔ اس نے کہا: ''مجھے تمہاری رغبت کا علم ہے۔ یہ رجحان تم میں بیسویں صدی میں پیدا ہوا ہے۔ یہ وہ صدی ہے جس میں مادیت کا بول بالا ہے، اس صدی میں محسوسات کی قیادت ہے۔ یہ اس شخص کا خیال ہے جس نے امریکی گھر کو اپنا مسکن بنا رکھا ہے اور اس کے پاس ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہے۔''

گویا کہ میرے اس دوست نے یہ خیال کیا جس نے جدید علم حاصل کر لیا اس کے لیے لازم ہے کہ وہ دین کو ایک گوشے میں رکھ دے۔ وہ دنیا کے محسوس اور ثمر آور اعمال کی طرف توجہ دے یہ گمان کتنا غلط ہے اور ہمارے نوجوانوں کے انجام کے لیے کتنا خطرناک ہے، علم کیا ہے؟ کیا ہماری تربیت میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے کہ ہم تہذیب و معاشرت کے پروگرام تشکیل دیتے رہیں، یہی کافی ہے۔ میں اس امر سے انکار نہیں کرتا کہ علم سے ہم فائدہ حاصل کرتے ہیں، ہم اپنے فنی پروگرامز میں اس سے مدد لیتے ہیں لیکن کیا علم کی منزل یہی ہے یہ پروگرام واسطہ ہیں منزل نہیں ہیں۔ علم کی تو ایک بلند و بالا منزل ہے۔ علم، عالم کو اس کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ منزل مشینی اعمال اور مادیت کے علاوہ کچھ اور ہے۔ یہ منزل کیا ہے؟ عمدہ علم کی منزل یہ ہے۔ یہ تو بلند پروازی کی وہ آگہی ہے جو صاحبِ علم کو حقائق سے پردہ اٹھانے کو کہتی ہے۔ یہ اسے جستجو اور تلاش پر ابھارتی ہے۔ خواہ وہ جستجو روحانی اور معنوی غور وفکر کے میدانوں میں ہو یا محسوس اعمال کے دائرہ میں ہو۔ تا کہ وہ ان حقائق اور ان کی شہرت کا ادراک کر سکے۔ تا کہ معاشرہ مدد اور تعاون میں ان سے مدد حاصل کر سکے اور انسانیت کمال کے درجات کی رفعت پر فائز ہو سکے۔

ارشر ہا ملتون نے کہا ہے:

''اگر لوگ حق کو جان لیں تو انہیں علم ہوگا کہ معاشرہ کی مشکلات کا حل دینِ اسلام میں ہی ہے۔ اس دین متین میں اتنی وسعت ہے کہ غنی، فقیر اور قوی اور ضعیف کو پہلو بہ پہلو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔''

مہاتما گاندھی جو ہندوستان کا ممتاز لیڈر تھا، اس نے کہا:

''میں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے، عنقریب لوگ اس کا اسی طرح احترام کریں گے جس طرح میں اس کا احترام کرتا ہوں۔ مجھے اطمینان ہو گیا ہے کہ اس دنیا میں اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔ بلکہ اس نے یہ مقام وسعت، انکار ذات اور اس شجاعت کی وجہ سے حاصل کیا ہے جس کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ متصف تھے۔''

مصر کے ایک بہت بڑے قانون ساز شخص نے کہا ہے۔ وہ شخص ملکیوں اور غیر ملکیوں کی عدالت کے ججز میں سے ایک تھا۔ اس نے کہا:

''ہم اس خطا کو نہیں ہرائیں گے جو ہم سے گزشتہ صدی میں ہوئی تھی۔ شریعت اسلامیہ ان مصادر میں سے ہے جن کی طرف ہم کثرت سے رجوع کرتے ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ شریعت اسلامیہ مشرق و مغرب کے شہروں کے لیے قانون بنانے کے لیے ایک عمدہ مصدر ہے۔ اسے مصدر تسلیم کرنے میں کوئی جھگڑا نہیں، جبکہ مغربی قوانین کی دستاویز بھی ہم تک پہنچ چکی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی قوانین میں سے ایک چیز ایسی بھی ہے جسے اگر مصری قانون میں شامل کر لیا جائے تو یہ بذاتِ خود مغربی قوانین سے آگے چلا جائے، جو چیز مجھے مصری قانون سازی سے بار بار شریعتِ اسلامیہ کی طرف دعوت دے رہی ہے، وہ اس کی دو حیثیتیں ہیں، ایک اس کی علمی اور فنی حیثیت ہے۔ دوسری حیثیت وطنی اور قومی ہے۔ اس کی علمی اور فنی حیثیت شریعتِ اسلامیہ کی رفعت اور اس کی صلاحیت کی وجہ سے تمہارے لیے ظاہر ہے کہ یہ فقہ اور قانون سازی میں علمی ترقی کی بنیاد بن سکتی ہے۔ دوسری اس کی وطنی اور قومی حیثیت ہے۔ اس جگہ میں تھوڑا سا توقف کرتا ہوں۔ اب ہمارے مصر کے بارے مشرق اور مغرب جھگڑا کر رہے ہیں۔ آزادی کے بعد اسے ایسے خطوط وضع کرنے چاہئیں جن پر یہ رواں ہو سکے۔ کیا مصر مغرب کی طرف میلان رکھے گا کیا وہ مغربی تہذیب عاریۃً لے گا۔ وہ اپنے کپڑے چھوڑ کر دوسروں کے کپڑے پہنے گا۔ اپنی تہذیب کو ترک کر کے دوسروں کی تہذیب اپنائے گا اور ان سے پیچھے رہ جائے گا جن کی تقلید کرے گا یا اس کا ارادہ ہے کہ وہ مغربی

تہذیب سے دوری اختیار کیے بغیر مشرق کی آغوش میں آئے گا۔ یہ عربی ممالک میں اپنا بلند مقام حاصل کرے گا۔ مغربی اقوام میں مشرق عرب کا جھنڈا بلند کرے گا۔ مصر ایک آزاد وطن ہے اس کے اردگرد ایسی اقوام ہیں جو جب یہ راضی ہوتا ہے تو وہ بھی راضی ہو جاتی ہیں جب یہ ناراض ہوتا ہے تو وہ بھی ناراض ہو جاتی ہیں۔

اگر تم دوسرے امر کو ترجیح دیتے ہیں تو آؤ ہم اپنی قانونی ثقافت سے فقہ اسلامی کی لوٹ چلیں ہم اس فقہ کو اپنے عربی اقوام کے مابین ایک واسطہ بنائیں۔ ہم ان اقوام کے ساتھ اپنے روابط مضبوط کریں ہم ایک مشرقی قوم ہیں۔ مشرق کی قیادت کے حوالے سے ہمارا ماضی بڑا شاندار ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ ہم اپنا حال اپنی ماضی سے وابستہ کرلیں اور اپنے قریبی ہمسایوں سے دستِ تعاون بڑھائیں، ہم زبان اور خون (نسل) میں ان کے بھائی ہیں۔ ہم نے سیاسی طور پر تو آزادی حاصل کر لی ہے آؤ اب عدالت، فقہ اور قانون سازی میں آزادی حاصل کریں۔''

یہ سچی آراء تھیں جو ہم نے اپنے قارئین کرام کے سامنے پیش کی ہیں یہ محکم اور عدل پر مبنی ہیں۔

واللہ المستعان۔

اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کے بارے ایک فرانسیسی عالم سے مکالمہ

ایک دفعہ میں بحری جہاز پر سوار تھا جو ہمیں ہندوستان لے جا رہا تھا۔ وہ جہاز ایک شہر کی مانند تھا مجھے وہاں ایک شخص ملا جو فرانسیسی نژاد تھا۔ اس نے مجھے کہا:

''میرا گمان ہے کہ تم مسلمان ہو کیونکہ جس ہیئت پر میں تمہیں دیکھ رہا ہوں وہ غالباً مسلمانوں کے ساتھ مختص ہے۔''

میں نے کہا:

''جی ہاں! میں مصری مسلمان ہوں۔''

تعارف کے بعد ہم علم کے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ ہم نے اسلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار پر بھی بات چیت کی۔ اس نے کہا:

''اگر اسلام اور اہلِ اسلام کا تذکرہ چھڑ گیا ہے تو میرا ارادہ ہے کہ میں تم سے مسلمانوں کی ماضی اور حال کے بارے ایک سوال کروں۔ میں نے کتنی ہی خواہش کی تھی کہ میں تم جیسے کسی عالمِ اسلام سے ملوں اور حقیقتِ حال سے آگاہی حاصل کروں۔ مگر یوں نہ ہو سکا۔ الحمدللہ! آج میری تمنا بر آئی ہے۔''

پھر اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ اس نے جو گفتگو کی اس کا لب لباب یہ ہے:

''سب سے پہلے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرے اس سوال کا مقصد حقیقت تک رسائی کے علاوہ کچھ اور نہیں، تاکہ جس چیز کا مجھے علم نہیں، مجھے اس کا علم ہو جائے۔ میں یہ سوال مسلمانوں پر اعتراض یا زیادتی کرتے ہوئے نہیں کر رہا۔ میں تاریخ اسلامی کی ابتداء سے لے کر آج تک ہر چیز سے آگاہ

ہوں۔ جب میں اس بڑے فرق کو دیکھتا ہوں جو مسلمانوں کی ابتدائی حالت اور آج کی حالت میں ہے تو میں مدہوش ہو جاتا ہوں۔ اسلام کا ظہور جزیرۂ عرب اور ایشیاء کے مرکز میں ہوا۔ تھوڑی مدت میں ہی یہ دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گیا۔ زمین کے ہر حصہ میں نورِ اسلام پھیل گیا۔ اسلام کی یہ وسعت مبلغین کے ذریعے نہ تھی۔ بلکہ یہ اس کی ہر جنس اور ہر عادت کے ساتھ ملائمت کی وجہ سے تھا۔ جس طرح کہ یہ حقیقت اس کے احوال، قواعد اور قوانین سے عیاں ہے۔ اس وقت مسلمان علوم اور معارف کے بلند ترین مرتبہ پر فائز تھے۔ حتیٰ کہ ممالک اور سلاطین اسلام کی شوکت وسطوت سے لرزاں تھے۔ وہ مسلمانوں کے دارالحکومت کو احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن آج کے مسلمانوں کی حالت اس کے برعکس ہے، وہ مادی اور ادبی زوال کا شکار ہیں۔ حتیٰ کہ وہ ان اقوام کے محکوم ہیں جو دین، زبان اور ہمدردی میں ان کے برعکس ہیں۔"

مَیں نے اسے جواب میں کہا:

"جناب! اسلام فطرت، عدل، مساوات، آزادی اور تہذیب کا دین ہے، جب تم اس کے اصول، قوانین اور قواعد اور تعلیمات میں غور وفکر کرو گے تو تم سب سے پہلے شخص ہو گے جو یہ سارے اعتراضات رد کر دو گے جو غیر مسلم اس دین حنیف پر کرتے ہیں۔ ورنہ اس کرۂ ارضی پر اس مختصر مدت میں اتنا بڑا افساد نہ پھیلتا۔ وہ ترقی جو مسلمانوں نے زمانہ اولی میں کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان اسلام کے قوانین پر عمل پیرا ہوتے تھے، وہ قرآن پاک کے اوامر اور نواہی پر عمل کرتے تھے، وہ دیگر ادیان کے لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اگر تم خلفائے راشدین، اموی اور عباسی خلفاء کی سیرتوں کا مطالعہ کرو گے تو تمہیں علم ہوگا کہ وہ اسلام کے غلبہ کے لیے کتنی جدوجہد کرتے تھے۔ وہ حدود قائم کر کے اس کے اقتدار کی تائید کرتے تھے۔ وہ منصب پر ایسے شخص کو فائز کرتے تھے جو اس کا مستحق ہوتا تھا۔ وہ اسلام کی حفاظت کرتے تھے کہ کہیں

یہ گمراہوں کے ہاتھوں کھلونا نہ بنا رہے اور اس کی عزت وکرامت اس کے دشمن نہ لے جائیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے اہلِ علم اور علماء کی عزت وتکریم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔

اگر تم قرآن مجید کے احکام کو دیکھو گے، پھر ان قوانین اور دساتیر کا مطالعہ کرو گے جو سارے ممالک میں رائج ہیں تو تم پاؤ گے کہ شریعت اسلامیہ عدل کی ساری اقسام کی کفیل ہے۔ خواہ وہ ایسے حقوق ہوں جن میں مسلم یا ذمی برابر ہوں یا دیگر حقوق ہوں۔ شرعی قاضی ہر فیصلہ دینی اصولوں کے مطابق کرتا تھا اس کا فیصلہ ان سزاؤں کے مطابق ہوتا تھا جو شریعت اسلامیہ مقرر کرتی ہے۔

اگر تم اس شریعتِ اسلامیہ میں غور وفکر کرو گے تو تم پاؤ گے کہ یہ تنہا ہی لوگوں کو جرائم کے ارتکاب سے روکتی ہے جیسا کہ اگر تم اسلام کے ارکان میں غور کرو گے تو تم پاؤ گے کہ اسلام ہی حقیقی تہذیب کے مفہوم کا جامع ہے۔

پہلے زمانہ میں مسلمان اپنے اجتماعی امور میں اسلام کے اموار اور نواہی پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ آج انہوں نے اس دین حق کو پس پشت ڈال دیا ہے، انہوں نے اسے بالکل فراموش کر دیا ہے۔ ان میں باہمی الفت واتحاد مفقود ہے جو ان کی ملت کو غلبہ عطا کرتا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ انہوں نے انسان کے بنائے قانون کو آسمانی قانون کے بدلہ میں لے لیا ہے۔ شرعی قاضی صرف نکاح اور طلاق کے مسائل میں ہی فیصلہ کرتا ہے۔ علمائے دین کی طلب میں بھی کمی آ گئی ہے۔ نہ تو وہ دین کو قائم کرنے کی سعی کرتے ہیں نہ ہی حاکم وقت کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں پھیلے ہوئے فسادات کی طرف توجہ دے۔ فساد کثیر ہو گیا ہے۔ دین اور اس کے آداب کی حرمت کو چاک کر دیا گیا ہے۔ اکثر لوگ اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ وہ لوگ اس پر عمل کرتے ہیں جو بادشاہوں اور امراء کے قرب کے متمنی ہوتے ہیں۔ وہ اسے بطور واسطہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ دھوکہ اور ریا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جہالت بھی ہے جو مختلف طبقات میں پائی جاتی ہے تم اغنیاء کو دیکھو گے وہ اپنے اموال زیب وزینت پر خرچ کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے مغربی تہذیب سے وہ چیز

لی ہے جو ان کے دین اور دنیا کے لیے نقصان دہ ہے۔ حالانکہ حقیقی مغربی تہذیب اسلامی تمدن سے ماخوذ ہے۔ اسلام صرف عبادات کا حکم نہیں دیتا، بلکہ وہ حکم دیتا ہے کہ مسلمان دنیا کے لیے اس طرح کام کرے گویا کہ اس نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنے دین کے لیے اس طرح کام کرے گویا کہ اس نے کل مرجانا ہے۔ اگر مسلمان ایجادات اور دریافتوں کے بارے اس طرح کوشش کرتے جس طرح اہلِ مغرب نے کی ہے تو وہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ضرور آگاہ ہو جاتے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ:۲۹)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔

وہ حکمت جسے شریعت مطہرہ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج میں رکھا ہے وہی حقیقی تہذیب کی روح ہے جس کی وجہ سے اقوام سعادت کی بلندی تک پہنچتی ہیں۔ نماز اور روزہ نفس کو گناہ اور فواحش کے ارتکاب سے دور رکھتے ہیں، زکوٰۃ چوری اور گناہوں سے روکتی ہے کیونکہ اگر تم چوری اور ڈاکہ زنی کے اسباب پر غور کرو گے تو اس میں غالب سبب غربت نظر آئے گی۔ حج ان مسلمانوں کے دلوں میں محبت ڈالتا ہے جو کرۂ ارضی کے کونہ کونہ میں بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ ایک ہاتھ کی مانند ہیں اگرچہ ان کے مابین طویل مسافت بھی ہے پھر بھی جو کچھ ایک محسوس کرتا ہے وہی کچھ دوسرا محسوس کرتا ہے۔

جو اعتراض جاہل اس دین حق پر کرتے ہیں کہ یہ تعصب کا دین ہے اور دیگر ادیان بالخصوص عیسائیت کے برعکس ہے، یہ اعتراض باطل ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ ورنہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک مسلمان، یہودی اور عیسائی اکٹھے نہ رہ سکتے، وہ اپنی زندگی کی ساری ضروریات میں مکمل آزادی سے لطف نہ ہوتے۔ نہ ہی وہ ان فوائد کا تبادلہ کرتے ہیں جن کا تعلق ان کی اجتماعی زندگی کے ساتھ ہے، تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یورپ بھی مسلمانوں پر الزام لگاتا ہے کہ وہ متعصب ہیں حالانکہ ان سے الفت، اتحاد اور ضمانت کی ایسی علامات آشکارا ہوتی ہیں جو ان کی دنیا اور آخرت کو محیط ہیں، اسلام کی ساری تاریخ ہی

ہے تم کسی زمانہ میں بھی یہ نہیں پاؤ گے کہ مسلمان عیسائیوں یا یہود کے خلاف کھڑے ہوں۔ صلیبی جنگوں کا سبب بھی یورپ ہی تھا جس کا ارادہ تھا کہ وہ اسلام کا وجود ہی مٹا دے۔

مختصر یہ کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تک مسلمان اپنی سیاسی، دینی اور معاشرتی زندگی میں اپنے دین پر عمل کرتے رہے انہوں نے ہر اس چیز کو پھینک دیا جو ان کی شریعت بیضاء کے مخالف تھی اور شریعت اسلامیہ کے احکام پر عمل پیرا رہے وہ اپنی گزشتہ شان و شوکت کا مطالبہ کرتے رہے خلافتِ اسلامیہ کا مرکز ساری سلطنتوں، ممالک اور قبائل کے لیے خوف کی علامت تھا۔

اب میرا خیال ہے اب تم وہ سبب جان گئے ہو گے جو زمانہ اولیٰ میں مسلمانوں کے عروج اور عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے۔"

اس کے بعد اس شخص نے کہا:

"اب میں حقیقت سے آگاہ ہو گیا ہوں۔ اسباب کی معرفت میں مجھ سے شک دور ہو گیا ہے۔ میں آپ کا از حد مشکور ہوں، آپ نے مجھے بہت زیادہ فائدہ پہنچایا ہے۔"

پھر ہم نے دیگر موضوعات پر گفتگو کی جس کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا۔

جنیف میں اسلامی کانفرنس

"اسلام اور مسلمان"

اس زمانہ میں مسلمانوں کا انحطاط ایک ایسا امر ہے جسے کسی پیمانہ سے ناپا نہیں جا سکتا کیونکہ مسلمان راہِ راست سے انحراف کر چکے ہیں۔ انہوں نے اسلام کے اوامر اور نواہی کو چھوڑ دیا ہے۔ اس حقیقت کا کھلی آنکھ سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ کسی دلیل، برہان اور وضاحت کی محتاج نہیں۔

افسوسناک صورتِ حال تو یہ ہے کہ یہ تنزل کسی ایک شہر کے ساتھ مخصوص نہیں سارے اسلامی ممالک اس سے دوچار ہیں۔ جنیف (Geneve) میں اسلامی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں پر آنے والے مصائب کا حل تلاش کرنا تھا۔ اس اسلامی کانفرنس نے اپنا

ایک پیغام بھیجا ہے تاکہ اسے ہم اپنی کتاب "حکمۃ التشریع وفلسفہ" کے پانچویں ایڈیشن میں شامل کریں۔ ہم اس کانفرنس کی عزت وتوقیر کی خاطر اسے اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہیں۔ اس نے کہا ہے:

"تاریخ کسی ایسی امت سے آگاہ نہیں جو کمزور ہو اس نے اپنی قوت کو خاک آلود کر دیا ہو، جو قلیل ہو اس نے اپنی کثرت کو رسوا کیا ہو، جو ذلیل ہو اس نے اپنی عزت کے پرخچے اڑائے ہوں جو منتشر ہو اس نے اپنی جمعیت کو ذلیل کیا ہو، جب ہم اس امت پر لفظ اسلام کا اطلاق کرتے ہیں جو آج اسی نام (امت مسلمہ) سے موسوم ہے تو اس کا اطلاق ان لوگوں پر کرتے ہیں جو حقیقت میں مسلمان ہیں۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ (مریم:۵۹)

ترجمہ: پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشات کی۔

انہوں نے اپنے آباء کے اخلاق کے علاوہ دیگر عادات اپنائیں پھر جھوٹ بولتے ہوئے خود کو اسلام کی طرف منسوب کر لیا۔

آج ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم خود کو مسلمان کہیں کیونکہ اسلام اقوال اور افعال کا جامع مذہب ہے یہ صرف اقوال پر مشتمل نہیں، دوسرے الفاظ میں یہ عزت، طاقت، کثرت، خوفِ الٰہی اور خشیت، توکل، اتحاد اور جہاد کا مجموعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ۔ (سورۃ محمد:۷)

ترجمہ: اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اِنۡ یَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ وَاِنۡ یَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا۔ (الانفال:۶۵)

ترجمہ: اگر ہوں تم سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے دوسو پر۔ اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر۔

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ۔ (الانفال:۲)

ترجمہ: صرف وہی سچے ایمان دار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل۔

وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ (یوسف:۶۷)

ترجمہ: اور اسی پر توکل کرنا چاہیے توکل کرنے والوں کو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور مضبوطی سے پکڑلو اللہ کی رسی سب مل کر، اور جدا جدا نہ ہونا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

(انفال:۷۲)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہِ خدا میں۔

ان کے علاوہ یہ دین حق ایسی صفات کا مجموعہ ہے جو امت کو غالب، قوی اور طاقتور بناتی ہیں، اسے حاکم بناتی ہیں محکوم نہیں۔ اسلامی قواعد وقوانین کے بغیر ہے نہ اسلام کا وجود ہے نہ ہی مسلمانوں کا۔ صرف نام حقائق کے بارے کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ وہ امت جس کے پاس گراں قدر جواہرات اور بیش قیمت قیمتی ہیں، وہ مفلس، ذلیل اور مغلوب ہے اس پر ایسے افراد کا کنٹرول ہے اور ان کے بارے ایسے افراد فیصلہ کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں، جو اس پر رحم نہیں کرتے اور اس کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے ہیں پھر یہ امت ذلت وعار کی گہرائیوں میں گر جاتی ہے، اس کے بھائی، اس کے بیٹے، اس کی بیویاں اور قبائل، اس کے اموال جسے اس نے کمایا، وہ تجارت جس کے مندے سے اسے خوف ہے وہ گھر جو اسے پسند ہیں اور وہ تنخواہ جسے وہ ترجیح دیتی ہے اور اس کی وہ خواہشات جنہیں چاہتی ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ، اس کے رسولِ محترم ﷺ اور اس کے رستہ میں جہاد سے زیادہ پسندیدہ ہیں، وہ کس ذریعہ سے اسلام تک پہنچ سکتی ہے۔ وہ امت جو اپنے دین کے حرام کردہ امور بجا لاتی ہے، اس کے نواہی کا ارتکاب کرتی ہے، اس کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتی، پھر اس کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ مذاق اور استہزاء کرنے والی امت ہے یہ اس سے زیادہ جزاء کی مستحق نہیں جس قدر مذاق کرنے والے کو جزاء ملتی ہے۔

مسلمانو! یہ حقیقت بڑی دلخراش ہے، ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہیے، اگر ہم ان امراض کا علاج چاہتے ہیں جن میں ہم مبتلا ہیں، اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ اسلام ایک اور چیز ہے جبکہ مسلمان کسی دوسری چیز کا نام ہے۔ ہم نے کبھی بھی اپنے دینِ حق کی صحیح تصویر پیش نہیں کی بلکہ مجموعی طور پر اس سے برا سلوک کیا ہے۔ (البتہ کچھ علماء، قائدین، تاجر، کسان اور

صنعت کار اس کے مستثنیٰ ہیں)

اگر یہ برا سلوک سارے طبقات کی طرف سے ہے تو پھر ان اقرار کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ آج کے مسلمان صرف جغرافیائی مسلمان ہیں۔ یہ اس اسلام پر نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور جس پر اس نے اپنی نصرت اور غلبہ کا وعدہ کیا ہے۔ مسلمانوں نے صرف نام پکڑ رکھا ہے جسم کو فراموش کر دیا ہے وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں مگر انہیں شعور تک نہیں۔ اگر وہ اپنے دین پر ہوتے تو رب تعالیٰ کی ذات تو وہی ہے جس نے ان کے ان آباء کی نصرت کی تھی جن کے پاس پہننے کے لیے کپڑے نہ تھے۔ پاؤں میں جوتے نہ تھے۔ انہوں نے روم، ایران، سندھ، ہند کے ممالک کے سر چکرا دیے تھے۔ زمین کے سارے ستون ان کے سامنے جھک گئے تھے۔ آج ان کی نسل ذلیل ہے۔ ان کے پاس صرف اسلام ہی بطور اسلحہ تھا انہوں نے اس کی مدد کی تو ان کی نصرت کی گئی۔ اسلام اور ذلت ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایمان اور رسوائی دو متضاد چیزیں ہیں۔ پہلے زمانہ میں مسلمان، دشمن کے ساتھ معرکہ آزما ہوتے تو ان کی تعداد بھی ہوتی اور تیاری بھی۔ وہ رب تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہوتے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔ (الانفال:۶۰)

ترجمہ: اور تیار رکھو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت و طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے۔

ایام میں سے کسی روز بھی اسلام صرف گفتگو کا دین نہیں رہا۔ بلکہ یہ عمل اور فعل کا دین ہے یہ جان و مال کو راہِ خدا میں اور اس کی مخلوق کی خدمت کے لیے بیچنا ہے۔ تعجب نہیں اگر تم مسلمانوں کو اس حالت پر دیکھ رہے ہو کہ انہوں نے دین کے احکام کو فراموش کر دیا ہے۔ انہیں عزت کے بعد ذلت، جمعیت کے بعد انتشار اور قوت کے بعد ناتوانی ملی۔

آج گزرے ہوئے مسلمانوں کی مثال کہاں ہے، ان کی مثال تو میرے پاس لے کر آؤ۔ ان اغنیاء میں سے جنہوں نے ڈالروں سے اپنے صندوق بھر رکھے ہیں جو تنہا جیش العسرۃ کو سامان جہاد فراہم کر رہے ہوں، وہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی تھے ان میں سے آج اس ہستی کی مانند کون ہے جو اپنا مال لے کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو جائے حضور سید کائنات اس سے پوچھیں:

”تم نے اپنے اہلِ خانہ کے لیے کیا چھوڑا ہے؟“

انہوں نے عرض کی:

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو چھوڑا ہے۔"

آج وہ ہستیاں کہاں ہیں جو جہاد میں شہادت نصیب نہ ہونے کی وجہ سے غمزدہ ہوتی تھیں اور زار و قطار روتی تھیں، وہ ہستیاں کہاں ہیں جنہیں دہکتی ہوئی دھوپ میں اذیت دی جاتی تا کہ وہ اپنے ایمان کا انکار کر دیں، لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آتی۔ وہ ہستی کہاں ہے جو اپنے عقیدہ اور ایمان پر ہوتی اگر اسے تختہ دار پر کھینچ دیا جاتا مگر وہ ان سے چیونٹی کے برابر بھی نہ ہٹتے۔ وہی اہلِ ایمان مسلمان تھے وہی وہی تھے جن کے ساتھ رب تعالیٰ نے اپنی نصرت کا وعدہ کیا تو اسے پورا کر دیا۔

اے مسلمان! اگر ہم اس حالت پر ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت کا انتظار کریں تو ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی غلط روش اختیار کی۔ اپنی جانوں پر بھی ظلم کیا۔ حق سے بھی ناانصافی کی، درگاہِ ربانیہ میں تو سارے بندے برابر ہیں۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ جو تم میں متقی ہے زیادہ۔

رب تعالیٰ اسی حالت پر ہی ہماری مدد فرما دے جس حالت پر ہیں تو یہ اس کے عدل سے بعید ہے۔ جب ہم نے اپنی مرض کی تشخیص کر لی ہے تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے اقوال کو افعال سے تبدیل کریں پھر پہلی سی عزت کا مطالبہ کریں۔ پھر ہم اسے پا لیں گے۔ بشرطیکہ ہم اس کے راستہ پر چلیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ آج آزادی کی بہت سی تحریکیں اٹھی ہیں ان میں سے بعض اسلام کے قوانین پر ہیں، تمہیں کیا حرج ہے اگر اسلام دوسری مرتبہ آ جائے۔ ہم اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں، اور پہلے مسلمان اپنے افعال حسنہ سمیت لوٹ آئیں، کیا ساری زمین ان کے لیے سرنگوں نہیں ہو جائے گی بلکہ زمین و آسمان میں کلمۂ توحید کے علاوہ کوئی صدا سنائی نہیں دے گی۔

اے مسلمانو! اپنے رب تعالیٰ کے رستہ پر چلو۔ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ رب تعالیٰ سے وہ چیز نہ مانگو جس کے تم اہل نہیں ہو۔ حالانکہ تم اسی حالت پر ہو جس پر رب تعالیٰ کی ذات والا عادل ہے۔ نصرت پکار کے ساتھ آتی ہے۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ (النجم: ۳۹)

ترجمہ: اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ایک معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اسلام تو اس لیے آیا ہے تا کہ وہ مختلف لوگوں کو اتفاق کے پلیٹ فارم پر جمع کرے جبکہ خود مسلمان کئی گروہوں میں منقسم ہیں، کیا وجہ ہے کہ ان کے مابین اختلافات کی جنگ ختم ہونے میں نہیں آتی۔ جب دینِ اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی کو رب تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں پھر انہوں نے ان لوگوں کی طرف اپنے چہرے کیوں پھیر لیے ہیں جو اپنے نفع اور نقصان کے مالک نہیں۔ جب دینِ اسلام نے مخصوص شرائط کے ساتھ عقل کی لگامیں چھوڑ دی ہیں اس نے اس کے لیے ایک حد مقرر کر دی ہے جس میں وہ باغی نہ ہو جائے تو پھر بہت سے مسلمانوں کو کیوں دیکھتے ہیں جنہوں نے اپنی عقلوں کو ایسی قیود میں مقید کر رکھا ہے کہ عقل کے لیے اس کائنات کے حقائق پر بحث کرنے کا اختیار نہیں ہوتا جسے رب تعالیٰ نے بے کار پیدا نہیں فرمایا۔ بہت کم مسلمان جہانِ ہست و بود کے حقائق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب دین متین شریعت مطہرہ کی اتباع کرنے اور اوامر اور نواہی کی پیروی کرنے کا حکم دیتا ہے تو پھر بہت سے مسلمان راہِ راست سے کیوں بھٹک چکے ہیں، وہ بدعتوں پر عمل پیرا ہیں اور انہوں نے دین میں وہ چیز داخل کر دی ہے جو اس میں سے نہیں۔

جواب

اے معترض! ذرا آہستہ! مسلمانوں میں وہ امور ہیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے اور ایسے امور بھی ہیں جن کا تم نے اس لیے ذکر نہیں کیا کیونکہ تم نے دین اسلام کی حقیقت سمجھی ہی نہیں ان مسلمانوں کی مثال اس مریض کی سی ہے جو کند ذہن طبیب کے ساتھ ہو جو مرض کو تو جان لے لیکن اس کی دوا کا علم نہ ہو۔ مسلمانوں میں یہ مرض سنگین ہو گئی ہے وہ ایسے دواء کی جستجو میں ہیں جو انہیں شفایاب کر دے لیکن دین حنیف کی اتباع کے بغیر اور کوئی شافی دوا انہیں نہیں مل سکتی تم ذرا حقیقی مغربی تہذیب کو دیکھو ان ایجادات، تحقیقات اور دریافتوں کو دیکھو اسی طرح دیگر علوم، تحقیقات، طبعی اسرار کی پردہ کشائی اور دیگر ان امور کے بارے غور و فکر کرو جنہیں اس زمرہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام امور کی ترغیب دین حنیف نے ہی دی ہے۔ یہ دینِ حق نے ان امور کی ترغیب اس لیے دی ہے تا کہ مسلمانوں کو دین و دنیا کی سعادت حاصل ہو جائے۔ جو قرآن مجید کو صحیح طرح پڑھے گا اس پر ان میں سے اکثر چیزیں عیاں ہوں گی۔

اس ساری بحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قصور دینِ حق کا نہیں کیونکہ یہ کامل ہے انسان کی ساری ضروریات پورا کرنے والا ہے۔ گناہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اسے سمجھا نہیں یا اسے سمجھا ہے لیکن سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے اس میں جھگڑا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا وصف بیان کیا ہے کہ یہ بالکل سیدھا ہے اس میں ٹیڑھا پن نہیں ہے۔

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

(فصلت:۴۲)

ترجمہ: باطل اس کے نزدیک نہیں آسکتا نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے یہ اتری ہوئی بڑی حکمت والے سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔

جب تم نے اس حقیقت کو جان لیا تو تمہارا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا اور صحیح راستہ تمہارے لیے آشکارا ہوگا۔

اسلام کا موقف اور اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی

میں اس جگہ اس گراں قدر مقالہ کو پیش کرتا ہوں جو فضیلۃ الاستاذ الاکبر، الشیخ محمود شلتوت، شیخ الجامع الازہر نے پڑھا تھا، جس میں حق اور حکمت کی باتیں تحریر کی گئی ہیں، انہوں نے فرمایا:

"امت مسلمہ ایک نمایاں حیثیت رکھنے والی امت ہے۔ اسلام نے اس کی تشکیل اس طریقہ سے کی ہے جو جنسی تعصب مٹا دیتا ہے اور عام بھلائی اور وسیع رحمت کی بنیاد کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے۔

رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾ (آل عمران:۱۰۱)

ترجمہ: اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ (کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک۔

ملت اسلامیہ کی کیفیت یہ ہے خواہ اس کی جنسیں کتنی ہی مختلف ہوں، اس کے ممالک خواہ کتنے ہی دور ہوں، ان کے رنگ اور زبان خواہ کتنی ہی جداگانہ ہو یہ اپنے رجحانات میں ہی محو گردش رہتی ہے اور اس کے اعمال اس بنیاد کے مدار میں ہوتے ہیں جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ جس میں کوئی عیب اور نقص نہیں آسکتا۔ اس کی روح اس کی طرف آتی ہے۔ اس کے لازم اور بجا لانے اور اس کی شان بلند کرنے کے لیے اس کی روح اس کی طرف تیزی سے جاتی ہے۔ یہ آباد رہتی

ہے خراب نہیں ہوتی یہ عمدہ رہتی ہے۔ اس میں فساد نہیں آتا۔ یہ عدل کرتی ہے ظلم نہیں کرتی۔ یہ جانتی ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کیا ہیں۔ اسی لیے زندگی سربلند ہوتی ہے۔ لوگ سعادت مند رہتے ہیں۔ وہ اس سرچشمہ کی راہ پر رہتے ہیں جو بھلائی کی بنیاد پر جمع ہونے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ قرآن پاک نے اس رستہ میں جان، مال اور اولاد کی قربانی کا حکم دیا ہے۔ اس نے اخوت کو ہی بنیاد قرار دیا ہے۔ ایک انسان اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح اس کا بھائی محسوس کرتا ہے ہر قوم اسی طرح محسوس کرتی ہے جس طرح دوسری قوم کا احساس ہوتا ہے۔ اسلام ساری روئے زمین پر پھیل گیا ہے اس سے مسلمانوں کے لیے ایسا وجود متحقق ہوتا ہے جس کی ہیئت اور منصب عیاں ہے۔ اس کا اقتدار و آثار اس کے اپنے ہیں اسی سے ہی انسان کی عام سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے وجود کے تحفظ کے لیے اس میں کمزوری اور ناتوانی نہیں آنی چاہیے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے اس کی تقویت پر ابھارا ہے اور یہ ہر اس چیز کی طرف میلان کو روکتا ہے جو اس ملت کو کمزور کر دے۔ ہر اس عمل سے روکتا ہے جو اس ملت کو کمزور کر دے۔ ہر اس عمل سے روکتا ہے جو اس میں فساد پیدا کر دے یا اس کی شان کم کر دے۔

یہ بات بھی عیاں ہے کہ قرآن پاک نے ان دشمنوں سے دوستی کرنے سے منع کیا ہے جو اس ملت کے وجود کا انکار کرتے ہیں جسے اسلام نے تشکیل دیا ہے وہ مضبوط گرفت اور قومی تعلق سے اس کی بنیاد کو پختہ کرتا ہے۔ ہم اس جگہ چند آیات پیش کرتے ہیں جن میں دشمنوں کے ساتھ دوستی لگانے سے روکا گیا ہے۔ ان کے قریب نہ جانے اور دور رہنے پر ابھارا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ

(آل عمران: ۱۱۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنا راز دار غیروں کو وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرر دے ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں سے (یعنی زبانوں سے) اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔

اس امت کے وجود کے عزت و احترام اور اس کی حفاظت کے لیے اور ان بلند مرتبہ معانی کے احیاء کے لیے جن سے ملت اسلامیہ سایہ حاصل کرتی ہے۔ ان کی تقویت اور طاقت کے لیے

اسے منع کیا گیا ہے کہ وہ ان دشمنوں سے دوستی لگائیں خواہ وہ دشمن ایسے آباء ہوں جن کے ساتھ حسن سلوک کرنا لازم ہے یا بھائی ہوں جن سے صلہ رحمی کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ (التوبۃ: ۲۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بنالو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ (المجادلہ: ۲۲)

ترجمہ: تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہے اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔

کبھی ذاتی خواہشات اور انفرادی مصلحتیں بعض افراد کے لیے ہدایت کے راستے روک دیتی ہیں ان پر ایمان اور قوت کی راہیں بند کر دیتی ہیں۔ خیر کی دعوت سے ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں، یہ مقام اس وقت آتا ہے جب وہ تعلق باللہ کو کمزور کر دیتے ہیں۔ اور ہدایت کی اتباع سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق بھلائی کا رستہ اور کامیابی کی راہ ہے۔ جب انفرادی مصلحتیں سرکشی کرتی ہیں اور بعض لوگوں پر خواہشات قبضہ کر لیتی ہیں تو وہ خود کو دشمنوں کی آغوش میں پھینک دیتے ہیں تاکہ انہیں وہ چیز جلدی سے مل جائے جس کی وہ امید رکھتے ہیں وہ اپنے دین اور امت کے نہ چاہتے ہوئے بھی دشمنوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔

فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىٕرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ۞ (المائدہ: ۵۲)

ترجمہ: سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یہود و نصاریٰ کی طرف کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں

ہم پر کوئی گردش نہ آجائے وہ وقت دور نہیں اللہ تعالیٰ (تمہیں) دے دے گا فتح کامل یا (ظاہر کر دے گا کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نادم۔

زندگی کے معرکہ اور میدان میں، مسلمانوں کی قوت اور اتحاد میں، اہلِ عرب کی وحدت، اتفاق آج سب سے زیادہ عداوت کرنے والی وہ چھوٹی سی جماعت ہے جو باغی اور سرکش ہے۔ زمین میں فساد بھڑکانا اس کا کام ہے۔ بنیادی قواعد وضوابط کا انکار کرتی ہے درست عمارت کو زمین بوس کرنا اس کا کام ہے۔ جب دیگر لوگوں نے حضورِ اکرم ﷺ کی صدا پر لبیک کہا تو اسی جماعت نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک تیسرا گروہ بھی بنایا۔ یہ جماعت معاشرہ پر ناروا بوجھ ہے۔ اسی جماعت نے حضور ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے توڑے۔ بھلائی کا انکار کیا کلمات کو ان کی جگہ سے آگے پیچھے کیا۔ دشمنوں کے ساتھ تعاون کیا۔ ان کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہا۔ رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ خیانت کی، آپ کے قتل کا ارادہ کیا، آپ کے کھانے میں زہر ملایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو ان کی نیتوں سے آگاہ فرمادیا۔ آپ کو ان کے شر سے بچا لیا۔ ان پر آپ کو غلبہ دیا۔ اور انہیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿﴾ (البقرہ:۵۹)

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿﴾ (الانفال:۵۵،۵۶)

ترجمہ: بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔ وہ جن سے کئی بار آپ نے معاہدہ کیا۔ پھر وہ توڑتے رہے اپنا عہد ہر بار اور وہ (عہد شکنی سے) ذرا نہیں پرہیز کرتے۔

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿﴾ (الانفال:۵۷)

ترجمہ: پس اگر آپ پائیں انہیں (میدان) جنگ میں تو (انہیں عبرت ناک سزا دے) کر منتشر کر دو انہیں جو ان کے پیچھے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں۔

مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں کتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ غزوۂ خندق جس نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا یہ ان کی سوچ و بچار اور بری تدبیر کا نتیجہ تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں جلاوطن کر دیا انہیں سبق سکھایا۔ پھر آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا تعاقب کیا، انہوں نے

اپنی تلواریں ان کی گردنوں پر رکھ دیں۔ کیونکہ وہ شر، فتنہ اور فساد کے عوامل تھے۔ وہ کینہ اور بغض رکھتے تھے۔ انہیں تباہ کرنا ضروری تھا ان شر انگیز فسادات کا خاتمہ ضروری تھا۔ تاکہ نوعِ انسان کا معاملہ درست ہو جائے۔ اس کے امور صحیح ہو جائیں۔ اس جگہ امن و سلامتی کا بول بالا ہو۔ سارے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے حکمت اسی کا تقاضا کرتی تھی۔ آج کے یہودی ان یہودیوں سے زیادہ بُرے ہیں۔ انہوں نے ان کی بری عادتیں بھی اپنا رکھی ہیں، کینہ اور بغض کی کمین گاہوں میں اشتعال پیدا ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کے ساتھ مصروفِ جنگ ہیں۔ زمین میں فساد برپا کر رکھا ہے، یہ لگاتار وقفوں میں بغاوت کی طاقتیں شر کے عوامل اور فساد کے راستے میں ایسے امور پاتے رہتے ہیں جو انہیں حق اور ایمان کے ساتھ جنگ آزما رہنے پر ابھارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیور ہے اس نے انہیں چکی کے دو پتھروں کے مابین رکھا ہے جہاں ایک طرف ان کی بربادی کے عوامل ہیں اور دوسری طرف ہمارا اتفاق، اتحاد، ایمان اور عزت بھری زندگی گزارنے کا ہمارا حق ہے۔

قرآن مجید بیان فرماتا ہے کہ یہودی سب سے زیادہ اہلِ ایمان کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں۔ قرآنِ پاک نے ان کی عداوت کو ان مشرکین کی عداوت کے برابر بیان کیا ہے جو نہ خالق کا اعتراف کرتے ہیں نہ ہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ (المائدة: ۸۲)

ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو۔

یہودیوں نے ایک عربی اسلامی ملک پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا۔ ان کے اموال ان سے چھین لیے اور انہیں صحرا میں پھینک دیا۔ انہیں کوئی ٹھکانہ نہ ملا، انہوں نے خواتین کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا انہوں نے لاکھوں افراد کی زندگیاں برباد کر دیں انہیں زندگی کے لطف سے محروم کر دیا۔ غصب اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک مذموم فعل ہے ساری آسمانی شریعتوں نے اسے حرام قرار دیا۔ انسان کے بنائے ہوئے قوانین نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ اس قلیل جماعت سے دوستی لگانے اور اس کا اعتراف کرنے کی سزا یہی ہو جو مملکت اسرائیل، ارضِ مقدسہ، مھبطِ وحی، مصلی الانبیاء اور مسجد اقصیٰ کے پاس بنا دیا گیا ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ اس

عمل کی سزا یہی ہو کہ امت مسلمہ کو کبھی اتفاق نصیب نہ ہو سکے گا۔ یہ دوستی کی سب سے مضبوط قسم ہے جس سے قرآن پاک نے روکا ہے۔ اس کو حرام قرار دیا ہے۔ امت مسلمہ کی سلامتی اور اس کی امن کی خاطر اس سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

مسلمان ایک امت ہیں جو ایک رائے اور مقصد پر جمع ہیں، وہ ایک بلند و بالا مدعا پر اکٹھے ہیں یہی مقصد و مدعا اس کی قوت کا سرچشمہ ہے ہر لحہ اس کی قوت میں اضافہ ہو رہا ہے ان کی شان بلند ہو رہی ہے اور اس کا ستارہ زیادہ چمک رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا دست تصرف جماعت کے ساتھ ہے جو علیحدہ ہوا سے آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ کسی انسان نے ارادہ کیا کہ وہ اس باغی گروہ کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ جس کا مقصد نو آبادیات کا قیام ہوتا کہ وہ ہاتھ اس کے لیے ایک پل بن سکے جسے عبور کر کے وہ اپنی منزل تک پہنچ سکے اور اپنے مقاصد پورے کر سکے۔ اگر کسی شخص نے یہ ارادہ کیا ہے تو یہ اس کے دین کے خلاف بغاوت ہے اور ایسا شخص بدقسمت اور محروم ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ۔ (آل عمران:۲۸)

ترجمہ: نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر اور جس نے کیا یہ کام پس نہ رہا (اس کا) اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

(النساء:۱۳۸/۱۳۹)

ترجمہ: خوش خبری سناؤ دو منافقوں کو کہ بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت تو (وہ سن لیں) عزت تو صرف اللہ کے لیے سب کی سب۔

ہمارے دین متین نے ہمارے سامنے واضح خطوط رکھے ہیں۔ اس نے واضح نشانات دیے ہیں صراطِ مستقیم سے نوازا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج ہم ان خطوط اور نشانیوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ آج مسلمانوں کے دشمن وہی ہیں جو ان کے دین کے دشمن ہیں۔ یہ بددیانت یہودیوں کی اولاد ہے مکر و فریب اور دنگا و فساد ان کی سرشت میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے

ہمیں آزمائش میں ڈالا ہے۔ تم ان سے اپنا بچاؤ کرو اپنا دستِ تعاون ان کی طرف نہ بڑھاؤ۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(المائدہ:۵۱)

ترجمہ: اور جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے وہ انہی میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالموں کو۔

اسرائیل کا لالچ کسی حد پر جا کر نہیں رکے گا۔ وہ سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت اسلامی عربی ممالک کی طرف بڑھتا رہے گا۔ اس لیے تمام مسلمانوں اور اہلِ عرب پر لازم ہے کہ وہ اس خطرہ سے نمٹنے کے لیے اکٹھے ہو جائیں وہ اس چیز سے دستکش ہو جائیں جس سے اس باغی گروہ کو مدد ملتی ہے، خواہ وہ اسے تسلیم کرتا ہو یا اس کی فکری معاونت ہو یا مالی مدد ہو یا اس سے اسلحہ کی خرید و فروخت ہو، یہ سب کچھ اس کی دوستی میں شامل ہے۔ اس سے اس کے قدم مضبوط ہوتے ہیں۔ شریعت بیضاء، دین متین اور مسلمانوں کے نزدیک یہ سب کچھ رائیگاں ہے وہ اسے امت اسلامیہ کے خلاف بغاوت پر محمول کرتے ہیں آج اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم ان غاصبین کو دھتکار دیں، ان کے خلاف اتفاق کر لیں، اس میں سستی نہ کریں کیونکہ ان کے ساتھ دشمنی کرنے میں سستی یا ان کی شکست کو روکنے کے لیے ان کے ساتھ تعاون دشمنوں کے ساتھ دوستی ہی ہے۔ اے اہلِ ایمان!

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ:۲۵۶)

ترجمہ: بے شک خوب واضح ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان کا اور ایمان لے آئے اللہ کے ساتھ تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں ہدایت دے۔ بھلائی کی طرف ہمارا رخ کرے، ہماری امت کو فرقہ بندی اور دشمن کے ساتھ دوستی لگانے سے بچائے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ: اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کریں گے اللہ کے رستہ سے۔

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿ (التوبۃ:۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ

بندوں کو مکلف بنانے میں راز اور حکمت

اللہ رب العزت کے ارادہ نے تقاضا کیا کہ وہ حیوان کی جنس تخلیق کرے۔ جس کا میلان بھلائی سے زیادہ شر کی طرف ہو۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان اجناس میں سے ہر ہر نوع کو ایسا ہتھیار دیا گیا ہے جس سے وہ اپنی نوع کے کسی فرد کی طرف سے ہونے والے ظلم کو روکتی ہے۔

پرندوں کے لیے ان کی چونچ اور پنجوں کو ان کا ہتھیار بنایا گیا۔ کھر والے جانوروں کے لیے سینگوں کو ان کا ہتھیار بنایا گیا۔ اسی پر بچھو کے ڈنگ، سانپوں کے دانتوں اور وحشی جانوروں کے جبڑوں کو قیاس کر لو اسی طرح دیگر اعضاء بھی ہیں جنہیں حیوانات اپنا دفاع کرتے وقت بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ انسان بھی حیوان کی جنس میں سے ایک نوع ہے۔ اس کے ہاتھ، زبان، تلواریں، نیزہ، توپ، بندوق، بحری جہاز، آبدوزیں، ٹینک، ہوائی جہاز، قلعوں کو گرانے کے لیے جدید اسلحہ کو اس کا ہتھیار بنا دیا گیا۔ لیکن جب آپ ان ہتھیاروں میں مقابلہ کریں گے تو آپ پائیں گے کہ انسان کے ہتھیار تعداد میں بھی زیادہ ہیں، وہ زیادہ خطرناک بھی ہیں، کیونکہ وہ عقل، ادراک اور فکر میں حیوانات کی جنس سے ممتاز ہے۔ اس میں شر کا وجود بھی ہے۔ وہ غور وفکر کرتا ہے جو اس کا عقل اور ذہن چاہتا ہے وہ بنالیتا ہے۔ اسی خوبی یعنی عقل، ادراک اور فکر کی وجہ سے انسان کو مکلف بنایا گیا ہے۔

تکلیف سے مراد ایسے اوامر اور نواہی ہیں جن کی وجہ سے انسان ایسا کام کرنے سے رک جاتا ہے جو اس انسانی معاشرہ کے نظام میں خلل پیدا کر دے۔ انسان کی تخلیق اس لیے کی گئی ہے کہ وہ ایسے کام کرے جو اس نظام کو تقویت دے اور اس کے بنیادی امور کو طاقت دے، اس سے مراد یہ ہے کہ گفتگو اور غور وفکر کرنے والے حیوان کے ذریعے اس زمین کو بسایا جائے۔

اسی لیے یہ اوامر اور نواہی مجنونوں، پاگلوں اور ان بچوں پر لاگو نہیں ہوتے جو بلوغت کو نہ پہنچے ہوں کیونکہ ان میں عقل وادراک وہ کمال مفقود ہوتا ہے اور وہ بلوغت کی اس حد تک نہیں پہنچے ہوتے جس پر ہر اس چیز کا محاسبہ ہو جو اس کی طرف سے رونما ہو۔ اسی طرح یہ اوامر اور نواہی دیگر حیوانات پر لاگو نہیں ہوتے کیونکہ وہ عقل وادراک نہیں رکھتے۔

مکلف بنانے سے مراد ہم اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی لیتے ہیں جو رسلِ عظام علیہم السلام کے واسطہ سے علم تک پہنچتے ہیں ہم مزید کہتے ہیں کہ انسان نے اپنی طرف سے احکام اور نواہی وضع کیے ہیں جن سے وہ نوعِ انسان کو ایک حد تک محدود رہنے پر مجبور کرتے ہیں جب وہ حد عبور کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ ایسے قوانین کو خود ساختہ قوانین کہا جاتا ہے۔ ان کو حکومتیں وضع کرتی ہیں اور اپنی رعایا کو ان کی اتباع کرنے کا حکم دیتی ہیں۔ لیکن یہ قوانین عیب و نقص سے خالی نہیں ہوتے، اسی لیے ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ انہیں منسوخ بھی کر دیا جاتا ہے اور ان میں کمی و بیشی بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آسمانی قوانین ہر زماں اور ہر مکان کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے باشندوں کے موافق ہوتے ہیں۔ ان میں نہ نقص آتا ہے نہ ہی خلل۔ اس امر کی آخری حد یہ ہے کہ ہر رسول مکرم علیہ السلام کی شریعت اپنے کمال کے ساتھ بعض امور میں دوسرے رسول محترم علیہ السلام کی شریعت سے مختلف ہوتی تھی۔ یہ فرق اور اختلاف اس حکمت کی وجہ سے تھا وہ علیم و حکیم ذات جس کا تقاضا کرتی تھی البتہ یہ ساری شریعتیں جنہیں رسلِ عظام لے کر آئے وہ توحید الٰہی اور اس کی ان صفات قدیمہ پر متفق تھیں جو اس ذات والا کے لائق ہیں ہم کہتے ہیں کہ نفس انسانی کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ وہ برائی کا حکم دیتا ہے۔ جو وہ پوری طرح برائی کی طرف رجحان رکھتا ہے۔ یہ اس جانور کی مانند ہے جو سرکشیوں اور گمراہیوں کے مابین چلے۔ یہ نفس نہ تو بذات خود ہدایت پاتا ہے اور نہ ہی واعظ راہ نما کی اطاعت بجالاتا ہے۔

اس کے دو اسباب ہیں:

1. اللہ رب العزت نے اسے حکمت عطا فرمائی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نورِ مستقیم سے دیکھتا ہے۔
2. دوسرے سبب کا تعلق انسانی فطرت کے ساتھ ہے۔ وہ نفس امارہ کے شر کی طرف میلان سے عام ہے۔

جب تم نے یہ دو امور سمجھ لیے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۷۲، ۷۳)

ترجمہ: بے شک ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ

وہ اس کی ذمہ داری اٹھائے) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے۔ اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے بے شک یہ ظلوم بھی ہے اور جہول بھی تا کہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں کو۔ اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہِ لطف وکرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے۔

علماء کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت طیبہ میں ''الامانۃ'' سے مراد مخلوق کے گلے تکلیف کا قلادہ ڈالنا ہے۔ اس امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ یہ انکار طبعی تھا کیونکہ ان میں یہ لیاقت اور استعداد نہ تھی۔ کیونکہ عقل مکلف ہونے کا ادراک کرتا ہے مگر یہ چیزیں عقل سے عاری ہیں کہ یہ اس امانت کو اٹھا لیتیں۔

امر کی تکلیف میں سے ایک یہ ہے کہ انسان چوری نہ کرے ورنہ چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے۔ بلا شک وشبہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ جب انسان کسی دوسرے انسان کو دیکھے گا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیے گئے ہیں اگر وہ چور ہوگا تو وہ بھی خوف کھانے لے گا۔ اس طرح امن پھیلے گا جو سلامتی کے ارکان میں سے سب سے بڑا رکن ہے۔

اسی طرح حکم ہے کہ کوئی بدکاری نہ کرے۔ ورنہ بدکار پر حد جاری ہوگی۔ حتیٰ کہ لوگ اس گناہ کا ارتکاب نہ کریں تا کہ نسب میں اختلاط نہ ہو۔ وارثوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اسی طرح بدکاری کے دیگر نقصانات سے بھی بچا جا سکے۔

اسی طرح شریعت مطہرہ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے یہ نفس کی ریاضت ہے۔ اسے اپنے آقا ومولا کا حکم بجالانے کی ترغیب دلاتا ہے کہ وہ دن کے وقت کھانا نہ کھائے ایسے امور بجا نہ لائے جن سے روزہ ٹوٹ جائے، بھوک اور پیاس سے دل کا آئینہ شفاف ہو جاتا ہے۔ اس سے اسے ہدایت نظر آتی ہے اور وہ برائی سے رک جاتا ہے۔

اسی طرح شریعت مطہرہ کا حکم ہے۔ زکوٰۃ دو، جب اغنیاء غرباء کے ساتھ ہمدردی کریں گے تو دلوں میں الفت پیدا ہوگی۔ لوگ چوری سے رک جائیں گے کیونکہ اکثر لوگ فقر وفاقہ کی وجہ سے چوری کرتے ہیں۔

اسی طرح شریعت بیضاء کا حکم ہے کہ لوگ حج کریں۔ دور دراز سے مسلمان ایک میدان

میں جمع ہوتے ہیں۔ وہاں حج کرتے ہیں، باہم تعارف اور سلام اور دعا ہوتی ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کی تائید ہوتی ہے۔ اتفاق واتحاد نصیب ہوتا ہے اور شہر آباد ہوتے ہیں، اسی طرح ہر ہر حکم میں بڑی بڑی حکمتیں کارفرما ہیں جن کا ہم تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔

اسی طرح شریعت مطہرہ نے نماز کا حکم دیا ہے تاکہ انسان دن میں پانچ بار اپنے آقا ومولا کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ اس کی عظمت کے گن گائے، اس سے ثواب کی امید رکھے اس کے عذاب اور سزا سے خوف کھائے اس کی روح گناہوں کی گندگی سے پاک ہو جائے۔ وہ حیوانیت سے ملکیت کی طرف منتقل ہو جائے اس حوالے سے ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک دن ایک اعرابی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا، عرض کناں ہوا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! فلاں شخص فلاں فلاں گناہ بھی کرتا ہے اور ہمیشہ نماز بھی ادا کرتا ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"اس کی نماز عنقریب اسے ان گناہوں سے روک دے گی۔"

تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ وہ شخص اپنے گناہوں سے تائب ہو گیا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ (العنکبوت:۴۵)

ترجمہ: "بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے۔"

ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی نفس برا کام نہیں کرتا تو وہ یا تو اس لیے ہے کہ اسے درگاہِ ایزدی سے ہدایت نصیب ہو گئی ہے یا اسے سزا اور عذاب کا خوف ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یا تو نفس اپنی پاکیزگی اور اوامر ونواہی کی وجہ سے عالم ملائکہ کے ساتھ ملحق ہے یا اپنی مادی خواہشات کی اتباع کر کے وہ عالمِ حیوانات کے ساتھ ملحق ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اللہ رب العزت نے ہر اس امر کو آسان کر دیا ہے انسان جسے کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا نفس جس کی طرف توجہ کرتا ہے خواہ وہ امر اچھا ہو یا برا۔ اگر اچھا ہو گا تو اس پر انسان کو ثواب ملے گا۔ اگر وہ عمل برا ہو گا تو اسے عذاب ملے گا کیونکہ وہ اس کے اختیار سے منصہ شہود پر آیا ہے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ

بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾ (اللیل: ۵ تا ۱۰)

ترجمہ: پھر جس نے (راہِ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان راہ۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے مشکل رہ۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

(الاسراء: ۲۰)

ترجمہ: ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور اُن کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔

اس ساری بحث سے آپ جان گئے ہوں گے کہ مکلف بنانے کا مفہوم ایسا فعل ہے جس میں تکلیف اور مشقت ہو، یہ صرف اس ذات کے لیے آسان ہو سکتا ہے جس میں تکلیف کے معنی کا ادراک کرنے کی صلاحیت ہو اور یہ استعداد صرف انسان میں پائی جاتی ہے اسی لیے اللہ رب العزت نے انسان کو مکلف بنایا ہے اس نے خیر وشر کے راستے واضح فرمائے وہ جس راستہ پر چاہے گامزن ہو جائے اللہ رب العزت کے اس فرمان کا یہی مصداق ہے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ (الانسان: ۳)

ترجمہ: ہم نے اسے دیکھایا (اپنا) راستہ اب چاہے شکرگزار بنے چاہے احسان فراموش۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ (البلد: ۱۰)

ترجمہ: اور ہم نے دکھا دیں اسے دو نمایاں راہیں۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ (الزلزلۃ: ۷، ۸)

ترجمہ: پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔

اس سے آپ یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ رب تعالیٰ نے اس تکلیف کی وجہ سے انسان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ لیکن انسان خواہشات کی طرف میلان کی وجہ سے اور نفس پر اس

پردہ کی وجہ سے وہ عظیم بھلائی کے ادراک سے قاصر ہے جس کا ارادہ رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ عالی شان کا مصداق یہی ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿ (الاحزاب:۷۲)

ترجمہ: بے شک یہ ظلوم بھی ہے اور جہول بھی۔

یعنی وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اور اس ارادہ سے ناواقف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ فرمایا ہے۔ یہ اس آیۂ طیبہ میں جملہ مستانفہ ہے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ (احزاب:۷۳)

ترجمہ: تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ۔

اسی لیے اس میں لام، لام العاقبۃ ہے یعنی ان تکالیف کی امانت اٹھانے کا انجام یا ثواب ہے یا عذاب۔

انسان کو مکلف بنانے کا یہی وہ راز ہے جس سے اکثر علماء نا آشنا ہیں۔

عبادت صرف اللہ رب العزت کا حق ہونے میں حکمت

اللہ تعالیٰ آپ کو نیک اعمال بجالانے کی توفیق دے آپ جان لیں کہ انسان خواہ کتنا ہی دولت مند ہو۔ اس کے پاس مال و دولت کے انبار ہوں وہ آسودہ حال ہو اس کے نزدیک پسندیدہ امر یہ ہے کہ تم اسے کہو "یہ لو" اور یہ نہ کہو مجھے کچھ عطا کرو۔ ابن الوردی نے بھی یہی بات کی ہے "ساری چیزوں سے حسین شئی میراتم سے اس طرح کہنا ہے: "یہ لو" یہ وہ فیصلہ ہے جس کی صداقت پر وہ فطرت طبیعی بھی دلالت کرتی ہے جس کی تخلیق میں رب تعالیٰ نے، بہت کچھ ودیعت فرمایا ہے۔ اگر قارون کو اپنی قبر سے اٹھایا جائے وہ دولت وثروت سمیت آئے، تم درہم میں سے اسے ایک دانق دو وہ اسے بھی تمہاری مہربانی شمار کرے گا۔ اور اس نعمت کا شکریہ ادا کرے گا وہ جب بھی تمہیں دیکھے گا ایک محسن اور منعم کی نظر سے دیکھے گا۔ تمہاری اس نیکی اور احسان کا بدلہ چکانے کے لیے وہ تمہیں ہمیشہ اپنی دعا میں یاد رکھے گا۔

اگر حقیقت اس طرح ہے تو پھر اس فقیر، غریب، کنگال اور منگتے کا کیا حال ہوگا جب تم کوئی نیکی یا کوئی احسان کر کے اس کی غربت، اور افلاس میں کمی کرو۔ بلا شک وشبہ وہ تمہارا بہت زیادہ شکریہ ادا کرے گا۔ وہ تمہارے سامنے اس طرح عاجزی کرے گا جس طرح ایک خادم اپنے آقا کے لیے عاجزی

کرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ عاجزی کرنے کے لیے وہ عبادت کرنے کے قریب جا پہنچے گا۔ وہ تمہارے گھر کا صحن نہیں چھوڑے گا بلکہ وہ تمہارے گھر کو کعبہ بنا لے گا اس کے ارد گرد محوِ طواف ہوگا۔ وہ اسے قبلہ بنا لے گا اس سے اپنا چہرہ نہیں پھیرے گا وہ صبح و شام یہ شعر گنگناتا رہے گا۔

اراشوا جناحی ثم بلوہ بالندی

فلم استطع من ارضھم طیرانا

ترجمہ: انہوں نے مجھے پر عطا کیے پھر سخاوت کے ساتھ انہیں بھگو دیا، میں ان کی سرزمین سے اڑنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

جب تم اس حقیقت سے آشنا ہو چکے ہو تو یہ بھی جان لو کہ یہ فطرت جسے ہر انسان میں رکھا گیا ہے کہ کفرانِ نعمت یا نعمت کا انکار کرنا اور اس کا شکریہ ادا نہ کرنا منعم کے غصے اور ناراضگی کا سبب بنتا ہے، اگر وہ معاف کر دے تو یہ اس کی ایک اور نعمت ہے جس کا وہ شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے یہی وہ عدل ہے جو تقویٰ کے قریب تر ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؕ (البقرہ: ۲۳۷)

ترجمہ: اور (اے مردوں) اگر تم معاف کر دو تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ سے۔

گزشتہ بحث کا لب لباب یہ ہے کہ کسی انسان پر مکمل نیکی کرنا یا کچھ نیکی کرنا اسے تمہارا اسیر بنا دیتا ہے۔ جب مخلوق کی مخلوق کے ساتھ یہ حالت ہے تو اس کا حال اس ذاتِ والا کے ساتھ کیسا ہوگا جو رب الارباب اور سب کریموں سے زیادہ کریم ہے۔ اس کی نعمتیں حد و شمار سے ماوراء ہیں۔ انہیں گننا یا شمار کرنا ممکن نہیں۔ ان نعمتوں کی وجہ سے ہی خالق کائنات کی عبادت فرض ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان گنت اور بے شمار ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (ابراہیم: ۳۴)

ترجمہ: اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم شمار نہیں کر سکتے۔

رب تعالیٰ کی عبادت مزید دلیل دیتے ہوئے میں بعض نعمتوں کا ذکر کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی تم پر نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہیں صحت سے نوازا ہے، صحت کے بارے بعض حکماء نے کہا ہے:

"صحت صحتمند انسان کے سروں پر تاج ہے جس کی قدر و قیمت سے صرف

مریض ہی آگاہ ہیں۔"

یہ رواں دواں سانس بھی اللہ رب العزت کی نعمت ہے۔ اگر یہ سلسلہ چند لمحات کے لیے رک جائے تو زندگی مفقود ہو جائے۔ اس نے تمہیں زندگی بخشی ہے، تم چاہتے ہو کہ تمہاری یہ زندگی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے۔ اسی طرح اس ذاتِ کریمانہ نے تمہیں کھانا، پانی، گھر، کان، آنکھیں اور عقل عطا کی اسی طرح ایک اور نعمت بھی ہے جو ساری نعمتوں کو جامع ہے، وہ رب تعالیٰ کے عرفان کی نعمت ہے۔ گزشتہ بحث سے تم نے جان لیا ہوگا کہ رب تعالیٰ کی عبادت فرض ہے۔ اس کا دائرہ صرف عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر اطاعات تک محدود نہیں ہے اس لیے ہر وہ چیز شامل ہے جس سے رب تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ اس میں ہر وہ فعل شامل ہے جسے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے کرم، شجاعت، غریب کی مدد اور نفس امارہ کی مخالفت سب کچھ عبادت میں شامل ہے، یہ گمان نہ کرنا کہ نعمتوں کی وجہ سے تمہارا بنی انسان کا شکر ادا کرنا اور حق تعالیٰ کی عبادت کرنا تم پر فرض ہے، اگر ان کے حقوق ہیں جو تم پر لازم ہیں تو ان پر تمہارے حقوق بھی ہیں، مگر خالق و مخلوق کے حقوق میں معنی اور حیثیت کے اعتبار سے فرق ہے۔ مخلوق پر تمہارا حق یہ ہے کہ اس پر لازم ہے کہ جب تمہیں ضرورت پڑے وہ تمہاری مدد کرے۔ مشکلات میں تمہارا ہاتھ تھام لے اسی طرح نیکی کی ساری انواع اور بھلائی کی ساری اقسام اس میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارا حق جسے اپنے ذمۂ کرم پر لازم قرار دیا ہے۔ یہ مخلوق پر اس کا فضل و کرم ہے، اسے تم اس حدیثِ پاک سے صحیح سمجھ سکو گے۔

حضور سید عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"معاذ! کیا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم اس کے بندوں کا کیا حق ہے؟"

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عرض کناں ہوئے:

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ بہتر جانتے ہیں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس ذاتِ والا کی پوجا کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر بندوں کا حق یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے وہ اسے عذاب میں مبتلا نہ کرے۔"

حضور فخرِ موجودات ﷺ نے سچ فرمایا ہے، کیونکہ نعمتوں میں اصل یہی ہے، جب ہم اسے ادا نہیں کرتے تو انتقام لازم ہوجاتا ہے، الا یہ کہ تمہیں عنایات ربانیہ اور رحمتِ ابدیہ آ لے۔

جعلنا اللہ و ایاك من الشاکرین و وقانا من شر الشیطان الرجیم وغفرلنا الذنوب والذلات ووفقنا للاعمال الصالحات۔

عبادات میں پاکیزگی حاصل کرنے میں حکمت

ہم سب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ جب کسی انسان کے کپڑے گندے ہوں اس کے اعضاء پر میل جمی ہو تو نفوس اس سے نفرت کرتے ہیں، دل اور آنکھیں اس سے بھر جاتے ہیں اسی طرح جب انسان کسی بادشاہ یا امیر کے پاس جانا چاہتا ہے تو اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ عمدہ اور نفیس کپڑے زیب تن کرے، اپنے جسم سے میل کچیل دور کرے تا کہ وہ امیر یا بادشاہ اسے ایسی حالت میں نہ دیکھے جو اس کے لیے قابلِ نفرت ہے، جب مخلوق میں سے ایک فرد سے دوسرے فرد کے ساتھ ملتے وقت کیفیت یہ ہوتی ہے تو اس ذاتِ والا کے سامنے کھڑے ہوتے وقت صفائی و نظافت اور طہارت و پاکیزگی کی حالت کیا ہونی چاہیے جو رب الارباب اور ملک الملوک ہے۔

شارع حکیم نے وضو اور غسل فرض فرمایا تا کہ انسان فریضہ کی ادائیگی کے وقت میل کچیل سے صاف ہو۔ اس نظافت میں ایک اور حکمت بھی کارفرما نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ نمازوں کے اوقات میں یہ بات فرشتوں کو بھی ناپسندیدہ ہے کہ وہ نمازی پر گندگی اور میل دیکھیں۔ اس سے بدبو آ رہی ہو۔ اسی طرح جب مسلمان نماز کے لیے صف بند ہوتے ہیں اگر ان میں سے کسی کے کپڑے بوسیدہ ہوں تو وہ اس سے انہیں اذیت ہوگی، اسی لیے شارع حکیم نے روز جمعہ اور عیدین کے روز غسل سنت قرار دیا کیونکہ مسلمان ان اوقات میں نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں ان کا اژدہام ہوتا ہے وہ شانہ بشانہ اور پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوتے ہیں۔ اگر انسان ان اوقات میں پاک و صاف نہ ہوگا۔ اس سے عمدہ خوشبو نہ آ رہی ہوگی تو لوگ اس سے نفرت کریں گے نمازیوں کو اس سے اذیت ہوگی، لوگوں کو اذیت دینا بذاتِ خود ایک مذموم فعل ہے۔

جنابت سے غسل کرنے میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کے دو نفس ہیں۔

1. نفس بہیمیہ

۲ نفسِ ملکیہ

یعنی اس کے ایک نفس کا تعلق جانوروں کے عالم کے ساتھ جب کہ دوسرے نفس کا تعلق ملائکہ کے عالم کے ساتھ ہے جب انسان وظیفۂ زوجیت کا ارادہ کرتا ہے تو اس جسم میں نجاست ہو جانے کی وجہ سے اس کے اس نفس کو اذیت ہوتی ہے جس کا تعلق ملائکہ کے عالم کے ساتھ ہے جب انسان جنابت سے غسل کر لیتا ہے تو اس کے نفس ملکیہ کو اطمینان نصیب ہوتا ہے جو چیز اسے ناپسند ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

وضو اور غسل میں ایک اور بھی حکمت نظر آتی ہے وہ یہ کہ اگر اعضاء کو پانی سے دھویا جائے تو ان میں نشاط اور چستی آ جاتی ہے غفلت اور کاہلی ختم ہو جاتی ہے انسان چست ہو کر اپنے فرائض ادا کرتا ہے اس نشاط سے دل میں راحت پیدا ہوتی ہے جس سے عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، اس عمل میں یہ وہ جلیل القدر حکمتیں پنہاں ہیں جنہیں ہم ان کے مقامات پر تحریر کریں گے۔

اسی طرح جب حائضہ عورت غسل کرتی ہے تو اس میں بھی چستی اور نشاط پیدا ہوتا ہے اس میں ان امور کو سرانجام دینے کی استعداد پیدا ہوتی ہے جن کا وہ ہر آن اور ہر لحہ ارادہ کیے ہوتی ہے، یہ اس صورت میں ہے جب وہ عورت شادی شدہ ہو، ورنہ وہ چستی نصیب ہوتی ہے اور اس کی وہ کاہلی ختم ہو جاتی ہے جو اسے کام سے روک دیتی تھی۔ اسی طرح اگر نفساء (وہ عورت جسے بچے کی ولادت کے بعد خون آ رہا ہو) غسل کر لیتی ہے تو اس کے بدن کی میل کچیل اور بدبو دور ہو جاتی ہے، عنقریب ان حکمتوں کا بھی تفصیلی تذکرہ ہو گا۔

اگر ہم ان تمام آیاتِ طیبات اور احادیثِ مبارکہ اور ماثورہ حکمتوں کا تذکرہ کریں جو طہارت کی فضیلت میں مذکور ہیں تو یہ جگہ تنگ ہو جائے گی، ہم ان میں بعض کا تذکرہ کرتے ہیں، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (التوبۃ:۱۰۸)

ترجمہ: اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں کو۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ۔ (المائدہ:٦)

ترجمہ: نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تجھے۔

حضور نبیٔ رحمت ﷺ نے فرمایا:

''پاکیزگی نماز کی چابی ہے''

اس مختصر سی وضاحت سے یہ امر عیاں ہو گیا کہ پاکیزگی اور طہارت شرعاً اور عقلاً واجب ہے۔

جس طہارت کا ہم نے تذکرہ کیا ہے وہ ظاہری طہارت ہے یہ بھی خاص اہمیت کی حامل ہے، جس کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے، اس کے علاوہ ایک باطنی طہارت بھی ہے، انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کے ساتھ متصف ہو۔ اس سے مراد دل کا تکبر، کینہ، حسد، عجب، خود پسندی اور ہر گندی اور ذمیمہ صفت سے پاک ہونا ہے جو انسان کے اخلاق کو تباہ کر دے اس سے یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ کے اس فرمان ''**الطهور نصف الايمان**'' میں الطہارۃ سے مراد طہارت معنویہ ہے کیونکہ جب مسلمان ان ذمیمہ اوصاف سے متصف ہوگا۔ جن کا تذکرہ ابھی گزرا ہے تو اس کا ایمان کمزور ہوگا، جب اس کا باطن ایسی گندی صفات سے پاک ہو جائے گا، روح پاک وصاف اور اس کا نفس خلوص سے آراستہ ہوگا تو اس کا ایمان کامل ہو جائے گا۔ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ حضور ﷺ کے اس فرمان میں طہارت سے مراد طہارت ظاہرہ ہے۔ ''البدائع'' میں ہے:

''طہارت کی دو اقسام ہیں:

1. طہارتِ حقیقیہ۔ اس سے مراد کپڑے، جسم اور اس جگہ کا نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے۔
2. طہارتِ حکمیہ۔ اس سے مراد اعضائے وضو کا گندگی سے پاک ہونا اور سارے اعضاء ظاہریہ کا جنابت سے پاک ہونا ضروری ہے۔

طہارتِ حقیقیہ میں سے کپڑے اور جسم کی طہارت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر: ۴)

ترجمہ: اور اپنے کپڑے پاک رکھیں۔

جب کپڑے کو صاف کرنا لازم ہوا تو جسم کو صاف کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا۔ حدث اور جنابت سے طہارت اللہ رب العزت کے اس فرمان کی وجہ سے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (المائدہ: ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لیے تو (پہلے) دھو لو اپنے چہرے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"پاکیزگی کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"نماز کی کلید پاکیزگی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ (المائدہ:٦)

ترجمہ: اور اگر ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کر لو۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہر ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے بالوں کو خوب تر کیا کرو اور جلد کو خوب صاف کیا کرو۔"

نصوص اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ طہارت حقیقیہ اور طہارت حکمیہ نماز کے جواز کے لیے شرط ہیں یہ امر کئی اعتبار سے سمجھا جا سکتا ہے۔

◆ ١ نماز بارگاہ رب ذوالجلال میں حاضری ہے یہ اس ذات جل جلالہ وعم نوالہ کی تعظیم بجالانا ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانا ہر ہر ممکن کے ساتھ فرض ہے۔

◆ ٢ اگر اللہ رب العزت کے سامنے قیام پاکیزہ بدن، پاکیزہ کپڑوں کے ساتھ پاکیزہ جگہ پر ہو تو اس سے زیادہ تعظیم عیاں ہوتی ہے۔ لیکن ناپاک جسم، ناپاک کپڑوں اور ناپاک جگہ ہوتے ہوئے یہ تعظیم اس طرح واضح نہیں ہوتی، جیسا کہ بادشاہوں کے خدام کو دیکھا گیا ہے۔

حدث اور جنابت کی بھی یہی کیفیت ہے، جبکہ نجاست ظاہراً نظر نہ آ رہی ہو۔ یہ نجاست معنویہ ہے، اسے دور کرنا لازم ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضور فخرِ موجودات ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصافحہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کی:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں حالت جنابت میں ہوں۔"

جنابت تعظیم میں خلل کا موجب ہے تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ وضو کے اعضاء نجاست سے پاک ہوں، ان اعضاء پر میل کچیل لگ جانا خالی از امکان نہیں، انہیں گندگی اور میل سے پاک کرنے کے لیے انہیں دھونا واجب ہے، اس طرح دھونے سے ان اعضاء میں زینت اور نظافت پیدا ہوتی ہے، اس طرح اس صفائی میں تعظیم پائی جاتی ہے عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ جو شخص خدمت

کے لیے بادشاہوں کے سامنے حاضر ہونے کا خواہاں ہوتا ہے تو وہ زینت و نظافت کا خصوصی اہتمام کرتا ہے وہ بادشاہ کی تعظیم کرتے ہوئے اپنے بہترین کپڑے زیب تن کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی پر لازم ہے کہ وہ سب سے عمدہ کپڑوں میں نماز پڑھے۔ سب سے صاف کپڑوں میں حق تعالیٰ کے حضور حاضر ہو۔ وہ ان کپڑوں میں نماز پڑھے جو اس نے عظیم لوگوں سے ملاقات کے لیے اور لوگوں کی محافل کے لیے بنوائے ہوں۔

◆ شارع حکیم نے ان ظاہری اعضاء کو حدث اور جنابت سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ اس سے انسان کو اپنے باطن کی صفائی یاد آ جائے، اس کا باطن دھوکہ، حسد، تکبر اور مسلمانوں کے بارے سوئے ظن سے پاک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حدث کو صاف کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ حدث ہونا خدمت اور عبادت کے منافی نہیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ روزہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی حدث اور جنابت کے ہوتے ہوئے بھی جائز ہے، سب سے اعلیٰ درجہ رب تعالیٰ کی ذات والا پر ایمان لانا ہے، یہ ساری عبادات کی بنیاد ہے یہ حدث نہ معصیت ہے اور نہ ہی گناہ کا سبب ہے۔ ہم نے انسان کے باطنی معانی بیان کیے ہیں وہ گناہ کے اسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضائے ظاہرہ دھونے کا حکم دیا تا کہ ان سے انسان کو باطن کی طہارت یاد آ جائے، وہ اپنے نفس کو گندی آلائشوں سے پاک کر سکے۔

◆ اللہ تعالیٰ نے یہ اعضاء کا دھونا اس لیے واجب قرار دیا تا کہ اس نعمت کا شکر ادا ہو سکے جس کے لیے نماز کو فرض کیا گیا ہے۔ وہ نعمت یہ ہے کہ یہ اعضاء عظیم نعمتوں کے حصول کے ذرائع ہیں، بلکہ ان کے ذریعے ہی رب تعالیٰ کی عظیم نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، ہاتھ کے ذریعے انسان اپنی ضرورت کی چیزیں پکڑتا ہے، پاؤں سے چل کر وہ اپنے مقصد تک پہنچتا ہے، چہرہ اور سر ان جو اس کی جگہ ہیں جن سے عظیم نعمتوں کا ادراک ہوتا ہے، آنکھ دیکھنے، ناک سونگھنے، منہ چکھنے اور کان سننے کے آلات ہیں۔ ان اعضاء سے انسان کو لذت بھی نصیب ہوتی ہے اور دیگر ساری نعمتوں تک اس کی رسائی بھی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو دھونے کا حکم دیا تا کہ ان نعمتوں کا شکر ادا ہو سکے جن تک انسان ان اعضاء کے ذریعے پہنچتا ہے۔

◆ اللہ رب العزت نے ان اعضاء کو دھونے کا حکم دیا تا کہ یہ ان گناہوں سے پاک ہو سکیں جن کا ان سے صدور ہو۔ کیونکہ ان سے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے، مثلاً

حرام پکڑنا، حرام کی طرف چل کر جانا، حرام کی طرف دیکھنا، حرام کھانا اور حرام سننا، لغو بات کرنا اور جھوٹ بولنا، اللہ تعالیٰ نے یہ اعضاء دھونا کا حکم دیا تا کہ یہ ان گناہوں سے پاک ہوسکیں۔

طہارت اور پاکیزگی کے کئی مراتب ہیں:

1. ظاہر کو میل کچیل اور گندگی سے پاک کرنا۔
2. اعضاء کو گناہوں سے پاک کرنا، مثلاً آنکھ کو حرام دیکھنے سے اور قدم کو حرام کی طرف چلنے سے روکنا، وغیرہ وغیرہ۔
3. دل کو اوصاف ذمیمہ سے پاک کرنا۔
4. دل کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے پاک کر دینا، طہارت کا یہ درجہ انبیاء اور رسل علیہم السلام کو حاصل ہے۔

جعلنا اللہ وایاک من المتطھرین۔

ناپاکی کو پانی سے ختم کرنے میں حکمت

اگرچہ اس امر سے ہر کوئی آگاہ ہے کہ پانی سے میل کچیل اور گندگی دور ہوتی ہے، اس سے وہ چیز ختم ہو جاتی ہے جو نظافت کے منافی ہے، شارع حکیم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم پانی سے نجاست ختم کریں، اس میں بہت بڑی حکمت کارفرما ہے، کیونکہ پانی نجاست کے وجود کو اور اس کے اثر کو ختم کر دیتا ہے اس کا اثر وہ گندی بو ہے جو ہر انسان کو اذیت دیتی ہے، ہر اس چیز کو اس سے اذیت ملتی ہے جو اس جسم کے قریب ہو جس سے بو آ رہی ہو، یہ بدبو جب ہوا میں مل جاتی ہے تو مسام کے ذریعہ سارے جسم میں داخل ہو جاتی ہے یہ جسم کو نقصان دیتی ہے اور صحت بگاڑ دیتی ہے، کیونکہ ہوا ایک سیال اور لطیف مرکب ہے جو پھیلاؤ کی صلاحیت رکھتی ہے، یہ اجسام کے تنگ مساموں میں داخل ہو جاتی ہے، یہ سارے حیوانات کو محیط ہے۔

شارع حکیم نے فرمایا ہے کہ وہ پانی جس سے پاکیزگی حاصل کی جائے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اصل طبعی حالت سے متغیر نہ ہو، پانی کی حالت طبعی رقت اور سیلان ہے کیونکہ جب یہ رقت سے سختی کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ ناپاکی دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس سے کسی قسم کی پاکیزگی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جب پانی میں مختلف نجاستیں مل جاتی ہیں مثلاً جب اس

میں شراب یا پیشاب مل جاتا ہے تو پھر بھی اس میں نجاست دور کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی کیونکہ قلیل پانی ناپاک ہوجاتا ہے اور ناپاک ناپاکی کو دور نہیں کرسکتا اس لیے شارع حکیم نے فرمایا:

''وہ پانی جس سے پاکیزگی حاصل کی جائے اس میں رقت اور سیلان ہونا ضروری ہے۔''

ذرا اس عظیم حکمت کو ملاحظہ کرو، اسے بصیرت کی آنکھ سے دیکھو، تم دیکھو گے کہ رب تعالیٰ کی کاری گری نے ہر چیز کو محکم کیا ہے۔

وضو اور مخصوص اعضاء کو صاف کرنے میں حکمت

اس میں کارفرما حکمت اور دھونے کی وہ حکمت جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے ان میں ایک خاص مشابہت پائی جاتی ہے، اور ان میں کچھ فرق بھی ہے، ان میں مشابہت یہ ہے کہ اس سے مراد معنویہ اور حسیہ گندگی سے طہارت حاصل کرنا ہے، اور ان میں فرق یہ ہے غسل سے مراد سارا جسم دھونا ہے، جبکہ وضو سے مراد مخصوص اعضاء دھونا ہے۔

وضو کے افعال میں بعض مذاہب میں ترتیب فرض ہے اور بعض میں ترتیب سنت ہے، ہر حال میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان اعضاء کو دھوئیں، سر کا مسح کریں، خواہ سارے سر کا مسح کریں یا اس کے چوتھائی کا مسح کریں، ان میں بہت سی حکمتیں پنہاں ہیں۔

سب سے پہلے انسان اپنے ہاتھ دھونے سے آغاز کرتا ہے، یہ ایسے اعضاء ہیں جو دیگر اکثر اعضاء کے لیے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً مصافحہ کرنا اور اشیاء پکڑنا وغیرہ۔

پھر انسان کلی کرتا ہے، کیونکہ یہ ان بخارات کی قرارگاہ ہے جو پیٹ سے اٹھتے ہیں، اس سے بو پیدا ہوتی ہے اور ان ذرات کے آثار بھی ہوتے ہیں جو دانتوں کے درمیان پھنسے ہوتے ہیں، نیز یہ کہ انسان کو علم ہوجائے کہ وہ اپنی اصلی طبعی حالت پر ہے یا نہیں۔

پھر انسان ناک میں پانی ڈالتا ہے تاکہ ناک صاف کرے اس سے مٹی وغیرہ نکال دے، نیز یہ کہ وہ پانی کی بو بھی سونگھ لے۔

پھر انسان چہرہ دھوتا ہے، تاکہ اس سے پسینہ اور مٹی کے اثرات دور ہوسکیں کیونکہ ملاقات کے وقت سب سے پہلی نظر چہرے پر ہی پڑتی ہے، پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جاتا ہے، یہ دو ایسے اعضاء ہیں جو سر اور ٹانگوں کے اعضاء کے وسط میں ہیں، کہنیوں تک دھونے میں حکمت یہ

ہے کہ اکثر اوقات ان پر کپڑا نہیں ہوتا، اور دیگر اعضاء پر لگی ہوئی گندگی کی وجہ سے یہ بھی گندے ہو جاتے ہیں، مثلاً کان، وغیرہ ہاتھ سے ہی صاف کیے جاتے ہیں۔ ان کے بعد سر کا مسح کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ اس پسینہ کا منبع ہے جو مسام سے خارج ہوتا ہے شارع حکیم نے اسے پانی سے دھونے کا حکم نہیں دیا، کیونکہ اس میں مشقت اور تکلیف تھی اس پر مسح پر اکتفا کیا، اس مسح پر آئمہ اربعہ متفق ہیں، مسح کی مقدار میں ان کا اختلاف ہے۔

پھر کانوں کا مسح کیا جاتا ہے تاکہ ہوا کی وجہ سے ان میں داخل ہونے والی مٹی اور ذرات کو دور کیا جائے، پھر گردن کے پچھلے حصہ کا مسح کیا جاتا ہے تاکہ سر کے اعضاء پاکیزگی سے اپنا حصہ لے لیں اس کے بعد پاؤں کو ٹخنے تک دھویا جاتا ہے کیونکہ ان اعضاء پر گندگی لگی ہوتی ہے اور ان سے گندی بو آتی ہے بالخصوص ان لوگوں کے پاؤں سے بو آتی ہے جو چمڑے کے جوتے پہنتے ہیں، اس امر کا مشاہدہ اکثر انگریزوں اور ان بے نمازیوں میں کیا جا سکتا ہے جو انگریزوں جیسے بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کیفیت اور اس طریقہ سے کیا گیا وضو انسان کی نظافت اور چستی کا سبب بنتا ہے۔ وہ دلجمعی کے ساتھ عبادت کی ادائیگی کرتا ہے، انسان اپنے آقا اور مولا کے سامنے پاک اور صاف ہو کر کھڑا ہوتا ہے، یہ نظافت حسیہ ہے نظافت معنویہ کی تفصیل یہ ہے کہ ہاتھ دھونے سے ہاتھوں کے سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں، ہاتھ کسی چیز کو پکڑنے کا آلہ ہیں، منہ دھونے سے اس سے غیبت اور چغل خوری وغیرہ کی گندگی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ غیبت کی بدبو اس طرح ہوتی ہے جس طرح مردار کی بدبو رہتی ہے۔ غیبت کی بدبو وہی سونگھ سکتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے صحیح ایمان کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اور ان کے قلوب کو پاک وصاف کر دیا ہو، ارشادِ ربانی ہے:

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا۔ (الحجرات: ۱۲)

ترجمہ: کیا پسند کرتا تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

اسی لیے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”غیبت کرنے والا اگر روزہ دار ہے تو اسے روزہ توڑ دینا چاہیے۔“

اسی طرح کان فضول باتیں گندا اور فحش کلام سنتے ہیں، ناک سے گندی بو سونگھی جاتی ہے، چہرہ میں دو آنکھیں ہیں، جن کی وجہ سے غیر محرموں پر نظر پڑ جاتی ہے، حرام اشیاء کی طرف نظر اٹھ جاتی ہے۔ ٹانگوں کے ذریعے انسان چل کر اس جگہ جاتا ہے جس جگہ جانا حرام ہے، مثلاً فسق و فجور

کی جگہوں پر جانا شراب کی دکانوں پر جانا غیبت اور چغل خوری کی مجالس میں جانا، لیکن سر سے اس طرح کا کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا جس طرح کا گناہ دیگر اعضاء کرتے ہیں، رب تعالیٰ نے ان اعضاء کے قرب کی وجہ سے صرف اس پر مسح کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ گناہ کا قرب گناہ کے ارتکاب سے کم ہے، نیز یہ کہ سر دھونے میں بہت بڑی مشقت تھی، دین تو آسانی کے لیئے ہے نہ کہ تنگی کے لیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

''حورعین سے مباشرت کے لیے استنجاء مشروع قرار دیا گیا، ہاتھوں کو دھونے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ انسان جنت کے دستر خوانوں پر کھا سکے، کلی کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ انسان رب دو جہاں سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کر سکے، ناک صاف کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ انسان جنت کی خوشبو سونگھ سکے۔ چہرہ دھونے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ وہ ذات خداوندی کا دیدار کر سکے، ہاتھ کو کہنیوں تک دھونے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ انسان ان پر سونے کے کنگن پہن سکے، جنت میں تاج سجانے کے لیے سر کا مسح کرنے کا حکم دیا گیا، کانوں کا مسح کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ انسان رب العالمین کا کلام سماعت کر سکے، ٹانگوں کو دھونے کا حکم اس لیے دیا گیا، تا کہ انسان چل کر جنت میں داخل ہو سکے۔''

حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب ایک مسلمان بندہ وضو کرتا ہے وہ کلی کرتا ہے تو اس کے منہ سے گناہ جھڑ جاتے ہیں، جب ناک صاف کرتا ہے تو ناک سے لغزشیں نکل جاتی ہیں، چہرہ دھوتا ہے تو چہرہ سے خطائیں نکل جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کے ناخنوں کے نیچے سے بھی غلطیاں نکل جاتی ہیں۔ جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے لغزشیں نکل جاتی ہیں، حتیٰ کہ اس کے کانوں سے نیچے کے بھی غلطیاں نکل جاتی ہیں۔ جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں کے ناخنوں سے بھی غلطیاں نکل جاتی ہیں، پھر وہ مسجد کی طرف چل کر جاتا ہے تو اس کی نماز اس کے لیے عطیہ بن جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''صحیح وضو شیطان کو تجھ سے دور کر دے گا۔''

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جو یہ طاقت رکھتا ہے کہ وہ صرف اور صرف پاک حالت میں ذکر کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے رات بسر کرے تو وہ اس طرح ضرور کرے کیونکہ ارواح کو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس میں انہیں قبض کیا جائے گا وضو میں ہی عظیم حکمت کارفرما ہے۔ اگر تم ان افراد میں سے ہو جن کے دلوں کو رب تعالیٰ نے اپنے نور سے منور کر دیا ہے تو تمہیں ضرور علم ہو گیا ہو گا کہ رب تعالیٰ نے ہمیں وضو اور دیگر عبادات کا مکلف صرف اس لیے بنایا ہے کیونکہ ان کی منفعت لوٹ کر ہماری طرف ہی آتی ہے۔ ان سے ہمیں صحت نصیب ہوتی ہے، نفس آداب سیکھتا ہے۔

نسأله تعالیٰ ان یوفقنا الی معرفۃ اسرار هذا الدین القویم ویهدینا الی الصراط المستقیم بمنه وکرمه۔

ان چیزوں کی حکمت جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

تم یہ تو جانتے ہو کہ وضو کا معنی نظافت ہے، ایک انسان کسی بادشاہ یا عظیم آدمی سے ملاقات نظافت اور پاکیزگی کی حالت میں ہی کر سکتا ہے، جیسا کہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے، تو اس وقت اس کی حالت کیا ہو گی جب وہ اپنے رب تعالیٰ اور اپنی پیشانی کے مالک کے سامنے کھڑا ہو گا۔

شارع حکیم نے انسان پر اس وقت وضو فرض کیا ہے جب وہ مالک الملوک کے سامنے کھڑا ہونے لگے اور وہ باوضو ہو۔ آدابِ دینیہ میں اسے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ وضو سے جسم میں چستی آجاتی ہے۔ انسان کسی غفلت اور کاہلی کے بغیر نماز پڑھتا ہے تاکہ اس کی نماز حریمِ ناز میں مقبول ہو جائے اس لیے وہ شوق و ذوق اور دلجمعی سے نماز پڑھتا ہے۔

وضو ہوا نکلنے، گراں نیند سے اور منہ بھر کر قے آنے سے ٹوٹ جاتا ہے، اس میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ ان امور کا لاحق ہو جانا اس نظافت حسیہ کے منافی ہے جو انسان پر واجب ہے کہ وہ اس کے ساتھ اس وقت متصف ہو جب وہ اپنے خالق اور رب تعالیٰ کے حضور کھڑا ہو، یہ بات تم سے مخفی نہ رہے کہ جب منہ بھر کر قے آتی ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ نجاست کی جگہ سے نکلی ہے جب قے تھوڑی ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے یہ پاکیزہ جگہ سے نکلی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس ہوا کے نکلنے کی وجہ سے جو نواقض وضو میں سے ہے اس عضو کو نہیں دھویا جاتا جس سے ہوا نکلتی ہے، حالانکہ وہ ہوا تو اسی عضو سے نکلی ہے، اور اس کی وجہ سے وضو کیا جاتا ہے لیکن دوسرے ان اعضاء کو دھویا جاتا ہے جن کا وضو توڑنے میں کوئی دخل نہیں۔

ہم اس شخص کو یہ جواب دیں گے کہ اس جگہ سے نکلنے والی ہوا کا ظاہراً تو تھوڑا سا اثر بھی نہیں کہ ہم کہیں کہ دھونے سے وہ اثر ختم ہو گیا ہے یہ جگہ ان جگہوں میں سے بھی نہیں جن پر نظر پڑتی ہو کہ اسے دیگر اعضاء کی طرح دھویا جائے جنہیں وضو کرتے وقت دھویا جاتا ہے۔ لیکن اس ہوا کے نکلنے کی وجہ سے جسم میں سستی آجاتی ہے، انسان سے گندی بو بھی آتی ہے۔ ان اعضاء کو دھونے کی وجہ سے وہ کاہلی ختم ہو جاتی ہے لیکن یہ مخصوص عضو ان اعضاء میں سے نہیں جنہیں دھونے یا جن کا مسح کرنے سے چستی حاصل ہو اور جسم میں نشاطگی آجائے۔ وضو کرتے وقت نجاست محسوسہ کو ختم کرنے میں یہی حکمت کارفرما ہے۔ جہاں تک نجاست معنویہ دور کرنے کی حکمت کا تعلق ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب ہوا پیٹ سے نکلتی ہے تو وہ اس مرض کی وجہ سے نکلتی ہے جس سے انسان کو نجاست ملتی ہے، اگر یہ ہوا انسان کے پیٹ میں رہتی تو انسان کو بہت زیادہ نقصان دیتی اور اس کے لیے خطرہ بن جاتی۔ اس کا نکلنا انسان کے لیے شفا ہے۔ اس کے بعد وضو کرنا رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا ہے جس نے اسے نکال کر انسان کو شفایاب کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ وضو توڑنے والی اشیاء (نواقضِ وضو) ایسی ہیں جو نظافت کے منافی ہیں وہ چیزیں ہوا اور منہ بھر کرتے آنا ہے۔ بہت سے کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ شارع حکیم نے گراں نیند کو بھی نواقض وضو میں شامل کیا ہے۔ اس کا تعلق نہ پاکیزگی کے ساتھ ہے نہ گندگی کے ساتھ۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ثقیل نیند سے انسان کا شعور ختم ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے جسم میں سستی آجاتی ہے، اس حالت میں انسان کو یہ شعور بھی نہیں ہوتا کہ اس کی ہوا نکلی ہے یا کہ نہیں۔ جب انسان نیند کی وادی میں چلا جاتا ہے تو اسے ہوا نکلنے کا علم یا شعور نہیں ہو سکتا۔

وضو کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ یہ فضیلت بھی ان حکمتوں میں داخل ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے جیسا کہ حضور اکرم شفیع الامم ﷺ نے فرمایا:

''وضو مومن کا ہتھیار ہے۔''

کیونکہ جب انسان نجاست حسیہ اور معنویہ سے پاک ہوگا تو انسان کا نفس ملائکہ کے قریب تر ہوگا۔ شیطان اسے گناہوں پر ابھار نہ سکے گا تو وضو ہتھیار کی مانند ہوا۔ جس کے ساتھ وضو کرنے والے نے شیطان کا مقابلہ کیا۔

شارع حکیم نے اس شخص کے لیے بھی وضو مستحب قرار دیا ہے۔ جو اشعار پڑھے کیونکہ شاعر غالباً اس کی تعریف کر جاتا ہے جو تعریف کا مستحق نہیں ہوتا اور اس آدمی کی مذمت کرتا ہے جو

مذمت کا مستحق نہیں ہوتا شعر پڑھنے کے بعد وضو کرنے سے وہ نجاست معنویہ ختم ہو جاتی ہے جو لغو قول اور فحش کلام کی وجہ سے انسان کے ساتھ مل گئی تھی۔ ہم اس جگہ وضو کے طبی فوائد کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جن سے علم حاضرہ سے پردہ اٹھایا ہے۔ بعض بڑے بڑے ڈاکٹرز کہتے ہیں۔

طبی اعتبار سے وضو کے بہت سے فوائد ہیں، اگر ایک دن میں منہ کو کئی بار دھویا جائے تو انسان کو دانتوں کے امراض لاحق نہیں ہوتے، اسی طرح اگر ناک کو ٹھنڈے پانی سے دھویا جائے تو زکام نہیں لگتا، گویا کہ الفاکسین کا ٹیکہ لگانا ہے۔ بہت سے سپیشلسٹ ڈاکٹرز نے وضو کے یہ فوائد تحریر کیے ہیں۔ اسی طرح چہرہ، کان اور ہاتھ دھونے کے فوائد عیاں ہیں۔ کیونکہ چہرہ اور کان اور ہاتھ کو بہت سی جلدی امراض لگ جاتی ہیں، انہیں سوزش کا مرض بھی لاحق ہو جاتا ہے، اگر ایک دن میں پانچ بار انہیں دھویا جائے تو انسان ان امراض سے بھی بچ جاتا ہے۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ جراثیم کی اکثریت جلد کے پھٹنے سے جسم میں داخل ہو جاتی ہے، جس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اگر ان اعضا کو بار بار دھویا جائے تو یہ اعضا ان جراثیموں سے محفوظ رہ سکتے ہیں، کیونکہ جلد کا بیرونی حصہ ہر قسم کے جراثیم کے اندر داخل ہونے سے روکتا ہے۔ اگر اس میں پھٹن آ جائے خواہ وہ معمولی ہی ہو تو اس وقت اس کا عمل معطل ہو جاتا ہے اور جراثیم جسم میں داخل ہونے لگتے ہیں۔ ان اعضاء کی صفائی نہ کی جائے تو معمولی پھٹن جلد پر آ جاتی ہیں۔ اگر ہاتھ گندگی سے ملوث ہو جائیں تو ان سے جراثیم منہ میں داخل ہو جاتے ہیں، اگر ہاتھ بار بار دھوئے جائیں تو ان جراثیم سے بچاؤ ہو سکتا ہے، وضو کرنے میں یہ حسیہ، معنویہ اور طبیہ حکمتیں کارفرما ہیں، انہیں خوب سمجھ لو، ان پر خوب عمل کرو، تاکہ تم ان لوگوں میں ہو جاؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔

جنابت سے غسل کرنے میں حکمت

شارع حکیم نے منی کے خروج کے بعد تو غسل فرض قرار دیا ہے لیکن پیشاب کرنے کے بعد غسل فرض نہیں کیا، حالانکہ دونوں ایک عضو سے اور ایک جگہ سے نکلتے ہیں، اس میں ایک عجیب راز پوشیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ پیشاب کھانے اور پینے کی اشیاء سے بنتا ہے، جبکہ منی وہ مادہ ہے جو جسم کے سارے اعضاء سے بنتا ہے، اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ منی کے نکلنے سے سارا جسم متاثر ہوتا ہے۔ جبکہ پیشاب کے نکلنے سے جسم متاثر نہیں ہوتا کیونکہ منی جسم کے سارے اجزاء سے بنتی ہے، یہی وجہ

ہے کہ وہ انسان جو بہت زیادہ جماع کرتا ہے اس کے جسم کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے، اسی لیے سرور کونین ﷺ نے فرمایا:

"یہ صرف تمہاری آنکھوں کا نور اور تمہاری پنڈلیوں کا گودا ہے۔"

منی کے خروج کے بعد پانی سے غسل کرنا وہ طاقت بحال کرتا ہے جو منی کے نکلنے سے مفقود ہوتی ہے، جب جسم سے یہ طاقت مفقود ہوتی ہے تو کاہلی چھا جاتی ہے اور انسان صحیح طرح عبادت نہیں کرسکتا، اسی لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب میں جنابت سے غسل کر لیتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا کہ بارِگراں مجھ سے اتر گیا ہے۔"

یہ گراں بوجھ دو امور کا مجموعہ ہے۔

1. جسم سے سستی دور ہو جانا، کیونکہ سستی سارے بوجھوں سے زیادہ گراں بار ہے۔
2. جب انسان جنابت سے پاک ہوتا ہے، مثال کے طور پر اگر وہ سویا ہو تو اس کی روح عالم علوی کی طرف جاتی ہے، وہ وہاں غرائب اور رب تعالیٰ کی کازی گری کے اسرار کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اگر انسان جنبی ہو تو اس کی روح کو ایسے غرائب اور اسرار کے مشاہدہ سے روک دیا جاتا ہے کیونکہ طہارت روح کو سبکدوش کرتی ہے، وہ رفعت کی سمت بڑھتی ہے اور عالم ملائکہ کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اس ضمن میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ مرد اور عورت کے لیے یکساں ہیں، البتہ عورت حیض اور نفاس کے اعتبار سے مرد سے جدا ہے۔

حیض بھی جسم کے سارے اعضاء سے بنتا ہے جس طرح منی جسم کے سارے اعضاء سے بنتی ہے، حیض کے بعد غسل کرنے سے وہ طاقت لوٹ آتی ہے، جو حیض کی وجہ سے مفقود ہو گئی تھی؛ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے، جس کا تعلق صحت کے ساتھ ہے۔ یہ اس گندی بو کا ازالہ ہے جو اس عورت کے جسم اور اس کے خاوند کے جسم کو نقصان دیتی ہے جو اس کے ساتھ مباشرت کرتا ہے، غسل کرنے سے یہ ساری نقصان دہ گندگیاں اور صحت کے لیے ضرر رساں امور ختم ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲۲﴾ (البقرہ: ۲۲۲)

ترجمہ: اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق فرمایئے وہ تکلیف دہ ہے، پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جاؤں ان کے پاس جیسے حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنیوالوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔

نفس سے غسل کرنے کے دو فائدے ہیں۔

1. حسی فائدہ
2. معنوی فائدہ

اس کا حسی فائدہ تو یہ ہے کہ غسل کرنے سے وہ گندی بو ختم ہو جاتی ہے جو ولادت کے خون سے پیدا ہوتی ہے، اور اس کا معنوی فائدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس عورت کو ولادت کے وقت خطرہ سے بچالیا یہ خطرہ کتنا بڑا ہے، اس سے صرف خواتین ہی آگاہ ہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ پیشاب نجاست ہے یہ اسی عضو سے نکلتا ہے جس سے منی نکلتی ہے تو پیشاب کرنے کے بعد غسل فرض کیوں نہیں ہوتا۔

ہم اس کا جواب یہ عرض کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس مادہ کے نکلنے کے بعد ہمیشہ غسل نہ کرتا رہے جو ہمیشہ نکلتا رہتا ہے لیکن منی کی کیفیت اس کے برعکس ہے، وہ مخصوص اوقات میں نکلتی ہے، نیز یہ کہ پیشاب کھانے اور پینے کی اشیاء کا فضلہ ہوتا ہے اور اگر انسان پیشاب کرنے کے بعد غسل کرنے لگے تو اس کے لیے بہت حرج ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا دین آسانی ہے، مشکل نہیں۔

اسی طرح ایک آدمی اس وقت بھی غسل کرتا ہے، جب ختانان (مرد اور عورت کی شرم گاہوں کا مخصوص حصہ) آپس میں ملتے ہیں، اگرچہ انزال نہ ہی ہو۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"جب آدمی عورت کے چار اعضاء کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے (جماع کرے) تو اس پر غسل فرض ہے، اگرچہ انزال نہ بھی ہو۔"

اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے، ان حکمتوں کو جان لو۔ رب تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے حکمت کو جان لیا، پھر حق، ہدایت، اور صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی لی۔

انسانی جسم سے نکلنے والی ہواؤں میں سے بعض ناقض وضوء ہیں اور بعض نہیں اس میں کیا حکمت کارفرما ہے

انسانی جسم سے نکلنے والی ہوا چار قسم کی ہے۔

1. وہ ہوا جو پیٹھ سے نکلتی ہے۔
2. وہ ہوا جو آگے سے نکلتی ہے۔
3. وہ ہوا جو منہ سے نکلتی ہے جو معدہ کے اوپر سے نکلتی ہے۔
4. وہ ہوا جو ناک سے نکلتی ہے۔ اس کا ٹھکانہ دماغ ہے اور یہ ناک کے نتھنوں سے نکلتی ہے۔

شارع حکیم کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ہوا جو پیٹھ سے نکلے، وہی ناقض وضو ہو، دیگر ہواؤں کی وجہ سے وضو نہ ٹوٹے۔ کیونکہ وہ ان راستوں سے گزرتی ہے جس وجہ سے اس میں بو پیدا ہو جاتی ہے، منہ سے نکلنے والی ہوا حلق سے نکلتی ہے، اس میں گندگی نہیں ہوتی، ناک سے نکلنے والی ہوا نتھنوں سے نکلتی ہے، ان میں ایسی گندگی نہیں ہوتی، اسی طرح جو ہوا قبل (اگلی شرم گاہ) سے نکلتی ہے، اگرچہ وہ پیشاب کے راستہ سے نکلتی ہے لیکن اس میں بدبو نہیں ہوتی، بسا اوقات تو انسان کو اس کے نکلنے کا علم بھی نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات اسی طرح ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ ناقض وضو نہیں ہوتی، یہی وہ حکمت ہے جس کی بناء پر شارع حکیم نے دیگر ہواؤں کو چھوڑ کر صرف اس ہوا کو ناقض وضو قرار دیا ہے جو پیٹھ سے نکلتی ہے۔

نماز کی حکمت

نماز دین کا ستون ہے۔ یہ یقین کا نور ہے۔ یہ سینوں کی شفا ہے۔ یہ ہر معاملہ کی اصل ہے۔ یہ بے حیائی اور فحش امور سے روکتی ہے۔ یہ نفس امارہ کو ان برائیوں سے روکتی ہے، جن کی طرف اس کا فطرتی رجحان ہے۔ اگر غسل اور وضو کے ایسے جلیل اور عظیم فوائد ہیں جن کا تذکرہ ہم نے کر دیا ہے، حالانکہ یہ صرف نماز تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، تو نماز کا فائدہ کتنا عظیم ہوگا، مقصود و مدعا یہی ہے۔ وضو اور پاکیزگی کا مقصد وحید یہی ہے۔

ایک شخص شب و روز میں پانچ بار اپنے آقا و مولا کے حضور کھڑا ہوتا ہے، وہ عزت ربانیہ

کے سامنے خضوع و خشوع کا مظاہرہ کرتا ہے، وہ اپنی خواہشات اپنے قدموں کے نیچے ڈال دیتا ہے، کیونکہ وہ ساری توجہات اپنے اس معبودِ حقیقی کی طرف کیے ہے۔ جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔ حتیٰ کہ عام دن میں بھی اس ذات کی عظمت، ہیبت اور جلالت اس سے مخفی نہیں رہتی۔

انسان نمازِ فجر اس وقت ادا کرتا ہے جب اس کی روح صاف ہوتی ہے، اس کا نفس مطمئن ہوتا ہے، فطرت کا جمال عیاں اور ظاہر ہوتا ہے، ستارے غروب ہو رہے ہوتے ہیں آفتاب طلوع ہو رہا ہوتا ہے، اگر ہم ارادہ کریں کہ بیان کریں کہ ایک نمازی کے نامۂ اعمال سے صغیرہ گناہ کیسے محو ہوتے ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز فصیح نہیں کہ ہم نمازی کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیں جس کے سر پر گناہوں کا عظیم بوجھ ہو۔ جب وہ رکوع کے لیے اپنا سر جھکاتا ہے پھر بیٹھ جاتا ہے، پھر اپنی پیشانی سجدہ میں رکھ دیتا ہے، وہ بار بار سجدہ، رکوع، قیام اور قعدہ کرتا ہے تو یہ بارِ گراں اس کے سر سے نیچے گر پڑتا ہے۔

دوسری عبارت میں ہم نمازی کو اس شخص سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کے کپڑے بھی گندے ہوں اور جسم بھی۔ اس کے پاس تھیلا ہو جو گناہوں کی غلاظت اور گندگی سے لبریز ہو۔ اس کا وضو اور نماز ایسے اقوال اور افعال پر مشتمل ہے جو اس کی میل کچیل اور گندگی کو دھو ڈالے گی۔ اسی لیے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

> "پانچ نمازوں کی مثال ایک شیریں نہر کی سی ہے جو تم میں سے کسی ایک کے دروازہ کے پاس ہو، تو وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرتا ہو، جو میل کچیل میں سے کچھ اس کے جسم پر باقی رہ جائے گا۔"

نماز کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ نمازی کے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، مصائب کے ہجوم میں نمازی جزع و فزع نہیں کرتا، جب اسے توفیق ملتی ہے تو وہ بھلائی سے روکتا نہیں، کیونکہ جزع و فزع اس صبر کے خلاف ہے جو سعادت کے اسباب میں سے سب سے افضل سبب ہے، کیونکہ لوگوں سے خیر روک لینا بہت زیادہ نقصان دہ ہے، یہ خالق اور رازق پر اعتماد نہیں کہ وہ انسان کو اس رزق کا بدل عطا فرما دیتا ہے جو وہ نیکی اور بھلائی کے رستہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ (المعارج: ۱۹ تا ۲۲)

ترجمہ: بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے، جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور سے دولت ملے تو حد درجہ بخیل، بجز ان نمازیوں کے۔

جب تم سورۃ الفاتحہ کی قرأت میں غور وفکر کرو گے تو تمہیں اس طرح نور نظر آئے گا جس طرح تاریک رات میں چاند کی چاندنی نظر آتی ہے، جب سورج کی روشنی اس وقت نظر آتی ہے، جب وہ نصف النہر . . ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتداء کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نمازی اس ذات والا کے اسم گرامی سے استعانت کر رہا ہے جس کے لیے وہ یہ فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ وہ اپنے ہر ہر فعل سے اس ذات والا کو راضی کرتا ہے تو وہ اسے اپنی رحمت کا قرب عطا کرتا ہے۔ اس کے عذاب سے دور ہوتا ہے، پھر نمازی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے، جس نے اسے یہ فریضہ ادا کرنے کی توفیق دی، جو اس جہانِ رنگ و بو میں ساری مخلوق کا رب ہے، وہ بڑی بڑی اور عظیم نعمتیں دینے والا ہے، وہ ذات کریمانہ دنیا اور آخرت کی رب ہے وہ اس روزِ حشر کا مالک ہے جس میں کوئی باپ اپنے بچے کو فائدہ نہ دے سکے گا نہ ہی بچہ اپنے باپ کو فائدہ دے سکے گا، اگر معاملہ اس طرح ہے تو ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، ہر ہر امر میں اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، کیونکہ طاقت، قوت اور حرکت اسی کے دستِ اقدس میں ہے۔

معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تم جان چکے ہو، ہدایت درحقیقت اسی کی ہدایت ہے۔ جو گمراہ ہو جائے تو اس کے علاوہ سیدھا راستہ دکھانے والا اور کوئی نہیں۔ ہم درگاہِ ناز میں التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرمائے، جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں، کیونکہ یہ ان بلند اقبال لوگوں کا راستہ ہے جن پر اس کا انعام ہوا ہے۔ اس کا غضب نازل نہیں ہوا اور نہ ہی وہ گمراہوں میں سے ہیں ہم حریمِ ناز میں التماس کرتے ہیں کہ وہ ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

''نماز میرے اور میرے بندے کے مابین نصف نصف تقسیم ہے۔ جب بندہ کہتا ہے: ''**الحمد للہ رب العالمین**'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بندے نے میری ستائش کی۔'' جب بندہ ''**الرحمن الرحیم**'' کہتا ہے، تو اللہ رب العزت فرماتا ہے: ''بندے نے میری بزرگی بیان کی۔'' جب بندہ ''**مالك**

یوم الدین" کہتا ہے، کہ یہ میرے اور میرے بندے کے مابین نصف نصف ہے، میرے بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو وہ مانگے گا۔"

یہ عبارت کتنی حسین ہے، نماز کی فرضیت قرآن مقدس، سنت مطہرہ، اجماع امت بیضاء اور عقل سے ثابت ہے۔ قرآن مجید سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر فرمایا:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ (البقرہ: ۴۳)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝ (النساء: ۱۰۳)

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر فرض کی گئی ہے اپنے مقرر وقتوں پر۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ق (البقرہ: ۲۳۸)

ترجمہ: پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی۔

مطلق، صلوٰۃ کے اسم سے مراد وہ مقررہ نمازیں ہیں جو شب وروز میں ادا کی جاتی ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط (ھود: ۱۱۴)

ترجمہ: اور قائم کیجیے نماز دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات کے حصوں میں۔

اس آیت طیبہ میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے کیونکہ نماز فجر دن کی دونوں اطراف میں سے ایک طرف میں ادا کی جاتی ہے، جبکہ نمازِ ظہر اور نمازِ عصر دوسری طرف میں ادا کی جاتی ہیں، کیونکہ ان دو حصوں میں منقسم ہے۔ غداۃ، عشی، غداۃ۔ دن کی ابتداء سے لے کر زوال تک کے وقت کا نام ہے۔ اس کے بعد کے وقت العشی کہا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ "العشی" کے وقت کچھ نہیں کھائے گا اس نے زوال کے بعد کھا لیا تو وہ قسم توڑنے والا ہوگا۔ اس طرح "**طرفی النھار**" میں تین نمازیں داخل ہیں، "**زلفا من اللیل**" میں مغرب اور عشاء کی نماز شامل ہے، کیونکہ یہ نمازیں رات کی گھڑیوں میں ادا کی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط (الاسراء: ۷۸)

ترجمہ: نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے کے بعد رات کی تاریکی ہونے تک (نیز ادا کیجیے) نماز صبح۔

کہا جاتا ہے کہ ایک قول کے مطابق "**دلوك الشمس**" سے مراد سورج کا زوال اور

"غسق" اللیل سے مراد رات کی ظلمت ہے، اسی طرح "ولولاك الشمس" میں نمازِ ظہر اور نمازِ عصر جبکہ "قرآن الفجر" سے مراد نمازِ فجر ہے۔ اس آیتِ طیبہ سے تین نمازوں کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، جبکہ نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء کی فرضیت ایک اور دلیل سے ثابت ہے، ایک اور قول کے مطابق "دلولاك الشمس" سے مراد غروبِ آفتاب ہے۔ اس طرح اس میں مغرب اور عشاء کی نمازیں شامل ہوں گی، جبکہ نمازِ فجر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوگی۔ "وقرآن الفجو" نمازِ ظہر اور نمازِ ظہر ایک اور دلیل سے ثابت ہوں گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ۝ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ۝ (الروم: ۱۷/۱۸)

ترجمہ: سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام اور جب تم صبح کرو اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں زمین میں نیز پاکی بیان کرو سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: "حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ" سے مراد نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء ہیں۔ "حِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ" سے مراد نمازِ فجر ہے، "عَشِيًّا" سے مراد نمازِ عصر ہے، "حِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ" سے مراد نمازِ ظہر ہے۔ "تسبیح" سے مراد نماز ہے۔ یا تو اس لیے کہ تسبیح نماز کے لوازمات سے ہے یا اس سے مراد پاکبازی ہے، نماز ابتداء سے لے کر انتہاء تک اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنا ہی ہے۔ اس میں اللہ رب العزت کی طرف محتاجی اور اپنے عجز اور ناتوانی کا اظہار ہے، جب کہ اس میں رب تعالیٰ کے لیے جلال وعظمت اور رفعت اور محتاجی سے منزہ ہونے کا اظہار ہے۔ شیخ ابو منصور الماتریدی نے لکھا ہے:

> "انہوں نے اس آیت طیبہ سے پانچ نمازوں کی فرضیت سمجھی ہے، اگر ان کے اذہان ہمارے زمانہ کے لوگوں کے افہام جیسے ہوتے تو اس تسبیح کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھ سکتے۔"

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى۝ (طٰہٰ: ۱۳۰)

ترجمہ: اور پاکی بیان کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے

اور اس کے غروب ہونے کے بعد اور رات کے لمحوں میں اس کی پاکی بیان کرو اور دن کے اطراف میں تاکہ آپ خوش رہیں۔

اس آیت طیبہ کی تاویل میں کہا گیا ہے کہ تم طلوع آفتاب سے قبل نماز پڑھو، اس سے مراد نماز صبح ہے "**قبل غروبها**" سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں، **ومن اناء الليل** سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں، "**اطراف النهار**" تکرار اور تاکید کے لیے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ:۲۳۸)

ترجمہ: پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی۔

جس طرح یہاں الصلوٰۃ الوسطیٰ تاکید کے لیے ہے حالانکہ یہ "**الصلوات**" میں شامل ہے، اسی طرح اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ (النور:۳۶)

ترجمہ: ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام، اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح اور شام۔

ایک قول کے مطابق اس جگہ ذکر اور تسبیح سے مراد نماز ہے، ایک اور قول کے مطابق "الذکر" سارے اذکار کو شامل ہے، جبکہ "التسبیح" سے مراد نماز ہے، "الغدو" سے مراد نماز صبح ہے "الآصال" سے مراد نمازِ عصر ہے، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد نمازِ ظہر اور نمازِ عصر ہے کیونکہ وہ "الاصیل" کے وقت ادا کی جاتی ہے جبکہ نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء کی فرضیت کسی دوسری دلیل سے ثابت ہے۔

جہاں تک احادیث طیبہ سے نماز کی فرضیت ثابت ہے تو روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ہادیٔ اعظم ﷺ نے فرمایا:

"اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو، اپنی پانچ نمازیں ادا کرو، رمضان المبارک کے روزے رکھو، اپنے رب تعالیٰ کے گھر کا حج کرو۔ اور اپنے اموال کی خوش دلی سے زکوٰۃ دیا کرو۔ تم اپنے رب تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر شب و روز میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔"

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

"میں نے حضور داعیٔ اعظم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں جس نے انہیں ادا کیا، ان کے حق میں سے کوئی چیز ضائع نہ کی تو اس کا رب تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر عہد ہے، وہ چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے جنت میں داخل کر دے۔"

جہاں تک اجماعِ امت کا تعلق ہے تو امت مسلمہ کا پانچ نمازوں کی فرضیت پر اجماع ہے۔

پانچ نمازوں کی فرضیت کے عقلی دلائل درج ذیل ہیں:

1. یہ نمازیں ربِ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے فرض کی گئی ہیں، ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جوہر کو عمدہ ترین صورت اور خوبصورت ترین ہیئت میں پیدا فرمایا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (غافر: ٦٤)

ترجمہ: اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا۔

یہ ارشادِ پاک بھی اسی ذاتِ والا کا ہی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ (التین: ٤)

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے، (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدل پر۔

حتیٰ کہ تم دیکھو گے کہ کوئی ایک شخص بھی یہ تمنا نہیں کرے گا کہ اسے صورت اور شکل کے علاوہ کسی اور صورت اور شکل میں تخلیق کیا جاتا۔

ان نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ اس ذاتِ کریمانہ نے اعضاء کو آفات سے سلامتی عطا فرمائی ہے، ان سے انسان اپنے امور بجا لانے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ انسان کو بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے، پھر ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے استعمال کرنے کا حکم دیا، کیونکہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اسے منعم کی خدمت میں

استعمال کیا جائے۔

پھر نماز کے قیام، رکوع، سجود اور قعدہ میں انسان کے سارے ظاہری اعضاء استعمال ہوتے ہیں اسی طرح انسان نے باطنی اعضاء بھی مصروف ہوتے ہیں، مثلاً دل نیت میں مصروف ہوتا ہے، اس پر خوف ورجاء کی کیفیت طاری ہوتی ہے، عقل اور ذہن تعظیم اور احترام کرتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں تا کہ ہر ہر عضو کا عمل منعم کا شکریہ ادا کرنے میں مصروف رہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان پر ایک نعمت یہ بھی فرمائی کہ اس کے اعضاء کو نرم اور تابع بنایا۔ جس کی وجہ سے انسان انہیں قیام، قعود، رکوع اور سجود جیسی مختلف حالتوں میں استعمال کر سکتا ہے۔ نماز ان سارے حالات پر مشتمل ہے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان اعضاء سے رب تعالیٰ کا شکر ادا کریں، نعمت کا شکر ادا کرنا از روئے عقل اور از روئے شرع فرض ہے۔

۲ نماز اور ہر ہر عبادت اللہ تعالیٰ کی نوکری اور چاکری کے لیے ہے۔ اپنے آقا کی نوکری کرنا غلام پر فرض ہے، عزیمت تو یہ ہے کہ انسان ہمہ وقت بقدر امکان رب تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فضل وکرم کرتے ہوئے اپنے بندے کو یہ رخصت عنایت فرمادی ہے کہ وہ کچھ اوقات کے لیے یہ نوکری ترک کر دے، کیونکہ اگر ہمہ وقت اس نوکری کا حکم مل جاتا تو انسان کے لیے اسے ترک کرنا ممکن نہ رہتا کیونکہ پھر وہ شریعت مطہرہ کا حکم بن جاتا، اسے عزیمت کو اختیار کرنا پڑتا اور رخصت کو ترک کرنا پڑتا، عزیمت کا حکم اسی امر کی تحقیق کرتا جس کا تذکرہ ہم نے کر دیا ہے، عبد کے لیے لازم ہے کہ وہ عبودیت کی علامت کا اظہار کرے، تا کہ وہ اس کے ساتھ اس آدمی کی مخالفت کرے جو اپنے آقا کی نافرمانی کرتا ہے اور خود کو عبادت سے بلند تر سمجھتا ہے، نماز میں عبودیت کی علامت کا اظہار ہے، کیونکہ اس میں مولا کے سامنے سے قیام ہے، اس کے لیے کمر جھکانا ہے۔ نماز میں چہرہ زمین پر رکھا جاتا ہے، انسان اپنے گھٹنوں پر جھکتا ہے اور اپنے پروردگار کی حمد وثنا بیان کرتا ہے۔

۳ نماز نمازی کو گناہوں کے ارتکاب سے روک دیتی ہے، کیونکہ وہ اپنے رب دو جہاں کے سامنے عاجزی وانکساری کرتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے اسے اپنے رب تعالیٰ کی ہیبت کا شعور ہوتا ہے، اسے اپنی عبادت میں کوتاہی کا خوف دامن گیر ہوتا ہے، ہر شب وروز پانچ وقت اس کی کیفیت یہی ہوتی ہے، یہ حالت اسے گناہوں کے ارتکاب سے روک

دیتی ہے، گناہوں سے کنارہ کش ہو جانا فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ (ھود:۱۱۴)

ترجمہ: اور قائم کیجیے نماز دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات کے حصوں میں بے شک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔

اس نے ارشاد فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ (العنکبوت:۴۵)

ترجمہ: نماز صحیح ادا کیجیے۔ بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے۔

❹ نماز گناہوں، خطاؤں، لغزشوں اور کوتاہیوں کو ڈھانپ دیتی ہے، انسان شب و روز کے اوقات میں گناہ یا خطا یا لغزش یا عبادت میں تقصیر سے خالی نہیں ہوتا، وہ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ جو جتنا بھی شکر ادا کرے وہ کم ہی ہوگا، کیونکہ رب تعالیٰ نے انسان پر اتنے زیادہ احسانات کیے ہیں کہ اگر انسان شکر ادا کرنے لگے تو ان میں سے ایک کا بھی شکر ادا نہ کر سکے۔ پر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ساری نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ انسان محتاج ہے کہ کسی چیز سے اس کی پردہ پوشی ہو جائے، ان گناہوں اور لغزشوں کو ڈھانپنے کے لیے رب تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز فرض کی۔

رئیس ابن سینا نے ''رسالۃ الصلوٰۃ'' میں نماز کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔

① ظاہری ورزشی قسم۔ یہ مختلف ارکان سے بنتی ہے، مثلاً یہ قرأت، رکوع اور سجدہ سے تشکیل پاتی ہے۔

② باطنی قسم۔ یہ پاک، صاف، مطہر دل اور مادیات سے خالی نفس کے ساتھ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا ہے۔

ابنِ سینا نے کیا خوب لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ظاہری قسم معدود ہیئتوں اور محدود ارکان میں اشخاص کی حرکت کے ساتھ مربوط ہے، یہ اس جسم سے آہ و زاری، اشتیاق و گداز ہے جو جسم جزئی، مرکب محدود اور فلک قمر کی طرف سفلی ہے جو اپنے عقل کے ساتھ تصرف کرتا ہے اور اس عالم کون و مکان میں وہ تصرف کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ بشریت کی

زبان کے ساتھ مناجات ہیں وہ ذات سارے موجودات کی مربی ہے، وہ مخلوق میں تصرف کرنیوالی ہے۔ وہ اس سے پناہ مانگتی ہے، وہ اس سے التجا کرتی ہے کہ وہ عقل فعال کی حفاظت کرے۔ وہ اس شخص کے نظام کی نگہبانی کرے جو عاجزی کر رہا ہے۔ وہ اس کی عبادت کرتے ہوئے نماز ادا کر رہا ہے تاکہ وہ جب تک اس دنیا میں باقی ہے وہ زمانہ کی آفات سے محفوظ رہے۔

دوسری قسم باطنی حقیقی ہے وہ ہیئات سے جداگانہ اور تغیرات سے علیحدہ ہے وہ نفس ناطقہ، عالمہ، عارفہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور آہ وفغاں کرتا ہے، وہ کس جہت کی طرف اشارہ کیے بغیر اور کسی بدن میں اختلاط کیے بغیر وہ معبودِ برحق کی وحدانیت کا عرفان رکھتا ہے وہ وجودِ مطلق سے التجا کرتا ہے کہ وہ اپنا مشاہدہ کرا کر اس کے نفس کی تکمیل کرے اور اپنی معرفت اور علم کے ساتھ اس کی سعادت کو مکمل کرے۔ اس نماز کی وجہ سے امر عقلی اور فیض قدسی قضاء آسمان سے نفس ناطقہ کے دائرہ میں اترتے ہیں۔ انسان بدنی مشقت کے بغیر اور انسانی تکلیف کے بغیر اس عبادت کا عادی بن جاتا ہے جو اس طرح نماز پڑھتا ہے وہ حیوانی اعضاء اور طبعی آثار سے دور ہٹتا جاتا ہے وہ مدارج عقلیہ اور ازلی سعادتوں کے برج کی سمت ترقی کرتا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (العنکبوت:۴۵)

ترجمہ: بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ یہ نماز کی بعض عظیم الشان حکمتیں تھیں جو شارع حکیم نے نماز میں رکھی تھیں۔

نماز کی ہیئت کی حکمت

یہ نوعِ انسانی میں فطرتی طریقہ اور طبعی عادت ہے کہ انسان جب اس ذات کے سامنے کھڑا ہوتا ہے جو مقام و منصب میں اس سے بالاتر ہو تو وہ اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ اس کے اعضاء

پر سکون ہوتے ہیں وہ انہیں حرکت نہیں دیتا، مگر جبکہ مقام اس حرکت کا تقاضا کرے۔ وہ اس ہستی سے ادب کی حدود سے بھی تجاوز نہیں کرتا۔ جب مخلوق کے ساتھ اس کیفیت کا عالم یہ ہے تو انسان کی اس وقت حالت کیا ہوگی، وہ اپنے خالق عظیم اور مالک اعظم کے سامنے کھڑا ہوگا، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ خشوع وخضوع اور ادب کا مظاہرہ کرے گا۔ وہ اپنے دل کو حاضر کرے گا اور اسے ہر چیز سے اس رب دو جہاں کی طرف پھیر دے گا وہ جس کے سامنے کھڑا ہے، تاکہ ادب ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔

انسان اس کیفیت میں اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے پھر وہ نماز کا آغاز کرتا ہے، ہم نے نماز کی ابتداء ام الکتاب ''سورۃ الفاتحہ'' سے کرنے کی حکمت بیان کر دی ہے، اگر ہم اس کے بعض معانی کی شرح کریں تو کئی صفحے لکھے جاسکتے ہیں جو طاقتور جتھے کو تھکا دیں، مگر مقصود پھر بھی پورا نہ ہوگا۔

ناف انسانی جسم کا وہ وسطی نقطہ ہے کہ آدھا جسم اس کے اوپر اور آدھا جسم اس کے نیچے ہے۔ نماز کے دوران نمازی ناف کے نیچے اپنا ہاتھ رکھتا ہے دایاں ہاتھ اوپر اور بایاں اس کے نیچے رکھتا ہے کیونکہ دایاں ہاتھ بائیں پر شرف رکھتا ہے، اس میں حکمت یہ ہے تاکہ وہ ہاتھ عالم علوی کی طرف جانے سے روک دے وہ آسمانی رازوں کی جگہ ہے کیونکہ اس حالت میں نفس ان ربانی انوار کی سمت بڑھنے کا اشتیاق رکھتا ہے، اسی طرح یہ ہاتھ نفس کو عالم سفلی کی طرف لے جانے سے بھی روکتا ہے۔ یہ زمین کے اسرار کی جگہ ہے، اس طرح انسان اس حالت میں رہتا ہے تاکہ اس کی طمانیت مکمل ہو اور وہ صفات کمال پر فائز ہو جائے۔ گردن وہ عضو ہے جو صفت کمال، عجب اور خود پسندی پر دلالت کرتی ہے، انسان اسے جھکا دیتا ہے، وہ اس طرح خضوع کا اظہار کرتا ہے اور اس رب تعالیٰ کا احترام کرتا ہے جو تمام ذاتوں سے بڑھ کر اس بات کا مستحق ہے کہ سر اس کے لیے جھک جائیں اور گردن اس کے لیے عاجزی کا اظہار کریں۔

چہرہ زمین پر رکھنے میں ایک بڑی حکمت کارفرما ہے یہ انسانی اعضاء میں سے سب سے معزز عضو ہے۔ وجہ، وجاہت سے مشتق ہے۔ جب انسان چہرہ زمین پر رکھتا ہے تو انسان اس کی ذلت کا اظہار کرتا ہے وہ اسے اپنے رب کی جناب میں جھکاتا ہے، اس کا دل دنیوی وجاہت سے بھر جاتا ہے تاکہ حریم ناز سے اسے وجاہت نصیب ہو سکے، کیونکہ اس کی بارگاہ میں جھکنا عزت ہے، اس کی بارگاہ میں انکساری کرنا شرف و فخر ہے، اسی طرح اس ناک کو بھی خاک آلود کیا جاتا ہے، جو

تکبر اور عظمت کا مقام سمجھی جاتی ہے تاکہ اس سے بھی عاجزی کا اظہار ہو جائے، مٹی ساری اشیاء سے خسیس چیز ہے، گویا کہ انسان کہتا ہے:

"مولا! میں نے اپنا سب سے معزز عضو سب سے خسیس چیز پر رکھ دیا ہے، پروردگار! میں تیرے سامنے کھڑا ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو رب الارباب ہے اور تیرے علاوہ ہر چیز میں تیری عبودت کا پٹا ہے، وہ تیری رحمت چاہتے ہوئے تیرے سامنے عاجزی کرتی ہے۔"

سجدہ میں بھی ایک بالغ حکمت کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان پانچ نمازوں میں سجدے کرتا ہے تو وہ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ (العلق:۱۹)

ترجمہ: (اے حبیب!) سجدہ کیجیے اور (ہم سے اور) قریب ہو جائیے۔

جب انسان عظیم اور صاحبانِ منصب لوگوں کے قریب ہوتا ہے تو اسے بلندی اور رفعت مل جاتی ہے، اگر وہ اپنے خالق اور رازق کے قریب ہوگا تو اس کی قدر ومنزلت کا عالم کیا ہوگا۔ اس طرح نفس کو وہ بلند مقام اور رفیع منصب نصیب ہو جاتا ہے کہ وہ صغیرہ گناہوں سے بھی اجتناب کرتا ہے چہ جائیکہ اس سے کبیرہ گناہوں کا صدور ہو، وہ گناہوں کی گندگی سے آلودہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ گندگی اسے رب تعالیٰ کے حریم سے دور کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب ساری منازل سے بڑا ہے، سارے مراتب سے افضل ہے اور ساری نعمتوں سے عمدہ ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو گناہوں کی گندگی اور شبہات سے پاک کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذشت نہ کرے، بلکہ اپنی انتہائی کوشش کرے، جب اس کا نفس پاک ہو جائے، تو پھر بھی اپنے اس فعل کو گناہ شمار کرے، کیونکہ یہ پاکیزگی نفس اتنا زیادہ کمال نہیں، کیونکہ جو چیز اس کے رب تعالیٰ کی طرف سے اس پر واجب تھی اس نے اس کی ادائیگی میں بخل سے کام لیا۔ کیونکہ انسان کا سب سے بڑا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ وہ مقربین سے ہو جائے، اور تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقربین کا مقام ومنزل کیا ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ نے سجدہ کے بارے فرمایا:

"جو مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کی ایک لغزش معاف کر دیتا ہے۔"

روایت ہے کہ ایک صحابی نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کی:

''آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ مجھے ان افراد میں سے کر دے جن کی آپ شفاعت فرمائیں اور وہ جنت میں مجھے آپ کی رفاقت عطا فرمائے۔''

حضور ﷺ نے اسے فرمایا:

''کثرتِ سجود سے میری مدد کرو۔''

جب سجدہ کی یہ فضیلت ہے تو ربِ تعالیٰ نے ان کی یوں توصیف فرمائی ہے:

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: ان (کے ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''اے جوانو! مرض سے قبل صحت میں جلدی کر لو، کوئی ایسا شخص نہیں جس پر میں رشک کروں، مگر وہ شخص جو اپنے رکوع اور سجود چھپاتا ہے، مجھے اور اسے جدا جدا کر دیا گیا ہے۔''

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے دنیا میں کسی چیز پر افسوس نہیں سوائے سجود کے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے روایت ہے کہ وہ اکثر اوقات مٹی پر سجدہ کرتے تھے۔ کیونکہ حضور والا ﷺ کی ذاتِ بابرکات بندے اور اس کے رب کے مابین سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اس لیے تشہد کے بعد آپ پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے، یہ امید لگاتے ہوئے کہ آپ اس سلام کا عمدہ جواب ارشاد فرمائیں گے، ایک دوسرے کو سلام کرنا لوگوں میں محبت والفت کے تعلقات کو پختہ کرتا ہے، نمازی آپ کو سلام پیش کر کے وہ اشرف الخلق اور افضل الخلق سے محبت اور قرب کا خواہاں ہوتا ہے، اس کے لیے یہ بہت بڑا اشرف ہے، یہ صلوٰۃ وسلام اس عظیم نعمت کا شکر ہے جو آپ کے وسیلہ سے لوگوں کو نصیب ہوئی، وہ عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کا قرب اور اسلام کی نعمت ہے۔

اے مسلمان اس شخص کی طرح نہ ہو جا، جو کسی عظیم شخص کے وسیلہ سے سلطان کے قریب ہو، جب اس کی مراد پوری ہو جائے تو وہ اس شخص کی نیکی کو فراموش کر دے۔ حضرت سیدنا ابراہیم

علیہ السلام کی ذات والا پر درود پیش کرنے میں بھی ایک عظیم حکمت ہے کیونکہ انہوں نے ہی اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ وہ اس وسیلہ (حضور نبی کریم ﷺ) کو مبعوث فرمائے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرة:۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں، بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے والے اور سجدہ کرنے والے کا ذکر ملائکہ کے سامنے کرتا ہے، وہ ان کے سامنے اس کی تعریف کرتا ہے، جسے سن کر ملائکہ اس کی زیارت اور دید کے مشتاق ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان نماز میں اپنے رب تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرہ:۱۵۲)

ترجمہ: سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد نمازی ملائکہ کو سلام کرتا ہے، دائیں طرف سے آغاز کرتا ہے کیونکہ دائیں طرف کے فرشتے بائیں طرف کے فرشتوں سے افضل ہیں۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی آنے والوں کی عزت کرے۔ اگر آنے والے ملائکہ ہوں تو ان کے بارے تمہارا خیال کیا ہے، اور یہ زیارت بھی اس معزز اور مکرم عمل کی وجہ سے ہو۔

جعلنا اللہ و اياك من المصلين الراكعين الساجدين المحبوبين المقربين و جعلنا داخلين فى شفاعة سيد المرسلين عليه افضل الصلوه واتم التسليم۔

نماز میں خشوع وخضوع کی حکمت

نفس امارہ برے کاموں کا حکم دیتا ہے، برائیوں کی طرف میلان اس کی فطرت میں شامل ہے، یہ اس سرکش جانور کی طرح ہے جو مضبوط رسیوں اور لگاموں سے قابو میں آتا ہے، حتیٰ کہ وہ اتنا مطیع بن جاتا ہے کہ اس کا مالک جہاں چاہے اسے لے جا سکتا ہے، اس کا مالک اسے بھلائی اور شاداب چراگاہ کی طرف ہی لے جانا چاہتا ہے، اگر وہ جانور عقل رکھتا اور چرواہے کی مراد سمجھ لیتا تو اس کے سامنے فوراً سر تسلیم خم کر دیتا۔ اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنی لگام اس کے سامنے پھینک دیتا۔ لیکن سرکشی اس کی عادت ہے لیکن عاجزی اور انکساری اس کی سعادت کا یکتا سبب ہے، اسی طرح نماز میں خشوع اس کی قبولیت کا سبب ہے۔ نماز کی قبولیت میں انسان کی سعادت ہے، یہ وہ سعادت ابدیہ ہے جس کی قدر و قیمت نہیں لگائی جا سکتی، اگرچہ ہر انسان یہ قدرت تو نہیں رکھتا کہ وہ اپنے منعم حقیقی کا کما حقہ شکر ادا کر سکے لیکن ایک مثال دیتے ہوئے ہم کہتے ہیں:

جانور جسمانی طور پر چرواہے کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا ہے، وہ چرواہے کی قوت اور گرفت کے سامنے سر اطاعت خم کرتا ہے، لیکن سرکشی اس کے نفس میں چھپی ہوتی ہے، لیکن نماز میں انسان کا خشوع یہ ہے کہ اس کا دل مطمئن ہو۔ وہ اغیار کی کدورتوں سے پاک وصاف ہو۔ وہ مکمل طور پر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، وہ اپنے دل کی آنکھ سے اپنے خالق کی عظمت کا مشاہدہ کر رہا ہو، گویا کہ وہ اسے اپنے سر کی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ جیسا کہ اس روایت میں ہے جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، جب حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے "احسان" کے بارے عرض کی تو آپ نے ان سے فرمایا:

"احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس درجہ پر فائز نہیں ہو کہ تم اسے دیکھ سکو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

اس تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں خشوع اور اعضاء کے سکون کے ساتھ ساتھ حضور قلب ہی ایمان کامل ہے۔ ہم آپ کے لیے بعض آیاتِ قرآنیہ اور آثار پیش کرتے ہیں جن سے خشوع کی اہمیت اور اجاگر ہو جائے گی، ارشادِ ربانی ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلْإِنسَٰنُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَٰقِيهِ ۝ (الانشقاق:٦)

ترجمہ: اے انسان! تو محنت سے کوشاں رہتا ہے، اپنے رب کے پاس پہنچنے تک، بس

تیری اس سے ملاقات ہو کر رہتی ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝ (طٰہٰ:۱۴)

ترجمہ: نماز کو میرے ذکر کے لیے قائم کرو۔

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ (الاعراف:۲۰۵)

ترجمہ: اور نہ ہو جاؤ (یادِ الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مصروفِ گفتگو ہوتے، ہم آپ کے ساتھ بات چیت کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہوتے، جب نماز کا وقت ہو جاتا تو ہم رب تعالیٰ کی عظمت میں اتنے مشغول ہوتے کہ گویا آپ ہمیں نہیں جانتے اور ہم آپ کو نہیں جانتے۔"

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس نماز کی طرف نظر بھی نہیں کرتا جس میں آدمی کا دل اس کے جسم کے ہمراہ حاضر نہ ہو۔"

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تو ان کے دل کی دھڑکن دو میلوں سے سنائی دیتی تھی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کیفیت یہ تھی کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا، چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا، ان سے عرض کی گئی:

"امیر المومنین! آپ کی کیفیت کیوں ہوتی ہے؟"

انہوں نے فرمایا:

"اس امانت کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہے جسے رب العزت نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا، وہ اس سے پھٹ گئیں مگر میں نے اسے اٹھا لیا۔"

روایت ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما وضو فرماتے تو ان کے چہرہ کی رنگت تبدیل ہو جاتی، ان سے عرض کی گئی:

"وضو کے وقت آپ کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟"

وہ فرماتے:

''کیا تمہیں علم ہے کہ میں کس ذات والا کے سامنے کھڑا ہونے کا ارادہ کیے ہوں۔''

حضرت سعید تنوخی رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت یہ تھی کہ جب وہ نماز ادا کرتے تو آنسو ان کے رخساروں اور داڑھی سے رکتے نہ تھے۔

حضور سید المرسلین ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے داڑھی سے کھیل رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء پر بھی خشوع طاری ہوتا۔''

حضرت حاتم الاصم سے ان کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''جب نماز کا وقت آتا ہے تو میں اچھی طرح وضو کرتا ہوں پھر اس جگہ آتا ہوں جس جگہ نماز پڑھنے کا ارادہ ہوتا ہے، میں اس جگہ بیٹھ جاتا ہوں اپنے اعضاء کو اکٹھا کرتا ہوں (یعنی یکسو کرتا ہوں) پھر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں، اپنے سامنے خانہ کعبہ رکھتا ہوں، اپنے پاؤں تلے پل صراط رکھتا ہوں جنت اپنے بائیں طرف اور دوزخ اپنے دائیں طرف سمجھتا ہوں اپنے پیچھے ملک الموت کو تصور کرتا ہوں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے، پھر امید اور خوف کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہوں تکبیر کہتا ہوں ترتیل سے قرأت کرتا ہوں تواضع سے رکوع کرتا ہوں، خشوع سے سجدہ کرتا ہوں کولہو کی بائیں سمت پر بیٹھ جاتا ہوں ایک قدم اس کے نیچے بچھا دیتا ہوں، دائیں قدم کو انگوٹھے کے بل کھڑا کرتا ہوں پھر اخلاص کا اظہار کرتا ہوں، پھر بھی مجھے معلوم نہیں کہ میری نماز قبول ہوتی ہے یا کہ نہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''غور وفکر کر کے دو رکعتیں پڑھنا غافل دل کے ساتھ کیے گئے رات بھر کے قیام سے افضل ہیں۔''

اس فریضہ کے ادا کرتے وقت خشوع کی حکمت یہی ہے، یہ فریضہ ہی رحمت اور ابدی سعادت کے دروازہ کی چابی ہے۔

جعلنا اللہ وایاک من اہل الخشوع لعزتہ والخضوع لعظمتہ واہل جنتہ۔

نماز کے مقررہ اوقات میں حکمت

اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اعمال بجالانے کی توفیق دے، خوب جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا، انسان نے اس عظیم امانت کو اٹھالیا، تو اللہ تعالیٰ کی حکمت نے تقاضا کیا کہ وہ کمزور انسان سے بوجھ کم کرے، اور ان نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کرنے کا اسے مکلف نہ بنائے۔ جو اس امانت کا جزء ہیں، یا انسان ان نمازوں کو قریب قریب اوقات میں ادا کرے کیونکہ اس میں بھی مشقت تھی۔ یہی حکمت بالغہ نمازوں کے اوقات میں کارفرما ہے۔

انسان صبح سویرے نیند سے بیدار ہوتا ہے، اس نے میٹھی اور سکون آور نیند پوری کر لی ہوتی ہے، رات گزر جاتی ہے، اس رات میں اسے اپنی معیشت کے لیے کوئی تگ و دو نہیں کرنا پڑتی، ارشادِ ربانی ہے:

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۠ (النبا: ۱۰، ۱۱)

ترجمہ: نیز ہم نے بنادیا رات کو پردہ پوش اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا۔

وہ وقت جس میں انسان اپنی نیند سے بیدار ہوتا ہے، وہ بہت خوبصورت وقت ہوتا ہے، وہ فجر کا ہی وقت ہے، جس کی رب تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے۔

وَالْفَجْرِ ۙ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ (فجر: ۱، ۲)

ترجمہ: قسم ہے اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی۔

اس وقت رات جانے کا اعلان کر رہی ہوتی ہے، ستارے پس پردہ چلے جانے کی منادی کر رہے ہوتے ہیں۔ ہوا صاف ہوتی ہے، فضا پاکیزہ ہوتی ہے، کائنات پر سکون طاری ہوتا ہے، اس وقت زمین اور آسمان خوبصورت مناظر پیش کر رہے ہوتے ہیں، نفس مطمئن ہوتا ہے، روح صاف ہوتی ہے، دل مصروفیات سے خالی ہوتا ہے، جب انسان اس کیفیت میں بیدار ہوتا ہے وہ اپنے کام اور کاج کا آغاز کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے وہ فریضہ ادا کرتا ہے جو اس کے خالق اور رازق کی طرف سے اس پر فرض ہوتا ہے۔

اسی طرح جب انسان سوتا ہے تو اس کے اعضاء سن ہو جاتے ہیں، اس کے حواس مفقود ہو جاتے ہیں، اس لیے نیند کو موت الاصغر کہا جاتا ہے۔ اس حالت میں انسان کو خطرات پیش آ سکتے

تھے عنایت ربانی کے علاوہ اس کا اور کوئی نگہبان نہ تھا۔ یہی عنایات ربانیہ ہر اذیت سے اس کی حفاظت کرتی رہیں، اس عظیم نعمت اور عظیم احسان کا شکر ادا کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ نماز فجر اس نعمت کے شکرانہ کے طور پر ادا کی جاتی ہے، جس کی قیمت ادا نہیں کی جاسکتی۔

اس کے بعد انسان محنت و مشقت میں مصروف ہو جاتا ہے، وہ چھ یا سات گھنٹے لگا تار رزق کے دروازے کھٹکھٹاتا رہتا ہے۔ جب وہ کچھ رزق حاصل کر لیتا ہے تو وہ اپنے اس رازق کا شکر ادا کرنے کے لیے نمازِ ظہر پڑھتا ہے، جس نے اس پر یہ نعمت فرمائی۔ پھر انسان نمازِ عصر تک اپنے اہم امور میں مشغول رہتا ہے۔ اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے، اس وقت تک انسان نے اپنے اس روز کا رزق حاصل کر لیا ہوتا ہے، وہ اپنے پروردگار کے لیے نمازِ عصر ادا کرتا ہے جس نے اسے رزق کی یہ نعمت عطا کی۔ پھر انسان اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ نماز مغرب کا وقت ہو جاتا ہے۔ اس وقت تک انسان نے اپنا رزق کما لیا ہوتا ہے، وہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے نمازِ مغرب ادا کرتا ہے، جس نے اسے اپنی اطاعت میں دن گزارنے کی توفیق دی۔ اسے رزق حاصل کرنے کی توفیق دی، اس کے بعد انسان سکون کے ساتھ کھانا تناول کرتا ہے۔ حتیٰ کہ نماز عشا کا وقت آجاتا ہے تو انسان اپنی صحت اور اس کھانے کا شکر ادا کرنے کے لیے نماز عشا ادا کرتا ہے۔

ذرا دیکھو کہ صبح اور ظہر کی نمازوں کے مابین کافی وقت تھا، امکان تھا کہ انسان اپنے خالق اور رازق کو بھول نہ جائے تو شارع حکیم نے نمازِ چاشت سنت قرار دی، اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی قسم بھی اٹھائی ہے۔

وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ (الضحیٰ:۱،۲)

ترجمہ: قسم ہے روزِ روشن کی، اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔

نمازوں کے ان اوقات میں یہ حکمتیں پنہاں ہیں۔

وفقنا اللہ وایاك الی شکر نعمه وھدانا الی طریق رضاہ بمنہ وکرمه۔

نمازوں میں سری اور جہری قرأت کرنے میں حکمت

ہم نے کسی اور جگہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کی حکمت بیان کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے مولا اور آقا کی حمد بیان کرتا ہے، اس کی پاکی بیان کرتا ہے، کان کلامِ الٰہی کے معنی

کی شیرینی، الفاظ کی مٹھاس، اسلوب کا جمال اور تزیین سے لطف اٹھاتے ہیں، دن کے اوقات میں شور وغل ہوتا ہے۔ ایسی آوازیں ہوتی ہیں جو کانوں کو اذیت دیتی ہیں، اس لیے دن کے وقت کی نمازوں میں سری (مخفی) قرأت کرنے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ تلاوت قرآن کی آواز اور الفاظ بشری آوازوں اور الفاظ کے ساتھ نہ مل جائیں اور دل قرآن پاک کی تاثیر سے محروم نہ ہو جائے۔

جبکہ رات سکون اور آرام کا وقت ہوتا ہے، شارع حکیم نے جہری آواز سے نماز پڑھنے کا حکم دیا، کیونکہ اس وقت کسی آواز یا کسی کلام کا رب دو جہان کے کلام ازلی کے ساتھ ملنے کا امکان کم ہوتا ہے، اس وقت آواز بڑی شیریں، لذیذ اور دل کے لیے مؤثر ہوتی ہے۔ بعض اوقات انسان ہر چیز میں کثرت کی طرف میلان نہیں رکھتا۔ شارع حکیم نے رات کی نماز طویل پڑھنے کو پسندیدہ قرار دیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے وافر انس، کامل لذت اور عظیم سکون حاصل ہو سکے۔ اس قرب کی وضاحت ہم نے کسی اور جگہ کر دی ہے۔

حضور سید عالم ﷺ رات کی نماز طویل کرتے تھے۔ اس میں بہت زیادہ قرات کرتے تھے، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی رات کی نماز لمبی پڑھتے تھے، وہ اس نماز میں سورۃ البقرہ پڑھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کے وقت سورۃ النحل، سورۃ ھود، سورۃ یونس، سورۃ بنی اسرائیل وغیرھا پڑھتے تھے۔ شارع حکیم نے ہمارے لیے پسند کیا ہے کہ ہم رات کے وقت قیام کریں۔ رات کا کچھ حصہ قیام میں گزاریں، نماز تہجد ادا کریں۔ اس میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے، یعنی خالق کائنات کا قرب۔

امام باآواز بلند قرأت کرتا ہے تاکہ مقتدی غور وفکر کریں۔ انہیں قرأت کے ثمرات اور فوائد حاصل ہوں۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ گویا کہ انہوں نے ہی تلاوت کی ہے دن کے وقت باآواز بلند پڑھنے سے یہ فائدہ ختم ہوجاتا ہے کیونکہ یہ نمازیں اس وقت ادا کی جاتی ہیں جب لوگ کام کاج میں مصروف ہوتے ہیں۔ وہ کاروبار اور روزگار میں مشغول ہوتے ہیں۔ ان کے دل انہی امور کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ غور وفکر نہیں کر سکتے بلکہ بعض اوقات وہ غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوتے ہیں، یہ درست نہیں۔ لیکن رات کی نماز کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اس وقت کوئی مصروفیت نہیں ہوتی۔ البتہ نماز جمعہ اور نمازِ عیدین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ کبھی کبھی ہی ادا کی جاتی ہیں۔ ان کی مخصوص کیفیت ہوتی ہے۔ سلطانِ وقت بھی موجود ہوتا ہے، اس لیے دل ان نمازوں میں حاضر رہتا ہے وہ غور وفکر کرتا ہے۔ کیونکہ قرأت نماز کے

ارکان میں سے ہے اور فرائض میں ارکان مخفی نہیں بلکہ از روئے شہرت ادا کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ ابتدا میں ساری نمازوں میں باآواز بلند قرأت کرتے تھے حتیٰ کہ کفار مکہ نے قصد کیا کہ وہ قرآن پاک نہ سنیں۔ وہ اس وقت شور وغل کرتے۔ حضور امام الانبیاء ﷺ نے نمازِ ظہر اور نمازِ عصر میں قرأت مخفی شروع کردی۔ کیونکہ ان دونوں وقتوں میں کفار اذیت کے لیے تیار رہتے تھے۔ مگر آپ نمازِ جمعہ اور عیدین کی نماز میں باآواز بلند قرأت کرتے تھے کیونکہ ان کا آغاز مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔ وہاں کفار اور مشرکین میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اذیت دے سکیں۔ اگرچہ بعد میں یہ غدر ختم ہوگیا۔ مگر یہ سنت باقی رہی جس طرح طواف میں رمل باقی رہا۔

سبحان من اودع فی کل شیئٍ حکمۃ بالغۃ و تبارک اللہ احسن الخالقین۔

نماز میں عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں قرأت نہ کرنے میں حکمت

اس میں حکمت ان پند ونصائح کی طرف لوٹتی ہے، جو قرآن پاک کو عربی زبان میں ہی تلاوت کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک بہت سی عبرتوں، مواعظ، ترغیب، ترہیب اور حمد وثناء پر مشتمل ہے یہ سارے امور امام اور مقتدی کے لیے صرف اسی وقت عیاں ہوتے ہیں، جب قرآن پاک کی قرأت عربی میں ہو۔ اگر انسان عربی میں قرآن مجید پڑھنے سے عاجز ہو تو اس کا ایک اور حکم ہے علماء نے ضرورت کے لیے اس کے لیے جائز قرار دیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں:

”اگر آدمی عربی زبان میں اچھی طرح قرأت کر سکتا ہو تو اس کی اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں، لیکن اگر وہ اچھی طرح قرأت نہ کر سکتا ہو تو پھر اس کے لیے غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے۔“

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”غیر عربی میں قرأت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں خواہ وہ اچھی طرح قرأت کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو۔ اگر اسے عربی اچھی طرح نہیں آتی تو وہ تسبیح وتہلیل

کرے گا۔ اور فارسی زبان میں قرأت نہیں کرے گا۔"

ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا۔ (یوسف:۲)

ترجمہ: "بے شک ہم نے اتارا اسے یعنی قرآن عربی کو۔"

قرآن مجید فارسی میں نہیں، انسان فارسی میں قرأت کر کے اپنے ذمہ سے بری نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ کہ قرآن مجید معجز ہے، لفظ کے اعتبار سے نظم عربی کے زوال سے یہ اعجاز بھی ختم ہو جائے گا، فارسی قرآن مجید نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس میں اعجاز مفقود ہے۔ اس لیے اس کا پڑھنا جنبی اور حائضہ کے لیے حرام نہیں ہے البتہ اگر انسان عربی میں اچھی طرح قرأت نہ کر سکتا ہو تو قرآن کے الفاظ کی رعایت سے عاجز ہے تو اس پر قرآن پاک کے معنی کی رعایت واجب ہے تاکہ تکلیف امکان کے مطابق ہو۔ امام شافعی کے نزدیک یہ (فارسی) قرآن پاک نہیں۔ اس لیے وہ اس کی قرأت کا حکم نہیں دیتے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"نماز میں قرآن پاک کی قرأت کرنا ہی واجب ہے، اس حیثیت سے کہ یہ وہ الفاظ ہیں، جو کلامِ الٰہی پر دلالت کرتے ہیں، اس میں عبرت، مواعظ، ترغیب و ترہیب اور حمد و ثناء ہے۔ نہ اس حیثیت ہے کہ وہ عربی الفاظ ہیں، وہ معانی جس پر اس کی دلالت ہے وہ الفاظ کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتا۔"

ارشادِ ربانی ہے:

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿(الشعراء:۱۹۶)

ترجمہ: اور اس کا ذکر (خیر) پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝ (الاعلیٰ:۱۸،۱۹)

ترجمہ: یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں۔

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک انہی الفاظ کے ساتھ ان کتب میں موجود نہ تھا بلکہ ان معانی کے ساتھ تھا۔"

یہ بات خوب سمجھو اور "رب زدنی علما" کہو۔

نماز میں رکعتوں کی تعداد میں حکمت

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، اس نے ان مخصوص صفات کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہم پر ویسے ہی فرض نہیں کی۔ بلکہ اس میں ایک بلیغ حکمت کارفرما ہے۔ جسے بعض ذہن سمجھنے سے عاجز ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ کہتے ہیں:

''یہ احکامِ تعبدیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انہیں مخصوص کیفیت میں ادا کریں۔ انسان کو اس راز کے بارے پوچھنے کی اجازت نہیں۔''

لیکن یہ حکمت ان لوگوں سے مخفی نہیں، جنہیں علم، حکمت اور بصیرت عطا کر دی گئی ہے۔ شارع حکیم اس طبیب کی مانند ہے جو مریض کو اس کی مرض کے مطابق دوا دیتا ہے۔ نفس اس مریض کی طرح ہے جو مخصوص وقت اور مخصوص کیفیت میں دوا کا محتاج ہوتا ہے۔ ہم نے کسی اور جگہ لکھا ہے کہ جن امور کا ہمیں مکلف بنایا گیا ہے ان میں صرف ایک مقصد ہے۔ وہ مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا اور آخرت میں سعادت مند ہو جائے۔ بندہ اپنے مولا کے قریب ہو جائے۔ دین میں آسانی ہے تنگی نہیں۔ شارع حکیم نے صبح میں دو، ظہر میں چار، عصر میں بھی چار، مغرب میں تین اور عشاء کے وقت چار رکعتیں فرض کیں۔ اس فرق کے ساتھ یہ ترتیب مقرر کی تاکہ بندے اپنے آقا کے قریب ہوتا جائے اور زیادہ رکعتوں کی وجہ سے اسے کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ ایک عیاں امر ہے کہ جب انسان اس طرح نماز پڑھے گا تو وہ عبادت میں تھکاوٹ محسوس نہیں کرے گا اور اس کی معاشی مصلحت بھی فوت نہ ہوگی۔

ذرا اس مالی کو دیکھو جو زراعت اور کاشتکاری کے امور میں ماہر ہو وہ ہر پودے کو اتنا پانی دیتا ہے جو اس کے لیے مناسب ہوتا ہے۔ اگر وہ اس ضرورت سے پانی کم و بیش کر دے گا تو اس کی فصل خراب ہو جائے گی اور اس کا پھل ضائع ہو جائے گا۔ اللہ رب العزت جانتا تھا کہ اس کیفیت کے ساتھ ان رکعتوں کا تقرر کافی ہے تاکہ نفس کو قربِ الٰہی میں سے کچھ حصہ عطا کیا جا سکے اور ایمان اس کے دل میں متمکن ہو سکے۔ اس تفصیل کے بعد ہمیں کسی دوسری چیز کے بارے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ انسان ایسی گھاٹیوں میں گر جائے گا کہ وہ باہر نہ نکل سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۝ (سورۃ الاسراء: ۸۵)

ترجمہ: اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا سا۔

جس طرح کہ مریض کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ طبیب سے سوال کرے کہ یا اس پر اعتراض کرے اس نے یہ نافع دوا اسے اس کیفیت میں کیوں دے دی ہے جو اس نے طب کے اصول پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے لیے متعین کی ہے۔

اس موضوع پر اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ''شارع حکیم نے صبح کی نماز میں دو رکعتیں فرض کیں، کیونکہ اس وقت بشاشت نہیں ہوتی۔ اس وقت دو رکعتیں کافی ہیں۔ نماز ظہر کے لیے اس نے چار رکعتیں فرض کیں کیونکہ اس وقت سستی ختم ہو گئی ہوتی ہے۔ نماز عصر کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مغرب کی تین رکعتیں فرض کیں کیونکہ یہ دن کے وتر ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ عشاء کے وقت انسان ساری مصروفیات اور کام کاج سے فارغ ہوتا ہے اس لیے اس پر چار رکعتیں فرض کیں، خواہ یہ حکمت کارفرما ہو یا وہ۔ شارع حکیم ہے۔ کسی حکمت کے پیش نظر یہ تعداد مقرر کی گئی ہے اگر کوئی مصلحت نہ ہوتی اور اس میں انسان کے لیے فائدہ نہ ہوتا تو اس کیفیت میں اس پر نماز فرض نہ کی جاتی۔

ھدانا اللہ وایاک الی معرفۃ ھذہ الحکم البالغۃ۔

نفلی نماز میں حکمت

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے، خوب جان لو کہ دنیا میں بندے کے لیے اتنی میٹھی اور شیریں اور کوئی چیز نہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کرے۔ وہ اس کے سامنے کھڑا ہو اور اس کا قرب حاصل کرے۔ اس قرب کی حقیقت ہم کسی اور جگہ بیان کریں گے۔ ہم اس وقت نفلی نماز کی حکمت بیان کرتے ہیں۔ جس کی طرف ہماری عقل نے ہماری راہ نمائی کی ہے اور جس کے متعلق ہمیں کچھ آگہی نصیب ہوئی ہے، ہر صاحبِ علم سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ اب ہم ان نوافل (اور سنن) کی حکمتیں بیان کرتے ہیں جو فرض نماز سے پہلے اور اس کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔

اگر انسان لگاتار ایک ہی کھانا کھاتا رہے تو وہ اس سے اکتا جاتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی لذیذ ہو۔ اگر اسے کوئی اور کھانا پیش کیا جائے تو وہ اسے اکتاہٹ کے بغیر کھانے لگے گا۔ یہ امر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اسی لیے شارع حکیم نے فرض نماز سے پہلے اور بعد نفلی نماز سنت قرار دی، تاکہ انسان اس فرض جس کی ادائیگی اس پر لازم ہے سے ان سنتوں کی طرف جائے جو فرض نہیں

ہیں، تا کہ وہ فرض کی ادائیگی خوشدلی اور شرح صدر سے کرے اسے کسی اکتاہٹ اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے۔ وہ یہ ہے: ''وہ فرض نماز جسے ادا کرنا انسان کے لیے فرض ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ اس میں دل آئینہ کی طرح ہو جس میں مرئیات (اشیاء) اپنی طبعی شکل میں نظر آسکیں۔ فرض نماز سے قبل نوافل (اور سنتیں) یہ دل کو صیقل کرنے کی مانند ہیں، حتیٰ کہ انسان فرض نماز اس طرح ادا کرے کہ نفل نماز کی ادائیگی سے وساوس کی میل کچیل اور دنیا کا ہر وہ امر دور ہو چکا ہو جو سے مصروف کر دے، اور انسان مکمل طور پر اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرنے میں مصروف ہو جائے، اس کا دل ہر آلائش سے خالی ہو جائے۔

جہاں تک ان نوافل کا تعلق ہے جو فرض نماز کے بعد ادا کیے جاتے ہیں، تو ان میں یہ حکمت ہے: ''جب انسان کا دل فرض نماز سے قبل سنتیں ادا کرنے سے صیقل زدہ ہو جاتا ہے تو وہ فرض نماز پوری دلجمعی سے ادا کرتا ہے، جسم پر لذت اور نفس کو سکون نصیب ہوتا ہے، اس لذت اور سکون سے مزید لطف اندوز ہونے کے لیے بعد میں نوافل بطور سنت مقرر کیے گئے تا کہ اس شرحِ قلبی اور عنایاتِ ربانیہ کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔''

ایک اور حکمت بھی ہے، وہ یہ ہے: ''بعض اوقات فرض نماز کے ارکان میں نقص اور عیب آ جاتا ہے جس کے بارے نمازی کو علم نہیں ہوتا، بعد کے نوافل فرض نماز کے اس نقص کو ختم کرتے ہیں نماز پڑھنے سے انسان کو رب تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، جب انسان ان ساعتوں اور لحات کو واقعات میں عمدہ ترین گھڑیاں شمار کرتا ہے، کیونکہ اس ذاتِ والا کا قرب نصیب ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور جس کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے، شارع حکیم نے سنتیں مقرر کر دیں تا کہ انسان ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ کے قریب رہے اور اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کر کے لذت اٹھاتا رہے۔

یہ وہ حکمتیں تھیں جو فرض نماز سے پہلے اور بعد میں مقرر کی گئی سنتوں اور نوافل میں مخفی تھیں۔ تم نے انہیں اچھی طرح جان لیا ہے۔ ان پر مداومت اختیار کرو تا کہ تم مقربین میں سے ہو سکو اور کامرانی تمہارے قدم چوم سکے۔

''بعض اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے'' اس کی حکمت

روایت ہے کہ مشرکین ان اوقات میں اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے نماز پڑھتے تھے جن

میں نماز پڑھنا امت مسلمہ کے لیے مکروہ ہے، شارع حکیم نے ہمارے نفوس کو مؤدب بنانے کا ارادہ کیا۔ ان کے کمال میں اضافہ کرنا چاہا۔ تا کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے اہلِ شرک کے ساتھ ان کی عبادات میں مشابہت نہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ انسان کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اس حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے سامنے مجسم تصویر ہو۔ تا کہ انسان کو کسی فتنہ کا سامنا نہ کرنا پڑے اور بت پرستوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ کیوں ہے، جبکہ بیت اللہ الحرام میں ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں، تو پھر دیگر مقامات پر کیوں مکروہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیت اللہ الحرام کی خصوصیت ہے۔ کیونکہ جب ایک مسلمان بیت اللہ الحرام میں موجود ہوتا ہے، تو وہ مشرکین اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت سے بہت دور ہوتا ہے، کیونکہ وہ اس مقدس گھر میں ہوتا ہے جسے سب سے پہلے تعمیر کیا گیا۔ یہ ایک عظیم اور جلیل حکمت ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے، شیطان اسے اس شخص کی آنکھوں میں آراستہ کرتا رہتا ہے جو اس کی پوجا کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے سجدہ کر دیتا ہے۔ جب سورج بلند ہوتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے، دوپہر کے وقت دوبارہ اس کے ساتھ آ کر مل جاتا ہے۔ جب سورج غروب ہوتا ہے تو یہ لعین اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کرو۔ حضور سید الانبیاء ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا، یہ فرمان اپنے عموم پر ہے، اور مطلق ہے۔ نہی کے سبب پر خوب آگاہ ہو جاؤ۔ وہ سورج کا شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہونا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کے پجاری سورج کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ طلوع کے وقت اسے سلام کرنے کے لیے اسے سجدہ کرتے ہیں۔ دوپہر کے وقت اس کی رفعت اور شام کے وقت اسے الوداع کہنے کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان آتا ہے، وہ سورج کو اپنے دو سینگوں کے درمیان رکھتا ہے، تا کہ ان پجاریوں کا سجدہ اس کے لیے ہو جائے۔ حضور ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تا کہ سورج کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔ یہ مفہوم سارے مسلمانوں کو شامل ہے۔

باجماعت نماز کی حکمت

اے بندۂ مومن! جب تو نے باجماعت نماز کی حکمت جان لی اور اسے سمجھ لیا تو تجھے بہت بڑا فضل عطا کر دیا گیا۔ تو ان لوگوں میں سے ہو گیا جن پر رب تعالیٰ نے نعمت ایمان سے انعام فرمایا۔

اکیلے نماز پڑھنے میں انفرادیت کا معنی پایا جاتا ہے، یہ اتحاد اور اتفاق کی ضد ہے۔ اسی لیے باجماعت نماز کو اکیلے نماز پڑھنے پر فضیلت دی گئی، اس کی اور بھی بہت سی فضیلتیں ہیں، اس کے ان گنت فوائد ہیں، جو اتفاق ومحبت کے دائرہ سے باہر نہیں نکلتے۔ ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمان ایک ہی صف میں اور ایک ہی امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس طرح اتفاق و اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ باجماعت نماز پڑھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک غریب انسان بغیر کسی تفریق اور امتیاز کے امیر آدمی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ مساوات پیدا ہوتی ہے جسے دیگر مہذب اقوام گنگناتی رہتی ہیں۔ کیونکہ یہ مساوات ہی درحقیقت دین اسلامی کے بنیادی اصولوں میں سے ہے، جب تم نے یہ جان لیا تو پھر یہ بھی جان لو گے کہ آقا اور غلام، خادم اور مخدوم سب رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے میں برابر ہوتے ہیں، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں ہوتی، مگر تقویٰ کے ساتھ، ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

کرم سارے اخلاق فاضلہ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ شرط نہیں کہ یہ صرف اغنیاء میں ہی پایا جاتا ہے یہ عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جسے رب تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

اس زمانہ کے لوگوں نے اس اصول کی مخالفت کی ہے۔ تم آج کل دیکھو گے کہ جمعۃ المبارک کے روز اغنیاء عموماً پہلی صفوں میں ہوتے ہیں۔ جبکہ غرباء آخری صفوں میں ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ عمومی قاعدہ فطرتی اصول بن چکا ہے یا قریب ہے کہ بن جائے۔ اب کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ اگر کسی ثروت مند کو مجبوراً آخری صفوں میں بیٹھنا پڑ جائے، تو ان کے سینے میں اضطراب پیدا ہو جائے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی غریب پہلی صف میں بیٹھ جائے تو اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ وہ اس جگہ نہیں بیٹھا جو اس کے مناسب ہے۔ یہ سارے امور اس حکمت کے مخالف ہیں جن کی وجہ سے

باجماعت نماز اور انفرادی نماز پر فضیلت دی گئی ہے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی مخفی ہے وہ یہ ہے کہ باجماعت نماز کی شان یہ ہے کہ مسلمان اکٹھے ہوں۔ خواہ ان کی آپس میں جان پہچان نہ ہو۔ جب مسلمان ایک ہی صف میں ایک ہی امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے وہ اس قبلہ کی طرف منہ کریں گے جس میں وحدت اور اتحاد کا مفہوم پایا جاتا ہے تو ان کے مابین باہمی تعارف، اخوت اور محبت پیدا ہوگی۔ یہی اس تالیف قلبی کا سبب بنے گی جس پر حقیقی زندگی کی سعادت کا انحصار ہے۔

ہم مزید کہتے ہیں کہ باجماعت نماز کی اکیلے نماز پڑھنے پر فضیلت ہے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان کسی شخص کا خادم ہو، اس کا مخدوم اسے آواز دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی آواز پر لبیک کہے۔ اب تمہارا کیا خیال ہے جب اللہ تعالیٰ اس مؤذن کی زبان سے اپنے بندے کو آواز دے۔ جو یوں کہتا ہے: "حی علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح" اے میرے بندو! نماز اور حقیقی کامرانی کی طرف آؤ۔ گویا کہ وہ یوں کہہ رہا ہے۔ "جب تم آ گئے تم نے یہ مطلوبہ نماز ادا کر لی تو تم کامیاب ہو گئے۔ تمہارا حال درست ہو گیا، تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اس حالت میں بندہ پر سارے واجبات سے زیادہ واجب یہ ہے کہ وہ رب الارباب اور ملک الملوک کی دعوت پر لبیک کہے۔

حضور سید مرسلاں ﷺ نے باجماعت نماز کی فضیلت کے متعلق فرمایا:

"باجماعت نماز اکیلے نماز پڑھنے پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

"ستائیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔"

حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا:

"بیس سال ہو چکے ہیں کہ مؤذن نے کوئی اذان نہیں دی، مگر میں مسجد میں ہوتا ہوں۔"

حضرت حاتم الاصم علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

"میری باجماعت نماز رہ گئی تو ابو اسحاق البخاری علیہ الرحمۃ نے میرے ساتھ تعزیت کی۔"

روایت ہے کہ حضرت میمون بن مہران علیہ الرحمۃ مسجد میں آئے، ان سے عرض کی گئی کہ لوگ تو واپس جا چکے ہیں۔ انہوں نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور فرمایا:

"میری نزدیک باجماعت نماز کی اہمیت عراق کی حکومت سے زیادہ ہے۔"
اگر وہ سارے واقعات اور روایات ذکر کریں جو باجماعت نماز کی اہمیت وفضیلت میں ہیں تو یہ جگہ تنگ ہو جائے گی۔

نماز جمعہ کی حکمت

شارع حکیم نے ہم پر نمازِ جمعہ فرض کی۔ ہمیں اس کی ترغیب دی تا کہ سارے مسلمان جمع ہو جائیں اور ان میں باہمی محبت والفت پیدا ہو جائے۔ اس مبارک روز میں مسلمان نماز جمعہ کے وقت اپنی مصروفیات ترک کر دیتے ہیں۔ وہ ایک مسجد یا کئی مساجد میں جمع ہوتے ہیں، وہ خطیب سے پند ونصائح سنتے ہیں وہ انہیں ان کے دین اور دنیا کی بھلائی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔
اہلِ عرب وعجم اور اقوام اور ملل نے اپنے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے لیکن مسلمانوں کے لیے جمعۃ المبارک کا دن مقرر کیا گیا کیونکہ اسے سارے ایام پر فضیلت حاصل ہے۔ اس کے دوران ایک ہفتہ کی مدت مقرر کی گی تا کہ اس کا دورانیہ جلد نہ آ جائے اور مسلمانوں کو مشقت نہ اٹھانا پڑے اور اگر یہ مدت ایک ہفتہ سے بڑھادی جاتی تو وہ بلیغ حکمت ختم ہو جاتی، جو نمازِ جمعہ پر مرتب ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الجمعۃ:۹،۱۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور فوراً چھوڑ دو خرید وفروخت یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو، پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

نماز جمعہ المبارک کے وقت کام کاج چھوڑنے کے حکم سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مسلمان دیگر

ایام میں بھی اسی طرح اپنے اپنے کام چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ معاملہ اس طرح ہے کہ جب مؤذن یہ ندا دیتا ہے، ''حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح'' تو مسلمان اس کی اس صدا پر لبیک کہتے ہیں وہ یہ فریضہ ادا کرتے ہیں، ادائیگی کے بعد دوبارہ اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (الجمعۃ:۱۰)

ترجمہ: پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے۔

کیونکہ ربِ تعالیٰ نے ہمیں دین ودنیا کے امور بجالانے کا حکم دیا ہے، اس میں یہی حکمت بالغہ کارفرما ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تم پر میرے اس مقام سے، میرے اس دن میں میرے اس مہینہ میں اور میری اس سنت مطہرہ میں تم پر جمعۃ المبارک فرض کیا ہے، جس نے اسے میری حیات طیبہ میں یا اس کے بعد اسے ہلکا سمجھتے ہوئے، اس کا انکار کرتے ہوئے اور سے معمولی سمجھتے ہوئے ترک کیا، جبکہ اس کے ہاں عادل یا ظالم بادشاہ بھی تھا تو رب تعالیٰ اس کی شیرازہ بندی نہیں کرے گا۔ اس کے معاملہ میں برکت نہیں ڈالے گا۔ ارے! اس کی کوئی نماز نہیں۔ ارے! اس کی کوئی زکوٰۃ نہیں۔ ارے! اس کا کوئی حج نہیں، ارے! اس کا کوئی روزہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ توبہ کرلے جو توبہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اس پر نظرِ کرم فرماتا ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلان ﷺ نے فرمایا:

''جس نے لگاتار تین بار جمعۃ المبارک کو معمولی سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا، رب تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔''

ایسی وعید فرض کے ترک کرنے پر ہی ہو سکتی ہے۔ اجماع امت اسی پر ہے۔

جمعۃ المبارک کی فضیلت میں بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں جن میں اہلِ عقل کے لیے عبرت ہے۔ وہ بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعۃ المبارک ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی روز ان کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی روز انہیں جنت سے باہر نکالا گیا۔ قیامت روزِ جمعہ کو ہی آئے گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چل کر آؤ۔ اس وقت تم پر وقار اور سکون

طاری ہونا چاہیے۔ دوڑ کر نہ آؤ، جو نماز پالو اسے پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے مکمل کرلو۔"

اس تفصیل سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ شارع حکیم نے ہمارے معاملہ میں اس وقت بھی مشکل پیدا نہیں کی۔ جب مؤذن نماز کے لیے صدا لگا رہا ہوتا ہے، کیونکہ شارع حکیم نے ہمارے دین اور ہماری دنیا کے امور کو محکم فرمایا اور دونوں حالتوں میں ہمیں ہر قسم کی کامیابی اور کامرانی کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی شارع حکیم کی ہم پر رحمت اور شفقت ہے کہ اس نے جمعۃ المبارک کی دو رکعتیں فرض کیں کیونکہ اس وقت مریض، علیل اور ضرورت مند لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے یہ بھی رخصت عنایت فرمائی ہے کہ جو کسی عذر مثلاً دوری وغیرہ کی وجہ سے نماز جمعہ نہ پا سکے وہ نماز ظہر ادا کر لے۔ اس سے یہی امر آشکارا ہوتا ہے کہ اسلامی دین میں آسانی ہے۔ اس میں مشکل نہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ۔ (المائدہ:٦)

ترجمہ: نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کے رکھے تم پر کچھ تنگی بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کردے۔

نماز جمعہ میں یہی حکمت کارفرما ہے۔ اس کی ادائیگی پر مداومت اختیار کرو تاکہ تمہیں رب تعالیٰ کا قرب نصیب ہو سکے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ یھدینا وایاک سواء السبیل۔

جمعۃ المبارک کے خطبہ میں حکمت

اے مسلمان! اللہ رب العزت نے قرآن پاک نازل کیا۔ اس میں حکمت، مواعظ اور دین و دنیا کے ایسے جواہرات موجود ہیں جن کے اوصاف بیان سے باہر ہیں۔ خواہ ہمیں کتنی ہی فصاحت و بلاغت عطا کی گئی ہو۔ شارع حکیم نے نمازِ جمعہ فرض فرمائی۔ اس کی حکمت سے تم آگاہ ہو گئے اب اس روز دیے جانے والے خطبہ کی حکمت بیان کی جاتی ہے تاکہ تمہیں اس کے متعلق علم ہو سکے۔

اس مبارک دن میں اس مبارک ساعت میں لوگ ایک مسجد یا متفرق مساجد میں جمع ہوتے ہیں۔ وہ شہروں کی ساری اطراف سے آتے ہیں۔ تاکہ یہ فریضہ ادا کریں، جیسا کہ پہلے یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ انسان کا میلانِ خیر بنسبت شر کی طرف زیادہ ہوتا ہے، اس کے متعلق اللہ

تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ﴿۲۱﴾

(المعارج: ۱۹ تا ۲۱)

ترجمہ: بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے، جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل۔

شارع حکیم نے نماز جمعۃ سے قبل خطبہ مشروع فرمایا تا کہ مسلمانوں کو ان کے دین و دنیا کے امور کے بارے وعظ و نصیحت ہو سکے۔ کیونکہ وہ اس روز ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ تا کہ ان کے دین و دنیا کے امور درست ہو جائیں اور وہ اہلِ یقین اور اصحابِ یمین میں سے ہو سکیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں سلف صالحین صرف جنت کی بشارت نہیں دیتے تھے، وہ آتشِ جہنم سے صرف ڈراتے نہ تھے، وہ صرف امورِ آخرت کا تذکرہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ نمازیوں کے لیے ہر وہ چیز وضاحت سے بیان کرتے تھے جس میں ان کا کوئی دنیوی یا دین کا فائدہ ہوتا۔ لیکن عصر حاضر کے خطباء منبروں پر طویل خطبے دیتے ہیں، لیکن دل تاثیر سے خالی رہتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور کا خطیب منبر پر کھڑا ہو جاتا اور اس مرض کی وضاحت کرتا جو امت مسلمہ کو لاحق ہوتی اور مؤثر انداز میں اس کا علاج بھی تجویز کرتا، جب جہاد کا معاملہ آتا تو وہ اس اجر و ثواب کی وضاحت کرتا جو شہداء کے نصیب میں ہے۔ جب کسی فتنہ کا سامنا ہوتا تو اس امر کی وضاحت کرتا۔ جس سے شہروں میں امن قائم ہو سکتا۔ وہ انہیں راہِ راست دکھاتا۔ وہ ان کے دین اور دنیا کے امور کی طرف راہ نمائی کرتا، یہی وہ حکمت ہے جو اس خطبہ میں پنہاں ہے۔ یہی اس کے فوائد ہیں، کیا آج ہم ان پر عمل پیرا ہیں؟

نمازِ عیدین میں حکمت

شارع حکیم نے اپنی شریعت مطہرہ نازل کی، اس میں دین اور دنیا کی ان مصلحتوں کا تذکرہ ہے جو کسی دوسری شریعت میں نہیں پائی جاتی، خواہ وہ شریعت آسمانی ہو یا انسان کے وضع کردہ قوانین ہوں، کیونکہ اسلام اپنے علاوہ ہر شرع اور دین کی تکمیل کے لیے آیا ہے۔

ہم نے کسی اور جگہ وضاحت کر دی ہے کہ باجماعت نماز انفرادی نماز پر اس لیے فضیلت رکھتی ہے کیونکہ اس میں اتفاق و اتحاد کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مسلمان ایک امام کے پیچھے شانہ بشانہ

صف باندھے یوں کھڑے ہوتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دے رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شارع حکیم نے دیکھا کہ یہ اجتماع مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کے لیے کافی نہیں تو اس نے نماز جمعہ فرض فرمادی پھر دیکھا کہ یہ اجتماع بھی اس مقصد کے لیے ناکافی ہے تو اس نے نمازِ عیدین مشروع فرمادی تاکہ اتحاد کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہوسکے اور اس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ پہنچ سکے۔

عیدالفطر پڑھنے سے پہلے مسلمان فطرانہ ادا کرتے ہیں یہ مسلمانوں کی الفتِ باہمی کا بہت بڑا سبب ہے ثروت مند شخص غریب کو اس رزق سے عطا کررہا ہوتا ہے جو رب کریم نے اسے عنایت کیا ہوتا ہے اس سے غریب کی ضرورت اور بھوک ختم ہوجاتی ہے اس کے دل کا غم مٹ جاتا ہے وہ اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے تاکہ اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرے، گویا کہ وہ ایک ہی گھر سے آئے ہیں، ان کا باپ ایک ہی ہے اس مبارک دن کو انسان روزوں اور فیاضی کا اجر پاتا ہے وہ غریب کو، فقر، تنگی، فاقہ کے پنجوں سے رستگاری عطا کرتا ہے۔ تم جانتے ہو ناکہ فقر وفاقہ کی ذلت کیا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھے۔

عیدین کی نمازیں مشروع کرنے میں ایک اور حکمت بھی ہے۔ وہ حکمت یہ ہے کہ اس روز مسلمانوں کے دشمن کے لیے ان کی قوت کا اظہار ہوجائے۔ ان کی طاقت اور تسلط کا اظہار ہو جائے۔ اسی لیے مسلمانوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ ایک دروازہ سے داخل ہوں، دوسرے دروازہ سے نکلیں تاکہ ان کی قوت وطاقت دشمن کی نگاہ میں زیادہ سے زیادہ نظر آئے اور وہ مسلمانوں کو باہم متفق اور متحد دیکھیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔ (الحجرات:۱۰)

ترجمہ: بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔

جب تم اس حقیقت سے آگاہ ہوگئے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ دین حق نے فرحت وانبساط میں اقوام کی عیدوں کو روکا نہیں۔ بلکہ انہیں اس طرح برقرار رکھا لیکن ان میں جو چیز دین متین اور آداب کے مخالف تھی۔ اسے عمدہ کردہ یا مکمل کردیا یا اسے بھلائی سے تبدیل کردیا اس کی دلیل یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل اہلِ عرب بھی عیدیں مناتے تھے جس میں سرور وفرحت کا اظہار کرتے تھے۔ یہ دو روز فیروز اور مہرجان تھے۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ انصار ان دو عیدوں کے شعائر ادا کرتے تھے۔ آپ نے ان سے استفسار فرمایا یہ دو روز کون سے

ہیں؟ انہوں نے عرض کی:

"یہ ایسے دو روز ہیں جن میں ہم زمانۂ جاہلیت میں کھیلتے تھے۔"

حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا نعم البدل عید الاضحیٰ اور عید الفطر عنایت فرمائے ہیں۔"

اس تبدیلی میں یہ حکمت پنہاں تھی کہ اگر حضور ﷺ انصار انہی امور پر برقرار رکھتے تو جاہلیت کے شعائر کی تشہیر ہوتی۔ ذرا دیکھو نا یہ کتنی بڑی حکمت ہے، اس میں مسلمانوں کے لیے کتنا بڑا اور عظیم نفع ہے۔

سجدۂ تلاوت کی حکمت

انسان جب بھی کسی حکمِ الٰہی پر عمل پیرا ہوتا ہے یا ان اطاعات کو بجا لاتا ہے جو شارع حکیم کی طرف سے جن کا حکم دیا گیا ہے تو اسے اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہوتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ (العلق:١٩)

ترجمہ: اور سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔

یہ قرب انسان کے لیے دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیوں کے دروازے کھول دیتا ہے، بلاشبہ جس سجدۂ تلاوت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اس میں رب الارباب اور ملک الملوک کے لیے خضوع و خشوع کا اظہار ہے، جو انسان پر مخفی نہیں ہے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی مخفی ہے۔ یہ اس لعین ابلیس کی مخالفت ہے جس کو حق تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم دیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس نے تکبر کیا تو وہ رحمت الٰہی سے دور ہو گیا، وہ ملعونوں میں سے ہو گیا۔ اسی لیے روایت ہے کہ انسان جب سجدہ کرتا ہے تو شیطان کو غیظ و غضب آ لیتا ہے وہ آہ و فغاں کرتا ہے، نوحہ خواں ہوتا ہے، وہ رحمتِ الٰہی دیکھتا ہے جو ان رکوع و سجود کرنے والوں پر نازل ہوتی ہے جو اپنے رب تعالیٰ کا حکم بجا لاتے ہیں، لیکن وہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے اس رحمت سے محروم ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضور فخرِ موجودات ﷺ نے فرمایا:

"جب ابنِ آدم آیتِ سجدہ پڑھتا ہے، وہ سجدہ کرتا ہے تو ابلیس روتے ہوئے اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "ابنِ آدم کو سجدہ کا حکم ملا وہ سجدہ ریز ہو

گیا، اس کے لیے جنت ہے۔ مجھے بھی سجدہ کا حکم دیا گیا، میں نے سجدہ نہ کیا، میرے لیے آگ ہے۔"

اصل بات یہ ہے کہ جب حکیم اس شخص سے کوئی امر بیان کرے جو حکیم نہ ہو اور وہ مبالغہ سے کام نہ لے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امر درست ہے۔ یہ حدیث پاک اس امر کی دلیل ہے کہ ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا ہے جبکہ مطلق امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ نیز یہ کہ اللہ رب العزت نے اس قوم کی مذمت بیان فرمائی ہے جس نے سجدہ ترک کیا۔

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ (الانشقاق: ۲۱)

ترجمہ: اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

انسان واجب ترک کرنے سے ہی مذمت کا مستحق ہوتا ہے، نیز یہ کہ قرآن پاک میں سجدہ کے مقامات منقسم ہیں۔ بعض میں سجدہ کا حکم ہے یہ وجوب کے لیے ہے جیسا کہ سورۃ القمر کے آخر میں ہے۔ بعض میں کفار کا سجدہ کرنے از روئے تکبر انکار کا تذکرہ ہے۔ ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم سجدہ کر کے ان کی مخالفت کریں۔ بعض میں اطاعت گزاروں کے خشوع کا تذکرہ ہے ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی اطاعت کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ۹۰)

ترجمہ: انہیں کے طریقہ کی پیروی کرو۔

نمازِ قصر کی حکمت

شارع حکیم نے سفر میں ہمارے لیے نمازِ قصر مشروع فرمائی، اس میں مسلمانوں کی مصلحت کی حکمت کارفرما ہے۔ کیونکہ جب انسان سفر پر عازم ہوتا ہے تو اسے خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسے سفر کی تکان اور مشقت آلیتی ہے۔ وہ مشغول رہتا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں، سفر میں ہمہ وقت مشقت کا سامنا نہیں ہوتا، ضروری تھا کہ اس حکم میں تفریق کر دی جاتی" ہم انہیں کہتے ہیں "شارع حکیم نے دیکھا کہ سفر میں اکثر مشقت کرنا پڑتی ہے حتیٰ کہ لوگوں نے کہہ دیا: "سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے" انہوں نے یہ بھی کہا: "عذاب سفر کا ایک ٹکڑا ہے" کیونکہ مسافر سفر میں ان تکالیف کو جھیلتا ہے۔ حضر میں ان میں کچھ بھی برداشت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ

خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۝

(النساء: ۱۰۱)

ترجمہ: اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں، اگر ڈرو تم اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر، بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت یعلی بن امیہ نے فرمایا:

''میں نے حضرت عمر فاروق سے پوچھا، میں نے کہا:

''اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تمہیں کافر فتنہ میں مبتلا کر دیں گے تو تم نماز میں قصر کر لو تو تم پر کوئی حرج نہیں۔ اب تو لوگ امن میں ہیں۔''

انہوں نے مجھے فرمایا:

''جو تعجب تجھے ہوا ہے، یہ مجھے بھی ہوا تھا۔ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''یہ صدقہ ہے جو تم پر کیا گیا ہے تم اس کا یہ صدقہ قبول کرو۔''

یہ بات بھی تم سے مخفی نہ رہے کہ قصر کرنا سفر میں واجب ہے، خواہ وہ سفر معصیت کے لیے ہو، حتیٰ کہ جب وہ سفر مکمل ہو جائے گا تو مسافر گناہگار ہوگا۔ اس میں یہ حکمت پنہاں ہے کہ اگر مسافر کا سفر معصیت کے لیے ہو، لوگ یہ کہہ رہے ہوں کہ یہ سفر میں قصر کرنا شارع حکیم کی طرف سے بطور رحمت و رأفت ہے تو اسے اس کا ضمیر ملامت کرے گا کہ یہ تو رحمت ہے، شارع حکیم کی حکمت پر اسے عمل پیرا ہونا چاہیے، اس کا دل نرم ہو جائے گا، وہ گناہ کے صدور سے رک جائے گا۔ یہ حکمت بالغہ اس میں کارفرما ہے۔

ذوالحجہ کے آخری ایام میں جب حاجی مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہیں وہ پندرہ روز اقامت کی نیت کرتے ہیں یا کہ ذوالحجہ کے ۱۰ روز سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہیں اور اقامت کی نیت کر لیتے ہیں یہ درست نہیں کیونکہ انہوں نے لازماً عرفات کی طرف جانا ہے اس لیے پندرہ روز اقامت کی نیت درست نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ بن ابان نے یہ مسئلہ اس طرح سمجھا، وہ حدیث پاک کی جستجو میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ ذوالحجہ کے پہلے دس ایام میں مکہ مکرمہ میں

داخل ہوا۔ میں نے ایک ماہ اقامت کی نیت کر لی۔ میں پوری نماز پڑھنے لگا، مجھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں میں سے ایک شخص ملا۔ اس نے مجھے کہا:

''تم نے غلطی کی ہے، تم منیٰ بھی جاؤ گے۔''

میں اس مسئلہ کو جان گیا۔ جب میں منیٰ سے واپس آیا تو میرے اس ساتھی نے عازم سفر ہونے کا ارادہ کیا۔ میں نے بھی اس کی رفاقت اختیار کرنے کا عزم کر لیا۔ میں قصر نمازیں پڑھنے لگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار نے مجھے کہا:

''تم نے غلطی کی ہے، تم تو مقیم ہو، جب تک تم اس شہر سے باہر نہیں نکلو گے تم مسافر نہ بنو گے۔''

میں نے کہا:

''میں نے دو بار ایک ہی مسئلہ میں غلطی کی ہے۔''

مَیں امام محمد علیہ الرحمۃ کی مجلس میں گیا اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔

سفر میں دو رکعتوں پر اکتفا کی حکمت

خوب جان لو کہ جب حضور اکرم ﷺ پر نماز فرض کی گئی تو آپ مکہ مکرمہ میں ہی تھے۔ ابھی تک مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ جب آپ ہجرت فرما ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو دو رکعتوں کو چار چار بنا دیا گیا۔ چار رکعتوں میں ہی قصر کرنے کا حکم ہے، تین یا دو رکعتوں میں قصر کا حکم نہیں ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چار دو حصوں میں منقسم ہو سکتا ہے، چار رکعتیں قصر میں دو بن جاتی ہیں، تین رکعتیں تو پوری طرح تقسیم ہی نہیں ہو سکتیں۔ یہ روایت ہے کہ نماز مغرب دن کے وتر ہیں، کیونکہ یہ دن گزرنے کے فوراً بعد ادا کیے جاتے ہیں، اگرچہ اس وقت رات ہوتی ہے، اگر انہیں تقسیم کر دیا جاتا تو یہ وتر سے نکل جاتیں۔ اس مقصد کے لیے انہیں فرض کیا گیا ہے۔ ان کا نصف ممکن ہی نہیں۔ اگر انہیں اندازہ پر تقسیم کیا جاتا تو پھر بھی یہ وتر کی حد سے نکل جاتیں۔ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''نماز دو دو رکعتیں فرض کی گئی، سفر میں اسی نماز کو برقرار رکھا گیا، لیکن حضر میں اضافہ کر دیا گیا۔''

اس سے یہ امر بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز قصر کرنا حکمی ہے حقیقی نہیں ہے، حضرت ابن

عباس ﷠ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی مکرم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے مقیم پر چار اور مسافر پر دو رکعتیں فرض کیں۔ نماز صبح کی دو رکعتیں ہیں، یہ قصر کے حکم میں شامل نہیں کیونکہ اس کو نصف کرنا اسے مکمل ختم کر دے گا۔ نیز شریعتِ مطہرہ میں صرف ایک رکعت ادا کرنے کا حکم نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ شاذ بن جاتا ہے اور شارع شاذ کا اعتبار نہیں کرتا۔ دو رکعتوں یا تین رکعتوں کو چھوڑ کر چار رکعتوں میں قصر کرنے کا حکم اسی لیے دیا گیا نیز قصر حکمی ہے حقیقی نہیں ہے۔

نمازِ خوف کی حکمت

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ جب انسان نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، وہ رکوع کناں اور سجدہ ریز ہوتا ہے تو وہ اس وقت اپنے رب کے قریب ترین ہوتا ہے۔ مطلوبہ شرائط سے نماز کی ادئیگی دل میں اطمینان اور ثبات پیدا کرتی ہے، کیونکہ انسان اس ذات والا کے قریب ہوتا ہے مصائب میں سارا بھروسہ اور توکل اسی پر ہوتا ہے اسے تقویت مل سکے اور اسے اپنی پناہ بنا سکے، تاکہ وہ نقصانات سے بچ سکے۔ نماز کو اس کے اوقات میں ادا کرنے سے بڑھ کر نفع رساں اور فائدہ بخش اور کوئی چیز نہیں۔ وہ اس خوف کی وجہ سے نماز ترک نہیں کرتا، تاکہ انسان اس رب تعالیٰ کے قریب ہو جائے جس کے پاس قدرت اور طاقت ہے کہ وہ اسے بچا لے۔ اس کی حفاظت کرے وہ اسے غیر متوقع دشمن سے نجات دے۔ خواہ وہ کتنا ہی مضبوط اور قوی ہو۔ وہ ذات والا اپنے لشکروں میں سے کسی لشکر کے ساتھ اس کا گھیراؤ کر لے حتیٰ کہ وہ امن کی جگہ پر پہنچ جائے۔ اس حالت میں گویا کہ انسان اپنے رکوع اور سجود کی حرکت کی زبان سے ملتجی ہوتا ہے:

> ”مولا! تیری نظرِ عنایت کے علاوہ میرا اور کوئی مددگار نہیں، پروردگار اپنی قوت کے ساتھ میری مدد فرما۔ مجھے دشمن کے شر سے محفوظ فرما۔ اور اس عظیم مصیبت سے رستگاری عطا فرما۔“

بلاشبہ نماز اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ ایمان ستونوں میں سے ایک ستون ہے شارع حکیم نے ایسے اوقات میں بھی اسے ادا کرنے پر سختی فرمائی اور انسان سے اسے ساقط نہ فرمایا، گویا کہ رب تعالیٰ انسان سے کہتا ہے:

> ”اے بندے! جب تو نے وہ فرائض ادا کر دیے جو میں نے تجھ پر فرض کیے ہیں تو تو میرے قریب ہو جائے گا اور میرے ذکر سے تو مطمئن ہو جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں دشمن کے شر سے محفوظ رکھے اور اپنے احسان اور کرم کی وجہ سے سارے مصائب ختم فرما دے۔

مریض کی نماز کی حکمت

خوب جان لو کہ نماز اس ستون کی مانند ہے جو خیمہ کے وسط میں ایستادہ ہو جب کوئی اسے نکال دے تو خیمہ فوراً نیچے گر پڑے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمہ وقت اور ہمہ حالات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، خواہ وہ حالت ایسی ہو جس میں انسان کا دل مضطرب ہو، اسے اچانک کسی طاقت ور دشمن کا سامنا ہو یا مریض کی مانند کمزور و ناتواں ہو۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کر دے:

"دین اسلام میں آسانی ہے تنگی نہیں ہے۔ مرض کی حالت میں اس ذات نے ہمیں نماز کا مکلف کیوں بنا دیا ہے، یہ درد، اضطراب اور کمزوری کی حالت ہوتی ہے۔"

ہم ایسے معترض سے کہتے ہیں: شارع حکیم جانتا ہے کہ نماز ہمیشہ بندے کو اپنے مولا کے قریب کر دیتی ہے، اس کا قرب انسان کو نظر عنایت کا مرکز بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مریض کو بھی نماز کی ادائیگی کا مکلف بنایا اس سے ساقط نہ کی کیونکہ اس کا فائدہ مریض کو ہی ہوتا ہے، اس کے لیے قرب اور وصال کا رستہ آسان کر دیا، حتیٰ کہ وہ اس کے رستے میں کسی تھکاوٹ یا تنگی کو محسوس نہیں کرتا۔ اس ذات نے اسے حکم دیا ہے کہ اگر اس کے لیے قیام ممکن ہو تو وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لے، ورنہ بیٹھ کر یہ فریضہ ادا کر لے، اگر یہ بھی مشکل ہو تو اشارے سے ادا کرے، اگر وہ بولنے پر قادر نہ ہو تو ہونٹ ہلا دینا ہی کافی ہو جائے گا۔

اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ جب مریض کی موت قریب آ چکی ہو اور وہ اپنی آخری نماز ادا کر لے تو رب تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا، اس طرح وہ اپنے رب تعالیٰ سے پاک و صاف حالت میں ملاقات کرے گا۔ اسے مغفرت کا مژدہ سنایا جائے گا۔ رضا سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوگی، حور عین کے ساتھ اسے نعمتوں اور احسان کا ابدی ٹھکانہ نصیب ہوگا۔ ورنہ رب تعالیٰ اسے جلد شفایاب فرما دے گا۔ وہ مرض کی تلخی بھی نہ چکھے گا۔ مریض کی نماز میں یہی حکمت بالغہ مخفی ہے، اسے خوب جان لو، اس پر عمل کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور ذاتِ

خداوندی کا قرب نصیب ہو سکے۔

نمازِ استسقاء کی حکمت

جب انسان پر حوادث نازل ہوتے ہیں، مصائب اس کا گھیراؤ کر لیتے ہیں، ممکن ہے بعض مصائب کو تو وہ خود سے دور کر سکے، بعض مصائب ایسے ہوتے ہیں جو کسی طرح بھی دور نہیں ہو سکتے، خواہ وہ جن وانس اور ہر طاقت ور اور قوت آور سے مدد طلب کر لے۔

ان حوادثات اور مصائب میں سے ایک وہ قحط سالی بھی ہے جو بارش کے رک جانے سے طاری ہوتی ہے۔ پانی کائنات میں ہر ذی روح کی زندگی کا سبب ہے اسی سے ہی زمین ہمارے لیے گوناگوں اور مختلف قسم کے پھل پیدا کرتی ہے۔ ہماری دیگر ان گنت فوائد اور معاشی ضروریات کے برعکس پانی کا مقام جداگانہ ہے۔ جب پانی رب تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے تو پھر اس کا نہ ملنا بھی عظیم مصائب میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر قوی اس کے سامنے کمزور پڑ جاتا ہے، کیونکہ وہ ذات تو ہر چیز پر قادر ہے، جب انسان کسی مصیبت میں گرا ہو اور اسے وہ ذات بھی مل جائے جو اسے اس مصیبت سے نجات دلا سکتی ہو تو بلاشبہ اس نے سامنے خضوع وخشوع کرنا اس کا سب سے عظیم مقصد بن جائے گا۔ اگر وہ مال مانگے گا تو انسان اپنا سارا مال اس کے سامنے رکھ دے گا، ایسی حالت میں رب تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع کرنا کیسا ہے، جبکہ وہ کسی اجر کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔ اسی لیے شارع حیکم نے نماز استسقاء مشروع فرمائی تاکہ انسان اس کی رحمت طلب کرے اور اس بارش کے نازل کرنے کی التجا کرے، جو نفوس کی زندگی ہے، لوگ شہر سے باہر وسیع اور کشادہ جگہ کی طرف نکلتے ہیں وہ آہ وزاری کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں تاکہ رب تعالیٰ ابرِ کرم فرما دے، مستحب یہ ہے کہ بچے، بوڑھے اور چوپائے سارے باہر نکلیں تاکہ خضوع میں اضافہ ہو سکے اور رحمت الٰہیہ جلد دستگیری فرمائے۔ حضور نبیِ رحمت ﷺ نے فرمایا: اگر خشوع کرنے والے جوان نہ ہوتے، چرنے والے جانور نہ ہوتے، رکوع کرنے والے بزرگ نہ ہوتے اور شیر خوار بچے نہ ہوتے تو تم پر فوراً عذاب نازل کر دیا جاتا۔" مزید فرمایا: "تمہیں تمہارے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔"

نماز استسقاء قرآن مجید سے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۖ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝

(نوح: ۱۰، ۱۱)

ترجمہ: میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش۔

استغفار سے مراد نماز ہے۔ یہ لگاتار تین روز تک ادا کی جاتی ہے، یہ دو رکعتوں پر مشتمل ہے۔

روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا، اس نے عرض کی:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! زمین قحط سالی کا شکار ہو چکی ہے۔ مویشی ہلاک ہو گئے ہیں، ہمارے لیے ابرِ رحمت کی دعا کریں۔''

حضور ﷺ نے اپنے دستِ اقدس آسمان کی طرف بلند فرما دیے اور دعا فرمائی، ابھی تک آپ نے دست اقدس چہرۂ انور پر نہیں پھیرے تھے کہ آسمان سے بارش نازل ہونے لگی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اگر جناب ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ان کا یہ شعر مراد لے رہے ہیں:

أبیض یُستقی الغمامُ بِوَجْهِهٖ ثمال الیتامٰی و عصمۃ للأرامل

ترجمہ: ان کی رنگت سفید ہے ان کے چہرۂ انور کے طفیل بارش مانگی جاتی ہے، وہ یتیموں کا ملجا و ماویٰ ہیں اور بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔''

بعض روایات میں ہے، وہ اعرابی کھڑا ہوا، اس نے یہ شعر پڑھا:

اتیناك والعذراء یدمی لبابھا وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ترجمہ: ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، دوشیزہ کی گردن خون ریز ہے، بچے کی ماں شدت پیاس سے اپنے بچے سے غافل ہو گئی ہے۔

لیس لنا الا الیك فرارنا ولیس فرار النّاس الا الی الرسل

ترجمہ: ہمارا ملجا اور ماویٰ آپ کی ذات والا ہی ہے۔ لوگوں کی پناہ گناہ انبیائے کرام علیہم السلام ہی تو ہوتے ہیں۔

یہ درد انگیز اشعار سن کر حضور اکرم ﷺ رونے لگے۔ آپ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر آسمان کی طرف دستِ اقدس بلند فرما دیے، یہ التجا کی:

''مولا! ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو ہماری مددگار ہو جو شیریں اور پاک ہو جو نفع رساں ہو، نقصان دہ نہ ہو جو جلد آئے دیر سے نہ آئے۔''

ابھی تک آپ نے اپنے دست اقدس سینے سے نہیں لگائے تھے کہ آسمان سے سحاب رحمت نازل ہونے لگا۔ اہلِ شہر چیختے ہوئے حاضر ہوئے:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم غرق ہو گئے، ہم غرق ہو گئے۔''

حضور ﷺ مسکرانے لگے، حتیٰ کہ دندانِ مبارک نظر آنے لگے۔ عرض کی:

''مولا! ہمارے اردگرد بارش نازل فرما۔ ہم پر نازل نہ فرما۔''

بادل فوراً پھٹ گیا، اس نے ہار کی طرح مدینہ طیبہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر آج جنابِ ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں، ان کا شعر مجھے کون سنائے گا۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ شعر پڑھا جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔

چاند گرہن اور سورج گرہن کی نماز

نمازِ خوف میں حکمت یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا ہے تاکہ وہ نمازی سے وہ چیز دور کر دے جس سے وہ ڈر رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں:

''چاند گرہن اور سورج گرہن اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں سے دو آیتیں ہیں جن سے وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اس حالت میں انسان کے لیے سنت ہے کہ وہ نماز پڑھے تاکہ اس ذات کے لیے اس کے خشوع و خضوع کا اظہار ہو جائے جس کے دستِ تصرف میں سارا نظام ہے، اگر وہ سورج اور چاند کی حرکت ان کے برج میں روک دے، ان کی حرکت معطل ہو جائے، یا اس گردش کے مخالف گردش ہو جائے جس نظام کے ہم عادی ہیں تو پھر کتنے خطرات اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انسان ہلاک ہو جائے گا، یا کم از کم اس کی معیشت کا نظام ضرور درہم برہم ہو جائے گا۔ ہمارے حیوانات اور نباتات کی بڑھنے کی قوت ان دونوں ستاروں کی وجہ سے ہے جیسا کہ سائنس دانوں نے یہ تسلیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کائنات کے نظام کو درہم برہم کرنے پر قادر ہے وہ جب چاہے ہمیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے، وہ آنکھ جھپکنے کی دیر سے پہلے یہ کر سکتا ہے۔

جب انسان چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقت نماز ادا کرتا ہے تو وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتا ہے کہ وہ اسے ناپسندیدہ امر سے بچا لے۔ اس سے ہر قسم کا نقصان دور کر دے، وہ اس ذات کے لیے خشوع وخضوع کا انحصار کرتا ہے، وہ اپنے اس یقین کا اعلان کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں سورج گرہن لگ گیا، حضور ﷺ نے فرمایا:

"سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم اس طرح کی کوئی چیز ملاحظہ کرو تو رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرو، تسبیح وتکبیر کہو حتیٰ کہ وہ ختم ہو جائے۔"

ابو مسعود انصاری کی روایت میں ہے:

"جب تم اسے دیکھو تو اٹھو اور نماز پڑھو۔"

سورج گرہن کا سبب یہ ہوتا ہے کہ چاند سورج اور زمین کے درمیان آجاتا ہے تو سورج کی شعاعیں اور روشنی روئے زمین پر نہیں آسکتی، کبھی سورج گرہن جزوی اور کبھی کلی ہوتا ہے۔ چاند گرہن کا سبب یہ ہوتا ہے کہ زمین چاند اور سورج کے درمیان آجاتی ہے۔ سورج کی روشنی چاند تک نہیں پہنچ سکتی، کبھی چاند گرہن کلی اور کبھی جزوی ہوتا ہے۔

ہم اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں تاکہ تم اس رب تعالیٰ قوت کاملہ سے کچھ آگاہ ہوسکو جو اس کائنات کو اپنی حکمت کے مطابق چلا رہا ہے۔ سورج زمین سے ایک ملین اور تین سو ہزار گنا بڑا ہے۔ یہ چوتھے آسمان پر ہے اسی لیے اس کا وجود چھوٹا نظر آتا ہے۔ دوری کی وجہ سے چاند کی مانند نظر آتا ہے۔ اس کی روشنی ایک سیکنڈ میں 85000 فرسخ طے کرتی ہے۔ یہ روشنی ہم تک آٹھ منٹوں اور ۱۸ سیکنڈوں میں پہنچتی ہے۔ اس طرح سورج کی زمین سے دوری تقریباً 38 ملین فرسخ ہے۔ چاند ہمارے لیے رات کو چمکتا ہے، اس کی روشنی اس پر پڑنے والی سورج کی روشنی کا انعکاس ہوتا ہے۔ یہ زمین سے ۴۹ گنا چھوٹا ہے۔ یہ سورج سے ۴۰۰ گنا ہمارے قریب ہے۔ یہ ہم سے ۹۵۰۰۰ فرسخ دور ہے۔ یہ پہلے آسمان میں ہے، اسی لیے اس کا وجود سورج کے وجود کی مانند نظر آتا ہے، حالانکہ یہ جسامت میں اس سے چھوٹا ہے، ذرا اس قدرت الٰہیہ کا مشاہدہ تو کرو جو کائنات کا نظام پوری طرح چلا رہی ہے۔

حیض کے وقت عورت سے نماز ساقط ہو جانے میں حکمت

تم پہلے نماز میں طہارت کی حکمت سے آشنا ہو چکے ہو اسی وجہ سے عورت سے اس کی ماہواری کے ایام میں ساقط کر دی جاتی ہے کیونکہ اس مدت میں اس سے حیض کا خون منقطع نہیں ہوتا۔ یہ مدت تین ایام اور دس ایام کے مابین ہے، حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ اس حالت میں عورت یہ فریضہ ادا نہیں کر سکتی کیونکہ اس حالت میں طہارت حاصل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ ماہواری کے ایام میں عورت سے نماز ساقط کرنے میں دو حکمتیں ہیں۔

1. ان ایام میں اس کے لیے طہارت حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔
2. عورت پر شفقت کرتے ہوئے۔ اگر عورت ماہواری کے ایام اور خون رکنے کے بعد نماز میں قضا کرتی تو اسے بہت سی نمازیں قضا کرنا پڑتیں۔ ان میں اس کا بہت سا وقت لگ جاتا اور دیگر مصلحتیں معطل ہو جاتیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اگر حقیقت یہی ہے جو تم نے ذکر کی ہے تو پھر اس عورت سے روزے کیوں نہیں ساقط کیے جاتے، کیونکہ ہم پاتے ہیں کہ شارع حکیم نے ایسی عورت کو زمانہ طہر میں روزے قضاء کرنے کا حکم دیا ہے، ہم اسے یہ جواب دیتے ہیں ''رمضان المبارک پورے سال میں ایک ماہ ہوتا ہے، عورت کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ ان روزوں کو قضا کر لے جو ماہواری کے ایام میں رہ جاتے ہیں، ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے، وہ یہ کہ وہ عورت روزہ کے ان عظیم فوائد سے محروم نہ ہو جائے۔ جن کا تذکرہ ہم کسی اور جگہ کریں۔ یہ حکمت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام آسان دین ہے یہ لوگوں پر ان کا معاملہ تنگ نہیں کرتا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج:۷۸)

ترجمہ: اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی۔

نماز تراویح کی حکمت

نمازِ تراویح میں بہت بڑی حکمت کارفرما ہے۔ اگر دیگر ادیان کے لوگ اس سے آگاہ ہو جائیں تو اس دین کی تعریف میں رطب اللسان ہو جائیں اور اس کی بلند تعلیمات دیکھ کر حیران رہ

جائیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی حکمت کے اسرار جاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ تم جانتے ہو کہ روزہ دار سارا دن غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور دیگر مفطرات سے رکا رہتا ہے۔ جب روزہ کھولنے کا وقت آتا ہے، تو وہ ساری لذیذ اور مزے دار اشیاء کھانے لگتا ہے، جن سے اس سے قبل اسے روک دیا گیا تھا، جب وہ کھانا کھالیتا ہے تو اس کے جسم میں کمزوری اور ناتوانی آجاتی ہے۔ وہ حرکت بھی نہیں کرسکتا، اکثر روزہ داروں میں یہ معاملہ دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ نمازِ عشاء تک اسی حالت پر رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ نمازِ تراویح پڑھتا ہے، وہ اس میں رکوع، سجود، قیام اور قعود کرتا ہے۔ جب وہ اس نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کی ساری سستی اور کمزوری ختم ہوگئی ہوتی ہے، اسی لیے شارع حکیم نے نمازِ تراویح کو سنت قرار دیا۔

اہلِ مغرب میں سے بہت سے ڈاکٹرز کہتے ہیں:

''بہت سے مسلمان روزہ دار جب عشاء کے بعد نمازِ تراویح پڑھتے ہیں تو ان کے بہت سے امراض ختم ہوجاتے ہیں۔''

مسٹر ادوار لینی نے کیا خوبصورت بات کی ہے، وہ کہتے ہیں:

''ایک دن مجھے بہت بڑے تاجر کے گھر افطاری کا کھانا کھانے کی دعوت دی گئی، میں نے دیکھا کہ اکثر مسلمان بہت سا کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سارے عنقریب معدہ کے مرض میں مبتلا ہوجائیں گے، پھر نمازِ عشا کا وقت ہوگیا، پھر وہ نمازِ تراویح پڑھنے لگے، مجھے یقین ہوگیا کہ یہ حرکات ان میں قوت ونشاط پیدا کردیں گی، ان کے امراض ختم ہوجائیں گے، مجھے یقین ہوگیا کہ دین اسلام کی شریعت مطہرہ حکمت پر مبنی ہے۔''

جس ذات نے مسلمانوں کو نمازِ تراویح کی اس مشہور تعداد پر جمع کیا، وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے، سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی موافقت کی۔ پھر حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے زمانہ میں اسی پر عمل ہوتا رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا:

''تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نمازِ تراویح کی رکعتوں میں اضافہ کردیا۔ انہوں نے اسے چھتیس رکعتیں بنادیا۔ اس زیادتی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں اہل مکہ جتنا اجر وثواب ملے کیونکہ وہ ہر چار رکعتوں کے بعد بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہر طواف کے

بدلہ میں چار رکعتیں پڑھتے تھے تا کہ انہیں اہلِ مکہ کے برابر اجر وثواب ملے۔ رضی اللہ عنہم

صلوٰۃ وسطیٰ کو مخفی رکھنے میں حکمت

ارشادِ ربانی ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

(سورۃ البقرہ:۲۳۸)

ترجمہ: پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور کھڑے رہا کرو اللہ کے لیے عاجزی کرتے ہوئے۔

جب تم اس آیت طیبہ میں غور وفکر کرو گے تو تم جان لو گے کہ رب تعالیٰ نے واضح طور پر بیان نہیں کیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے۔ اس میں وہ حکمت بالغہ کارفرما ہے جو انسان کے لیے اس کی دنیا اور آخرت میں مفید ہے جب انسان بصیرت کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس آیت میں صلوٰۃ الوسطیٰ کو واضح کیوں نہیں کیا گیا تو وہ پانچ وقت کی نمازوں پر مداومت اختیار کرتا ہے اور ان میں سستی نہیں کرتا، بلاشبہ اس مداومت کی وجہ سے اس نمازی کو بہت زیادہ فائدہ اور اجر وثواب ملتا ہے لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے تا کہ انسان اس عظیم رات کو پورا ماہ تلاش کرے۔ اس شخص کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جو یہ کہتا ہے کہ لیلۃ القدر صرف ایک دفعہ ہی آئی تھی پھر ختم ہوگئی۔ یہ لوٹ کر نہیں آئی اس طرح رب تعالیٰ نے جمعۃ المبارک کے دن میں اجابت کی گھڑی کو مخفی رکھا۔ تا کہ انسان اس مبارک دن کی ساری ساعات میں جدوجہد کرے۔ اسی طرح اس نے اپنے اسماءِ حسنیٰ میں سے اسم اعظم کو مخفی رکھا تا کہ انسان اس کے سارے مبارک ناموں کو یاد کرے اور ان کی تلاوت کرے۔ اسی طرح اس نے موت کا وقت مخفی رکھا تا کہ انسان ہمہ وقت توبہ واستغفار کرتا رہے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے صلوٰۃ الوسطیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا، ''ساری نمازیں ادا کرو تم صلوٰۃ الوسطیٰ پالو گے'' ایک شخص نے حضرت ربیع بن خثیم سے اس نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''چچازاد! صلوٰۃ الوسطیٰ ان نمازوں میں ہی ہے سب کی حفاظت کرو تم صلوٰۃ وسطیٰ پالو گے۔'' پھر انہوں نے فرمایا: ''اگر تو صلوٰۃ الوسطیٰ کو جان لیتا تو صرف اسے ادا کرتا دیگر نمازوں کو ضائع کر دیتا۔ سائل نے عرض

کی: ''نہیں'' حضرت ربیع نے کہا: ''اگر تم نے ساری نمازیں ادا کیں تو تم نے صلوٰۃ الوسطیٰ بھی ادا کر لی۔''

صلوٰۃ الوسطیٰ کس نماز کو کہا گیا ہے؟ اس میں علماءِ کرام کا اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد نمازِ عصر ہے، حضرات علی المرتضیٰ، ابن مسعود، ابن عباس، ابو ہریرہ، نخعی، قتادہ، اور ضحاک رضی اللہ عنہم سے یہی روایت ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''ہم حضورِ اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں میں اس طرح پڑھتے تھے۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام حضرت عبد اللہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لیے مصحف لکھوں۔ انہوں نے مجھے فرمایا: ''جب میں آیت الصلاۃ'' تک پہنچوں تو انہیں آگاہ کروں۔ میں نے اس آیت طیبہ پر پہنچ کر انہیں بتایا تو انہوں نے یہ آیت طیبہ مجھے اس طرح لکھوائی:

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝ (البقرۃ: ۲۳۸)

محمد بن طلحہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: مشرکین نے حضور ﷺ کو نمازِ عصر سے روکے رکھا حتیٰ کہ سورج زرد یا سرخ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہوں نے ہمیں صلاۃ الوسطیٰ سے روک دیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہمیں صلوٰۃ الوسطیٰ سے روکا ہے۔''

حضرت عبیدہ سلمانی نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا: ''امیر المومنین! صلوٰۃ وسطیٰ کیا ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''ہم اسے نمازِ صبح سمجھتے تھے، اسی اثناء میں کہ ہم اہل خیبر کے ساتھ معرکہ آزما تھے انہوں نے ہمیں نمازِ عصر پڑھنے سے روک دیا غروب آفتاب سے قبل حضور ﷺ نے فرمایا: ''مولا! اس قوم کے پیٹ یا دل آگ سے بھر دے جنہوں نے ہمیں صلوٰۃ الوسطیٰ پڑھنے سے روک رکھا۔'' اس روز ہمیں معلوم ہوا کہ نمازِ عصر صلوٰۃ الوسطیٰ ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صلوٰۃ الوسطیٰ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''ہم نے بھی اس میں اسی طرح اختلاف کیا جس طرح تم نے اختلاف کیا ہے۔ ہم حضور ﷺ کا شانہ اقدس کے پاس تھے۔ ہم ایک صالح شخص، حضرت ابو ہاشم بن ربیعہ تھے۔ انہوں نے کہا: ''میں ابھی تمہیں اس کے متعلق بتاتا ہوں۔ انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی اور کاشانہ اقدس میں حاضر ہو گئے پھر باہر نکلے تو کہا: ''آپ ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے۔'' حضرت

ابراہیم بن زید الاشقی سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''میں عبدالعزیز بن مروان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: ''فلاں! فلاں کے پاس جاؤ۔ اسے کہو کہ تم نے صلوۃ الوسطی کے بارے حضور ﷺ سے کیا سنا ہے؟ اس بیٹھے ہوئے شخص نے کہا: ''میں بچہ تھا، مجھے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھیجا تاکہ میں آپ سے نماز وسطی کے متعلق پوچھوں۔ آپ نے اپنے مبارک انگلی بند کی فرمایا: ''یہ نماز فجر ہے۔'' پھر اس سے اگلی انگشت مبارک بند کی تو فرمایا: ''یہ نماز ظہر ہے۔'' پھر انگوٹھا بند کیا تو فرمایا: ''یہ نماز مغرب ہے۔'' پھر اس کے ساتھ والی انگلی بند کی تو فرمایا: ''یہ نماز عشاء ہے۔'' پھر فرمایا: ''کون سی انگلی باقی رہ گئی ہے۔'' میں نے عرض کی: ''وسطی'' آپ نے فرمایا: ''کون سی نماز باقی رہ گئی ہے؟ میں نے عرض کی: ''عصر'' آپ نے فرمایا: ''صلوۃ الوسطی یہی (نماز عصر) ہے۔''

نماز جنازہ کی حکمت

نماز جنازہ میں کئی حکمتیں کارفرما ہیں:

۱- جب انسان مرجاتا ہے۔ اس کی روح رب تعالیٰ کی طرف چلی جاتی ہے زندگی میں اس نے جو اچھا یا برا عمل کیا ہوتا ہے اس کا حساب ہونے لگتا ہے، انسان پر گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے، صرف پاکیزہ اعمال ہی اس کی سفارش کرتے ہیں، اوقات ختم ہو جاتے ہیں، معاملہ حیطۂ امکان سے نکل جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ رب تعالیٰ کی رحمت دستگیری فرمائے۔ مسلمان کھڑے ہوتے ہیں، وہ رب تعالیٰ کی دعا مانگتے ہیں کہ وہ مردے پر رحم کرے۔ اس کی مغفرت کر کے اس پر احسان کرے، اس کے ساتھ احسان کے ساتھ معاملہ کرے۔

۲- مسلمانوں کا یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی کے لیے بھی پسند نہیں کرتے کہ اسے کسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ جہنم کے عذاب سے بڑھ کر اذیت ناک عذاب کون سا ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے زیادہ تکلیف اور کیا ہوسکتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ان کے مؤمن بھائی سے عفو و درگزر سے کام لے۔ اسی لیے غیر مسلم کی نماز جنازہ جائز نہیں۔

روایت ہے کہ ابن ابی بیمار ہوگیا۔ اس نے حضور شفیع المذنبین ﷺ کی طرف پیغام بھیجا،

آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے اس کی طرف توجہ فرمائی۔ اس نے التجاء کی کہ آپ اس کے لیے مغفرت طلب کریں اسے اس مبارک قمیص میں دفن کریں جو آپ کے جسدِ اطہر کو مس کو رہی ہے۔ پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں، جب وہ مر گیا۔ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے لگے تو رب تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہو گیا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ (التوبہ: ۸۴)

اور نہ پڑھیے نمازِ جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر، بے شک انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولِ مکرم کے ساتھ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے۔ حضور ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے رک گئے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سر پر اکرام کا تاج سجایا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ (الاسراء: ۷۰)

"اور بے شک ہم نے بڑی عزت بخشی اولادِ آدم کو۔"

اگر ایک مسلمان نے وہ حق ادا نہ کیا جو اس کے مؤمن بھائی کے لیے اس پر فرض تھا تو اس نے ظلم کیا۔ حضور ﷺ سے نماز جنازہ کی یہ دعا روایت ہے:

اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا وذكرنا و انثانا اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام۔ ومن توفيته منا فتوفه على الايمان۔ اللهم ان فلان بن فلان فی ذمتك و حبل جوارك فقه من فتنة القبر وعذاب النار وانت اهل الوفاء و الحق۔ اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم منزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الانس وابدله دارا خيرا من داره واهلا خير من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار۔

اگر کسی عورت کا نماز جنازہ ہو تو پھر آدمی اس طرح نہ کہے: "زوجا خيرا من زوجه"

اگر نمازِ جنازہ کسی بچے کی ہو تو وہ یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعله لنا فرطا۔ اللھم اجعله لنا ذخرا و اجرا و اللھم اجعله لنا شافعا و مشفعاً۔

نمازِ جنازہ میں یہ حکمتیں کارفرما ہیں، اے مسلمان! اپنے مسلمان بھائیوں کی نمازِ جنازہ ادا کرو۔ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

موت کی تعزیت میں حکمت

مرنے والے کے اہل خانہ پر اس وقت بہت بڑی مصیبت نازل ہوتی ہے اس مصیبت کی وجہ سے بڑے بڑے داناؤں کی عقلیں پرواز کر جاتی ہیں، لہٰذا میت کے اہل خانہ کے ساتھ تعزیت کرنے میں ان کے ساتھ ہمدردی کی حکمت پنہاں ہے۔ تم جانتے ہو کہ سوائے موت کے ہر مصیبت آہستہ آہستہ آتی ہے۔ یہ ایک بڑی مصیبت ہے جو فوراً آ جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ مصیبت سے پہلے صبر نازل کرتا ہے اگر صبر نہ ہوتا عقل مبہوت ہو جاتی اور اجسام نڈھال ہو جاتے۔ روایت ہے کہ جو کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کرے اس کے لیے اس کی مثل اجر ہے، آدمی اہل خانہ سے یوں کہے: ''اللہ تعالیٰ تمہارا اجر عظیم کرے، تمہارے صبر کی عمدہ جزاء دے اور تمہارے میت کی بخشش فرمائے'' اگر کسی کو موت کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے تو حسن معاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس وقت کھانے، پینے میں سے کچھ سخاوت کرے۔ اس مشکل وقت میں وہ میت کے اہل خانہ کے لیے کھانا پیش کرے جس میں عقل و دانائی ختم ہو جاتی ہے۔ سوچ و بچار کی صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں لوگ اس مصیبت کی وجہ سے مدہوش نظر آتے ہیں، یہ امور تم بخوبی جانتے ہو۔ وضاحت اور تشریح کی ضرورت نہیں۔ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت سے فرمایا: ''آلِ جعفر کے لیے کھانا تیار کرو۔ ان کے پاس وہ امر آگیا ہے جس نے انہیں مصروف کر دیا ہے۔''

آذان کی حکمت

یہ حکمت تین امور کا مجموعہ ہے:

۱۔ انسان کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مصروف رہتا ہے روزگار کے اسباب میں مشغول رہتا

ہے۔ دنیاوی امور اس پر غالب رہتے ہیں وہ اسے نماز کا وقت بھلا دیتے ہیں۔ اس کی نماز کی جماعت رہ جاتی ہے۔ یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ نماز کا وقت ہی نہ نکل جائے۔ اس کی نماز رہ ہی نہ جائے۔ آذان غافلین کے لیے تنبیہ ہے۔ بھولنے والوں کے لیے ادائے فرض یاد کرانا ہے۔

۲۔ نماز سے انسان کو رب تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ یہ قرب سراپا فلاں ہے۔ آذان خیر وبھلائی کی دعوت ہے تاکہ انسان اس نعمت کبریٰ سے رہ نہ جائے۔ وہ اس فرصت سے فائدہ اٹھائے اور یہ نعمت عظمیٰ حاصل کرے۔

۳۔ یہ غیر مسلموں کے لیے دین حنیف کی عظمت کا اظہار ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل مسلمان چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ جب وہ مشرف باسلام ہوئے تو مسلمانوں نے اعلانیہ نماز پڑھنا شروع کی تاکہ اس کی وجہ مشرکین کو دین اسلام قبول کرنے کی ترغیب ملے۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اسلام کے شعائر کا اظہار کلمۂ توحید کا اظہار نماز کے وقت کے متعلق اور جگہ کے متعلق آگاہ کرنا اور اس جماعت کی طرف دعوت دینا جس میں خیر کثیر ہے یہ آذان کی حکمتیں ہیں۔

اگر تم آذان کے الفاظ میں غور وفکر کرو گے تو تم پاؤ گے کہ یہ عقیدۂ ایمان کی جامع ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی تنزیہ وتعظیم اور اس کی وحدانیت کے اثبات پر مشتمل ہے۔ یہ حضور ﷺ کی رسالت کا بھی اعتراف کرتی ہے اس میں نماز کی طرف دعوت بھی مؤذن گویا کہ کہتا ہے: ''اس نماز کی طرف آؤ جو ہر چیز سے بہتر ہے۔ اس میں عظیم کامیابی اور بڑی خیر ہے۔'' علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آذان ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے پڑھی جائے موذن کی آواز میں شیرینی ہو۔ آذان میں اس طرح تکلف نہ کیا جائے کہ یہ وہ غناء بن جائے جس سے شریعت مطہرۃ نے منع کیا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''میں اللہ تعالیٰ کے لیے آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' انہوں نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کے لیے تم سے بغض رکھتا ہوں کیونکہ تم اپنی آذان میں حد سے زیادہ تجاوز کرتے ہو۔'' یعنی تم آذان دیتے وقت اپنے منہ کو مروڑتے ہو۔ یہ اپنے مفہوم سے نکل جاتی ہے اور اس کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آذان کی کیفیت میں اختلاف ہو گیا۔ کسی نے نماز کے وقت آگ روشن کرنے کا حکم دیا لیکن حضور ﷺ اس پر راضی نہ ہوئے کیونکہ اس طرح مجوسیوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی تھی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ناقوس کا مشورہ دیا لیکن

حضور ﷺ نے یہ بھی ناپسند فرمایا کیونکہ اس طرح عیسائیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جاتی تھی، بعض نے اس وقت سینگ بجانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے اسے بھی ناپسند کیا کیونکہ اس طرح یہود کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی تھی۔ کسی تعیین کے بغیر ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس چلے آئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں آذان کی یہی کیفیت دیکھی۔ اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خواب میں آذان کی یہی کیفیت دیکھی۔ اس وقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بھی آذان کے کلمات لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ جب حضرت عبداللہ بن زید حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''یہ ایک سچا خواب ہے۔'' یہ ایک عظیم معجزہ ہے۔

جعلنا اللہ وایاک ممن یجیبون داعی اللہ لنفوز بالفلاح ونحظی بالنجاح۔

تیمم کی حکمت

اللہ رب العزت نے ہم پر دین میں کوئی تنگی پیدا نہیں کی تاکہ عبادات کو مشقت اور تھکاوٹ کے بغیر ادا کر سکیں اور دل پر قسم کی گندگیوں کی آمیزش سے پاک رہے اور عمل ہر قسم کے اغیار سے خالص رہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ نماز کی ادائیگی کے لیے پانی سے طہارت حاصل کرنا شرط ہے۔ جب پانی دستیاب نہ ہو یا اس کا حصول مشکل ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو ہمارے لیے مٹی کو پانی کا عوض بنا دیا گیا ہے۔ اس میں دو حکمتیں کارفرما ہیں:

۱۔ چہرہ جو سارے اعضاء سے معزز ہے پر مٹی جو سارے اشیاء سے خسیس ہے رکھ کر نفس امارہ کو ذلیل کرنا۔

۲۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت عیاں کرنا کیونکہ تیمم سابقہ شریعتوں میں مشروع نہیں تھا۔ یہ شارع حکیم کی طرف سے ہمارے لیے رخصت ہے۔ تاکہ ہم فریضہ کی ادائیگی کے وقت نفس کو پانی کے حصول کے لیے تھکا نہ دیں۔ حدث اکبر کی موجودگی میں سارے اعضاء کو پانی سے صاف کرنا لازم ہے۔ جبکہ حدث اصغر کی صورت میں بعض اعضاء کو دھونا لازم ہے۔ اگر اس کیفیت میں مٹی کو پانی کے قائم مقام بنایا جاتا تو اس میں مشقت اور صعوبت تھی۔ شارع حکیم نے ہمیں مٹی کے ساتھ مسح کرنے کی رخصت دی۔ تاکہ حرج کو اس جیسی حرج کے ساتھ دور نہ کیا جائے کیونکہ سارے اعضاء کا مٹی کے ساتھ مسح کرنے میں حرج تھی۔ شارع حکیم نے ہمارے لیے تخفیف کی کہ بعض اعضاء کو چھوڑ

کر بعض پر ہی مسح کافی سمجھا گیا۔ اس کی تفصیلات فقہ کی کتب میں مرقوم ہیں۔

اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے کہ دیگر ساری جمادات کو چھوڑ کر صرف مٹی کو ہی پانی کا نائب کیوں بنایا گیا؟ کیونکہ مٹی ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔ نیز اس عنصر سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے کیونکہ تیمم اور کچھ دیگر امور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کی خصوصیات ہیں۔ حضور سید الموجودات ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی ہے۔

۲- میرے لیے (یا میری امت کے لیے) ساری زمین کو مسجد اور طہارت بنا دیا گیا ہے۔ میرے کسی امتی کو جہاں کہیں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے۔

۳- میرے لیے مال غنیمت کو حصول کر دیا گیا ہے۔ مجھ سے قبل کسی نبی کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا۔

۴- مجھے سارے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے حالانکہ پہلے انبیاء کو صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث کیا جاتا تھا۔

۵- مجھے شفاعت عطا کر دی گئی ہے۔''

اگر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم ہر اس چیز سے کرنا جائز ہے جو مٹی کے حکم میں ہو مثلاً پتھر اور ہر وہ چیز جو زمین سے بنائی گئی ہو یا زمین سے ماخوذ ہو۔ یہ لطیف و خبیر رب تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے رخصت ہے۔ روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک سریہ بھیجا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا یہ واقعہ غزوہ ذات السلاسل میں رونما ہوا تھا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس آئے تو انہوں نے اپنے امیر کے بارے چند شکایات بارگاہ رسالت پناہ میں کیں۔ ان میں سے ایک شکایت یہ بھی تھی، انہوں نے کہا: ''انہوں نے حالت جنابت میں ہمیں نماز پڑھائی۔'' جب حضور ﷺ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ ٹھنڈی رات میں مجھے جنابت لاحق ہو گئی۔ اگر میں غسل کرتا تو مجھے ہلاک ہو جانے کا خطرہ تھا۔ مجھے رب تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (النساء: ۲۹)

''اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ (کو) بے شک اللہ تعالیٰ ہے تمہارے ساتھ مہربانی فرمانے والا۔''

میں نے تیمم کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا دی۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم

دیکھتے نہیں کہ تمہارے اس دوست نے اپنے لیے اور تمہارے لیے کس طرح غور وفکر کیا۔" آپ نے نماز کے اعادہ کا حکم نہ دیا۔

تیمم میں نیت شرط ہونے کی حکمت

اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اعمال بجالانے کی توفیق دے۔ خوب جان لو کہ تیمم کی انسان کو حالتِ ضرورت میں ہی ضرورت پڑتی ہے جسے شارع حکیم نے بیان کر دیا ہے۔ اس پر یہ اضافہ کرلو کہ تیمم طہارت حکمیہ ہے۔ یہ حقیقی طہارت نہیں۔ اس لیے اس میں نیت شرط ہے۔ "البدائع" میں ہے: تیمم حقیقی طہارت نہیں ہے۔ اسے حاجت کے وقت طہارت بنایا گیا ہے۔ حاجت کی پہچان نیت سے ہوتی ہے، لیکن وضو کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ طہارت حقیقیہ ہے۔ اس کے لیے نیت شرط نہیں کیونکہ اسم کا ماخذ ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں نیت شرط ہے کیونکہ تیمم کا معنی قصد کرنا ہے۔ نیت قصد ہی ہے۔ نیت کے بغیر مقصد متحقق نہیں ہوتا۔ جبکہ وضوء "الوضاءہ" سے مشتق ہے۔ یہ نیت کے بغیر بھی درست ہے۔"

خفین پر مسح کی حکمت

وہ رخصت جو شارع حکیم نے ہمیں فریضہ ادا کرتے وقت عنایت کی ہے وہ خفین پر مسح ہے۔ یہ از روئے سنت ثابت ہے۔ شارع حکیم نے مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات جبکہ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں مسح کی مدت مقرر فرمائی، کیونکہ مسافر کو سفر کی ان تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مقیم جن سے دو چار نہیں ہوتا۔ اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ اگر ٹانگوں کو اس سے زائد مدت تک نہ دھویا جائے تو ان میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تعفن جسم اور صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس امر میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا "یہ رخصتِ اسقاط ہے یا رخصت ترفیہ" ہے۔ ایک جماعت نے اس رخصت اسقاط پر جبکہ اکثر اصولیین نے اسے "رخصت ترفیہ" پر محمول کیا ہے۔ یہی درست ہے۔

شارع حکیم نے پاؤں کے باطن کو چھوڑ کر اس کے ظاہر پر مسح کرنا مشروع قرار دیا ہے کیونکہ پاؤں کا ظاہری حصہ ہی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ اس کا باطن زمین کے ساتھ رہتا ہے پاؤں کے ظاہری حصہ کا مسح عقل کے موافق بھی ہے، جہاں تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس

فرمان کا تعلق ہے، اگر دین رائے سے ہوتا تو پھر حف کا نچلا حصہ اوپر والے حصہ سے مسح کرنے کا زیادہ مستحق تھا، ان کا صرف یہ ارادہ تھا کہ تیرے لیے عوام الناس کے اس اعتقاد کو پھیر دیں کہ وہ رائے جو صحت کی شروط پر پورا نہیں اترتی وہ بھی دین میں داخل ہے اور ادلہ شرعیۃ میں ان کا بھی اعتبار ہے ہم نے یہ بات اس لیے کی ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دین کے اصول کے معانی اور اسلامی شریعت کی حکمت کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے۔

وہ روایات جو مسح علی الخفین کے ثبوت میں وارد ہیں بہت زیادہ اور کثیر ہیں۔ حتیٰ کہ جو خفین پر مسح کرنے کا اعتقاد نہیں رکھتا وہ بدعتی ہے۔ جو اعتقاد تو رکھتا ہے لیکن خفین پر مسح نہیں کرتا وہ عزیمت پر عمل کرتا ہے۔ اسے اس پر اجر و ثواب ملے گا۔

بعض احکام میں مرد اور عورت کی مساوات اور بعض میں عدم مساوات کی حکمت

انسانی معاشرہ میں بعض امور ایسے ہیں جو مرد کے ساتھ مختص ہیں۔ وہ عورت میں نہیں پائے جاتے، جس طرح بعض امور عورت کے ساتھ خاص ہیں وہ مرد میں نہیں پائے جاتے۔ بعض مسائل میں مرد و خواتین اکٹھے بھی ہیں۔ اسی لیے جب شارع حکیم نے احکام نازل کیے تو اس نے انسانی معاشرہ میں مرد اور عورت کو برابر نہیں رکھا۔ مرد کے خصائص میں سے ہے کہ وہ جہاد کرے۔ زمین آباد کرے۔ ان صنعتوں اور پیشوں کو اپنائے جنہیں اپنانے کی عورت میں طاقت نہیں کیونکہ عورت گھر سے باہر نہیں نکلتی کیونکہ وہ پردہ میں رہتی ہے، پردہ اسے ایسے اعمال سر انجام دینے سے مانع ہے، جس پر اس کائنات کی آبادی کا انحصار ہے۔ اس طرح بعض امور عورت کے ساتھ مختص ہیں وہ مرد میں نہیں پائے جاتے مثلاً گھر کا انتظام و انصرام وغیرہ۔ زندگی کے میدان میں مرد اور عورت کے کردار کو پیش نظر رکھ کر ہی ان دونوں پر احکام شرعیہ لاگو کیے گئے ہیں۔

عبادات بدنیہ اور حدود میں شارع حکیم نے مرد و خواتین کو برابر برابر رکھا ہے کیونکہ عبادات بدنیہ اور عقوبات کی مصلحت مرد و خواتین میں برابر ہے لیکن میراث اور شہادت وغیرہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان امور میں مرد اور عورت برابر نہیں، کیونکہ مرد عقل کے اعتبار سے عورت سے کامل ہے، عورت عقل کے اعتبار سے مرد سے کم تر ہے۔ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف ہے۔ اجتماعی کیفیت میں مرد کا نفع عورت سے زیادہ ہے۔ اخراجات کی جو مشقتیں مرد

برداشت کرتا ہے انہیں عورت برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے میراث میں عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے نصف رکھا گیا ہے۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ عباداتِ بدنیہ میں مرد اور عورت کی برابری اس امر کے منافی نہیں کہ مناسب مقامات پر ان میں تفریق ہو جائے مثلاً عورت پر نماز جمعہ اور باجماعت نماز فرض نہیں کیونکہ عورت باہر نہیں نکلتی۔ شارع حکیم کی جانب سے یہی حکمت کارفرما ہے۔

قبلہ کی سمت منہ کرنے میں حکمت

قبلہ رو ہونے اور مسجد حرم کی طرف رخ پھیرنے میں وہ حکمت پنہاں ہے جس کی حقیقت تک ذہن نہیں پہنچ سکتے۔ قلام اس کی فضیلت اور فوائد تحریر کرنے سے عاجز ہیں۔ ہمیں صرف اتنا علم دیا گیا ہے جس طرح کہ بے کراں سمندر میں سے ایک قطرہ یا ریت کے ٹیلے میں سے ایک ذرہ ہو لیکن یہ امر اس چیز کے مانع نہیں کہ ہم وہ بات کریں جس تک ہمیں رسائی نصیب ہوئی ہے۔ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی حکمت سات فوائد اور حکمتوں پر مبنی ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی سنت زندہ کرنے کے لیے کیونکہ کعبہ معظمہ کی تعمیر انہوں نے ہی کی تھی تاکہ ان کا ذکر مسلمانوں کے دلوں سے محو نہ ہو جائے۔

۲۔ جب انسان اپنا چہرہ قبلہ کی طرف کرتا ہے سارے اعضاء ایک سمت پھیر لیتا ہے دائیں بائیں حرکت نہیں کرتا تو اس سے اس کے دل میں طمانیت اور خشوع پیدا ہوتا ہے۔ اسے ایمان میں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔ وہ رب تعالیٰ کی رحمت کے دروازے سے پھرتا نہیں۔ وہ وساوس اور خیالات اور خواہشات کی وادی میں بھٹکتا نہیں رہتا۔ وہ اپنے دل کی آنکھ سے پھیلتا ہوا نور دیکھتا ہے ارشاد ربانی ہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (الانعام:۷۹)

"بے شک میں نے پھیر لیا اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یک سُو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے۔"

اس مفہوم کے مطابق ایک حدیث پاک بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس کی خواہش، چہرہ اور دل رب تعالیٰ کی طرف ہو جاتا ہے تو وہ گناہوں سے

پاک وصاف ہو کر اس دن کی طرح لوٹتا ہے جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہوتا ہے۔"

۳- یہ بات انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ زمان اور مکان کا تعین کرتا ہے وہ ان میں اپنے روزمرہ کے اعمال سرانجام دیتا ہے اگر یہ تعیین مفقود ہو جائے تو اس کے عمل کا نظام ختم ہو جائے اور اس کے اضطراب اور عدم ثبات کی وجہ سے اس کا روزگار اور معیشت بھی ختم ہو کر رہ جائے۔ اس طرح اگر انسان کی عبادت کے وقت کسی جہت کا تعین نہ ہو تو اس کا دل ایک سمت سے دوسری سمت پھرتا رہتا ہے۔ پھر عبادات میں اخلاص کی نعمت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ اجر وثواب کا مستحق نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ صحیح طرح عبادت نہیں کر پاتا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے قبلہ مقرر کیا تاکہ ہم اس جہت کو جان سکیں جس کی پیروی کرنے سے ہمارا عمل مقبول ہوگا۔ ہمیں اس جہت کو پسند کرنے میں بھی کوئی اختیار نہیں تاکہ ہم اضطراب اور حیرت کا شکار نہ ہو جائیں کیونکہ اشیاء کے اختیار کے وقت انسان عموماً حیرت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۴- زمین کے مشارق و مغارب کے مسلمان قبلہ کی سمت منہ کرتے ہیں کیونکہ اس میں دو جہاں کی سعادتیں ہیں کیونکہ وہ یہ اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ بھائی بھائی ہیں۔ ان کے دل ملے ہوئے ہیں ان کی نیتیں متحد ہیں۔ ان سب نے ایک ہی امر کی طرف توجہ کر رکھی ہے وہ کعبہ مشرفہ ہے، اگر ان کے مقامات ایک دوسرے سے دور ہیں، وہ شرق و غرب میں پھیلے ہوئے ہیں مگر کعبہ معظمہ ان کے اس اتحاد کے دائرہ کا نقطہ ہے جس کے ارد گرد ان کے دل جمع ہوتے ہیں۔ یہ محبت اور الفت رب تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لیے رب تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس نعمت کا احسان جتلایا ہے ارشاد پاک ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ (آل عمران: ۱۰۳)

"اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن۔ پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی۔"

۵- جب انسان اپنی عبودیت میں کسی مخصوص علامت کے ساتھ اخلاص کا اظہار کرنا چاہتا ہے

تو لوگ اسے دیکھتے ہیں کہ وہ کسی مخصوص جگہ پر اس خلوص کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح ایک انسان جب قبلہ کی سمت رخ کرتا ہے تو اس کے اعضاء پرسکون ہو جاتے ہیں۔ دل حاضر ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ انسان اس فرض کو ادا کرتا ہے جس کی ادائیگی کا اسے حکم دیا جاتا ہے وہ معین جگہ پر اپنے اخلاص کا اظہار کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔

۶۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کی صدا لگاتا ہے تو انسان جلدی جلدی قبلہ رو ہو کر حضور اکرم ﷺ کی اطاعت بجا لاتا ہے۔ حضور ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ کعبہ مشرفہ میں ان مبارک شہر میں ہے جہاں سرور کائنات ﷺ پیدا ہوئے۔ اس شہر کی تعظیم کرتے ہوئے مسلمان اپنے چہرے اس کی سمت کر لیتے ہیں کیونکہ یہ جگہ زمین کے مقدس مقامات میں سے ہے۔

۷۔ قبلہ رو ہونے سے مسلمانوں کو وہ محبت بھی یاد آجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کریم ﷺ کے ساتھ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا اور کعبہ معظمہ کی طرف رخ کرنا بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے بہتر ہے تو آپ اپنے نگاہ ناز کو بار بار آسمان کی سمت اٹھانے لگے۔ آپ منتظر رہتے تھے کہ کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ اذن مرحمت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ نعمت عطا فرما دی، اس امر سے عیاں ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ سے کتنی محبت کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ

(البقرۃ: ۱۴۴)

"ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام سے (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنا منہ اس کی طرف۔"

ابتداء میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے میں حکمت یہ تھی کیونکہ ابتدائے اسلام میں عرب خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے۔ ان میں منافق بھی تھے جو اپنے ایمان میں سچے نہ تھے اللہ

تعالیٰ نے چاہا کہ اہل ایمان اور اہل نفاق کی پہچان ہو جائے۔ اس نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ

(البقرہ: ۱۴۳)

''اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں، کہ کون پیروی کرتا ہے (ہمارے) رسول ﷺ کی (اور) کون مڑتا ہے الٹے پاؤں۔ بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر ان پر بھاری نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی۔''

جب اللہ رب العزت نے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو یہ امر اہل عرب پر شاق گزرا، کیونکہ اس مقدس گھر سے پھیر دیا گیا تھا جسے وہ پرانے زمانے سے قابل احترام سمجھتے تھے، رب تعالیٰ نے اس پر رحم فرماتے ہوئے انہیں کعبہ مقدسہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اس رجوع کے وقت ان مسلمانوں نے کہا ایمان جن کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا ''محمد عربی ﷺ کبھی بیت المقدس کی طرف اور کبھی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے معاملہ میں کسی یقینی حالت پر ہوتے تو ان کی رائے اس طرح تبدیل نہ ہوتی۔'' وہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ مشرکین نے کہا: ''انہیں کیا ہے کہ پہلے یہ ایک قبلہ کی طرف منہ کرتے تھے، پھر اسے چھوڑ کر دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنے لگے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (البقرہ: ۱۴۲)

''اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبیلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔ آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

لیکن وہ مسلمان جو اسلام لانے میں سچے تھے، ایمان جن کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ ہمارے وہ بھائی جو انتقال کر چکے ہیں جو پہلے قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے ان کا کیا بنے گا؟ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

(البقرۃ: ۱۴۳)

''اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔''

قبلہ رو ہونے میں یہی حکمتیں اور فوائد ہیں۔

''جعلنا اللّٰہ وایاک من اھل جنتہٖ وقبلتہٖ۔''

عبادات کی مختلف اقسام کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (ابراہیم: ۳۴)

''اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔''

جی ہاں! اگر ہم سمندر کے پانی کو سیاہی بنالیں، درختوں کی شاخوں کو قلمیں بنالیں اور روئے زمین کاغذ بن جائے تو ہم ان نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے جو اس ذاتِ والا نے اپنے بندوں پر فرمائی ہیں کیونکہ عبادت ان گونا گوں نعمتوں کے شکر کو متضمن ہے اس لیے عبادت بھی مختلف اقسام پر مشتمل ہے۔ جب تم نے یہ جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کانوں، آنکھوں اور صحت کی نعمت سے نوازا ہے اس نے تم پر ایک اور نعمت فرمائی کہ تمہیں اپنے عرفان سے نوازا تو تمہیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ روزہ، نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ متفرق عبادات رب تعالیٰ نے تم پر اس لیے فرض کیں ہیں تا کہ شکر بھی مختلف انداز سے ادا ہو سکے جس طرح کہ اس کی نعمتیں کئی اقسام پر مشتمل ہیں۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس طرح نعمتوں کا شکر ادا ہو سکتا ہے کیونکہ نعمتیں تو ان گنت ہیں، عبادات محدود ہیں اس سے ہمیں یہ بھی علم حاصل ہوتا ہے کہ جب ہم دن کے وقت روزے رکھیں۔ رات کے وقت قیام کریں ساری عبادات پورے خشوع وخضوع سے ادا کریں پھر بھی ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکتے خواہ ہماری زندگی کتنی ہی طویل ہو جائے۔ دن کتنے ہی لگا تار اور مسلسل ہوں۔

زکوٰۃ کی حکمت

جان لو کہ زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ہجرت کے دوسرے سال فرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ضرب المثل بیان کرتے ہوئے فرمایا جو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرۃ:۲۶۵)

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اس لیے تاکہ پختہ ہو جائیں ان کے دل ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو، برسا ہو، اس پر زور کا مینہ تو لایا ہو وہ باغ دوگنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ وہ شخص جو اس کی رضا کے حصول کے لیے اس کے رستہ میں خرچ کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کسی بلند جگہ پر اپنا باغ لگائے، وہاں لگاتار بارش برسے وہ ایک سال میں دوبارہ ثمر آور ہو۔ کیونکہ بارش باغ کے پھل لانے کا سبب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس باغ پر اگر لگاتار بارش نہ بھی برسے تو اسے شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے کیونکہ شبنم عموماً بلند مقامات مثلاً ٹیلوں اور پہاڑیوں پر پڑتی ہے۔ جب اس پر شبنم گرتی ہے تو یہ بارش کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ وہ باغ پھل ضرور لاتا ہے خواہ اس پر بارش برسے یا نہ برسے، راہِ خدا میں خرچ کرنے کا معاملہ بھی اسی طرح ہے راہِ خدا میں خرچ کرنے والا اس انفاق کا کئی گنا پھل ضرور چنتا ہے یہ پھل مقدار میں کئی گنا زیادہ ہوتا ہے جب تک بارش یا شبنم پہنچتی رہتی ہے اس کا پھل منقطع نہیں ہوتا یہ نمو اور اضافہ جو اس آیت طیبہ سے سمجھا جا سکتا ہے وہ کئی گنا ثواب اور اس بڑھنے والے مال پر مشتمل ہے جو زکوٰۃ کے سبب سے بڑھتا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو بکریوں کا مالک زکوٰۃ ادا نہیں کرتا روزِ حشر اسے ایک کھلے میدان میں لٹا دیا جائے گا۔ یہ بکریاں اسے اپنے پاؤں سے روندھیں گی۔ اسے اپنے سینگ ماریں گی۔"

حضور سید عالم ﷺ نے ان افراد کے متعلق فرمایا جو بکریوں، اونٹوں، گائے اور گھوڑوں

کی زکوٰۃ نہیں دیتے: ''میں روز حشر تم میں سے کسی ایک کو اس حالت پر پاؤں گا کہ اس کے سر پر بکری ہو گی جو مینگیاں کر رہی ہو گی وہ کہے گا: ''اے محمد عربی! میں اسے کہوں گا میں اللہ کے مقابلہ میں تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا میں نے تو پیغام خداوندی تجھ تک پہنچا دیا تھا۔ میں تم میں سے کسی ایک کو روز حشر اس حالت پر پاؤں گا اس کے کندھے پر اونٹ ہو گا۔ وہ اونٹ شور کر رہا ہو گا۔ وہ شخص مجھے کہے گا۔ ''اے محمد مصطفی! اے محمد مصطفی! میں اسے کہوں گا: ''میں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ میں نے تجھے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ میں تم میں سے کسی ایک کو روز حشر اس طرح پاؤں گا کہ اس کے کندھے پر گھوڑا ہو گا جو ہنہنا رہا ہو گا۔ وہ مجھے کہے گا: ''محمد عربی! محمد عربی! میں اسے کہوں گا: ''میں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں تجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ میں نے رب تعالیٰ کا پیغام تجھ تک پہنچا دیا تھا۔''

زکوٰۃ کے متعلق بہت سی احادیث طیبہ ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''دنیا میں دو چیزوں کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں۔ (۱) اتنی روٹی جس سے بھوکا جگر سیر ہو جائے گا۔ (۲) ایک کلمہ جس سے شکستہ دل کا رنج دور ہو جائے۔ ''بدائع'' میں ہے۔ ''زکوٰۃ کی ادائیگی کا مقصد کمزور کی اعانت، فقیر کی مدد، عاجز کو قدرت دینا ہے تاکہ اسے ان فرائض کی ادائیگی پر قوت نصیب ہو جائے جو رب تعالیٰ نے اس پر فرض کیے ہیں۔''

۲۔ زکوٰۃ نفس کو گناہوں کی گندگی سے پاک کرتی ہے، اسے جود و کرم جیسے اخلاق حسنہ سے آراستہ کرتی ہے، اسے بخل اور لالچ سے دور کرتی ہے۔ نفس فطرتاً مال پر بخل کرتا ہے۔ زکوٰۃ اسے سخاوت کا عادی بناتی ہے، اسے امانتوں کی ادائیگی اور حقوق ان کے مستحقین تک پہنچانے کی عادی بناتی ہے، یہ سارے امور رب تعالیٰ کے اس فرمان میں شامل ہیں۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا۔ (التوبۃ:۱۰۳)

''اے حبیب وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں۔''

اللہ رب العزت نے اغنیاء پر انعام فرمایا، ان پر ایسی نعمتیں کیں اور انہیں اموال بخشے جو ان کی اصل ضروریات سے زائد تھے وہ زندگی کی لذتوں سے لطف اٹھاتے ہیں۔ نعمت کا شکر ادا کرنا عقل اور شرع کے اعتبار سے فرض ہے۔ فقیر کو زکوٰۃ ادا کرنا اس نعمت کا شکر ادا کرنا بھی ہے۔

زکوٰۃ اور صدقہ کو مخفی رکھنے کی حکمت

تم خوب جانتے ہو کہ جب انسان محتاج ہوتا ہے تو اس شخص کے سامنے وہ حقیر ہو جاتا ہے جو اس کی یہ ضرورت پوری کرتا ہے۔ احسان اٹھانا نفس کی ذلت کا سبب بنتا ہے جو عزت سے محبت کی طرف میلان رکھتا ہے سب امور میں سے مشکل کام کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا ہوتا ہے۔ جب تم کسی فقیر کو دیکھو۔ تم لوگوں کے مجمع میں ہو اور تم اعلانیہ اسے کچھ عطا کر دو تو گویا کہ تم نے اس کے فقر و فاقہ کو طشت از بام کر دیا، اس طرح فقیر کے دل میں بُرا اثر پیدا ہوتا ہے، وہ بھلائی برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے، خرچ کرنے والے سے برائی ہو جاتی ہے حالانکہ وہ احسان کر رہا ہوتا ہے۔ جب تم صدقہ مخفی دو گے تو تم دو اعتبار سے احسان کرو گے۔

۱- مسکین فقیر سے ضرورت کا بوجھ اتار کر۔

۲- سرِ عام اسے رسوائی اور ذلت سے بچا کر، کیونکہ یہ وہ امر ہے جو فقیر کے نفس کو مدد دیتا ہے اور اسے ایسی مصیبت میں گرفتار کرتا ہے جو فقر، فاقہ اور احتیاج کی مصیبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمیں رب تعالیٰ نے خفیہ صدقہ دینے کی ترغیب دی ہے اس نے ارشاد فرمایا:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَیُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝

”اگر ظاہر کرو (اپنی) خیرات تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو انہیں فقیروں کو تو یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اور مٹا دے گا تم سے تمہارے بعض گناہ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خبردار ہے۔“

اس آیت طیبہ سے آشکارا ہو رہا ہے کہ صدقہ ایک بھلائی ہے خواہ اعلانیہ دیا جائے یا مخفی لیکن کیونکہ مخفی صدقہ دینے میں مصلحت ۔ تی ہے تو رب تعالیٰ نے مخفی صدقہ دینا زیادہ پسندیدہ بنا دیا مگر جبکہ اظہار میں کوئی مصلحت کارفرما ہو۔ مثلاً یہ کہ انسان دوسروں کے لیے جود و کرم کا نمونہ بن سکے۔ صدقہ مخفی رکھنے میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ کہ جب محسن کوئی چیز اعلانیہ دیتا ہے تو وہ ریاء کا بھی موجب بن سکتا ہے جو شرک اصغر ہے، یہ اعمال بھی برباد کر سکتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًاؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝ (البقرۃ: ۲۶۴)

"اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر، اس آدمی کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دن قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو۔ جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اسے چٹیل صاف پتھر (ریاکار) حاصل نہ کرسکیں گے کچھ بھی اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار کرنے والوں کو۔"

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات افراد ایسے فرخندہ فال ہیں جنہیں اللہ رب العزت اس روز اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) عدل گستر امام۔ (۲) وہ جوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھے۔ (۳) وہ دو افراد جو رب تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں وہ اسی پر اکٹھے اور اسی پر جدا ہوں۔ (۴) وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق ہو۔ وہ جب مسجد سے باہر نکلے تو بے چین ہو جائے حتیٰ کہ واپس آجائے۔ (۵) وہ شخص جسے منصب، اور جمال والی عورت دعوتِ گناہ دے تو وہ کہہ دے: "میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔" (۶) ایسا شخص جو اتنا مخفی صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہ ہوسکے کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔"

اس حدیث پاک سے عیاں ہو رہا ہے کہ صدقہ مخفی رکھنے کی ترغیب کتنی شدت سے دی جا رہی ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے حالانکہ وہ ہمہ وقت اس کے ساتھ ہوتا ہے، اس حدیث پاک کو حضور ﷺ کے "جوامع الکلم" میں شمار کیا جاتا ہے۔

روایت کیا جاتا ہے کہ ایک شخص کا تعلق بڑے گھرانے کے ساتھ تھا۔ وہ ان اشراف میں سے تھا جنہیں زمانہ نے تباہ کر دیا تھا، اپنے جبڑوں میں انہیں پیس کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس روز حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جو روز بیت المال سے حضور ﷺ کی آل اطہار کے لیے کچھ حصہ نکالنے کے لیے متعین تھا، اس نے حضرت امام زین العابدین کو ایک رقعہ پیش کیا جس پر لکھا ہے:

''میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں بچی جسے خرید وفروخت کیا جا سکے، میرا ظاہری حلیہ اور ہیئت ہی آپ کو میری خوں چکاں حکایت سنانے کے لیے کافی ہے، میں نے اپنے چہرے کے پانی کو بیچنے سے محفوظ رکھا ہے، آپ اس کے کتنے عمدہ خریدار ہیں۔''

حضرت امام محمد زین العابدین رضی اللہ عنہ نے وہ سارا مال اس غریب کو عطا کر دیا جو اس دن آپ کے لیے اور آپ کے خاندان کے لیے بیت المال سے علیحدہ کیا گیا تھا، جو خانوادۂ اہل بیت کے لیے سارے سال کا خرچہ تھا، حضرت امام پاک نے اس رقعہ کی دوسری طرف یہ لکھ دیا:

''تو ہمارے پاس جلدی آ گیا اور ہماری بھلائی بھی تمہارے پاس جلدی آ گئی، اگر تو ہمیں مہلت دیتا تو ہمیں غربت کا سامنا نہ کرنا پڑتا، یہ تھوڑا سا سامان لے جا، اس طرح ہو جا گویا کہ تو نے عزت فروخت کی اور نہ ہی ہم نے بیچی۔''

اس کے بعد وہ شخص واپس آ گیا، اس کی زبان پر حمد وشکر کے نغمات تھے۔

محترم قاریٔ! ذرا اس سخاوت، جود اور کرم کو ملاحظہ کرو، ذرا بلند وارفع آداب دیکھو لیکن اس میں کوئی عجیب بات نہیں، کیونکہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ الزہرائ رضی اللہ عنہا کی نسل پاک سے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر ہیں، آپ نے لوگوں کو سکھایا کہ کرم، سخاوت و فیاضی اور مکارم اخلاق کیا ہوتے ہیں۔

حضرت سیدۃ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آل اطہار کو یزید کی طرف سے دکھ اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا، اس کے بعد انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ کیا تو شام کا ایک امین شخص بھی ان کے ہمراہ ہولیا۔ جب اہل بیت کا یہ کارواں مدینہ منورہ پہنچا تو سیدۃ فاطمہ نے اپنی بہن سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''اس شخص نے ہم پر احسان کیا ہے کہ تمہارے پاس اور کچھ نہیں۔'' سیدہ فاطمہ نے فرمایا: ''اسے وہی عطا کر دیں'' وہ دو کنگن اور دو بازو بند لے کر آئیں۔ انہیں اس شخص کے پاس بھیج دیا، اس نے یہ زیوران واپس کر دیے اور کہا: ''اگر میں نے یہ کام دنیا میں رغبت رکھتے ہوئے کیا ہوتا تو یہ زیورات کافی تھے مگر بخدا! میں نے تو یہ کام اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کرام کے لیے کیا ہے۔'' ذرا دیکھو کہ یہ جود وسخا اس مصیبت کے وقت ہے جس کی مثال تاریخ اسلامی پیش نہیں کر سکتی۔

''زکوٰۃ بخل کو ختم کر دیتی ہے'' میں حکمت

نفسِ انسانی حرص و لالچ کی طرف میلان رکھتا ہے حتیٰ کہ شیر خوار بچے کی دایا کسی دوسرے بچے کو دودھ پلانے لگے تو بچے کا نفس بے چین ہو جاتا ہے، وہ دوسرے شیر خوار بچے کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے خواہ اسے رونا پڑے کیونکہ رونے سے ہی اس کی اذیت عیاں ہوتی ہے۔ حیوانات کی بھی یہی کیفیت ہے مثلاً تم گائے کے بچھڑے کو دیکھو گے کہ جب اس کی ماں کے تھنوں کے پاس کوئی دوسرا بچھڑا جائے گا تو وہ اسے سینگ مار کر دور کر دے گا۔ جب نفس کی یہ حالت ہے مقصد ومدعا جود و کرم ہے تو زکوٰۃ کو نفس کے لیے ایک مشق بنا دیا گیا جو اسے آہستہ آہستہ کرم و فیاضی کا خوگر بنا دیتی ہے حتیٰ کہ کرم و فیاضی نفس کی عادت ثانیہ بن جاتا ہے یہ انسان کے لیے بہت بڑا جہاد ہے کیونکہ وہ مال کو اپنے نفس سے عزیز رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکھف:۴۶)

''مال اور فرزند (توصرف) دُنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں۔''

کیونکہ انسان فطرتاً دنیاوی زندگی کی زینت کی طرف میلان رکھتا ہے فطرتاً اس کا رجحان مال کی طرف زیادہ ہوتا ہے، جب تم نے زکوٰۃ ادا کر دی اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا، اسے کرم کا عادی بنایا، تو تم نے اس سخاوت اور مشق سے اپنے جاہ و منصب کو دھو ڈالا۔ سب سے بڑے وصف بخل کو خود سے دور کر دیا۔ ایک اور امر کا تذکرہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا، وہ یہ ہے کہ بخل خالق و رازق پر عدم اعتماد کا نتیجہ ہوتا ہے، جب تمہیں علم ہو جائے کہ خالق و رازق بھی ہے جو وہ کچھ تمہیں عطا کر دے گا جو تم خرچ کرو گے تو تم فقراء و مساکین کو عطا کرنے سے نہیں رکو گے۔ اس طرح کرم ایمان کامل پیدا کرتا ہے، بعض آیات طیبات بخل کی مذمت اور ان لوگوں کی مذمت میں ہیں جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ

لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۝ (التوبۃ: ۳۴-۳۵)

''اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انہیں خوش خبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی، جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انہیں بتایا جائے گا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لیے تو (اب) چکھو (سزا اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے۔''

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ۝ (المدثر: ۴۲ تا ۴۴)

''کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا، وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے۔''

ارشاد پاک ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۝ (الماعون: ۱-۳)

''کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روز جزا کو پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو، اور نہ ہی برانگیختہ کرتا ہے (دوسروں کو) کہ غریب کو کھانا کھلائیں۔''

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ۝ مَا اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ۝ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۝ (الحاقۃ: ۲۵-۳۴)

''اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامۂ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے کاش مجھے نہ دیا جاتا میرا نامۂ عمل، اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے، اے کاش موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا، آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔

میری بادشاہی بھی فنا ہو گئی (فرشتوں کو حکم ہو گا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔ بے شک یہ (بدبخت) ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ و برتر ہے اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی۔"

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "بخل اور ایمان ایک بندے کے دل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔"

اعاذنا الله و اياك من هذا الداء القاتل للعواطف و المروءة و الانسانية۔

زکوٰۃ نکالنے میں عدل میں حکمت

جان لو کہ زکوٰۃ اسلام کے فرائض میں سے ایک فرض ہے، اگر ایک انسان نماز کے فرائض میں سے کوئی فرض احسن انداز سے ادا نہ کرے تو وہ مقبول نہیں ہوتا بلکہ انسان گناہ گار ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے، اگر تم ان پاکیزہ اشیاء میں سے زکوٰۃ ادا نہیں کرو گے جو رب تعالیٰ نے تمہیں بطور رزق دیں ہیں تو تم سے زکوٰۃ قبول نہیں کی جائے گی۔ تم گناہ گار ہوں گے۔ ایک اور حکمت بھی پنہاں ہے کہ صحیح معنی میں کریم وہ ہوتا ہے جو ان اشیاء میں سے عمدہ چیز کی سخاوت کرتا ہے جو ان کے پاس موجود ہوتی ہیں، اگر تم کسی غریب کو بوسیدہ کپڑے عطا کرو تو تم اس پر احسان نہیں کرو گے، کیونکہ تم نے اس فقیر سے وہ چیز چھپا کر رکھی جو اس بوسیدہ کپڑے سے عمدہ تھی، جب ایک انسان تم سے وہ چیز قبول کرتا ہے جو عمدہ ہو تو رب دو جہاں بھی تم سے وہی چیز قبول کرے گا جو عمدہ ہو گی۔ وہ ذاتِ والا تو تم سے مستغنی ہے۔

قبول کا مفہوم اس جگہ یہ ہے کہ تمہارا اسی چیز پر ثابت قدم رہنا حتیٰ کہ تم وہ چیز راہ خدا میں دے دو اور تم محسن ہوں۔ اس حیثیت سے بھی کہ نفس اس پر بخل کر رہا ہو کیونکہ وہ چیز عمدہ ہو، اس وقت نفس بھی ظلم کر رہا ہو اور اس چیز کو سزا کی طرح لے جا رہا ہو تو اس وقت انصاف یہ ہے کہ زکوٰۃ میں صرف پاکیزہ چیز ہی دی جائے اسی وقت تم عدل کرو گے جبکہ تم اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کر رہے ہوں گے اور اسے زکوٰۃ میں عمدہ چیز دینے پر ابھار رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی ارشاد فرمایا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ

الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ (البقرۃ:۲۶۷)

''اے ایمان والو خرچ کیا کرو عمدہ چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں اور اس سے جو نکالا ہے ہم نے تمہارے لیے زمین سے نہ ارادہ کرو ردّی چیز کا اپنی کمائی سے کہ خرچ کرو حالانکہ تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کر لو اس میں اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔''

اس میں ایک اور حکمت بھی کار فرما ہے وہ یہ کہ جب ایک انسان فرحاں و شاداں عمدہ چیز بطور زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اسے صحیح معنی میں کریم کہا جاتا ہے۔ اسے کریم النفس کہا جاتا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بھی ہے

علماء کرام فرماتے ہیں: ''اگر کسی نعمت کا شکر ادا کیا جائے تو وہ برقرار رہتی ہے۔ اگر اس کا شکر ادا نہ کیا جائے تو وہ ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر کبھی تو تمہاری زبان اور گفتگو سے ادا ہوگا، مثلاً تم کہو: الحمد للہ، الشکر للہ کبھی تمہارے اعضاء کے ذریعے ادا ہوگا، مثلاً نماز میں رکوع، سجود، قیام، قعود اور تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھانا، حاجیوں کا طواف، رمی اور حج کے لیے بحر و بر کا سفر کرنا۔ ساری عبادات بدنیہ کو اسی پر قیاس کر لو۔ کیونکہ ساری عبادات رب تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہی ہے جو ان گنت ہیں، اگر معاملہ یوں ہے تو زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی ان گوناگوں نعمتوں کا شکر ہوگا جو اس نے تم پر کیں ہیں۔ جن کی وجہ سے اس نے تمہیں فقر و فاقہ کے پنجوں سے تمہیں نجات عطا کی ہے، تمہیں محتاج اور فقیر نہیں بنایا کہ تم سوال کی ذلت اور کمینوں کے بخل کی زنجیروں میں چلتے رہو۔ خواہ وہ عید کا موقع ہو یا دیگر خاص مواقع ہوں۔ جس میں تمہاری نگاہ لوگوں کی زیب و زینت کا مشاہدہ کرے۔ اس ذات کریمانہ نے تجھے اس طرح نہیں بنایا کہ تمہارے کپڑے بوسیدہ ہوں تمہارا تھیلا پھٹا ہوا ہو اور تمہارا دستر خوان خالی ہو، یہ نعمت ان نعمتوں میں سے ایک ہے جو رب تعالیٰ نے تم پر کیں ہیں۔ یہ بھی نہ بھولنا کہ زکوٰۃ دیتے وقت تمہارا ہاتھ بڑھانا تمہارے مال میں برکت کا سبب بنے گا گویا کہ مال درخت ہے اور زکوٰۃ اس کے لیے سیرابی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ۔ (ابراہیم:۷)

''کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔''

یہ حکمت کہ زکوٰۃ کی ادائیگی رحم دلی کی دلیل ہے

سنگ دلی برے اوصاف میں سے ہے اسی طرح رحم دلی عمدہ اوصاف میں سے ہے۔
جب تم جانتے ہو کہ رحم دلی انسانیت کے بلند و بالا اوصاف میں سے ہے تو تم اس مہربانی سے آگاہ ہو جاؤ گے جو تم فقیر پر کر رہے ہو اور اس کے دل میں تمہارا کیا مقام ہے، اس کی کیفیت کیا ہو گی جب وہ کسی گروہ یا جماعت میں تمہارا تذکرہ کرے گا یقیناً وہ تمہارے شکر اور تعریف میں رطب اللسان ہو گا۔ تمہیں فقراء پر رحم کرنا چاہئے کیونکہ رحم کرنے والوں پر ہی رحمان رحم کرتا ہے۔

یہ حکمت کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نعمت کو مداومت بخشتی ہے

زمانہ کی گردش پلٹتی رہتی ہے، مالدار ہمیشہ مالدار نہیں رہتا، غریب ہمیشہ غریب نہیں رہتا، کتنے تخت نشیں خاک نشیں ہوئے کتنے خاک نشیں تخت نشیں ہو گئے انہوں نے ملبوسات فاخرۃ پہن لیے خدام اور نوکران کے آگے آگے چلنے لگے۔ اگر ہم مثالیں بیان کرنے لگیں تو کئی جلدیں مرتب ہو جائیں تم خوب جانتے ہو کہ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت تمہیں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، فطرتاً تم یہ نہیں جانتے کہ یہ زوال پذیر ہو جائے۔ جب یہ زیب و آرائش زوال پذیر ہوتی ہے تو گویا کہ تم پر موت طاری ہو جاتی ہے، تمہاری زندگی مکدر ہو جاتی ہے، اگر یہ نعمتیں تمہارے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں تو تم سردار بن جاتے ہو اور سعادت و بلند اقبالی کی پوشاکیں پہن کر زندگی کے میدانوں میں چلتے ہو۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح زکوٰۃ مال کو بڑھاتی ہے اور اسے ضائع ہونے سے روک لیتی ہے۔ کیونکہ "ذھب" (سونا) ذھاب سے مشتق ہے اور فضہ "چاندی" (الانفضاض) (منتشر ہونے) سے مشتق ہے۔ مال کو مال اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ اس کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ وہ یہ رغبت بھی رکھتے ہیں کہ تم سے یہ چھین لیا جائے اور اسے تم سے دور کر دیا جائے۔ اس کی مثال یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص علم حاصل کرے وہ علم کے تکرار اور تقدس پر مداومت اختیار کرے تو یہ تدریس اور تکرار اس علم کی طاقت و قوت کو برقرار رکھتا ہے اگر انسان وہ علم چھوڑ دے اور لھو و لعب میں مشغول ہو جاتے وہ فحش گوئی میں مصروف ہو جائے تو یہ علم اس کے ذہن سے آہستہ آہستہ اترتا چلا جائے گا حتیٰ کہ اسے بالکل فراموش ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ نعمت عظمیٰ اور زیبا پوشاک زائل ہو جاتی ہے۔ ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں

کہ وہ نعمتوں کو مداومت بخشے اور ہمیں عذاب سے محفوظ رکھے۔

یہ بات بھی آپ سے مخفی نہیں ہے کہ فقراء اور غرباء میں سے ان لوگوں کی دعائیں جو نیکی کی حفاظت کرتے ہیں بھی نعمتوں کے دوام کے اسباب میں سے اہم سبب ہیں۔ وہ فقراء تمہارے لیے بھلائی، نعمتوں کی زیادتی اور ان کے دوام کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ رب تعالیٰ ان کی التجائیں قبول فرماتا ہے اور تمہارے مال کو تلف ہونے سے روک لیتا ہے۔ اس جگہ ہم ایک اور چیز کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جسے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں وہ یہ ہے کہ نعمتوں کے روبہ زوال ہونے کے بہت سے اسباب ہیں، مثلاً چوری، ڈاکہ اور لوٹ مار اس کے زوال پذیر ہونے کے اہم اسباب میں سے ہیں۔ تمہیں کیا علم کہ یہ چور، ڈاکو اور غاصب کوئی صاحب اولاد غریب ہو وہ کسی ضرورت کی وجہ سے اس جرم کے ارتکاب پر مجبور ہو۔ وہ اس فعل کی قباحت کو تم سے زیادہ جانتا ہو لیکن اس نے اس فقر و غربت کی وجہ سے اس فعل کا ارتکاب کیا ہو جو قریب ہے کہ کفر ہو جاتا۔ جب تم نے زکوٰۃ ادا کر دی، اپنے ہاتھوں سے نیکی اور احسان کر دیا تو تم سے اس کے ہاتھوں کو روک دیا اور ابتداء سے ہی اس کے قدموں کو ایسے جرم کے ارتکاب سے روک دیا۔ تم نے امن عامہ کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم نے اپنے مال کو تلف ہونے سے بچا لیا، تیسری بات یہ ہے کہ تم نے ان چوروں کو سزا سے بچا لیا جو غالباً فقر و فاقہ کی وجہ سے اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جب انہیں زکوٰۃ دینے سے بخل سے کام لیا جائے اور ان کے دلوں میں کینہ اور حسد کی تخم ریزی ہو جاتی ہے وہ عادی چور بن جاتے ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے مال اور اولاد سے محروم کر دیں۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ

(الرعد:۱۷)

''پس جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لیے تو وہ باقی رہے گی زمین میں۔''

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''زکوٰۃ ادا کر کے اپنے اموال محفوظ کر لو۔''

یہ حکمت کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے شہروں میں امن قائم ہو جاتا ہے

شہروں میں امن عامہ کا تہ و بالا ہو جانا سب سے بڑی مصیبت ہے، کیونکہ یہ اموال اور

ارواح کو ختم کر دیتا ہے دیگر سارے مصائب شہر جن کا سامنا کرتے ہیں مثلاً وبائی، قحط سالی اور مالی بحران وغیرہ امن کا فقدان ان سارے مصائب کا مجموعہ ہوتا ہے۔ سارے ممالک امن عامہ کا خاص اہتمام کرتے ہیں لیکن وہ اس کے لیے جتنے بھی اہتمام کر لیں اور اس کے مقصد کے لیے جو کوششیں بھی کر لیں ان کی ساری کوششیں اور جدوجہد رائیگاں جائے گی جب تک کہ اہل ثروت اور دولت مند غریبوں اور مسکینوں پر اپنا مال خرچ کرنے سے گریزاں رہیں گے۔ امراء غرباء کو دیکھیں کہ وہ غربت کے رسوا کن لباس میں ہیں۔ وہ اپنے کانوں سے ان لوگوں کی آہیں سنیں جنہیں غربت نے آدبو چا ہو اور انہیں زمین پر پھینک دیا ہو، لیکن ان پر رحم نہ کریں۔ وہ اس بچے پر شفقت نہ کریں جو اپنی والدہ کے پستانوں میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ پائے جس سے وہ اپنی بھوک کا ازالہ کر سکے۔ وہ اس ماں پر ترس نہ کریں جو اپنے بیٹے پر اس قدر غمزدہ ہو کہ اس کے غم سے جگر پھٹ جائیں وہ اس باپ پر رحم نہ کریں جو اپنے بچے کے دل کے شعلے کو اپنے آنسوؤں سے نہ بجھا سکے۔ خواہ اس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی رواں ہو۔

ہم آئے روز سنتے ہیں کہ فلاں انتشار پسند نے فلاں بادشاہ کو قتل کر دیا ہے اس نے فلاں وزیر، دولت مند اور فلاں امیر کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس شخص کا واقعہ ہم سے دور نہیں جس نے فرانس کے رئیس کو قتل کر دیا تھا۔ جب اس انتشار پسند نے کہا تھا: ''مجھے ایک ہزار فرنک دے دو۔ کیونکہ تم میری وجہ سے ہی رئیس الجمہوریہ'' کے منصب پر فائز ہوئے ہو۔'' اس بات سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ صرف فقر و فاقہ کی وجہ سے ہی اس فساد پسند شخص نے جمہوریہ کے رئیس کو موت کی وادی میں پھینکا تھا۔ یورپ اور دیگر ممالک میں بادشاہ اور حکام سیکورٹی کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ باہر نکلتے ہیں انہیں اپنی زندگی کے بارے ان فساد پسندوں سے خطرہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں بعض لوگ اپنے لباس کے نیچے زرہ پہنتے ہیں تا کہ ان انتشار پسندوں کی چھری یا گولی ان پر اثر نہ کرے۔ اگر یہ بادشاہ اور حکام بالا اپنے رزق میں سے ان غرباء کو بھی کچھ عطا کرتے تو وہ بغیر کسی سیکورٹی اور نگہبان کے چلتے رہتے وہ آتے جاتے غرباء کے ساتھ ملتے وہ امن سے زندگی بسر کرتے۔ ان کی آنکھیں ان کا احترام کرتیں ان کے دل ان کی طرف محبت اور اخلاص پھینکتے۔ اس سخاوت و شفقت کی وجہ سے غرباء ہی ان کے لیے ایسا لشکر بن جاتے جو انہیں ہر مصیبت سے روک لیتے لیکن لالچ، حرص اور فانی دنیا کی محبت نے ان کی زندگی کو ہمیشہ خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ ان کے نفوس اور افکار خوف اور رعب کی وجہ سے تنگ کوٹھری میں ہیں۔

یہ بات بادشاہوں، حکام، اور دولتمندوں کی طرف سے ہے۔ جہاں تک عوام اور رعیت کا معاملہ ہے تو وہ حسد اور بغض کی وجہ سے اپنے اغنیاء کی ردائے حرمت کو چاک چاک کر رہے ہیں۔ شہروں میں چوریوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چوری اور ڈاکے کی وجہ سے شہروں کا امن عامہ برباد ہو گیا ہے۔ حکومتیں اقدامات کرتی ہیں وہ چوری کے واقعات کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکنا چاہتی ہیں لیکن چوری کی واردات میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے حکومتیں ششدر اور حیران ہیں۔

اگر حکومتیں یہ بات سمجھ پاتی اور جان لیتیں کہ ان چوریوں اور ڈاکے کا سبب کیا ہے جن میں بعض اوقات قتل بھی ہو جاتا ہے تو پھر وہ شہروں میں اصول، قوانین اور نصائح عام کرتی وہ اغنیاء کو نصیحت کرتیں کہ وہ فقراء اور غرباء پر سخاوت کریں، حکومت انہیں سمجھاتیں کہ امن، عوام کے اتحاد اور سعادت و برکت ان کے ہاتھ میں ہے۔

اگر ہم کبھی قید خانوں میں جائیں اور ان لوگوں سے پوچھیں جن پر زمانہ نے بدبختی، قید، آزادی کے سلب ہونے اور اپنے اہل اور وطن سے دوری کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ اگر وہ سچ بولیں تو ہم دیکھیں گے کہ انہوں نے فقر و فاقہ سے مجبور ہو کر ہی ایسے قبیح جرائم کا ارتکاب کیا ہے ایک اور سربستہ راز بھی ہے جو اکثر لوگوں کے ذہنوں سے مخفی رہتا ہے۔ یہ راز یہ ہے کہ جب غریب چوری کرتا ہے تو دائمی غربت کی وجہ سے اس میں یہ عادت پختہ ہو جاتا ہے پھر یہ عادت اس کی اولاد میں منتقل ہو جاتی ہے وہ بھی انہی برائیوں پر پروان چڑھتی ہے جو برائیاں ان کے آباء میں ہوتی ہیں۔ پھر ان میں یہ عادت وراثتہً آگے بڑھتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ چوری، ڈاکے، قتل اور امن عامہ کو برباد کرنے پر فخر کرتے ہیں، نہ صرف بستیوں اور سبز و شاداب شہروں میں بلکہ بڑے بڑے دار الحکومتوں میں بھی اس امر کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اگر ہم امت کے بارے اپنے مؤقف سے توجہ ہٹائیں جبکہ ہم منبروں پر ہوں۔ پھر کتابوں میں بھی ان کی طرف توجہ نہ کریں۔ بلکہ ہم ہر محفل اور ہر مجلس میں یہ بات کریں پھر ہم قلم اور زبان کا رخ اغنیاء کی طرف پھیر دیں انہیں کہیں کہ وہ اپنے مال سے فقراء اور غرباء پر سخاوت کریں اور وہ فیاضی کریں تو امت میں باہم اتحاد بھی پیدا ہو گا۔ شہر بھی آباد ہوں گے اور ہر قسم کی سعادت بھی نصیب ہو گی۔

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں بالخصوص جاہلیت اولی میں امت عربیہ کی تاریخ پڑھتے ہیں تو ہم پڑھتے ہیں کہ ان کی باہمی جنگیں جو نہ صرف لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیلتی تھیں بلکہ ان کے اموال بھی برباد کر دیتی تھیں ان کا سبب فقر و فاقہ ہی ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اس حد تک پہنچ

گئے کہ وہ غربت کے خوف سے اپنی اولاد کو بھی قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح کرنے سے روکا۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ (الاسراء:۳۱)

''اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے، ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔''

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ (الانعام:۱۵۱)

''اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی۔''

اگر تم نے یہ بات جان لی ہے تو پھر تم اس حکمت سے بھی آگاہ ہو چکے ہوں گے جو زکوٰۃ کی فرضیت میں مخفی ہے حتیٰ کہ شارع حکیم نے طے فرمایا ہے کہ اگر اغنیاء زکوٰۃ نہ دیں تو ان سے مجبوراً زکوٰۃ لی جائے کیونکہ اس میں بہت بڑی مصلحت ہے جس کا فائدہ ملت اسلامیہ کو ہوتا ہے شارع کی حکمت کس قدر مبنی بر عدل اور محکم ہے وہ کس قدر بندوں کی مصلحتوں سے آگاہ ہے۔

وہ فائدہ جو زکوٰۃ لینے والے کو ملتا ہے اور زکوٰۃ کے مستحقین

اللہ تعالیٰ تمہیں بھلائی اور نیکی کے کام کرنے کی توفیق دے، تمہیں بنو آدم پر شفقت کرنے کی توفیق دے خوب جان لو کہ زکوٰۃ لینے والے کو صرف یہ فائدہ نہیں پہنچتا کہ خوراک، اور لباس کے اعتبار سے اس کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ حکمت کتنی بڑی ہے اور وہ فائدہ کتنا عظیم ہے ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبۃ:۶۰)

''زکوٰۃ تو صرف ان کے لیے ہے جو فقیر مسکین اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں اور جن کی دلداری مقصود ہے، نیز گردنوں کو آزاد کرانے اور مقروضوں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے، یہ سب فرض ہے

اللہ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور دانا ہے۔''

فقیر وہ ہوتا ہے جس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو، مسکین وہ ہوتا ہے جس کے پاس ہمیشہ کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں زمانہ نے فقر و فاقہ اور احتیاج کے پنجے اس میں گاڑھ رکھے ہوں۔ جب غنی کسی فقیر یا مسکین پر شفقت کرتا ہے تو وہ اس کی بھوک کی ضرورت کو ہی پورا نہیں کرتا بلکہ اسے ایک اور فائدہ بھی پہنچاتا ہے جو اہمیت اور فضیلت میں پہلے فائدہ سے کم تر نہیں۔ وہ فائدہ یہ ہے کہ وہ اس فقیر یا مسکین کو مانگنے کی ذلت سے بچا لیتا ہے وہ اسے دولتمندوں کے دروازوں پر جانے کی ندامت سے بچا لیتا ہے، اگر معاملہ اس طرح ہے تو پھر اس شخص کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جو بخیلوں اور کمینوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے، جن کے دلوں میں سے رحمت نکال لی گئی ہے جو پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ بلاشبہ فقیر اس حالت پر موت کو ترجیح دیتا ہے، کیونکہ اس زندگی میں ذلت نفس کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ذلت سے بچائے۔ اس کی مصیبت بجلی گرنے سے بھی زیادہ ہوتی ہے، یہ سارے مصائب اور مشکلات سے بڑھ کر ہوتی ہے، اگر تم مروت کو مجسم شکل میں دیکھنا چاہتے ہو تو اس دولتمند کو دیکھ لو جو کسی فقیر یا مسکین کی ضرورت پوری کرتا ہے یہ نیکی کرنے والا اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اور اس کی مخلوق اس شخص کی تعریف کریں۔ اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا کرے۔ اگر تم کمینگی کو مجسم شکل میں دیکھنا چاہتے ہو تو اس بخیل دولتمند کو دیکھ لو۔ جس کے سامنے کوئی فقیر یا غریب کھڑا ہو وہ اس کے سامنے دستِ التجاء دراز کر رہا ہو۔ اپنی ذلت و مسکینی کا اظہار کر رہا ہو لیکن بخیل اسے محروم، مطرود اور کبیدۂ خاطر واپس لوٹا دے۔ وہ بخیل غنی جس میں ایسی مکروہ صفات پائی جاتی ہیں وہ غالباً پہلے غریب ہوتا ہے پھر مال آنے اور حالت سدھرنے سے وہ غنی بن جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اگر اس نے اپنے مال میں سے کچھ دے دیا تو وہ تھوڑی مدت کے بعد غریب ہو جائے گا، حضور ﷺ نے کیا خوب فرمایا ہے: ''اگر تم کہنی تک اپنا ہاتھ کسی سانپ کے منہ میں لے جاؤ۔ وہ تمہیں کاٹ کھائے یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اس شخص سے سوال کرو جس کے پاس پہلے کچھ نہ ہو بعد میں اسے دولت نصیب ہو جائے۔'' حضور ﷺ نے سچ فرمایا ہے، دوسرا فائدہ پہلے فائدہ سے بڑا ہے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی عیادت کی، انہوں نے کہا: ''ابو الحسن! اپنے شہزادوں کے بارے نذر

مانو" حضرت مولا علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزھراء اور ان کی ایک خادمہ نے نذر مانی کہ اگر ان شہزادوں کو شفاء نصیب ہوئی تو وہ تین روزے رکھیں گے۔ رب تعالیٰ نے انہیں شفایاب کردیا۔ کاشانۂ مرتضوی میں کچھ بھی نہ تھا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تین صاع جو قرض لیے، حضرت سیدۂ کائنات نے ایک صاع جو پیسے۔ پانچ روٹیاں پکائیں اور اپنے سامنے رکھیں تاکہ روزہ افطار کریں۔ ایک سائل حاضر ہوا اس نے کہا: السلام علیکم! اہل بیت محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مساکین مسلمانوں میں سے ایک مسکین ہوں۔ مجھے کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے کھانے کھلائے گا۔ اہل بیت کرام نے اس سائل کو ترجیح دی، اسے ساری روٹیاں دے دیں، خود بھوکے ہی رات بسر کردی، صرف پانی پیا، صبح دوبارہ روزہ رکھ لیا۔ شام کے وقت اپنے سامنے کھانا رکھا۔ اب دراقدس پر ایک یتیم حاضر تھا، انہوں نے اسے ترجیح دی اور روٹیاں اسے دے دیں، حضرات علی المرتضیٰ، سیدۂ کائنات، امام حسن، امام حسین اور خادمہ رضی اللہ عنہم نے تین دن تک کچھ نہ کھایا۔ وقتِ صبح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے بازو پکڑے اور انہیں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملاحظہ فرمایا۔ شدتِ بھوک سے ان پر لرزہ طاری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ان کے ساتھ چل پڑے۔ حضرت فاطمۃ الزہرائی رضی اللہ عنہا کو محراب میں مصروفِ نماز دیکھا بھوک نے انہیں بھی کمزور کردیا تھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا۝ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۝ (الانسان: ۷-۹)

"جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں، اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوگا اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو، ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے نہ ہم تم سے کسی اَجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے۔"

اہل بیت پاک کے حالات کو ذرا غور وفکر کی آنکھ سے دیکھو۔

عاملین سے مراد وہ افراد ہیں جو ان لوگوں سے زکوٰۃ حاصل کرتے ہیں جن پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ اگر وہ زکوٰۃ میں سے کچھ بھی نہ لیں تو اس پر دو امور مرتب ہوں گے۔

۱- وہ زکوٰۃ کی وصولی میں غفلت سے کام لیں گے، اس طرح وہ دنیا میں حکمران کے ہاتھوں سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔

۲- ان کے لیے خیانت کا رستہ کھل جائے گا۔ اگر انہیں زکوٰۃ میں سے کچھ دے دیا جائے تو وہ اس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مدد حاصل کریں گے اور اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ اس میں ایک بہت بڑا فائدہ ہے۔ ایک تو ان سے سستی اور کاہلی کا عیب ختم ہو جائے گا دوسرا ان کے خیانت کا رستہ نہیں کھلے گا۔ وہ امانت کے ساتھ اپنا فریضہ ادا کریں گے، تم خوب جانتے ہو کہ امین کا دنیا اور آخرت میں کیا مقام ہے، اس میں ایک اور حکمت بھی مخفی ہے وہ یہ کہ جب عاملین کو زکوٰۃ میں سے کچھ عطا کر دیا جائے اور وہ زکوٰۃ کی وصولی میں پوری جدوجہد کریں تو قلتِ مال کی وجہ سے مصلحت بے کار نہیں جائے گی۔ سستی اور کاہلی نہ ہونے کی وجہ سے ساری زکوٰۃ وصول ہوگی اور زکوٰۃ کی وصولی باقی نہیں رہے گی۔ لب لباب یہ ہے کہ وہ فائدہ جو عاملین کو ملتا ہے اس میں عظیم حکمت کارفرما ہے۔

مؤلفۃ قلوب:

اس سے مراد وہ فقراء ہیں جو اسلام قبول کرتے ہیں لیکن ان کا دامن دنیاوی سامان سے خالی ہوتا ہے۔ اگر انہیں زکوٰۃ میں سے کچھ عطا کر دیا جائے تو اس بات کی ضمانت دی جا سکتی ہے کہ وہ اسلام پر برقرار رہیں گے وہ کفر کی سمت لوٹ کر نہیں جائیں گے، کیونکہ اگر ان کے پاس ایسی چیز نہ ہوئی جس سے وہ اپنے پیٹ کی آگ مٹا سکیں تو ممکن ہے فقر و فاقہ کی وجہ سے وہ کفر کی طرف لوٹ جائیں۔ اگر انہیں زکوٰۃ میں سے کچھ عطا کر دیا جائے وہ اسلام پر باقی رہیں گے، ان کی تالیف قلبی ہو جائے گی۔ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ جب مشرکین اور کفار کے فقراء انہیں دیکھیں گے کہ اسلام لانے سے پہلے کہ فقر و فاقہ سے دوچار تھے۔ ان کی زندگی دشوار تھی لیکن دین اسلام قبول کر لینے کے بعد فقر و فاقہ کی مصیبتیں ان سے زائل ہو گئی ہیں۔ تو وہ بھی اسلام میں رغبت رکھیں گے اور اسلام قبول کر لیں گے۔ یا تو فقر و فاقہ کو مٹانے کے لیے یا ان کے سامنے اسلام کا جلال ہو گا۔ کیونکہ کفر و شرک میں یہ مہربانی اور مروت نہیں، اس طرح وہ دین اسلام میں گروہ در گروہ داخل ہوں گے اور بہت بڑا فائدہ حاصل ہوگا۔

ایک اور نکتہ بھی ہے جسے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ یہ کہ عیینہ بن حصین فزاری اور اقرع بن حابس ان لوگوں میں سے تھے جن کی تالیف قلبی کی گئی تھی۔ انہوں نے حضرت سیدنا ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک زمین طلب کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دینی غیرت نے آلیا۔ انہوں نے وہ خط پھاڑ دیا اور ان دونوں سے کہا: ''یہ وہ چیز ہے جسے حضور ﷺ نے تمہیں تمہاری تالیف قلبی کرتے ہوئے عنایت کی تھی، آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزتیں نصیب فرمائی ہیں وہ تم سے مستغنی ہے۔ اگر چاہو تو اسلام پر باقی رہو، ورنہ ہمارے اور تمہارے مابین تلوار فیصلہ کرے گی۔'' یہ دونوں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ انہیں کہا: ''خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ آپ نے ہمیں خط لکھ کر دیا، عمر نے اسے چاک کر دیا۔'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ان کی منشاء یہی ہے۔'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی کسی صحابی نے بھی انکار نہ کیا۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں:

''اس کا تعلق علت کے ختم سے جانے کی وجہ حکم کے ختم ہو جانے سے ہے۔ یہ نسخ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا کیونکہ حضور ﷺ کے بعد نسخ نہیں کیونکہ اس وقت اسلام غالب اور قوی تھا۔ اگر وہ لوگ مرتد ہو جاتے جن کی تالیف قلبی کی جاتی تو اسلام پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ کثیر تعداد، غلبہ اور قوت کا تقاضا تھا کہ انہیں صدقات میں سے کچھ بھی عطا نہ کیا جائے، بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے: ''یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، آیۂ طیبہ اپنے حکم پر باقی ہے۔'' شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو عمدہ حالت اور کثرت مال میں دیکھا تو ان کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا۔ حضرت ابن سیرین نے حضرت عبیدہ سے مذکورہ بالا واقعہ کے بارے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے کہا: ''اے خلیفۂ رسول اللہ! ہمارے پاس دلدلی زمین ہے وہاں نہ تو گھاس اگتا ہے نہ ہی اس سے کوئی منفعت حاصل ہوتی ہے، اگر آپ ہمیں زمین کا کوئی اور ٹکڑا عطا فرما دیں تو ہم وہاں کاشتکاری کریں گے شاید اللہ رب العزت اس میں ہمارے لیے منفعت پیدا فرما دے۔'' حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے احباب سے پوچھا: ''ان کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: ''اگر ان کی زمین شوریدہ ہے جس سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا تو ہماری رائے ہے کہ آپ انہیں قطعۂ زمین عطا فرمائیں شاید اللہ تعالیٰ اسے منفعت بخش بنا دے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں زمین عنایت فرما دی، ان کے لیے ایک نوشتہ لکھا اور اس پر صحابہ کرام کو گواہ بنایا۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہ تھے۔ یہ دونوں افراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تا کہ انہیں بھی گواہ بنالیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اپنے اونٹ کو تیل کی مالش کر رہے تھے، انہوں نے عرض کی: ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ اس رقعہ میں لکھا اس پر آپ کو گواہ بنایا ہے، ہم آپ کو پڑھ کر سنائیں یا آپ خود ہی پڑھ لیتے ہیں۔'' انہوں نے فرمایا: ''تم میری حالت دیکھ رہے ہو، اگر پسند کرو تو مجھے پڑھ کر سنا دو، اگر چاہو تو انتظار کرو حتیٰ کہ میں فارغ ہو کر اسے پڑھ لوں۔'' انہوں نے کہا: ''نہیں! بلکہ ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔'' انہوں نے وہ رقعہ پڑھ کر سنایا، جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ کچھ سنا جو اس مکتوب میں تھا تو وہ رقعہ ان کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے چاک کر دیا، یہ دیکھ کر عیینہ اور اقرع کو غصہ آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم سے تالیف قلبی کرتے تھے اس وقت اسلام قوی نہ تھا، اب رب دو جہاں نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا۔ جاؤ اور جا کر اپنی ساری توانائیاں صرف کر لو۔ اگر تم اس قطعۂ زمین کی حفاظت کرو تو رب تعالیٰ تمہاری حفاظت نہ کرے۔'' یہ دونوں غصے سے بلبلاتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے کہا: ''بخدا! ہم نہیں جانتے کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہیں ہیں اگر وہ چاہیں۔'' پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی غصے کی حالت میں آ گئے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ''مجھے اس زمین کے بارے بتائیں جو آپ نے ان دونوں کو عطا کی ہے کہ وہ آپ کی ہے یا سارے مسلمانوں کی ہے؟ آپ نے سارے مسلمانوں کو چھوڑ کر ان دونوں کو وہ زمین کیوں عطا کی ہے۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے احباب سے مشاورت کی۔ انہوں نے مجھے یہی مشورہ دیا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا ان کا مشورہ سارے مسلمانوں کے لیے کافی ہے؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں آپ سے کہا کرتا تھا کہ اس معاملہ میں تم مجھ سے زیادہ قوی ہو، لیکن تم مجھ پر غالب آ گئے۔''

(البدائع) میں ہے:

''جہاں تک مؤلفۃ القلوب کا تعلق ہے تو ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ قریش اور عرب کے سردار تھے مثلاً ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصین، عباس بن مرداس، مالک بن عوف اور حکیم بن حزام وغیرہم۔ انہیں شوکت و قوت میسر تھی، بہت سے لوگ ان کے پیرو تھے ان میں سے بعض حقیقت میں اسلام لے آئے تھے، بعض صرف ظاہری طور پر ہی حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، وہ منافقین شمار کیے جاتے تھے۔ بہت سے مسلمان بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صدقات عطا فرماتے رہے تا کہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو جائے وہ اسلام پر

محکم ہوجائیں اور ان کے پیروکار بھی ان کی اتباع کریں۔ اور جن کا اسلام عمدہ نہیں ان کی تالیف قلبی ہوجائے۔ حضور ﷺ کے اس حسن سلوک کی وجہ کثیر افراد نے اپنا اسلام عمدہ کرلیا حتیٰ کہ صفوان بن امیہ کہہ اٹھا: ''مجھے حضور اکرم ﷺ نے عطا کیا آپ مجھے سارے لوگوں سے زیادہ مبغوض تھے، آپ مجھے عنایت فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ مجھے سارے لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔'' حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مؤلفۃ القلوب کے حصوں میں اختلاف ہے بعض علمائے کرام فرماتے ہیں: ''ان کا حصہ منسوخ ہے۔'' حضور اکرم ﷺ کے بعد انہیں کچھ بھی نہیں دیا گیا نہ ہی آج کل ان جیسے لوگوں کو دیا جائے گا۔'' یہ قول امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے: ان کا حصہ باقی ہے، جنہوں نے حضور اکرم ﷺ نے زمانہ میں اس مد سے لیا انہیں بعد میں بھی دیا جاتا رہا۔ آج بھی یہ حصہ ان لوگوں کو دیا جائے گا جو نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں۔ تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہوجائے اور وہ اسلام پر محکم ہوجائیں، یہ حصہ اہل حرب میں سے ان سرداروں کو دیا جائے گا جنہیں قوت حاصل ہے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے خوف لاحق ہو کیونکہ وہ سبب جس کی وجہ سے حضور ﷺ ان سرداروں کو عطا کرتے تھے وہ ان سرداروں میں بھی موجود ہے۔'' لیکن صحیح قول دیگر علماء کا ہے کیونکہ اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہوچکا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما مؤلفۃ القلوب کو صدقات میں سے کچھ بھی عطا نہیں کرتے تھے۔ کسی صحابی نے بھی ان کی بات کو رد نہیں کیا۔ روایت ہے کہ جب حضور ﷺ کا وصال ہوگیا تو مؤلفۃ القلوب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے اپنے حصے کے بارے رقعہ تبدیل کرنے کے لیے کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ نوشتہ تبدیل کردیا۔ پھر وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یہ بات بتائی، انہوں نے وہ نوشتہ ان کے ہاتھ سے لیا اور اسے چاک کردیا فرمایا: ''بلاشبہ حضور ﷺ تمہیں اس لیے عنایت فرماتے تھے تاکہ اسلام پر تمہاری تالیف قلبی ہوجائے، آج رب تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ عطا فرمایا ہے، اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہو تو بہتر ورنہ ہمارے اور تمہارے مابین تلوار فیصلہ کرے گی۔'' یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور حضرت عمر فاروق نے جو کچھ کیا تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ انہوں نے کہا: ''خلیفہ آپ ہیں یا عمر فاروق؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان شاء اللہ وہی ہوں گے۔'' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کا انکار نہیں کیا۔ جب یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچی تو انہوں نے بھی انکار نہ

کیا، اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ کیونکہ اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ انہیں تالیف قلبی کے لیے عطا فرماتے تھے، اس لیے انہیں مؤلفۃ القلوب کہا جاتا تھا، اس وقت اسلام کمزور تھا۔ اہل اسلام قلیل تھے، یہ لوگ کثیر بھی تھے۔ طاقت اور قوت بھی انہی کے پاس تھی، الحمد للہ! آج رب تعالیٰ نے اسلام کو عزتیں عطا فرمائیں ہیں۔ اہل اسلام کثیر تعداد میں ہیں اسلام کے ستون محکم اور اس کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں ہیں۔ مشرکین ذلیل و رسواء ہو گئے ہیں۔ حکم جب کسی خاص صحیح معنی کے ساتھ ثابت نہ ہو تو اس معنی کے ختم ہونے سے وہ حکم ختم ہو جاتا ہے۔''

وہ فائدہ جو مکاتب کو ملتا ہے وہ غلام جو تمہاری ملکیت میں ہو اسے زکوٰۃ دینا بہت زیادہ اجر وثواب کا مستحق بناتا ہے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ غلامی کی ذلت سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں اور آزادی کی عزت سے فزوں تر کوئی عزت نہیں ذرا ان غلام اقوام کی طرف دیکھو جو غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لیے ساری کوششیں بروئے کار لا رہی ہیں وہ اس مقصد کے لیے خون کا نذرانہ پیش کر رہی ہیں، وہ غلامی کی لعنت سے نجات پانے کے لیے بغاوت کرتے ہیں، اہل نظر کے نزدیک بنیادی اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ صفات جن سے امت مجموعی طور پر متصف ہو وہ انفرادی طور پر بھی لوگوں میں پائے جائیں۔ مجموعی طور پر پست امت کا ہر ہر فرد غلامی کی وجہ سے ذلیل ہو گا۔ اگر معاملہ اس طرح ہے تو پھر عبد مملوک کی زندگی میں سوائے اس کے اور کوئی آرزو نہیں ہوتی کہ وہ غلامی کی زنجیروں سے رہائی پالے وہ اس بھاری بھرکم بوجھ کو اتار پھینکے۔ اسی کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی اس کے لیے وہ قیمت ادا کرنا ممکن بناتی ہے جو وہ مقرر کرتا ہے یا اس کا آقا مقرر کرتا ہے جس کی ادائیگی کے بعد اسے آزادی کی نعمت نصیب ہوتی ہے۔ آزادی ساری نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہوتی ہے اور کوئی نعمت شرف میں اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔

غارمون:

غارمون سے مراد وہ مقروض ہوتے ہیں جن کو قرض کے بوجھ نے مغلوب کر رکھا ہوتا ہے ان کے دامن میں کچھ بھی نہیں ہوتا جس سے وہ اپنے قرض کی ادائیگی کر سکیں ایک شخص خواہ وہ کتنا ہی کریم النفس اور عالی الہمت ہو وہ کتنا ہی شریف النفس، شجاع اور بہادر ہو وہ خود کو قرض خواہ کے سامنے حقیر سمجھتا ہے اسے خود سے معزز سمجھتا ہے خواہ وہ کتنا ہی ذلیل اور رسواء کیوں نہ ہو۔ خصوصاً اس وقت جب قرض خواہ کمینہ ہو۔ وہ سختی اور بے حیائی سے قرض کا مطالبہ کرے۔ اس وقت مقروض کی مصیبت بڑی اور گراں ہو جاتی ہے۔ جب مقروض کے لیے وہ رقم نکال دی جائے جو مقروض نے

قرض خواہ کو ادا کرنا ہے وہ رقم اپنے قرض خواہ کو ادا کر دے تو مقروض سے مصیبت، غم اور پریشانی دور ہو جاتی ہے، گویا کہ اسے قرض خواہ کی غلامی سے نجات مل جاتی ہے، یہ بہت بڑی منفعت اور فائدہ ہے جو مقروض کو نصیب ہوتا ہے۔

جہاں تک فی سبیل اللہ زکوٰۃ ادا کرنے کا معاملہ ہے تو اس کی فضیلت میں جو چاہو کہہ لو۔ اگر اس سبب کے علاوہ زکوٰۃ دینے کے اور اسباب نہ بھی ہوتے تو پھر بھی کوئی حرج نہ تھی زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہی کافی تھا کیونکہ فقیر، مسکین، عاملین، مؤلفۃ قلوب، مکاتبین، مقروضوں اور ابن سبیل کو زکوٰۃ دینے کے بارے کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مخصوص افراد کی مصلحت ہے لیکن اگر زکوٰۃ مجاہدین کی مدد کرنے اور ان نگہبانوں کی اعانت کرنے کیلیے ادا کی جائے جو اس لیے سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ دشمن اچانک حملہ آور نہ ہو جائے وہ ملک اور سلطنت نہ چھین لے۔ اگر ان کے لیے رقم نہ نکالی جائے جو ان کی اعانت کرے تو وطن ضائع ہو جائے۔ اس امر کی مزید تفصیل دوسری جلد میں حکمۃ الجہاد کے موضوع میں بیان کی جائے گی۔

ابن سبیل سے مراد وہ مسافر ہے جو کسی وطن میں اجنبی ہو اپنے وطن سے دور ہو اس کے پاس اتنے ذرائع نہ ہوں کہ وہ اپنے اہل خانہ تک پہنچ سکے اسے دو مقاصد کے لیے زکوٰۃ کی ضرورت ہے۔

۱۔ خوراک کی ضرورت پوری کرنے کے لیے۔

۲۔ اپنے اہل وعیال اور وطن تک پہنچنے کے لیے۔

اگر تم مسافر کے غم واندوہ کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو اپنے تصور میں اس شخص کا خیال لاؤ جو صاحب اولاد ہو اس کے اہل وعیال ہوں جو اپنے وطن سے دور ہو۔ اس کا نفس ان سے پیار کرتا ہو۔ اس کی روح ان کی مشتاق ہو۔ وہ ان سے دور ہو۔ ان تک پہنچنا اس کے بس کی بات نہ ہو۔ یہ منظر دیکھ کر تمہارا دل پھٹ جائے گا اس میں خود بخود شفقت، رحمت اور ترس کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ رحم کرنے والوں پر ہی رحمان رحم کرتا ہے۔

اے عقل والو! اے دانشمندو! اے فہم والو! یہ وہ بعض عظیم فوائد ہیں یہ وہ بعض عظیم نعمتیں ہیں جو زکوٰۃ دینے اور لینے والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم والیہ المرجع والمآب۔

مخصوص اشیاء میں زکوٰۃ فرض کرنے کی حکمت

شارع حکیم نے بعض اشیاء کو چھوڑ کر بعض میں زکوٰۃ فرض کی ہے۔ اس میں ایک حکمت

بالغہ کارفرما ہے وہ زکوٰۃ نکالنے والے پر شفقت ورحمت اور رحم ومحبت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

''یہ تو تم جانتے ہو کہ مال وہ جامع اسم ہے جو ہر اس چیز کو محیط ہے جو تمہارے ہاتھ میں ہو اور جس کے تم مالک ہو مثلاً نقدی، گھر، مویشی، فرنیچر، کپڑے، ساری منقولہ اشیاء اور سارا سامان لیکن شارع حکیم نے صرف چار اصناف میں زکوٰۃ فرض کی ہے۔ (۱) سونا (۲) چاندی (۳) کھیتی (۴) جانور۔ جانوروں میں گائے، بکریاں اور اونٹ شامل ہیں۔ پھر تجارتی سامان، کیونکہ ان اصناف میں اضافہ تیزی کے ساتھ ہوتا ہے دیگر اموال سے زیادہ نفع بھی حاصل ہوتا ہے اور ان اموال کا تبادلہ دیگر اموال سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ اموال ہمدردی اور فاقہ دور کرنے کے لیے انسان کے لیے زیادہ نفع رساں ہوتا ہے۔ شارع حکیم نے ہر صنف کو مختلف حیثیتوں میں تقسیم کیا ہے تا کہ عدل مکمل ہو سکے اور زکوٰۃ نکالنے والے کے نزدیک مصلحت کے فائدہ بھی ضمانت دی جا سکے۔ تم دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں میں زکوٰۃ فرض فرمائی جو زمین میں تکلیف اور مشقت کے بغیر چرتے رہتے ہیں۔ وہ سال کے اکثر دنوں میں کھیتوں میں چرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ ان کے چرنے اور کھانے سے مشقت اٹھا لینا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ رب تعالیٰ نے ان میں زکوٰۃ فرض کی لیکن ان جانوروں میں زکوٰۃ فرض نہ کی جن کی خوراک میں خرچہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ بندوں پر خاص رحمت اور شفقت ہے۔

وہ کھیت جسے آسمان کا پانی (بارش) سے سیراب کیا جاتا ہے اسے سیراب کرنے میں مشقت نہیں اٹھانا پڑتی اس میں عشر فرض کیا گیا ہے لیکن وہ کھیت جسے سیراب کرنے میں انسان کو مشقت اٹھانا پڑتی ہے اس تھکاوٹ ہو جاتی ہے اس میں شارع حکیم نے نصف عشر مقرر فرمایا۔ یہ بھی لوگوں پر رحمت کی عکاس ہے ان پھلوں میں زکوٰۃ فرض نہیں کی گئی جو جلد خراب ہو جاتے ہیں یہ بھی شارع حکیم کی طرف سے رحمت وشفقت ہے سونا اور چاندی جن میں اضافہ ہوتا ہے خواہ وہ اضافہ تقدیراً ہی ہو مثلاً نقدی اور زیورات جن میں تجارت ہوتی ہے۔ ان میں زکوٰۃ فرض ہے لیکن تلوار کے دستے اور زین پر لگے ہوئے سونے پر زکوٰۃ فرض نہیں یہ اتنی مقدار میں سے جتنی شریعت میں مباح قرار دی ہے۔

مدفون خزانہ میں بھی زکوٰۃ فرض ہے، وہ خمس ہے کیونکہ یہ انسان کو مشقت اور محنت کے بغیر ہی حاصل ہو جاتا ہے وہ سامان جس میں تجارت کی جاتی ہے اس میں بھی زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اس میں نمو اور منفعت ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا اشیاء میں سے ہر ہر چیز کی زکوٰۃ کے احکام کتب فقہ میں مذکور

ہیں اگر تم حکمت کی نظر سے دیکھو گے تو تمہیں نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ساری انواع میں زکوٰۃ فرض نہیں کی جن کا انسان مالک ہوتا ہے۔ یہی وہ بالغ حکمت ہے جو مخصوص اشیاء میں زکوٰۃ فرض کرنے میں پنہاں ہے۔

گھوڑوں میں زکوٰۃ ساقط کرنے میں حکمت

شارع حکیم نے گھوڑوں میں مذکورہ زکوٰۃ فرض نہیں کی خواہ ان کی تعداد کتنی زیادہ ہو لیکن اس نے اونٹوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے کیونکہ اونٹوں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا دودھ پیا جاتا ہے ان پر سفر کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن ملت اسلامیہ کو گھوڑوں کی شدید ضرورت ہے۔ یہ جہاد اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے تیاری کے لیے سب سے زیادہ قوی جانور ہے اس لیے رب تعالیٰ نے اس میں زکوٰۃ فرض نہیں کی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (الانفال:۶۰)

”اور تیار کرو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت و طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تا کہ تم خوفزدہ کردو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ (کے) اور اپنے دشمن کو۔“

اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے اصطبل کو اسلحہ کی طرح رکھا ہے۔ گھوڑوں کی تعداد خواہ کتنی زیادہ ہو ان میں زکوٰۃ فرض نہ ہونے میں یہی حکمت کارفرما ہے۔

خچر اور گدھے میں زکوٰۃ فرض نہ ہونے میں حکمت

جان لو کہ انسان ان دونوں اصناف سے اپنی بہت سی ضروریات پوری کرتا ہے، مثلاً بوجھ اٹھانا، اور ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونا وغیرہ۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں جو انسان ان کے ذریعے حاصل کرتا ہے ہم پر شفقت ورحمت کرتے ہوئے شارع حکیم نے ہمیں ان دونوں اصناف کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا حکم دیا۔ خواہ وہ چرنے والے ہوں یا چرنے والے نہ ہوں کیونکہ ان کا مقصد بوجھ اٹھانا اور سواری کے کام آنا ہے۔ دودھ اور نسل ان سے مقصود نہیں ہوتا لیکن

یہ جانور تجارت کے لیے ہوں تو ان سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ اس وقت یہ تجارتی سامان کی طرح ہوں گے۔ "البدائع" میں ہے "خچر اور گدھے میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ یہ چرنے والے ہی ہوں کیونکہ ان سے مقصود بوجھ اٹھانا اور سواری کرنا ہوتا ہے نہ کہ دودھ حاصل کرنا اور نسل بڑھانا اگر چارہ کی قلت ہو تو ضرورت کے وقت انہیں بیچا بھی جاتا ہے۔ اگر یہ جانور تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔" یہی وہ عظیم حکمت ہے جو انسان کے لیے عظیم نفع اور بڑی بھلائی کا سبب بنتی ہے۔

صدقۂ فطر میں حکمت

روزہ دار رمضان المبارک کا ماہ مقدس روزہ رکھ کر گزارتا ہے اسے نیکیاں کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اس فریضہ کی ادائیگی کی وجہ سے وہ اپنا نفس پاک کر لیتا ہے وہ محرمات سے بچتا ہے، صدقۂ فطر اس لیے واجب کیا گیا ہے تا کہ انسان کو مکمل ترین طہارت نصیب ہو جائے اور اس کو عظیم اجر وثواب مل سکے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ کہ روزہ دار سارا دن کھانے پینے سے رکا رہتا ہے وہ بھوک کی تکلیف کو جان لیتا ہے۔ وہ پھر اس روز فقیر، مسکین اور محتاج کو کھلاتا ہے تا کہ وہ غنی کی نعمت ملنے کی وجہ سے رب تعالیٰ کا شکر ادا کر سکتے جس نے اسے اس مسرت کے روز کسی کا محتاج نہیں کیا جس میں مسلمان شاداں اور فرحاں ہوتے ہیں۔ فقیر اور مسکین کو صدقۂ فطر ادا کرنے سے ان سے بھوک کی تکلیف دور ہو جاتی ہے اور ان کے دل میں غربت کا اثر کم ہو جاتا ہے کیونکہ اس روز وہ لوگوں کو دیکھتا ہے انہوں نے خوبصورت لباس زیبِ تن کر رکھے ہوتے ہیں اور جی بھر کر کھانے کھا رہے ہوتے ہیں، حضور سید مرسلین ﷺ نے فرمایا: "اس روز انہیں مانگنے سے مستغنی کر دو۔"

فطرانہ گندم نصف صاع اور جَو اور کھجور کا پورا صاع ہے کیونکہ گندم کی قیمت سارے غلہ سے زیادہ ہوتی ہے نصف صاع گندم ایک آدمی کے دن کے کھانے کے لیے کافی ہو جاتی ہے اور وہ سالن وغیرہ کے بغیر بھی گندم کی روٹی کھا سکتا ہے لیکن جَو وغیرہ کا ایک صاع بطور فطرانہ واجب ہے کیونکہ جَو کی قیمت گندم سے کم ہوتی ہے اور اسے سالن کے بغیر فقیر کھا بھی نہیں سکتا۔ وہ نصف صاع جَو فروخت کر سکتا ہے اور اس نصف صاع سے سالن وغیرہ خرید سکتا ہے کھجوروں کی بھی یہی کیفیت ہے وہ نصف صاع فروخت کر سکتا ہے اور اس سے ملنے والی رقم سے وہ روٹی لے کر کھا سکتا ہے ذرا اس رحیم وکریم رب کی حکمت ملاحظہ کرو جو اس نے اپنے بندوں کے امور میں رکھی ہے تم دیکھو گے

کہ اتنی مقدار میں صدقۂ فطر واجب کرنا غنی کو بھی کسی تنگی میں دوچار نہیں کرتا۔

صدقہ ذمی کو دینے کے جواز میں حکمت

ذمی وہ شخص ہوتا ہے جس کے اور مسلمانوں کے مابین ایسا عہد ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی ذات، عزت اور مال کی حفاظت کی جاتی ہے اس کے لیے وہی (حقوق) ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے ہوتے ہیں اور اس کے وہی (فرائض) ہوتے ہیں جو مسلمانوں پر ہوتے ہیں، اس حالت میں مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس ذمی کو صدقہ دے کیونکہ صدقہ درحقیقت نیکی اور احسان کرنے کی طرح ہے۔ جب ایک ذمی ایک مسلمان کی طرف سے اس شفقت، نیکی اور احسان کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں اسلام کی عظمت پیدا ہو جاتی ہے وہ سارے اعضاء کے ساتھ اسلام کی طرف مائل ہو جاتا ہے اکثر اوقات دامنِ اسلام سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ وہ ظلمتوں سے نکل کر نور وضیاء کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اسے بہت بڑی نعمت نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کا سبب اسلام اور وہ مبارک احکام ہیں جنہیں حکیم اور خبیر نے نازل کیا ہے۔ البدائع میں ہے "ذمی کو صدقہ دینا اس پر نیکی کرنے کے باب سے ہے۔ ہمیں اس سے روکا نہیں گیا ارشاد ربانی ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الممتحنہ:۸)

"اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اس نص کا ظاہر ذمیوں کو زکوٰۃ دینے کے جواز کا تقاضا کرتا ہے مگر یہ کہ اس سے مراد یہ نہ ہو وے اس امر کا علم ہمیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ان کے اغنیاء سے زکوٰۃ لو اور ان کے فقراء کو دو" حضور ﷺ نے حضرت معاذ کو ان لوگوں کے فقراء کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا جن کے اغنیاء سے زکوٰۃ لیں اور وہ مسلمان ہی ہیں لہٰذا ان کے علاوہ دوسروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں لیکن حربی کو زکوٰۃ نہ دینے میں یہ حکمت ہے کیونکہ اگر اسے زکوٰۃ دی جائے تو وہ اسے ہمارے خلاف جنگ میں استعمال کرے گا۔ اسے وہ ہمارے خلاف

جنگ کرنے کی تیاری میں صرف کرے گا۔ یہ جائز نہیں بلکہ یہ کبیرہ گناہوں سے ہے جن سے شارع حکیم نے ہمیں منع کیا ہے لیکن ذمی میں یہ صفت نہیں پائی جاتی ذرا اس ذات والا کی حکمت ملاحظہ کرو جو اپنے بندوں کے احوال سے آگاہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت کرام پر زکوٰۃ حرام ہونے میں حکمت

جان لو کہ زکوٰۃ اس پانی کی مانند ہے جو تم سے میل کچیل دور کر دے۔ حتیٰ کہ تمہارا جسم بھی پاک ہو جائے اور کپڑے بھی، کیونکہ گناہ معنوی میل کچیل اور گندگی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پانی جس سے نجاستیں صاف کی جاتی ہیں وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم یہ اموال اس ذاتِ والا کو پیش کرو جن کے سامنے پہاڑ پیش کیے گئے کہ وہ سونے کے بن جائیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ نہ ہی یہ اموال ان ہستیوں کو پیش کرو جو آپ کے اہل بیت پاک ہیں کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے زکوٰۃ کا لغوی معنی پاکیزگی ہے، اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ زکوٰۃ ناپاک اور گندے پانی کی مانند ہے جو سید کائنات ﷺ اور آپ کے اہل بیت پاک کے مناسب نہیں کہ وہ یہ اموال لیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں فرمایا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (التوبہ: ۱۰۳)

"وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تا کہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں یعنی یہ زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لیں اور ان کے فقراء کو دیں۔"

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ یہ امر آپ کی ذات والا کے ساتھ تو خاص ہو سکتا ہے لیکن آپ کے اہل بیت کو اس میں کیوں شامل کیا گیا ہے۔ ہم اس شخص سے کہیں گے کہ انہیں زکوٰۃ نہ دینے کا سبب ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ زکوٰۃ لوگوں کی میل کچیل ہے کیونکہ مال غنیمت اور مال فئے میں ان کا حصہ ہوتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن یہ باتیں نہ کریں کہ حضور ﷺ کا مقصد خود کو اور اپنے اہل بیت کو کھلانا ہے رسالت و نبوت آپ کا مقصد نہیں اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ (الشوریٰ: ۲۳)

"آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا اس پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے۔"

یعنی وہ تبلیغ وارشاد اور ہر وہ چیز جس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے آپ کسی چیز پر کسی اجر کا کوئی تقاضا نہیں کرتے، مگر صرف یہ کہ آپ کے اہل بیت پاک اور اقرباء سے محبت کی جائے۔ یہ امر اس بات سے منع نہیں کرتا کہ آپ کے اہل بیت مال غنیمت اور مال فئے سے اپنا حصہ لیں۔ مزید تفصیل دوسری جلد میں بیان کی جائے گی۔

حضور سید موجودات ﷺ کے لیے زکوٰۃ حلال نہ ہونے میں ایک اور حکمت بھی پنہاں ہے وہ یہ کہ تا کہ مشرکین طرح طرح کی باتیں نہ بناتے رہیں کیونکہ مال غنیمت اور مال فئے میں آپ کا حصہ ہوتا تھا۔ اگر زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ ملا دی جاتی تو یقیناً اس ظن کو تقویت ملتی اور کہا جاتا کہ آپ مال کے طالب ہیں آپ مخلوق کی راہ نمائی کے لیے نبی مرسل نہیں ہیں۔ اس میں ایک اور حکمت بھی مخفی ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات والا لوگوں کے دین اور دنیا کے امور میں نمونہ ہے۔ اگر آپ سارے لوگوں سے زیادہ غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ لے لیتے تو بہت سے لوگ آپ کی پیروی کرتے لوگ کام کاج سے جی چرانے لگتے۔ وہ معیشت کے اسباب اپنانے سے گریز کرتے بہت کی مصلحتیں تعطل کا شکار ہو جاتیں۔ آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

اگر کوئی شخص پوچھے: "اگر ہم اہل بیت پاک میں سے کسی شخص کو دیکھیں کہ نہ اس کے پاس کچھ کھانے کے لیے ہو اور نہ ہی پہننے کے لیے کچھ ہو تو ہم کیا کریں؟ ہم اس شخص سے کہیں گے کہ ہم اس شخص کو کچھ مال یا کپڑے بطور تحفہ دے دیں گے۔ تحفہ دینے میں کوئی ممانعت نہیں تا کہ وہ فرد اپنا نفس زندہ رکھ سکے زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکے جس نے ایک نفس کو زندگی دی گویا کہ اس نے سارے انسانوں کو زندگی بخشی۔ نیز اس شخص کو تحفہ دینے میں اس محبت وعقیدت کا اظہار بھی ہے اہل بیت پاک جس کا تقاضا کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے بنو ہاشم! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوگوں کی گندگی کو ناپسند کیا ہے اور اس کے عوض تمہیں مال غنیمت کے خمس کا خمس عطا کیا ہے۔" آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "بنو ہاشم پر صدقہ لینا حرام ہے۔" روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے راستہ میں ایک کھجور دیکھی تو فرمایا: "اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کہیں یہ صدقہ میں سے نہ ہو تو میں اسے کھا لیتا۔" پھر فرمایا اے بنو ہاشم! اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں کے ہاتھوں کی گندگی کو حرام کیا ہے۔ "البدائع" میں ہے۔

"آپ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ صدقہ لوگوں کے ہاتھوں کا دھوون ہے۔ اس میں گندگی کا

امکان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دھون سے بنو ہاشم کا بچا لیا۔ یہ حضور ﷺ کی عزت و کرامت اور بنو ہاشم کی تعظیم اور شرف کی وجہ سے ہے بنو ہاشم کے وہ خاندان جن پر صدقہ حرام ہے وہ درج ذیل ہیں: ''آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور حارث بن عبدالمطلب کی اولاد رضی اللہ عنہم۔

اگر بادشاہوں نے صدقہ، عشر اور خراج لے لیا تو مالکوں سے زکوٰۃ ساقط ہو جانے کی حکمت

جان لو! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی شریعت سمجھنے کی توفیق دے کہ امام کو ان لوگوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا جائز ہے جن پر زکوٰۃ واجب ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (التوبۃ: ۱۰۳)

''وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کر دیں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں۔''

یہ آیت طیبہ زکوٰۃ کے بارے نازل ہوئی۔ عام مفسرین نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر زکوٰۃ کسی امام یا اس کے عامل کو دی جائے تو یہ صاحب زکوٰۃ سے ساقط ہو جائے گی۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر امام کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ دی جائے تو کیا وہ زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے ساقط ہو جائے گی یا نہیں۔ ''البدائع'' میں ہے: ''ہمارے زمانہ کے سلاطین جب صدقات عشر اور خراج لے لیتے ہیں وہ یہ اموال ان کے مصارف پر خرچ نہیں کرتے تو کیا ان اموال کے مالکوں سے یہ حقوق ساقط ہو جائیں گے یا نہیں؟ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ حضرت فقیہ ابوجعفر الھندوانی نے کہا ہے: ''یہ سارے حقوق مالکوں سے ساقط ہو جائیں گے اگرچہ وہ بادشاہ انہیں صحیح مصارف پر خرچ نہ کریں کیونکہ ان کو یہ اموال لینے کا حق ہے۔ جب انہوں نے حق وصول کر لیا تو ہم سے وہ حق ساقط ہو گیا۔ اگر انہوں نے یہ اموال صحیح مصارف پر خرچ نہ کیے تو اس کا وبال انہی پر ہو گا۔'' شیخ ابوبکر بن سعید نے کہا ہے: ''خراج ساقط ہو جائے گا جبکہ صدقات ساقط نہیں ہوں گے کیونکہ خراج کو جنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بادشاہ اسے جنگ کے لیے ہی استعمال کرتے ہیں۔ وہ دشمن کے نبرد آزما ہوتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اگر

کوئی دشمن حملہ آور ہو جائے تو یہ سلاطین اس کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور اسے مسلمانوں کے حریم سے دور کر دیتے ہیں لیکن جہاں تک زکوٰۃ اور صدقات کا تعلق ہے تو بادشاہ یہ اموال ان کے مصارف پر خرچ نہیں کرتے۔'' حضرت ابوبکر الاسکافی نے کہا ہے: ''اس طرح سارے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں، اگرچہ سلاطین ان اصولوں کو صحیح مصارف میں خرچ نہ بھی کریں اگر زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ دیتے وقت یہ نیت کرلے کہ وہ انہیں اپنے مال کی زکوٰۃ دے رہا ہے تو ایک قول کے مطابق یہ جائز ہے کیونکہ وہ حقیقت میں فقیر ہوتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر وہ اپنے سارے حقوق ادا کریں۔ ظلم وستم سے لوٹی ہوئی دولت واپس کریں تو وہ فقراء بن جائیں ابومطیع البلخی نے کہا: ''علی بن ہامان کو صدقہ دینا جائز ہے حالانکہ وہ خراسان کا بادشاہ تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے جس کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے روایت ہے کہ بلخ کے امیر نے کسی فقیہ سے قسم کے کفارہ کے متعلق پوچھا تو فقیہ نے اسے روزے رکھنے کے لیے کہا۔ یہ سن کر وہ امیر رونے لگا۔ اسے علم ہو گیا کہ فقیہ اسے کہہ رہا ہے، اگر میں تمہارے ذمہ واجب الادا ساری رقوم ادا کر دوں اور ستم و جفا سے لوٹی ہوئی دولت واپس کروں تو تمہارے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر سلطانِ وقت کسی شخص کا مال ضبط کرلے۔ اس وقت رقم کا مالک یہ نیت کرلے یہ اس کے مال کی زکوٰۃ ہے یا اس کی زمین کا عشر ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

ایران کے ایک بادشاہ کی حکمت آموز باتیں

ایران کے ایک بادشاہ نے کہا: ''میں سورج، چاند اور چراغ کی روشنی میں چلا۔ میں نے کسی چیز سے ایسی روشنی حاصل نہ کی جو میرے دل سے زیادہ پاک ہوتی۔'' اس نے کہا: ''میں مختلف ہلاکتوں میں گرا لیکن کسی نے مجھے اتنا پریشان نہ کیا جتنا زبان کی ہلاکتوں نے پریشان کیا۔'' اس نے کہا: ''میں انگاروں پر چلا، تپتی ہوئی زمین پر عازم سفر ہوا لیکن میں نے اپنے غصہ سے بڑھ کر کسی اور آگ کو نہیں پایا۔'' اس نے کہا: ''میں نے تلخی پی۔ میں نے صبر چکھا لیکن غربت سے بڑھ کر کوئی کڑوی چیز نہ دیکھی۔'' ''میں نے چٹانیں منتقل کیں بوجھ اٹھائے لیکن دین کے بوجھ سے بڑھ کر گراں بوجھ نہ دیکھا، میں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ عشق کی ذلت چکھی لیکن سوال کرنے کی ذلت سے زیادہ کسی چیز کی ذلت کو نہ پایا۔'' مجھے زنجیروں کو جکڑا گیا کوڑے مجھ پر برسائے گئے لیکن حزن کے علاوہ مجھے کوئی چیز گرا نہ سکی اور غم کے علاوہ کوئی چیز مجھ پر غلبہ نہ پا سکی۔''

''میں نے ذخائر صدقہ کر دیے۔ عطیات دیے لیکن میں نے گمراہ شخص کو راہ ہدایت پر گامزن کرنے سے بڑھ کر کوئی نفع بخش صدقہ نہ دیکھا۔''

روزہ کی حکمت

روزہ ان ارکان خمسہ میں سے ایک ہے جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ ''صوم'' کا ایک لغوی معنی ہے ایک شرعی معنی ہے، لغوی معنی یہ ہے ''کسی چیز سے مطلق رک جانا، خواہ وہ کوئی چیز بھی ہو۔'' اسی لیے کلام نہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے: ''ھو الصامت صائماً'' اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا۔ (مریم:۲۶)

''میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمن کے لیے روزہ کی۔''

خیل صیام و خیل غیر صائمۃ تحت العجاج و اخری تعلك اللجما

شرعی اعتبار سے روزہ سے مراد ''دن کے وقت نیت کرتے ہوئے کھانے، پینے اور وظیفہ زوجیت سے رک جانا۔'' روزہ کی حکمت اسلام کے دیگر ارکان کی حکمتوں سے کم تر نہیں۔ اگر ہم ان ارکان کی حکمتوں کی تشریح کریں بھی تو وہ ہمارے اپنے اذہان کے مطابق ہوگی۔ وہ صرف اتنی ہی ہو گی جس قدر ہمارا طائر فکر کی حد ہوگی۔ جہاں تک ہماری عقل ہماری راہ نمائی کرے گی لیکن اس کی حقیقی حکمت اس سے کہیں بالا تر ہے جو کچھ کتابوں میں رقم کیا گیا ہے بلغاء کی اقلام اور حکمائی، علماء اور فلاسفہ کے افکار وہ حکمت بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے روزہ کی حکمتوں کے بارے چند باتیں تحریر کرتے ہیں روزہ ۲ ھجری شعبان المعظم میں فرض ہوا۔ اسے فرض کرنے کی حکمتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ تاکہ بندہ اللہ رب العزت کا شکر ادا کر سکے۔ کیونکہ یہ بھی ایک عبادت ہے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ عبادت بندے کی طرف سے اپنے منعم حقیقی کا اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ وہ نعمتیں ان گنت ہیں ارشاد ربانی ہے:

اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم:۳۴)

''اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔''

۲۔ روزہ سے شارع حکیم نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم امانت کی ادائیگی کی حفاظت کیسے

کریں۔ نہ اسے ضائع کریں نہ اس میں تفریط سے کام لیں کیونکہ روزہ سے مراد دن کے وقت کھانے پینے اور مباشرت سے رک جانا ہے یہ اس امانت کی طرح ہے جسے رب تعالیٰ نے تمہارے ذمہ لگایا ہے یہ امانت اپنی ادائیگی میں شدید مشقت، جدوجہد اور تھکاوٹ کا تقاضا کرتی ہے، جب انسان تن تنہا کسی علیحدہ جگہ ہو اسے شدید پیاس اور بھوک لگی ہو۔ اس حالت میں اس کیلئے کھانا اور پینا ممکن ہوتا ہے۔ اسے کوئی دیکھ بھی رہا نہیں ہوتا نفس امارہ بھی اسے کھانے اور پینے کا حکم دے رہا ہو۔ وہ اسے دلکش انداز میں کہے "کھاؤ، پیو، تم پر کوئی نگران نہیں" اگر اس نے نفس امارہ کی اطاعت کر لی تو اس نے امانت میں خیانت کر دی اور وہ عذاب کا مستحق ہو گیا، تم جانتے ہو کہ دنیا اور آخرت میں خائن کی سزا کیا ہے؟

۳۔ حیوان کا مقصد صرف کھانا اور پینا ہوتا ہے، حیوانات کھانے، پینے اور جنسی تسکین پورا کرنے کے پورا کرنے کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ جب انسان اپنے حیوانی نفس کو ان لذتوں سے روک لیتا ہے جو حیوانات کی خصوصیت ہیں تو اس کا نفس پاک ہو جاتا ہے اس کی روح حیوانات کی صفت سے پاک ہو کر ملائکہ کے اوصاف کے قریب تر ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں وہ دیگر عبادت اخلاص کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ اس کا نفس ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک ہو جاتا ہے۔ تم ساری ملتوں اور اقوام کے عبادت گزاروں، اہل زہد، فلاسفہ اور حکماء کو دیکھو گے کہ جب وہ کوئی کتاب تالیف کرنا چاہتے ہیں یا عبادت کرنا چاہتے ہیں تو وہ زیادہ کھانے سے رک جاتے ہیں تا کہ وہ اپنا مقصد و مدعا پورا کر سکیں۔

۴۔ اطباء بھی یہی اشارہ دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ وہ نہ تو لالچ کرتے ہوئے کھائے اور نہ ہی زیادہ کھائے کیونکہ اس سے معدہ کو مہلک مرض لاحق ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ روایت ہے: "معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز دوا کی بنیاد ہے۔ ہر جسم کو وہی دو جس کا تم نے اسے عادی بنا رکھا ہے۔" ایک حکیم نے کہا ہے کہ جس نے زیادہ کھانا کھایا اس نے زیادہ پانی پیا، جس نے اس طرح کیا وہ زیادہ سویا جو زیادہ سویا اس کی عمر ضائع ہو گئی۔ ایک فاضل اجل نے اپنے "رسالۃ" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث (معدہ بیماریوں کا گھر ہے......) موضوع ہے یہ اہل عرب میں سے ایک طبیب کا قول ہے لیکن اس فاضل کے اس قول پر افسوس ہے، حافظ الدین، امام عبداللہ بن النسفی نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (الاعراف: ۳۱)

''اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔''

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک نصرانی نے کہا: ''تمہارے رسول (محترم ﷺ) سے طب کے بارے کوئی چیز روایت نہیں۔'' انہوں نے کہا: ''ہمارے رسول محترم ﷺ نے مختصر سے الفاظ میں طب کو جمع کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ آپ کا یہ فرمان حق ترجمان ہے: ''معدہ بیماری کا گھر ہے، پرہیز دوا کی بنیاد ہے ہر جسم کو وہی کچھ عطا کرو جس کا تم نے اسے عادی بنا رکھا ہے۔'' اس نصرانی نے کہا: ''تمہاری کتاب زندہ اور تمہارے نبی کریم ﷺ نے جلینوس کے لیے طب چھوڑی نہیں ہے۔'' (جلد ا ص ۴۰۱) ہم نے یہ واقعہ حقیقت آشکارا کرنے کے لیے تحریر کر دیا ہے اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

تم حکیم کو دیکھو گے وہ جب کسی مریض کو دوا دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا پیٹ ہر چیز سے خالی کر لیتا ہے، پھر وہ اس کے علاج میں مشغول ہو جاتا ہے، یا وہ ایسا کھانا کھلاتا ہے جو معدہ کے لیے خفیف ہوتا ہے، مثلاً دودھ وغیرہ، کیونکہ روزہ میں بھی کھانے اور پینے سے رکنا ہوتا ہے، اس لیے اس میں جسم کی صحت ہوتی ہے۔

۵- روزہ اس شہوت کو بھی کمزور کر دیتا ہے جس میں انسان اور حیوان برابر ہوتے ہیں۔ یہ اس شہوت کو کمزور کرتا ہے جسے انسان بڑی مشکل سے روک سکتا ہے، مثلاً اگر انسان غریب ہو۔ وہ شادی کرنے پر قادر نہ ہو اسے اپنے بارے اندیشہ ہو کہ وہ بدکاری کا ارتکاب نہ کر بیٹھے تو وہ روزہ رکھ لیتا ہے تاکہ اس کی شہوت کمزور ہو جائے اسے شادی کے اخراجات کی تکلیف بھی نہیں اٹھانا پڑتی، اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے وہ شادی کر لے جو یہ طاقت نہیں رکھتا تو وہ روزے رکھے۔ اس سے اس کی شہوت کمزور ہو جائے گی۔''

۶- ایک انسان جب روزہ رکھتا ہے وہ بھوک کی تلخی چکھتا ہے تو اس میں ان فقراء اور مساکین کے لیے شفقت و رحمت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جن کے پاس کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ روایت ہے کہ حضرت سیدنا یوسف صدیق علیہ السلام صرف اس وقت کھاتے تھے جب ان پر بھوک انتہائی شدت اختیار کر جاتی تھی تاکہ انہیں محتاج فقیر اور ضرورت

مند غریب یاد رہے۔"

روزہ کی فضیلت اور فوائد میں اتنی احادیث طیبہ اور حکماء کے اقوال وارد ہیں کہ نہ انہیں گنا جاسکتا ہے نہ ہی انہیں شمار کیا جاسکتا ہے اس کلیہ کے پیش نظر کہ اگر سب کا احاطہ نہیں ہوسکتا تو سب کو چھوڑا بھی نہیں جاسکتا ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ حضور اکرم شفیع معظم ﷺ نے فرمایا: "جس کا پیٹ بھوکا رہا اس کا فکر عظیم اور اس کا دل زیرک ہو جاتا ہے۔" حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: "نور نظر! جب معدہ بھر جاتا ہے تو سوچ و بچار کی صلاحیتیں سو جاتی ہیں حکمت گنگ ہو جاتی ہے اور اعضاء عبادت الٰہیہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔" حضرت سلیمان دارانی نے کہا: "مجھے عبادت کی شیرینی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب میری کمر میرے پیٹ سے ملی ہوتی ہے۔" ایک طبیب نے کہا ہے: "وہ دواء جس کے ساتھ کوئی مرض نہیں وہ یہ ہے کہ تم پیٹ بھر کر نہ کھاؤ۔" یہ قول حضور سید المرسلین ﷺ کے اس فرمان عالی شان سے ماخوذ ہے جو آپ نے اس طبیب سے فرمایا تھا جسے مقوقس نے بطور تحفہ آپ کی طرف بھیجا تھا آپ نے اسے فرمایا: "ہم ایسی قوم ہیں جو صرف اس وقت کھاتی ہے جب اسے بھوک لگے۔ جب ہم کھاتے ہیں تو اپنے نفوس کو کھانے کا مالک نہیں بناتے۔" وہ طبیب مقوقس کی طرف واپس چلا گیا اور اسے کہا: "تم نے مجھے اس ہستی کے پاس بھیجا ہے جس نے ساری طب کو دو کلمات میں جمع کر دیا ہے۔" ایک صالح بزرگ نے فرمایا ہے: "جب انسان سیر شکم ہوتا ہے تو اس کی حکمت خاموش ہو جاتی ہے اعضاء عبادت سے تھک جاتے ہیں۔ ایک انسان پاکی دل، عبادت کی لذت، مناجات کی حلاوت اور ذکر و فکر کی تاثیر صرف بھوک سے ہی حاصل کرسکتا ہے عصر حاضر میں بھی اطباء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ روزہ اس شخص کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش دوا ہے جسے شوگر کا مرض لاحق ہو۔ ذرا شارع حکیم کی حکمت ملاحظہ کرو جو بہت سے لوگوں پر مخفی ہے۔

الاستاذ، امام شیخ مرحوم محمد عبدہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "**لعلکم تتقون**" (البقرہ: ۲) کے بارے لکھا ہے: "اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حکمت واضح کرتے ہوئے فرمایا: **لعلکم تتقون**۔ (البقرۃ: ۲۱) اس کی تفصیل یہ ہے کہ بت پرست اپنے معبودان باطلہ کی آتش غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے روزہ رکھتے تھے۔ جب وہ کوئی خطاء کر بیٹھتے، یا انہیں راضی کرنے یا بعض امور میں ان کی مدد حاصل کرنے کے لیے روزہ رکھتے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان معبودان کی رضا اور ان کا قرب صرف اسی وقت حاصل ہو گا جب وہ اپنے نفوس کو اذیت میں مبتلاء کریں گے اور جسمانی

لذتیں ختم کردیں گے۔ یہی عقیدہ اہل کتاب میں بھی پھیل گیا، حتیٰ کہ خورشید اسلام جلوہ افروز ہوگیا اس نے ہمیں بتایا کہ روزہ وغیرہ اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ یہ ہمیں تقویٰ کی سعادت سے بہرہ اندوز کردے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اور ہمارے اعمال سے مستغنی ہے۔ روزہ صرف ہمارے فائدہ کے لیے ہی ہم پر فرض کیا گیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ "لعل" تیار کرنے کے معنی ہیں ہے، روزہ، روزہ داروں کے نفوس کو تقویٰ کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس کا اظہار کئی اعتبار سے ہوتا ہے لیکن اس تقویٰ کا سب سے اظہار اس لیے ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو سارے کا سارا روزہ دار کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ یہ اللہ رب العزت اور اس کے بندے کے مابین ایک راز ہوتا ہے جب انسان، اپنی خواہشات اور لذتوں کو صرف اس لیے ترک کرتا ہے تاکہ وہ اپنے رب کا حکم بجا لائے، وہ اپنے دین متین کے حکم کے سامنے پورا مہینہ سر تسلیم خم رہتا ہے وہ اشیاء کو دیکھ رہا ہوتا ہے جو اسے بڑی مرغوب ہوتی ہے مثلاً نفیس کھانے، شیریں اور ٹھنڈا پانی اور پکے ہوئے پھل، اگر رب تعالیٰ اسے دیکھ نہ رہا ہوتا اور اس پر نگران نہ ہوتا تو اس سے کبھی بھی صبر نہ ہوسکتا۔ ان اشیاء کی طرف اس کا رجحان شدید ہوتا ہے یقیناً اس کیفیت سے کہ اسے ہر لحظہ اس کا پروردگار دیکھ رہا ہے اس کے دل میں اپنے رب تعالیٰ کی تعظیم اور تقدس پیدا ہوتا ہے۔ جو نفوس کی تشکیل کے لیے بڑی مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس سے انسان میں یہ ملکہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر آن اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنے مولا سے حیاء کرتا ہے کہ وہ اسے اس جگہ دیکھے جہاں سے اس نے اسے منع کیا ہے اس سے انسان کے ایمان کو کمال نصیب ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تقدس میں استغراق نصیب ہوتا ہے اسی سے نفوس کی تشکیل ہوتی ہے آخرت میں روح سعادت مندی سے بہرہ یاب ہوتی ہے جس طرح یہ مراقبہ نفوس کو آخرت کی سعادت سے آراستہ کرتا ہے اسے طرح اسے دنیاوی سعادت سے بھی مزین کرتا ہے۔" بعض جید علمائے کرام نے فرمایا ہے۔

۱۔ روزہ رکھنے سے ارادہ کو تقویت نصیب ہوتی ہے، شہوت پر عقل کے حکم کو غلبہ ملتا ہے۔ جب انسان اس چیز کا مکمل طور پر عاری بن جاتا ہے۔ جب اس کے عقل کو خواہشات پر غلبہ ملتا ہے تو اس قوتِ عزیمت کی وجہ سے یہ قوت اسے سارے لوگوں سے بہتر بنادیتی ہے۔

۲۔ روزہ سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دیکھ رہا ہے وہ اس سے حیاء کرتا ہے اگر تم روزہ سے ہو اور تمہیں کسی چیز کی تمنا پیدا ہو تو اسے صرف رب تعالیٰ کے لیے

چھوڑ دو تو تم میں یہ ملکہ پروان چڑھے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمہ وقت دیکھ رہا ہے۔ تم میں اس کی الوہیت کی عظمت کا جذبہ پیدا ہوگا اگر سارے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو پھر کسی ایک جرم کا بھی ارتکاب نہ ہو۔ طاقتور کمزور کو غلام نہ بنائے۔ دنیا اپنی پاکیزگی، صفائی اور طہارت میں فردوس کی مانند ہو جائے۔

۳۔ روزہ رکھنے سے انسان کو غرباء کی حالت یاد آجاتی ہے حتیٰ کہ وہ ان کے ساتھ ہمدردی کرنے لگتا ہے۔ ان کے ساتھ شفقت سے پیش آنے لگتا ہے مجبور کی حالت سے وہی آگاہ ہو سکتا ہے جسے بھی کسی مجبوری کا سامنا کرنا پڑے بھوک کا احساس اسے ہو سکتا ہے جو کبھی بھوکا رہا ہو۔ مصیبت و شدت کا ادراک اسے ہو سکتا ہے جو کبھی مصیبت و شدت میں گرفتار ہوا ہو۔ ان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ سے پوچھا گیا جو عوام کے معاملات کو اہمیت دیتے تھے: ''تم بھوکے کیوں رہتے ہیں؟'' اس نے کہا: ''تاکہ مجھے بھوکے یاد رہے۔''

۴۔ تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح عرفان حاصل ہو سکے۔ کسی چیز کی صحیح قدر و قیمت اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ مفقود ہو جاتی ہے۔ اسی لیے صحت کی جو قدر مریض کو معلوم ہوتی ہے تندرست اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ عموماً انسان چیزوں سے غافل رہتا ہے جب وہ اشیاء مفقود ہو جاتی ہیں تو ان کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ نفس کو ان لذتوں کی قدر اسے وقت معلوم ہوتی ہے جب انہیں اسے فطرتی طور پر یا مصنوعی طور پر روک لیا جاتا ہے۔

۵۔ روزہ رکھنے سے تمہیں اپنی کمزوری اور احتیاج کا احساس ہوتا ہے جو شخص اپنی کمزوری اور ضرورت کو جان لیتا ہے تو اس کا جھوٹا تکبر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ تکبر اس شخص کے لیے مناسب نہیں جس سے اگر پانی کا گھونٹ دور کر دیا جائے تو وہ ذلیل ہو جائے اس کی وہ انانیت ختم ہو جائے جس کی وجہ سے وہ ارادہ رکھتا ہو کہ وہ بندہ نہ ہوتا بلکہ معبود ہوتا۔ وہ بندہ کتنا کمزور ہوتا ہے جو ایک لقمہ روٹی یا ایک گھونٹ پانی کے لیے مشتعل ہو جاتا ہے۔ اس سے انسان اپنی قدر جان لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنی قدر جان لی وہ رب تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے ساتھ ادب سے پیش آیا۔

۶۔ جب نفس انسانی کی شہوت قوی ہو جاتی ہے تو وہ باغی ہو جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ (العلق: ۶، ۷)

''بیشک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔''

جب اس کی خواہش اس سے روک دی جائے تو یہ کمزور ہو جاتا ہے جب یہ کمزور ہوتا ہے تو یہ رب تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے اور اسے صحیح احساس ملتا ہے۔ تم ایک فقیر راہ نشین کے نفس میں، جو ہمہ وقت رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور بادشاہ، وزیر اور ثروت مندوں اور منصب و مرتبہ والے لوگوں کے نفس میں بہت بڑا فرق پاؤ گے نفوس کی سعادت مندی یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کریں نہ کہ اس سے مستغنی ہو جائیں۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿فاطر: ۱۵﴾

''اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا۔''

۷۔ روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ملائکہ روحانیین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے، اگر تم روزہ دار ہو تو تم سارا دن اپنے نفس کے ساتھ مشغول نہیں رہتے بلکہ تمہارا تعلق رب تعالیٰ کے ساتھ رہتا ہے تم کبھی ذکر، کبھی تسبیح، کبھی تقدیس کبھی نماز، کبھی قرآن پڑھتے نظر آتے ہو کبھی آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور کبھی بندوں کے فوائد میں غور و فکر کرتے نظر آتے ہو۔ ہر حال میں روز[illegible]ب تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ ایک روزہ کا ظاہر ہوتا ہے ایک اس کی روح ہوتی ہے تم اس کی [illegible]وح اور اس کے سرّ کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ نہ کہ اس کے ظاہر اور وجود کی ساتھ۔ جس قدر تم اپنی خواہشات سے دور رہو گے بچوں اور احمقوں کی مانند اپنے نفس میں مشغول رہنے سے جتنا دور رہو گے تم اس قدر ملاء اعلیٰ کے قریب ہوتے جاؤ گے۔ تم جس قدر خواہشات کے غلام بنتے جاؤ گے جس قدر مادی زندگی میں غوطہ زن رہو گے اسی قدر تمہارے اور شیاطین کے مابین مناسبت بڑھتی چلی جائے گی۔

۸۔ روزہ میں بہت سے طبعی فوائد بھی ہیں۔ معدہ بیماریوں کا گھر ہوتا ہے پرہیز دواء کی بنیاد ہے۔ ہر عضو کے لیے لازم ہے یہ وہ کچھ دیر کے لیے آرام کرے۔ معدہ کو اس طرح آرام کی ضرورت ہے جس طرح دیگر اعضاء کو ضرورت ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں

''روزہ بہت سے مہلک اور متعدی امراض سے نجات عطا کرتا ہے مثلاً سل اور کینسر سے امان بخشتا ہے جو پورے یورپ میں پھیل گیا ہے۔ پیرس میں آخری اعداد و شمار کے مطابق ایک سال میں کئی ہزار افراد اس مہلک مرض کا شکار ہوئے۔''

ایک جید عالم دین نے لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۸۳)

''اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔''

جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں بنو آدم کے سر خلافت کا تاج زرنگار سجایا تو اس کی حکمت نے چاہا کہ وہ انہیں مختلف عبادتوں کا مکلف بنائے۔ تا کہ وہ اس معیار تک پہنچ سکیں کہ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ سکے کہ وہ واقعی کہ اس خلافت کے مستحق تھے اللہ رب العزت کو لوگوں کی عبادت کی کوئی ضرورت نہیں نہ ہی ان کے اعمال کی ضرورت ہے وہ ان سے مستغنی ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ (الزمر: ۷)

''اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو۔''

لیکن عبادت کرنا بندوں کے لیے سعادت ہے۔ اس میں ان کے نفوس کی تربیت ہے، زندگی کے بارے غور و فکر کی ترقی ہے۔ عبادت افراد کو ایسے انسان بناتی ہے جو اپنے لیے بھی مفید ہوتے ہیں اور معاشرہ کے لیے بھی فائدہ مند ہوتے ہیں۔ یہی وہ مقصد ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت مشروع کی ہے اور انہیں مختلف عبادات کا مکلف بنایا ہے۔ اگر چہ ظاہری طور پر ان میں مشقت ہی نظر آتی ہو لیکن اس میں جو روحانی سامان ہے اس کے سامنے اس مشقت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ مؤمن کا جو عمدہ انجام ہوتا ہے اس کے سامنے اس مشقت کی کیا اہمیت ہے؟ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں کامرانی و کامیابی کا راز دو کلمات میں جمع کر کے رکھ دیا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۟ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝

(السجدۃ: ۲۴)

''اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے۔''

صبر دنیاوی زندگی میں انسان کے لیے ایک ہتھیار کی مانند ہے۔ دنیا میں اکتانے والے شور و غل مچانے والے کے لیے کامیابی ناممکن ہے۔ واقعات اور حادثات میں جہاں صبر پہنچتا ہے وہاں عقل اور دنیا کا گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ روزہ بھی ان عبادات میں سے ایک ہے۔ روزہ انسان کو

صبر کی نعمت سے نوازتا ہے اسے وہ تیز ہتھیار عطا کرتا ہے۔ یہ انسان کو نیکی، رحم، محتاجوں کے ساتھ ملنے اور فقراء اور غرباء کے ساتھ میں ملاپ رکھنے کا عادی بناتا ہے۔ اس سے اس کا نفس راضی ہوتا ہے اور اسے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ اسی سے انسان اس بلند مقصد تک پہنچ جاتا ہے جو اس کی تخلیق کا مدعا ہے۔ آج کا سارا اضطراب اور قلق اس مادیت کی وجہ سے ہے جس کی تعریف کے نغمے ہم صبح وشام سنتے رہتے ہیں دانا کی نظر میں ساری زندگی نا قابل برداشت بوجھ ہے۔ یہ ایسا بارگراں ہے جسے انسان اٹھا نہیں سکتا۔ لوگوں نے روحانیت کا مسئلہ پس پشت ڈال دیا ہے وہ نہ تو ضمیر کے داعی کو جواب دیتے ہیں نہ ہی انسانیت کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ لوگوں میں الفتِ باہمی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کے دل منتشر ہو چکے ہیں۔ اس معاشرہ کو معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ دنیا اس طرح رہی ہی نہیں کہ یہ بھلائی اور خیر کی آماجگاہ ہو۔ نہ لوگ اپنے حقوق اور فرائض پورے کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ لوگ اپنے اور سارے انسانوں کے انجام کے بارے طرح طرح کے خدشات کا شکار ہو گئے ہیں۔ روزہ قومی اور وطنی جذبات میں سے پاکیزہ جذبہ کی تربیت کرتا ہے اور اسے تقویت دیتا ہے روزہ دار عام زندگی کے بہت سے معمولات سے دستبردار ہوتا ہے۔ وہ مشقت وتکان کے بغیر اپنی آسودہ حال اور خوشگوار زندگی کو خیر آباد کہتا ہے اس میں سائل اور محروم لوگوں کے لیے ہمدردی بھی ہے اور ان کے ساتھ تالیف قلبی بھی۔ لوگ سعادت ازلی صرف اس وقت حاصل کر پائیں گے جب وہ قانون الٰہی کے سایہ میں چلیں گے۔ لوگ اپنے مبارک مقصد تک صرف اسی وقت ہی پہنچ سکیں گے جب انہیں تسلیم ورضا کا خنک سایہ نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ (الاعراف:۹۶)

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی، لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ (المائدہ: ۶۵-۶۶)

''اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیز گار بنتے تو ہم ضرور دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ہم ضرور داخل کرتے انہیں نعمت کے باغوں میں، اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی۔ ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے اور اکثر ان میں سے بہت برا ہے جو کر رہے ہیں۔''

امور زندگانی صرف دین، خُلق اور فضیلت کے جھنڈے کے نیچے ہی درست ہو سکتے ہیں اس امت کا آخری امر بھی اس چیز کے ساتھ درست ہوگا جس کے ساتھ اس کا ابتدائی امر درست ہوا۔ یعنی دین حق کی اتباع کرنے اس کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے سے ہی ان کے امور کی اصلاح ہو سکتی ہے، عبادات کی ادائیگی سے ہی انہیں سعادت ازلی حاصل ہو گی اور اسی کے سایہ میں انہیں نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک ارشاد ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ (التوبہ: ۱۰۵)

''اور فرمایئے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور اس کا رسول اور مومن اور لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا پس وہ خبردار کرے گا تمہیں جو تم کیا کرتے تھے۔''

بعض علمائے کرام نے اس آیت طیبہ کے تحت لکھا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ (البقرۃ: ۱۸۳)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصیبتوں سے سب سے زیادہ آگاہ ہے۔ اس نے دین حق میں وہی عمل شامل کیا ہے جس سے ان کے نفوس کا تزکیہ ہو اور ان کے اخلاق کی تہذیب نصیب ہو۔ روزہ کے اتنے فضائل ہیں کہ کوئی بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی اس کا انکار نہیں کرتے جو دینِ اسلام پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان فضائل میں سے کمترین فضیلت یہ ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جرائم واقعی کم ہو جاتے ہیں۔ یہ امر ظاہری ہے ہر کوئی اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ روزہ زہد کی ایک قسم ہے، یہ نفس کو مغلوب کرتا ہے، جو شخص نفس مغلوب کرنے کی استطاعت

رکھتا ہو اور اسے کھانے سے روکنے کی طاقت رکھتا ہو وہ اسے جرائم سے روکنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ روزہ نفس کے حرص کو توڑتا ہے، نفس کی سرکشی کو کم کرتا ہے، لیکن کھانے پینے میں زیادتی اور لذتوں کی بہتات نفوس کو شعلہ بار کرتی ہے۔ وہ نہ تو کمزوروں پر رحم کرتا ہے، نہ محتاجوں پر اسے ترس آتا ہے کیونکہ فاقہ اور قحط کے دکھ کو محسوس نہیں کرتا جس میں غرباء مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کا عدل ہے کہ اس نے ہم پر روزے فرض کیے تاکہ نفس ان دکھوں میں سے بعض کو چکھے اور حتی الامکان انہیں دور کرنے کی سعی کرے۔

روزہ صحت کے عوامل میں سے ایک اہم عامل ہے یہ ہر مرض کا علاج کرتا ہے۔ اگرچہ وہ مرض ایسا ہو جس میں سارے وسائل بروئے کار لائے گئے ہوں۔ یہ عام طور پر جسم کو تقویت دیتا ہے اور اس کی امراض اور بیماریوں کا علاج کرتا ہے کیونکہ جسم امراض کے وقت وہ چیز غائب نہیں پاتا جسے وہ کھائے۔ اس وقت جسم زہریلے مواد باہر پھینکتا ہے جو اس میں جمع ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ روزہ کھانے کی مشقت سے نظام انہضام کو آرام دیتا ہے۔

روزہ اہم شعائر میں سے ہے۔ یہ قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ایسے کیوں نہ ہو؟ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین راز ہے۔ اس میں ریاء کا عمل دخل نہیں، ایک انسان پورا ماہ اپنے آپ کو خواہشات اور لذتوں سے روکے رکھتا ہے۔ وہ یہ کام صرف رضائے الٰہی کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس پر اور کوئی نگہبان بھی نہیں ہوتا۔ بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب تعالیٰ اس کے ظاہر اور پوشیدہ سے آگاہ ہے وہ رب تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے کہ وہ گناہ یا ظلم یا معصیت کا ارتکاب کر کے حرمت کا پردہ چاک کرنے سے حیاء کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے کہ وہ اسے اس حالت میں دیکھے کہ اس نے دھوکا، فریب اور جھوٹ کا لباس پہن رکھا ہو۔ وہ نہ چاپلوسی کرتا ہے نہ ہی دھوکا سے کام لیتا ہے۔ وہ نہ منافقت کرتا ہے وہ کسی رئیس اور بڑے کے رعب کی وجہ سے سچی گواہی چھپاتا ہے وہ رب تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کا ایک معطل عضو بن کر رہ جائے۔ بلکہ وہ اس کا سہارا بنتا ہے اور اس کی رفعت و بلندی کے لیے کام کرتا ہے۔ یہ روزہ کی حقیقت ہے۔ ایسے دانا کو چاہیے جس میں کچھ بھی عقل و فہم ہے اور وہ اپنے رب کی صدا سنتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ رب تعالیٰ نے متقین کے لیے آخرت میں کیا تیار کر رکھا ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کی اطاعت کرنے کو غنیمت سمجھے۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۸۴)

''اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو۔''

ایک بہت بڑے مسلمان ڈاکٹر نے لکھا ہے: ''تاریخ کے اس دور میں جبکہ پوری دنیا اضطراب کا شکار ہے اس کے افراد کے اعصاب پر لرزہ طاری ہے یہ ایک مبارک موقع ہے کہ میں روزہ اور عبادت ان عمومی فوائد کا کچھ تذکرہ کروں جو نفس یا روح کو حاصل ہوتے ہیں۔ عبادت گزار روزہ دار کو روزہ ہمیشہ وہ بھلائی کے امور یاد کراتا ہے جو دین حق نے اس پر فرض کیے ہیں۔ وہ اسے یاد کراتا ہے کہ مخلص دل کے ساتھ ساتھ اس کی سوچ بھی پاکیزہ ہو ایسا انسان اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس سے مدد طلب کرتا ہے تاکہ وہ اسے گناہوں اور لغزشوں سے بچالے وہ بھلائی کے کام کر کے اور گناہوں اور خطاؤں سے بچ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اس کی روح دنیا کے مشاغل سے آزاد ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس میں یہ عزم الہام کر دیتا ہے کہ وہ راہِ ہدایت پر گامزن ہو۔ رب تعالیٰ اس کی وہ دعا قبول کر لیتا ہے جو سورۃ الفاتحۃ میں مذکور ہے:

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ ۧ'' (الفاتحۃ: ۶، ۷)

''چلا ہم کو سیدھے راستہ پر، راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔''

اسی لیے بعض لوگ روزہ کو ''ریاضۃ الروح'' کہتے ہیں، جبکہ اطباء اسے ''علاج النفس'' سے تعبیر کرتے ہیں رمضان المبارک میں فضا ایمان، وعظ اور عمدہ قول سے بھر جاتی ہے۔ نفوس میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ سرکش نفوس کی بغاوت کو لگام دی جاتی ہے وہ بھلائی اور ایمان کے دائرہ میں لوٹ آتے ہیں۔ گناہ گار گمراہی کا رستہ چھوڑ دیتے ہیں، عادی مجرم گناہ کی عادات کو جڑ سے اکھیڑ پھینکتے ہیں۔ تعصب کی امراض والے اپنے وہموں کو بھلا دیتے ہیں۔ بہت سے اوقات میں توبہ نصوحا نصیب ہو جاتی ہے۔ اس میں انسان لوٹ کر اپنے گناہوں کی طرف نہیں جاتا۔ جیسا کہ کئی بار اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اس سے یہ امر بھی پوری طرح عیاں ہوتا ہے کہ انسان صرف اپنے ارادہ سے شہوات اور ان آلام سے نجات پا سکتا ہے جو انسان پر غالب ہوتے ہیں۔ روزہ انسان کو کسی چیز کے ضائع ہو جانے پر مشق کراتا ہے، جس طرح کہ یہ نقصان دہ اور غلط اختلاف سے مزاحمت کرنے کی مشق کراتا ہے۔ یہ انسان کی قوت ارادی میں اضافہ کرتا ہے اور جس غلط عادت میں وہ منہمک ہوتا ہے اسے چھوڑنے پر اس کی مدد کرتا ہے۔

جس شخص نے جسم کو بھوکا رکھا لیکن نفس کو خواہشات سے نہ روکا وہ روزہ داروں میں سے نہیں۔ اگر کوئی شخص روزہ میں ان امور کی پیروی کرے جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے تو نفس، نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنے انجام کے بارے غور کرتا ہے کہ اس کے سر پر رضائے الٰہی کا تاج سجایا جائے گا۔ یہ کسی غریب، گمنام، محتاج، مردہ احساس اور ضعیف ارادہ والے شخص کی رضا نہیں بلکہ یہ نفس مطمئنہ کی رضا ہے جس کے بارے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (الفجر: ۲۷-۲۹)

"اے نفس مطمئنہ واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پس شامل ہو جاؤ میرے بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔"

اس کے ساتھ ساتھ میں دین دار طبقہ کو تو پسند کرتا ہوں لیکن دین میں غلو کرنے والے کو ناپسند کرتا ہوں دین میں غلو کرنے والا اس مریض کی طرح ہے جو وقفوں میں پانی پیتا ہے تاکہ اس کے مسامات میں زیادہ پسینہ آئے۔ وہ ایسے طبیب کی ہدایت کے برعکس کام کرتا ہے وہ روزہ تو رکھتا ہے لیکن اپنی صحت کو بہت زیادہ نقصان دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۵)

یہ وہ معاملہ ہے جس سے رحمن اور رحیم پروردگار راضی نہیں ہوتا جس نے اپنے ذمہ رحمت کو لازم کر رکھا ہے۔ روزہ صحت کے لیے نقصان دہ نہیں لیکن وہ طریقہ جس سے اکثر لوگ روزہ رکھتے ہیں وہ نقصان دہ ہے۔ غذا کی مختلف اقسام اور پانی کی کثرت سے یکبار پیٹ بھر لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرغن غذائیں کھائی جاتی ہیں جو بلاشبہ صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ جس شخص کا رمضان المبارک میں ہاضمہ خراب ہو جائے یا معدہ یا انتڑیاں یا جگر کام نہ کرے۔ وہ اپنے انکل سے سارا گناہ روزے کی طرف منسوب نہ کرے۔ بلکہ گناہ اس شخص کا اپنا ہے جس نے صحیح طریقہ سے روزہ افطار نہیں کیا۔ روزہ دار کو یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ وہ اپنی غذائی حالت کے اعتبار سے فقیر کی حالت کی طرف منتقل ہوا ہے تاکہ وہ یہ حالت جان لے اور اس پر شفقت کرے جب دستر خوان کو رنگا رنگ کھانوں سے لبریز کر دیا جاتا ہے تو روزہ کا مقصد اولین ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ہماری صحت بگڑ جاتی ہے۔ میں اس امر کی طرف اشارہ کرنا

چاہتا ہوں کہ پہلے تھوڑی سی مقدار میں پھل وغیرہ کھا کر روزہ افطار کیا جائے پھر دو گھنٹے بعد یعنی عشاء کی نماز کے بعد اعتدال کے ساتھ کھانا کھایا جائے۔ وہ کھانا اپنے مقدار اور نوعیت میں معتدل ہو اور روغن اور مصالحہ دار غذاؤں سے پرہیز کیا جائے۔ میں ایک اور خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ روزہ دار یا غیر روزہ دار کے لیے کھانے کے دوران زیادہ پانی پینا مضر صحت ہوتا ہے۔ کھانے کے دوران زیادہ پانی پینا صرف عادت ہے ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے نقصانات زیادہ ہے لیکن یہ عادت ہر طبقہ کے لوگوں میں عام پائی جاتی ہے۔ یہ بھی لازم ہے کہ روزہ دار سحری کے وقت معمولی کھانے پر اقتصار کرے۔ آج کل ہم مصر میں یہ عام شکوہ کرتے ہیں کہ غذا درست نہیں لیکن امراء کے نزدیک اس خرابی کا سبب یہ ہے کہ وہ زیادہ خوراک کھاتے ہیں جبکہ غرباء کے ہاں اس کا سبب اس کی قلت ہے امراء پر فرض ہے کہ وہ سمجھیں کہ رمضان المبارک پرہیز اور زہد کا مہینہ ہے وہ اپنے کھانے میں اعتدال کا طریقہ اپنائیں تاکہ زیادہ کھانے کی وجہ سے جو ان کی صحت خرابی ہو چکی ہے وہ درست ہو جائے، رمضان المبارک زہد، عبادت، فقراء اور مساکین کے ساتھ نیکی کرنے، معدہ کی حفاظت، زبان، دل کے تحفظ، جسم اور روح کی تطہیر کا مہینہ ہوتا ہے۔ گردش دوراں اسی طرح ہوتی ہے ایام عبرت اور پند و موعظت کے لیے پلٹ پلٹ کر آتے ہیں تاکہ عہد کی تجدید ہوتی رہی۔ نصیحت حاصل کرو اگر نصیحت فائدہ دیتی ہے۔

ایک عالم دین نے فرمایا ہے: "انی صائم" "میں روزہ سے ہوں" کہنا ربانی ہدایت، قدسی ارشاد اور روزہ کے اسرار میں سے ایک سر کی مبارک توجیہہ ہے۔ روزہ اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ اخلاق درست ہوں تزکیۂ نفس ہو۔ شہوت کی آگ بجھے اور آتش غضب سرد ہو جائے۔ روح کو اتنی رفعت نصیب ہو جتنی رفعت انسانی ذہن میں آسکتی ہے۔ روزہ ایسے ارفع مقاصد کے لیے فرض کیا گیا ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی سعادت پائی جاتی ہے، اس سعادت کے حصول کے لیے جو بات سب سے لازمی ہے وہ یہ ہے کہ ضبط نفس سے کام لیا جائے نفس کی سرکشی کو لگام دی جائے کیونکہ ایسے معاشرہ کے لیے کوئی سعادت مندی نہیں۔ جہاں بہت زیادہ شور و غل اور لگاتار نفرت کا لاوہ پھوٹ رہا ہو۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ خورشید اسلام طلوع ہونے سے قبل اہل عرب ایسی قوم تھے جن کی زبان ایک تھی۔ ان کی عادات ایک جیسی تھیں لیکن ان کے باہمی تعلقات کمزور تھے کیونکہ ان کے ہاں ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے اور ان کی خواہشات میں اختلاف تھا۔ چھوٹے چھوٹے

امور کی وجہ سے جنگ کے آلاؤ بھڑک اٹھتے تھے اور چھوٹے چھوٹے اسباب کی بنا پر باہم خونریزی شروع ہو جاتی تھی۔ ایران اور روم کی سلطنتیں مضبوط تھیں۔ ان کے حکمائ، عقلاء اور اطباء اس صورت حال کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ حتیٰ کہ اسلام کا سورج ضوفشاں ہو گیا۔ اسلام نے انہیں پرچم توحید کے نیچے جمع کیا۔ اسلامی اخوت کے ساتھ ان کے دل جوڑ دیے، جمعہ اور جماعت کے ساتھ ان کے تعارف کو مضبوط کر دیا۔ روزہ کے ساتھ ان کے دلوں سے جاہلیت کی حمیت نکال دی۔ اسے غضب اور انقلاب کے جوش کا نفع بخش علاج بنایا۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم کا ہر ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے روزہ کے روزہ میرے لیے ہے۔ میں اس کی جزا دوں گا۔ روزہ ڈھال ہے، اگر کسی دن کوئی روزہ رکھے تو نہ وہ فحش گوئی کرے اور نہ ہی شور و غل کرے۔ اگر کوئی اسے گالی گلوچ دے یا اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے تو وہ اسے کہہ دے میں روزہ دار ہوں۔''

لڑائی اور جھگڑے کے وقت آدمی کا خود کو روزہ یاد کرانا اس کے نفس کی خواہش کی پیروی سے ڈھال ہے۔ یہ غصہ کی قوت کے ساتھ ساتھ چلنے سے بچاؤ ہے۔ یہ انتقام لینے کی تمنا سے ایک قلعہ کی مانند ہے۔ روزہ دار اپنی قوت ارادہ اور عزم سے اپنی لازمی شہوت کو بھی سرنگوں رکھتا ہے سارا دن اسے مغلوب رکھتا ہے حالانکہ پہلے وہ اس پر غالب ہوتی ہے، وہ ملاء اعلیٰ کے ان ملائکہ کی مانند ہو جاتا ہے جو نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، بلکہ وہ صفات الٰہیہ کے رنگ میں رنگنے لگتا ہے کیونکہ وہ ذات والا کھاتی نہیں اوروں کو کھلاتی ہے، روزہ دار اسی مقام کا مستحق ہے کہ وہ گالی، گلوچ، اور شور غوغا کے وقت احمقوں سے بلند منصب پر فائز ہو جائے۔ جب اسے طیش دلائی جائے تو وہ کہہ دے ''میں روزہ سے ہوں۔'' اس سے اسے وہ بلند منصب یاد دلانا مقصود ہے جس پر وہ فائز ہے، کیونکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ملائکہ کے بلند منصب سے نیچے اترے۔ وہ خلق ربانی سے اتر کر عوام الناس میں آ جائے۔ البتہ بعض لوگ اس حالت میں یہ تو کہہ دیتے ہیں۔ ''میں روزہ سے ہوں۔'' لیکن ان کا یہ قول انہیں قوت غضب کا اثر قبول کرنے سے نہیں روک سکتا کیونکہ وہ یہ بات صرف اپنی زبان سے کرتا ہے اور دل سے اس کا معنی نہیں سمجھتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ اس مریض کی طرح ہے جسے اس لیے دوا دی جائے کہ وہ پی لے لیکن وہ اس سے مالش کرے پھر وہ یہ شکایت کرے کہ وہ شفاء یاب نہیں ہو رہا۔ اس میں ڈاکٹر یا دوا کا کیا قصور ہے بلکہ قصور تو مریض کا ہے۔ لوگوں آج اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ عبادات کرنے سے قبل انہیں ان کی حکمتیں سے آگاہ

ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون: (البقرۃ: ۱۸۴)

''اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو۔''

ایک عالم دین نے فرمایا ہے: ''جس طرح موسم بہار میں زمین نباتات کے شباب کا لباس پہن لیتی ہے، درختوں پر پتوں کی وجہ سے بہار نو آ جاتی ہے ترش رو وادی تبسم کناں ہو جاتی ہے۔ خشک ندیاں بہہ پڑتی ہیں۔ سال کے مہینوں میں رمضان المبارک کا بھی یہی مقام رفیع ہے۔ اسے رب تعالیٰ کی طرف سے وہ بلند منصب ملا ہے جو کسی دوسرے مہینے کے نصیبے میں نہ آسکا۔ یہ نفوس کی طرف آسمانی صدا ہے۔ اس کے رب تعالیٰ کا داعی صدا لگاتا ہے۔ انہیں زندگی کے راستہ کی طرف ابھارتا ہے۔ احسان اور نجات کی راہ کی طرف ان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ وہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ دین الٰہی میں رحم، صلہ رحمی، اخلاص اور نیکی کا کیا مقام ہے، وہ اسے سمجھاتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لیے ایک عمارت کی مانند ہے جس کا بعض حصہ دوسرے بعض حصے کو مضبوط کرتا ہے۔

یہ ایک ایسا انسان ہے جسے رب تعالیٰ نے مال اور منصب عطا کر رکھا ہے۔ اسے دین اور تقویٰ سے بھی نواز رکھا ہے یہ اپنے نفس کو کھانے، پینے اور ان تمام لذتوں اور خواہشات سے روکتا ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی ضیافت کو قبول کرتا ہے وہ کھانا اپنے سامنے دیکھتا ہے لیکن اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ وہ اپنے پیٹ پر اپنے نفس کو ہی گواہ بناتا ہے۔ اسے بھوک اور پیاس تو لگتی ہے لیکن وہ اس کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتا ہے جو مذہبی مانع اور تعلیم الٰہی اس کے نفس میں ڈالتے ہیں کیا یہ شعور اور وہ ارادہ اس اعلیٰ نمونہ کی طرف راستہ نہیں جس کی طرف بہت چلنے والے گمراہ ہو گئے۔ یہ دوسرا شخص غریب ہے بھوک کی وجہ سے اس کی انتڑیاں خشک ہو گئیں۔ مسکنت کی وجہ سے اس کے ہاتھ خاک آسود ہو گئے۔ یہ محتاج ہے جس کے ہاتھ مانگ مانگ کر تھک گئے ہیں۔ یہ سائل ہے جس کی اولاد کثیر ہے اس کا بوجھ اٹھا اٹھا کر اس کا کندھا شل ہو گیا ہے۔ یہ یتیم ہے جس کا باپ مر چکا ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔ اس پر شفقت کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ بیوہ ہے جس کا خاوند مر چکا ہے یہ ایک ایسے محافظ کی جستجو میں ہے جو اس کے امور سر انجام دے اور اس کی کمزوری پر رحم کرے۔ یہ محتاج ہے جس کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں وہ ذلیل و رسوا ہو چکا ہے۔ جب رمضان المبارک آیا تو اس نے نفوس میں ہر اس چیز میں نیا جذبہ مشتعل کر دیا ہے۔ ایام نے جن کے ساتھ ترش روئی کی تھی اور انہیں نوع انسان میں سے اپنے بھائیوں

کے ہم رکاب کر دیا۔ سب کو بھائی بھائی بنا دیا جو خوشنما پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں روحانیت پورے جوبن پر ہوتی ہے۔ وہ نفس انسانی میں یہ شعور پیدا کرتی ہے کہ بنو آدم اپنے درجات میں فرق اور طبیعتوں میں اختلاف ہونے کے باوجود کھانے کی احتیاج میں مساوی ہیں جب کسی فقیر کے ہاتھ کھانے سے خالی رہ جائیں اسے محتاج اور ضرورت مند کی حیثیت سے ہی چھوڑ دیا جائے تو وہ پرواہ نہیں کرے گا کہ اس سے کیسا شعلہ فشانی ظاہر ہوتی ہے یا وہ حرام کھاتا ہے یا حلال۔ جب غنی کا پیٹ خالی ہوگا تو اسے عملی طور پر بھوک کی تکلیف محسوس ہوگی۔ اسے علم ہوگا کہ دین اور انسانیت کی رو سے اس کے بھائی ایسے بھی ہیں جو یہ درد والم اس سے کئی گنا زیادہ برداشت کرتے ہیں۔ وہ تو صرف ایک سال میں ایک ماہ ہی اس بھوک کی تکلیف جھیلتا ہے مگر یہ خاک نشین فقیر اور غریب سارا سال ہی بھوک اور فاقہ کا شکار رہتے ہیں۔ روزہ کے مقصد کا اس سے تعجب خیز معجزہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ نفس کے تکبر کو لگام دے۔ دینی قوت سے اسے روک دے، اور اسے یہ شعور دلائے کہ اسے غلبہ حاصل نہیں ہے۔ یہ روزہ جسے رب تعالیٰ نے سارے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ روزہ غنی، فقیر، امیر اور حقیر سارے مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ اس امر کی نصیحت کرتا ہے کہ بطن کے سلطان پر عقل کے سلطان کا غالب آنا ضروری ہے۔ یہ اس میں سارے انسانوں کو برابر قرار دیتا ہے۔ ان سب کا ایک ہی شعور، ایک ہی احساس اور ایک ہی فطرت ہوتی ہے۔ اس سے انسانیت کی آواز کو آزادی نصیب ہوتی ہے۔ یہ رحمت کی طرف بلاتی ہے۔ اس کا سبق از بر کراتی ہے۔ یہ نفوس کو مہذب بناتی ہے۔ یہ نفوس کو اس بھوک کا عادی بناتی ہے جو آفتوں کو نچوڑ کر رکھ دیتی ہے اعضاء اس کی وجہ سے جدا ہو جاتے ہیں۔ وہ فکر پروان چڑھتی ہے جس میں غنی اور فقیر برابر ہوتے ہیں۔ اس سے زندگی پرسکون ہوتی ہے۔ اس سے آزادی، مساوات اور اخوت کا مفہوم عملی اعتبار سے ظاہر ہوتا ہے۔ اغنیاء غرباء پر مہربانی کرتے ہیں۔ غرباء اغنیاء کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے سارے مسلمان بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ روزہ میں یہ بلیغ حکمتیں ہیں۔ انہیں خوب جان لو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس کی اطاعت کرنے کی توفیق دے۔

روزہ کی باطنی شروط کی حکمتیں

جان لو کہ روزہ کے تین درجات ہیں:

عوام کا روزہ

خواص کا روزہ

اخص الخواص کا روزہ۔

عوام کا روزہ یہ ہے کہ انسان کھانے، پینے اور لذات وشہوات سے رک جائے۔ خواص کا روزہ یہ ہے کہ کھانے، پینے اور عمل زوجیت سے باز رہنے کے ساتھ ساتھ لغو اور حرام گفتگو سننے سے اجتناب کیا جائے۔ نظر کو روکا جائے کہ وہ غیر محرم پر نہ پڑے۔ ہاتھ کو ہر اس چیز کی طرف بڑھنے سے روک دیا جائے شریعت مطہرۃ نے جس طرف سے روکا ہے۔ مختصر یہ کہ سارے اعضاء کو ایسے اعمال بجالانے سے روک دیا جائے جن کا کرنا حرام ہے۔ یہ صالحین کا روزہ ہوتا ہے۔ اس کی تکمیل چھ امور سے ہوتی ہے:

- نظر کو ہر اس چیز سے روکنا جو انسان کو ذکرِ الٰہی سے روک دے۔ جو انسان کو آخرت فراموش کرا دے۔ حضور نبی و رحمت ﷺ نے فرمایا: ''نظر ابلیس لعین کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے جس نے رب تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے اسے چھوڑ دیا تو رب تعالیٰ اسے ایسا ایمان نصیب فرمائے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔
- زبان کو فحش گفتگو، بکواس، جھوٹ اور غیبت سے روک لینا۔ اس پر خاموشی لازم کرنا۔ زبان پر صرف ذکر خداوندی اور تلاوت قرآن حکیم رواں ہونا۔
- کانوں کو ہر ناپسندیدہ بات سننے سے روک دینا۔ اللہ رب العزت نے ناپسندیدہ بات سننے والے کو ناجائز کمائی کھانے والے کے ساتھ ملایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ (المائدہ: ۴۲)

''قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو بڑے حرام خور ہیں۔''

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ

(المائدہ: ۶۳)

''کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے۔''

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''غیبت کرنے والا اور سننے والا گناہ میں شریک ہیں۔''

- دیگر اعضاء کو حرام اور مکروہ امور سے روکنا، افطاری کے وقت پیٹ کو شبہات سے روکنا۔

وہ غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھا کر یا ایسا کھانا کھا کر روزہ افطار نہ کرے جسے حرام طریقہ سے کمایا گیا ہو۔

۵- افطاری کے وقت زیادہ نہ کھائے۔ وہ اپنا پیٹ کھانے سے نہ بھرے، کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے سے نفس بہیمیہ کو اشتعال ملتا ہے۔ اس میں وہ شہوت سر اٹھا لیتی ہے جو سارا دن پرسکون اور جامد رہی۔ نیز یہ کہ روزہ کی روح اور اس کا راز یہ ہے کہ ان اعضاء کو کمزور کر دیا جائے جو شیطان کا راستہ ہیں۔ یہ اسی وقت ہو گا جب انسان تھوڑا کھائے گا۔ جب یہ راہیں کمزور ہو جائیں گی۔ تو دل کو تقویت نصیب ہو گی۔ اس سے پردے زائل ہوتے جائیں گے وہ بصیرت کی آنکھ سے ملکوت کا جلال دے سکے گا۔ وہ عالمین کی عجیب و غریب اشیاء کا مشاہدہ کر سکے گا جنہیں خالق کے دستِ قدرت نے بنایا ہے۔

۶- افطاری کے بعد روزہ دار کا دل رجاء اور خوف کے مابین ہو کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کیا اس کا روزہ قبول کیا جائے گا یا قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ابو طالب المکی نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھا ہے: ''خواص کا روز چھ اعضاء کو روک لینا ہے۔ آنکھ کو ہر چیز سے روک لینا جسے دیکھنا روا نہ ہو۔ کانوں کو ہر وہ امر سننے سے روک لینا جس کا سننا حرام ہو یا گناہ ہو۔ زبان کو لا یعنی گفتگو سے روک لینا، دل کو غموں کی آماجگاہ نہ بننے دینا۔ اسے ایسے افکار سے روکنا جن کو عملی جامہ پہنانے سے اسے روک دیا گیا ہو۔ ایسی امنگیں نہ کرنا جو انسان کے بس میں نہ ہوں۔ ہاتھوں کو حرام سے روکنا۔ ٹانگوں کو اس سمت جانے کا روک لینا جس کا حکم نہیں دیا گیا۔ جس شخص نے ان چھ اعضاء کے ساتھ روزہ رکھا۔ پھر کھانے، پینے اور عمل زوجیت سے اسے افطار کر دیا۔ وہ فضیلت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں روزہ داروں میں سے ہو گا کیونکہ وہ ان اہل یقین میں سے ہے جو حدود الٰہیہ کی پاسداری کرتے ہیں۔ لیکن جس شخص نے ان چھ امور یا ان میں سے بعض کے ساتھ روزہ افطار کر لیا اور کھانے، پینے اور وظیفہ زوجیت سے رکا رہا تو علماء کے نزدیک تو روزہ توڑنے والا ہو گا مگر وہ خود کو روزہ دار سمجھ رہا ہو گا۔''

اخص الخواص کا روزہ یہ ہے کہ انسان کھانے، پینے اور عمل زوجیت سے رکنے کے ساتھ ساتھ دل اور فکر کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے روک لے۔ وہ دنیا کے امور میں بالکل غور و فکر نہ کرے۔ اگر اس نے دنیاوی امور میں سے کسی امر میں غور و فکر کیا اور تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنے خالق کے ذکر سے رک گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا، مگر یہ کہ وہ کسی ایسے امر میں غور و فکر کرے جس

میں کوئی مصلحت ہو اور اسے ادا کرنا لازم ہو۔ وہ دل کو روک کر اس مقام پر فائز ہو گیا ہے کہ اگر اس نے اس چیز کے بارے بھی سوچا جس کے ساتھ وہ افطاری کرے گا تو اس سوچ کے ساتھ ہی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ غور و فکر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اسے اس خالق و رازق پر اعتماد نہیں ہے جو اپنے بندے کو بغیر حساب رزق عطا کرتا ہے۔ روزہ کی یہ قسم انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ حدیث قدسی ہے: ''ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے روزہ کے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا۔'' حضرت ابوعبیدہ نے اس حدیث پاک کی شرح میں لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنے لیے مخصوص فرمایا کہ روزہ اس کے لیے ہے وہ ہی اس کی جزاء دے گا۔ اگرچہ سارے پاکیزہ اعمال اسی کے لیے ہیں۔ وہ ہی ان کی جزاء دے گا کیونکہ روزہ کا اظہار ابن آدم کی زبان یا کسی فعل سے نہیں ہوتا، جسے ملائکہ لکھ لیں، بلکہ یہ دل کی نیت ہے اور کھانے پینے سے رکنا ہے۔''

ذرا دیکھو نا رب تعالیٰ اپنے بندوں کو آداب کاملہ اور فضائل باہرہ اور حکم بالغہ کے ساتھ کیسے آداب سکھاتا ہے۔

نفلی روزہ کی حکمت

جب انسان فرائض ادا کرتا ہے تو ان میں اس کی طرف سے بعض ایسی لغزشیں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں جو فرض کو باطل نہیں کرتیں، مگر وہ اسے اس طرح بنا دیتی ہیں کہ وہ ان شروط کو پورا نہیں کرتا جو شارع حکیم کا ارادہ ہیں۔ جن سے فرض کی تکمیل ہوتی ہے، فرض میں واقع ہونے والے اس خلل کو روکنے کے لیے شارع حکیم نے نفلی روزے مشروع فرمائے ہیں تاکہ انسان کا روزہ ہر شائبہ سے خالص ہو جائے۔ یہ نفلی روزوں کی عمومی حکمت ہے۔ ان میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے۔ مخصوص دن میں نفلی روزہ میں وہ حکمت ہے جس کا شارع حکیم نے ارادہ فرمایا ہے ان روزوں میں یوم عرفہ کا روزہ ہے تاکہ روزہ دار ان لوگوں کے بارے سوچ و بچار کرے جو ایک میدان میں جمع ہیں۔ لبیک لبیک کا ترانہ ان کے لبوں پر ہے وہ رب تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار ہیں۔ تاکہ روزہ دار کے دل میں بھی ان پاکیزہ اور مقدسہ مقامات کی زیارت کا شوق پیدا ہو۔ اس طرح وہ ثواب اور رحمت میں حجاج کے ساتھ شریک ہو سکے۔ اس سے اسے اجر عظیم اور ثواب جزیل نصیب ہو سکے۔

اس طرح نفلی روزوں میں عاشوراء کا روزہ بھی ہے۔ اس دن اللہ رب العزت حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی مدد فرمائی تھی۔ انہوں نے رب تعالیٰ کا اس مدد پر شکر ادا کیا۔ جس نے اس روز روزہ رکھا اس نے ان کے ساتھ شکر ادا کرنے میں مشارکت کی۔ اسے بھی اجر و ثواب ملے گا۔ اسی طرح شوال کے چھ روزے بھی ہیں۔ ان کی فضیلت حدیث پاک میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے پھر شوال کے چھ روزے رکھے گویا کہ اس نے پورا سال روزے رکھے۔'' ان روزوں کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک کے روزے ہر قسم کے خلل سے پاک ہو جائیں۔ رمضان المبارک اور یہ چھ روزے پورے سال کے روزے اس طرح بنتے ہیں کیونکہ یہ چھتیس روزے بنتے ہیں۔ اللہ رب العزت ایک نیکی کا اجر دس گنا عطا کرتا ہے۔ اگر چھتیس کو دس سے ضرب دیں تو جواب تین سو ساٹھ آتا ہے۔ ایک سال میں اتنے دن ہی ہوتے ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام بہت سے نفلی روزے رکھتے تھے۔ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام پورا سال روزہ رکھتے تھے، حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور دو دن روزہ نہ رکھتے تھے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے روزے رکھتے حتیٰ کہ سمجھا جاتا کہ اب آپ روزے ہی رکھیں گے۔ پھر اتنے روزہ نہ رکھتے حتیٰ کہ سمجھا جاتا کہ اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے روزہ رکھنے کا اختلاف ان کے حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہے کیونکہ روزہ نفوس کے لیے تریاق ہوتا ہے۔ تریاق بقدر ضرورت ہی لیا جاتا ہے۔ اس لیے ہر ایک نے اپنی حالت کے مناسب ہی لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم قوی تھے اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم بھی طاقتور تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم کمزور تھا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اپنی امت کے حال سے سب سے زیادہ آگاہ تھے۔ جب انسان نفلی روزے رکھتا ہے تو انبیاء و مرسلین کی اتباع کر رہا ہوتا ہے۔

سفر میں روزہ نہ رکھنے کی حکمت

شارع حکیم نے دین میں ہم پر کوئی سختی نہیں کی۔ یہ اس کی اپنے بندوں پر رحمت اور شفقت ہے۔ اس نے ان اکمل وجوہ پر دین متین کو مشروع فرمایا، جن پر انسانی زندگی کا انحصار ہے اور اس کے امور کا دارومدار ہے مسافر سفر میں بہت زیادہ تھکاوٹ اور مشقت برداشت کرتا ہے تو

رب تعالیٰ نے نماز کے فریضہ میں اس پر تخفیف کر دی لیکن سفر میں روزہ رکھنے کا حکم دیا کیونکہ سفر اور حضر کی حالتیں ایک دوسرے سے جداگانہ اور مختلف ہیں۔ انسان حضر میں مکمل آرام کے ساتھ فرض سرانجام دے سکتا ہے۔ وہ تھکاوٹ سے دور ہوتا ہے لیکن سفر کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ شارع حکیم نے اس تخفیف میں انتہاء کر دی۔ اس عمومیت پر برقرار رکھا۔ اسے بعض لوگوں کے ساتھ مختص نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ اس انسان کو بھی سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جس کا شمار ان اغنیاء میں ہوتا ہو جو خدام، سہولت اور نوکروں کے ہمراہ سفر کرتے ہیں۔ انہیں اس طرح کھانا دستیاب ہوتا ہے گویا کہ وہ اپنے گھروں میں ہوتے ہیں۔ وہ گویا کہ آرام وسکون کی جگہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حسن ادب سکھایا اور پسند فرمایا کہ وہ طاقت کے مطابق سفر میں روزہ رکھ لیں، اگر انہوں نے روزہ نہ رکھا تو ان کی گرفت نہ کی بلکہ فرمایا:

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (البقرہ:۱۸۴)

''اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے تمہارے لیے۔''

ایک معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ رب تعالیٰ نے مسافروں پر سے ساری نماز ختم کیوں نہ فرمائی جس طرح کہ اس نے مسافروں کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ روزہ میں مشقت ہے لیکن نماز کی کیفیت اس طرح نہیں کیونکہ قیام، رکوع، سجود ایسی حرکات ہیں جن کا مشقت کے بغیر ادا کرنا ممکن ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو پانی دستیاب نہ ہو تو وہ مٹی سے تیمم کر لے لیکن یہ فریضہ ترک نہ کرے۔ ہم اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اگر شارع حکیم انسان کو سفر میں نماز اور روزہ دونوں کی رخصت دے دیتا تو بندہ ذکر الٰہی سے دور چلا جاتا۔ وہ رب تعالیٰ سے بھی دور ہو جاتا۔ سارے فرائض، اطاعات اور پاکیزہ اعمال کا مقصد وحید رب تعالیٰ کا قرب ہی ہے۔ روزہ ایسا فریضہ ہے جسے سفر میں ادا کرنا مشکل ہے۔ انسان اسے اس وقت قضاء کر سکتا ہے جب وہ سفر سے واپس آئے۔ اپنے گھر پہنچ جائے۔ یہ وہ حکمت ہے جو سفر میں روزہ دار کے افطار میں مخفی ہے۔ ذرا رب تعالیٰ کی رحمت دیکھو جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔

مخصوص ایام میں روزہ کی حرمت میں حکمت

شارع حکیم نے ہم پر عیدین کے دو دنوں میں روزہ رکھنا حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان ہر دو ایام میں مسلمانوں فرحت وانبساط کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ راحت اور ان جائز لذتوں میں سے نفس

کو حصہ دے رہا ہوتا ہے جن سے شارع حکیم نے منع نہیں کیا۔ اسی طرح وہ فقراء اور مساکین پر سخاوت و فیاضی کرتا ہے۔ اگر انسان ان دو ایام میں روزہ رکھ لے تو اسے یہ فضیلت نہیں مل سکتی جس کا کم از کم فائدہ یہ ہے کہ انسان جود و سخا کا عادی بن جاتا ہے۔ ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا کیونکہ ان ایام میں حجاج مقدس مقامات میں مصروف ہوتے ہیں۔ نیز وہ مسافر بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہے کہ شارع حکیم نے ان ایام میں روزہ کی حرمت کو عام رکھا۔ صرف حاجیوں کو اس کے ساتھ مختص نہیں فرمایا۔ تاکہ عبادت کی ادائیگی ایک ہی طریقہ پر ہو سکے۔ ان ایام میں انسان روزہ نہ رکھ کر حاجیوں کو یاد کرتا ہے۔ ان کی طرف شوق رکھتا ہے وہ تمنا کرتا ہے کہ وہ ان پاکیزہ مقامات پر ان کے ہمراہ ہوتا۔ وہ بیت اللہ اور روضہ مصطفی ﷺ کی زیارت کر کے اسی طرح کامیاب ہوتا جس طرح وہ کامران ہوئے۔ اسی طرح شعبان المکرم کے آخری دن میں بھی روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا۔ تاکہ مسلمان بغیر کسی تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے رمضان المبارک کا استقبال کر سکے مگر یہ کہ انسان تین مہینوں رجب، شعبان اور رمضان کے روزے رکھے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ کہ فرض ان اضافوں اور زوائد سے بچا رہے جو دیگر امتوں نے بنا لیے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرض اور اس کے نبی مکرم کی سنت پر اضافے کیے تھے۔ ان اضافوں نے ان کے دین کو بگاڑ دیا اس میں نقص پیدا کر دیا۔ نقص یہ ہے کہ دین میں ایسی چیز شامل کر دی جائے جو دین میں سے نہ ہو۔ یا دین سے ایسی چیز نکال دی جائے جو اس کے بنیادی قواعد اور اصولوں میں سے ہو۔ اس زیادتی یا نقصان سے خلل پیدا ہوتا ہے۔

روزوں کو رمضان المبارک کے ساتھ مختص کرنے کی حکمت

اہل عرب چاند کے طلوع ہونے سے ہی ایام شمار کرتے تھے یعنی وہ قمری مہینوں سے حساب شمار کرتے تھے تاکہ انہیں ایام اور سالوں کی تاریخوں کو ضبط کرنے میں سہولت رہے۔ جب شارع حکیم نے روزہ فرض کیا۔ روزے پورے ایک ماہ پر مشتمل تھے تو یہ لازم تھا کہ ان کی ادائیگی قمری مہینوں کے اعتبار سے ہوتی۔ اگر مہینے کی تعیین کا معاملہ امت کے سپرد کیا جاتا تو یہ روزے کے بارے امت میں اختلاف کا سبب بنتا۔ ہر ملک وہ مہینہ منتخب کر لیتا جس میں اس کے لیے روزہ رکھنا آسان ہوتا۔ اس لیے شارع حکیم نے پسند کیا کہ یہ فریضہ ایک ہی مشہور مہینہ میں ادا کیا جائے تاکہ مسلمان باہم متحدہ و متفق رہیں۔ اگر حقیقت اسی طرح ہے تو پھر رمضان المبارک سے افضل کوئی

مہینہ نہیں، اس میں قرآن پاک نازل ہوا اس میں وہ شب قدر ہے جو ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس شخص کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی تو یہ کہتا ہے: ''شب قدر صرف ایک بار ہی آئی۔ وہ دوبارہ نہیں آئے گی۔'' اے صاحب ذوق سلیم! شارع حکیم کی حکمت کو سمجھو۔

دن کے وقت روزہ فرض کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کے ہاں بندے کے وہ اعمال افضل ہیں جو بندے پر زیادہ گراں ہوتے ہیں۔ خواہ یہ اعمال اعضاء سے ادا کیے جائیں یا کسی اور سے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سب سے افضل عبادت وہ ہوتی ہے جو انسان پر سب سے زیادہ گراں ہوتی ہے۔'' رات کے وقت انسان کو سکون ملتا ہے وہ اپنے گھر میں ٹھہرا رہتا ہے، اسے راحت وسکون ملتا ہے۔ اس کے اعضاء پرسکون ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت روزہ فرض نہ کیا کیونکہ اس طرح وہ مشقت حاصل نہ ہوسکتی جو شارع حکیم کو مقصود تھی۔ اسی مشقت کی وجہ سے ثواب عظیم ملتا ہے اور مولائے کریم کی جانب سے بندے کو ابدی مغفرت کا مژدہ ملتا ہے۔

شارع حکیم نے دن کے وقت روزہ فرض کیا تا کہ اس وقت روزہ جسم اور نفس پر گراں ہو اور اسے عظیم ثواب ملے۔ جب رمضان المبارک موسم گرما میں آتا ہے جس میں گرمی اپنے پورے جوبن پر ہوتی ہے تو اجر وثواب بھی زیادہ اور عظیم ہوتا ہے۔ ہر حال میں فائدہ روزہ داروں کو ہی ملتا ہے جس طرح کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے: ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے روزہ کے۔ یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا۔'' ''بدائع'' میں ہے: جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ روزہ فرض کرنے کی حکمت تقویٰ کا حصول اور نعمتوں کی قدر کا ایسا عرفان ہے جو ان کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دے۔ اگر رات کے وقت روزہ فرض کیا جاتا تو یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ یہ مقصد صرف ایسے فعل سے حاصل ہوتا ہے جو جسم پر گراں ہو۔ عادت اور خواہشِ نفس کے مخالف ہو۔ نیند کی حالت میں (کھانے، پینے اور وظیفۂ زوجیت سے) رک جانے سے یہ مدعا پورا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے رات کو روزہ فرض نہیں کیا گیا۔

روزہ بہت سی امراض کا علاج ہے

شارع حکیم نے ہم پر روزہ فرض کیا۔ اس کی فضیلت سے تم آگاہ ہو گئے۔ اس کی حقیقت

کا عرفان تمہیں حاصل ہو گیا اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے روزہ میں بہت سے فوائد رکھے ہیں۔ یہ بہت سے ایسے امراض کو ختم کر دیتا ہے جو تھوڑی مدت میں ہی حیاتِ انسانی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ ہم اس فصل میں بعض مسلمان ڈاکٹرز کے اقوال پیش کریں گے تاکہ تمہیں روزہ کا طبی فائدہ معلوم ہو سکے۔

ورزشی طب کے نقطۂ نظر سے روزہ نقصان دہ زہریلے مواد اور زائد غذا کو ختم کر کے جسم کا پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہم یہ بات ورزشی طب میں علاج بالغذاء کے باب میں پاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ قاری اس میں ایک تناقض پائے وہ یہ کہ روزہ تو غذا کی ضد ہے لیکن یہ بات سمجھنا لازمی ہے کہ انسانی جسم صرف غذا کی جگہ نہیں بلکہ یہ مواد اور کیمیائی عوامل کا لبریز مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ میں نہ صرف غذائی مواد کی کمی سے خلل پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کی زیادتی سے بھی خلل پیدا ہو جاتا ہے۔

اس پاکیزگی اور طہارت کے ساتھ ساتھ روزہ کا مقصد ہضم، جذب کرنے والے اور چھاٹنے والے اعضاء کو آرام پہنچانا بھی ہوتا ہے۔ روزہ ان اعضاء کو فرصت مہیا کرتا ہے۔ روزہ میں شباب کی تجدید کے عوامل میں سے ایک عامل بھی ہے۔ یہ خلیات کو زندگی اور چستی عطا کرتا ہے۔ علم حیات کے حقائق میں سے یہ ایسی حقیقت ہے جو مشہور ہے۔ روزہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پرانے زمانہ کے لوگ روزہ کو زندگی کے فضائل میں سے سمجھتے تھے۔ وہ اسے اپنی عبادات اور دینی عقائد میں بلند رتبہ دیتے تھے۔ قدیمی مصریوں کے دین اور دیگر قدیمی ادیان میں اس کا رتبہ عیاں ہے جس طرح ساری آسمانی کتب نے بیان کیا ہے۔ بلاشبہ روزہ کی فرضیت میں صحت جسمانی اور عقلی قوت میں بہت بڑا اثر ہے۔ قدیمی زمانہ میں روزہ رکھنے کا مقصد دینی نہیں ہوتا تھا۔ کتب میں اس امر کا تذکرہ ہے کہ سقراط اور افلاطون چند ماہ بعد دس دن کے روزے رکھتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض عیسائی راہب ازمنہ وسطیٰ میں روزہ کو اعصابی امراض کے علاج کے لیے نفع بخش سمجھتے تھے۔ عرب کا مشہور طبیب ابن سینا خود کو لگنے والے بہت سے امراض میں تین ہفتوں کے روزے رکھ لیتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ چیچک اور سوزاک کے علاج میں روزہ کو ایک اہم عامل سمجھتا تھا۔ جب فرانس نے مصر پر حملہ کیا تو عربی ہسپتال کو سوزاک کے علاج میں روزہ سے عمدہ نتائج حاصل ہوئے۔ ایک امریکی ڈاکٹر (رابرٹ بارٹولو۔ یہ اس مرض کے علاج کا معاون ڈاکٹر تھا) نے لکھا ہے: ''بلاشبہ روزہ جراثیموں کو ختم کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ آتشک کے جراثیموں کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ یہ خلیات کو ختم کر کے انہیں ازسرنو پیدا کرتا ہے۔ سوزاک کے علاج میں یہ ''نظریہ تجویع'' ہے۔ یہ مشرقی پرانا

طرز علاج ہے اس علاج سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے ہیں۔

عصرِ حاضر میں بھی بہت سے ڈاکٹرز کو روزہ نے فائدہ دیا ہے ایک مشہور ومعروف ڈاکٹر نے روزہ سے شوگر کا کامیاب علاج کیا۔ ڈاکٹر کارلائل سون روزہ کو تجدید شباب کا اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر جنجر اپنے سارے امراض میں روزہ رکھتے تھے۔ برنار مکفادن۔ یہ امریکہ میں ثقافتہ مدینہ کے راہ نما ہیں انہوں نے یہ مشہور ومعروف جملہ کہا ہے: ''میرا رجحان اس اعتقاد کی طرف ہے کہ روزہ سے ہر اس مرض کا علاج ہوسکتا ہے دیگر ذرائع جس کے علاج سے عاجز آ گئے ہوں۔''

قدیمی زمانہ میں روزہ

بعض امتوں کی عادت تھی کہ وہ روزہ کے ساتھ عبادت کرتی تھیں۔ بعض اوقات وہ اپنے معبودان باطلہ کے روزہ رکھتی تھیں اور بعض اوقات اور چیز کے لیے روزہ رکھتی تھیں۔ بہر حال روزہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ قدیمی زمانہ سے ہے اگرچہ یہ اعتقاد اور مذاہب کے اعتبار سے مختلف رہا، کہا جاتا ہے کہ فینقیین اور مصری اسلام سے قبل ایزلیس کے اکرام کے لیے روزہ رکھتے تھے۔ وہ اپنے ذبیحے پیش کرنے سے پہلے بھی روزے رکھتے تھے تاکہ وہ لوگ پاک ہو جائیں جو ان محافل میں شرکت کرتے تھے۔ اغریق اپنی عہد کے لیے جمع ہونے سے قبل روزے رکھتے تھے۔ یہ روزے رکھنے میں ان کی خواتین بھی شرکت کرتی تھیں۔ وہ سارا دن ٹھہری رہتیں وہ کھانے اور پینے کی اشیاء کو چکھتی تک نہ تھیں۔ جو اپنے معبودوں کے اسرار جاننا چاہتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ لگاتار دس روز تک روزے رکھیں وہ غارِ تر دفونیوس کی طرف جانے سے پہلے بھی روزے رکھتے تھے۔ روما میں لوگ پانچ سال میں ایک سال روزے رکھتے تھے۔ وہ یہ روزے لسیرلیس کے احترام کے لیے رکھتے تھے۔ ان کے اعتقاد کے مطابق ان پر یہ روزے ۱۹۳ قبل از مسیح کو فرض کیے گئے۔ یہودیوں کے نزدیک روزے دیگر ادیان سے قبل ان پر فرض کیے گئے۔ وہ اس طرح بگل بجا کر ان کی آمد کا اعلان کرتے تھے جس طرح وہ اپنی عیدوں کا اعلان کرتے تھے۔ وہ ان کے علاوہ اور روزے بھی رکھتے تھے۔ بعض افراد کو جب مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ روزے رکھ لیتے۔ بعض کو تکلیف دہ حوادث کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ روزے رکھ لیتے۔ وہ اپنی نذریں پوری کرنے اور عبادت کے طور پر بھی روزے رکھتے تھے۔

دیگر ادیان میں روزہ

الاستاذ ڈاکٹر علی عبد الواحد رقمطراز ہیں: ''اگر ہم ادیان کی تاریخ دیکھیں تو ہمیں علم ہوتا ہے کہ روزہ عبادات انسانیہ میں سے سب سے قدیم عبادت ہے۔ اس کا پھیلاؤ سب سے زیادہ ہے۔ معاشروں نے جو دین بھی اختیار کیا وہ روزہ سے خالی نہ تھا۔ دنیا کے قدیمی، وسطی اور جدید زمانہ میں کوئی شریعت بھی اس سے خالی نہ رہی البتہ امم اور شریعتوں کے اختلاف کی وجہ سے اس کی اشکال مختلف تھیں۔ حالات اور اسباب کے اعتبار سے روزہ متعدد اقسام میں منقسم ہوا۔ کبھی روزہ کھانے، پینے، جنسی عمل سے رکنے، کام کرنے اور کلام کرنے سے رک کر رکھا جاتا تھا۔ بعض اوقات ان امور میں سے کسی ایک پر یا بعض سے رک کر روزہ رکھا جاتا تھا۔ گفتگو سے رک کر روزہ رکھنا شاید روزہ کی قدیم ترین شکل ہے۔ یہ قسم بہت سی اقوام میں پھیلی ہوئی ہے۔ اسٹریلیا کے اصلی باشندوں کے ہاں اس عورت پر لازم ہے جس کا خاوند مر جائے کہ وہ طویل مدت تک گفتگو نہ کرے بعض اوقات یہ مدت ایک سال پر محیط ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل یہود بھی کسی نہ کسی طرح اس کی پیروی کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت سیدہ مریم رضی اللہ عنہا سے رب تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ۚ (مریم:۲۶)

''پھر اگر تم دیکھو کسی آدمی کو تو (اشارے سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمن کے لیے (خاموشی کے) روزہ کی۔ پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔''

روزہ کی اصل اور بقاء اس بات پر ہے کہ جسم اور نفس کو اس کی بعض ضروری اور پسندیدہ ضروریات سے روک دیا جائے یہ روکنا اختیاری ہو۔ روزہ میں کھانے اور پینے سے رک جانے کی کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک قسم کھانے پینے سے مطلق رک جانا ہے جس طرح مسلمان رمضان المبارک میں روزے رکھتے ہیں۔ روزہ کی ایک قسم میں کھانے اور پینے کی بعض چیزوں سے رکنا ہے۔ جیسا کہ اطانوی اور عیسائیوں کے نزدیک بعض روزے، روزے کی بعض اقسام میں سارا دن اور ساری رات ان امور سے رکنا ہوتا ہے۔ بعض اقسام میں دن کے وقت یا دن کے کچھ حصہ میں ان امور سے رکنا ہوتا ہے۔ بعض اقسام میں روزہ کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے

اور ساری رات تک یا رات کے کچھ حصہ تک برقرار رہتا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اہل کتاب پر بھی فرض تھے لیکن یہود و نصاریٰ نے رمضان المبارک کو چھوڑ کر کسی دوسرے مہینے میں روزے رکھنے شروع کر دیے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے روزے زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بعض قبائل خصوصاً قریش کے ہاں معروف تھے لیکن یہ امر دلیل قاطع سے ثابت نہیں ہے اگر یہ ثابت ہو بھی جائے پھر بھی اسلام کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا کہ رمضان المبارک کے روزے یہودی و نصاریٰ کے لیے مشروع ہوں کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض قبائل میں مشہور ہوں کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ وہ بہت سے امور جو مسلمانوں کی شریعت میں شامل ہیں وہ سابقہ ادیان میں بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى۔ (الشوریٰ: ۱۳)

”اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو۔“

جس طرح کہ یہ ثابت ہے کہ اسلام نے حج وغیرہ کے بعض شعائر کو ان پر موجود شرک کی میل کچیل اتار کر برقرار رکھا۔

ہندوستان میں رمضان المبارک

اس جگہ ہم ان رسوم و رواج کا تذکرہ کرتے ہیں جنہیں ہندوستان کے مسلمان رمضان المبارک میں اپناتے ہیں۔ استاذ ریاض صاحب جو ہندوستان کے باسی ہیں ہندوستان میں کئی ملین مسلمان بستے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”ہندوستان میں رمضان المبارک کا استقبال کرنے کا خاص نظام ہے۔ غروب آفتاب کے وقت سارے مسلمان نماز مغرب کے لیے مساجد میں جاتے ہیں، پھر واپس آتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں۔ پھر نماز عشاء ادا کرتے ہیں۔ نماز تراویح پڑھتے ہیں، ہر روز قرآن پاک کا کچھ حصہ پڑھتے ہیں۔ رمضان المبارک کی آخری راتوں میں سے کسی رات کو ختم قرآن پاک کرتے ہیں۔ افطاری کے وقت سب مل کر اپنے وطن کی غذا کھاتے ہیں (یعنی پکوڑے کھاتے ہیں) یہ غذا ہمارے تلے ہوئے کوفتے کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ لوبیے سے نہیں چنے سے

بنائے جاتے ہیں۔ افطار سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل ہر طرف نغمے بجائے جاتے ہیں۔ یہ نغمات اس ننھے سے بچے کی داستان دہراتے ہیں جس نے روزہ رکھنے کا ارادہ کیا لیکن اس کی والدہ نے اسے روزہ رکھنے سے منع کیا۔ اسے سحری کے وقت بیدار نہ کیا۔ لیکن ننھے بچے نے وقتِ صبح روزہ رکھ لیا، ظہر کے وقت اسے شدید پیاس لگ گئی لیکن اس نے اپنی والدہ کی بات نہ ملی اور پانی نہ پیا۔ اس نے روزہ رکھے رکھا حتیٰ کہ عصر کے وقت مر گیا۔ اس کے اہل خانہ بہت زیادہ غمزدہ ہوئے۔ مغرب کے وقت ان کے پاس مسافروں کا قافلہ آیا اور افطاری کے لیے کچھ مانگا۔ انہوں نے وہ اپنا سارا کھانا پیش کر دیا جو انہوں نے اپنے افطاری کے لیے تیار کیا تھا۔ اہل کارواں نے ان سے پوچھا کہ وہ غمزدہ کیوں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ان کا ننھا سا بچہ تھا جو روزہ کی حالت میں مر گیا۔ اس وقت سارا کارواں نے کہا کہ وہ بچہ دیکھنا چاہتا ہے لیکن اہل خانہ نے انکار کر دیا جب اس نے اصرار کیا تو وہ اسے اس جگہ لے گئے جہاں وہ بچہ پڑا ہوا تھا۔ جب اس نے بچہ دیکھا تو کہا: ''**قم باذن اللّٰه**'' اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ اس وقت بچہ کھڑا ہو گیا۔ اسے حیاتِ نو نصیب ہوئی۔ یہ آنے والے درحقیقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تھے۔''

ان سطور سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کس طرح رمضان المبارک کا احترام کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے ہاں اس کا مقام ومنصب کیا ہے۔

فاطمیین کے ایام میں رمضان المبارک

وہ رسم و رواج جس کی ہم رمضان المعظم میں پیروی کرتے ہیں، مثلاً جلوس دیکھنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ قبروں کی زیارت کے لیے جاتے ہیں، افطاری کے لیے خرید و فروخت کرتے ہیں یہ سارے امور ان امور کی مختصر صورت ہے جن پر فاطمیین کے دور میں رمضان المعظم میں عمل کیا جاتا تھا جامعۃ القاہرہ کے استاذ الادب ڈاکٹر کامل حسین ان امور پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فاطمیین کے نزدیک رمضان المبارک کی خاص اہمیت تھی۔ کیونکہ وہ اسماعیلی شیعہ تھے۔ اس لیے اس خاص اہمیت کا تعلق ان کے عقیدہ کے ساتھ گہرا تھا۔ وہ رمضان المبارک کو ''شہر الامام'' کہتے تھے۔ رمضان المبارک کی آمد سے ایک ماہ قبل ان کے قاضی جلوسوں کی شکل میں نکلتے تھے۔ وہ قاہرہ اور فسطاط کے گرد و نواح کی ساری مساجد کی زیارت کرتے تھے۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ مساجد میں قالین، صفوں، روشنی دینے والی اشیاء کی ضرورت تو نہیں۔ وہ اس طرح رمضان

المبارک کا استقبال کرتے تھے۔ جب شعبان المعظم کا آخری دن آتا تو خلیفہ کا سرکاری جلوس نکلتا۔ قوم کے دلوں پر اس کی ہیبت طاری ہو جاتی کیونکہ اسماعیلیہ فاطمیہ شیعہ کے نزدیک روزہ صرف اس وقت درست ہوتا تھا جب لوگ خلیفہ کو دیکھ لیتے تھے۔ یہ جلوس باب الذہب سے باب النصر کی طرف جاتا پھر وہ قبرستان کی طرف چلا جاتا تھا تاکہ مقبرۂ زعفران میں وہ اپنے آباء واجداد کی قبروں کی زیارت کریں۔ آج کل یہ قبرستان خان الخلیلی کے پاس ہے پھر خلیفہ کے محل کے دروازہ کے پاس پہنچ کر یہ جلوس ختم ہو جاتا خلیفہ محل میں داخل ہو جاتا دیگر لوگ محل کے باہر ٹھہر جاتے۔ حتیٰ کہ ان کے لیے دستر خوان بچھ جاتے تھے۔ ان پر طرح طرح کے کھانے سج جاتے تھے سحری تک لوگ اسی فرحت وسرور میں رہتے تھے۔ سارا مہینہ محل کے اندر دستر خوان بچھے رہتے تھے خدام سرگرداں رہتے تھے ان کے پاس سجے ہوئے مٹی کے برتن ہوتے تھے ان میں خوشبو اور پانی ہوتا تھا۔ وہ ان دستر خوانوں پر بیٹھے ہوئے مہمانوں کو یہ پانی پیش کرتے تھے۔

شخصیت کی تقویت میں روزے کا اثر

ڈاکٹر حامد خولی صاحب لکھتے ہیں: ''روزہ دار میں دو متضاد قوتیں ہوتی ہیں: قوت روحیہ، قوت جسدیہ۔ قوت جسدیہ: یہ قوت تکوین انسانی کی بنیاد ہے کہ یہ بڑی اور قریبی قوت ہے۔ قوت روحیہ: یہ قوت جسدیہ پر غالب ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بچے کو تکالیف کا مکلف اس وقت تک نہیں بنایا جا سکتا جب وہ سن بلوغت نہیں پہنچ جاتا۔ یہ آسمانی شریعتوں اور دنیا کے آئین کی پابندی ہے۔ ہماری خواہشات جسمانی تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتیں ہیں۔ اگر انسان اور اس کے نفس کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ جسمانی خواہشات پر لبیک کہتا ہے اور شریعت کی قیود سے بھی بری الذمہ ہونا چاہتا ہے۔ روزہ دار اپنے نفس پر نگران ہوتا ہے وہ قوت روحیہ کی صدا پر لبیک کہتا ہے وہ جسم کی خواہشات کے رستے میں سد سکندری بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس میں امانت کی صفت پروان چڑھتی ہے۔ اس وصف کو تقویت نصیب ہوتی ہے یہ وصف حضور اکرم ﷺ کی ذات والا میں پہلا ستون تھا۔ آپ کو اپنی قوم کے مابین ''امین'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ روزہ دار جسمانی خواہشات کا اختیار اور رضا ورغبت سے مقابلہ کرتا ہے۔ اس پر نہ کوئی نگران ہوتا ہے اور نہ ہی رقیب۔ اس طرح اس میں قوی شخصیت کے ستونوں میں سے ایک اور ستون ظاہر ہوتا ہے۔ وہ قربانی دیتا ہے۔ انسان اپنی خواہشات کی قربانی دیتا ہے۔ یہ

تمنائیں اس کے سامنے ہوتی ہیں وہ حق کی صدا پر لبیک بھی کہتا ہے۔ وہ اختیار سے رب کا اطاعت گزار بھی ہوتا ہے۔ روزہ دار میں امانت اور قربانی دینے کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ روزہ اہم امور میں روزہ دار کے لیے پناہ گاہ ہوتا ہے۔ روزہ دار جسم کی تمناؤں اور خواہشات کو ترک کرتا ہے۔ وہ ان کی طرف صرف اتنی توجہ دیتا ہے جتنا اس کی زندگی کے لیے لازمی ہوتا ہے۔ یہ عبادت گزاروں، زاہدوں اور اہل اللہ کی پہلی ریاضت ہے۔ جسم کی خواہشات دنیاوی لذتیں ہوتی ہیں۔ روزہ روح کے لیے نور اور اس کی غذا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس کے ذریعہ انسان اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کی منزل طے کرتا ہے۔ روزہ سارے ادیان اور شریعتوں کی مذہبی رسم ہے۔ اس کے رفیع مقام کی وجہ سے ہی رب تعالیٰ نے اسے اپنی طرف سے منسوب کیا ہے۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے روزہ کے۔ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا۔'' اس طرح روزہ انسانیت کی قوی شخصیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ واہ! واہ! روزہ دار کی دنیا اور آخرت کتنی شاندار ہے۔

روزہ داروں کے لیے طبی نصیحتیں

ادارہ غذا رسانی کے مدیر نے لکھا ہے: ''ضروری ہے کہ افطاری کے وقت کسی گرم چیز کے ساتھ کھانے یا پینے سے پہلے معدہ کو آمادہ کرنا چاہیے کیونکہ جب روزہ دار پانی پی کر یا شیریں مشروبات سے روزہ افطار کرتا ہے تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جتنا بھی پانی پیتا جائے وہ سیراب نہیں ہوتا۔ بہتر ہے کہ روزہ دار خشک روٹی کا ٹکڑا گرم چیز کے ساتھ تناول کرے۔ اس کے نصف گھنٹہ بعد افطاری کا کھانا کھائے۔ افطاری کے دو گھنٹے بعد تک وہ ہر قسم کے مشروبات سے پرہیز کرے۔ روزہ دار کے لیے سحری کھانا ضروری ہے۔ کیونکہ کھانے کا ہضم ہونے اور جسم کے ساتھ عمل کاری سے روزہ کے درمیان گرم توانائی پیدا ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے یہ کہ سحری کا کھانا ان تمام غذائی عناصر پر مشتمل ہو جسم جن کا تقاضا کرتا ہے۔ مطلق سحری کھانا صرف اس وقت ضروری ہے جس آدمی کو اچھی طرح بھوک لگی ہوتی کہ وہ ہاضمہ کی پریشانی کے پیدا ہونے سے امن میں ہو جائے۔ وہ پریشانیاں جو تہ در تہ غذائیں کھانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مکھن آمیز دودھ سحری کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ پروٹین کے ایسے مواد پر مشتمل ہوتا ہے جو بہت گراں قدر اور حیات بخش ہوتا ہے اس میں بہت سا معدنی اور شکر کا مواد ہوتا ہے جو زود ہضم ہوتا ہے۔ اس میں

وٹامنز کی کثرت ہوتی ہے یہ روح افزاء اور نشاط انگیز ہوتا ہے۔ یہ سخت گرمی میں بھی شدید پیاس برداشت کرنے کے لیے جسم کی معاونت کرتا ہے۔

جسم کا روح میں روزہ کا اثر

ڈاکٹر سلیمان عزمی کی سارے مشرق میں بڑی شہرت ہے۔ ان کی شہرت مغرب میں بھی پھیل چکی ہے۔ وہ مسلمانوں کے لیے قیمتی نصیحت بطور تحفہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ڈاکٹرز نے روزہ کے طبی مسائل پر بہت زیادہ بحث و مباحثہ کیا ہے۔ اب اس کے بارے نئی بات کرنا ممکن نہیں۔ جو کچھ شائع ہوا ہے یا نشر ہوا ہے اسے ایک بنیادی نقطہ میں یوں سمیٹا جا سکتا ہے کہ صحت مند شخص کے لیے روزہ رکھنے میں کوئی بھی نقصان نہیں، بلکہ اس میں تندرست شخص کے لیے فوائد ہیں۔ اگر روزہ دار کو کوئی ضرر پہنچتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے روزے کو شرعی یا طبی رو سے روزہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے بارے آیات طیبہ واضح ہیں۔ حدیث پاک ہے: ''اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کا بھی اسی طرح خیال رکھا جائے جس طرح اس کی عطا فرمودہ عزیمتوں کی پاسداری کی جاتی ہے۔'' بعض اوقات روزہ دار کو نقصان اس لیے ہوتا ہے کہ وہ کھانا کھانے میں احتیاط نہیں کرتا۔ وہ بڑی مقدار میں کھانا کھا لیتا ہے جسے ہضم کرنا مشکل ہوتا ہے وہ ایسا کھانا کھا لیتا ہے جس کا ہضم ہونا مشکل ہوتا ہے۔ وہ کھانا معدہ کے لیے فساد انگیز ہوتا ہے۔ حدیث شریف ہے: ''ابن آدم نے کوئی شر سے لبریز برتن نہیں بھرا ہوتا جس طرح کہ اس کا بھرا ہوا پیٹ شر انگیز ہوتا ہے۔'' روزہ حرص اور لالچ کے لیے ڈھال ہونا چاہیے جو جسم کو یقینی نقصان دیتے ہیں۔ روزہ دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ تھوڑا سا کھانا کھائے تاکہ وہ بھوک کی شدت کو توڑ سکے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد وہ اعتدال کے ساتھ کھانا کھائے۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں پایا ہے کہ آپ تر کھجوروں کے ساتھ روزہ افطار فرماتے تھے اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو آپ خشک کھجوروں کے ساتھ روزہ افطار کر لیتے تھے اگر یہ بھی دستیاب نہ ہوتیں تو پھر پانی کے چند گھونٹوں کے ساتھ روزہ افطار کر لیتے تھے۔ طب صرف اجسام تک محدود نہیں بلکہ یہ انفرادی اور اجتماعی احوال کو بھی شامل ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔ رمضان المبارک کو نفسیاتی اعتبار سے صبر، بردباری، غضب سے دوری اور ناراضگی سے بُعد کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں نفس رفعتوں پر آشیاں بند ہوتا ہے یہ ایسا مہینہ ہوتا ہے جس میں نفس کو پاکیزگی نصیب ہوتی ہے۔ اسے ہدایت ملتی

ہے ضمیر بیدار ہوتا ہے قوت ارادی کی مشق ہوتی ہے۔ ریاء سے دوری نصیب ہوتی ہے کیونکہ ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی جو روزہ دار کو پوشیدگی میں کھانے سے روک سکے اور ریاء کرتے ہوئے روزہ کا اظہار کرے۔ اس کے ارادہ کی قوت اور حسن اطاعت اسے اس چیز سے روکتے ہیں: اخلاقیات کے اعتبار سے روزہ کا اثر یہ ہے کہ یہ لازم قرار دیتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عمدہ معاملہ کریں۔ ان میں باہمی رنجش اور ناراضگی نہ ہو اگر روزہ دار کو کوئی شخص گالی دے تو وہ اسے یوں کہہ دے: ''میں روزہ دار ہوں۔'' روزہ تقاضا کرتا ہے کہ جھوٹ سے دور رہا جائے بہتان سے کنارہ کشی اختیار کی جائے فضائل حمیدہ اپنائے جائیں۔ حدیث شریف ہے: جس شخص نے جھوٹ اور اس پر عمل پیرا ہونا ترک نہ کیا تو رب تعالیٰ تو کوئی احتیاج نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''کتنے ہی روزہ دار ہوتے ہیں جنہیں اپنے روزہ میں سے بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا۔'' میرے نزدیک اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث شریف سے مقصود وہ افراد ہیں جو قول اور عمل کے اعتبار سے اخلاق فاضلہ سے مزین نہیں ہوتے۔

معاشرتی اعتبار سے روزے کا اثر واضح اور عیاں ہے۔ مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں۔ عزیز واقارب سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔ محبت اور تعاون کا جذبہ بڑھتا ہے لوگوں میں الفت باہمی پیدا ہوتی ہے۔ معاشی اعتبار سے بھی رمضان المبارک کا فائدہ ہے۔ رمضان المبارک سے پہلے کا عرصہ اور رمضان المبارک کے بعد کے عرصہ میں واضح معاشی اٹھان نظر آتا ہے، اس میں مخلوق کے قول کی تصدیق کی جاتی ہے رمضان المبارک کریم اور کشادگی کا مہینہ ہوتا ہے۔ اس ماہ مبارک کا خاص مقام ومنصب ہے عام لوگ رمضان المبارک کی رحمتیں شمار کرتے ہیں کیونکہ اس کے فوائد ہمہ جہتی ہیں جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے اس ماہ مقدس میں مساجد آباد ہو جاتی ہے علماء کرام لوگوں کو ایسی پند ونصائح کرتے ہیں جس سے ان کی دنیا اور آخرت سنور جاتی ہے۔ بروں کو گناہوں سے برأت کا پروانہ نصیب ہوتا ہے۔ بچوں کو فرحت وانبساط ملتا ہے۔ اس کا حسن وجمال کی کرنیں ان مقامات پر نظر آتی ہیں۔ جن مقامات کا تذکرہ میں نے کر دیا ہے یہ مسحور کن مشاہدات سے لبریز ہوتا ہے۔ لوگ اس ماہ مبارک میں نیکی اور فضائل میں ایک دوسرے سے رغبت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیلۃ القدر کے فضائل

شب قدر کی فضیلت میں جو کچھ لکھا گیا ہے اگر ہم اس سارے مواد کا تذکرہ کر بھی دیں پھر بھی ہم اس کی فضیلت کا حصہ بھی بیان نہیں کر سکیں گے۔ لیلۃ القدر امت محمدیہ کی خاصیت ہے۔ اس شخص کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو کہتا ہے کہ لیلۃ القدر صرف ایک دفعہ ہی آئی تھی اور وحی کے زمانہ میں اس کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ مگر حق وہی ہے جسے بڑے بڑے علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ شب قدر باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔ بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہے یا سارے سال میں؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بنو اسرائیل میں سے اس شخص کا ذکر کیا گیا جو ایک ہزار ماہ تک مصروف جہاد رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تعجب کا اظہار کیا۔ آپ نے تمنا کی کہ آپ کی امت کو بھی ایسے فضائل ملیں۔ آپ نے عرض کی: "مولا! تو نے میری امت کو دیگر امم سے کم عمر بنایا ہے، ان کے اعمال بھی کم بنائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ان ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے جن میں وہ اسرائیلی باشندہ ہتھیار سجا کر راہِ خدا میں جہاد کرتا رہا۔ یہ آپ کے لیے اور آپ روز حشر تک کے لیے ہے۔"

بعض مؤرخین نے کہا ہے: "گزشتہ زمانہ میں کسی شخص کو اس وقت تک عابد نہیں کہا جاتا تھا جب تک وہ رب تعالیٰ کی ایک ہزار ماہ عبادت نہ کر لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ایک ایسی مبارک رات عطا کی وہ اس میں مصروف عبادت رہے تو یہ ان بندوں سے بھی زیادہ حقدار بن جائیں گے کہ انہیں "عابدین" کہا جائے۔ صحیح قول یہی ہے کہ شب قدر ختم نہیں ہوئی۔ یہ اس وقت تک امت محمدیہ میں باقی رہے گی جب تک اس کے دو افراد بھی زندہ رہیں گے کیونکہ احادیث طیبہ میں ہے کہ اسے مخصوص راتوں میں تلاش کرو۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب یہ روز حشر تک باقی ہو۔ شب قدر کے وقت میں علماء کرام کا اختلاف ہے اکثریت کا مؤقف یہ ہے یہ رمضان المبارک کے ساتھ مختص ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (البقرۃ:۱۸۵)

"ماہِ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن۔"

نیز فرمایا:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ (القدر:۱)

"بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں۔"

ان آیات طیبات سے یہی لازم آتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المعظم میں ہوتا کہ تناقض نہ رہے۔ بعض علماء کرام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شب قدر سارے سال میں گھوم کر آتی ہے۔ جو علماء یہ موقف رکھتے ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہے ان کا اختلاف ہے کہ کیا لیلۃ القدر پورے رمضان المبارک میں ہے یا آخری عشرہ میں۔ بعض علماء نے پہلا موقف اختیار کیا ہے۔ جبکہ علماء کی اکثریت نے دوسرا موقف اپنایا ہے۔ انہوں نے لیلۃ القدر کو آخری عشرہ کی طاق راتوں کے ساتھ مختص کیا ہے۔ اس مبارک رات کو کئی اسباب کی بنا پر مخفی رکھا گیا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس رات کو اس لیے مخفی رکھا تا کہ لوگ سارے سال کی تعظیم کریں۔ یہ ان علماء کے موقف کے مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر سارے سال میں سے کسی ایک رات میں ہو سکتی ہے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ رمضان المبارک میں جبکہ تیسرے قول کے مطابق یہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس طرح رب تعالیٰ نے یہ امر بھی مخفی رکھا کہ اطاعات میں سے اس کی رضا کس اطاعت میں ہے تا کہ لوگ ساری اطاعات میں رغبت رکھیں اس نے یہ بھی مخفی رکھا گناہوں میں سے کس گناہ میں اس کا زیادہ غضب ہے تا کہ لوگ سارے گناہوں سے اجتناب کریں۔ اس نے مسلمانوں میں سے اپنا ولی مخفی رکھا تا کہ وہ سارے لوگوں کی تعظیم کریں۔ روز جمعۃ المبارک اس گھڑی کو مخفی رکھا جس میں ہر التجاء قبول ہو جاتی ہے تا کہ لوگ سارے اوقات میں عبادت میں خوب جدوجہد کریں۔ ان نے اپنا اسم اعظم مخفی رکھا تا کہ لوگ سارے اسمائے حسنیٰ کی تعظیم کریں۔

۲۔ بندے کو لیلۃ القدر کے بارے یقینی علم نہیں ہوتا۔ وہ اس امید پر اطاعت میں کوشش کرتا ہے کہ شاید وہ اسے پالے۔ رب تعالیٰ اس کی اس ادا پر ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے وہ کہتا ہے: "تم تو کہتے تھے کہ یہ زمین میں فساد پھیلائے گا۔ خونریزی کرے گا لیکن اس رات میں اس کی کوشش وجدوجہد کا عالم یہ ہے جس کے بارے اسے لیلۃ القدر ہونے کا صرف گمان ہے۔ اگر میں اس کے لیے لیلۃ القدر کا تعین کر دیتا تو پھر اس کی سعی کا عالم کیا ہوتا۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔"

۳۔ لیلۃ القدر مخفی رکھنے کی تیسری حکمت یہ ہے تاکہ لوگ اس کی تلاش اور جستجو میں خوب کوشش کریں۔ انہیں عبادت میں کوشش کرنے والوں کا اجر وثواب نصیب ہو سکے۔ اگر کسی ایک رات کا تعین کر دیا جاتا تو صرف ایک رات پر ہی اکتفاء کر لیا جاتا اور دوسری راتوں میں لوگ عبادت کرنے سے محروم رہ جاتے کہا جاتا ہے: ''تیرا اجر وثواب تیرے حصہ کے برابر ہے۔'' لیلۃ القدر کے بہت سے فضائل ہیں۔ ان میں سے ایک فضیلت یہ ہے جو خوش نصیب اس رات قیام کرتا ہے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایمان لاتے ہوئے اور اجر وثواب کے حصول کے لیے شب قدر کو قیام کیا تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔'' اس رات ملکوت کے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں۔ لوگوں کو مختلف مکاشفات نصیب ہوتے ہیں۔ بعض خوش نصیبوں کے لیے آسمانوں سے پردے اٹھا دیے جاتے ہیں وہ ان میں ملائکہ کو ان کی شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔ بعض ملائکہ قیام میں، بعض قعدہ میں، بعض سجدہ میں کچھ ذکر، تسبیح اور تہلیل میں مصروف ہوتے ہیں، بعض مشاہدہ میں گم ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کے لیے زمین کی وسعتوں سے پردے اٹھا دیے جاتے ہیں وہ جنات اور شیاطین کو دیکھتے ہیں۔ وہ ابلیس اس کے چیلوں اور اس کا عرش دیکھتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر وہ مدہوش ہو جاتے ہیں وہ اطاعت گزاروں اور گناہ گاروں کو دیکھتے ہیں۔ بعض لوگوں کے لیے ان کے تقویٰ اور اطاعت میں درجہ کے مطابق حجابات اٹھائے جاتے ہیں۔ عمدہ انسان وہ ہے جو یہ امور دیکھتا ہے لیکن انہیں مخفی رکھتا ہے وہ ان راتوں میں زیادہ عبادت کرتا ہے کثیر دعا مانگتا ہے۔ جب انسان کو یہ رات نصیب ہو جائے تو یہ دعا مانگے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔

ترجمہ: ''مولا! تو درگزر فرمانے والا ہے تو درگزر کو پسند کرتا ہے مجھے معاف فرما۔''

اس رات کی علامات یہ ہیں کہ یہ شب روشن اور معتدل ہوتی ہے۔ اس رات کو نہ زیادہ گرمی اور نہ زیادہ سردی ہوتی ہے اس رات کو سمندروں کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ اس رات کوئی کتا نہیں بھونکتا اس کی صبح کو سورج سفید اور صاف ہوتا ہے اس کی شعاعیں نہیں ہوتیں گویا کہ وہ اس کا نور ختم ہو گیا ہے۔ جو شخص صبح کے وقت یہ علامات دیکھے اس دن کے وقت عبادت اور دعا میں خوب کوشش کرنا چاہیے وہ اس کی فضیلت پا لے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنا مستحب ہے۔ ممکن ہے کہ معتکف لیلۃ القدر کو پالے کیونکہ ایک فرمان عالی شان کے مطابق شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی رمضان المبارک میں مسجد میں اعتکاف بیٹھتے تھے۔ وہ کہتے تھے، ہم اپنے آپ کو مسجد میں اس لیے محبوس کرتے ہیں تاکہ اپنے روزے پاک کریں۔" ایک شخص حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: "آقا! میں متروک محب ہوں۔" انہوں نے فرمایا: "اپنے محبوب کے دروازہ کو لازم پکڑ لو۔" وہ شخص گیا۔ مسجد کو اپنا مسکن بنالیا۔ وہ ساری رات نماز پڑھتا رہتا جب نماز فجر ادا کرلیتا تو اپنا چہرہ مٹی سے ڈھانپ لیتا۔ وہ عرض کرتا: "الٰہی! یہ محروم تجھ سے تیرے وصال کا سوال کرتا ہے۔"

جعلنا اللہ والمحبین من اتباع الواصلین بجاہ السید الامین۔

بعض آئمہ کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (سورۃ القدر، ۱-۵)

ترجمہ: "بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شبِ قدر میں اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح (القدس) اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر امر (خیر) کے لیے۔ یہ سراسر (امن) وسلامتی ہے۔ یہ رہتی طلوعِ فجر تک۔"

ارشاد ربانی ہے:

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ (الدخان: ۱ تا ۷)

ترجمہ: "حاء میم حق کو واضح کرنے والی کتاب کی قسم بے شک ہم نے اسے اتارا ہے ایک بابرکت رات ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبر کردیا کرتے ہیں۔ اسی

رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے ہم ہی (کتاب و رسول) بھیجنے والے ہیں سراپا رحمت آپ کے رب کی طرف سے بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین اور جو ان کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم ایمان دار ہو۔"

وہ مبارک رات جس کے بارے رب تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ اس میں اس نے کتاب حکیم نازل کی۔ ہے اس میں ہر حکمت والے امر کو سپرد کیا ہے۔ وہ لیلۃ القدر ہے۔

"قدر" کا ایک مطلب بلند رتبہ اور عظیم منصب بھی ہے۔ ایک انسان اگر رفیع منصب اور بلند مقام پر فائز ہو تو اس کے بارے کہا جاتا ہے: "فلاں ذوقدر" فلاں صاحب منصب ہے۔ "قدر" کا دوسرا معنی اندازہ لگانا اور لوگوں میں تقسیم کرنا بھی ہے پہلے مفہوم کے مطابق لیلۃ القدر کا معنی ہوگا شرف، عزت اور برکت والی رات یا وہ رات جس میں اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو دنیا اور آخرت میں رفیع مناصب اور بلند مراتب عطا کرتا ہے۔ دوسرے مفہوم کے مطابق اس کا معنی ہوگا وہ رات جس میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کی تقدیروں، حالات اور ان کے امور کے انجام کا قطعی فیصلہ کرتا ہے وہ یہ امور لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل فرماتا ہے تاکہ یہ پورے سال کے دوران ان کا نفاذ ہو سکے۔ دونوں معانی کے اعتبار سے یہ ایک ایسی رات ہے جسے رب تعالیٰ نے ساری اطراف سے بھلائیوں سے گھیر رکھا ہے۔ یہ جہاں بھی سایہ فگن ہوتی ہے فضل عمیم اور خیر عظیم لے کر آتی ہے۔ لیلۃ القدر کے تین نام اور بھی ہیں۔ اسے لیلۃ البرکۃ، لیلۃ الرحمۃ اور لیلۃ السلام بھی کہا جاتا ہے۔

حج کی حکمت

ہم پہلے باجماعت نماز کی فضیلت، نماز جمعہ اور نماز عیدین کی فضیلت میں بیان کر چکے ہیں کہ شارع حکیم کا اشارہ یہ ہے کہ مسلمان باہم متفق و متحد ہوں وہ ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں ان میں باہم محبت واخوت کا تبادلہ ہو۔ محبت والفت کے جذبات کو استحکام نصیب ہو۔ یہ ساری مسلمانوں کے لیے دنیا اور آخرت میں سعادت کی راہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں: "اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت اہل عرب باہم جنگ وجدل میں مصروف تھے۔ باہمی اتفاق واتحاد پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ ان کے دل کینہ اور حسد سے لبریز تھے۔ ان میں باہم کئی کئی سال تک جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ آگ کے

شعلے شرفشاں ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کے دلوں کو باہم جوڑ دیا جائے اس نے انہیں اتفاق و اتحاد کا حکم دیا۔ ان کے لیے اتفاق کا رستہ مشروع فرمایا۔ ان مقامات پر محبت کے وہ اسباب پیدا فرما دیے جن کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔

جب شارع حکیم نے دیکھا کہ مسلمان کے معاملات کو یکجا کرنے، انہیں متحد کرنے اور الفت و محبت میں انہیں ایک شخص کرنے کے لیے یہی طریقہ کافی نہیں کیونکہ مسلمان زمین کے مشارق و مغارب تک پھیل گئے تھے، اسی طرح ان میں نسل اور زبان کے اعتبار سے بھی فرق تھا تو رب تعالیٰ نے ان کے لیے حج مشروع فرمایا۔ تاکہ وہ اپنی نسل، رنگت اور شہروں کی دوری کے باوجود ایک میدان میں جمع ہوں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ﴿۲۷﴾ (الحج:۲۷)

ترجمہ: اور اعلانِ عام کر دو لوگوں میں حج کا وہ آئیں آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز رستے سے۔

جب لوگ دور دراز کے مقامات سے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو انہیں باہمی تعارف ہوتا ہے۔ باہمی محبت پیدا رہتی ہے۔ عربی ہندی کو جان لیتا ہے ترکی کا باشندہ چینی باشندے سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ مصری شامی کو پہچان جاتا ہے۔ مغرب کا باشندہ مشرق کے باشندے کو جان لیتا ہے وہ اس اجتماع اور اس تعارف سے ان بھائیوں کی طرح ہو جاتا ہے جو ایک باپ اور ماں سے ہوں۔ انہیں یہ نعمت اس دین کے واسطہ سے ملتی ہے جس نے انہیں اس طرح بنا دیا ہے کہ ایک قبیلہ اور دوسرے قبیلہ یا ایک نسل اور دوسری نسل میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اس اجتماع سے دلوں کی باہمی محبت اور اتفاق و اتحاد مسلمانوں کو اور بھی بہت سے امور کا فائدہ ہوتا ہے۔ دنیا کے احوال کے مطابق بھی مسلمانوں کو حج میں بہت سے فوائد نصیب ہوتے ہیں۔ ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کے تجارتی، صنعتی اور زرعی حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ وہ ان سے ایسے فوائد حاصل کرتے ہیں کہ اگر ہم انہیں شمار کرنا چاہیں تو ہم مقصد و مدعا سے دور نکل جائیں گے۔ وہ حج میں اپنی دنیوی اور اخروی مصلحتوں کے بارے تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ یہی وہ اسلام کی جمعیت کا مفہوم ہے جس سے یورپ لرزہ براندام ہے۔

ہم اس سے مزید کہتے ہیں: ''جب مسلمان حج کے لیے اکٹھے ہوں اگر ان میں سے ایک

گروہ کسی ظالم حاکم یا قوی دشمن سے مغلوب ہو تو طاقتور گروہ اور ملک اس گروہ کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اس گروہ کو اس محیط خطرہ سے باہر نکال دیں خواہ دشمن کتنا قوی اور طاقتور ہو۔ یہی وہ گونا گوں منافع اور جلیل القدر فوائد ہیں جن کے بارے رب تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں یوں اشارہ فرمایا ہے:

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ (الحج:۲۸)

ترجمہ: (اعلان کیجئے) تاکہ وہ حاضر ہوں اپنی (دینی دنیوی) فائدہ کے لیے۔

ایک شخص یہ سوال کرسکتا ہے کہ حج صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ یہ اسلام سے قبل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ سے ہے۔ ہم اس شخص سے کہتے ہیں: "اسلام سے قبل حج اس شکل میں نہیں تھا جو اسلام میں شارع حکیم نے مقرر فرمائی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے حج میں ایسے امور شامل کر دیے تھے جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق نہ تھے۔ اسلام کا آفتاب ضوفشاں ہوا تو اس نے وہ چیز تبدیل کر دی جو دین میں سے نہ تھی۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ حج کے سارے افعال وہی ہیں جو حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے تو شریعت اسلامیہ ملتِ ابراہیم علیہ السلام ہی تو ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ۔ (الانعام:۱۶۱)

ترجمہ: یعنی دینِ مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے۔

کتابِ الٰہی کے بعد احادیث طیبہ نے اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ساری امت پر بہت زور دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو اس حال میں مرا کہ اس نے اسلام کا حج نہ کیا حالانکہ اسے نہ کسی ظالم بادشاہ نے، نہ کسی روکنے والے مرض نے یا کسی قوی دشمن نے روک نہ رکھا ہو وہ چاہے تو عیسائی ہو کر مرے چاہے تو مجوسی ہو کر مرے۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "جس کے پاس زاد راہ ہو۔ ایسے سواری ہو جو اسے بیت اللہ الحرام تک پہنچا دے پھر وہ حج نہ کرے تو اس کے بارے کوئی پرواہ نہیں خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔"

زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اہل مغرب حج کی یہ حکمتیں جان چکے ہیں۔ انہوں نے ان کا بہت حساب و کتاب لگایا ہے وہ جان گئے ہیں کہ حج اسلامی جمعیت کا بہت بڑا مؤید ہے اسی لیے وہ اس سے لرزاں و ترساں ہیں لیکن مسلمان ان کثیر فوائد سے آگاہ نہیں۔ ان میں سے جو حج ادا کرتا ہے وہ اس نیت سے ادا کرتا ہے کہ یہ فرض ہے جس کی ادائیگی اس پر لازم ہے لیکن وہ ان

منافع، فوائد اور حکمتوں میں غور وفکر نہیں جنہیں ہم نے بیان کر دیا ہے یا بعد میں بیان کریں گے۔

''البدائع'' میں ہے:

عبادات عبودیت کا حق ادا کرنے یا نعمت کا شکر کا حق ادا کرنے کے لیے فرض کی گئیں ہیں۔ یہ سارے امور عقول میں آسکتے ہیں۔ حج میں عبودیت کا اظہار بھی ہے اور نعمت کا شکر بھی ہے، جہاں تک عبودیت کا اظہار ہے تو عبودیت کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اپنے معبود کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کرے۔ حج میں اپنے معبود برحق کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔ حاجی احرام کی حالت میں ہوتا ہے وہ پراگندگی کا اظہار کرتا ہے وہ زیب وزینت کے اسباب ترک کر دیتا ہے وہ خود کو ایسے غلام کی شکل میں تصور کرتا ہے جس کے ساتھ اس کا آقا ناراض ہو وہ بری حالت میں اپنے آقا کے حضور پیش ہوتا ہے تاکہ اس کا آقا اس پر رحم کرے۔ جب حاجی عرفۃ میں وقوف کرتا ہے تو وہ اس غلام کی مانند ہوتا ہے جو خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے آقا کے حضور کھڑا ہوتا ہے وہ اس کی تعریف وثناء کرتا ہے۔ وہ اپنی غلطیوں اور خطاؤں کے لیے مغفرت طلب کرتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے وقت وہ اس جگہ کو لازم پکڑتا ہے جو اس کے رب کی طرف منسوب ہے۔ وہ اس غلام کی طرح ہوتا ہے جو اپنے آقا کے دروازہ پر بیٹھ جاتا ہے وہ اس کی جناب میں پناہ کا طالب ہوتا ہے۔ حج میں نعمت کا شکر بھی ہے کیونکہ بعض عبادات کا تعلق جسم کے ساتھ اور بعض کا تعلق مال کے ساتھ ہوتا ہے۔ حج ایسی عبادت ہے جو جسم اور مال کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ یہ اس وقت فرض ہوتی ہے جب آدمی کے پاس مال بھی ہو اور جسمانی صحت بھی گویا کہ اس میں دو نعمتوں کا شکر ہے۔ نعمت کا شکر ادا کرنا از روئے عقل اور شرع واجب ہے۔ واللہ اعلم!

حج میں تجارتی منافع بھی ہیں، اس کی حکمت

مسلمان حج کے زمانہ میں ایک میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کی رنگت، نسل اور زبان مختلف ہوتی ہے۔ ان کے وطن اور ممالک دور دراز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ (الحج:۲۷،۲۸)

ترجمہ: اور اعلانِ عام کر دو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آئیں ہیں ہر دور دراز رستہ سے (اعلان کیجئے) تا کہ وہ حاضر ہوں اپنی (دینی دنیوی) فائدوں کے لیے اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں ان بے زبان چوپاؤں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔

جب انسان اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو اس سے زیادہ نفع بخش اور تجارت کے لیے کامیاب طریقہ حج سے بڑھ کر اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ عربی شاعر کہتا ہے:

ما احسن الموسم من موعد   واحسن الكعبة من مشهد

ترجمہ: ملاقات کے وعدہ کی جگہ کتنی عمدہ ہے اور کعبہ معظمہ جمع ہونے کی جگہ کتنی عمدہ ہے۔

جی ہاں! یہ وقت بہت جلیل القدر ہے۔ اس میں دنیا کے کونے کونے سے حاجی مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ ملک دیگر ان ممالک کے لوگوں کے سامنے اپنی تجارت اور صنعت کے نمونے پیش کرتا ہے۔ جن تک دوری کی وجہ سے یا کسی سیاسی وجہ سے پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس پر یہ اضافہ کر لو کہ گزشتہ زمانہ میں ذرائع مواصلات بہت مشکل تھے حتیٰ کہ حالت یہ تھی کہ قریش بھی ایک سال میں صرف دو تجارتی سفر کر سکتے تھے۔ وہ موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن کی طرف جاتے تھے۔ وہ امن و امان کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حرم کے مقیم تھے کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ وہ ان سے سامان تجارت چھین لے تا کہ انہیں اذیت دے۔ انہیں کسی سے کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تھا لیکن یہ دو سفر ان شہروں کے باشندوں اور ان کے پڑوسیوں کے لیے کافی نہ تھے۔ حج کے زمانہ میں تجارتی لحاظ سے بہت سے فوائد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر امر کا نفع اور فائدہ مسلمانوں کو ہی ہوتا ہے۔

ذرا ترقی یافتہ اقوام کو دیکھو وہ ہر ملک میں ہر سال مختلف اشیاء کی نمائشیں کرتے ہیں۔ وہ دیگر اقوام کو یہ نمائش دیکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کی تجارتی منڈی کا دائرہ کار وسیع ہو جائے۔ اس نمائش کو دیکھنے والوں کے مابین تجارتی، صنعتی اور زرعی تعلقات فروغ پا سکیں۔ ہم جتنا بھی مبالغہ کریں اور ان لوگوں کی تعداد کی حد مقرر کریں جو ان نمائشوں میں جاتے ہیں تو وہ بیت اللہ کا حج ادا کرنے والوں حاجیوں کا دسواں حصہ بھی نہیں بنتے۔ اس طرح حج میں حاجیوں کے مابین تجارت کے پھیلاؤ کا بہت اہم فائدہ رکھتا ہے جب ہر گروہ اپنے

وطن کی طرف لوٹتا ہے تو وہ اپنے عزیز و اقارب کو ان اشیاء کے بارے بتاتا ہے جنہیں وہ سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے جنہیں وہ اپنے کانوں سے سنتا ہے۔ اس تفصیل سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ حج جس طرح ایک دینی مناسک کی ادائیگی کا زمانہ ہے۔ اسی طرح یہ تجارت اور اقتصادی امور کے جوبن کا بھی زمانہ ہے۔ اس شخص کی بات کی طرف بالکل توجہ نہیں دی جائے گی۔ جو اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے کیونکہ وہ تو اپنے آپ سے بھی آگاہ نہیں ہے چہ جائیکہ وہ حج کی حکمتوں کا عرفان رکھتا ہو۔

''حج میں اخلاق کی تہذیب بھی ہے''

والدین اپنی اولاد کی گھروں میں تربیت کرتے ہیں اساتذہ سکولز اور کالجز میں طلباء کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرتے ہیں لیکن اس تربیت کا فائدہ اور نفع اس درس اور سبق سے کہیں کم تر ہوتا ہے جو حاجی حج کے زمانہ میں سیکھتا ہے جب ایک شاعر یوں کہتا ہے:

اذا كان الطباع طباع سوء فلا ادب يفيد و لا اديب

ترجمہ: جب کسی کی فطرت اور مزاج ہی برا ہو تو نہ اسے ادب فائدہ دے سکتا ہے نہ ادیب۔

تو ہم اس شاعر سے کہتے ہیں، تمہارا یہ نقطۂ نظر درست نہیں۔ تمہارا تیر خطاء گیا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جو حج کا قصد کرتا ہے ہم اسے دیکھتے ہیں کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتا ہے وہ ایسے اخلاق کی وجہ سے ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جن پر رب تعالیٰ خصوصی انعام فرماتا ہے جو اخلاق پاکیزہ ہوتے ہیں اور ہر قسم کے شک اور تردد سے خالص ہوتے ہیں۔ آپ ایک انسان کو دیکھو گے جب وہ حج ارادہ کرتا ہے تو اپنے شہر سے نکلنے سے پہلے اور اپنے گھر سے جدا ہونے سے پہلے وہ رب تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے وہ اس ذات والا کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس بات کی نیت کرتا ہے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اس سے خطاء سرزد نہیں ہو گی۔ وہ حج کے مناسک ادا نہیں کرتا مگر اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ وہ اس کے نامۂ اعمال سے گناہ مٹا دے گا۔ جب بھی کسی روز اس کا نفس اس کے لیے گناہ آراستہ کرتا ہے تو اس کے نفس کے ساتھ ایک مانع اور محافظ ہوتا ہے جو نفس امارہ کو ڈانٹتا ہے اور اسے لگام دیتا ہے۔ اگر معاملہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے تو تجھے بھی علم ہو گیا ہو گا کہ ایسا کوئی حقیقی مہذب نہیں جس کا فائدہ انسان کو اس درس سے زیادہ ہوتا جو اس حج کے زمانہ میں ملتا

ہے، اگر ہم فرض کر لیں کہ حاجی کے نفس نے اس کے لیے گناہ آراستہ کر دیا۔ یا وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھا تو اس کے ارد گرد ضرور کوئی شخص ہو گا جو اسے ادب سکھانے کے لیے اٹھ کھڑا ہو گا۔ وہ اس کے نظر میں اس گناہ کو قبیح بنا دے گا۔ حج کے فضائل میں سے یہی ایک فضیلت تمہارے لیے کافی ہے۔ کوئی فضیلت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی حکومتوں، اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کے لیے حج کے امور آسان بنائیں۔ ان کے رستوں میں رکاوٹیں نہ ڈالیں۔ کیونکہ حج کرنے سے نفس کو شائستگی نصیب ہوتی ہے۔ شہروں میں امن پھیلتا ہے یہ ایک حقیقی سعادت ہے جس کا اثر حاکم اور محکوم دونوں کو ملتا ہے۔

سابقہ اقوام میں حج

گزشتہ زمانہ میں سابقہ اقوام کے اجتماعات مخصوص مقامات پر ہوتے تھے یہ مقامات ان کے مذاہب، عقائد اور ادیان کے لحاظ سے محترم ہوتے تھے وہ اسے حج سمجھتے تھے۔ دیگر اقوام کی طرح اہل مصر کے بھی بہت سے معبودان باطلہ تھے ہر معبود کا ایک مخصوص ہیکل تھا۔ وہ اپنے معبودان باطلہ کے ہیکل کی طرف حج کے ارادہ سے جاتے تھے مثلاً شہر ''صا'' میں ''ایریز'' شہر ''منیفس'' میں ''فتاح'' اور شہر ''طیبہ'' میں ''امون'' تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ لوگ حج کے ایام کو مقدس ترین ایام سمجھتے تھے۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق عمدہ دعائیں مانگ کر برکت حاصل کرتے تھے جو بچے ان ایام میں پیدا ہوتے تھے اسے سب سے زیادہ سعادت مند بچہ تصور کیا جاتا تھا۔ وہ اسے دین کے بڑے بڑے رؤساء میں شمار کرتے تھے۔ اہل یونان بھی ان ہیاکل کا حج کرتے تھے جو ان کے نزدیک مقدس و محترم تھے۔ وہ قبل از مسیح پانچ سو سال قبل ''ابرفیین'' میں ہیکل ''دیانا'' کا حج کرتے تھے۔ وہ قبل از مسیح دوسری صدی تک اس کا حج کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ معبد (مینارفا) (یہ ہیکل یونان کے دار الحکومت ''اشینا'' میں تھا) اور ''جوبیٹر'' (یہ اولیمپیا میں تھا) کا حج کرتے تھے۔

یہودی قبل از مسیح چودھویں صدی کے آغاز میں اس جگہ کا حج کرتے تھے جہاں تابوت عہد رکھا گیا تھا۔ یہ مقام ان کے نزدیک از حد محترم تھا۔ وہ سال میں اس کا صرف ایک حج نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایک سال میں اس کے تین حج کرتے تھے اس عظیم اجتماع کے پیش نظر یوروشلم میں بہت بڑا تجارتی بازار سجایا جاتا تھا۔ یہ یوروشلم کی آبادی کا واحد ذریعہ آمدن تھا۔ یوروشلم کچھ

تھوڑی ہی مدت آباد نہ رہا بلکہ یہ طویل مدت تک آباد رہا حتیٰ کہ اسے بادشاہ طیطوس رومانی نے جلا دیا اور یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ یہ ۷۰ء میلادیہ کا واقعہ ہے۔ پھر یہودی بیت المقدس سے دور ہی رہے حتیٰ کہ ۱۷ھ بموافق ۶۳۶ء میلادیہ کو اہل عرب اس پر غالب آ گئے۔ اسلام کے عدل کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو عیسائیوں کے ساتھ بیت المقدس میں برقرار رکھا پھر یہودی اور عیسائی اس پر برقرار رہے حتیٰ کہ مشہور صلیبی جنگیں شروع ہو گئیں۔ ان اوقات میں ان کے لیے حج کرنا مشکل ہو گیا کیونکہ راستے پرامن نہ تھے حتیٰ کہ آل عثمان کا دور آ گیا۔ انہوں نے ۱۵۱۷ء میلادیہ میں ان جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ یروشلم جانے والی سڑک تعمیر کی اس کی سابقہ رونق بحال کی۔ ان تمام راستوں کو پرامن بنا دیا جو بیت المقدس کی طرف جاتے تھے۔ آج کل بھی یہودی ہیکل سلیمان کی دیوار کے اس حصہ کا حج کرتے ہیں جو مسجد اقصیٰ کی مغرب کی طرف ہے۔

عیسائی ۳۰۶ء سے بیت المقدس کا حج کر رہے ہیں۔ اسی سال بادشاہ قسطنطین کی ماں ہیلانہ یوروشلم گئی۔ وہاں قبر مقدس کا گرجا بنایا جسے کنیسہ القیامۃ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ عیسائی جب بیت المقدس کے قریب جاتے تھے وہ نہر اردن میں غسل کرتے تھے وہ گمان کرتے تھے کہ اس طرح انہیں پاکیزگی نصیب ہو گی۔ ان میں سے ہر ایک چادر میں لپٹ جاتا تھا وہ چادر موت کے وقت اس کا کفن بن جاتی تھی۔ جب سلجوقیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو پھر ہر طرف سے انگریز آئے تو انہوں نے کنیسہ بطرس، (روما میں) بولس اور (تریف میں) بجرمانیا کی طرف منہ کر لیا۔ ان کا گمان تھا کہ تریف کے کنیسہ میں وہ قمیص مبارک موجود ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام استعمال کرتے تھے۔ وہ فرانس کے جنوب میں کنیسہ ''لوردہ'' کا بھی حج کرتے تھے مگر آج کل ان کی اکثریت بیت المقدس کا قصد کرتی ہے کیونکہ وہ راستہ آسان ہو گیا ہے۔ جو گزشتہ زمانہ میں بہت خوفناک راستہ تھا۔

ہندو ہیکل جوغرانات کا حج کرتے تھے۔ وہ اسے ہیکل الوری کہتے ہیں۔ شہر حیدر آباد کی ایک چٹان پر اسے لگایا گیا تھا۔ اسی طرح ہیکل بوذا کا حج کرتے تھے جو جزیرہ ''منا'' میں تھا۔ یہ جزیرہ جزیرہ سیلان کے قریب تھا ہندو ان ہیاکل کی تعظیم وتکریم بجالاتے تھے۔ اہل چین پرانے زمانہ میں معبودنیان کی پوجا کرتے تھے وہ دور دراز کی مسافت طے کر کے اور مشکل سفر کر کے اس کی زیارت کے لیے آتے تھے زمانہ قدیم میں جاپان کے لوگ ایک مشہور ہیکل کا حج کرتے تھے۔ ہیکل ''سجا'' کی سلطنت میں تھا اور ان کے نزدیک قابل احترام تھا۔ جس طرح مسلمان پر زندگی

میں ایک دفعہ حج فرض ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک ان کے ہر ہر فرد کے لیے زندگی میں ایک باراس ہیکل کی زیارت واجب تھی۔ اگر وہ زیادہ بار زیارت کر لیتا تو اسے زیادہ بھلائی کا سبب سمجھا جاتا تھا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ احرام کے وقت مسلمانوں جیسا احرام باندھتے تھے۔ وہ جب اس ہیکل کی طرف رخ کرتے تھے تو وہ مخصوص لباس مخصوص طرز پر پہنتے تھے۔ ان کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ اس لباس سے شرم گاہ اور اس کا اوپر والا حصہ ڈھانپ لیتا تھا۔ دوسرا گروہ صرف اتنا لباس پہنتا تھا جو اس کی شرمگاہ کو ڈھانپ لیتا تھا جب ہم جاپان کے شہر گئے اور ہم نے نہیں اس لباس میں ملبوس دیکھا اور انہیں بتایا کہ مسلمان بھی حج کے زمانہ میں ایسا ہی لباس پہنتے ہیں اور اس کی حکمت بیان کی تو وہ تعجب کرنے لگے۔ کیونکہ لباس کے بارے ان کا رواج احرام کے قریب تر تھا۔

بیت اللہ الحرام کی فضیلت کی حکمت

اس کی فضیلت میں بہت بڑی حکمت ہے کیونکہ یہ سب سے پہلا گھر ہے جسے لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا۔ مسلمان دنیا کے کونے کونے سے اپنے دین کے شعائر، اپنے خالق کی توحید وتمجید کا اظہار کرنے کے لیے بیت اللہ آتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ (آلِ عمران:۹۶،۹۷)

ترجمہ: بے شک یہ (عبادت خانہ) جو بنایا گیا ہے لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا برکت والا ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ سب جہانوں کے لیے۔ اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہو اس میں ہو جاتا خطرے سے دور۔

اس آیت طیبہ سے عیاں ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی فضیلت یہ ہے یہ وہ مقدس پہلا گھر ہے جسے سب سے پہلے لوگوں کے لیے بنایا گیا۔ اس میں مقام ابراہیمی ہے۔ اس کے وہ فضائل بھی ہیں جن کے ساتھ رب تعالیٰ نے اسے مختص فرمایا ہے۔ اس کی فضیلت یہ بھی ہے کہ جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ امن میں ہوتا ہے حتیٰ کہ پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں امن سے رہتے ہیں۔ اگر کوئی عربی قتل کر دیتا وہ بیت اللہ الحرام میں داخل ہو جاتا۔ وہ اپنی گردن میں صوف کا ڈورا ڈال لیتا جب

ان سے انتقام لینے والا اسے دیکھتا تو اسے یاد آجاتا کہ یہ تو بیت اللہ الحرام میں ہے تو وہ اسے کوئی اذیت نہ دیتا۔ بہت سے جابر بادشاہوں نے بیت اللہ الحرام کا برے ارادہ سے قصد کیا۔ مگر رب تعالیٰ نے انہیں برباد کر دیا۔ ان سے اسے بچا لیا۔ جیسا کہ اصحاب فیل اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے فرمایا:

طَيْرًا أَبَابِيلَ ﴿٣﴾ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ﴿٤﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ﴿٥﴾

(الفیل: ۳ تا ۵)

ترجمہ: ہر سمت سے پرندے ڈاروں کے ڈار، جو برساتے تھے ان پر کنکر کی پتھریاں بس بنا ڈالا ان کو جیسے کھا ہوا بھوسہ۔

اسلام سے پہلے خانہ کعبہ کا احترام

اسلام کا آفتاب منیر طلوع ہونے سے پہلے ہر چھوٹا بڑا خانہ کعبہ کا احترام کرتا تھا۔ یہ احترام کرنے میں بت پرست اور دیگر لوگ برابر تھے۔ اس کا احترام نہ صرف جزیرۃ العرب تک محدود نہ تھا بلکہ وہ سمندروں کو چیرتا ہوا ہندوستان اور چین تک بھی پہنچ گیا تھا۔ ہندو اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے ایک معبود ''شبوہ'' کی روح نے حجر اسود کو چھوا تھا جبکہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حجاز کے شہروں کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ وہ حجر اسود کا از حد احترام کرتے تھے۔ صابی بھی خانہ کعبہ کا از احترام کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اسے ان سات گھروں میں شمار کرتے تھے جو ان کے نزدیک قابل احترام تھے۔ مشرق کے اکثر ممالک مثلاً عجم اور ہندوستان میں صابی مذہب رواج پا گیا تھا۔ بعض ممالک میں اب بھی اس مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ امام مسعودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں جو تفصیل رقم کی ہے اس سے عیاں ہوتا ہے کہ اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ سے قبل بھی اس جگہ کا احترام کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں: ''جب قوم عاد کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا، ان کے شہر بلاد یمن سے لے کر حضر موت تک پھیلے ہوئے تھے وہ خانہ کعبہ کی جگہ کا احترام کرتے تھے یہ ایک سرخ ٹیلہ تھا۔ وہ بارش کے لیے دعا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ وہ شراب کے نشے میں مخمور رہتے جب ایک لونڈی نے ان کا یہ فعل دیکھا تو اس نے یہ اشعار پڑھے:

أَلَا يَاقيل و يحك قم يهنم لعل الله يمطرنا عماما

فسقي ارض عاد ان عادًا قد امسوا لا يبنونا الكلاما

ترجمہ: اے قیل تمہارے لیے ہلاکت! اٹھو اور اللہ رب العزت سے دعا کرو شاید

رب تعالیٰ ہم پر رحمت کی بارش کرے وہ عاد کی سرزمین کو سیراب کر دے۔ عاد کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ واضح گفتگو بھی نہیں کر سکتے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس جگہ عمالقہ کا بہت بڑا عبادت خانہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مبارک زمین میں تشریف آوری سے قبل رب تعالیٰ نے اسے معدوم کر دیا۔ اہل ایران بھی بیت اللہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ "ہرمز" کی روح اس میں حلول کیے ہے اسلام سے قبل طویل مدت تک اس کا حج کرتے رہے۔ ان کا ایک شاعر کہتا ہے:

و ماز لنا نحج البیت قدما … و نلقی بالاباطح آمنینا
وساسان بن بابك سار حتّٰی … اتی البیت العتیق یطوف دینا
فطاف بھم و زمزم عند بئر … لاسماعیل تروی الشاربینا

ترجمہ: ہم پرانے زمانہ سے بیت اللہ کا طواف کرتے رہے ہیں۔ ہم وادئ بطحاء میں امن کے ساتھ ملاقات کرتے رہے ہیں ساسان بن بابک چلا وہ بیت اللہ العتیق پہنچا اور اس کا طواف کیا۔ لوگوں کو اس کا طواف کرایا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کنویں کے پاس جو پینے والوں کو سیراب کر دیتا ہے۔

جزیرۃ العرب کے باشندوں میں سے عیسائی بیت اللہ کا احترام کسی سے کم نہیں کرتے تھے۔ وہ کعبہ معظمہ کے اندر تصاویر اور تماثیل بناتے تھے۔ وہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی تصاویر بنائی گئیں تھیں۔ ان کے پاس مختلف قبائل اور خاندانوں نے اپنے بت سجا رکھے تھے۔ اسلام سے قبل بھی خانہ کعبہ کو بلند مقام حاصل تھا۔ انہوں نے اسے ہر جانب سے حرم بنا رکھا تھا۔ جو اس میں داخل ہو جاتا تھا وہ امن میں ہو جاتا تھا۔ یہ معاملہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ حیوانات اور پرندوں کو بھی حرم کعبہ میں امن نصیب ہوتا تھا۔ جزیرۃ العرب کے باشندے اپنے شہروں کے کونے کونے سے اس کا حج کرنے کے لیے آتے تھے۔ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجۃ ان کے نزدیک حج کے مہینے تھے۔ وہ ان مہینوں میں جنگ و جدال کو حرام سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے: "ان مہینوں میں حاجیوں کو اپنے نفس اور مال کے بارے تحفظ ملنا چاہیے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے وطن صحیح و سالم پہنچ جائے۔"

زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ میں ایک معاہدہ بھی طے پایا تھا۔ جسے "حلف الفضول" کہا جاتا ہے اس میں بنو ہاشم، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل تھے۔ وہ یہ معاہدہ کیا تھا کہ جو مظلوم بھی مکہ مکرمہ

میں پایا گیا خواہ اس کا تعلق مکہ مکرمہ سے ہو یا دیگر شہروں سے۔ وہ اس کی ضرور مدد کریں گے۔ وہ اس کی مدد کریں گے حتیٰ کہ اس پر ہونے والے ستم کا مداوا ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ بھی اس معاہدہ کے وقت تشریف فرما تھے۔ اس لیے آپ نے فرمایا: میں اس معاہدہ کے وقت عبداللہ بن جدعان کے گھر موجود تھا۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس معاہدہ کے بدلہ میں سرخ اونٹ بھی دیے جائیں۔ اگر مجھے اسلام میں بھی اس جیسے معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔

مکہ مکرمہ کی یہی حالت رہی حتیٰ کہ اسلام کا آفتاب ہدایت ضوفشاں ہو گیا۔ یہ مسلمانوں کا کعبہ بن گیا وہ اپنی نمازوں کی ادائیگی کے وقت اس طرف منہ کرتے ہیں۔ یہ ان کے لیے مرکزی دائرہ بن گیا۔ اسی سے ان کے دین متین کے تعلق کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔ وہ خانہ کعبہ کا اتنا زیادہ احترام، تعظیم اور تکریم کرتے ہیں کہ انسان اسے بیان نہیں کر سکتا۔ نہ ہی دل اسکا تصور کر سکتا ہے اگر تم حج کے زمانہ میں وہاں اژدہام دیکھ لو تو تم اس عجیب وغریب منظر کو دیکھ کر مدہوش ہو جاؤ گے۔ یہ عجیب منظر دیکھ کر بعض افراد پر تو لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ بعض اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے ساکت وجامد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض شدتِ خوف کی وجہ سے چیخ وپکار شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عظمت دیکھ کر بعض افراد کی زبان پر لکنت طاری ہو جاتی ہے وہ غیر واضح گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ بعض آہ وبکاء شروع کر دیتے ہیں۔ یہ جگہ یوں نظر آتی ہے کہ گویا کہ یہ حشر ثانی کا موقف ہے۔ اسلام کے ظہور سے قبل زمانۂ جاہلیت میں خانہ کعبہ کی یہ شان والا تھی۔ لوگ اپنے دین، مذاہب، ملت اور نسل کے مختلف ہونے کے باوجود اس کی تعظیم وتکریم پر متفق تھے۔ ہر ایک اسے اپنی عبادت گاہ سمجھتا تھا۔ وہ اپنے دین اور مذہب کے مطابق اس میں عبادت کرتا تھا۔

خانہ کعبہ احترام وتعظیم کے اس بلند منصب پر تھا کہ فتح مکہ کے سال حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما ہو گئے۔ آپ نے وہاں سے بت ہٹا دینے کا حکم دیا۔ آپ کے دستِ حق نما میں چھڑی تھی۔ آپ اس سے بتوں کی طرف اشارہ فرماتے۔ زبان اقدس پر اس آیت طیبہ کی تلاوت جاری تھی:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۱)

ترجمہ: آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ارے! مکہ مکرمہ حرم ہے، رب تعالیٰ نے اسے اس وقت حرام بنایا ہے جس دن اس نے زمین اور آسمان تخلیق کیے۔ یہ نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا نہ

ہی میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا میرے لیے بھی یہ دن کی ایک ساعت کے لیے حلال ہوا۔ پھر اس کی حرمت روز حشر تک لوٹ آئی۔

دوسری حدیث پاک میں ہے: ''مکہ مکرمہ کو رب تعالیٰ نے حرم بنایا ہے، اسے لوگوں نے حرم نہیں بنایا۔ اس آدمی کے لیے جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ اور روز حشر پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ اس میں خونریزی کرے۔ یا اس کا درخت کاٹے اگر کوئی شخص حضور ﷺ کے اس میں قتال کی وجہ سے جنگ وجدل کی اجازت طلب کرے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو یہ اذن دیا تھا۔ اس نے تمہیں یہ اذن نہیں دیا۔ مجھے بھی ان کی ایک ساعت کے لیے اذن دیا گیا۔ آج بھی اس کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح کل تھی۔ موجودہ شخص غائب تک یہ پیغام پہنچا دے۔''

جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ میں تسلط ملا۔ تو انہوں نے خانہ کعبہ کو تعمیر کرنا چاہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی طرف یہ مکتوب گرامی لکھا:

> ''لوگوں کو قبلہ کے بغیر ہرگز نہ رہنے دینا۔ خانہ کعبہ کے اردگرد لکڑیاں نصب کر دیں ان پر پردے ڈال دیں۔ لوگ ان کا طواف کریں اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔''

حضرت ابن زبیر نے حضرت ابن عباس کے اس خط پر عمل کیا۔ جب خانہ کعبہ کی دیواریں حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچ گئیں تو حضرت ابن زبیر نے اپنے بیٹے اور حضرت جبیر بن شیبہ بن عثمان کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود کو ایک کپڑے پر رکھ دیں۔ انہوں نے انہیں کہا: ''جب میں نماز ظہر پڑھانے میں مصروف ہو جاؤ تو اسے اٹھا لینا اور اس کی جگہ پہ نصب کر دینا۔ میں نماز کو لمبا کر دوں گا۔ جب فارغ ہو جاؤں تو تکبیر کہنا میں نماز مختصر کر دوں گا۔'' جب ان دونوں نے حجر اسود کو اس کی جگہ میں رکھ دیا تو انہوں نے تکبیر کہی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز مختصر کر دی۔ یہ دیکھ کر قریش کی ایک جماعت غصے میں آ گئی۔ کیونکہ وہ اس مسئلہ کے لیے اس طرح ثالث بنانا چاہتے تھے جس طرح ان کے آباء و اجداد کے زمانہ میں ثالث بنایا گیا تھا۔ اس وقت حضور ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ بعد میں قریش حضرت ابن زبیر کے اس عمل پر راضی ہو گئے کیونکہ اب یہ معاملہ مکمل ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ ۶۵ھ میں پیش آیا۔ خانہ کعبہ دس سال تک انہی بنیادوں پر قائم رہا۔ جن پر حضرت ابن زبیر نے اسے تعمیر کیا تھا۔ حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان کا زمانہ آ گیا۔ حجاج نے حضرت ابن زبیر کا محاصرہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ حجاج حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر غالب

آ گیا۔ حجاج حضرت ابن زبیر کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ میں کمی کرنا چاہتا تھا لیکن اسے عبدالملک کا خوف تھا۔ اس نے عبدالملک کو خط لکھ کر بتایا کہ ابن زبیر نے خانہ کعبہ میں وہ جگہ بھی شامل کر دی ہے جو اس کا حصہ نہ تھی۔ اس میں ایک اور دروازے کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ اس نے اس سے اجازت مانگی کہ وہ خانہ کعبہ کو اس طرح تعمیر کر دے جس طرح یہ زمانۂ جاہلیت میں تھا۔ عبدالملک نے اسے اجازت دے دی۔ حجاج نے وہ دیوار ہٹا دی جو حجر اسود کی طرف تھی۔ مغربی دروازہ بند کر دیا۔ خانہ کعبہ کے دروازہ کو بند کر دیا۔ اسے اسی طرح کر دیا جس طرح یہ زمانۂ جاہلیت میں تھا۔ حجاج کو یہ اذن دے کر عبدالملک بہت نادم ہوا جو کچھ اس نے کیا تھا اس پر اسے لعن طعن کی۔ اس نے کہا: ''کاش ہم ابوخبیب کے حق سے دست بردار ہو جاتے۔'' لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ گفتگو کا فائدہ نہ تھا۔

حضرت ابن زبیر، عبدالملک اور حجاج کا زمانہ گزر گیا۔ ان کے بعد خانہ کعبہ کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا کہ کیا اسے اس طرح چھوڑ دیا جائے جس طرح اسے حجاج نے تعمیر کیا ہے یا اسے حضرت ابن زبیر کی تعمیر کردہ بنیادوں پر واپس لوٹا دیا جائے، جب بنو عباس مسند خلافت پر بیٹھے۔ ہارون الرشید کا زمانہ آیا تو اس نے خانہ کعبہ کے گرانے کا ارادہ کیا تاکہ اسے حضرت ابن زبیر کی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرے۔ اس کے بارے اس نے حضرت امام مالک سے پوچھا: انہوں نے فرمایا: ''امیر المؤمنین! خانہ کعبہ کا بادشاہوں کے لیے کھلونا نہ بناؤ۔'' ہارون الرشید نے خانہ کعبہ کو اسی طرح چھوڑ دیا۔ یہ ابھی تک اسی طرح ہے۔ مسلمانوں نے اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا سوائے اس کے کہ زیادہ بارشوں کی وجہ سے اس کی دیواروں کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کی مرمت کر دی جاتی ہے۔ ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء میں مکہ مکرمہ میں بہت زیادہ بارش نازل ہوئی۔ دو روز تک وقفہ کے بغیر بارش نازل ہوتی رہی۔ بہت سا پانی مسجد حرام میں داخل ہو گیا۔ پانی خانہ کعبہ میں بھی داخل ہو گیا۔ اس کی بنیاد کو نقصان پہنچا جس پر یہ ایک ہزار سال سے قائم تھا۔ اس کی دیواریں گرنے لگیں، لوگ اس کی وجہ سے ڈر گئے۔ اس وقت امیر مکہ مسجد حرام میں آیا۔ ساری قندیلیں باہر نکال دیں تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائیں وہ ساری خالص سونا کی تھیں ان میں سے ایک موتیوں سے مرصع تھی۔ زیادہ بارش کی وجہ سے خانہ کعبہ کے پردے بھی گرنے لگے۔ مکہ مکرمہ کے عظیم لوگوں نے بہت بڑی بڑی خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے مسجد حرام سے ریت اور مٹی کو صاف کیا۔ لوگوں نے خانہ کعبہ کے بارے باہم مشاورت کی۔ بڑے قائدین اور علماء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ

خاص مال و دولت سے خانہ کعبہ کو جلد از جلد تعمیر (مرمت) کیا جائے۔ سلطانِ وقت کو اس معاملہ سے آگاہ کیا جائے۔ کسی شخص کو بھی اس مقصد کے لیے عطیہ دینے سے نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ مال ہر قسم کے شبہ سے پاک ہو۔ بارش سے ہونے والے اس نقصان اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی خبر سارے اسلامی ممالک میں پھیل گئی۔ یہ سن کر لوگ گھبرا گئے محمد پاشا البانی اس وقت امیر مصر تھے۔ انہوں نے سلطان کی طرف خط لکھا: ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ قسطنطنیہ سے جواب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ سلطان وقت نے بہت بڑا انجینئر مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ بذات خود خانہ کعبہ کو دیکھے۔ اس کے نقصان کو ملاحظہ کرے۔ وہ انجینئر اس سال شوال کے وسط میں مکہ مکرمہ پہنچا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر پر اس نے اتفاق کرلیا: سب سے پہلے انہوں نے یہ کام کیا کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے اردگرد لکڑی کا جنگلہ بنادیا۔ لوگ اس کا طواف کرتے تھے۔ اسے ہی قبلہ بناتے تھے جس طرح کہ حضرت ابن زبیر کے زمانہ میں کیا گیا۔ مستریوں کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ وہ پتھر استعمال کریں جو حضرت ابن زبیر کے عہد میں استعمال ہوئے تھے البتہ وہ پتھر تبدیل کردیے گئے جو کسی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے یا پھٹ گئے تھے۔ حجر اسود رکھتے وقت انہیں عظیم خطرہ نے آلیا۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ حجر اسود کئی حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ سارے مسلمان حجر اسود کا بہت احترام کرتے تھے۔ اس لیے ان انجینئرز نے انتہائی کوشش کی جو اس تعمیر میں شریک تھے کہ اس خطرہ کو دور کیا جائے۔ انہوں نے حجر اسود کے سارے اجزاء جوڑے حتیٰ کہ اس کی قوت لوٹ آئی۔ یہ آج تک اسی طرح قائم ہے۔ جب خانہ کعبہ کی عمارت تعمیر ہو گئی تو ایک دستاویز لکھی گئی جس پر مکہ مکرمہ کے اشراف اور عظماء نے دستخط کیے، انہوں نے اسے مصر کے والی کی طرف بھیج دیا۔ انہوں نے اسے سلطانِ وقت کے پاس قسطنطنیہ بھیج دیا۔ ملت اسلامیہ میں سے اہل مصر ہی تھے جنہوں نے اس عظیم عمارت کو تعمیر کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ انہوں نے سارے انجینئرز کے اخراجات برداشت کرنے کی ذمہ داری لی۔ سولہ ہزار مصری پونڈ صرف اس عمارت کی تعمیر پر صرف ہوئے۔ یہ عمارت ابھی تک قائم ہے۔ اس میں ابھی تک کوئی دراڑ، پھٹن یا شگاف ظاہر نہیں ہوا۔ یہ عمارت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ رب العزت نے چاہا وہ ذات کریمانہ زمین کی اور جو کچھ اس پر ہے سب کی وارث ہے۔ وہ ساری وارثوں سے بہترین ہے۔

ان جابر بادشاہوں سے رب تعالیٰ کا انتقام جنہوں نے بری نیت سے خانہ کعبہ کا قصد کیا

تم نے سابقہ فصل میں پڑھا ہے کہ کس طرح زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں خانہ کعبہ کی تعظیم ہوتی رہی۔ کئی ان جابر اور باغی بادشاہوں نے کوشش کی جن کے دلوں پر رب تعالیٰ نے مہر لگا دی تھی اور جن کی آنکھوں پر اس نے پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ اہل عرب کو خانہ کعبہ سے کسی دوسری چیز کی طرف پھیر دیں۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ سب سے پہلے حمیر کے بادشاہ تبع بن حسان نے خانہ کعبہ کو گرانے کا ارادہ کیا، یہودی علماء نے اسے اس طرح کرنے سے روکا۔ پھر اس کا ارادہ تبدیل ہو گیا۔ اس نے خانہ کعبہ کو شاندار غلاف چڑھایا اور اپنے وطن لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی طرف سے کافی ہو گیا۔

ہجرت سے ایک صدی قبل غطفان نے حرم کعبہ کی طرح کا حرم بنایا اور اہل عرب کو اس کی طرف پھیرنا چاہا۔ اس وقت عرب کا بادشاہ زہیر بن حبان تھا۔ جب اسے یہ خبر ملی تو اس نے کہا: "نہیں! بخدا! اس طرح نہیں ہو سکتا جبکہ میں ابھی زندہ ہوں۔" پھر اس نے اپنی قوم اور قبیلہ کو جمع کیا اور انہیں کہا: "سب سے عظیم ترین کارنامہ جسے ہم اہلِ عرب کے ہاں بطور یادگار رکھیں گے وہ یہ ہے کہ ہم غطفان کو اس طرح نہیں کرنے دیں گے۔" اس کی قوم اور قبیلہ نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ وہ باہم متفق ہو گئے۔ ان کے درمیان بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ غطفان کو عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ زہیر نے انہیں منتشر کر دیا اور ان کے جھوٹے حرم کو باطل قرار دیا۔

حضور ﷺ کی ہجرت سے ساٹھ سال قبل حمیر کے بادشاہ اور نجران کے عیسائیوں کے مابین آتشِ فتنہ بھڑک اٹھی۔ قریب تھا کہ حمیر کا بادشاہ ان عیسائیوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکتا۔ حبشہ کے بادشاہ نے عیسائیوں کی مدد کی اور مملکت حمیر کو شکست سے دو چار کر دیا۔ عیسائی شہروں میں گھس گئے اور لوگوں سے انتقام لینے لگے۔ ابرہہ اکیلا ہی مسند اقتدار پر بیٹھ گیا، اس نے ایک "کنیسہ" بنایا اور اسے کعبہ معظمہ کا بدل بنانے کی سعی شروع کی۔ اس کی تمنا تھی کہ اہل عرب اس کنیسہ کا حج کیا کریں۔ اس نے ایک لشکر جرار تیار کیا جو کعبہ معظمہ کو گرانے کی نیت سے عازم سفر ہوا۔ جب ابرہہ اپنے لشکر جرار کے ساتھ طائف پہنچا تو اس نے اپنے لشکر کا کچھ حصہ مکہ مکرمہ بھیجا۔ اس لشکر نے اہل مکہ کے اموال چھین لیے۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ تھے۔ ان کا شمار عرب کے

سرداروں میں ہوتا تھا۔ وہ حسب ونسب کے اعتبار سے بلند رتبہ پر فائز تھے۔ حضرت عبد المطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور اسے کہا کہ وہ ان کے اونٹ واپس کر دے۔ ابرہہ نے ان سے کہا: ''تم اپنے اونٹوں کے بارے تو مجھ سے بات چیت کرنے آئے ہو لیکن اپنے خانہ کعبہ کو چھوڑ رہے ہو۔ وہ تمہارا اور تمہارے آباء کا دین ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں اسے گرانے آیا ہوں۔'' حضرت عبد المطلب نے فرمایا: ''میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو اس کی حفاظت کرے گا۔'' ابراہہ نے حضرت عبد المطلب کے اونٹ واپس کر دیے۔ حضرت عبد المطلب خانہ کعبہ میں داخل ہو گئے ان کی زبان پر اشعار تھے:

یا اھل مکۃ قد وافکموا ملك　　مع القیول علی اثوابہ الزرد

ھذ النجاشی قد سارت کتائبہ　　مع اللیوث علیھا البیض تتقد

یرید کعبتکم و اللہ مانعہ　　کمنع تبع لما جاءہ حرد

ترجمہ: اے اہل مکہ! تمہارے پاس ایک ایسا بادشاہ آیا ہے جس کے ہمراہ لشکر ہیں اور اس نے کپڑے پر زرہ پہن رکھی ہیں یہ نجاشی ہے۔ اس کے لشکر شیروں کے ساتھ رواں ہیں جن پر سفیدی چمک رہی ہے وہ تمہارے کعبہ کا ارادہ کیے ہوئے ہے، لیکن رب تعالیٰ اسے اس طرح روک دے گا جس طرح تبع کو روک دیا گیا جب اسے ایک مرض نے آلیا۔

ابرہہ پیش قدمی کرتے ہوئے مکہ معظّمہ بڑھنے لگا۔ جب وہ مزدلفہ کے قریب اس پہاڑ کے نزدیک پہنچا جسے ''جبل النار'' کہا جاتا تھا۔ تو اسے ابابیل کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ پرندہ کالی چھوٹی چڑیا کے مشابہ تھا۔ اب اس کی نسل اس جگہ نہیں رہی۔ ان پرندوں نے لشکر کے اوپر دائرہ بنالیا۔ اور اس لشکر پر پتھر پھینکنے لگے۔ لشکر اس پتھر کا اندزہ نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ حجم میں چنے سے زیادہ نہ تھا۔ جب لشکر مکہ مکرمہ پہنچا تو اس میں چیچک کا مرض پھیل گیا۔ اس کا ہر چھوٹا بڑا شخص اس مرض میں مبتلاء ہو گیا۔ اس لشکر کے ہمراہ ایک ہاتھی بھی تھا جسے اہل عرب محمود کہتے تھے۔ لشکر نے اسے ہانکنے کی کوشش کی مگر وہ حرکت تک نہ کر سکا اور اسی جگہ مر گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسے باب جرول کے پاس ہی دفن کیا گیا۔ اسی جگہ ہی مصری پالکی کے لیے خیمہ لگایا جاتا ہے۔ اس جگہ ایک گنبد بھی بنایا گیا تھا۔ جسے بعد میں گرا دیا گیا تھا جب ابراہہ نے امراض کی یہ کثرت دیکھی جس نے اس کے لشکر کو برباد کیا تھا۔ تو اس نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ رب العزت نے اسے اتنی مہلت نہ

دی۔ اس پر تند و تیز طوفان بھیجا۔ اس نے اکثریت کو غرقاب کر دیا۔ صرف چند افراد بچے جنہوں نے اس واقعہ کی خبر دی جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ اس سال ہی حضور سید کون و مکان ﷺ اس عالم میں رونق افروز ہوئے۔ اہل عرب اس سال کو عام الفیل کہتے تھے۔ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب حکیم میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ؕ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۙ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۙ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۠ (الفیل:۱-۵)

ترجمہ: کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ ان کے مکر وفریب کو ناکام نہیں بنا دیا۔ اور (وہ یوں کہ) بھیج دیے ان پر ہر سمت سے پرندے کے ڈاروں کے ڈار جو برساتے ہیں ان پر کنکر کی پتھریاں پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہو بھوسہ۔

یہ تاریخی واقعہ تو اس امر کا مستحق تھا کہ جابر، باغی، خونخوار اور حرمات کا پردہ چاک کرنے والے لوگ اس سے عبرت حاصل کرتے لیکن جسے رب تعالیٰ گمراہ کر دے اسے ہدایت کوئی نہیں دے سکتا۔ مقتدر عباسی کے ایام میں عراق میں ''قرامطہ'' گروہ کا ظہور ہوا۔ وہ خود کو حضرت محمد بن حنفیہ بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان کے مخصوص عقائد تھے۔ وہ ہر اس شخص کو کافر سمجھتے تھے جو ان کے مذہب کے مخالف ہوتا تھا۔ سب سے پہلا ظاہر ہونے والا شخص ابو طاہر قرمطی تھا۔ اس نے غلبہ کے زمانہ میں ''ہجر'' میں ایک گھر بنایا۔ اس کا نام ''دار الہجرۃ'' رکھا۔ اس نے حاجیوں کو اس گھر کی طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ ناکام ہوا۔ اس کی ساری کوشش رائیگاں گئی۔ وہ حاجیوں سے انتقام لینے لگا۔ اس نے ان رستوں کا قصد کیا جو مکہ مکرمہ کی طرف جاتے تھے۔ اس نے حاجیوں کو لوٹنا شروع کیا۔ یہ سرکش گروہ اپنے گھڑ سوار اور پیادہ دستے کے ساتھ حرم شریف میں بھی داخل ہو گیا۔ اس نے طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع اور سجود کرنے والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس نے تیس ہزار سے زائد لوگوں کو تہ تیغ کر دیا۔ خانہ کعبہ کا دروازہ اکھیڑ لیا۔ اس سے سارا سونا اتار لیا بلکہ حرم شریف سارے جواہرات پر قبضہ کر لیا۔ ان کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اس نے حجر اسود اکھیڑا اور اسے اپنے شہر کی طرف لے گیا۔ اس ظالم اور سرکش کے زمانہ میں مصائب اور تکالیف کا طوفان اتنا شدید تھا کہ اس کے خوف

سے حج بھی منقطع ہو گیا لیکن اللہ رب العزت نے ان سے سخت انتقام لیا۔ شہروں اور بندوں کو اس سے نجات عطا کی۔ اس کی ہلاکت کے بعد اس کی قوم نے دیکھا کہ لوگوں کو خانہ کعبہ پھیرنا ممکن نہیں۔ انہوں نے حجر اسود کو لوٹا دیا۔ انہوں نے اسے اسی جگہ لگا دیا جہاں پر وہ آج تک لگا ہوا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حاکم بامر اللہ نے جب وہ معروف و مشہور مسجد بنائی جو قاہرہ میں باب الفتوح کے پاس ہے تو اس نے چاہا کہ مسلمانوں خانہ کعبہ کی بجائے اس مسجد کی طرف منہ کریں۔ اس کا یہ مسجد بنانے کا مقصد و حید صرف یہی تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۴۱۱ھ میں ایک شخص درویشوں کی شکل وصورت میں حرم پاک میں داخل ہوا۔ اس نے حجر اسود کو لوہے کے گرزوں سے مارنا شروع کیا۔ وہاں موجود لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اسے قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو بھی حاکم بامر اللہ نے ہی بھیجا تھا۔ تاکہ وہ یہ شنیع فعل سرانجام دے۔ حاکم بامر اللہ سے کوئی بعید نہیں کہ اس نے ہی اس شخص کو بھیجا ہو۔ اس سے قبل ازہر شریف کے اہل علم کا رخ بھی قاہرہ میں بنائی ہوئی مسجد کی طرف کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اب اس کی یہ مسجد ویران ہو چکی ہے اس میں ایک شخص بھی نماز پڑھنے کے لیے تیار نہیں۔ بعض سیاحین ہی اس کی طرف جاتے ہیں تاکہ اس کے تاریخی آثار دیکھیں۔ یہ سارا امر اعمال کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ حدیث پاک ہے: "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔" اس ساری تفصیل سے یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ مقدس گھر اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر سرکش و باغی سے اس کی حفاظت فرمائی ہے۔ وہ تا صبح قیامت اسی طرح قائم و دائم اور محفوظ رہے گا۔ "وھو خیر الوارثین۔"

اس مبارک جگہ کو حج بنانے کی حکمت

درج ذیل اسباب کی وجہ سے اس مقدس جگہ کو حج کے لیے معین کیا گیا۔

۱۔ جب مسلمان حج کریں تو وہ اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یاد کریں۔ یہ یاد اہل ایمان کو نفع دیتی ہے۔ کہ انہوں نے ہی بیت اللہ الحرام کو بنایا تھا اور لوگوں میں حج کا اعلان کیا تھا۔

۲۔ یہ وہ مبارک جگہ ہے جہاں حضور سید عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ وہ مبارک جگہ خانہ کعبہ کے قریب ہی ہے۔

۳۔ اسی مقدس جگہ سے دین حنیف کا اظہار ہوا اور اس جگہ سے یہ نور زمین کی اطراف میں پھیلا۔

۴۔ اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا کیا۔ قرآن پاک میں ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ۝ (ابراہیم: ۳۷)

ترجمہ: اے ہمارے رب میں نے بسا دیا اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ تیرا وہ شکر ادا کریں۔

۵۔ یہ سرزمین مقدس جزیرہ نما عرب میں ہے۔ یہ علاقہ غیر مسلموں سے خالی ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے: ''جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں کو حج کرتے وقت، اجتماع کے وقت اور آتے جاتے وقت دوسرے ادیان کے لوگ تنگ نہیں کر سکتے۔ اس طرح ان کے لیے ان کے امور کی تدبیر کرنا ممکن ہوتی ہے۔ خواہ وہ ایسے امور ہوں جن کا تعلق دنیا سے ہو یا دین کے ساتھ ہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے: ''جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔''

اس زمان میں حج فرض کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ جسے زمان کو چاہے اپنے بندوں پر نزولِ رحمت کے لیے مختص فرما دے۔ جس طرح کہ اس نے روز جمعۃ المبارک، لیلۃ القدر اور دیگر اوقات کو مخصوص فرمایا ہے جن میں دعا مانگنا مستحب ہے۔ حج کا زمانہ اشہر حرام میں ہے۔ ان مہینوں میں رب تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ ان میں حج فرض کیا گیا تاکہ حاجیوں کو زیادہ سے زیادہ ثواب مل سکے۔ اور اس کا نفع بھی عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دین میں ان کے لیے تنگی نہیں رکھی۔ شارع حکیم نے ہر ہر چیز کو خوب محکم فرمایا ہے۔

وقوفِ عرفۃ میں حکمت

خوب جان لو کہ انبیائے کرام علیہم السلام اس جگہ کا قصد فرماتے تھے، وہ اس جگہ رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، ان کے بعد نسل در نسل یہ عمل جاری رہا۔ انبیائے علیہم السلام کی سنت مطہرہ کی اقتداء وقت کی تعیین میں اصل بنیاد ہے۔ اسی جگہ مسلمان وقوف کرتے ہیں۔ وہ **لبیک اللّٰھمّ لبیک** کی صدائیں لگاتے ہیں وہ اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ان کی غلطیاں بخش دے۔ ان کی خطائیں معاف کر دے۔ ان اوقات میں رب تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اہل ایمان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں حاجی اپنے وطن اور اہل خانہ سے دور ہوتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف رب تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوتے آتے ہیں۔ وہ دعائیں مانگتے ہیں رب تعالیٰ ان کی التجاؤں کو قبول کر لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سب سے افضل دعا اہل عرفۃ کی دعا ہے۔ سب سے افضل دعا جو میں نے اور مجھ سے قبل آنے والے انبیاء نے عرفۃ کی رات مانگی۔"

وہ یہ دعا ہے: سب سے افضل دعا ہے:

لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ، لہ الملک و لہ الحمد یحی و یمیت و ھو حی لا یموت بیدہ الخیر و ھو علی کل شیٔ قدیر۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عرفۃ کی شب میری اور مجھ سے قبل انبیاء کی اکثر یہ دعا ہوتی تھی:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ، لا شریک لہ، لہ الملک و لہ الحمد یحیی و یمیت و ھو علی کل شیٔ قدیر، اللھم اجعل فی قلبی نورا و فی سمعی نورًا و فی بصری نورًا اللھم اشرح لی صدری و یسر لی امری و اعوذبک من وساوس الصدور و سیآت الامور و فتنۃ القبر اللھم انی اعوذبک من شر ما یلج فی اللیل و شر ما تھب بہ الریاح۔

مستحب یہ ہے کہ جب حاجی میدان عرفۃ کی طرف جائے تو یہ دعا مانگے:

اللھم الیک توجھت و علیک توکلت و وجھک اردت فاجعل ذنبی

مغفوراً وحجی مبروراً وارحمنی ولا تخبنی وبارك لی فی سفری واقض بعرفات حاجتی الیك انك علی كل شیء قدیر۔

''بدائع'' میں ہے:

''اہل حرم عرفات میں وقوف کرتے تھے، وہ کہتے تھے: ہم اہل حرم ہیں ہم اس طرح نہیں نکلیں گے جس طرح دیگر لوگ نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ (البقرۃ:۱۹۹)

ترجمہ: پھر تم بھی (اے مغروران قریش) وہاں تک جا کر واپس آؤ جہاں جا کر دوسرے لوگ واپس آتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے قریش کو اسی طرح واپس آنے کا حکم دیا جس طرح دیگر لوگ واپس آتے تھے۔ لوگ عرفات سے واپس آتے تھے، لیکن قریش لوگوں کے جانے کے بعد واپس لوٹتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''قریش اور ان کے اہل دین مزدلفہ میں وقوف ہوتے تھے۔ وہ عرفات میں وقوف نہیں کرتے تھے اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

منیٰ میں جانے کی حکمت

زمانۂ جاہلیت میں بعض معمولات تھے۔ اسلام نے انہیں ان امور سے صاف کرنے کے بعد برقرار رکھا جو دین حنیف کے موافق نہ تھے۔ ان معمولات میں ایک معمول حاجیوں کا منیٰ میں ٹھہرنا بھی تھا۔ وہاں ایک بازار سجایا جاتا تھا جسے منیٰ کا بازار کہا جاتا تھا۔ جس طرح کہ عکاظ، ذوالمجاز اور المجنۃ کے بازار تھے۔ اہل عرب منیٰ میں جمع ہوتے تھے وہ اپنے حسب ونسب اور قبائل پر فخر کرتے تھے۔ وہ وہاں اشعار پڑھتے، فصاحت وبلاغت کے میدان میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے۔ وہ وہاں خرید وفروخت اور ان امور کے لیے جاتے تھے جن کے لیے عموماً بازار لگائے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے منفعت تھی اسلام نے اسے تو برقرار رکھا لیکن حسب ونسب پر تفاخر کو ذکر، تسبیح، تحمید اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں بدل دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ (البقرہ:۲۰۰)

ترجمہ: اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکرِ الٰہی کرو۔

یہ امر بھی مخفی نہیں کہ اس جگہ حجاج کرام کا اکٹھا ہونا اور قیام کرنا دین حنیف کے شعائر میں سے ہے۔ اس میں وہ مادی اور ادبی فوائد کا تبادلہ کرتے ہیں اس سے اس دین حنیف کی عظمت اور مسلمانوں کی شوکت دشمنانِ اسلام کی آنکھوں میں اور اجاگر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں باہمی تعارف ہوتا ہے باہمی محبت بڑھتی ہے۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کے مابین محبت واخوت کا تعلق مزید مستحکم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے:

مختصر یہ کہ اس طرح اور اس کیفیت میں مسلمانوں کا منیٰ میں قیام کرنا دنیا میں ہونے والی بڑی بڑی نمائشوں کے مشابہ ہے۔ اس نے ان لوگوں کی عقلیں مبہوت ہو جاتی ہیں جو مسلمانوں کے دین حق پر ناحق اعتراض کرتے ہیں۔ کیونکہ اس اجتماع میں دونوں فوائد ہیں۔ دین اور دنیا کا فائدہ اس میں جمع ہے۔ یہی وہ بالغ حکمتیں رہیں جن کی وجہ سے انسان اللہ رب العزت کے سامنے عاجزی وانکساری سے رکوع وسجود کرتا نظر آتا ہے۔ خواہ اسے کتنے ہی علم وعرفان سے نوازا گیا ہو۔

صفا اور مروۃ کے مابین سعی میں حکمت

صفا اور مروہ ان مقامات میں سے دو مقام ہیں جن میں بعض مناسکِ حج ادا کیے جاتے ہیں ان کے مابین سعی کی کیفیت یہ ہے کہ ان دونوں کے مابین اس شخص کی طرح چلتا ہے جو کسی چیز کی جستجو میں ہو یا کسی گمشدہ چیز کی تلاش میں ہو۔ یا وہ سعی کے ذریعہ کسی امر کے بارے پوچھ رہا ہو۔ اس کے مشروع ہونے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اس جگہ رونق افروز ہوئے اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے مشکیزے میں پانی ختم ہو گیا وہ پانی کی جستجو میں دوڑنے لگیں۔ وہ رب تعالیٰ بارگاہ والا میں التجاء کر رہی تھیں کہ وہ پانی تک انہیں لے جائے تاکہ وہ اپنی اور اپنے نورِ نظر کی پیاس بجھا سکیں۔ زمین سے چشمۂ زمزم رواں ہو گیا۔ اس کی وجہ سے رب تعالیٰ نے کئی ملین افراد پر رحم فرمایا۔ آج تک حجاج کرام اس مبارک چشمہ سے سیراب ہو رہے ہیں۔ جب حاجی صفا اور مروہ کے مابین سعی کرتا ہے تو وہ اس سے رب تعالیٰ سے التجاء کرتا ہے کہ وہ اسے ضرورت اور احتیاج کے پنجوں سے بچائے۔ وہ اپنی وسیع رحمت سے اس پر اسی طرح

احسان فرمائے جس طرح اس نے حضرت سیدہ ہاجرہ اور ان کے لختِ جگر کو یہ شیریں چشمہ عنایت کر کے ان پر احسان فرمایا تھا۔

اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ رب تعالیٰ کی رحمت اور مدد کو طلب کرنے میں حضرت سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی اقتداء ہے۔ نیز اس تاریخی واقعہ کی یاد کو تازہ کرنا ہے۔ اللہ رب العزت اپنی کتاب حکیم میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

(البقرہ:۱۵۸)

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ہیں۔ پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں اسے کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدردان خوب جاننے والا ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سعی کرو اللہ تعالیٰ نے سعی کو تم پر لازم قرار دیا ہے۔'' بدائع میں ہے: ''صفا اور مروہ کے مابین سعی زمانۂ جاہلیت میں بھی کی جاتی تھی۔ صفا پر ایک بت نصب تھا جسے اساف کہا جاتا تھا۔ ایک بت مروہ پر نصب تھا جسے نائلہ کہا جاتا تھا۔ اہل عرب ان مقامات کے بارے ایسے اعتقادات رکھتے تھے جو بت پرستوں کے اعتقادات کے قریب قریب تھے۔ بعض اہل عرب گمان کرتے تھے کہ اساف ایک مرد اور نائلہ ایک عورت تھی۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں بدکاری کی۔ وہ فوراً مسخ ہو کر پتھر بن گئے۔ انہیں صفا اور مروہ کے اوپر رکھ دیا گیا تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں۔ جب کافی مدت گزر گئی تو لوگ ان کی بھی پوجا کرنے لگے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ سعی کرتے وقت انہیں مس کرتے تھے۔ جب اسلام کا نیر تاباں طلوع ہوا تو بتوں کو توڑ دیا گیا۔ مسلمانوں نے ان کا طواف کرنا ناپسند کیا۔ کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کا فعل تھا جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو مسلمان صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنے سے رک گئی تاکہ اعتقادات میں جاہلیت اولی کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ (البقرہ:۱۵۸)

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

اس طرح صفا اور مروہ کی دوبارہ سعی ہونے لگی لیکن اسلام نے اسے جاہلیت کے شوائب

سے پاک وصاف کرنے کے بعد اس کا حکم دیا۔ اسے اس طرح بنا دیا جس طرح یہ دین متین کے عین مناسب تھا۔

رمی جمار کی حکمت

رمی جمارات میں بہت بڑی حکمت کارفرما ہے۔ اس سے ابلیس لعین لعنہ اللہ کو سنگسار کرنے کا قصد کیا جاتا ہے جمرات سے مراد جمرۃ العقبۃ، جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الصغریٰ ہیں۔ عام اہل عرب اسے ابلیس کبیر اور سطانی اور صغیر پر محمول کرتے تھے۔ اسلام سے قبل ابلیس لعین کا تعین کر کے ان جمرات پر کنکریاں پھینکی جاتی تھیں۔ اسلام نے بھی اس رمی کو برقرار رکھا۔

اس میں یہ حکمت کارفرما ہے تاکہ حاجی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کریں، کیونکہ انہیں رب تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ اس سرزمین میں اپنے نور نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں۔ وہ حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے تیار ہو گئے۔ ابلیس نے ان کے لیے وسوسہ سازی کی کہ وہ اپنے نور نظر کو ذبح نہ کریں۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے کنکریاں لیں اور ان کے ساتھ ابلیس کو مارا۔ اب اسی جگہ جمرۃ الاولیٰ ہے۔ جب ابلیس نے یہ دیکھا تو سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ ان کے نزدیک حضرت خلیل علیہ السلام کا یہ فعل قبیح بنانے لگا۔ حضرت سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بھی سنگریزے لیے اور ابلیس کو دے مارے۔ اب اس جگہ جمرۃ ثانیۃ ہے۔ اب ابلیس لعین کے سامنے صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی باقی رہ گئے تھے۔ وہ ان کے پاس گیا وہ ان کی نظر میں حضرت خلیل علیہ السلام کا یہ عمل قبیح بنانے لگا۔ اس نے ان سے کہا: "ایسا عمل تاریخ انسانی میں کہیں بھی نہیں جب سے اس دنیا کو رب تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے۔" حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مٹی بھر سنگریزے لیے اور اس کو دے مارے اب اسی جگہ جمرۃ الثالثۃ ہے۔ اس جگہ ابلیس لعین نے حضرت خلیل علیہ السلام، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دلوں میں وسوسہ سازی کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ہر ایک نے اسے کنکریاں ماریں۔ ان کی اقتداء کرتے ہوئے ہم بھی اس لعین کو کنکریاں مارتے ہیں۔ ابلیس مسلمانوں اور سارے لوگوں کا دشمن ہے۔ وہ انہیں گناہوں کی دلدل میں پھنسانا چاہتا ہے۔ وہ ان سے ایسے امور کا ارتکاب کرانا چاہتا ہے جن سے ان کا حج فاسد ہو جائے۔ وہ اس کے دلوں میں اسی طرح وسوسہ سازی کرتا ہے جس طرح اس نے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام کے دلوں میں وسوسہ سازی کی تھی۔ ان گنت رحمتوں کے پیہم نزول سے اسے آتش غیظ میں جلانے کے لیے

رمی جمرات مشروع کی گئی تاکہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام کی اقتداء بھی ہو جائے اور ابلیس بھی خاک آلود ہو جائے۔ اس کی یہ امید بالکل منقطع ہو جائے کہ حاجی اس کی اطاعت کریں گے۔ یا اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ رمی میں بہت سے حکمتیں کارفرما ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ (الصافات: ۱۰۲-۱۰۷)

ترجمہ: اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے آپ نے فرمایا: اے میرے پیارے فرزند میں نے دیکھا ہے خواب کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میرے پدرِ بزرگ وار! کر ڈالیے، جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ نے چاہے تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے آواز دی اے ابراہیم (بس ہاتھ روک) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب تو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ محسنوں کو بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔

گزشتہ زمانہ میں مختلف اقوام کے نزدیک رجم

بہت سے احمق اور جاہل ان رمی جمرات کی وجہ سے مسلمانوں اور اسلام پر بہت سے اعتراض کرتے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم نے یہ باب صرف اس لیے لکھا ہے تاکہ ان لوگوں کا تذکرہ کریں جو اس میں شارع حکیم کی حکمت کو نہیں سمجھتے، ہم انہیں اس رجم کے بارے بتائیں گے جو گزشتہ زمانہ میں مختلف اقوام کے ہاں ہوتا تھا۔ حالانکہ ان کے ادیان اور نسلیں مختلف ہوتی تھیں۔ حتیٰ کہ شریعت اسلامیہ پر ہونے والا ہر اعتراض ختم ہو جائے۔

گزشتہ اقوام میں رجم اسی طرح تھا جس طرح کہ یہ اہل عرب کے نزدیک تھا۔ اہل عرب

زندوں اور مردوں کو رجم کرتے تھے، یعنی وہ اس شخص کی قبر پر بھی پتھر پھینکتے تھے جس قبر والے کے بارے انہیں علم ہو جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اذیت دیتا تھا۔ اسی لیے وہ شادی شدہ زانی کو رجم کرتے تھے کیونکہ اس سے ایسے فعل کا ارتکاب ہوتا تھا جس کی وجہ دیگر قباحتوں کے ساتھ ساتھ نسب بھی خلط ملط ہو جاتا تھا شریعت اسلامیہ نے یہ رجم برقرار رکھا۔ مگر اس رجم کے لیے مخصوص شرائط ہیں۔ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اہل عرب ابو رغال کی قبر کو بھی رحم کرتے تھے اس کی قبر مغمس میں تھی۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ اور طائف کے مابین تھی۔ کیونکہ یہ وہی خائن تھا جو اس ابرہہ کے لشکر کی راہ نمائی کر رہا تھا جو خانہ کعبہ کو گرانے کی نیت سے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی جگہ مکہ مکرمہ پہنچنے قبل ہی ہلاک کر دیا تھا۔ اہل عرب ابولہب کی قبر کو بھی رجم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

(سورۃ اللھب: ۱-۵)

ترجمہ: ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا کچھ فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا۔ عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں اور اس کی جورو بھی۔ بدبخت ایندھن اٹھانے والی اس کے گلے میں مونج کی رسی ہو گی۔

اہل عرب ابوجہینہ کی قبر کو بھی پتھر مارتے تھے، وہ کہتے تھے کہ یہ باغی اور ظالم حکام میں سے تھا، قرآن پاک نے حضرت شعیب علیہ السلام کی داستان میں ان کی قوم کی بات حکایۃً یوں بیان فرمائی ہے:

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ (ہود: ۹۱)

ترجمہ: وہ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے اور اگر تمہارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا۔ اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔

قوم نوح کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝ (الشعراء:۱۱۶)

ترجمہ: ان (مغروروں) نے کہا اے نوح اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔

رجم صرف اہل عرب کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ عام ہے تم اسے یہود و نصاریٰ کے ہاں بھی پاؤ گے بنو اسرائیل کے بارے الاصحاح السابع، سفر یشوع میں ہے: یشوع غمان بن زراح نے چاندی، چادر سونے کی زبان، اپنے بیٹے، بیٹیاں، گائے، گدھے، بکریاں، خیمہ اور اپنا سارا ساز و سامان لیا۔ بنو اسرائیل کو اپنے ساتھ لیا۔ انہیں لے کر وادی طہور کی طرف چلا گیا۔ یشوع نے کہا: ''تو نے آج ہماری زندگی کس طرح مکدر کر دی ہے۔ رب تعالیٰ تیری زندگی بے مزہ کرے۔'' بنو اسرائیل نے اسے پتھروں سے سنگسار کر دیا۔ اسے آگ سے جلا دیا اور اس پر پتھر برسائے۔''

عیسائی زیتون کے اس درخت کو پتھر مارتے تھے جو بیت المقدس کے پاس جبل زیتون کے بائیں طرف تھا۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے اس درخت کا پھل کھانے کا ارادہ کیا لیکن انہیں وہاں کوئی پھل نظر نہ آیا۔ (انجیل متی، الاصحاح:۲۱)

اس ساری تفصیل سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ رجم قدیمی زمانہ میں بھی تھا۔ ہم نے یہ تفصیل اس شخص اس احمق اور جاہل کے لیے رکھی ہے جو مسلمانوں اور اسلام پر بے جا اعتراضات کرتا ہے۔

حلق کرانے میں حکمت

حلق کرنا اس امر کی تاکید اور تحقیق ہوتا ہے کہ اب احرام کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ حلق طواف وداع سے پہلے کرایا جاتا ہے۔ اس میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ حاجی جب مناسک حج ادا کرنے کے بعد واپس لوٹنا چاہتے ہیں تو وہ بیت اللہ الحرام کو الوداع کہنا چاہتے ہیں، اس مقدس گھر کی تعظیم زمانۂ جاہلیت میں بھی ہوتی تھی اور زمانۂ اسلام میں بھی اس کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے ادب کا تقاضا یہ ہے انسان اسے پاک و صاف ہو کر الوداع کہے۔ کیونکہ ایک خادم جب اپنے آقا و مولا کو الوداع کہنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ خوبصورت لباس اور حسین پوشاک میں اسے الوداع کہتا ہے، اس وقت اس کی کیفیت کیا ہوگی جب وہ اس ذات کو الوداع کہے جو مقام و منصب میں اس سے کہیں بالا اور رفیع ہے۔

حلق کرانے کا شریعت مطہرہ نے اس وقت حکم دیا ہے جب حاجی کے سر پر بال ہوں۔

اگر بال نہ ہوں تو اپنے سر پر استرا پھیر دے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''جو یوم نحر کو آئے لیکن اس کے سر پر بال نہ ہوں تو وہ ویسے ہی استرا اپنے سر پر پھیر دے۔'' قدوری نے اس روایت کو مرفوع ذکر کیا ہے۔ اگر کسی نے بال صفا پاوڈر سے اپنے سر کا حلق کر لیا تو جائز ہے لیکن استرا سے حلق کرنا افضل ہے۔ یہ حلق صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتوں پر حلق کرانا واجب نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں پر حلق نہیں، ان پر صرف قصر ہے۔'' حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے سر کا حلق کرے کیونکہ عورتوں میں حلق مثلہ کی طرح ہے اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بھی حلق نہیں کراتی تھیں بلکہ وہ قصر کرتی تھیں۔ عورت اپنے بالوں میں سے انگلی کے پورے کے برابر بال لے اور انہیں کاٹ دے۔ حاجیوں پر حلق کراتے وقت داڑھی کٹوانا واجب نہیں۔ کیونکہ صرف سر کا حلق کرانا نص سے واجب ہے۔ نیز کہ داڑھی کا حلق کرانا مثلہ کی مانند ہے۔ رب تعالیٰ نے مردوں کو داڑھی عطا کر کے اور عورتوں کو مینڈھیاں عطا کر کے انہیں زینت بخشی ہے۔ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ حدیث پاک میں ہے اللہ رب العزت نے بعض ملائکہ یوں تسبیح خوانی کرتے ہیں: ''پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی دے کر اور عورتوں کو مینڈھیاں دے کر سب کو زینت بخشی۔''

حجر اسود کو استلام کرنے کی حکمت

ہم نے کسی اور جگہ لکھا ہے: ''حجر اسود کی وجہ سے رب تعالیٰ نے بیت اللہ الحرام کو دیگر مقامات پر فضیلت بخشی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی شان سے حجر اسود کو استلام کرنے کی حکمت سمجھی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔ وہ اس کے ساتھ اپنی مخلوق کے ساتھ اس طرح مصافحہ کرتا ہے جس طرح ایک شخص اپنے بھائی کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے چومتے وقت فرماتے: ''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔'' پھر وہ رونے لگے۔ اپنے پیچھے دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم وہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المومنین! حجر اسود نفع بھی دیتا ہے نقصان بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، وہ کیسے؟

انہوں نے کہا: ''جب اللہ تعالیٰ نے ارواح سے عہد لیا تو اسے ایک کاغذ پر لکھا اور اسے اس حجر اسود کے اندر رکھ دیا، حجر اسود مؤمن کے بارے گواہی دے گا کہ اس کے وہ عہد نبایا تھا اور کافر کے بارے گواہی دے گا کہ اس نے اس کا انکار کر دیا تھا۔'' جب تم اس حقیقت آگاہ ہو چکے ہو تو حاجیوں کے اس قول کے مقصد سے بھی آگاہ ہو چکے ہوں گے جو وہ حجر اسود کو استلام کرتے وقت کہتے ہیں:

اللهم ايمانا لك وتصديقا بكتابك ووفاء بعهدك۔

ترجمہ: مولا! تجھ پر ایمان لاتے ہوئے تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے عہد کے ساتھ وفا کرتے ہوئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ نہیں تھی کہ حجر اسود اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر بھی نفع اور نقصان دے سکتا ہے بلکہ یہ اس کی وہ خاصیت ہے جو رب تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے۔ نفع اور نقصان دینے والی تو وہ ذات ہے جس کے دست تصرف میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو اس جگہ تک تعمیر کر لیا جہاں حجر اسود نصب ہے تو انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: ایک پتھر میرے پاس لے کر آؤ، جسے میں طواف کے آغاز کی علامت بنا دوں۔'' حضرت اسماعیل گئے اور ایک پتھر لے کر آئے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''کوئی اور پتھر لے کر آؤ۔'' وہ دوسرا پتھر لے کر آئے تو انہوں نے فرمایا: ''کوئی اور پتھر لے کر آؤ۔'' وہ تیسرا پتھر لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''میرے پاس ایک ایسا پتھر آ گیا ہے جس نے مجھے تمہارے پتھر سے مستغنی کر دیا ہے۔ انہوں نے حجر اسود کو اس جگہ دیکھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس پتھر کے نیچے وہ آلہ بھی موجود ہے جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تعمیر کعبہ میں استعمال فرماتے تھے۔ اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کی تعظیم کرتے تھے اور زمانۂ اسلام میں بھی اس کی تعظیم وتکریم اس طرح برقرار ہے۔

جناب ابو طالب کے اس شعر سے یہی مراد ہے:

و موطى ابراهيم فى الضحر رطبة   على قدميه حافيا غير ناعل

ترجمہ: اور اس پتھر کی پناہ جسے حضرت ابراہیم کے قدم چومنے کا شرف ملا۔ اس وقت وہ عریاں پاؤں تھے اور آپ کے قدم کے یہ نشانات وہیں پڑ گئے۔ مبارک

پتھر عظیم شان کا مالک ہے۔ جو حد بیان سے ماوراء ہے۔

جب نزار کی اولاد میں سے ایاد اور مضر کے مابین جنگ ہوئی اور جنگ کی چکی ایاد کے خلاف چلی تو انہوں نے مضر سے انتقام لینے کا ارادہ کیا انہوں نے حجر اسود کو اس کی جگہ سے اکھیڑا۔ وہ اسے کوہ ابی قبیس میں دفن کر دیا۔ بنوخزاعہ کی ایک عورت یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے اس کے متعلق اپنی قوم کو بتایا۔ انہوں نے مضر سے یہ شرط رکھی کہ اگر وہ حجر اسود لوٹا دیں اور اسے اس کی جگہ نصب کر دیں تو بیت اللہ کی تولیت انہیں ملے گی۔ بنومضر اس شرط پر راضی ہو گئے۔ بنوایاد نے حجر اسود واپس لوٹا دیا اور خانہ کعبہ کی تولیت انہیں مل گئی۔ حتیٰ کہ اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہو گیا۔

اب تم حجر اسود کو استلام کرنے کی حکمت سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ یہ پتھر ہے ایک پتھر جو جمادات میں سے ہے میں یہ اسرار، حکمت اور منفعت رکھنے میں کیا فائدہ ہے؟ ہم اس معترض سے کہیں گے "اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اسے اپنی قدرت کے مظہر کے لیے منتخب فرما لیتا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے اسرار اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ شمس وقمر جمادات میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کے ایسے اسرار اور بدیع حکمتیں ان کے سپرد کیں ہیں کہ اس کائنات کی بقاء اور زمین کے مشارق ومغارب کے احوال کا انتظام کا انحصار انہی پر ہے۔ کرۂ ارضی پر عالم حیوانات اور عالم نبات کی زندگی کا دار و مدار انہی پر ہے جس طرح شمس وقمر میں حکمت موجود ہے۔ اسی طرح حجر اسود میں حکمت موجود ہے لیکن ان پر دو حکمتوں میں فرق ہے، یہ فرق مسلمانوں کے لیے عیاں ہے اگرچہ وہ حکمت محسوسہ ہے اور یہ معنویہ ہے۔

مختلف اقوام کے نزدیک پتھروں کا احترام

اس سے پہلی فصل میں ہم نے حجر اسود کو استلام کرنے کی حکمت لکھی ہے اب اس فصل میں ہم یہ تحریر کریں گے کہ دیگر مختلف اقوام بعض پتھروں کی تعظیم وتکریم کس طرح کرتی ہیں تاکہ کوئی شخص مسلمانوں پر اعتراض نہ کرے جو حجر اسود کا احترام کرتے ہیں اس احترام کے بارے بعض جاہل احمقوں نے کہا ہے: "یہ پہلے ہونے والی بت پرستی کے امور میں سے بقیہ امر ہے۔" پرانے زمانہ میں بھی اقوام اور قبائل پتھروں کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ بعض اقوام کو پتھروں کو اپنا معبود بنا لیتیں تھیں۔ بعض اقوام اسے اپنے معبودان باطلہ کی علامت سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے جیسے رومان اور یونان کے باشندے، وہ اپنے معبودان باطلہ مثلاً ستاروں وغیرہا کی علامات سمجھ کر

پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ انہیں مختلف صورتوں اور اشکال میں گھڑ لیتے تھے تاکہ ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہو جائے۔ چین، جاپان اور ہندوں اب بھی بتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ پتھروں سے گوتم بدھ اور کونفوشیوس وغیرہما کی مورتیاں بھی بناتے ہیں۔

اہل عرب کے بت معمولی ہوتے تھے وہ ان کی پوجا کرتے تھے، وہ یہ سمجھتے تھے یہ بت انہیں رب تعالیٰ کے قریب کردیں گے۔ تم حرم کعبہ کے باب السلام کے باہر بہت بڑا پتھر دیکھو گے وہ سیڑھی کے زینے کی طرح ہے وہ زمین میں نصب ہے لوگ اسے اپنے قدموں سے روندتے ہیں۔ اہل مکہ کہتے ہیں: ''یہ جاہلیت اولیٰ کے بتوں میں ایک بت تھا۔ اسے ''اساف'' کہا جاتا تھا۔

بنو اسرائیل کے بعض انبیائے کرام بھی بعض پتھر نصب کرتے تھے تاکہ انہیں دیکھ کر انہیں وہ بہت بڑا حادثہ یاد آجائے جس کے یاد آنے سے بہت فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ جس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت کیا جب انہوں نے خواب میں اپنے رب کا دیدار کیا۔ اس خواب کے بعد انہوں نے اس تاریخی واقعہ کو یاد کرنے کے لیے ایک پتھر نصب کیا، انہوں نے اس جگہ کا نام بیت اہل (بیت اللہ) رکھا۔ انہوں نے ایک اور پتھر بھی نصب کیا تاکہ وہ انہیں وہ عہد یاد کراتا رہے جو ان کے اور لابان کے مابین ہوا تھا۔ (سفر تکوین حصہ نمبر ۳۱ آیت نمبر ۴۴، ۴۵)

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی پہاڑ کے دامن کے پاس بہت سے پتھر نصب کیے تھے جو انہیں کلام الٰہی یاد کراتے تھے۔ (سفر خروج حصہ نمبر ۲۴ آیت نمبر ۴)

حضرت یشوع نے بارہ پتھر نصب کیے تھے جو یہ واقعہ یاد کراتے تھے کہ اسباط نے تابوت عہد کے ساتھ نہر اردن عبور کر لی تھی۔ (سفر یشوع، حصہ چہارم، آیت نمبر ۹)

حضرت یشوع نے اس وقت بھی ایک پتھر نصب کیا تھا جب انہوں نے اپنی قوم سے عہد لیا تھا، انہوں نے کہا تھا: ''یہ پتھر ہمارا گواہ ہوگا'' (سفر یشوع، حصہ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۲۶)

فرانس کے دارالحکومت پیرس میں الترو کادیرو کی طرف بہت سے ایسے پتھر پائے جاتے ہیں جو اب اہل فرانس کے ہاں مقدس اور محترم مانے جاتے ہیں، یہودی اب بھی مسجد اقصیٰ کی دیوار کے اس حصہ کا از حد احترام کرتے ہیں جو قبلہ کی طرف ہے۔ اسے براق کہا جاتا ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ اس ہیکل اصلی کی بنیادوں میں سے صرف یہ ایک ٹکڑا باقی ہے جسے حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا۔ جسے بخت نصر اور سخاریب وغیرہما نے گرا دیا تھا۔

قدس کے یہودی ہر روز بالخصوص جمعۃ المبارک کے روز عصر کے بعد اس دیوار کے پاس

جمع ہوتے، وہ آہ وفغاں اور گریہ وزاری کرتے ہوئے اس کے پتھروں کو چومتے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ کرتے اور خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگتے کہ رب تعالیٰ انہیں ان کا مالک لوٹا دے۔ یروشلم کی عظمت رفتہ بحال کرے۔ اس ہیکل کے اس پتھر کے لیے ان کا احترام اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ وہ بیت المقدس کے صحن میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ وہ اس خوف سے اس کے ان دروازہ میں سے اندر نہیں جاتے تھے کہ ان کے پاؤں اس پتھر پر نہ آجائیں وہ اکثر اس جگہ سے دور ہی رہا کرتے تھے۔ وہ اس جگہ کا بھی احترام کرتے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی مبارک قبریں ہیں۔ وہ رات کے وقت اس مبارک جگہ پر حاضر ہوتے وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ والا میں آہ وزاری کرتے کہ وہ بنی اسرائیل کو ان کا ملک واپس لوٹا دے۔ افسوس! ان کی یہ آرزوئیں پوری ہوگئیں۔ بعض پتھروں کا احترام کرنے میں عیسائی یہودیوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔ عیسائی بھی بہت سے ان پتھروں کا احترام کرتے تھے جو بیت المقدس میں موجود تھے ان پتھروں میں سے ایک پتھر قبۃ الصعود کے نیچے تھا عیسائی گمان کرتے تھے کہ اس پتھر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشانات اس وقت لگے تھے جب وہ آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح وہ وادی سدرون کے ایک حصہ کا بھی احترام کرتے تھے جسے عام لوگ ''وادی مریم'' کے نام سے پکارتے تھے وہ گمان کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اس کے ساتھ ٹیک لگائی جبکہ وہ جبل زیتون سے اتر کر شہر کی طرف گئے۔ عیسائی ایک اور چٹان کا بھی احترام کرتے ہیں ان کا گمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کی چٹان ''صخرۃ'' کو دیکھنے کے لیے اس پہ تشریف فرما ہوئے۔ کنیسۃ القیامۃ میں اور بھی بہت سے پتھر ہیں۔ یہ سارے عیسائیوں کے ہاں قابل احترام ہیں۔ ان میں سے ایک پتھر ہے جسے نصف الدنیا کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک ''حجر الغسل'' بھی ہے۔ ان کے گمان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر غسل دیا گیا تھا۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی ذات والا پر بہتان لگاتے ہیں۔ ایک حجر الکاس بھی ہے جسے حضرت جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے اور اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام رکھ دیا۔ اسی طرح وہ ''عامود الجلد'' کا بھی احترام کرتے ہیں ان کا گمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ ان کے دشمنوں نے انہیں کوڑے مارے تھے۔ اسی طرح وہ حجر الاکلیل کا بھی احترام کرتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں نے انہیں اس پر بٹھایا جب انہوں نے ان کے سر اقدس پر کانٹوں کا تاج رکھا تھا اسی طرح بیت اللحم میں بہت سے

پتھر پائے جاتے ہیں جو عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہیں۔ بیت المقدس کی صمرۃ (چٹان) تو مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں مقدس ہے اس کے بعد صمرۃ ایوب کا مقام ہے۔

ہندوستان کی وادی ''انجنج (گنگا) میں ایک ہیکل ہے بہت سے ہندو اس کا احترام کرتے ہیں۔ دیگر اقوام کا معاملہ صرف یہاں تک نہیں کہ وہ پتھروں کا احترام کرتے ہیں بلکہ وہ تو درختوں، دریاؤں اور حیوانات کو بھی اس دائرہ میں لے کر آتے ہیں۔ ہندوستان میں دریائے گنگا ہے۔ ہندو اس دریا کا احترام کرتے ہیں ان کا اس کے بارے ادب واحترام کا جذبہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ہر وہ حاکم جو اس شہر میں مرے جہاں سے دریائے گنگا گزرتا ہے تو وہ وصیت کرتا ہے کہ اس کی میت کو اسی شہر میں دفن کیا جائے اس مقصد کے لیے وہ بہت زیادہ مال و دولت خرچ کرتا ہے۔ اس کا تعلق تقدیس واحترام کے ساتھ ہے۔ وادیٔ گنگا میں ایک درخت بھی ہندو کے ہاں محترم سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ہاں اس کے احترام کا عالم یہ ہے کہ اس درخت کی ایک شاخ مسلمانوں کی مسجد کی طرف جھک گئی۔ مسلمانوں نے وہ شاخ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ اس شاخ کی وجہ سے مسلمانوں اور ہندو کے مابین تنازع کھڑا ہو گیا۔ قریب تھا کہ اس کی وجہ سے دونوں فریقوں میں خونریز لڑائی ہو جاتی اس محلہ کی انتظامیہ نے بڑی حکمت کے ساتھ یہ مسئلہ حل کیا۔ اس درخت کی شاخوں کو بلند رکھنے کے لیے اس کے نیچے ستون بنائے گئے۔ اس طرح فریقین میں یہ جھگڑا ختم ہوا۔

ہندوستان کے بعض علاقوں میں اب بھی لوگ گائے کا احترام کرتے ہیں۔ اس کو کھانا اور اسے ذبح کرنا حرام سمجھتے ہیں وہ براہمہ کے دین پر ہیں۔ یہی لوگ تناسخ ارواح کے قائل ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان کے آباء واجداد میں سے کسی کی روح اس گائے میں منتقل ہو گئی ہو جسے وہ ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے تم دیکھو گے کہ ہندوستان کی بڑی بڑی سڑکوں پر کسی محافظ اور چرواہے کے بغیر ہی گائیں پھرتی رہتی ہیں۔ وہ گھروں اور دکانوں کے سامنے کھڑی ہوتی ہیں لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ انہیں اذیت دے سکے۔ وہاں گائیں بازاروں اور راستوں میں چلتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا مالک آتا ہے اور انہیں پکڑ کر لے جاتا ہے کیونکہ وہ ہر اس ہاتھ سے محفوظ ہوتی ہیں جو بری نیت سے ان کی طرف بڑھے۔ عصر حاضر کے بعض مورخین کہتے ہیں:

''ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ خود مشقت میں پڑ کر گائے کو آرام پہنچاتے ہیں۔ ایک شخص ہندوستان کی ساری سڑکوں پر دیکھے گا کہ وہاں گائیں سرعام چلتی رہتی ہیں لیکن کوئی انہیں اذیت نہیں دیتا۔ کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ شخص پوری طرح ہلاک ہو گیا جس کا نفس اسے کہے کہ وہ گائے کو

...ے ارادہ سے مس بھی کرے۔"

ہندوؤں نے بڑی بڑی عبادت گاہیں بنا رکھیں ہیں۔ وہ گائیں کو ہانک کر ان کی طرف ...تے ہیں۔ انہوں نے انہیں ریشم کے خوبصورت لباس پہنا رکھے ہوتے ہیں۔ ان کے سروں پر ...لص سونے کے تاج پہنا رکھے ہوتے ہیں۔ خوبصورت پتھروں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ وہ انہیں ...یم، گھاس اور گندم پیش کرتے ہیں۔ وہ دس دس گھنٹے ایک ایک گائے کے اردگرد کھڑے رہتے ...یں۔ ان کے لیے اپ بی نغمے پڑھتے ہیں۔ اس وقت وہ عریاں پاؤں اور ننگے بدن ہوتے ...یں۔ ایک چھوٹی سی لنگوٹی نے ان کی شرم گاہ کو ڈھانپ رکھا ہوتا ہے جب گائے پیشاب کرتی ہے تو ...ہ جلدی سے اس کی طرف جاتے ہیں وہ خالص چاندی کے برتنوں میں وہ پیشاب حاصل کر لیتے ...یں وہ اسے اٹھا کر اپنے گھروں میں لے جاتے ہیں۔ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں اور اکثر ...وقات اسے پی جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) اگر ان میں سے کوئی انسان بیمار ہو جائے تو وہ اسے ان ...بادت خانوں کے چوکیداروں کے سپرد کرتے ہیں۔ وہ اس گائے کے گوبر کو اس کے جسم پر مل ...یتے ہیں۔ وہ شفاء کے حصول کے لیے ان کے قدموں کے نیچے لیٹ جاتے ہیں۔ اگر وہ چوکیدار ...س مریض پر بڑی مہربانی کرے تو وہ اس مریض کو اس گائے دودھ کا ایک برتن دیتا ہے جس میں ...س کا پیشاب ملا ہوتا ہے۔ اگر ان مقدس گائیں میں سے کوئی ایک مر جائے تو ہندو بہت زیادہ ...مناک ہو جاتے ہیں وہ اسے دفن کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں اور اس پر آہ و فغاں کرتے ہیں ...ور اس سے سمجھتے ہیں کہ اب ان مصیبتوں کے دروازے کھل گئے ہیں۔ بعض اوقات بہت سے ...ائیں سڑکوں پر آجاتی ہیں اور وہاں لوگوں کا اژدہام ہو جاتا ہے۔

اگر کسی ریلوے لائن پر گائے کھڑی ہو جائے تو ریل گاڑی کا ڈرائیور مجبور ہوتا ہے کہ وہ ...یل گاڑی سے اترے اور بڑی نرمی اور رفق کے ساتھ گائے کو ریل گاڑی سے ہٹائے۔ بعض ...وقات وہ کئی کئی گھنٹے وہاں کھڑا رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ گائے وہاں سے اٹھ جائے اور گاڑی ...ہاں سے گزرنے کے قابل ہو سکے۔

پرانے وقتوں میں اہل مصر بھی دریائے نیل کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ وہ اس کا از ...د ادب کرتے تھے وہ اس کے لیے مختلف تسبیحات پڑھتے تھے۔ میں نے ان تسبیحات میں سے ...ک تسبیح برطانیہ کے ایک عجائب گھر میں کھجور کے پتے پر لکھی ہوئی دیکھی ہے۔ اس کا مفہوم کچھ اس ...رح تھا:

''میرے محبوب! ساری عزتیں تجھے نصیب ہوں تو اس لیے ظاہر ہوتا ہے تا کہ اہل مصر کی زندگی رواں دواں ہو سکے۔ تو ان کھیتوں کو سیراب کرتا ہے جنہیں ''رع'' نے بنایا ہے۔ تو سارے حیوانات کو زندگی بخشتا ہے جب تو آسمان سے اترتا ہے تو تو زمین کو کسی انقطاع کے بغیر پانی دیتا ہے تو روٹی اور ہر مشروب کا دوست ہے تو دانوں کی مدد کرتا ہے۔ انہیں وافر مقدار میں اگاتا ہے۔ ہر جگہ کو تو نے عمل سے بھر دیا ہے۔ تو مچھلیوں کا سردار ہے تو گندم اور جو کا خالق ہے۔ تو فقیر اور محتاج کی مدد کرنے والا ہے جب تو آسمان پر غضبناک ہوتا ہے تو سارے معبودان منہ کے بل گر پڑتے ہیں مرد اور عورتیں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ جب تو زمین پر ظاہر ہوتا ہے تو خوشی کے نغمات ہوا کو بھر دیتے ہیں۔ سارے انسان سعادت مند بن جاتے ہیں کیونکہ ہر انسان کو عنقریب اس کی غذا مل جائے گی تو ہی وہ ہے جو گھروں کے کمروں کو کھانوں سے اور غلوں سے بھر دیتا ہے تو محتاج اور فقیر کی مدد کرتا ہے تو ہی گھاس کی نشوونما کرتا ہے اور کسی انسان کو دوسرے کا محتاج نہیں رہنے دیتا۔''

اہل مصر دریائے نیل کے لیے دو بڑے اجتماع کرتے تھے۔ پہلا اجتماع جون کے مہینے میں ہوتا تھا۔ وہ اسے رات کو ''لیلۃ الدمعۃ'' کہتے تھے۔ کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ ہر سال اسی ماہ میں ایزیس اپنے خاوند اور بھائی اوزیرس کے لیے روتی ہے۔ جب وہ روتی ہے تو اس کے آنسو دریا نیل میں گرتے ہیں۔ اس میں طغیانی آجاتی ہے دوسرا اجتماع ہر سال ماہ اگست میں ہوتا تھا۔ اس سال اتفاق سے یہ دن مصری حکومت کے اس دن کے ساتھ مل گیا جس دن چیف جسٹس کی طرف سے حسب معمول بیع نامے کی کتابت تھی اور اس امر کی کتابت تھی کہ وہ زرعی زمینوں پر ٹیکس دینے کی پابند ہیں جو دریائے نیل کے پانی سے سیراب ہوتی ہیں اور اس پانی سے انہیں فائدہ پہنچتا ہے۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کا حجر اسود کا احترام کرنا کوئی عجیب و غریب امر نہیں۔ یہ احترام صرف اس لیے ہے کیونکہ یہ اللہ رب العزت کی قدرت کی نشانی ہے مسلمان اسے استلام کرتے وقت یا اسے بوسہ دیتے وقت اسی قدرت کو یاد کرتا ہے۔ یہ کبھی بھی نہیں سنا گیا کہ مسلمانوں نے کبھی حجر اسود کی پوجا کی ہو۔ جس طرح کہ بعض سیاحوں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ دین اسلامی کے شعائر کے پردوں میں مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ کی طرف گئے۔ ان لوگوں نے رب تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا انہوں نے کہا: ''مسلمان حج کرتے وقت حجر اسود کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ اس بت پرستی کا بقیہ حصہ ہے جس میں زمانہ جاہلیت میں عرب مبتلا

تھے۔" اگر یہ گروہ ان احادیث طیبہ کا مطالعہ کر لیتا جو اس موضوع کے بارے وارد ہیں تو وہ اس پتھر کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا۔ ہمیں اس تردید کی ضرورت نہ پڑتی لیکن اندھا تعصب انسان کو جہالت کے اندھیروں میں پھینک دیتا ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں اور تمہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امید ہے اس تفصیل کے بعد تمہیں مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

احرام کے وقت ان سلے کپڑے پہننے میں حکمت

احرام کے وقت شارع حکیم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان سلے کپڑے پہنیں اور اپنا سر نہ ڈھانپیں تا کہ انسان خضوع وخشوع کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو سکے۔ گویا کہ اس حالت میں ایک حاجی کہتا ہے: "مولا! میں تو کسی بھی چیز کا مالک نہیں۔ اس ساری کائنات میں میں دھاگے کا بھی مالک نہیں۔ تو تو ساری کائنات کا مالک ہے میں تیرے سامنے اس دن کی طرح کھڑا ہوں جس دن مجھے میری والدہ نے جنم دیا تھا۔ دنیا کے اشیاء میں سے مجھ پر صرف اتنا ہی کپڑا ہے جس سے میں نے اپنا ستر ڈھانپا ہوا ہے۔ ان سلا کپڑا پہننے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ حاجی گویا کہ نومولود بچے کی مانند ہے جسے کسی ان سلے کپڑے میں لپیٹ دیا جائے۔ کیونکہ وہ دنیاوی ساز وسامان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ ساری سلطنت اسی ذات کے لیے ہے جو واحد اور قہار ہے۔

یہ امر مخفی نہیں ہے کہ یہ حالت خضوع کے بلند ترین درجات میں سے ہے خشوع کی ارفع مقامات میں سے ہے رب تعالیٰ کے لیے خضوع وخشوع کرنے کی انتہاء ہے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ کہ اس حالت میں حاجی اہل محشر کو یاد کرتا ہے۔ جب وہ عریاں جسم کھڑے ہوں گے۔ یہ یاد اہل ایمان کو نفع دیتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ایام میں اہل عرب کا لباس سادہ ہوتا تھا۔ وہ ایام حج میں پہنے جانے والے احرام سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر ہر چیز میں حکمت بالغہ رکھ دی ہے۔

احرام کی رنگت سفید ہونے میں حکمت

اس میں ایک بہت بڑی حکمت کارفرما ہے کیونکہ سفید رنگت طہارت اور نظافت کی علامت ہے یہ سفید لباس پر پوری طرح آشکارا ہوتی ہے۔ ورنہ مقصود تو مطلق ان سلا کپڑا پہننا

ہے۔ سیاہ اور سفید میں کوئی فرق نہیں۔ یہ سادہ سا لباس جسے حاجی پہنتے ہیں اس میں ایک اشارہ بھی ہے کہ وہ اس دنیا اور اس فانی زندگی کی لذتوں اور زیب وزینت سے نکل گیا ہے وہ یہ سفید اور سادہ لباس پہن کر اپنے رب تعالیٰ کے سامنے مناجات کر رہا ہے اس لباس میں بادشاہ اور فقیر، امیر اور وزیر اور غنی اور فقیر برابر ہوتے ہیں۔ حاجی اپنے نفس سے ظاہری اور باطنی امراض دور کرتا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے: ''عمدہ اور اچھا لباس بھی انسان میں تکبر پیدا کر دیتا ہے۔ اس وقت حاجی خود کو ہر اس چیز سے نجات دیتا ہے جس کا وہ اس دنیا میں مالک ہوتا ہے وہ صرف یہ سادہ لباس پہنتا ہے تاکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا حکم بجالائے تاکہ وہ دار آخرت میں حقیقی سعادت کے ساتھ کامیاب ہو اور اس کا حشر ان مقبول بندوں میں ہو۔ جن پر رب تعالیٰ نے اپنی جنت اور رضا کے ساتھ انعام فرمایا ہے۔ انہوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

احرام میں طبی فائدہ

وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور دین حنیف پر اعتراضات کرنا جن کا وطیرہ ہے وہ کہتے ہیں: ''احرام بہت سی بیماریوں کا سبب ہے۔ جو حاجیوں کو وہاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ مثلاً موسم سرما میں سردی لگ جانا اور موسم گرما میں خون کا منجمد ہو جانا۔'' ہم انہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ شریعتِ اسلامی نے کسی حاجی کو بھی اس کے معمول سے منع نہیں کیا۔ البتہ اس پر یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ اگر سر کھلا چھوڑنے میں تکلیف ہوتی ہے تو اپنے سر پر سایہ دار چیز کر لے اور اپنے مال سے کچھ رقم بطور فدیہ دے دے۔ اس فدیہ میں بھی بہت بڑی حکمت ہے۔ یہ بہت سے غرباء اور مساکین کو حیات نو عطا کرتا ہے۔ یہ امر بھی آپ سے پوشیدہ نہیں کہ اس مخصوص لباس پہننے میں بہت بڑا طبی فائدہ بھی ہے۔ یہ فائدہ اس انسان کے سارے جسم کو ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں: ''انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کچھ وقت کے لیے اپنے جسم کو کھلی ہوا میں رکھے تاکہ اس میں اس کے جسم کو آرام ملے اس کی قوت لوٹ آئے اور اس کے سارے اعضاء میں آکسیجن جانے کی وجہ سے اس کے جسم میں چستی پیدا ہو جائے اس طرح اسے صحت اور عافیت نصیب ہو گی۔''

اسی لیے تم شمالی یورپ کے لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ بعض دنوں میں پہاڑوں کی طرف نکل جاتے ہیں سمندروں کے کناروں کی طرف جاتے ہیں وہ اپنے کپڑے اتار دیتے ہیں ان کے جسم پر صرف اتنے کپڑے ہوتے ہیں جن سے ان کی شرم گاہیں چھپ سکیں۔ وہ بہت سے دن اسی حالت

برگزار تے ہیں وہ جسم کی اس طبعی طاقت کو بحال کرتے ہیں جو زیادہ کام کی وجہ سے کمزور پڑ جاتی ہے۔ احرام میں کوئی عجیب وغریب امر نہیں۔ دینِ حنیف کسی بھی ایسے امر کا حکم نہیں دیتا جس میں انسان کی مصلحت نہ ہو اور اس کا فائدہ اسے نہ ہو۔

قربانی کی حکمت

اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کی اقتداء ہے جب رب تعالیٰ نے انہیں خواب میں حکم دیا کہ وہ اپنے نورِ نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں وہ اس حکم پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار ہو گئے پھر رب تعالیٰ نے ایک عظیم مینڈھے کو بھیج کر انہیں بچالیا۔ قربانی میں دو حکمتیں کارفرما ہیں:

۱- اللہ رب العزت کے لیے مکمل اطاعت کا اظہار حتیٰ کہ اگر وہ ہمیں اپنی اولاد ذبح کرنے کا بھی حکم دے۔

۲- اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا کہ اس نے اس شخص کو ان افراد میں سے کیا ہے جو ان نعمتوں میں سے صدقہ کرتے ہیں جو رب تعالیٰ نے اس پر کیں ہیں۔ اسے ان فقراء میں سے نہیں کیا جو صدقہ لینے کے مستحق ہوتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جب حاجی اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ رفعت کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتا ہے کیونکہ انسان کے لیے اپنے رب کی اطاعت کے لحاظ سے اس سے بلند منزل اور کوئی نہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے ہر اس حکم پر عمل کرے جو وہ اسے دے حتیٰ کہ وہ اسے اپنا لختِ جگر ذبح کرنے کا حکم دے پھر بھی وہ پیچھے نہ ہٹے۔

قربانی متمتع اور قارن پر واجب ہے کیونکہ جاہلیت کی تحریف کی بنا پر ان دونوں پر پابندی تھی۔ یہ رب تعالیٰ کا اس نعمت پر شکر ادا کرنا بھی ہے جو اس بوجھ اٹھانے کی وجہ سے اسے حاصل ہوئی۔ یہ بہت بڑی حکمت ہے۔

گزشتہ اقوام میں قربانی

ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم اس فصل میں اس قربانی کے متعلق گفتگو کریں جو سابقہ اقوام گزشتہ زمانہ میں دیا کرتی تھیں تاکہ وہ شخص بھی یہ حقیقت جان لے جس کے لیے یہ امر واضح

نہیں ہے کہ وہ خون جو حاجی اس مقدس سرزمین پر بہاتے ہیں وہ کوئی نئی چیز نہیں جو صرف اسلام میں ہی ہو۔ بلکہ قدیمی اقوام اپنے مذاہب اور ادیان کے اختلاف کے باوجود قربانیاں دیتی رہی ہیں۔ اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے ان رسوم اور رواج سے وہ اشیاء نکال کر انہیں مہذب بنا دیا جو اسلام کے موافق نہ تھیں۔ قربانی زمانہ قدیمی میں بھی ہوتی تھی اس سے لوگ رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس کا انداز مختلف زمان اور مختلف مکان میں جدا جدا تھا روئے زمین پر سب سے پہلی قربانی کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ وہ داستان اس طرح ہے:

''حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند قابیل نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربانی دی۔ اس کے بھائی ہابیل نے بھی قربانی دی۔ ان میں سے ایک کی قربانی رب تعالیٰ نے قبول کر لی دوسرے کی قربانی قبول نہ کی۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے بھائی نے زمین کے پھلوں میں سے پھل بطور قربانی پیش کیے دوسرے بھائی نے اپنے ریوڑ میں سے عمدہ جانور بطور قربانی ذبح کیے۔ رب تعالیٰ نے ان کی حکایت یوں بیان کی ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ؕ (المائدۃ:۲۷)

ترجمہ: اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندان آدم کی جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے۔

طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے ایک جگہ عمارت تعمیر کی جہاں بہت سے جانور بطور قربانی ذبح کیے جاتے تھے ان جانوروں کو اس جگہ جلا دیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام روٹی وغیرہ صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے روایت ہے کہ وہ بچھڑا، بکرا اور مینڈھا اللہ تعالیٰ کے رستہ میں ذبح کرتے تھے (سفرِ تکوین آیت نمبر ۹، ۱۷) ان کے بعد ان کی اولاد قربانیاں پیش کر کے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرتی تھی۔ وہ اپنی قربانیاں جلا دیتے تھے۔ وہ اسی حالت پر برقرار رہے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام مبعوث ہو گئے۔ ذبیحوں کو دموی (خون والے) اور غیر دموی (بغیر خون کے) میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ دوسری قربانی کی قسم کو وہ رب تعالیٰ کے لیے مختص کرتے تھے۔ جو درحقیقت ان کے بتوں کے لیے ہوتی تھی۔ ان کی یہی عادت رہی حتیٰ اسلام کا مہرِ منیر طلوع ہو گیا۔ اسلام نے یہ قربانی حرام کر دی۔ دموی ذبیحوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا تھا ذبیحۃ المحرقۃ، ذبیحۃ التکفیر عن الخطایا، ذبیحۃ السلامۃ، ذبیحۃ المحرقۃ کو وہ جلا دیتے

تھے۔ وہ صرف اس کا چمڑا لیتے تھے۔ یہ چمڑا کاہنوں کے لیے مختص ہوتا تھا۔ ذبیحۃ التکفیر عن الخطایا۔ اس ذبیحہ میں سے بعض کو وہ جلا دیتے تھے۔ جبکہ بعض کو کاہن کھا جاتے تھے۔ جبکہ ذبیحۃ السلامۃ ان سب کے لیے حلال ہوتا تھا۔ پہلے قسم کی ذبیحہ کی قربانی کے لیے شرط یہ تھی کہ وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہو۔ اگر کوئی شخص غریب ہوتا اور وہ ان چار اقسام میں سے ذبیحۃ پیش نہ کرسکتا تو ان سے پرندوں کا ذبیحہ بھی قبول کرلیا جاتا تھا۔ پرانے وقتوں میں بت پرست اور ستارے پرست لوگ کچھ نباتات بھی بطور قربانی پیش کرتے تھے۔ وہ ان بتوں کے ہیکلوں میں جا کر انہیں جلا دیتے تھے۔ یونان کے قدیمی باشندے اپنی قربانیوں میں نمک داخل کرتے تھے کیونکہ یہ ان کے ہاں صداقت کی علامت تھی۔ وہ اسے جَو کے ساتھ رکھتے تھے اور اسے حاضرین کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اہل روم بھی اپنے معبودان باطلہ کے لیے ذبیحے پیش کرتے تھے۔ جو وہاں موجود ہوتا تھا۔ وہ تبرک کے حصول کے لیے ان کا گوشت حاصل کر لیتا تھا۔ وہ ان میں سے بعض گوشت اپنے قریبی رشتہ داروں میں بھی تقسیم کردیتے تھے۔ قربانیاں پیش کرتے وقت ان کے کاہن حاضرین پر شہد اور پانی کا چھڑکاؤ کرتے تھے حتیٰ کہ معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ اپنے اجتماعات میں عرقِ گلاب چھڑکنے لگے۔ آج تک ان کی اکثر دینی مجلسوں میں اسی طرح ہوتا ہے۔

قربانی صرف حیوانات کی ہی نہیں دی جاتی تھی بلکہ بعض گزشتہ اقوام نے مبالغہ سے کام لیا انہوں نے انسان کی بھی قربانی پیش کی۔ مثلاً فینیقین، کنعانیین، صوریسین، اہل ایران، اہلِ روم اور اہل مصر وغیرہ۔ یہ قبیحہ رسم یورپ بھی پھیل گئی۔ حتیٰ کہ دار الامراء (انگلستان کا ہاؤس کا آف لارڈز) نے ۱۶۵۷ء میں ایک قرارداد پاس کی۔ اس قرارداد کے ساتھ ہی یہ قبیح رسم ختم ہوگئی۔ یہ قبیح عادت جرمان کے شہروں میں طویل مدت تک برقرار رہی۔ حیرہ کا بادشاہ اپنے زمانہ میں اپنے بت "العزّیٰ" کے لیے انسانوں کی قربانی دیتا تھا۔ اس نے یہ عادت ایران کے بت پرستوں سے سیکھی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اہل مصر ہر سال قبطی مہینہ "تُونہ" کی گیارہ تاریخ کو ایک نوجوان دوشیزہ کی دریائے نیل کو قربانی پیش کرتے تھے۔ وہ اسے اچھی طرح آراستہ کرتے پھر اسے دریائے نیل میں بہا دیتے تھے۔ وہ اس دریا کو بھی اپنا معبود سمجھتے تھے۔ اہل مصر میں یہ قبیح رسم برقرار رہی حتیٰ کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق اسے ختم کردیا۔ بعض تاریخ دان لکھتے ہیں کہ ایسے واقعہ کی مصر میں کوئی اصل نہیں۔ حق یہی ہے اور عقل کا رجحان اسی طرف ہے۔

اس ساری تفصیل سے تم سابقہ اقوام کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہو چکے ہوں گے تم یہ بھی دیکھو گے کہ مسلمانوں نے انسان کی قربانی کو حرام کرنے میں ساری اقوام اور ملتوں سے سبقت حاصل کی۔ وہ حج کے زمانہ میں اپنے اونٹ، گائے اور بکریاں ہانک کر منی میں لے جاتے ہیں۔ ایسے جانور کو ''ہدی'' کہا جاتا ہے اس کا گوشت فقرائ، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

رمل کی حکمت

رمل دوڑنے کی مانند چلنے کی ایک قسم ہے۔ رب تعالیٰ نے اسے بہت بڑی حکمت کے لیے مشروع فرمایا وہ یہ کہ جب مسلمان رمل کریں گے۔ وہ اس اجتماعی حالت میں ایک متلاطم بحرِ بےکراں کی مانند ہوں گے۔ وہ اس کثیر لشکر کی مانند ہوں گے جو سارے راستوں میں پانی کی موجوں کی مانند جارہا ہوگا۔ اس حالت میں مسلمانوں کی عظمت، شوکت اور ان کے دین کے جلال کا اظہار ہے۔ اس وقت مشرکین اور کفار بھی مرعوب ہو جاتے ہیں۔ جب یہ خبر دیگر اقوام اور امم تک پہنچتی ہے تو ایمان کا نور اور دین حنیف کا جلال کفار کے دلوں تک پہنچ جاتا ہے وہ رغبت، محبت، جلال کے ساتھ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

حضور نبی دو جہاں ﷺ سے روایت ہے کہ جب ہجرت کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو قریش کے کفار دار الندوہ کے پاس جمع ہوئے۔ وہ مسلمانوں کو بنظر حقارت دیکھ رہے تھے وہ انہیں کمزور سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ''مسلمانوں کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے'' جب حضور ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور آپ نے اپنی چادر مبارک لپیٹی اور فرمایا: ''رب تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو آج اپنے نفس کی قوت کا اظہار کرے۔'' اس حدیث پاک میں ایمان کامل کا تذکرہ ہے۔ اس میں کئی اعتبار سے سیاست و دانائی کا حسن جمع ہے۔

طواف قدوم کی حکمت

بیت اللہ کا جلال، تعظیم اور تکریم بلند مقام رکھتی ہے۔ میں اس کا تذکرہ کسی اور جگہ کروں گا۔ یہ زمین کے ٹکڑوں میں سے افضل ٹکڑا ہے۔ یہ سب سے پہلا مقدس گھر ہے جسے خالق کائنات کی تسبیح و تمجید کے لیے بنایا گیا۔ یہ کامل آداب اور فضائل میں سے ہے کہ حاجی ایسے

سلام پیش کریں جس سے اس کا جلال اور تعظیم آشکارہ ہو رہی ہو۔ یہ سلام نماز سے قبل اس کے اردگرد طواف کرنا ہے۔ اسے نماز سے پہلے اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ نماز کے بعد سلام کی ادائیگی اس جگہ کے سوءادب کا شعور دلاتی ہے۔ اور اس لیے کہ یہ سلام احسن طریقہ سے ادا ہو حاجی مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں نماز ادا کرتا ہے۔ یہی افضل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (البقرة:۱۲۵)

ترجمہ: اور (انہیں حکم دیا کہ) بنالو ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز۔

ذرا دیکھو رب تعالیٰ اپنے بندوں کو کیسے آداب سکھاتا ہے۔

مزدلفہ میں رات بسر کرنے کی حکمات

اس میں بہت بڑی حکمت کارفرما ہے کیونکہ حاجی سارا دن منیٰ کے ارادہ سے گزار دیتا ہے تاکہ وہ کچھ آرام کرے۔ اس سے مشقت اور سفر کی تھکاوٹ ختم ہو جائے۔ اس پر رحم کھاتے ہوئے اور اس پر شفقت کرتے ہوئے شارع حکیم نے اسے مزدلفہ میں رات بسر کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا دین حق آسان ہے۔ اس میں تنگی نہیں اللہ تعالیٰ نفس کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی اس میں طاقت ہوتی ہے۔

حاجی کے لیے مستحب ہے کہ وہ پیدل چلتا ہوا مزدلفہ میں داخل ہو کیونکہ اس سے اس کی تعظیم عیاں ہوتی ہے۔ وہ مزدلفہ جاتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهم ان هذا جمع، اسئلك ان ترزقني فيه جوامع الخير كله فانه لا يعطيها غيرك اللهم رب المشعر الحرام و رب زمزم و المقام و رب البيت الحرام و رب البلد الحرام و رب الركن و المقام و رب الحل و الحرام و المعجزات العظام اسئلك ان تبلغ روح محمد افضل السلام و ان تصلح لي ديني و ذريتي و تغفر ذنبي و تشرح صدري و تطهر قلبي و ترزقني الخير الذي سألتك ان تجمعه لي في قلبي و ان تقيني جوامع الشر انك ولي ذلك و القادر عليه۔

اس جگہ کو مزدلفہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ اس جگہ جمع ہوتے ہیں۔ الازولاف کا معنیٰ

الاجتماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿ۚ﴾ (الشعراء: ۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے قریب کر دیا وہاں دوسرے فریق کو۔

دوسرے قول کے مطابق مزدلفہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس جگہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام جمع ہوئے تھے ایک قول کے مطابق اس جگہ کو مزدلفۃ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ اس میں منیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ الازدلاف کا معنیٰ ''الاقتراب'' ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی۔ (ص: ۴۰)

ترجمہ: بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے۔

مشعر حرام میں وقوف کی حکمت

اس میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس جگہ جمع ہوتے تھے۔ وہ اپنے حسب ونسب اور آباء واجداد پر فخر کرنے کے لیے بڑے بڑے مناظرے اور مباحثے کرتے تھے۔ جب اسلام آیا۔ اس کا نور پھیلا تو شارع حکیم نے ان کے وقوف کو اس کیفیت میں بدل دیا۔ وہ رب تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اور اپنے خالق کی عظمت کے گن گاتے ہوئے وقوف کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اہل شرک پر اپنے شرف اور فضیلت کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ ان کے لیے واضح کرتے ہیں کہ اسلام کے شرف کے علاوہ کوئی شرف نہیں۔ اسلام کی بزرگی کے علاوہ کوئی بزرگی نہیں۔ اس میں یہ ایک عظیم حکمت کارفرما ہے۔

طوافِ وداع کی حکمت

حاجی جب فریضۂ حج ادا کر لیتا ہے وہ مناسکِ حج ادا کر لیتا ہے اور اپنے وطن لوٹنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ بیت اللہ الحرام کو اسی طرح الوداع کہتا ہے جس طرح وفود اس شخص کو الوداع کہتے ہیں جس کے پاس وہ گئے ہوں اس میں بیت اللہ کی تعظیم وتکریم مخفی ہے۔ ان کی بیت اللہ سے محبت کا اظہار ہے۔ وہ اپنی اس حالت میں اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان کا یہ محسوس طواف، طواف معنوی کا عنوان ہے۔ یعنی وہ جسم جو عالم الشہادۃ میں ہے وہ دل کے طواف کے لیے مثال

ہے۔ وہ بیت اللہ جو عالمِ وجود میں ہے وہ ذوالملکوت کی طرف اشارہ ہے۔ دل بیت اللہ الحرام کا طواف یہ اعلان کرتے ہوئے کرتے ہیں کہ ان کا اس مقدس گھر کے ساتھ گہرا تعلق اور عمیق رابطہ ہے۔ اس کی انتہاء یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے حریم ناز کے ساتھ بھی ان کا گہرا تعلق ہو۔

ایک حاجی نے اسی طرح اپنے حج کا آغاز کیا تھا تا کہ اس کا عمل مقبول ہو جائے۔ اسے وافر اجر و ثواب نصیب ہو جائے۔ اس طرح اس کے مناسک حج انتہائی کمال کے ساتھ اختتام پذیر ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اس طواف کو طواف وداع کہا جاتا ہے۔ اس طرح اس کو طواف صدور بھی کہا جاتا ہے۔ "البدائع" میں ہے: طواف صدر اس شخص پر واجب نہیں جو اہل مکہ میں سے ہو۔ یا اس کا گھر مواقیت کے اندر ہو۔ کیونکہ اس طواف کا مقصد بیت اللہ الحرام کو الوداع کہنا ہوتا ہے اس لیے اسے طواف وداع بھی کہتے ہیں۔ اسے طواف صدر بھی کہتے ہیں کیونکہ حاجی یہ طواف اس وقت کرتے ہیں جب وہ وطن لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ اہل مکہ پر واجب نہیں کیونکہ ان کا وطن تو وہی ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کا رہائشی بھی یہ طواف کرے کیونکہ اسے افعال حج کے اختتام کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔ یہ مفہوم اہل مکہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

حضور نبی مکرم ﷺ کی زیارت کی حکمت

حج کے بعد گنبد خضریٰ زیارت کے لیے جانے میں بہت بڑی حکمت کارفرما ہے۔ تم اس حالت میں اس کے سامنے کھڑے ہوں کہ تم پر انتہائی عاجزی و انکساری طاری ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی نعمت عظمیٰ کے حصول کا سب سے بڑا واسطہ ہیں۔ آپ کے طفیل ہی انسان کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت کی ابدی نعمتیں نصیب ہوئیں۔ اس عظیم واسطہ اور وسیلہ کے احترام اور تعظیم کے لیے شارع حکیم نے آپ کے گنبد خضریٰ اور روضہ مبارکہ کی زیارت کو سنت قرار دیا ہے۔ یہ مبارک جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ یہ ہی نہیں کہا جائے گا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی زیارت کا کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ بعض گمراہ لوگ کہتے ہیں۔ اس زیارت پاک کا آپ کی زندگی مبارک اور وصال کے بعد یکساں فائدہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات طیبہ میں میری زیارت کی۔" آپ نے فرمایا: "جو میری زیارت کے لیے آیا۔ میری زیارت کے علاوہ اس

کا اور کوئی مدعا نہ تھا تو رب تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ میں اس کا شفیع بن جاؤں۔" زیارت مبارکہ کی فضیلت میں بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں۔ آپ کی تعظیم و اکرام کا تقاضا یہ ہے کہ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد حاجی آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں بھی آپ کو الوداع کہنے کے لیے حاضر ہو جائے۔ وہ رب تعالیٰ سے امید واثق رکھے کہ وہ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ وہ اسے دوبارہ حج کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ وہ بار بار اسے حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت نصیب فرمائے گا۔ وہ اس کے سفر میں اور وطن واپس لوٹنے تک اس کی حفاظت فرمائے گا۔ اللہ رب العزت ہمیں اور آپ کو حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور ہمیں ان بلند اقبال لوگوں میں سے کرے جن کے لیے سید المرسلین ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔

حجۃ الوداع کے مبارک دن حضور نبیٔ رحمت کا خطبہ

اس فائدہ کو مکمل کرتے ہوئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ ہم اس جگہ حضور ﷺ کا وہ مبارک خطبہ ذکر کریں جو آپ نے حجۃ الوداع کے روز ارشاد فرمایا تھا کیونکہ یہ ایک جامع خطبہ ہے اور اس قابل ہے کہ انسان اسے ذہن نشین کر لے۔ یہ خطبہ حضور ﷺ کے معجزہ پر بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ اس میں آپ نے اپنے وصال کی خبر دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ آئندہ سال مسلمانوں کے ہمراہ اس جگہ جمع نہیں ہوں گے۔ اب میں وہ سارا خطبہ یہاں نقل کرتا ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

ان الحمد للہ نحمدہٗ و نستغفرہٗ و نتوب الیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیآت اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہ و من یضلل اللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ اوصیکم عباد اللہ بتقوی و احثکم علی طاعۃ اللہ واستفتح بالذی ھو خیر اما بعد۔

اے لوگو! میرے فرمان عالی شان غور سے سنو! میں تمہیں وضاحت سے بیان کرتا ہوں میں نہیں جانتا کہ شاید میں اس سال کے بعد تمہارے ساتھ اس جگہ ملاقات کر سکوں۔ اے لوگو! تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر اس طرح حرام ہیں حتیٰ کہ تم اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کر

جس طرح کہ تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں حرمت والا ہے۔ میں نے تمہیں یقیناً رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اے مولا! گواہ رہنا! جس کے پاس کسی کی امانت ہو تو وہ اسے یہ امانت واپس کرے جس نے وہ اس کے سپرد کی ہو۔ جاہلیت کا سارا سود منسوخ ہے۔ وہ سب سے پہلا سود جس کے ختم کرنے کی میں ابتداء کرتا ہوں وہ میرے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود ہے جاہلیت کا خون بہا ختم ہے۔ میں سب سے پہلے عامر بن ربیعہ کا قصاص ختم کرتا ہوں۔ سدانہ اور سقایۃ کے علاوہ جاہلیت کی ساری موروثی خوبیاں ختم ہیں۔ قتل عمد میں قصاص ہے۔ شبہ عمد قتل جو ڈنڈے یا پتھر سے قتل ہو جائے اس میں ایک سو اونٹ بطور دیت ہیں جس نے اضافہ کیا تو اہل جاہلیت میں سے ہے۔ اے لوگو! اب شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پوجا کی جائے لیکن وہ راضی ہو گیا ہے کہ اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے امور میں اس کی پیروی کی جائے۔ وہ اعمال جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو۔ اے لوگو! نسئت (مہینے آگے پیچھے کرنا) کفر میں زیادتی ہے۔ اس کے ساتھ ان لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے جنہوں نے کفر کیا۔ وہ ایک سال ایک مہینے کو حلال قرار دیتے ہیں دوسرے سال اسے حرام کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان مہینوں کی تعداد پوری کریں جنہیں رب تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ زمانہ گھوم کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس روز رب تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ کتابِ الٰہی میں رب تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ یہ اس دن سے ہے جب سے رب تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان میں سے تین لگاتار ہیں جبکہ چوتھا علیحدہ ہے وہ چار مہینے ذوالقعدہ ذوالحجہ، محرم اور وہ رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے مابین ہے کیا میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا ہے پروردگار! گواہ رہنا اے لوگو! تمہاری عورتوں کے تم پر اور تمہارے تمہاری عورتوں پر حقوق ہیں۔ تمہارے ان پر حقوق یہ ہیں کہ وہ تمہارے علاوہ کسی اور کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں۔ وہ کسی ایسے شخص کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں جسے تم ناپسند کرو مگر تمہارے حکم سے وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں۔ اگر وہ یہ ارتکاب کر بیٹھیں تو رب تعالیٰ نے تمہیں اذن دیا ہے کہ تم انہیں اپنے بستروں سے علیحدہ کر دو۔ انہیں اس طرح مارو کہ زخم کا اثر جسم پر ظاہر نہ ہو۔ اگر وہ رک جائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تمہارے ذمہ ہے کہ تم بھلائی کے ساتھ ان کو رزق اور لباس مہیا کرو۔ بلاشبہ عورتیں تمہارے ہاں قید ہیں۔ وہ کسی چیز کی مالک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر تم

نے انہیں لیا ہے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ تم نے ان کی شرم گاہوں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے۔ عورتوں کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرو۔ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔ اے لوگو! بلاشبہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی مومن کے لیے روا نہیں کہ وہ اپنے مومن بھائی کا مال لے مگر جبکہ وہ خوشدلی کے ساتھ خود ہی دے دے۔ کیا میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا ہے مولا! گواہ رہنا۔

میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا۔ اس طرح کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان سے چمٹے رہے تو پھر تم کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ وہ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں۔ کیا میں نے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اے اللہ! گواہ رہنا۔ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے تم سارے حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ تم میں سب سے معزز اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔ کیا میں نے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''ہاں!'' آپ نے فرمایا: ''تم میں سے موجود غائب تک یہ پیغام پہنچا دے اے لوگو! رب تعالیٰ نے میراث میں سے ہر ہر وارث کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ وارث کے لیے ثلث سے زائد کی وصیت جائز نہیں۔ بچہ خاوند کا ہوگا اور بدکار کے لیے پتھر ہیں۔ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی۔ یا اپنے موالی کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی تو اس پر رب تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نہ اضافہ کے ساتھ اور نہ برابری کے ساتھ کوئی چیز قبول کرے گا۔

دین متین میں تنگی کو ختم کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے دین حق کو امت کے انتہائی موزوں اور مناسب مقرر فرمایا ہے۔ یہ تا قیام قیامت ہر زمان اور ہر مکان کی ہر نسل کے لیے مناسب ہے بلاشبہ جو دین متین اس صفت سے متصف ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا آسان ہو اس کے اصول اور فروع سیکھنا آسان ہوں۔ شریعت بیضاء نے اپنے قول و فعل کے ساتھ ہمارے لیے یہ بات ثابت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج:۷۸)

ترجمہ: اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ:۲۸۶)

ترجمہ: اور ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی طاقت ہو اس کی۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا تمہارے لیے دشواری۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (البقرۃ:۲۸۶)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کی اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

”دین آسان ہے۔ اس میں تنگی نہیں۔“

آپ نے فرمایا:

”آسانیاں پیدا کرو مشکلات پیدا نہ کرو۔ بشارت دو اور نفرت پیدا نہ کرو۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے لوگو! تم میں نفرت پیدا کرنے والے بھی موجود ہیں۔ تم میں سے جو لوگوں کو امامت کرائے اسے چاہیے کہ وہ مختصر کرائے بلاشبہ تمہارے پیچھے بوڑھے، بچے اور ضرورتمند لوگ بھی ہوتے ہیں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ رب العزت کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جو نرم اور سہولت آمیز ہو۔“

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ان دلوں کو راحت دیا کرو۔ یہ دل اسی طرح تھک جاتے ہیں جس طرح جسم تھک جاتے ہیں۔ نفس خواہش کو ترجیح دینے ولا، راحت کا طالب اور برائی کا حکم دینے والا ہوتا ہے۔“

اگر تم انہیں کسی کام پر مجبور کرو گے تو اسے بخیل بنا دو گے۔ اور اگر تم اسے مہلت دو گے تو تم اسے ہلاک کر دو گے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی آیات، احادیث اور حکمت آموز باتیں ہیں جو اس بارے میں کہی گئیں ہیں۔ اسی طرح شریعت بیضاء نے سفر و حضر میں خفین پر مسح کرنے کی رخصت دی ہے۔ سفر میں نماز قصر کرنے اور سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی ہے۔ بعض حالات میں قبلہ رو نہ ہونے کی بھی اجازت دی ہے۔ پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنے کی رخصت دی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تنگی کو ختم کرنے اس کی سب سے بڑی حکمت ہے تا کہ دل دینی امور میں سے کسی امر سے متنفر نہ ہوں بلکہ اس کو سرانجام دینا لوگوں کے لیے آسان ہو۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ انہیں ایسی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جو انہیں یہ دینِ حق اختیار کرنے سے روک دیں۔ دینِ حق میں اتنی سہولت ہے اس لیے یہ ہر زمان اور ہر مکان میں دین اور دنیا کے سارے امور کا کفیل ہے۔ اسے رب تعالیٰ نے آخری دین بنایا ہے۔

قرآن پاک کی محفل میں سگریٹ نوشی کی ممانعت

ہندوستان کے بعض امراء نے استاذ، امام، شیخ محمد بخیت سابقہ مفتی دیار مصریہ سے قرآن پاک کی محفل میں سگریٹ نوشی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا: ”قرآن مجید کی محفل میں سگریٹ پینا حرام ہے خصوصاً جبکہ قاری خود سگریٹ پیے یا اس کے آس پاس کوئی سگریٹ نوشی کرے۔ اس طرح قرآن پاک کی محفل میں آواز بلند کرنا۔ اسی طرح اس وقت اضطراب پیدا کرنا یا قرآن پاک سے اعراض کرنا حرام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (الاعراف: ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

علامہ شبراوی شافعی نے شرح ورد السحر میں لکھا ہے: ”ہمارے شیخ محمد السباعی نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کی محفل میں سگریٹ نوشی حرام ہے۔ یہی ہمارا موقف ہے اور اس شخص کے قول کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی جو اس کے مکروہ ہونے کا قول کرتا ہے جو میرے ساتھ ہے وہ میرے

ساتھ ہے جو میرے ساتھ نہیں۔ اس کا اپنا دین ہے۔ میرا اپنا دین ہے۔ مجلس قرآن میں حدیث نبوی کے ساتھ آواز بلند کرنا بھی ممنوع ہے۔ ہم اس طرح کرنے سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (الحجرات:۲)

ترجمہ: نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم) کی آواز سے۔

مفسرین کرام نے لکھا ہے: "اس آیت میں یہ ممانعت یہ ہے کہ انسان حضور ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرے۔ قرآن پاک اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے آواز بلند نہ کی جائے۔"

قرآن پاک کی محفل میں سگریٹ پینے کی حرمت اس سے بھی عیاں ہے کہ اس کی بوگندی ہوتی ہے۔ یہ کسی منصف مزاج شخص سے مخفی نہیں۔ سگریٹ نوشی کا عادی شخص اس بُو کا ادراک نہیں کر سکتا۔ جیسے بیت الخلاء صاف کرنے والے گندگی کی بو کا ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ان کا معمول بن جاتا ہے عقلاء اور اہل دانش اس امر کو بھی آداب میں سے شمار کرتے ہیں کہ دنیاوی بادشاہوں کے سامنے سگریٹ نوشی نہ کی جائے تو کیا وہ اسے ملک الملوک کی بارگاہ میں اس سے مناجات کرتے وقت خلاف ادب نہیں سمجھے۔ قاریٔ قرآن اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جو بادشاہوں کے درباروں سے باہر منع نہیں کہ وہ ان کے درباروں میں منع ہوتی ہیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سگریٹ نوشی مجلس قرآن کے علاوہ مکروہ ہے تو مالک الملک کے حضور تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگی۔ بلکہ یہ حرام ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ بہت سی اشیاء نماز سے باہر مباح ہے۔ مگر نماز کے دوران وہ حرام ہیں۔ اگرچہ وہ اسے باطل نہ کریں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس سے رب تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے کے آداب میں خلل آتا ہے۔ ہم رب تعالیٰ سے التماس کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ ہمیں آداب شرعیہ سیکھنے کی توفیق دے۔ وہ قریب ہے التجائیں سننے والا ہے۔

لا یعدل المرء عن شئ یقررہ الا لامر صحیح ثابت جلی
اما الظنون و ما النماء یخلقه فلیس یفعله فی الناس غیر غبی

ترجمہ: انسان اس امر سے نہیں پھرتا جسے وہ محکم کر لیتا ہے مگر وہ کسی صحیح، محکم اور واضح

امر کے لیے لوٹ آتا ہے۔ البتہ جہاں تک گمانوں کا تعلق ہے یا اسے کثرت پیدا کرے تو اسے صرف وہ کرتا ہے جو غبی اور کند ذہن ہوتا ہے۔

امیر الشعراء "شوقی بک" کا الازہر الشریف کی تعریف میں قصیدہ

نہ صرف سارے اسلامی ممالک بلکہ سارے یورپ میں الازہر الشریف کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے ہمارے ساتھ زمانہ ماضی میں چلو۔ تم دیکھو گے کہ علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، اصول، دین، فقہ اور توحید کے اسباق اس انداز سے طلباء کو پڑھائے جاتے ہیں جس سے ان میں صحیح فہم کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس زمانہ میں جس طالب عالم کو جہاں کہیں بھی پائے گا تو وہ علم اس ملکہ کے ساتھ غور و فکر کرے گا کہ تو اسے پائے گا کہ وہ علمی حقائق کی جانچ پڑتال کرے گا۔ اسی لیے امیر الشعراء شوقی بک نے الازہر الشریف کی تعریف میں لکھا ہے:

۱- دنیا کے منہ سے اٹھو اور ازہر الشریف کا رخ کرو اور زمانہ کی سماعتوں میں جواہرات بکھیر دو۔

۲- اگر تم اس کی تعریف میں موتی پرونا چاہتے ہو تو موتی کی جگہ روشن آسمان کا نگینہ پرو دو۔

۳- رب تعالیٰ کی مساجد میں سے تین بڑی مساجد کے بعد اس کا ذکر خیر کرو۔

۴- کچھ دیر کے لیے اس کے سامنے جھک جاؤ۔ ان آئمہ کا حق ادا کرو۔ انہوں نے اس کے ساتھ نئے پھول کھلائے اور ان کے منہ سے علم کے سمندر نکلے۔

۵- وہ اپنی شان جلالت میں بادشاہوں سے بھی جلیل تھے۔ وہ سلطان سے زیادہ معزز اور شانِ رفیع کے مالک تھے۔

۶- خوفوں کے زمانہ میں ان کی جناب امن وامان کا حرم تھی اور ان کا سایہ پناہ گاہ تھا۔

۷- ان میں سے ہر ایک شریعت مطہرہ کا بحر بے کراں ہے۔ عظیم لوگ تمہیں ان کے بارے کہیں گے کہ یہ شیر ہیں۔

۸- پاگل گروہ کے نمونہ پر نہ چلو جو ہر پرانی چیز کو برائی سمجھتے ہیں۔

۹- اگر مجالس میں انہیں استطاعت ہوتی تو وہ اپنے مرنے والے آباء کو اجنبی سمجھنے لگتے۔

۱۰- جب کسی محل کی تعمیر کے لیے آگے بڑھتے ہیں تو وہ ہر گزشتہ نعمت گرا دیتے ہیں اور اسے ملیا

میٹ کر دیتے ہیں۔

۱۱- یہ تہذیب صنعت کے لیے بوسیدگی لے کر آئی۔ علم اس کے بیان سے قلیل ہے اور تفصیل خلط ملط ہو جاتی ہے۔

۱۲- اے ادارہ! جس کی دیوار کے زمانہ کو فناء کر دیا۔ اس کے رُکن نے راتوں اور زمانوں کو لپیٹ دیا ہے۔

۱۳- اس کا نور مشارق کی خشکی تک پہنچ چکا ہے اور اس نے ہر سرخ و سفید کو روشن کر دیا ہے۔

۱۴- زمانہ اس کے پاس سنت کی حفاظت کرتا ہوا۔ مناسک حج اور مشعر حرام کا تحفظ کرتا ہوا آیا۔

۱۵- فاطمیین میں اس کے منبع نے نشوونما پائی۔ جن کی بنیاد بڑی خوشگوار ہے اور جو اپنے جدامجد کی طرح قابلِ فخر ہیں۔

۱۶- وہ ایسا سرچشمہ میں جس کا منبع فرقان سے رواں ہوا وہ فصیح لغت عربی کی بارش سے جاری اور رواں ہوا۔

۱۷- اگر تیرا افق میرا مطلع نہیں ہے تو میرا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس کے ستاروں پر میں نے رات کو چلنا سیکھا۔

۱۸- نہیں! جس نے بیان کو تمہارے سپرد کیا ہے۔ میں بیان کی غایت کو بیان کرنے میں کوتاہ نہیں ہوا۔

۱۹- جب اصلاح شروع ہوئی تو میں شریعت مطہرہ کے نام کی بشارت اور مژدہ سناتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

۲۰- یہ خبر رواں ہوئی۔ اس نے منارہ کو نور کا لباس پہنا دیا۔ مصلی نے فخر کیا اور منبر نے ہلکا سمجھا۔

۲۱- اس نے ہدایت کے گروہ کو بلند کیا اور ثریا پر خیمہ زن کر دیا۔ حالانکہ اس کی اصل تحت الثریٰ تھی۔

۲۲- وہ حلقوں کی طرف گیا۔ اس نے اس کے لیے آسمان کے ہالوں کی طرح منور حلقے کو وسیع کر دیا۔

۲۳- حتیٰ کہ حضرات امام شافعی، امام مالک امام ابوحنیفہ اور امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے گمان کیا کہ وہ حاضر ہیں۔

۲۴- جس ذات نے بیت اللہ کو لوٹنے کی جگہ بنایا۔ اسی نے ہی الازہر الشریف کو مبارک اور

خیر کثیر والا بنایا ہے۔

۲۵- اس میں علم کے چشمے اور سوتے رواں ہیں جس کی طرف غریب ضیافت کا مطالبہ کرتے ہوئے آتے ہیں۔

۲۶- اے اس مادر علمی کے سپوتو! تمہاری گفتگو ہوا کے دوش پر کرم اور عنبر بن کر روانہ ہوئی۔

۲۷- اے وہ مقدس گہوارۂ علمی! جس کی محفل شہروں کے دائرہ کے لیے قطب اور محور بن گئی۔

۲۸- اس کا مسئلہ اس کے محراب پر پیدا ہوا۔ لڑکپن سے اس سے پیدا کیا گیا اور وہ دانا جوان بن کر عالم شباب کو پہنچا۔

۲۹- وہ صفوں کو ہانکتا ہوا آگے بڑھ گیا گویا کہ وہ جاندرک ہے۔ جس کے ہاتھ میں فتح یابی کا جھنڈا ہے۔

۳۰- بستیوں کے دامنوں اور پہاڑوں پر لرزہ طاری کر دو۔ بخدا! تم ہی بستیوں کے اعصاب ہو۔

۳۱- غافل ان پڑھ تمہارے بارے اس طوطے کی طرح گفتگو کرتا ہے جو بار بار تکرار کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔

۳۲- وہ صبح وشام دین کے احکام میں کرتا ہے اور اس کے دنیا کے امور تم سے ہی اجالا پاتے ہیں۔

۳۳- اگر تم اسے کہو کہ نیابت کے لیے کسی جاہل یا خطابت کے لیے باقل کو منتخب کرو تو وہ اسے چن لے گا۔

۳۴- تمہارے آباء نے اسی پر پڑھا ہے اور مرد کی جعلی اور باطل تاریخ کو پڑھا ہے۔

۳۵- حتیٰ کہ اسے اہل روم کی نظروں سے پھیر دیا۔ اعرابی نے جلوس میں قیصر کو دیکھ لیا۔

حصہ دوئم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''ہم رب تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں اور اس کے نبی کریم ﷺ کے طفیل صراطِ مستقیم پر گام زن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ سب سے سچا ہے۔''

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ (الفلق: ۱-۵)

ترجمہ: آپ عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی۔ ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا اور (خصوصاً) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

دین میں غلو ترک کرنے کی حکمت

خوب جان لو کہ دین میں غلو کرنا اس کا معاملہ ان نتائج تک لے جاتا ہے جن میں کسی بھی مسلمان کے لیے نہ دینی مصلحت کارفرما ہوتی ہے نہ ہی دنیوی مصلحت۔ بلکہ معاملہ برعکس ہو جاتا ہے ان میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ دین میں غلو عجز کی طرف لے جاتا ہے۔ واجب کی ادائیگی سے عجز کوتاہی یا معصیت شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں زیادتی دین میں نقصان کا سبب بنتی ہے۔ اگر اس زیادتی پر مداومت رہے تو وہ انقطاعِ ثواب کا سبب بنتی ہے۔ جب انسان دین میں وہ چیز شامل کرتا ہے جو دین میں سے نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! اعمال میں سے اتنے اعمال بجالایا کرو جتنی تم میں طاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ اجر عطا کرنے سے نہیں اکتاتا لیکن تم عمل کرنے سے اکتا جاؤ گے سب

اعمال میں سے افضل عمل وہ ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے۔"

آپ نے اس شخص سے فرمایا جس نے عبادت میں بہت زیادہ کوشش کی تھی حتیٰ کہ اس کی آنکھیں دھنس گئیں تھیں۔

"یہ دین مضبوط و محکم ہے۔ اس میں نرمی کے ساتھ رسوخ حاصل کرو۔ اس کی پیدائش کی جگہ وہ زمین نہیں جسے طے کیا جائے یا وہ کمر نہیں جو ہمیشہ باقی رہے۔"

یہ امر مخفی نہیں کہ انسان جس طرح رب تعالیٰ کی عبادت کا مکلف ہے۔ وہ جس طرح ان امور کا مکلف ہے جن کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔ اسی طرح وہ دنیا آباد کرنے اور دنیا کا بوجھ اٹھانے کا بھی مکلف ہے۔ اگر انسان ساری توجہ آخرت کے اعمال کی طرف کرے تو دنیا کا نظام خراب ہو جائے گا۔ وہ نعمتیں خراب ہو جائیں گی جو ان گنت اور بے شمار ہیں۔ یہ بات قرینِ صواب نہیں کہ شکر اس ذات کے لیے اذیت کا سبب بنے جو شکر ادا کر رہا ہو۔ از روئے عقل یہ بات بھی زیبا نہیں کہ رب تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف بنا دے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ۝

(القصص:۷۷)

ترجمہ: "اور طلب کر اس (مال و زر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ و فساد کی ملک میں، یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔"

غلو کسی طرح بھی قابل ستائش نہیں۔ دین کے علاوہ دیگر امور میں بھی اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ سارے امور میں سہولت اور آسائش پر عمل پیرا ہونا ہی محمود ہے۔ خواہ ان امور کا تعلق دین کے ساتھ ہو یا دنیا کے ساتھ۔ ہر زمان و مکاں کے دانشمندوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں ایک کارواں سفر پر روانہ ہوا۔ جب وہ سفر سے واپس آئے تو انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے بعد فلاں سے کوئی افضل شخص نہیں دیکھا۔ وہ دن کو روزہ رکھتا تھا۔ جب ہم کسی جگہ فروکش ہوتے تو وہ ساری رات عبادت کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ ہم وہاں

سے کوچ کر جاتے، حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''اس کی کفالت کون کرتا تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''ہم سب'' آپ نے فرمایا: ''تم سب اس سے افضل ہو۔''

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑوں میں ایک شخص سے ملے۔ اس سے پوچھا: ''تو کیا کرتا ہے؟'' اس نے عرض کی: ''میں عبادت کرتا ہوں۔'' انہوں نے فرمایا: ''تیرے معاملات کون سرانجام دیتا ہے؟ اس شخص نے بتایا: ''میرا بھائی'' انہوں نے فرمایا: ''تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عبادت گزار ہے''۔ حضرت مطراف بن عبداللہ نے اپنے لختِ جگر سے کہا: وہ لختِ جگر بہت زیادہ عبادت گزار تھا: ''نورِ نظر! نیکی دو برائیوں کے مابین ہے۔'' یعنی دین حق افراط و تفریط کے مابین ہے۔ امور میں سے بہترین ان کا اعتدال ہے۔''

نکاح کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا تاکہ وہ اس زمین کو آباد کرے جس کی ہر ہر چیز اس نے انسان کے لیے پیدا کی ارشاد ربانی ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (البقرۃ:۲۹)

ترجمہ: جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔

اگر تم اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے ہو تو پھر اس حقیقت سے بھی آشنا ہو جاؤ گے کہ زمین کو آباد کرنے کے لیے اور اس کی آبادی کو برقرار رکھنے کے لیے انسان کا وجود لازم ہے حتیٰ کہ دنیا کی مدت اختتام پذیر ہو جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی نسل بڑھے اور نوع انسانی کا تحفظ کیا جائے۔ تاکہ زمین اور اس پر موجود ساری اشیاء کی تخلیق بے کار نہ رہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کائنات کی آبادی کا انحصار انسان کے وجود پر ہے اور انسان کے وجود کا انحصار نکاح پر ہے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے۔ جس میں بہت سے فوائد ہیں۔ وہ اصل کے لیے فرع کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ کائنات کی آبادی بہت سی وجوہات کے اعتبار سے ہے۔ ان میں سے ایک اولاد کا کثیر ہونا ہے۔ جب اولاد کثیر ہو گی تو نوع انسان کے لیے کائنات آباد کرنا آسان ہو گا۔ کیونکہ وہ عمل جسے ایک جماعت سرانجام دے اسے ایک فرد کے لیے سرانجام دینا مشکل ہوتا ہے۔ اگر حقیقت اسی طرح ہے تو پھر نسل انسانی کی بقاء اور اس کی کثرت ضروری ہے حتیٰ کہ کائنات آباد ہو جائے۔

انسان کی زندگی کے حالات صرف اسی وقت درست ہو سکتے ہیں جب اس کے گھر کے

حالات کا انتظام درست ہو جائے۔ اس کی زندگی صرف اس وقت خوشگوار ہو سکتی ہے جب اس کے گھر کے اموز درست ہو جائیں۔ اس مقصد کے لیے ایسی عورت کا وجود بہت ضروری ہے جس کی یہ خوبی اور خصوصیت ہے کہ وہ گھر کے امور درست کرے۔ اس لیے نکاح کو مشروع کیا گیا تاکہ آدمی کے احوال درست ہو جائیں اور کائنات آباد ہو جائے۔ اس سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کائنات کو آباد کرنے میں شریک ہیں مختلف اعمال ہر ایک کے ساتھ مختص ہیں۔ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ شکر گزار دل، ذاکر زبان اور مؤمنہ صالحہ بیوی رکھے جو اس کے آخرت کے امور میں اس کی اعانت کرے۔''

انسان فطرتاً اس چیز کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے جس کے ساتھ اس کی محبت ہوتی ہے۔ بیوی کا وجود خاوند کے حزن و ملال کو دور کرتا ہے۔ اس کی وحشت ختم کرتا ہے اس کی مصیبت ختم کرتا ہے۔ گھر کے امور کی تدبیر کے ساتھ ساتھ اس کی معیشت کی حالت کو درست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ (الاعراف:۱۸۹)

ترجمہ: اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے۔

اس کا تعلق کائنات کو آباد کرنے کے لیے امور کے انتظام کے ساتھ ہے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے جس کا تعلق نفس کے آداب کے ساتھ ہے۔ اسے گندی عادات سے دور کرنے کے ساتھ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے: ''تم جانتے ہو کہ عزت و ناموس قابل صد احترام ہے۔ حرمت کا پردہ چاک کرنا عار ہے۔ انسان اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے اپنی عزت و ناموس کے بارے بڑا غیور ہے۔ نکاح انسان کو اس چیز کو شہوت کی نظر سے دیکھنے سے روکتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں۔ اس فضیلت کی مخالفت کی وجہ سے دو اعتبار سے نقصان ہوتا ہے۔ (۱) گناہ کا ارتکاب (۲) اس کے اور اس شخص کے مابین عداوت کا آغاز جس کی ردائے حرمت کو وہ چاک کرتا ہے۔ اس سے عالم کا نظام گڑبڑ ہو جاتا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے شادی کر لی اس نے اپنے دین کا ایک حصہ بچا لیا۔ دوسرے حصے کے بارے اسے رب تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔''

آپ نے فرمایا:

''اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسے

شادی کر لینا چاہیے بلاشبہ نکاح نظر کو بہت زیادہ جھکانے والا اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور امانت سے تم راضی ہو جاؤ تو اس کی شادی کر دو۔ اگر تم اس طرح نہ کرو گے تو زمین میں فتنے اور بہت بڑے فساد کا سبب بنے گا۔"

اس طرح نکاح نسبوں کی حفاظت کرنے والا ہے۔ انساب کی حفاظت میں بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں سے اہم ترین وراثت میں حقوق کی حفاظت ہے کیونکہ اگر ایک انسان کسی معینہ عورت کے ساتھ مختص نہ ہو تو اس کی اولاد کی پہچان نہ ہو سکے گی لوگوں میں اس کے اصول اور فروع کا پتہ نہ چل سکے گا۔ اس بات میں نہ دین کی رضا مندی ہے اور نہ ہی لوگوں کی۔

ہم کہتے ہیں کہ نکاح کو مشروع کرنے میں ایک اور بہت بڑی حکمت کارفرما ہے جو ساری حکمتوں کو شامل ہے وہ یہ کہ نسل انسانی کی بقاء اور عورت کو اس کے خاوند کے ساتھ مختص کر کے کائنات کو آباد کرنا اور اس کی اصلاح کرنا۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح کا مقصد یہ بھی ہے کہ انسان بدکاری سے بچ جائے، اسی لیے نکاح اعلانیہ کیا جاتا ہے۔ گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔ نکاح خفیہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ نسل اور نسب نکاح میں دو اور حکمتیں بھی کارفرما ہیں جن کا تذکرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ان میں سے پہلی یہ ہے خیر کی کثرت قلت سے بہتر ہے۔ پہلے تم جان چکے ہو کہ نکاح کثیر اولاد کو بھی متضمن ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

"نکاح کرو، نسل بڑھاؤ، زیادہ اولاد پیدا کرو۔ میں روز حشر دیگر امتوں پر تمہاری وجہ سے رشک کروں گا۔"

دوسری حکمت یہ ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے وہ سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں جو اس کے لیے لگاتار رحمت اور ثواب لے کر آتے ہیں جب انسان شادی کرتا ہے اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے وہ آدمی مر جاتا ہے اس کا بچہ اسے بھلائی کے ساتھ یاد کرتا ہے تو اس کا عمل منقطع نہیں ہوتا۔ اس سے ثواب رک نہیں جاتا۔ کیونکہ صالح اولاد کا وجود انسان کے ان دائمی اعمال میں سے ہے جو اس کی وفات کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: "جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر اسے تین اعمال کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

۱- صدقہ جاریہ

۲- نفع بخش علم

۳- پاکباز بچہ جو اس کے لیے دعا مانگتا ہے۔

نکاح کی فضیلت میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے اسے عبادت کے لیے خلوت گزینی پر فضیلت دی ہے شاید ان کی دلیل یہ ہے کہ عبادت کے لیے گوشہ نشینی اور اس کے لیے انسان کی فراغت سے کائنات کی آبادی کا معاملہ پورا نہیں ہوسکتا۔ الا یہ کہ جب انسان مالدار ہو اور اس کے پاس وافر مال موجود ہو۔ سارے انسانوں کی کیفیت یہ نہیں ہوتی۔ بعض علماء نے عبادت کے لیے خلوت گزینی کو نکاح پر فضیلت دی ہے شاید اس کی کوئی مخصوص وجہ ہو۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں نکاح کا اسی طرح ضرورتمند ہوں جس طرح خوراک کا ضرورتمند ہوں، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے حضرت محمد بن کعب القرظی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔ (البقرۃ:۲۰۱)

''اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی۔''

اس سے مراد پاکباز بیوی ہے۔

اس ضمن میں وہ سب سے اہم جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ نکاح وہ محور ہے جس کے اردگرد زندگی کی ساری سعادتیں اور مسرتیں گھومتی ہیں۔ اس کا فائدہ انسان کے مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔

بیویوں کی تعداد میں حکمت

رب تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ آدمی نسل بڑھانے پر آمادہ رہتا ہے غالباً اسی سال کی عمر تک اس میں یہ خواہش برقرار رہتی ہے۔ رب تعالیٰ کی حکمت تقاضا کا ہے جب عورت اپنی عمر پچاس سال یا پچپن سال گزار لیتی ہے تو اسے حیض آنا پسند ہو جاتا ہے۔ اگر تم مرد اور عورت کے مابین اس فرق کو حکمت کی نظر سے دیکھو تو تم پاؤ گے کہ گھریلو کام کاج عورت کو مرد کی نسبت زیادہ کرنے پڑتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ تھک جاتی ہے اسے حمل، ولادت، نفاس اور بچوں کو تربیت کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ بچوں کی تربیت میں اتنی محنت اور مشقت ہوتی ہے جو کسی دانا سے مخفی نہیں۔ یہ بات بھی آپ سے مخفی نہیں کہ اصل مقصد نسل میں اضافہ کرنا ہے۔ اولاد کی کثرت مدعا

ہے، جیسے کہ حدیث پاک میں ہے:

''نکاح کرو، نسل زیادہ بڑھاؤ میں روز حشر تم پر فخر کروں گا۔''

اس ترغیب اور فخر میں یہ راز مخفی ہے کہ جب مسلمان نکاح کرتے ہیں۔ اُن کی نسل میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کی تعداد کثیر ہوتی ہے تو کثیر تعداد میں ان کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ عمدہ اعمال میں کثرت قلت سے بہتر ہوتی ہے مسلمانوں کا کثیر ہونا عمدہ اعمال میں سے ہے زیادہ شادیاں کرنا اسی کثرت کا سبب بنتی ہیں۔

اس میں ایک اور حکمت بھی ہے کہ اگر انسان صرف ایک عورت سے شادی کرے حالانکہ اس میں رب تعالیٰ نے مباشرت اور وظیفہ زوجیت کی زیادہ طاقت رکھی ہے تو اسے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ کئی دن تک عورت حائضہ رہتی ہے۔ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتی ہے۔ مرد ہر وقت عورت کے ساتھ مباشرت کے لیے تیار رہتا ہے اگر وہ حیض کے ایام میں عورت کے قریب جائے تو اس میں عورت کو تکلیف ہوتی ہے۔ زیادہ بیویاں اس کے لیے موقع پیدا کرتی ہیں کہ وہ کسی دوسری بیوی کے ساتھ مباشرت کرے۔ اسی طرح وہ مرد زنا کا ارتکاب کرنے سے دور رہتا ہے۔ زنا بہت بڑا گناہ ہے یہ کتنا بڑا گناہ ہے اسے رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (الاسراء:۳۲)

ترجمہ: اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

اس اعتبار سے ایک سے زائد بیویاں ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ نعمت انسان کو بدکاری کرنے سے روکتی ہے۔ اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ جن اقوام میں زیادہ بیویاں نہیں ہوتیں ان میں حرامی بچے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ فرانس میں حرامی بچوں کی تعداد ۳۰ فی صد ہے۔ میونخ میں یہ تعداد ۴۰ فیصد جبکہ النمسار (Osterriech) میں حرامی بچوں کی تعداد ۵۰ فیصد اور بروکسل (Bruxelles) میں یہ تعداد ۷۰ فیصد ہے۔ اگر یہ حالت مشاہدہ کرلو تو تمہیں یہ حکمتِ نکاح سمجھ آجائے گی جن کا ہم نے ابھی تذکرہ کیا ہے۔ زیادہ شادیوں کی ایک اور حکمت کائنات آباد کرنا بھی ہے کائنات کی آبادی میں وہ سارے مادی اور ادبی فوائد شامل ہیں جو نکاح اور زیادہ بیویاں رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ روایت ہے اسلام میں رہبانیت نہیں۔ کیونکہ رہبانیت عورتوں کے قریب

جانے سے سختی سے روکتی ہے۔ اگر ہمیشہ حالت اسی طرح رہے تو نسل انسانی قلیل ہو جائے گی اور یہ کسی وقت ختم بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اس کائنات کا نظام بگڑ جائے گا جس کی آبادی کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

تعدد ازواج میں ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ اگر انسان کی صرف ایک ہی بیوی ہو اور وہ بیمار ہو جائے تو اس کے گھر کے اندرونی معاملات بدنظمی کا شکار ہو جاتے ہیں گھر کے ان اندرونی معاملات کا انحصار عورت کی تدبیر اور انتظام پر ہوتا ہے۔ زیادہ شادیاں کرنا انسان کے لیے رحمت ہے۔ زیادہ شادیاں کرنے میں یہی حکمتیں ہیں۔ اب وہ مدعیانِ علم و دانش کیا کہیں گے جو اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ شارع کتنا حکیم ہے۔ اس دین حنیف کا ہر ہر امر کتنا مبنی پر عدل ہے۔

بیویوں کے مابین عدل کرنے میں حکمت

پہلے ہم نے زیادہ شادیاں کرنے کی حکمت بیان کی ہے بہت سے جلیل اور احمق اس دین حق پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دین عورت پر مشقت اور رحمت نہیں کرتا۔ وہ بطور دلیل کہتا ہے کہ مرد کا زیادہ شادیاں کرنا عورتوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ کیونکہ ان میں فطرتاً غیرت پائی جاتی ہے مرد کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ہر حالت میں ساری بیویوں کو خوش رکھ سکے۔ ہم اس معترض کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اور اس کے وہم کو دور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شارع حکیم نے ہمیں زیادہ شادیاں کرنے کا یونہی حکم نہیں دے دیا بلکہ اس نے مرد کے لیے ایک حد مقرر کی ہے اگر وہ حد عبور کرے گا تو وہ خطا کار اور گناہ گار ہوگا۔ اس حد کو رب تعالیٰ کے اس فرمان سے سمجھا جا سکتا ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (النساء:۳)

ترجمہ: اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری) عورتوں سے دو، دو تین، تین اور چار چار اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی۔

اگر تم اس آیت طیبہ میں غور کرو گے تو تم دیکھو گے جب مرد اپنی بیویوں میں عدل نہ کر سکے تو اس کے لیے دو، یا تین یا چار بیویاں رکھنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ نفی ایک سے زائد بیویوں کو محیط

ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کے لیے دو بیویاں رکھنا جائز ہے جب وہ عدل کر سکتا ہو۔ اس کے لیے تیسری اور چوتھی بیوی رکھنا حرام ہے اگر وہ عدل نہ کر سکتا ہو۔ اس جگہ عدل سے مراد ان تمام امور میں مساوات ہے جن کا تعلق مرد اور اس کی بیوی کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ اس امر کے منافی نہیں فطرت بشری کے مطابق اس کا دل میلان ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری کی طرف ہو کیونکہ محبت ایک اضطراری امر ہے۔ اختیاری نہیں کہ انسان اس میں اپنے اختیار سے تصرف کر سکے۔ اس سے یہ علم ہوتا ہے کہ اس جگہ عدل' طرز' لگاؤ اور قلبی رجحان کے علاوہ ہے۔ مثلاً اپنی حیثیت کے مطابق ان پر خرچ کرنا۔ مرد ایک عورت کے پاس ایک رات اور دوسری کے پاس دو راتیں بسر نہ کرے۔ لیکن قلبی رجحان اور دلی لگاؤ اکثر واقع ہوتا رہتا ہے۔ رات بسر کرنے کا مقصد ان بیویوں کے مابین مساوات قائم کرنا ہے۔ وظیفۂ زوجیت مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ۔ (النساء:۱۲۹)

ترجمہ: اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ تم پورا پورا انصاف کرو اپنی بیویوں کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہشمند ہو۔

یعنی تم دل کے لگاؤ اور محبت میں عدل کرنے کے کتنے ہی حریص ہوں۔ حضور ﷺ کا اکثر میلان ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ لیکن آپ ﷺ ہر معاملہ میں ازواج مطہرات کے مابین قرعہ اندازی کرتے تاکہ نقصان یا دھوکہ دہی سے اجتناب ہو سکے۔ آپ اپنی ازواج مطہرات کے مابین عدل کرتے تھے آپ عرض کرتے تھے "مولا! یہ کوشش ہے جس چیز میں میں مالک ہوں لیکن اس چیز میں میری طاقت نہیں جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں۔" یعنی آپ نے وہ عمل سرانجام دے دیا جس کی آپ میں طاقت اور قدرت تھی۔ لیکن وہ قلبی میلان جو مقلب القلوب کے دست قدرت میں ہے وہ انسان کی استطاعت میں نہیں۔ حضور ﷺ اپنے مرض وصال میں بھی اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے رہے۔ ہر زوجہ محترمہ کے پاس اتنی ہی مدت قیام فرما ہوتے جتنی دیر دوسری کے ہاں قیام کرتے۔ جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے ملاحظہ فرمایا کہ اس میں آپ کو مشقت اور تکلیف ہے تو انہوں نے آپ کو دل سے اجازت دے دی کہ آپ سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرمائیں۔ حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو انہوں نے عرض کی: "ہاں" آپ نے فرمایا: "مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں منتقل کردو" اس تفصیل سے یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ کسی امر میں بیویوں کی رضا ان کے

حق کو ساقط کر دیتی ہے۔

ہم اپنی گفتگو کو اس پر ختم کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان "وَاِنۡ خِفۡتُمۡ" میں اِن شک کے لیے ہے جب دو بیویوں یا اس سے زیادہ بیویوں کو جمع کرنا شک کی حالت میں حرام ہے تو اس وقت تمہاری کیفیت کیا ہو گی جب عدل نہ ہونا یقینا ہو۔ اس میں کوئی شک نہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "عورتوں کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرو۔ وہ تمہارے پاس عاریۃً (بطور امانت) ہیں۔ وہ اپنے نفسوں کے لیے کسی چیز کی مالک نہیں ہیں۔ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ حاصل کیا ہے۔ رب تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ تم نے ان کی شرم گاہوں کو اپنے آپ پر حلال کیا ہے تم کا ان پر حق یہ ہے کہ وہ کسی کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں اس شخص کو تمہارے گھر نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرو۔ اگر تمہیں ان کی حکم عدولی کا خدشہ ہو تو انہیں وعظ نصیحت کرو۔ انہیں بستروں سے علیحدہ کر دو۔ انہیں اس طرح مارو کہ انہیں سخت اذیت نہ ہو ان کے حقوق تم یہ ہیں کہ تم انہیں بھلائی کے ساتھ لباس اور رزق دو۔ پھر آپ نے تین بار فرمایا: "کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے۔"

یہ روایت ایک اور سند سے حجۃ الوداع کے خطبہ میں مذکور ہے ہم نے اسے اس کتاب کے پہلے حصے میں ذکر کر دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

> "جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے مابین عدل نہ کرے وہ روز حشر اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک حصہ ساقط ہو گا۔"

یہ روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے خاوند کا معاملہ پیش کیا۔ اس نے کہا: "وہ دن کو روزہ رکھتا ہے، ساری رات قیام کرتا ہے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تو اپنے خاوند کی کتنی عمدہ تعریف کی ہے؟ حضرت کعب الاحبار نے عرض کی: "امیر المومنین! یہ آپ کے پاس اپنے خاوند کی شکایت لے کر آئی ہے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "وہ کس طرح؟" حضرت کعب الاحبار نے عرض کی: "جب وہ دن کو روزہ سے ہو گا رات کو قیام کرے گا تو اس عورت کے لیے کب فارغ ہو گا؟" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "ان کے مابین فیصلہ کریں۔" حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں اسے اس کی چار بیویوں میں سے ایک سمجھتا ہوں وہ اس کے لیے ایک دن روزہ نہ رکھے اور تین دن روزہ رکھ لے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ فیصلہ بہت اچھا لگا اور بصرہ کا عہدۂ قضاء ان کے سپرد کر دیا۔

روایت ہے کہ خلیفہ منصور اس کی بیوی "الحرۃ" کے مابین جھگڑا چل نکلا۔ اس نے مطالبہ

کیا کہ بادشاہ اس کے اور دیگر بیویوں کے درمیان عدل کرے۔ خلیفہ نے اس سے کہا: ''تم کسے ثالث مقرر کرتی ہو؟'' اس عورت نے کہا: ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو۔'' خلیفہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ عورت پس پردہ بیٹھ گئی۔ منصور نے کہا: ''ابوحنیفہ! الحرۃ میرے ساتھ جھگڑا کرتی ہے۔ اس کے متعلق انصاف کریں۔'' امام صاحب نے فرمایا: ''پہلے امیر المؤمنین گفتگو کرے۔'' خلیفہ نے کہا: ''ایک مرد کتنی عورتوں سے شادی کر سکتا ہے؟ امام صاحب نے کہا: ''چار سے'' خلیفہ: وہ اپنے پاس کتنی لونڈیاں رکھ سکتا ہے؟ امام صاحب: جتنی رب تعالیٰ چاہے۔ خلیفہ نے کہا: ''اے عورت! یہ بات سن لو۔'' امام صاحب نے فرمایا: ''رب تعالیٰ نے یہ اہل عدل کے لیے حلال فرمایا ہے جسے خدشہ ہو کہ وہ عدل نہیں کر سکے گا جو اس کے لیے صرف ایک بیوی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً. (النساء: ۳)

ترجمہ: اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی۔

خلیفہ کافی دیر خاموش رہا۔ امام صاحب وہاں سے باہر نکل گئے۔ جب اپنے گھر پہنچے تو ان کے پیچھے پیچھے ایک خادم گیا جس کے ہاتھ میں پانچ تھیلیاں تھیں ان میں پچاس ہزار دراہم تھے۔ اس نے ایک پوشاک خوبصورت لونڈی اور ایک سواری پیش کی۔ الحرۃ نے یہ پیغام بھی بھیجا: امام صاحب سے کہنا۔ میری مالکہ آپ کو سلام پیش کرتی ہے اور تمہاری حق بات پر تمہارا شکریہ ادا کرتی ہے۔'' امام صاحب نے فرمایا: ''اسے کہنا: ''میں نے اپنے دین کا دفاع کیا ہے۔ اسے وہی کچھ کہا ہے جو رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ میں نے اس سے کسی کے قرب کا ارادہ نہیں کیا۔ نہ دنیا یا کسی مخلوق رضا کا ارادہ کیا ہے جو کچھ لے کر آیا ہے اسے واپس لے جا اور اسے کہہ دینا ''اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت ڈالے۔'' آپ نے ان تحائف کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ نہ ہی ان میں سے کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ ذرا دیکھو کہ علم کی کیا شان تھی۔ علماء کا کیا احترام تھا۔ ان کے تقویٰ کا عالم کیا تھا۔ اپنی بیویوں کے مابین عدل کرنے میں یہی حکمت ہے۔

ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت میں حکمت

اہل اللہ کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ ایک وقت میں ایک مسلمان چار سے زائد عورتیں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اس میں کئی اعتبار سے حکمتیں کارفرما ہیں۔

ان اخلاط اربعہ کی تعداد یہی ہے جو جسم کو لازم ہیں۔ (اخلاط اربعہ سے مراد (۱) صفراء

(۲) بلغم (۳) خون (۴) سودا ہے) ان سے ہی وہ مادہ اصلیہ بنتا ہے جو نسل کی ہمیشگی کا محافظ ہے۔

۲- کاروبار کے مصادر کی تعداد بھی چار ہیں۔ (۱) امارت (۲) تجارت (۳) زراعت (۴) صنعت۔

۳- سال میں موسم بھی چار ہوتے ہیں۔ ان کے تغیر سے ہی کائنات کی آبادی درست رہتی ہے اور عالم کی زندگی کی حالت کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان سے عالم نبات اور عالم حیوان کی اصلاح ہوتی ہے۔

۴- جب ایک انسان ایک وقت میں اپنے نکاح میں چار عورتیں رکھے گا اور ان کے مابین عدل کرے گا تو ہر ایک سے اس کا انقطاع تین راتوں کے لیے ہوگا۔ محبت کے لیے یہ مقدار کافی ہے تاکہ طویل مدت تک انقطاع برقرار نہ رہے۔ تین کا عدد جمع کے مراتب میں سے پہلا ہے۔

۵- شارع حکیم نے یہ تعداد بہت سے احکام میں معتبر مانی ہے۔ مثلاً مسافر کے لیے خفین پر مسح کی مدت تین دن ہے۔ طلاقوں کی تعداد تین ہے۔ حجاج حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد مکہ مکرمہ میں تین روز قیام کرتے ہیں۔ ضیافت کی مطلوبہ مدت تین دن ہے۔ امت میں اس پر اعتبار نہ کرنے کی وجہ سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ امت کو غلامی کا عیب نے آلیا ہے۔ اس کا تذکرہ بعد میں ہوگا۔ شارع حکیم کی حکمت سمجھو۔

بیویوں کی تعداد کے بارے بعض انگریزوں کی رائے

شریعت اسلامیہ میں بیویوں کی تعداد چار تک ہونے میں جو حکمت کارفرما ہے اس سے تم آگاہ ہو چکے ہو۔ ایسی ہی بالغ حکمتیں لے کر اسلام آیا ہے۔ ہم نے بہت سے انگریز علماء کو دیکھا ہے انہوں نے اس عظیم حکمت کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے۔ وہ شریعت اسلامیہ پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے یہ بھی یقین کر لیا کہ یہی وہ شریعت بیضاء ہے جو ہر زمان اور ہر مکان کے مطابق ہے۔ امت اسلامیہ کی ثقافت کی یہی کفیل ہے۔ اس جگہ میں وہ بات ذکر کرتا ہوں جو جوستاف لیون نے کہی تھی۔ انہوں نے کہا: ''بیویوں کی تعداد کا نظام درحقیقت ایک مستقل نظام ہے جو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جو مشرق کے قبائل اور اقوام میں پایا جاتا تھا۔ یہ یہودیوں اہل ایران اور اہل عرب میں بھی پایا جاتا تھا۔ وہ اقوام جو قرآن حکیم کے دین حق میں داخل ہوئیں

ہیں انہوں نے اس قدیمی نظام میں کوئی تصرف نہیں۔ ادیان میں سے کوئی دین بھی خواہ اسے کتنی ہی بڑی طاقت دی گئی ہو کہ وہ آداب، نظام اور اخلاق کو تبدیل کرے۔ مگر اس میں یہ استطاعت نہیں وہ اس جیسے نظام کو لغو قرار دے اور اسے باطل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ یہ آب وہوا کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ مشرقی مزاج اور زندگی کی اس قسم کا اجتماعی مقصد ہے جو وہ بسر کرتے ہیں۔ آب وہوا کی تاثیر کے بارے تفصیل کی ضرورت نہیں۔ تیرے لیے یہی کافی ہے کہ عورت کی نفسیات، امومت، ولادت، درد اور امراض وغیرہ عورت کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ کافی مدت اپنے خاوند سے دور رہے۔ مشرق کے مزاج اور مشرقی آب وہوا میں اس طرح کا عارضی کنوارہ پن مرد کے لیے محال ہے۔ اسی لیے بیویوں کی تعداد ساری ضروریات سے زیادہ لازم قرار دیا گیا ہے۔

جہاں تک مغرب کا تعلق ہے تو اگر اس کی آب وہوا تاثیر کے اعتبار سے پرسکون ہے۔ طبیعتیں حرارت کے اعتبار سے خفیف ہیں۔ اس کے باوجود تم کسی شخص کی صرف ایک بیوی بمشکل ہی دیکھو گے۔ ایک بیوی رکھنا صرف قوانین کی حد تک ہے لیکن درحقیقت رسم و رواج اور عادات میں ان قوانین کا اعتبار بہت کم کیا جاتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یورپ میں صرف ایک بیوی پر اقتصار صرف قوانین میں ہی پایا جاتا ہے، بہت ہی کم لوگ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ایک سے زائد بیویاں اہل مغرب میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ وہاں یہ آئین نہیں۔'' پھر ڈاکٹر صاحب نے کہا:

''میں نہیں جانتا کہ بیویوں کی اس شرعی تعداد کا اہل مشرق کے نزدیک اعتبار کیوں کیا جاتا ہے جبکہ اہل مغرب اس تعداد کو درست نہیں سمجھتے۔ اگر تم اچھی طرح ان اسباب سے آگاہ ہوں جنہوں نے پہلے کو دوسرے پر رفیع مرتبت اور بلند رتبہ عطا کیا ہے۔ تو یہ اعتراض نہ کرو۔ ہم تو ان نفسیاتی اسباب کو جان چکے ہیں جن کی بنا پر مشرق میں یہ تعداد مقرر کی گئی ہے اب ہمارے لیے یہ سمجھنا بہت مشکل نہیں کہ ہم وہ سبب سمجھیں جس کی وجہ سے دین نے اسے برقرار رکھا اور اس کا اعتراف کیا۔ اہل مشرق کثیر اولاد میں بڑی رغبت رکھتے ہیں۔ وہ خاندان میں زندگی گذارنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ عدل کے جذبات انہیں کھینچتے ہیں وہ انہیں اجازت نہیں دیتے کہ وہ اس عورت کو چھوڑیں جس سے وہ محبت کرتے رہے۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر دین نے اس نظام کو برقرار رکھا یہ نظام آداب اور طبیعتوں کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔

بیویوں کی تعداد کے بارے شیخ محمد عبدہٗ کی رائے

اس فصل میں ہم اپنے استاذ شیخ محمد عبد کی شریعت اسلامیۃ میں بیویوں کی تعداد کے بارے رائے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ انہوں نے ۱۲۹۸ھ میں اس رائے کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت مرد اور اس کی بیوی کے مابین ہونے والے واقعات بہت کم تھے۔ اگر وہ اس وقت بحیات ہوتے تو ہم دیکھتے کہ وہ اپنی اس رائے کا اظہار زیادہ واضح طریقہ سے کرتے۔ انہوں نے کہا ہے:

''شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے مرد کو ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اسے علم ہو کہ وہ ان کے مابین عدل قائم رکھ سکے گا۔ ورنہ اس کے لیے ایک سے زائد بیوی رکھنے کی اجازت نہیں۔''

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً۔ (النساء: ۳)

ترجمہ: اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی۔

اگر آدمی ان میں سے ہر ایک کو اس کا حق دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو گھر کا سارا نظام خراب ہو جائے گا۔ ازدواجی زندگی مکدر ہو جائے گی۔ کیونکہ گھریلو امور کے انتظام کا ستون اہل خانہ کے مابین مکمل اتحاد و اتفاق ہوتا ہے۔ اگر آدمی دوسری بیویوں کو چھوڑ کر ایک کے ساتھ مختص ہو جائے اگرچہ یہ اختصاص تھوڑی سی چیز کے ساتھ ہی ہو اگر وہ کسی روز کسی ایک بیوی کی ضرورت پوری کر دے گا تو دوسری کبیدہ خاطر ہو جائے گی۔ اس کا دل اس سے اچاٹ ہو جائے گا اتحاد نفرت اور محبت بغض میں تبدیل ہو جائے گی۔ حضور نبیٔ رحمت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت خلفاء راشدین، علماء کرام اور صالحین عظام نے ہر زمانہ میں اس دور تک ایک سے زائد بیویاں رکھی ہیں لیکن وہ ان کے مابین عدل کرنے کی بہت زیادہ حفاظت کرتے تھے۔ حضور ﷺ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صالحین امت کسی ایک بیوی کی باری میں اس کی اجازت کے بغیر دوسری بیوی کے حجرہ میں بھی نہیں جاتے تھے۔ حضور ﷺ حالت مرض میں بھی اپنی ازواج مطہرات کے حجرات مقدسہ میں تشریف لے جاتے رہے تاکہ عدل کی حفاظت ہو سکے حالانکہ آپ کو کندھوں اٹھا کر ایک حجرہ مقدسہ سے دوسرے حجرہ مقدسہ تک لے جایا جاتا تھا۔ آپ ان میں سے کسی ایک زوجہ محترمہ کے حجرہ میں ٹھہرنا پسند نہ کیا۔ آپ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے ہاں رونق افروز تھے آپ نے پوچھا: ''کل میں کس حجرہ مقدسہ میں جاؤں گا؟'' ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سمجھ گئیں کہ آپ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نوبت کے بارے سوال کر رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کو صحت یاب ہونے تک ان کے حجرہ مقدسہ میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: "کیا تم راضی ہو؟" انہوں نے عرض کی: "ہاں" آپ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں تشریف لے گئے جب تک آپ کو ازواج مطہرات کی رضا معلوم ہو گئی۔ یہ وہ واجب ہے جس کی حضور نبی رحمت ﷺ نے پوری حفاظت فرمائی ہے۔ آپ نے اپنی نصیحتوں اور وصیتوں میں بھی اس امر کا تذکرہ کیا ہے۔ صحیح البخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے آخری تین وصیتیں فرمائیں۔ آپ یہ وصیتیں لگاتار فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ کی زبان اقدس آہستہ آہستہ بولنے لگی:

> "نماز! نماز! اور جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہے یعنی غلام۔ ان سے وہ کام نہ لو جسے کرنے کی ان میں طاقت نہیں۔ عورتوں کے متعلق رب تعالیٰ سے ڈرنا۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں تم نے انہیں رب تعالیٰ کی امانت کے ساتھ حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو خود پر حلال کیا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

> "جس کی دو بیویاں ہوں۔ اس نے ایک کو چھوڑ کر دوسری کی طرف میلان رکھا۔"

دوسری روایت میں ہے:

> "اس نے ان کے مابین عدل نہ کیا تو وہ روز حشر اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک حصہ ساقط ہوگا۔"

آپ اپنے میلان قلبی کا عذر پیش کرتے ہوئے عرض کرتے تھے:

> "مولا! یہ (حجرات مقدسہ اور عطاء کے بارے عدل) میری کوشش اس امر میں ہے جس کا میں مالک ہوں۔ اس چیز میں میرا اختیار نہیں جس کا تو مالک ہے۔ میں اس کا مالک نہیں۔" یعنی میلان قلبی

جب آپ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو ازواج مطہرات کے مابین قرعہ اندازی کرتے۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ خاوند پر رات گزارنے میں بیویوں کے مابین مساوات کرنا واجب ہے اور ان کی اکثریت کے نزدیک نفقہ وخرچہ میں مساوات کرنا بھی واجب ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہا ہے کہ مجنون کے سرپرست پر واجب ہے کہ وہ اسے باری باری

اس کی بیویوں کے پاس لے جائے۔ انہوں نے فرمایا ہے:

''کسی ایک بیوی کی باری میں خاوند کے لیے دوسری بیوی کے پاس جانا بھی جائز نہیں البتہ وہ کسی لازمی (مباح) ضرورت کے لیے جا سکتا ہے۔ اس کی انتہاء یہ ہے کہ دروازہ کے باہر سے اس کو سلام کرنا جائز ہے۔ اور اس کے کمرہ میں داخل ہوئے بغیر اس کی ضرورت کے بارے پوچھنا جائز ہے۔ کتابیں اس امر کی صراحت بھی کرتی ہیں کہ جب خاوند اس بیوی کے پاس چلا جائے جس کی باری ہو اور وہ دروازہ بند کرے تو خاوند پر لازم ہے کہ وہ اس کے کمرہ میں رات بسر کرے اور وہ اس کی سوکن کے پاس نہ جائے۔ اِلا یہ کہ اسے انتہائی ضروری کام پر مثلاً سردی وغیرہ۔''

احناف کے علماء تو لکھا ہے: کہ اس آیت طیبہ:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (النساء: ۳)

کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رات بسر کرنے، لباس، کھانے اور پینے کی اشیاء میں عدل کرنا فرض ہے لیکن مباشرت میں عدل فرض نہیں۔ اس میں مکمل مرد، نامرد، مخنث، تندرست اور مریض میں کوئی فرق نہیں وہ کہتے ہیں کہ زوجیت کے حقوق میں سے عدل خاوند پر اسی طرح واجب ہے جس طرح اس پر دیگر سارے حقوق شرعاً واجب ہیں۔ ان کے مابین کوئی فرق نہیں۔ اگر خاوند اپنی بیویوں کے مابین عدل نہ کرے تو معاملہ قاضی کی عدالت میں اٹھایا جائے گا۔ قاضی کے لیے لازم ہے کہ وہ خاوند کو زجر و توبیخ کرے اگر وہ باز نہ آئے تو اسے تعزیزاً مارے لیکن قید نہ کرے۔ یہ سب کچھ اسی لیے ہے تاکہ شادی کے اصلی مقصد کا تحفظ ہو سکے۔ وہ زندگی میں تعاون اور حسن سلوک ہے۔

کیا اس شرعی وعید کے بعد، اس دقیق اور حتمی التزام جو کسی تاویل یا تبدیلی کی گنجائش نہیں رکھتا کے بعد بھی اس شخص کے لیے ایک سے زائد بیویاں رکھنا جائز ہے جسے یہ وہم ہو کہ وہ اپنی بیویوں کے مابین عدل قائم نہیں رکھ سکے گا۔ چہ جائیکہ اسے پورا یقین ہو کہ ان کے مابین عدل نہیں کر سکے گا۔ ہمارے لیے ان بیویوں کو جمع کرنا، کیسے روا ہو سکتا ہے جنہیں جمع کرنے کی ترغیب ہمیں صرف شہوت فانیہ اور وقتی لذت کے حصول نے دی ہو۔ ہمیں یہ پرواہ نہ ہو کہ اس سے کون سے مفاسد جنم لیتے ہیں، شریعت مطہرۃ کی کس طرح مخالفت ہو ہم دیکھتے ہیں کہ ان بیویوں کے لیے اگر ایک بیوی کو خاوند کے پاس دوسری بیوی کے بارے شکایت کا موقع مل جائے تو وہ اپنی پوری کوشش

کرتی ہے کہ جتنا ہو سکے اسے بنا سنوار کر پیش کرے وہ قسمیں اٹھاتی ہے کہ وہ اپنی اس بات میں سچی ہے (حالانکہ وہ سراسر جھوٹ بول رہی ہوتی ہے) آدمی اس بیوی سے زیادہ میلانِ قلبی کی وجہ سے اس کی نصیحت کو مبنی بر اخلاص سمجھ لیتا ہے وہ دوسری بیویوں کو سخت مارتا ہے۔ انہیں تکلیف دہ گالیاں دیتا ہے وہ انہیں دھتکار دیتا ہے اور اس مسئلہ کی تحقیق کیے بغیر ہی انہیں جھڑکتا رہتا ہے۔ اس کے پاس راہ نمائی نہیں ہوتی جو اسے فاسد قول سے صحیح بات کی تمیز کرا سکے۔ وہ نور بصیرت سے محروم ہوتا ہے جو اسے حقیقت حال سے آگاہی دے۔ ان عورتوں کے دلوں غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک اس خاوند اور اس چغلخور بیوی سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ شب و روز ان کے مابین لڑائی اور جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ اس لڑائی اور جھگڑے کی وجہ سے بجائے اس کہ وہ عورتیں گھریلو امور کو سدھارنے کی کوشش کریں وہ اس آدمی کے مال اور سامان میں خیانت کرنے لگتی ہیں۔ کیونکہ انہیں اعتماد نہیں رہتا کہ وہ خاوند کے پاس رہیں گی یا کہ نہیں۔ انہیں یہ خطرہ دامن گیر رہتا ہے کہ وہ انہیں طلاق دے دے گا۔ اس کی وجہ یا تو ان کے اخلاق کی خباثت ہوتی ہے یا وہ خاوند کے افکار کی مخالفت کرتی ہیں۔ تمام ایام میں ان دونوں کو نہ تو سکون میسر آ سکتا ہے نہ ہی ان کی زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے خواتین کے دلوں میں غیرت و کینہ بہت سخت ہوتا ہے۔ ان بیویوں میں سے ہر عورت اپنی اولاد کے دلوں میں ایسی برائیاں پیدا کر دیں گی کہ وہ اپنے بھائیوں کے سخت دشمن بن جائیں گے جو دوسری بیویوں سے ہوں گے۔ وہ عورت ہمیشہ خاوند کے دل میں ان کی نفرت پیدا کرتی رہے گی اس کے پیچھے انہیں برائی کے ساتھ یاد کرے گی۔ جسے خاوند سنے گا۔ وہ ان والد کے پاس اولاد کے امتیازات کا ذکر کرے گی امتیاز کی وجوہات گن گن کر بیان کرے گی۔ اگر اس طرح کی چیزیں بچے کے سامنے اس کے بچپن میں بیان کی جائیں تو اس کے نفس میں ایسی نفرت باقی رہتی ہے وہ اس کا دشمن بنا رہتا ہے۔ وہ نہ تو اس کا مددگار بن سکتا ہے اور نہ ہی فوائد پہنچانے میں اس کا مدد ثابت ہو سکتا ہے نہ ہی اس سے نقصان دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جس طرح کہ بھائی کی کیفیت ہوتی ہے۔

اگر ان میں سے کسی ایک کا بچہ دوسرے پر زیادتی کر دے اگرچہ بچے کو یہ بھی تمیز نہ ہو کہ جو کچھ اس نے کہا: ہے وہ بھلا ہے یا برا ہے۔ کیونکہ وہ تو بچہ ہوتا ہے۔ ان کی ماؤوں کے مابین لڑائی کا بازار گرم ہو جائے گا ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے اتنے گندے الفاظ نکالے گی اور اتنی گالیاں دے گی جتنا اس سے ہو سکے گا۔ اگرچہ وہ عورتیں معتبر افراد کے ہاں پردہ نشیں بھی ہوں

جس طرح کہ بہت سے مقامات میں دیکھا گیا ہے خصوصاً دیہاتوں میں اسی طرح ہوتا ہے۔ اگر اس حالت میں خاوندان کے پاس آجائے تو نرمی اور عمدہ گفتگو سے اس کے لیے اس آگ پر قابو پانا مشکل ہوجاتا ہے کیونکہ وہ اس وقت نہ تو اس کا حکم مانتی ہیں اور نہ ہی اس سے ڈرتی ہیں کیونکہ ایسے اسباب کی بناء پر ان کے مابین کثرت سے لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں جن کی بنا پر اس پر ان کا اعتمادِ ختم ہوجاتا ہے اس کے فرائض ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ یا خاوند کمزور رائے کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی طبیعت میں پاگل پن ہوتا ہے۔ یہ اسباب خاوند کو اس مقام پر لے جاتے ہیں کہ یہ جھگڑا اس وقت ختم ہوتا ہے کہ یا تو وہ ان تمام عورتوں کو طلاق دے دے۔ یا اسے طلاق دے دے جسے وہ کم محبت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کی اکثر اولاد کی ماں ہو۔ وہ اس حالت میں اس کے گھر سے نکلے گی کہ اس کے آنسو بہہ رہے ہوں گے۔ وہ مغموم اور پریشان ہوگی۔ وہ بہت سے بچے اپنے ہمراہ لائے گی اور ان سب کو اپنے والد کے گھر لے جائے گی کچھ ہی دنوں بعد اس کا باپ بھی اس سے اکتا جائے گا اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوگا کہ وہ اولاد کو اس کے باپ کے پاس لوٹا دے۔ اگرچہ وہ جانتی بھی ہو کہ اس کی موجودہ بیوی اس کی اولاد سے اس سے بھی برا سلوک کرے گی جو اس کے باپ کے خاندان نے کیا ہوگا۔ اگر ماں کو طلاق ہوجائے تو اولاد ماں کو چھوڑ نہیں سکتی۔ ماں کا بھی پرسان حال کوئی نہیں ہوتا۔ جس کے پاس جا کر وہ پناہ لے۔ وہ جو درد اور الم دیکھتی ہے جو وہ فاقہ اور رسوائی دیکھتی ہے وہ اس دکھ سے کم نہیں جو اسے اس وقت پہنچتا ہے جب اسے علم ہوتا ہے کہ اس کے بچوں کو کس طرح دھتکارا اور دھمکایا جارہا ہے وہ بھوک سے آہیں بھرتے ہیں اور اس معاملہ کی وجہ سے دردانگیزی سے روتے ہیں۔

یہ نہ کہا جائے کہ ایسے معاملات رونما نہیں ہوتے۔ شریعت بیضاء نے خاوند کو مکلف بنایا ہے کہ وہ اپنی مطلقہ اور اس کی اولاد پر خرچ کرے۔ حتیٰ کہ وہ ان کی عمدہ تربیت کرے۔ اگر وہ اس خاوند کی عدت گزار لے یا وہ دوسری شادی کرلے وہ کسی ایسی عورت کو متعین کرے جو ان بچوں کی پرورش کرے اگرچہ شریعت مطہرۃ نے تو خاوند کو مکلف بنایا ہے لیکن وہ ایسے معاملات میں جس میں اسے بہت سا خرچہ کرنا پڑے وہ شریعت کی بات نہیں مانتا۔ الا یہ کہ وہ مجبور ہو، عورت میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنا حق لینے کے لیے کسی شرعی جج کے پاس جاسکے یا تو وہ اس کے مرکز سے دور ہوتی ہے۔ وہ اس تک پہنچ نہیں سکتی کہ وہ اپنی اولاد کو اس حالت پر چھوڑ دے کہ ان کے پاس ایک یا دو ہفتے کے لیے کھانے کے لیے کچھ نہ ہو۔ حتیٰ کہ جج خاوند کو حاضر ہونے کا حکم دے۔ وہ اپنی

اولاد کے پاس ایسا اقرار نامہ اور دستاویز لے کر آئے جو خاوند پر لازم قرار دے کہ وہ اس عورت پر ماہ اتنا خرچہ دے جو جج اس پر لازم قرار دے بجائے اس کہ وہ عورت اس خاوند سے اتنا لے جس سے وہ بمشکل گزارہ کر سکے۔ یا خاوند اپنے وعدہ پورا نہ کر سکنے کی صورت میں شہر بھاگ جائے۔ کیونکہ اسے یقین ہو کہ وہ عورت دوبارہ یہ شکایت لے کر نہیں آئے گی کیونکہ یہ تو اس لیے کہ اس کے اعضاء کمزور ہوتے ہیں۔ وہ اس چیز میں مشغول ہو جائے گی جو اس کی وقتی ضرورت کو پورا کر دے گی۔ یا اسے خاوند کی شکایت کرتے حیاء آئے گی۔ اکثر دیہاتی اپنی بیوی کے خرچہ مانگنے کو بہت بڑا عیب سمجھتے ہیں۔ وہ عورت اور اس کی اولاد محنت طلب مشقت کو اس شکایت پر ترجیح دیتے ہیں جو ان کے لیے کسی عار کا سبب بنے اکثر اوقات مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آتے۔ بلا شبہ اس عورت کا جو خاوند کے بغیر ہو اس طرح کے مشکل کام کرنا طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنا جس میں کم درجہ کی محنت و مزدوری کرنا ہے یہ امور عورت کے اخلاق کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس کی طبیعت میں قباحت پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے کمال کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے وہ شادی کی ترغیب دلانے والوں کو از نگاہ حقارت دیکھتی ہے ایسے امور سر انجام دینے والی عورت اکثر اوقات اپنی جوانی کے ایام شوہر کے بغیر گزار دیتی ہے وہ فاقہ اور ذلت کو گھونٹ گھونٹ پیتی ہے۔ اگر کوئی مرد اس طلاق کے کافی عرصہ بعد اسے شادی کا پیغام دے وہ غالباً اس کے سابقہ خاوند سے کم مرتبہ اور حقیر ہوتا ہے یا وہ ایسا بوڑھا ہوتا ہے جسے خواتین کی طرف رغبت کم ہوتی ہے۔ وہ طویل عرصہ تک ٹھہرا رہتا ہے وہ کبھی ایک شخص کو بھیجتا ہے کبھی دوسرے کو اسے اپنے نفس کے بارے اس کے گذشتہ خاوند کے خاندان سے خطرہ رہتا ہے کیونکہ وہ اس شخص سے بغض رکھتے ہیں جو اس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ اس کے بارے اپنے سینوں میں کینہ چھپائے رکھتے ہیں۔ گویا کہ اسے طلاق دینے والا چاہتا ہے کہ وہ عورت اپنی موت تک اسی طرح بیٹھی رہے۔ وہ اسے سزا دینا چاہتا ہے اگر اس نے مجبوراً اسے طلاق دی ہو، اگر عورت کو مرد کی حماقت کی وجہ سے طلاق واقع ہوئی ہو وہ کمزور لوازمات اور اسباب پر بہت زیادہ قسمیں اٹھاتا ہو۔ جیسا کہ عموماً آج کل ہوتا ہے تو اس عورت پر اس کا غصہ اور غیرت بہت شدید ہو گی۔ وہ تمنا کرے گا کہ وہ کاش اسے قتل کرنے کا راستہ پالیتا۔ یا اسے قتل کر دیتا جو اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ایسے معاملات اور ایسی معاشرت ان لوگوں سے ظہور پذیر ہوتی ہے جو احمق اور پاگل ہوں لیکن بلند مناصب اور اہل ثروت سے ایسی چیز کبھی صادر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی مطلقہ عورت اور اس کی اولاد پر کثیر رقم خرچ کرتے ہیں۔ وہ ان

بیویوں پر بھی کثیر رقم خرچ کرتے ہیں جو ان کے گھر ہوتی ہیں۔ ان پر کوئی حرج نہیں کہ وہ جائز حد تک شادیاں کرلیں یا طلاق دے دیں۔ بلکہ یہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان عالی شان کے زیادہ مناسب اور لائق ہے:

''نکاح کرو، نسل بڑھاؤ، کثرت سے اولاد پیدا کرو میں روزِ حشر تمہاری وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔''

وہ امر جو احمقوں سے صادر ہوا سے اس چیز سے روکنے کے لیے قاعدہ اور کلیہ نہیں بنا لینا چاہیے۔ جس پر حضور ﷺ عمل پیرا ہوئے ہوں اور اسلاف عظام نے بھی جس پر عمل کیا ہو۔ یہ آیت طیبہ:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء: ۳)

ترجمہ: اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار۔''

بھی بالاجماع منسوخ نہ ہوئی ہو۔

جب تک کتاب زندہ بچی ہے اس کے مدلول پر عمل لازم ہوگا۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں: ''تمہاری یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے ہم نے بہت سے اغنیاء اور اہل ثروت کو دیکھا ہے وہ اپنی عورتوں کو ان کی اولاد سمیت دھتکار دیتے ہیں۔ ان کی اولاد دوسرے خاندانوں میں پلتی ہے۔ انہیں ان کے کسی معاملہ کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ نہ ہی وہ ان کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ باپ اپنی بڑی اولاد کو بھی دھتکار دیتے ہیں وہ فقط اپنی نئی بیویوں کو راضی کرنے کے لیے اس طرح کرتے ہیں، وہ ان عورتوں کے ساتھ از حد برا سلوک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مرد صرف پہلی بیوی کو نقصان پہنچانے کے لیے دوسری شادی کرتا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے اہل ثروت لازمی اخراجات پورا کرتے ہیں تو ہمارے لیے سوائے اس کے اور کچھ کہنا ممکن ہی نہیں۔ جس طرح کہ حقیقت میں اسی طرح واقع ہو رہا ہے کہ ان لوگوں کا عورتوں پر خرچ کرنا اور ان کے درمیان شب باشی کے لیے رات مقرر کرنے میں صحیح نسبت نہیں ہوتی جس طرح کہ شرعی طور پر خاوند پر اپنی بیویوں کے لیے واجب ہے۔ ایسا خرچہ، خرچہ نہ دینے کے برابر ہے۔ جبکہ ایک شخص ان حقوق کی پاسداری نہ کرے۔ شریعت مطہرہ نے جس کا ہمیں حکم دیا ہے۔ اس طرح اغنیاء اور فقراء میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ دونوں سے اس امر کا

ارتکاب ہو جاتا ہے جس سے شریعت مطہرۃ نے روکا ہے اور جس کی خصوصی ممانعت کی ہے۔ اغنیاء کے ہاں زیادہ بیویاں رکھنے کے نقصان غرباء سے زیادہ ہیں ایک عورت کسی ثروت مند شخص کے گھر ایک سال یا دو سال بلکہ تین یا چار یا پانچ یا دس سال رہتی ہے لیکن اس کا خاوند اس خدشے سے اس کے قریب نہیں جاتا کہ اس سے وہ بیوی ناراض نہ ہو جائے جس کی طرف اس کا میلان بہت زیادہ ہے۔ یہ بیوی نہ تو اس سے طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے کیونکہ اسے خطرہ ہے کہ اس کی طرف سے اسے نقصان پہنچے گا وہ نامناسب فعل سرانجام دینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بقیہ برائیاں بھی ہیں جن کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔

مثلاً ان کی اولاد کی تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہی بھائیوں سے عداوت رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے باپ سے بھی نفرت کرنے لگتے ہیں۔ یہ مشکلات فقراء کی بنسبت اغنیاء کے ہاں زیادہ ہیں۔ اطراف اور جوانب میں ایسے مسائل دیکھنے کے بعد، یہ شر ہمارے ہاں اور مشرق ممالک میں پھیل جانے کے بعد اور اس کا مشاہدۃ کر لینے کے بعد اس کا انکار کرنا درست ہے۔

اغنیاء اور غرباء میں اکثر اوقات یہ معاملہ اس وقت پیش آتا ہے جب وہ متعدد شادیاں کر لیتے ہیں گویا کہ وہ حکمت الٰہیہ سمجھے ہی نہیں جو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت میں پنہاں ہے بلکہ وہ صرف شہوت پورا کرنے اور لذت کے حصول کے لیے شادیاں کرتے ہیں۔ وہ حقیقی مقصد سے غافل رہتے ہیں۔ اسے نہ تو شریعت مطہرہ جائز قرار دیتی ہے اور نہ ہی عقل اسے قبول کرتا ہے۔ اس وقت ایسے لوگوں پر لازم ہوتا ہے کہ یا تو وہ ایک بیوی پر اکتفاء کریں کیونکہ وہ عدل کرنے پر قادر نہیں ہوتے جیسے کہ دیکھا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً۔ (النساء: ۳)

ترجمہ: اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی۔

یہ آیت طیبہ:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔ (النساء: ۳)

یہ اس آیت سے مقیدہ ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ۔ (النساء: ۳)

یا وہ زیادہ شادیاں کرنے سے پہلے خوب غور وفکر کرلیں کہ کس طرح شرعی لحاظ سے ان پر عدل واجب ہے اولاد کے مابین محبت کی حفاظت کرنا جس طرح لازم ہے اور عورتوں کی ان مفاسد

سے حفاظت کرنا کس طرح واجب ہے جو انہیں غیر معقول افعال کی طرف لے جاتے ہیں وہ ان عورتوں کو اور ان کی اولاد کو نقصان دینے کی طرف رغبت نہ کریں۔ وہ ان عورتوں کو شرعی مقتضی کی وجہ سے طلاق دیں وہ مرد جو رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ وہ عدل شریعت کی توقیر کرتے ہیں۔ کسی ضرورت کے تحت ان سے جدا ہوتے ہیں۔ یہی لوگ تقویٰ شعار ہیں۔ ایسے مردوں پر کوئی ملامت نہیں اگر وہ شرعی لحاظ سے مباح حد تک عورتیں اپنے نکاح میں رکھ لیں اگرچہ ایسے لوگ ہر شہر اور ملک میں تھوڑے ہیں۔ لیکن ان کے اعمال واضح ہوتے ہیں۔ جو انہیں شکر عمیم اور ثناء جزیل کا مستحق بنا دیتے ہیں۔ انہیں رب تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں۔"

چار سے زائد بیویاں نہ رکھنے میں حکمت

شارع حکیم نے اجازت دی ہے کہ ایک مرد ایک سے لے کر چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ ان کے مابین عدل کر سکے۔ چار سے زائد عورتیں نکاح میں رکھنے سے شارع حکیم نے منع کیا ہے کیونکہ یہ بات بڑی واضح اور عیاں ہے کہ اگر بیویوں کی تعداد اس سے زائد ہو جائے تو ظلم ہو ہی جاتا ہے کسی انسان کو خواہ کتنی ہی دانائی اور حکمت سے نوازا گیا ہو اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو ستم و جفا سے روک لے۔ ہم پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات چار سے زائد تھیں۔ کیونکہ آپ پر ہر قسم کی لغزشوں سے معصوم تھے۔ کسی حال میں بھی آپ سے کسی ایسے امر کا صدور نہیں ہو سکتا تھا جو قرآن حکیم کے مخالف ہو۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے اسلام قبول کیا۔ اس کی دس بیویاں تھیں، حضور ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو منتخب کر لے جس طرح کہ روایت ہے کہ قیس بن حارث نے اسلام قبول کیا تو ان کے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں۔ حضور ﷺ نے انہیں چار منتخب کرنے کا حکم دیا البدائع میں ہے: "روایت ہے کہ ایک شخص نے اسلام قبول کیا تو اس کے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں ان عورتوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے اسے حکم دیا: "ان میں سے چار منتخب کر لو اور باقی کو جدا کر دو۔" حضور ﷺ نے بقیہ عورتوں سے جدا ہو جانے کا حکم دیا اگر چار سے زائد عورتیں حلال ہوتیں تو اسے یہ حکم نہ دیتے۔ اس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ آخری مشروع عدد چار ہے کیونکہ اگر چار سے زائد بیویاں رکھی جائیں تو ان پر ظلم ہو جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ یہ بھی خدشہ ہے کہ ان کے حقوق پوری طرح ادا نہیں ہو سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ مرد ان کے حقوق پورے کرنے پر قادر ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (النساء:۳)

ترجمہ: اگر تم تقسیم، مباشرت اور خرچہ میں عدل نہیں کر سکتے تو صرف ایک بیوی رکھنا جائز ہے۔

مگر یہ حضور ﷺ کے مبارک نکاح کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے ظلم صادر ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ ازواج مطہرات کے حقوق پورے کرنے میں آپ کو تائید الٰہی شامل تھی۔ یہ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتی تھیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فقر کو غنیٰ پر اور تنگی کو وسعت پر ترجیح دی۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے حقوق پورے کیے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی خاص مدد اور توفیق سے آپ اس پر قادر ہوئے۔

جہاں تک اس آیت طیبہ کا ذکر ہے تو اس کے ظاہر پر عمل کرنا ممکن نہیں کیونکہ ''مثنیٰ'' دو مراد نہیں نہ ہی ثلاث سے تین اور اربع سے چار مراد ہیں بلکہ مثنیٰ سے جو کم سے کم تعداد مراد ہو سکتی ہے وہ دو بار ہے، تین سے کم از کم تعداد مراد تین بار ہے۔ اسی طرح چار کی کیفیت ہے یہ تعداد تو نو اور اٹھارہ سے بڑھ جاتی ہے لیکن اس تعداد کا قائل کوئی بھی نہیں۔ اسے یہی پتہ چلتا ہے کہ اس آیت کے ظاہر پر عمل کرنا متعذر ہے۔ لازماً اس کی کوئی نہ کوئی تاویل کرنا پڑے گی اس کی دو تاویلیں ہیں۔

۱۔ دو، تین اور چار عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا اختیار ہو۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے اس طرح فرمایا: ''مثنیٰ او ثلاث اور باع'' ''او'' کی جگہ واؤ کا استعمال جائز ہے۔

۲۔ تداخل کے اعتبار سے ان اعداد کا ذکر کیا ہو۔ رب تعالیٰ کا فرمان ''وثلاث'' دو میں داخل ہوگا۔ ''رباع'' میں تین داخل ہوگا۔ جس طرح رب تعالیٰ کے اس فرمان:

اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ۔ (فصلت:۹)

ترجمہ: کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں۔

پھر رب تعالیٰ کے اس فرمان......

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ (فصلت:۱۰)

ترجمہ: اور اس نے (ہی) بنائے ہیں زمین گڑے ہوئے پہاڑ جو اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں ان میں اور اندازہ سے مقرر کر

دی ہیں اس میں غذائیں (ہر نوع کے لیے) چار دنوں میں۔
میں پہلے دو دن دوسرے چار ایام میں داخل ہیں۔

لونڈی کے ساتھ نکاح کے جواز میں حکمت

امیر لوگ کم ہیں۔غرباء کی تعداد زیادہ ہے۔غربت کا دائرہ امارت سے وسیع تر ہے کیونکہ شادی میں انسان کے لیے منفعت اور مصلحت ہے اس لیے شارع حکیم نے ہمیں لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت تا کہ انسان خرچہ کی مشقت اور اس حق مہر کی کثرت سے بچ سکے جو آزاد عورت کے لیے لازم ہوتا ہے یہ اس ذات نے ہم پر خاص شفقت اور رحمت کی ہے یہ حکمت یہ بھی ہے کہ انسان بدکاری کرنے سے بچ جائے کیونکہ بدکاری کے نقصانات ان گنت ہیں۔یہ ایک بالغ حکمت ہے۔

لونڈی بنانے میں کسی معین تعداد پر وقوف نہ کرنے کی حکمت

لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت قریب تھا کہ عدم کے دائرہ میں ہوتی کیونکہ وہ اپنے مالک کی خدمت میں مشغول رہتی ہے وہ جب بھی خدمت کے لیے بلائے۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی اولاد بھی اس کی طرح غلام ہی ہوگی۔شادی کرنے کی مصلحت سے یہ امر موافق نہیں۔البتہ لونڈی بنا لینے کا معاملہ ''تسری'' اس کے برعکس ہے۔اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ مباشرت نہ کی جائے تو غالب گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں گیں۔جب ان کا مالک ہی ان کے ساتھ نکاح کرے گا تو وہ نسل کثیر ہوگی جو اس کے ساتھ مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہوگی۔کثیر نسل سے یہ کائنات زیادہ آباد ہوگی جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے کہ جب لونڈی اپنے مالک سے بچہ جنم دے گی تو وہ ام ولد بن جائے گی۔اسے آزادی کی نعمت نصیب ہوگی۔وہ اپنے خاوند کی وفات کے بعد آزاد ہو جائے گی۔وہ اپنے بیٹے کی طرح آزاد ہو گی۔انہی اعتبارات، حکمتوں اور عجیب اسرار کی وجہ سے شارع حکیم نے ہمیں زیادہ لونڈیاں بنانے سے نہیں روکا۔اس خصوصیت کے ساتھ رب تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خاص فرمایا ہے:

آزاد عورت پر لونڈی کے ساتھ نکاح کے عدم جواز کی حکمت

شارع حکیم نے آزاد عورت پر لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کو حرام قرار دیا ہے اس میں

یہ حکمت کارفرما ہے کہ لونڈی کو غلامی کا عیب لاحق ہے یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ اسے اس حالت میں آزاد عورت پر داخل کرے۔ اس پر ان جھگڑوں، لڑائیوں اور صبح و شام خاوند اور بیوی کے مابین پیدا ہونے والے اضطراب کا اضافہ کرلو۔ اس لیے شارع حکیم نے آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے۔ یہ ایک بالغہ حکمت ہے۔ جتنا تم غور وفکر کرو گے اس کے نتائج سے اتنے ہی زیادہ آگاہ ہوتے جاؤ گے۔

غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہ ہونے کی حکمت

اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے خوب جان لو کہ شادی اور نکاح (فرج) کے منافع آقا کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ اگر معاملہ اس طرح ہے تو یہ اس چیز کی مانند ہے جو ہر اعتبار سے اپنے آقا کی ملکیت میں ہے کسی دوسرے شخص کی ملکیت میں اس کی رضاء اور اذن کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے۔ اسی لیے شارع حکیم نے اس امر کو اہمیت دی ہے کہ غلام کا نکاح اس کے مالک کی اجازت کی اجازت کے بغیر بالکل نافذ نہیں۔ ''البدائع'' میں ہے۔

''مملوک (غلام یا لونڈی) کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتا۔ خواہ وہ مملوک عاقل و بالغ ہو۔ خواہ وہ غلام ہو۔ مدبر یا مدبرۃ یا ام ولد ہو یا مکاتب یا مکاتبہ ہو۔ غلام (خواہ وہ لونڈی ہو) کا نکاح بلا اختلاف اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں کیونکہ بضع (فرج یا نکاح) کے منافع اس کے آقا کی ملکیت میں ہیں۔ کسی دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کیا جا سکتا۔ مدبرہ اور ام ولد کی بھی یہی حالت ہے۔ مکاتبہ کی بھی یہی حیثیت ہے کیونکہ غلامی کے اعتبار سے وہ اپنے آقا کی ملکیت میں ہے منفعت کی ملکیت غلامی کی ملکیت کے تابع ہوتی ہے لیکن وہ اس سے لذت اندوز نہیں ہوسکتا کیونکہ ملک ید اس سے زائل ہو چکی ہے لطف اندوز ہونے میں ملک ید کا اثبات ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زر کتابت ادا نہ کر سکے وہ پہلے کی طرح دوبارہ لونڈی بن جائے۔ وہ غلامی کی طرف لوٹ جائے۔ اس کے نکاح کا معاملہ آقا کے پاس آجائے تو وہ اسے درست قرار نہ دے۔ اگر وہ غلام ہو تو عام علماء کے نزدیک اس کا نکاح (مالک کی اجازت کے بغیر) جائز نہیں لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ انہوں نے یہ قول اس لیے کیا ہے کہ غلام کی بُضع کے منافع آقا کی ملکیت کے تحت نہیں آتے۔ وہ آزاد شخص کی طرح نکاح کا مالک ہوگا لیکن لونڈی کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس کی بضع کے منافع آقا کی ملکیت میں

ہوتے ہیں لہٰذا ان کے اذن کے بغیر اس میں تصرف منع ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''غلام اپنے سارے اجزاء کے ساتھ اپنے آقا کی ملکیت میں ہے۔'' کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ۔ (الروم:۲۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں۔ اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔

اللہ رب العزت نے آگاہ فرمایا ہے کہ غلام اس رزق میں شریک نہیں ہوتے جو آقاؤں کو دیا جاتا ہے نہ ہی وہ اس میں برابر ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ منافع میں شرکت کی نفی کا ارادہ کیا ہے۔ وہ ان میں ان کی اشتراکت سے ہے اس سے یہی عیاں ہوتا کہ اس ذات والا نے اس سے ملکیت کی حقیقت کا ارادہ کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (النحل:۷۵)

ترجمہ: بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔

''عبد'' کا لفظ غلام کے سارے اعضاء کو شامل ہے۔ نیز اس لیے کہ ملکیت کا سبب تمام غلام کی طرف ہے لہٰذا اس کے کل میں ملکیت ثابت ہوگی مگر یہ کہ اسے بذاتِ خود اس کے بعض اجزاء سے نفع حاصل کرنے سے روک دیا گیا ہے لیکن یہ چیز ملکیت کے ثبوت کو نہیں روکتی۔ جیسا کہ مجوسیہ لونڈی وغیرھا اسی طرح اس غلام کی کیفیت ہے جسے تجارت میں اذن دے دیا گیا ہو۔ لیکن نکاح کا تعلق تجارت کے ساتھ نہیں کیونکہ تجارت میں مال کا معاوضہ مال کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ نکاح میں بضع کا معاوضہ مال کے ساتھ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی عورت کسی غلام کو حق مہر رکھ کر نکاح کرے اور یہ نیت کرے کہ غلام تجارت کے لیے ہوگا وہ تجارت کے لیے نہیں ہوگا۔ اگر اس تجارت سے نکاح درست ہوتا تو بضع کا بدل تجارت کے لیے ہوتا جس طرح کہ بیع۔ وہ نکاح کے ساتھ اپنے آقا کی ملکیت میں متفرق ہوتا یہ جائز نہیں ہے۔ جس طرح کہ لونڈی کا نکاح جائز نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (النحل:۷۵)

عبد مملوک کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ معلوم امر یہی ہے کہ اس سے مراد حقیقی قدرت ہے کیونکہ یہی اس کے لیے ثابت ہے۔

مسلمان عورت کا غیر مسلم کے ساتھ نکاح حرام ہونے کی حکمت

اس میں کئی حکمتیں کارفرما ہیں:

۱- مسلمان عورت اسلام قبول کر کے عزت و ناموس کی مالک بن گئی ہے جب مسلمان خاتون کی شادی غیر مسلم سے کر دی جائے تو اسے اس پر نگرانی کا کنٹرول کا حق حاصل ہو گا، کیونکہ مرد عورتوں کے نگران ہوتے ہیں۔ بلاشبہ مسلمان عورت پر غیر مسلم مرد کا کنٹرول اس کے لیے بے عزتی اور اہانت ہے۔ شارع حکیم اس پر راضی نہیں ہے کہ غیر مسلم سے مسلمان عورت کی اہانت ہو، ارشاد ربانی ہے:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿﴾ (النساء: ۱۴۱)

ترجمہ: اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ۔

۲- وہ اکثر اوقات اس عورت کے ساتھ اپنے دین کے تقاضا کے مطابق معاملہ کرے گا جو عورت کے لیے بڑی مصیبت اور مشکل کا سبب بنے گا۔

۳- رشد و بلوغت کی عمر تک پہنچنے کے بعد اولاد کا اکثر رجحان باپ کی طرف ہوتا ہے، جب مسلمان خاتون کی غیر مسلم مرد کے ساتھ شادی کر دی جائے تو گویا کہ وہ کفر اور دیگر ادیان کے لیے بچے جنم دے گی۔ شارع حکیم کا یہ ارادہ نہیں ہے۔

۴- جب ان کے مابین الفت پیدا ہو گی تو عورت اپنے خاوند کی اطاعت بجا لانے پر حریص ہو جائے گی، جب وہ اسے اپنے دین اور مذہب کی طرف بلائے گا تو وہ اسے قبول کرے گی۔

ان وجوہات کی بنا پر شارع حکیم نے مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم مرد سے قطعی حرام قرار دیا ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: ''کسی مؤمن خاتون کا نکاح کافر کے ساتھ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (البقرہ: ۲۲۱)

ترجمہ: اور نہ نکاح کر دیا کرو (اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔

نیز یہ کہ اگر مسلمان عورت کا نکاح کافر سے کر دیا جائے تو یہ خدشہ ہے کہ وہ مسلمان

عورت بھی کفر میں گر جائے گی۔ کیونکہ خاوند اسے اپنے دین کی طرف بلائے گا۔ عورتیں عادات میں مردوں کی اتباع کرتی ہیں دین میں مردوں کی تقلید کرتی ہے۔ اس آیت طیبہ کے آخر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ (البقرۃ:۲۲۱)

ترجمہ: وہی ہیں جو بلاتے ہیں آگ کی طرف۔

وہ کافر خاوند مسلمان عورتوں کو کفر کی دعوت دیں گے کفر کی طرف بلانا آگ کی طرف بلانا ہے کیونکہ کفر آگ کا سبب بنتا ہے کافر کا مسلمان عورت سے نکاح کرنا حرام کی طرف دعوت دینے کا سبب ہے اس لیے یہ حرام ہے، نص اگر چہ مشرکین کے بارے وارد ہے لیکن علت (آگ کی طرف دعوت) سارے کفار کو شامل ہے۔ علت کی عمومیت کی وجہ سے حکم عام ہوگا۔ کسی مسلمان خاتون کا نکاح کسی اہل کتاب سے بھی کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اس کا نکاح بت پرست اور مجوسی کے ساتھ بھی کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت مطہرۃ نے اہل ایمان پر کافروں کے کنٹرول کو ختم کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿﴾ (النساء:۱۴۱)

ترجمہ: اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ۔

اگر مسلمان خاتون کا غیر مسلم مرد کے ساتھ نکاح جائز قرار دیا جائے تو اس مرد کا اس عورت پر کنٹرول ثابت ہو جائے گا۔ یہ جائز نہیں۔"

مسلمان مرد کا اہل کتاب کی عورت کے نکاح کے جواز میں حکمت

اہل کتاب وہ لوگ ہوتے ہیں جو کسی دین پر یقین رکھتے ہیں وہ کسی آسمانی کتاب پر یقین رکھتے ہیں جسے رب تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا ہو۔ یہ سارے لوگوں سے زیادہ ہدایت کے قریب ہوتے ہیں۔ جب انہیں دلائل دیے جائیں اور ان کے لیے راہ ہدایت روشن ہو جائے تو یہ ہدایت پا لیتے ہیں لیکن مشرکین کا معاملہ اہل کتاب سے مختلف ہوتا ہے۔ ان کا دین خرافات اور اوہام پر مبنی ہوتا ہے وہ پتھروں اور بتوں کی پرستش کرتے ہیں وہ جلا دینے والی آگ اور ڈوب جانے والے ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ سارے لوگوں سے زیادہ ہدایت سے دور ہوتے ہیں۔ اگر ان کے لیے ایک ہزار دلیلیں بھی قائم کی جائیں پھر بھی یہ دین حق قبول نہیں کرتے۔ جبکہ ہر دلیل

اس قدر واضح ہو جس طرح آسمان کے وسط میں مہر منیر واضح ہوتا ہے۔ شارع حکیم کو یہ علم تھا اسی لیے اس نے مسلمان کے لیے جائز قرار دیا کہ وہ کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ کتابیہ اہل اسلام کے قریب ہوتی ہے۔ وہ رب تعالیٰ کی تصدیق کرتی ہے۔ وہ رب تعالیٰ اور اس کے بعض رسل کی بعثت پر یقین رکھتی ہے لیکن مشرک عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ کہ جب کتابیہ اپنے مسلمان خاوند کے ساتھ زندگی گذارے گی تو اسلام کا عدل ہر روز اس کے سامنے عیاں ہو گا۔ یہ عدل اس کی آنکھوں میں بڑھتا جائے گا۔ اسلام اس کے دل میں اتر جائے گا وہ دین حنیف قبول کر لے گی۔ وہ برضا و رغبت اسلام قبول کر لے گی۔ وہ کامرانی و کامیابی اور دارین کی سعادت کے ساتھ کامیاب ہو گی۔ اس بات کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے مسلمانوں کی ان بیویوں کو دیکھا گیا ہے جو اہل کتاب میں سے تھیں۔ نکاح سے کچھ ہی دیر بعد انہوں نے دین حنیف کو قبول کر لیا۔ یہ امر بھی مخفی نہیں ہے کہ اولاد مسلمان خاوند کے تابع ہوتی ہے۔ اولاد کے بارے کوئی خوف نہیں کہ وہ اپنے آباء کے دین کو چھوڑ دے گی۔ حضور ﷺ نے سیدہ ماریہ قبطیہ سے نکاح فرمایا، ہمارے لیے آپ کی ذات والا میں کامل نمونہ ہے۔

جب دین اسلام کے دشمن ان بلیغ حکمتوں کو دیکھیں گے تو وہ کیا کہیں گے۔ مولا! جسے تو گمراہ کر دے اسے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

"البدائع" میں ہے: "شارع حکیم نے کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے اس لیے کہ شاید کہ وہ اسلام قبول کر لے کیونکہ وہ سارے انبیاء اور رسل پر ایمان رکھتی ہے لیکن کیونکہ اسے حقیقت کے خلاف بتایا جاتا ہے اس لیے وہ بعض کا انکار کر دیتی ہے۔ جب انے حقیقت سے آگاہ کیا جائے گا اور وہ حقیقت سے آگاہ ہو جائے گی تو وہ سارے انبیاء اور رسل پر تفصیلاً ایمان لے آئے گی۔ یہ وہ ظاہری امر ہے جس کی بنیاد دلیل پر ہے، خواہش اور طبیعت پر نہیں، کتابیہ کا خاوند اسے اسلام کی طرف بلائے گا اسے حقیقتِ حال سے آگاہ کرے گا تو اسلام لے آئے گی۔ مسلمان کے ساتھ کتابیہ کا نکاح کرنے میں اس کے اسلام لانے کی امید تھی۔ اس قابل ستائش انجام کی وجہ سے مسلمان کا اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا۔

مشرک اور مجوسی عورت کے ساتھ نکاح کے عدم جواز کی حکمت

گذشتہ تفصیل سے آپ جان چکے ہیں کہ شارع حکیم نے کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کو

جائز قرار دیا ہے مگر اس نے مشرکہ یا مجوسیہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ کتابیہ پہلے اترنے والی ساری کتابوں پر یقین رکھتی ہے اور ان کی تصدیق کرتی ہے وہ اپنے علاوہ دیگر لوگوں سے اسلام سے زیادہ قریب ہوتی ہے لیکن مشرکہ اور مجوسیہ تو کسی الہامی کتاب پر یقین ہی نہیں رکھتی۔ نہ ہی ان کے پاس دینی تعلیم ہوتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوت کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں۔ ان کی یہ عداوت نہ ختم ہوتی ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کے زوال کی امید ہوتی ہے جس طرح کہ ان کے اسلام لانے کی امید نہیں ہوسکتی مگر سخت جدوجہد اور کوشش پیہم کے بعد۔ ''البدائع'' میں ہے:

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مشرکہ سے نکاح کرے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ (البقرۃ:۲۲۱)

ترجمہ: اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

لیکن کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (المائدہ:۵)

ترجمہ: اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے۔

ان میں فرق یہ ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کافرہ سے نکاح کرے کیونکہ کافرہ کے ساتھ شادی کرنا اور اس کے ساتھ دینی عداوت ہوتے ہوئے میل میلاپ رکھنے سے نہ تو سکون حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی مودت یہ دونوں چیزیں نکاح کے مقاصد کے ستون ہیں۔ لیکن کتابیہ کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا کیونکہ اس کے اسلام قبول کرنے کی امید ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سارے انبیاء اور رسل علیہم السلام کی کتب پر ایمان رکھتی ہے۔ لیکن وہ تفصیلاً ان کا انکار کرتی ہے کیونکہ اسے خلاف حقیقت بتایا گیا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اسے حقیقت سے آگاہ کیا جائے گا تو وہ جان جائے گی وہ ان سب امور پر تفصیلاً ایمان لے آئے گی یہ بات بالکل عیاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معاملہ دلیل پر مبنی ہے خواہش اور طبیعت پر مبنی نہیں، خاوند اسے اسلام کی طرف دعوت دے گا۔ اسے حقیقت سے آگاہ کرے گا۔ مسلمان کے ساتھ اس کے نکاح میں یہ امید ہے کہ وہ اسلام لے آئے گی۔ اس عمدہ انجام کی وجہ سے کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دیا گیا لیکن مشرکہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ شرک اختیار میں اس کا معاملہ کسی دلیل مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ تقلید پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ دلیل کا انکار کردیتی ہے اس کے بغیر کہ وہ خبر اس ذات

اختتام پذیر ہو جس کی بات قبول کرنا اور اس کی اتباع کرنا لازم ہو۔ وہ ذات رسول معظم ﷺ کی ذات ہے وہ دعوت کے وقت نہ تو دلیل میں غور کرتی ہے اور نہ ہی اس کی طرف التفات کرتی ہے اگر کافرہ کے ساتھ شادی کی اجازت دے دی جائے تو وہ دینی عداوت باقی رہے گی جو سکون اور باہمی محبت میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ اس کا انجام بھی قابلِ تائش نہیں ہوتا اس لیے کافرہ کے ساتھ شادی کرنے کو جائز قرار ہی نہیں دیا گیا۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کی طرح ہی معاملات کرو لیکن نہ تو ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور نہ ہی ان کے ذبیحے کھاؤ۔'' آپ اس فرمان حق ترجمان سے عیاں ہوتا ہے کہ مجوسی اہل کتاب میں سے نہیں۔ نہ ہی ان کی عورتوں سے ملکِ یمین کی وجہ سے وطی کرنا جائز ہے۔''

اس امر کی حکمت کہ عورت ایک سے زائد مردوں سے شادی نہیں کر سکتی

شارع حکیم نے عورت کو سختی سے روکا ہے کہ وہ اپنے لیے دو یا دو سے زائد خاوندوں کو جمع کرے۔ اس حکم کی کئی وجوہات ہے ان میں بہت سے اسرار اور راز پوشیدہ ہیں۔ جن کی تفصیل حاضر خدمت ہے۔ اگر کوئی عورت اس طرح کرے تو نسب خلط ملط ہو جائیں گے۔ یہ پہچان نہیں ہو سکے گی کہ بچہ کس کا ہے؟ اس میں جو نقصان ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس کا کم از کم نقصان یہ ہے کہ وراثت میں حقوق ضائع ہو جاتے ہیں یہ نکاح کے مشروع کرنے کے منافی ہے۔ ایک حکمت یہ ہے کہ حیوان کی جنس میں مذکر میں غیرت کا مادہ مؤنث کی بنسبت زیادہ پایا جاتا ہے یہ ایک واضح امر ہے۔ جب کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی عورت کے ساتھ نکاح کرنے میں مشارکت کرے گا تو ان کے مابین لڑائی کا بازار گرم ہو جائے گا خون ریزی ہوگی اور عالم کا نظام گڑبڑ ہو جائے گا۔

ہم دیکھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں کہ فلاں فلانہ سے محبت کرتا ہے اس کے ساتھ ایک اور مرد بھی محبت کرتا ہے دونوں مردوں کے مابین نفرت پیدا ہو گئی۔ پھر یہ نوبت اکثر قتل تک پہنچ جاتی ہے ہمارے زمانہ میں تو یہ معاملہ واقعی رونما ہو رہا ہے۔ ایک حکمت یہ بھی کارفرما ہے کہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو خرچہ دے۔ وہ گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اتنی تکالیف جھیلتا ہے جو عورت کی برداشت سے باہر ہیں۔ اس پر یہ اضافہ کر لو کہ رب تعالیٰ نے مرد کو بہت سے مقامات پر فضیلت دی ہے۔ مثلاً سلطنت چلانے کے امور مرد کے سپرد کیے ہیں، سارے حقوق میں عام فیصلے کے مناصب، جنگوں میں شرکت اور زمین کو آباد کرنے کے معاملات مرد کے سپرد کیے

ہیں میراث میں مرد کا حصہ دوگنا رکھا گیا ہے۔ دیگر وہ سارے امور جو عورتوں کی خصوصیات میں سے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو ایک سے زائد چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس میں بھی مرد کی فضیلت کا اظہار ہے۔ یہ ان امور کو سرانجام دینے کا صلہ ہے جو عورت کی طاقت سے باہر ہیں۔ اس لیے عورت کے لیے جائز قرار نہیں دیا کہ وہ دو یا دو سے زائد خاوندوں کو جمع کرے۔ شارع حکیم کی طرف سے یہی بالغ حکمت کارفرما ہے۔

حیض سے پاکیزگی حاصل کرنے سے قبل مطلقہ حاملہ سے نکاح کے جائز نہ ہونے میں حکمت

اس میں حکمت نسبوں کی حفاظت کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ جب حمل اس شخص سے ہوگا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو تو اس حمل کا نسب طلاق دینے کی جانب ثابت ہو جائے گا۔ اس کا پانی محترم ہے۔ اس کے پانی کی حرمت کی حفاظت لازم ہے۔ یہ حفاظت اسی وقت ہی ہو سکتی ہے جب عورت کو روک دیا جائے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ اسی طرح اس (قیدی) عورت کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے جس کا رحم پاک نہ ہوا ہو یعنی اسے ایک حیض نہ آیا ہو۔ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ حاملہ ہی نہ ہو۔ اس مسئلہ میں اصل حضور ﷺ کا وہ فرمان ہے جو آپ نے اوطاس کے قیدیوں کے بارے فرمایا تھا: ''حاملہ عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کی جائے حتیٰ کہ وہ ان کا وضع حمل ہو جائے نہ ہی غیر حاملہ عورتوں سے اس وقت مباشرت کی جائے حتیٰ کہ وہ ایک حیض سے پاک ہو جائیں۔'' ''البدائع'' میں ہے:

جب حمل کسی دوسرے سے ثابت النسب ہوگا تو پھر اس کا پانی قابل احترام ہے اس پانی کی حرمت کی حفاظت لازم ہے۔ دوسرے نکاح سے روک کر اس کے پانی کی حرمت کی حفاظت کی جائے گی۔ اس سے وہ مسئلہ نکل جاتا ہے جب کسی مرد نے ایسی عورت سے شادی کر لی جو زنا کی وجہ سے حاملہ تھی۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ایسی عورت سے نکاح جائز ہے لیکن وہ مرد وضع حمل تک اس عورت سے مباشرت نہیں کرے گا لیکن امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نکاح کرنا بھی جائز نہیں۔ امام زفر کا بھی یہی قول ہے، حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پانی سے غیر کی

کھیتی کو سیراب نہ کرے۔''

آپ نے فرمایا:

''ایسے دو مردوں کے لیے حلال نہیں جو رب تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ایک عورت پر ایک طہر میں جمع ہو جائیں۔''

آپ نے فرمایا:

''حاملہ سے مباشرت نہ کی جائے حتیٰ کہ اس کا وضع حمل ہو جائے اور غیر حاملہ سے مباشرت نہ کی جائے حتیٰ کہ وہ ایک حیض سے پاک ہو جائے۔''

حیض کے ایام میں عورت کے قریب نہ جانے میں حکمت

زمانہ جاہلیت میں لوگ حائضہ عورت کے ساتھ بڑا گندا سلوک کرتے تھے بلکہ یہ سنگدلانہ رویہ قسوت اور شدت کی ساری حدود کو توڑ دیتا تھا۔ یہ سلوک بنو آدم کے لائق نہ تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت کے بقیہ امور میں سے ایک امر تھا۔ جب دین حنیف آیا۔ اس نے یہ عادت جڑ سے اکھیڑ پھینکی جس پر زمانہ جاہلیت کے لوگ عمل پیرا تھے۔ اسلام نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ماہواری کے ایام میں عورت کے قریب نہ جائیں، اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے رک جائیں کیونکہ اگر اس حالت میں عورت کے ساتھ مباشرت کی جائے تو بعض اوقات اس کا حیض آنا بند ہو جاتا ہے بعض اوقات اس کی وجہ سے اعضائے تناسلیہ جلنے لگتے ہیں۔ یہ ایک عظیم نقصان ہے۔ اس سے دور رہنا ضروری ہے۔ جدید طب آئی تو اس نے لوگوں کے لیے یہ نقصان کھول کر بیان کیا۔ اطباء اور ڈاکٹرز جان گئے کہ اسلام کا شارع بڑا حکیم ہے جس نے مسلمانوں کو روکا ہے کہ وہ ماہواری کے ایام میں اپنی بیوی کے قریب نہ جائیں اور ان ایام میں اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے رک جائیں ہم اس سلسلہ میں بڑے بڑے اطباء اور ڈاکٹرز کی آراء کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ (البقرۃ:۲۲۲)

ترجمہ: اور وہ پوچھتے ہیں آپؐ سے حیض کے متعلق فرمایئے وہ تکلیف دہ ہے۔ پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔

اس آیت طیبہ نے انسان کو بتا دیا کہ حیض اذیت ہے کہ جسم کو فائدہ نہیں دیتا۔ اس وقت انسان مسامات سے آگاہ نہ تھا۔ آیت کریمہ کا دوسرا جزو:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ (البقرۃ:۲۲۲)

کا سبب یہ ہے کہ اعضاء تناسلیہ منجمد حالت میں ہوتے ہیں اور داخلی غددوں کے جوش کی وجہ سے پٹھے مضطرب ہوتے ہیں۔ جنسی ملاپ انہیں نقصان دیتا ہے بعض اوقات یہ حیض کو روک دیتا ہے جس طرح کہ اس سے عصبی اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کو اعضائے تناسلیہ میں ورم کا مرض لاحق ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سپیشلسٹ ڈاکٹر خواتین کو اس وقت چیک نہیں کرتے جب وہ حالت حیض میں ہوں۔"

حضرت ابو سعود سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ نہ تو ان عورتوں کے ساتھ سکونت رکھتے تھے جن کی ماہواری کے ایام ہوتے تھے۔ نہ ہی ان کے ساتھ مل جل کر کھاتے تھے۔ یہودیوں اور مجوسیوں کا بھی یہی طریقہ تھا۔ لوگ اسی کیفیت پر تھے حتیٰ کہ حضرت ابو دحداح نے چند صحابہ کرام کی معیت میں یہ سوال کیا تو اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

قُلْ هُوَ اَذًى (البقرۃ:۲۲۲)

فرمائیے وہ تکلیف دہ ہے یعنی یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے نفرت کی جاتی ہے جو شخص اس کے قریب ہوتا ہے اسے اس سے نفرت اور کراہت کی وجہ سے اذیت ہوتی ہے۔

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ (البقرۃ:۲۲۲)

ترجمہ: حالت حیض میں ان کے ساتھ مباشرت کرنے سے اجتناب کرو۔

ایک روایت کے مطابق لوگوں نے "اعتزال" کے ظاہری معانی لیے اور ایسی خواتین کو اپنے گھروں سے نکال دیا۔ اعرابیوں نے عرض کی:

"یا رسول اللہ ﷺ! ٹھنڈک بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کپڑے کم ہوتے ہیں۔ اگر ہم وہ کپڑے ان خواتین کے لیے مختص کریں تو اہل خانہ ہلاک ہوجائیں گے اور اگر انہیں اپنے لیے مختص کریں تو وہ خواتین ہلاک ہوجائیں گی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"میں نے تو تمہیں یہ حکم دیا تھا کہ ایسی حالت میں ان کے ساتھ مباشرت نہ کرو۔ میں نے تمہیں یہ حکم تو نہیں دیا تھا کہ تم انہیں عجمیوں کی طرح اپنے

گھروں سے نکال دو۔"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیسائی حالت حیض میں بھی عورتوں کے ساتھ مجامعت کر لیتے تھے اور کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جبکہ یہودی ایسی عورتوں کو چھوڑنے میں تفریط سے کام لیتے تھے۔ مسلمانوں کو میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

روایت کہ یہودی اور آتش پرست حالت حیض میں عورت سے دور رہنے میں مبالغہ کرتے تھے۔ جبکہ عیسائی ایسی عورتوں کے ساتھ مجامعت بھی کر لیتے تھے وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے زمانہ جاہلیت میں لوگ حائضہ عورت کے ساتھ نہ کھاتے تھے نہ اس کے ساتھ پیتے تھے، نہ ہی اس کے ساتھ ایک بستر میں سوتے تھے۔ نہ ہی اسے گھر میں رہائش دیتے تھے۔ یہودی اور مجوسی بھی اسی طرح کرتے تھے۔ جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے آیت طیبہ کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ایسی عورتوں کو باہر نکال دیا۔ اعرابیوں نے عرض کی:

> "یارسول اللہ! سردی بہت زیادہ ہے کپڑے بہت کم ہیں۔ اگر ہم وہ کپڑے ایسی خواتین کے لیے مختص کر دیں تو دیگر اہل خانہ ہلاک ہو جائیں اور اگر اہل خانہ کے لیے کپڑے مختص کریں تو حائضہ خواتین ہلاک ہو جائیں۔"

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

> "میں نے تو تمہیں حکم دیا تھا کہ اس حالت میں ان کے ساتھ مجامعت نہ کرو۔ میں نے تمہیں یہ حکم تو نہیں دیا تھا کہ تم انہیں عجمیوں کی طرح اپنے گھروں سے نکال دو۔"

جب یہودیوں نے یہ فرمان عالی شان سنا تو انہوں نے کہا:

> "یہ شخص ارادہ رکھتا ہے کہ وہ ہمارے معاملہ میں کسی چیز کو نہ چھوڑے مگر وہ اس میں ہماری مخالفت کرے۔"

حضرت عباد بن بشیر اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بارے خبر دی انہوں نے عرض کی:

> "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حالتِ حیض میں ان کے ساتھ نکاح ہی نہ کریں۔"

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی رنگت متغیر ہو گئی۔ انہیں گمان ہوا کہ شاید آپ ان سے ناراض ہو گئے ہیں۔ وہ اٹھ کر چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ والا میں دودھ بطور ہدیہ پیش کیا

گیا۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں دودھ پلایا۔ ہم جان گئے کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہیں۔

یہ وہ حکمت بالغہ ہے جو حالتِ حیض میں عورتوں کے قریب نہ جانے میں ہے شارع حکیم نے ہمیں چودہ سو سال پہلے اس فعل سے روک دیا تھا۔ جدید طب نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے۔

اس میں حکمت کہ عقد نکاح کرنے والا بالغ ہو

اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل واضح اور عیاں ہے وہ کسی شرح اور تفصیل کی محتاج نہیں ہے یہ کسی انسان پر مخفی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عاقل اور بالغ شخص ہی امور کے انجام کا ادراک کر سکتا ہے۔ وہ ان پر مترتب ہونے والے نفع اور نقصان کو سمجھ سکتا ہے خواہ وہ ابتداء میں ہوں یا اختتام پر۔ اِسی لیے شارع حکیم نے نکاح کے جواز اور نفاذ کے لیے شرط عائد کی ہے کہ عاقد بالغ ہو۔ ''البدائع'' میں ہے:

''نکاح کے نفاذ اور جواز کی شرائط کی تفصیلات کی کئی انواع ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عاقد بالغ ہو۔ دانا بچے کا نکاح اگرچہ ہمارے اصحاب کی رائے پر ہے کہ وہ منعقد ہو جائے گا لیکن وہ نافذ نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے نفاذ کا دارومدار اس کے سرپرست کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ کیونکہ تصرف کا نفاذ مصلحت کی وجہ کی بنیاد پر ہوتا ہے جبکہ بچہ کھیل اور کود میں موجود ہوتا ہے اس لیے وہ اس پر آگاہ نہیں ہوتا اس لیے اس کا تصرف نافذ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سرپرست کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اس کا انحصار اس کی بلوغت پر نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر وہ سرپرست کی اجازت سے پہلے ہی بالغ ہو گیا بلوغت کی وجہ سے اس کا نفاذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عقدِ نکاح سرپرست کی اجازت اور رضا پر موقوف منعقد ہو گیا ہے کیونکہ شرعاً بچے کی رضا کا اعتبار ساقط ہو گیا۔ بلوغت کی وجہ سے ولی کی سرپرستی ختم ہو گئی جب تک وہ بذات خود اجازت نہ دے گا اس کا نفاذ نہ ہو سکے گا۔''

خاوند کے اپنی بیوی کو ادب سکھانے میں حکمت

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ (النساء:۳۴)

ترجمہ: مرد محافظ ونگران ہیں عورتوں پر۔

اگر معاملہ اس طرح ہے تو شارع حکیم نے خاوند کے لیے مباح قرار دیا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو ادب سکھائے جب وہ اس کی طرف سے لڑائی جھگڑا دیکھے۔ یا اس کی اس اطاعت میں اعتدال نہ دیکھے جس کی حدود شارع حکیم نے بیان کر دیں ہیں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ خاوند پہلے نرمی سے سمجھائے۔ اگر بیوی نہ مانے تو بہتر ہے جدا کر دے۔ اگر وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو اسے ڈرائے اکثر اوقات عورت صحیح راستہ کی طرف لوٹ آتی ہے۔ ''البدائع'' میں ہے:

''مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عورت کو ادب سکھائے۔ جبکہ وہ عورت ایسے امور میں اس کی اطاعت نہ کرے جن کے لیے اس پر مرد کی اطاعت لازم ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ مرد کے ساتھ جھگڑا کرے۔ مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ادب سکھائے لیکن اس میں ترتیب پیش نظر رکھے۔ پہلے عورت کو نرمی اور رفق کے ساتھ سمجھائے۔ وہ اسے یوں کہے: ''پاکباز، عاجزی کرنے والی ان عورتوں میں سے ہو جا۔ جو مخفی امور کی حفاظت کرتی ہیں اس اس طرح کی نہ بن جا۔ شاید وہ عورت اس کی نصیحت قبول کرے وہ جھگڑا چھوڑ دے۔ ممکن ہے کہ اسے نصیحت فائدہ دے۔ وہ خاوند کے بستر کی طرف لوٹ آئے۔ ورنہ خاوند اسے بستر سے جدا کر دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خاوند پہلے اسے چھوڑ کر، اس سے دور ہو کر اس کے ساتھ مباشرت ترک کر کے اور اسے بستر سے جدا کر کے ڈرائے۔ اگر جھگڑا چھوڑ دے تو بہتر ورنہ اسے چھوڑ دے۔ شاید وہ اس فراق کو پسند نہ کر سکے۔ پھر اس چھوڑنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ اس طرح اسے چھوڑے کہ اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے۔ اس کے ساتھ بستر پر نہ لیٹے دوسرے قول کے مطابق اسے چھوڑ دے۔ اسے بستر سے جدا کر دے۔ اس کی باری اور نوبت میں دوسری بیوی کے ساتھ مباشرت کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اس عورت سے اس وقت مباشرت نہ کرے جب اس پر شہوت کا غلبہ ہو۔ اگر وہ اس طرح چھوڑنے کی وجہ سے جھگڑا چھوڑ دے تو بہتر ورنہ اسے اس طرح مارے کہ اسے سخت درد نہ ہو۔ اس میں اصل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ

(النساء: ۳۴)

ترجمہ: اور وہ عورتیں اندیشہ ہو تمہیں جن کی نافرمانی کا تو (پہلے نرمی سے) انہیں سمجھاؤ اور (پھر) الگ کر دو انہیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انہیں۔

ظاہر میں اگرچہ ان امور کو جمع کرنے کے لیے واؤ استعمال کی گئی ہے لیکن انہیں ترتیب

سے جمع کرنا مراد ہے۔ اگر مارنا فائدہ دے تو بہتر ورنہ معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے۔ وہ ان کے لیے دو ثالث مقرر کرے۔ ایک ثالث مرد کے اہل خانہ سے جبکہ دوسرا عورت کے اہل خانہ سے ہو۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ (النساء:۳۵)

ترجمہ: اور اگر خوف کرو تم ناچاقی کا ان کے درمیان تو مقدر کرو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے اگر وہ دونوں (پنچ) ارادہ کریں گے صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کر دے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان۔

اسی طرح اگر عورت کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو ممنوع ہو لیکن اس میں شرعی حد نہ ہو تو خاوند تعزیراً اسے ادب سکھا سکتا ہے کیونکہ خاوند اپنی بیوی کو تعزیراً اسی طرح ادب سکھا سکتا ہے جس طرح آقا اپنے غلام کو تعزیراً ادب سکھا سکتا ہے۔

اس موضوع پر رب کا فیصلہ یہی ہے اگر تم چاہو کہ تم ان جھگڑوں سے آگاہ ہو جاؤ جو خاوند اور اس کی بیوی کے مابین رونما ہوتے ہیں تو پھر شرعی عدالتوں میں چلے جاؤ تم وہاں عجیب وغریب واقعات سنو گے اکثر مقدمات خرچے کے متعلقہ ہوں گے جن کا تذکرہ کرنا اس جگہ مناسب نہیں۔

ایک عرب خاتون کی اپنی لخت جگر کو نصیحت

عرب کی ایک خاتون امامۃ تغلبیہ نے اپنی نور نظر ام ایاس بنت عوف کو اپنے خاوند کے گھر جانے سے پہلے یہ نصیحت کی: ''اے میری پیاری بچی! اگر وصیت کو اس لیے ترک کر دینا اس لیے روا ہوتا کہ جس کو وصیت کی جا رہی ہے وہ عقلمند اور زیرک ہے تو میں تجھے وصیت نہ کرتی لیکن وصیت غافل کے لیے یادداشت اور عقلمند کے لیے ایک ضرورت ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے اس لیے مستغنی ہو سکتی کہ اس کے والدین بڑے دولتمند ہیں اور وہ اسے اپنی جان سے بھی عزیز رکھتے ہیں تو تُو سب سے زیادہ اس بات کی مستحق تھی کہ اپنے خاوند سے مستغنی ہو جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے لیے پیدا کیں گئیں ہیں اور مرد عورتوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اے میری نور نظر! آج تو اس فضا کو الوداع کہہ رہی ہے جس میں تو پیدا ہوئی۔ آج تو اس نشیمن کو چھوڑ رہی ہے جس میں تو نے نشوونما پائی۔ ایک ایسے آشیانے کی طرف جا رہی ہے جسے تو نہیں جانتی

اور ایک ایسے ساتھی کی طرف کوچ کر رہی ہے جس کو تو نہیں پہچانتی۔ وہ تجھے اپنے نکاح میں لینے سے تیرا نگہبان اور مالک بن گیا ہے تو اس کے لیے فرمانبردار کنیز بن جا۔ وہ تیرا وفادار غلام بن جائے گا۔ اے میری لختِ جگر! اپنی ماں سے دس باتیں یاد کر لے یہ تیرے لیے قیمتی سرمایہ اور مفید یاد داشت ثابت ہوں گی۔ سنگت قناعت سے دائمی بنے گی اور باہمی میل جول اس کی بات سننے اور اس کا حکم بجالانے سے پر مسرت ہوگا۔ جہاں جہاں اس کی نگاہ پڑتی ہے ان جگہوں کا خاص خیال رکھ۔ جہاں جہاں اس کی ناک سونگھتی ہے اس کے بارے میں محتاط رہ تاکہ اس کی نگاہ تیرے جسم اور لباس کے کسی ایسے حصے پر نہ پڑے جو بدنما اور غلیظ ہو۔ تجھ سے اسے بدبو نہ آئے بلکہ خوشبو سونگھے۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا۔ سرمہ حسن کی افزائش کا بہترین ذریعہ ہے اور پانی گمشدہ خوشبو سے بہت زیادہ پاکیزہ ہے۔ اس کے کھانے کے وقت کا خیال رکھنا۔ جب وہ سوئے تو اس کے آرام میں مخل نہ ہونا۔ کیونکہ بھوک کی حرارت شعلہ بن جایا کرتی ہے۔ نیند میں خلل اندازی بغض کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کے گھر اور مال کی حفاظت کرنا۔ اس کی ذات کی، اس کے نوکروں کی اور اس کے عیال کی ہر طرح خبر گیری کرنا۔ اس کے راز کو افشا مت کرنا اس کی نافرمانی مت کرنا اگر تو اس کے راز کو فاش کر دے گی تو اس کے غدر سے محفوظ نہیں رہ سکے گی اگر تو اس کے حکم کی نافرمانی کرے گی تو اس کے سینہ میں تیرے بارے غیظ و غضب بھر جائے گا۔ جب وہ غمزدہ اور افسردہ ہو تو خوشی کے اظہار سے اجتناب کرنا۔ جب وہ شاداں اور فرحاں ہو تو اس کے سامنے منہ بسور کر مت بیٹھنا۔ پہلی خصلت آداب زوجیت کی ادائیگی میں کوتاہی ہے دوسری خصلت دل کو مکدر کر دینے والی ہے۔ جتنا تم سے ہو سکے اس کی تعظیم بجالانا وہ اسی قدر تمہارا احترام کرے گا۔ جس قدر تم اس کی ہم نوا ہوگی۔ وہ اسی قدر تمہیں اپنا رفیق حیات بنائے رکھے گا اچھی طرح جان لو کہ تم جس چیز کو پسند کرتی ہو اسے نہیں پا سکتی جب تک تم اس کی رضا کو اپنی رضا پر اور اس کی خواہش کو اپنی خواہش پر ترجیح نہ دو۔ خواہ وہ بات تمہیں پسند ہو یا ناپسند۔ اے بیٹی! اللہ تعالیٰ تیرا بھلا کرے۔ میں تجھے رب تعالیٰ کے سپرد کرتی ہوں۔

قدیم فراعنہ کی خاوند اور بیوی کو نصیحت

سابقہ فصل میں ہم نے عرب کی سردار عورتوں میں سے ایک عورت ''امامۃ تغلبیہ'' کی وہ وصیت ذکر کی ہے جو اس نے اپنی نور نظر ام ایاس بنت عوف کو کی تھی۔ اب ہم وہ نصیحت ذکر کرتے

ہیں جو قدیمی فراعنہ نے خاوند اور اس کی بیوی کو کی تھی تا کہ تمہیں علم ہو سکے کہ مرد اور اس کی بیوی کے مابین حقیقی زندگی حسن معاشرت کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔ یہ حقیقی زندگی نرمی، رفق اور عمدگی کے ساتھ معاملات چلانے سے ہی ہو سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ ہی خاوند اور بیوی کو سعادت بھری زندگی نصیب ہو سکتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو خوشگوار زندگی مل سکتی ہے۔ اب وہ نصیحت پڑھو جو ایک نوجوان لڑکی کو کی گئی۔

''تم اپنے شرف کا تحفظ کرو۔ اپنے والدین کے لیے تکلیف پیدا کرنے سے اجتناب کرو۔ جب تمہاری شادی ہو جائے تو اپنے خاوند کا احترام کرو۔ اس کی گفتگو کا احترام کرو۔ کام کے بعد اسے جو فرصت ملے اسے غنیمت سمجھو۔ اپنے تبسم اور نرمی کے ساتھ اس کے کام کاج میں تخفیف پیدا کرو۔ اپنے خاوند کے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو۔ خصوصاً جبکہ وہ اس معاملہ کا خاص خیال رکھتا ہو۔ وہ اس میں سختی کرتا ہو۔ ممکن ہے دونوں طرف سے تلخ کلامی کا نتیجہ زوجیت کے تعلق کے اختتام پر ہو۔ اس میں بہت بڑی خرابی اور فساد ہے اپنے خاوند کے اہل خانہ کو اچھائی کے ساتھ یاد کرو۔ اس کی والدہ کا احترام کرو۔ یہ جان لو کہ تمہارا اس کی بیوی بننے سے پہلے وہ اس کی ماں ہے۔ رب تعالیٰ نے تمہارے خاوند پر فرض قرار دیا ہے کہ وہ اس کی اطاعت بجالائے۔ اس سے محبت کرے۔ اس کے والد کا بھی احترام کرو۔ اسے اپنا باپ بنالو۔

تمہاری اولاد تمہارے جسم اور خون کا حصہ ہے ان کے امور کی طرف تمہارا فرض اولین ہونا چاہیے۔ مصر کے لیے ایک عمدہ نسل پیدا کرو جو اپنے وطن سے محبت کرے۔ اہلِ وطن سے محبت کرے۔ تم اپنے گھر میں ایسی ملکہ ہو جو چھوٹی سی مملکت کے امور چلاتی ہے۔ دلائل سے ثابت کر دو کہ تم اس منصب کے اہل ہو۔ تا کہ معبودان (باطلہ) تم سے راضی ہو سکیں۔''

اسی طرح ان فرعونوں نے مرد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''تم اپنے گھر میں سردار بنو۔ اپنی زوجہ سے خالص محبت کرو۔ اسے اتنا کھانا فراہم کرو جو اس کی کفایت کرے۔ اس کے لیے مختلف لباس تیار کراؤ۔ اس کے لیے خوشبو خریدو۔ وہ خوشبو سے محبت کرتی ہے، جب تک تم زندہ ہو اس وقت تک اسے سعادت مند بنا دو۔ بلاشبہ عورت اپنے خاوند کا آئینہ ہوتی ہے۔ خاوند جو کچھ اس کی سعادت اور خواہش کے لیے خرچ کرتا ہے وہ سب کچھ اس آئینہ میں منعکس ہو جاتا ہے۔ اپنے گھر میں سخت مت بنو نرمی عورت کے دل میں سختی کو ختم کر دیتی ہے۔ وہ بدسلوکی بھی ختم ہو جائے گی جو اسے اشتعال دلاتی رہتی ہے۔ بیوی جو آرزو کرے اگر ہو سکے تو اسے پوری کرو۔ اس سے راضی

رہو۔ اس کو راضی رکھنے کی کوشش کرو۔ تم سعادت مند زندگی بسر کرو گے۔ ورنہ تمہارا انجام برا ہوگا۔ اپنی بیوی کو اپنا قرب دو۔ اسے عمدہ ناموں سے پکارو۔ اس کا احترام کرو! اس کے لیے اپنی محبت ظاہر کرو۔ اپنی مودّت کا اظہار کرتے رہو۔ اپنی والدہ کے غضب سے بچو۔ اگر اس نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کر دی اور شکایت کر دی تو رب تعالیٰ اس کی شکایت کو سن لے گا اور اس پر تمہیں سزا دے گا۔

ختنے کی حکمت

اس میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کی پاکیزہ ملت کی اقتداء ہے رب تعالیٰ اس ملت کے بارے فرماتا ہے:

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ (آل عمران:۹۵)

ترجمہ: تم پیروی کرو ملت ابراہیمؑ کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے اور (بالکل) نہ تھے وہ شرک کرنے والوں سے۔

ختنے کے مسئلہ میں عیسائیوں کے گروہوں میں بہت زیادہ اختلاف رونما ہوا۔ بعض گروہ کنیسا کی اتباع کرنا چاہتے تھے۔ بعض اس کی مخالفت کرنا چاہتے تھے۔ عیسائی کے مابین بہت زیادہ جنگ آزمائی ہوتی رہی۔ بالآخر انہوں نے ختنہ حرام قرار دے دیا۔ کیونکہ یہ مسلمانوں اور یہودیوں کی امتیازات میں سے تھا۔ وہ کہتے تھے کہ رب تعالیٰ کی مخلوق کو بگاڑنے کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں لیکن ان کا یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ جدید طب نے ختنے کے بہت سے فوائد بیان کیے ہیں۔ جس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ دین اسلامی صرفؔ اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں امت کے لیے خیر وفلاح ہے۔

اسٹریلیا کے سابقہ باشندوں میں ختنہ کرانے کا رواج تھا۔ اب بھی الاتنین کے قبائل امریکہ میں اور البوتوس کے قبائل افریقہ میں یہ رواج ہے تاریخ بیان کرتی ہے کہ قدیمی مصری باشندے اپنے شہروں میں اکثر ختنے کراتے تھے۔ اب میں تمہارے سامنے وہ تفصیلات پیش کرتا ہوں جو جدید طب نے ختنے کے موضوع پر بیان کیں ہیں۔

یہ رب تعالیٰ کی حکمت ہے یہ اس بات کی سب سے سچی دلیل ہے کہ قرآن پاک اس کا قدیم کلام ہے کہ مغرب میں ڈاکٹرز نے ختنہ کو لازم قرار دیا ہے وہ اسے بہت سی امراض کا علاج

سمجھتے ہیں۔ آج بھی ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ ختنے سے بہت سی مہلک امراض سے بچا جا سکتا ہے۔ میں طوالت سے بچے، قارئین کے لیے چند شواہد پیش کرتا ہوں۔

۱- جب جریان کا کوئی مریض ہسپتال جاتا ہے تو ڈاکٹر اسے ختنہ کرانے کا حکم دیتا ہے۔ اگر اس شخص کا بچپن میں ختنہ نہ ہوا ہو۔ اس طرح ان جراثیموں کے متعدی ہونے کا امکان ختم ہو جاتا ہے جو پیشاب کرنے کے اس جلد میں باقی رہ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر کے لیے اس جگہ کو دھونا اور اسے صاف کرنا بھی ممکن ہو جاتا ہے لیکن اگر آلہ تناسل پر وہ جلد باقی رہے گی تو یہ امور مشکل ہو جائیں گے۔

۲- اگر کسی شخص کو سوزاک کا مرض لاحق ہو جائے تو مریض کے لیے بہتر ہوتا ہے کہ وہ ختنہ کرا لے۔ تاکہ زخم کا صحیح طرح علاج ہو سکے تاکہ وہ زخم جلدی سے ٹھیک ہو سکے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سوزاک کا زخم اس جلد کے نیچے ہو جسے ختنے میں کاٹا جاتا ہے۔ بعض اوقات مریض کو درد نہیں ہوتا۔ سیمابی مرکبات دینے سے پہلے یا (۶۰۶) جدید ٹیکے لگانے سے پہلے ہی اس مرض کا پہلا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ختنہ اس خوفناک بگاڑ اور فساد سے روکتا ہے جو مریض کو اس مرض کے دوسرے دور میں لاحق رہتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مرض کے سخت حملہ میں تخفیف اور اسے کنٹرول کرنے کا دار و مدار اس امر پر ہے کہ وہ دواء کتنی جلدی مریض تک پہنچائی جاتی ہے جو اس مرض کا مقابلہ کر سکے اسی لیے بہتر ہے کہ اولاد کے سن بلوغ سے پہنچنے سے پہلے پہلے اس کا ختنہ کرا دیا جائے تاکہ اس خطرے کا امکان کم از کم ہو سکے۔

۳- بعض اوقات یہ جلد تنگ ہو جاتی ہے وہ اکڑ جاتی ہے جس سے حشفہ بند ہو جاتا ہے چہ جائیکہ کہ اس حالت سے پیدا ہونے والی حالت سے انسان کو آرام آئے، حشفہ ہمیشہ کے لیے بگڑ جاتا ہے اس مرض کا کامیاب ترین علاج یہ ہے کہ مریض کا ختنہ کرایا جائے۔ جب مریض کا ختنہ ہو جائے گا تو اس کا درد بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کے حشفہ کی خرابی بھی ختم ہو جائے گی۔

۴- جب اوقات اس جلد پر سخت سوزش ہونے لگتی ہے پھر یہ سوزش حشفہ کی طرف چلی جاتی ہے بجائے اس کے کہ یہ اسے پھیلنے سے روکے اس کے اثرات مباشرت کے وقت بری طرح عیاں ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ کیفیت یہ ہو جاتی ہے۔ مرد میں اتنی استطاعت بھی نہیں

رہتی کہ وہ اپنا مادہ منویہ اپنی زوجہ کی رحم تک پہنچا سکے۔ وہ شخص معذور ہو جاتا ہے اگر انسان کا ختنہ ہوا ہو تو نہ تو یہ مرض لاحق ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

5- بعض اوقات دریاؤں اور تالابوں کے پانیوں میں موذی مرض مثلاً بلہارسیا (ایک مرض) کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ جب آدمی اس پانی میں غسل کرتا ہے تو بعض جراثیم اس جلد میں چلے جاتے ہیں وہاں اس قدر حرارت ہوتی ہے کہ یہ جراثیم پھلتے رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ پیشاب سے نکلنے والی رطوبتیں بھی وہیں ہوتی ہیں۔ جب جراثیم بڑھتے ہیں تو وہ پیشاب کی نالی میں چلے جاتے ہیں۔

اسے خراب کر دیتے ہیں یا وہ خون میں شامل ہو جاتے ہیں جسم پر اس کے نقصان اثرات عیاں ہونے لگتے ہیں ہر مصری جانتا ہے کہ اس مرض سے ورم کو جو ناسور پیدا ہوتے ہیں اور سوزش اور ورم کے کتنے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اس مرض پر دیگر امراض کو قیاس کرلو جن کے جراثیم کے بارے عام لوگ نہیں جانتے پھیل سکیں نہ ہی اس مرض کے جراثیم جسم میں داخل ہو سکیں اور اس کے اثرات عیاں ہو سکیں۔ شکا گو یونیورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب نے ایک رسالہ (ذی میڈ کالبرین) ختنہ کے موضوع پر ایک مقالہ بھی لکھا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

وہ چیزیں جو قدیمی مصریوں کی ترقی ثابت کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہل مصر اپنے شہروں میں بہت زیادہ ختنہ کرتے تھے۔ ختنہ بہت سے امراض سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ خصوصاً بلہارسیا کے مرض نے بچا جا سکتا ہے۔ یہ مرض مصر، سوڈان اور بہت سے گرم ممالک میں پایا جاتا ہے اگر آج کا ڈاکٹر صحیح غور وفکر اور سوچ و بچار کرے تو اسے علم ہوتا کہ یہ رسم طبی اصول کے طور پر اپنائی گئی نہ کہ صرف مذہبی نظام کی وجہ سے جیسا کہ ہم پہلے گمان کرتے تھے۔'' پھر اس نے نوآبادیاتی حکومتوں کو مشورہ دیا کہ جن شہروں میں یہ مرض زیادہ پایا جاتا ہے وہاں کے لڑکوں کا ختنہ کرایا جائے۔ یورپ کے ان باشندوں کا بھی ختنہ کرایا جائے تو ان ممالک میں رہنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اس مہلک مرض سے بچ سکیں جس کا ابھی تک علاج دریافت نہیں ہوا۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ ایک درہم سے بچاؤ کرنا علاج پر ایک خزانہ خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ محمد مصطفی ﷺ نہ تو جادوگروں میں سے تھے نہ ہی ان کا تعلق یہودیوں کے ساتھ تھا۔ بلکہ وہ نبی کریم اور رسول مکرم ﷺ تھے۔ وہ دین حق اور ہدایت لے کر تشریف لائے۔ وہ سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔

اس کے لیے یہی بطور دلیل کافی ہے کہ آپ نے ہمیں ختنہ کرانے کا حکم دیا جس کے فوائد

ہم نے اختصار کے ساتھ ذکر کر دیے ہیں۔ زمانہ نے ختنہ کے اور بھی بہت سے فوائد اور حکمتیں عیاں کیں ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے: ''ختنے میں حکمت یہ ہے کہ حشفہ کی حس کی قوت جس وقت تک یہ جلد سے ڈھکا رہتا ہے بہت قوی ہوتی ہے۔ جب ختنے کی وجہ سے اس جلد کو کاٹ دیا جاتا تو حشفہ سخت ہو جاتا ہے لذت کی یہ حس کمزور ہو جاتی ہے یہ لذت کی قلت کی وجہ سے ہماری شریعت مطہرۃ کے مناسب ہو جاتا ہے۔ نہ کہ جب اسے کاٹ دیا جائے جس طرح ''المانویہ'' کرتے ہیں۔ یہ افراط ہے جبکہ اس جلد کو برقرار رکھنا تفریط ہے۔ ختنہ کرانا عدل ہے۔

ختنہ کی اصل اور اس کی تاریخ

تم نے سابقہ فصل میں ختنہ کی عظیم حکمتیں ملاحظہ کیں۔ اسلام نے کس طرح اس کا حکم دیا ہے اور اس منفعت عامہ کی وجہ سے اس پر زور دیا ہے جس کا فائدہ انسان کو ہی ہوتا ہے۔ بعض اطباء نے ختنہ کی اصل اور تاریخ کے بارے گفتگو کی ہے۔ اس موضوع پر بعض اطباء نے جو کچھ کہا ہے ہم تمہارے سامنے اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

''وہ افراد جو اقوام کی خصوصیات اور احوال کا مطالعہ کرتے ہیں ان کے لیے یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ انسان نے ختنہ کرانے کی ابتداء کب کی۔ وہ ان اسباب اور محرکات کی وجہ سے بھی ورطۂ حیرت میں ہیں جن نے انسان کو یہ عادت اپنانے پر مجبور کیا۔ ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ بعض قبائل ختنہ اس لیے کراتے تھے کیونکہ وہ اسے اپنے لیے ایک امتیازی علامت سمجھتے تھے جس کی وجہ وہ خود کو دوسروں سے ممتاز سمجھتے تھے۔ جس طرح کہ سوڈان کے بعض قبائل اپنے رخساروں کو نشتر سے تھوڑا تھوڑا چیر لیتے ہیں یا کہ وہ کاٹنے والے دانتوں میں سے ایک دانت اکھاڑ لیتے ہیں۔ بعض اس کا سبب مسحور کن تحفظ سمجھتے ہیں۔ بعض اسے دینی عقیدہ سمجھتے ہیں جس کے تقاضا کے مطابق ایک فرد اپنے جسم کا ایک جزء اپنے نفس پر قربان کرتا ہے۔ اس سے اپنے رب تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے۔ بعض یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی خصوصیت ہے۔

ختنہ کرانے کی عادت پرانے زمانہ سے راسخ ہے دنیا کے دور دراز علاقوں میں مختلف انسانی اقوام میں اس کا پھیل جانا اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ پرانی زمانہ میں بھی لوگوں کی فطرتیں جدا جدا تھیں۔ کوئی براعظم بھی ایسی قوم سے خالی نہ رہا جو اس عادت کا تجربہ نہ کرتی ہو۔

...ام قبائل میں اسٹریلیا کے باشندوں کو دیکھو گے۔ اسی طرح الجالا، الفلاشتہ یہودیوں کے قبائل
...یقا میں ختنہ کراتے تھے۔ اسی طرح الاوتاہیت، التونجا کے جزائر کے باشندے، الولینزیا، جزیرہ
...اور جدید کالیدونیا کے قبائل ختنہ کرایت تھے۔ جب چار سو سال قبل اسبانیوں نے امریکہ
...یافت کیا انہوں نے دیکھا کہ انھوالجل کے قبائل، المکسیک کے پرانے شہروں میں لوگ ختنہ
...اتے تھے جس طرح کہ وہ دیکھتے تھے کہ جنوبی امریکہ میں حوض نہر الامازون کے لوگ ختنہ
...اتے تھے۔ ۱۴۰۰ قبل از میلاد سے قدیم مصری باشندے ختنہ کراتے تھے۔ تم دیکھو گے کہ
...ہوں نے الکرنک میں خونسو کے معبد کی دیوار پر دو ختنہ شدہ بچوں کی تصاویر بھی بنائی ہوئیں تھیں۔
...ریخ میں یہ تذکرہ بھی ہے کہ مر بنبتاح کے زمانہ میں بحر روم کے باشندوں میں ایک قوم نے مصر پر
...لہ کر دیا وہ قوم بھی ختنہ کرتی تھی۔ ختنہ اعلیٰ قبائل کے امتیازات میں سے ہے بالخصوص یہودی ختنہ
...کراتے تھے زمانہ قدیم میں بنو اسرائیل مردوں کا ختنہ ان کی شب زفاف کے وقت کرتے تھے۔
...دولہا کسی خوف یا ڈر کا اظہار کرتا تھا تو یہ اس کی قوت مردانگی کی قلت کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ اس
...کی دلہن اسے چھوڑ کر چلی جاتی تھی۔ وہ اسے عار دلاتی تھی، مجھے بعض عمر رسیدہ افراد سے معلوم ہوا
...ہے کہ القلیین کے شہر مینا القمح کے مرکز میں یہ رواج تھا کہ مرد کا ختنہ اس کے روزِ زفاف کو کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی اولاد اور ان کے خدام پر ختنہ فرض کیا رب تعالیٰ
...نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا نام ابرام سے تبدیل کر کے ابراہیم رکھ لیں کیونکہ وہ عنقریب ابو البشر بنیں
...گے۔ (سفر تکوین ۱۷، ۲۳، ۲۷) حضرت ابراہیم نے اپنے نور نظر حضرت اسماعیل کو لیا اپنے گھر
...کے سارے بچوں کو لیا۔ سارے پیروکاروں کو لیا، انہوں نے اپنے گھر کے ہر مذکر کو لیا اور اس گھر
...میں سب کے ختنے کر دیے جسے اس مقصد کے لیے معین کیا گیا تھا۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا تھا۔
...جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ہوا اس وقت ان کی عمر ۹۹ سال تھی۔ اس وقت حضرت اسماعیل کی عمر تیرہ
...سال تھی۔ اس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل اور اپنے گھر کے سارے افراد کا
...ختنہ کر دیا۔ اسی طرح گھر کے بچوں، زمین کے ملازمین اور سارے مردوں کا ختنہ کر دیا گیا۔

یہودی اپنے بچے کی ولادت کے آٹھویں روز اس کا ختنہ کرتے ہیں۔ جس طرح کہ
...حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے نور نظر حضرت اسحاق علیہ السلام کا ختنہ کیا تھا۔ سفر تکوین میں ہے:

"تمہاری نسلوں میں ہر مذکر کا ختنہ آٹھویں روز کر دیا جاتا ہے۔"

یہود جب تک سرزمین مصر میں قیدیوں کی طرح رہے وہ یہ فریضہ سر انجام دیتے رہے لیکن

تیہ کے ریگستان میں انہوں نے ختنہ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے نورِ نظر کا ختنہ نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت صفورہ نے رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے ہوئے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کا ختنہ کیا۔ سفر الخروج (۴) میں ہے:

"المغزل (کاتنے کی جگہ) کے رستہ میں انہوں نے بیان کیا کہ ان کے رب نے ان کے ساتھ ملاقات کی اور کہا کہ اسے قتل کر دیں۔ صفورہ نے چقماق کا پتھر لیا۔ اپنے نورِ نظر کے ختنہ کی کھال کاٹ دی۔ اور اس کی ٹانگوں کو مس کیا۔"

جب بنو اسرائیل اپنے وعدہ کی سرزمین کنعان پہنچے تو وہ دوبارہ ختنہ کرنے لگے۔ وہ پتھر کی چھریوں سے جنجال جگہ میں ختنے کرنے لگے جیسا کہ یشوع میں ہے:

"اس روز رب تعالیٰ نے یشوع سے کہا: اپنے لیے پتھر کی چھریاں بنالو۔ واپس لوٹ جاؤ اور بنو اسرائیل کا پھر سے ختنہ کرنا شروع کرو، یشوع نے پتھر کی چھریاں بنالیں اور وہ "الغلف" کے ٹیلے پر ان کے ختنے کرنے لگے اس طرح ان میں دوبارہ ختنہ ہونے لگا کیونکہ وہ ساری اقوام جو مصر سے عازمِ سفر ہوئیں تھیں ان کے مرد اور جنگجو افراد میدان تیہ میں مر گئے تھے اور اس ریگستان میں ان کے ہاں جو بچے پیدا ہوئے تھے ان کے ختنے نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ بنو اسرائیل چالیس سال میدان تیہ میں سرگراں رہے۔ حتیٰ کہ ساری اقوام کے جنگجو افراد مر گئے۔ انہوں نے ہی رب تعالیٰ کا فرمان نہ سنا تھا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ انہیں وہ سرزمین نہیں دکھائے گا۔ اس نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ انہیں وہ سرزمین نہیں دکھائے گا جو دودھ اور شہد سے لبریز ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے ان کی اولاد کو ان کے قائم مقام بنایا۔ اسی اولاد کا ہی حضرت یشوع نے ختنہ کیا کیونکہ راستہ میں ان کے ختنہ نہیں ہوئے تھے۔ جب تک ان کے ختنے نہیں ہو گئے اس وقت بنو اسرائیل ایک جگہ رک گئے۔ حتیٰ کہ ان کے زخم مندمل ہو گئے۔ رب تعالیٰ نے یشوع سے فرمایا: "آج میں نے تم سے مصر کی عار ختم کر دی ہے۔ اسی لیے آج تک اس کو "الجلجال" کہا جاتا ہے۔ یہودی اپنے گھروں اور کنائس میں اپنی اولاد کے ختنے کرتے ہیں۔ بچے کا والد اس عمل کو سرانجام دیتا ہے یا اس کام کے لیے ایسا شخص متعین کیا جاتا ہے جو عمدہ سیرت رکھتا ہو اور دین داری کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ نیز یہ کہ وہ اس عمل کی اجرت نہ لے۔ بلکہ وہ یہ کام صرف رضائے الٰہی کے لیے کرے۔ وہ ختنہ یا تو چقماق کے پتھر سے یا شیشے کی چھری سے کرتے تھے۔ بنو اسرائیل میں اس میں نمونہ تھا لیکن بعد میں کسی سخت اور ٹھوس چیز کے اوزار استعمال کرنے لگے تھے ان کے لیے یہ بھی لازم تھا کہ ختنہ کرتے وقت

خون نکلے۔ وہ پہلے تو زخم چوستے تھے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ خون نکلتے پھر خون کو شراب سے روک دیتے تھے۔ یہ شراب ختنہ کرنے والا اپنے منہ سے چھڑکتا تھا۔ لیکن اب یہ سارے امور ختم ہو چکے ہیں۔ یہودیوں کی عادت یہ بھی تھی کہ وہ جدا ہونے والی جلد کو یا تو دفن کر دیتے تھے یا اسے جلا ڈالتے تھے۔ یہودی اس ختنے کو طہارت سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ طہارت یا تو ظاہریہ تھی وہ ختنہ تھی۔ یا طہارت باطنیہ تھی۔ وہ دل کی طہارت تھی۔ کتاب المقدس ارمیاء۔ (۹-۲۵)

مورخین کہتے ہیں کہ ہرکانوس نے الاشید ومیین کو ختنے کرنے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ وہ اسے اس کام کی اجرت دیتا تھا جبکہ بطلیموس ایفانیس نے اپنے دو بیٹوں (انطونیس اور اجیالوس) کا ختنہ کیا تھا لیکن مطلق العنان بادشاہ یوسنیانس نے رومانیوں پر اسے حرام قرار دیا تھا۔ جو ختنہ کراتا تھا وہ اسے قتل کر دیتا تھا۔ انطیوکوس ایفانیس نے بھی اس کی اتباع کی اس کی وجہ سے بہت سے یہودیوں کو سزا دی گئی۔ انہیں تہ تیغ کر دیا گیا۔ اسی طرح حکمران ہادریانوس و قسطنطین نے بھی اسے حرام قرار دیا تھا۔ جب مسلمان اندلس کے شہروں سے جلا وطن ہو گئے تو ان کے بقیہ آثار کے بارے فیصلہ کرنے کے لیے محکمہ تفتیش قائم کیا گیا۔ انہوں نے آخری عہد میں ختنہ حرام قرار دے دیا۔ عیسائیوں کو ختنہ نہ کرانے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ان کی اکثریت ختنہ کراتی ہے جس طرح کہ الاحباش ختنہ کراتے ہیں۔ ایطالیا میں بارہویں صدی میں ایک عیسائی گروہ کو غلبہ نصیب ہوا جسے سر کمیسی کہا جاتا تھا۔ وہ ختنہ کا حکم دیتے تھے جیسا کہ اس کا نام ہی اس بات پر دلالت کر رہا ہے۔ ختنہ سنت کونیہ ہے جیسا کہ مسلمانوں کے نزدیک داڑھی سنت کونیہ ہے (مصر کے) کے جمہور علماء نے یہی فتوٰی دے دیا ہے ختنہ پر عجیب و غریب امور کا اضافہ کر دیا گیا ہے جیسے ابوسنہ کے شہروں میں ختنہ کے بعد پورا ایک ماہ بچے کو پانی نہیں دیا جاتا۔ جنوبی افریقا کے بعض کافر قبائل میں بھی بچوں کا ختنہ کیا جاتا ہے یہ ختنہ اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ قریب البلوغ ہوتے ہیں۔ ایک بڑا اجتماع ہوتا ہے، وہ ان بچوں کو مارتے ہیں حتیٰ کہ ان کی جلد سے خون نکلنے لگتا ہے۔ پھر ان کے زخموں پہ سرخ مرچیں چھڑکیں جاتی ہیں تاکہ درد پر ان کا صبر دیکھا جا سکے اس کے بعد ان کا ختنہ کیا جاتا ہے قبیلہ مساوی (یہ قبیلہ مشرق افریقہ کے قریب ہے) کے جوانوں ختنہ کے وقت عورتوں جیسا لباس پہنایا جاتا ہے ان کے چہروں پر میک اپ کیا جاتا ہے وہ عورتوں کی ساری علامات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے شیاطین ان سے دور ہو جائیں گے اور ان سے انہیں کوئی اذیت نہیں پہنچے گی۔

افریقہ کے مشرق میں پائے جانے والے قبائل ''النانذی'' میں رواج ہے ختنہ سے پہلے لڑکیاں لڑکوں کو ملتی ہیں، وہ اپنے لباس اور زیورات ان لڑکوں کو دیتی ہیں تا کہ وہ انہیں پہن لیں۔ جب ختنہ مکمل ہو جاتا ہے تو وہ لڑکے شادی شدہ عورتوں کے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ عورتوں کے نمائندے کئی ماہ تک انہیں دھونی دیتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کے جسم درست ہو جائیں آسٹریلیا کے سیاہ فام قبائل بھی شادی سے قبل ختنہ کراتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو گھاس میں دوڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ان کے پیچھے ایک قوم ہوتی تھی جو شدید ضربیں لگا کر انہیں دوڑنے پر مجبور کرتے تھے حتیٰ کہ وہ تھک کر گر پڑتے تھے۔ اس کے بعد مرد آگ جلاتے تھے نوجوانوں کا شیشے کے دو ٹکڑوں کے ساتھ ختنہ کر دیا جاتا تھا۔ قبیلہ کا ایک مرد یا عورت ان کی نگرانی پر مامور کر دیا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کا زخم مندمل ہو جاتا پھر انہیں شادی کرنے کا حق مل جاتا تھا۔ یہ معاملہ بہت غریب تھا کہ وہ شخص اپنے چہرے پر لکڑی کا نقاب پہن لیتا تھا تا کہ دو ہفتے تک اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔

بعض قبائل میں رواج ہے کہ ختنے کے وقت علیحدہ ہونے والی کھال کو ایک جلد (اکانجرو) میں لپیٹ دیا جاتا ہے پھر یہ جلد اس شخص کی بیوی کو دی جاتی ہے جو ساری زندگی اس کی حفاظت کرتی ہے۔ آسٹریلیا کے وسط کے مکینوں کی عادت یہ ہے کہ وہ ختنے کے وقت نکلنے والے خون کو چاٹ لیتے تھے یا اسے اپنے سینوں یا جبینوں پر مل دیتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ اس سے ان کی قوت میں اضافہ ہو گا۔ جب ''ارونطا'' قوم اپنی اولاد کا ختنہ کراتی ہے تو ان کے مرد باآواز بلند یہ کہتے ہوئے چیختے ہیں: ''یبردد'' یہ آواز عورتیں اپنے خیموں میں سنتی ہیں۔ وہ لگاتار ختنے کرانے والوں کی بہنوں اور خالاؤں کی طرف دوڑنے لگتی ہیں وہ خواتین جن سے ان بچوں کی شادیاں ہو سکتی ہیں وہ اپنے اپنے پیٹ پر نشتر سے داغ لگاتی ہیں وہ اپنے کندھوں پر بھی داغ لگاتی ہیں ان کا عقیدہ ہے یہ چیز بچے کو درد سے روک دے گی۔ پھر وہ کھال ختنے کرانے والے کے بھائی کو دی جاتی ہے وہ اسے نگل لیتا ہے تا کہ اس کی نشوونما عمدہ ہو۔

''الکوکودوں'' جو آسٹریلیا میں کونیز لاندا کے شمال میں رہتے ہیں، کے قبائل کی عورتیں اپنے بچے کی اس کھال کو دھاگے سے سی لیتی ہے وہ اسے اپنی گردن کے اردگرد لٹکا لیتی ہے تا کہ وہ اس سے شیاطین کے شر سے محفوظ رہے اور اس کے بچے کو اذیت نہ ہو۔ ہمارے بعض مصری شہروں میں بچے کی اس کھال کو کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے پھر اسے اس کی گردن کے اردگرد لپیٹ دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ شفاء یاب ہو جائے پھر اس کپڑے کو دریائے نیل مین پھینک دیا جاتا ہے، آسٹریلیا

کے بعض قبائل ختنے کے خون کو درختوں کے چھلکوں میں جمع کرتے ہیں۔ پھر اسے ان تالابوں میں پھینک دیتے ہیں جہاں مومن کا پھول اگتا ہے ان کا اعتقاد ہے کہ یہ خون زیادہ سے زیادہ پھول اگنے میں مدد دیتا ہے وہ یہ پھول بازار میں فروخت کرتے ہیں۔

طلاق کی حکمت

شارع حکیم نے طلاق کو حلال کیا۔ اسے ناپسند کیا مگر یہ کہ اس میں کوئی ایسی مصلحت ہو جس سے مرد یا عورت یا دونوں کو فائدہ ہوتا ہو۔ یا ان دونوں کو اور ان کی اولاد کو فائدہ ہو۔ یہ معاملہ دو امور کو شامل ہیں وہ ہی طلاق کا اکثر سبب بنتے ہیں۔ پہلا امر بانجھ پن ہے۔ اگر مرد بانجھ ہو تو اس کی نسل منقطع ہو جاتی ہے شادی کی سب سے بڑی حکمت نسل کی بقاء ہے کیونکہ کائنات کی آبادی کا مدار نسل پر ہی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے وضاحت کر دی ہے۔ جب عورت بانجھ ہو تو اس کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ ایسی عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ رہنا غالباً زندگی کو مکدر کر دیتا ہے۔ اگر عورت بانجھ ہو تو طلاق میں مرد کا فائدہ ہوتا ہے اگر مرد بانجھ ہو تو اس میں عورت کا فائدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اعراض و مقاصد جو شادی کے داعی ہیں نسل کا وجود ان میں سے اہم ترین ہے۔ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ شادی شدہ جوڑوں میں سے کوئی بانجھ ہو تو اولاد کی نعمت سے ان میں سے ہر ایک کا لطف اندوز ہونا مفقود ہوتا ہے خواہ ان کے مابین کتنی ہی الفت و محبت ہو۔ سعادت مندی اور ثروت مندی کے وافر اسباب نے ان کے مابین تعلق کتنا ہی مضبوط کر دیا ہو۔ تم خوب جانتے ہو کہ دنیا کی سعادت کی تکمیل نسل سے ہی ہوتی ہے بلکہ نسل میاں بیوی کے لیے سب سے بڑی چیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ (الکہف:۴۶)

ترجمہ: مال اور فرزند (توصرف) دُنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں۔

دوسرا امر یا طلاق کا دوسرا سبب میاں اور بیوی کے مابین نفرت ہو جانا ہے ان کے مابین اختلاف، کینہ، بغض اور ہر اس امر کا وقوع ہو جانا ہے جو محبت کے مخالف ہو۔ محبت ایک محکم بنیاد ہے۔ جب یہ مفقود ہو جائے تو زوجیت کے ارکان منہدم ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فکر کے اضطراب اور بے مزہ زندگی کی گہری کھائی میں جا گرتے ہیں کیونکہ سارے امور میں اتحاد و اتفاق کامرانی اور کامیابی کی بنیاد اور ہر سعادت کا منبع ہے لیکن اگر طبیعتوں میں نفرت اور دلوں میں الفت

نہ ہوتو معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ طلاق میاں بیوی دونوں سے یہ پریشانی ختم کر دیتی ہے۔ ہم دیکھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہی کہ فلاں ان لوگوں میں سے ہے جن کے لیے کسی دینی یا غیر دینی امر کی وجہ سے طلاق دینا ممکن نہیں ہوتا۔ یا فلاں اپنے وطن سے ہجرت کر آیا ہے یہ بات اس پر بڑی گراں ہے یا فلاں نے خودکشی کر لی ہے یا اس شادی سے بچتے ہوئے اس نے اپنا دین اور مذہب چھوڑ دیا ہے جو اس کی زندگی کو مکدر بنا دیتی۔ اس کو قابل مذمت بنا دیتی۔ اکثر میاں بیوی کے مابین عداوت پیدا ہو جاتی ہے ان کے مابین عداوت اور بغض کے شعلے اٹھنے لگتے ہیں۔ یہ شعلے رشتہ داروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ ازدواجی نظام خراب ہو جاتا ہے اور سب جرائم میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ اگر میاں اور بیوی کی اولاد بھی ہوتو اس کے لیے یہ صورت حال بہت بڑی مصیبت بن جاتی ہے کیونکہ ایک بیٹا یا بیٹی جب ان کے والدین کے مابین جھگڑا، اختلاف یا تنازعہ چھوٹ پڑتا ہے وہ الجھن میں پھنس جاتے ہیں کیونکہ دونوں جب باپ یا ماں میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہ دوسری طرف محبت کے اظہار کے لیے مجبور جاتے ہیں ان کی طبیعت میں محبت، دھوکہ اور فریب کے بیج بیک وقت اگنے لگتے ہیں۔ اس سے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ آداب میں کمی ہو جاتی ہے یہی بیماری کی جڑ ہے ہر مصیبت اور بدبختی کا سبب ہے۔ دیگر وہ اقوام جو علم وعرفان کے نور سے منور ہیں جب انہوں نے طلاق میں یہ بلیغ حکمتیں دیکھیں تو انہوں نے اپنی عدالتوں سے طلاق کا قانون پاس کرایا سب سے پہلے یہ قانون ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پاس کرایا گیا۔ دین اسلام کتنا عظیم دین ہے۔ اس کا شارع کتنا حکیم ہے۔

طلاق کی ایک متعین حد ہونے میں حکمت

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (البقرۃ:۲۲۹)

ترجمہ: طلاق دو بار ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا احسان کے ساتھ۔

حضور ﷺ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (البقرۃ:۲۲۹)

کے متعلق عرض کی گئی کہ تیسری طلاق کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (البقرۃ:۲۲۹)

اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ عورت اپنے اکثر احوال میں ایسے امور کرتی ہے جن میں اس کے خاوند کی رغبت نہیں ہوتی۔ حالانکہ خاوند اس عورت سے محبت کرتا ہے۔ اس کی طرف میلان رکھتا ہے وہ اس کے فراق میں رغبت نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ وہ اس کی اولاد کو خوراک دیتی ہو۔ جب خاوند لوگوں کے اس قول پر عمل کرتا ہے۔ ''عورتیں ٹیڑھی ہوتی ہیں انہیں صرف طلاق ہی سیدھی کر سکتی ہے۔'' تو وہ اسے ایک طلاق دے دیتا ہے، اگر طلاق صرف ایک ہی ہوتی تو خاوند ایسے تنگ دروں میں گر پڑتا جو اس کی زندگی کو مقدر کر دیتے اس کا سینہ زخمی کر دیتے۔ حالانکہ اسے اپنی بیوی کی ضرورت ہوتی، لیکن اسے ایک طلاق کے بعد بیوی کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل نہ ہوتا۔ شارع حکیم نے عورت پر رحم کیا۔ مرد کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے طلاقوں کی تعداد میں رخصت دی حتیٰ کہ اس کے لیے ممکن ہو گیا کہ وہ عورت کو ادب سکھا سکے اور ایک رجعی طلاق دے کر اس کے ٹیڑھے اخلاق کو سیدھا کر سکے شاید عورت فراق کی تلخی اور طلاق کے درد کو چکھ لے۔ وہ درست ہو جائے اور اپنے خاوند کی طرف لوٹ جائے۔ جب طلاق اور طلاق کی دھمکی ایک شافی دواء اور نافع علاج ہے جس سے عورتوں کے اخلاق کو درست کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مشکل امر ہے عورت پر اس کی فطرت غالب ہوتی ہے۔ شارع حکیم نے طلاق کی ایک حد متعین فرما دی اور اسے دو لحاظ سے متعین کیا گیا ہے۔

۱- اس میں مرد پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ طلاق کے بارے مرد پر بھروسہ اس لیے نہیں کیا گیا کیونکہ اس کے بارے گفتگو کرنا ہی دل کے لیے اذیت ناک ہے کیونکہ اس میں جدائی ہے۔ طلاق کی وجہ سے گھر کے امور بدنظمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر اولاد ہو تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲- طلاق کی حد متعین کرنے میں مرد کے لیے زجر و توبیخ ہے۔ تاکہ خاوند جان لے کہ تیسری طلاق کے بعد وہ اس عورت کی طرف رجوع نہیں کر سکے گا حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے پھر وہ اسے طلاق دے دے پھر وہ عدت گزارے اس امر میں جو درد اور دکھ ہے وہ کسی دانا اور عقلمند شخص پر مخفی نہیں ہے اس میں وہ اشارہ ہے جو وضاحت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ طلاق کی تعداد کی ایک متعین حد ہے اس میں مرد اور عورت کے لیے مخفی حکمت ہے جب مرد کی طرف سے طلاق کی وجہ سے تفریق حاصل ہو گی تو وہ اس حکم کے موافق ہو گی جو شارع نے دیا ہے کیونکہ یکبار تین طلاقوں کو

شارع حکیم نے حرام قرار دیا ہے:

طلاق بدعت کے حرام ہونے میں حکمت

طلاق بدعت کی حرمت میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ عورت اور مرد دونوں کو نقصان سے روکا جائے وہ نقصان جس کا تعلق عورت کے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ جب مرد عورت کو حالت حیض میں طلاق دے گا تو اس کی عدت طویل ہو جائے گی کیونکہ وہ حیض جس میں اسے طلاق دی گئی اس کی عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی عدت تین حیض ہے اس صورت میں اس کی عدت چار حیض بن جائے گی۔ اس سے ایک اور نقصان ہوگا وہ یہ کہ عورت کے لیے اس حیض کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جس میں اسے طلاق دی گئی یہ اس آسان شریعت کے خلاف ہے جس نے عدت کی مدت تین حیض مقرر کی ہے۔ جب مرد عورت کو مباشرت کے بعد طہر میں طلاق دے گا تو ممکن ہے کہ اس عورت کو حمل ہو جائے۔ وہ طویل مدت تک یہ حمل برداشت کرے گی یہ مدت کم نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ بچے کو جنم دے گی تو اس کا خاوند نہ ہوگا۔ اس کے بعد اسے ان تمام مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جو نفقہ کے سبب واقع ہوں گی۔ خصوصاً اس وقت جبکہ شرعی عدالت میں دو دعویٰ کرنے والے جھگڑا کریں گے۔ یہ ایسی شدت اور تکلیف ہے جسے انسان بیان نہیں کر سکتا خواہ اسے جتنی بھی زبان کی فصاحت و بلاغت عطا کی گئی ہو۔

وہ نقصان جو مرد کو برداشت کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے گا تو وہ اس پر ظلم کر کے اپنی جان پر ظلم کرے گا۔ وہ اسے طویل عدت گزارنے پر مجبور کرنے پر گناہ گار ہوگا۔ اس طرح تین اعتبار سے نقصان ہوگا۔

1- مرد کو ظلم کرنے کا گناہ ملے گا۔ کیونکہ یہ عورت کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ طویل مدت یوں ٹھہری رہے۔ حتیٰ کہ اس کا وضع حمل ہو جائے جبکہ وہ مطلقہ ہو اور اس کا شوہر نہ ہو۔

2- وہ اس مدت میں نفقہ کی صعوبت برداشت کرے گا۔ اس کی وجہ سے اسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

3- اسے اپنے بچے کی پرورش کی مدت اس سے جدائی برداشت کرنا پڑے گی۔ اس مدت میں اس کا لختِ جگر اس سے جدا رہے گا۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے

دی۔ پھر حضور ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”تو نے سنت کے خلاف کام کیا ہے۔ تیرے رب نے تجھے اس طرح حکم نہیں دیا سنت طریقہ یہ ہے کہ تو عورت کے طہر کا انتظار کرے۔ پھر ہر میں اسے ایک طلاق دے دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے بارے رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے لیے عورتوں کو طلاق دے جائے۔“

روایت ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ پھر اسے چھوڑ دے حتیٰ کہ اسے حیض آجائے پھر وہ پاک ہو جائے پھر اسے طلاق دے۔ پھر اسے حیض آجائے اور وہ پاک ہو جائے اگر چاہے تو (اسے طلاق دے دے) جبکہ وہ پاک ہو اور اس نے اس کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو۔“

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جبکہ وہ حائضہ تھی۔ یہ حضور ﷺ کے عہد ہمایوں واقعہ ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا: آپ نے فرمایا:

”اسے حکم دو کہ وہ اس عورت سے رجوع کر لے۔ پھر اسے روکے رکھے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسے حیض آ جائے۔ پھر وہ پاک ہو جائے پھر اگر وہ چاہے تو اسے روک لے اور اگر چاہے تو مباشرت سے قبل اسے طلاق دے دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے بارے رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے لیے عورتوں کو طلاق دی جائے۔“

ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ (الطلاق:1)

ترجمہ: اے نبی (مکرم)! (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔

حضرات مجاہد، عکرمہ اور حسن رحمہم اللہ نے فرمایا ہے: ”عورتوں کو ایسے طہر میں طلاق دو جس میں ان کے ساتھ مباشرت نہ کی گئی ہو۔“ اس میں کمال ادب سکھانا ہے۔ بندوں پر خاص

رحمت کرنا ہے، ''البدائع'' میں ہے:

نکاح مصلحت کا عقد ہے کیونکہ یہ دین اور دنیا کی مصلحتوں تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ جبکہ طلاق اس کو منسوخ کر دیتی ہے۔ مصلحت کو منسوخ کرنا فساد ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۝ (البقرة:۲۰۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

ہمارے نزدیک شرعی کراہت کا یہی مفہوم ہے رب تعالیٰ نہ تو اس پر راضی ہوتا ہے نہ ہی اسے پسند کرتا ہے۔ اگر اس میں کوئی مصلحت ہو تو یہ اس کراہت سے نکل جاتی ہے جیسے کہ خاوند اور بیوی کے اخلاق میں موافقت نہ ہو۔ طبیعتوں میں فرق ہو کوئی فساد ہو جو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی طرف لوٹتا ہو۔ مثلاً یہ کہ مرد جان لے کہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے مصلحتیں ختم ہو جائیں گی۔ یا اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس کے دین اور دنیا میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ اس وقت مصلحت طلاق میں پلٹ آئے گی تا کہ مقاصد نکاح کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے سے پورے ہو سکیں لیکن اس میں احتمال یہ ہے کہ مرد اس میں پوری طرح غور وفکر کرے اس کا سرسری جائزہ نہ لے۔ شریعت اور عقل اسے غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ مرد اس عورت کو ایک رجعی طلاق دے۔ حتیٰ کہ اگر یہ فراق اور فساد عورت کی طرف سے ہو تو وہ اس سے توبہ کرے اور اصلاح کی طرف لوٹ آئے۔ جب کہ وہ فراق کی تلخی چکھ لے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے۔ تو مرد اپنے بارے سوچ و بچار کرے۔ اگر وہ اسے چھوڑ کر صبر کر سکتا ہو تو دوسرے طہر میں اسے ایک اور طلاق دے دے۔

۱- مرد اپنے بارے خوب سوچ و بچار کر لے پھر اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اس طرح اگر کوئی ظاہری اور غالب مصلحت ہوئی تو وہ اس کے لیے عیاں ہو جائے گی۔ غالباً اسے بعد میں ندامت بھی نہیں اٹھانا پڑے گی۔ اس طرح اس کے لیے ایک طلاق یا تین طہروں میں تین طلاقیں مباح ہو گئیں۔ بشرطیکہ نکاح ختم کرنے میں ہی مصلحت ہو۔ اس وقت مصلحت طلاق میں منتقل ہو جائے گی۔ اگر مرد نے عورت کو غصہ کی حالت میں تین طلاقیں دے دیں غصہ کی حالت غور وفکر کی حالت نہیں ہوتی۔ اسے یہ علم نہیں ہو سکے گا نکاح ختم کرنے میں مصلحت ہے یا نہیں۔ لہٰذا یہ امر ظاہری اعتبار سے مصلحت کو ختم کرنے والا ہو گا۔ اس لیے یہ فائدہ ہے۔

۲- نکاح عقد مسنون ہے بلکہ یہ واجب ہے طلاق سنت کو قطع کرنے والی اور واجب کو ختم کرنے والی ہے اس میں اصل ناپسندگی اور کراہت ہے مگر ادب سکھانے اور نجات دلانے کے لیے اس کی رخصت دی گئی۔ ادب ایک رجعی طلاق سے بھی سکھایا جا سکتا ہے کیونکہ فراق اور فساد جب عورت کی طرف ہو جب فراق کا ذائقہ چکھ لے گی تو ظاہری بات یہی ہے کہ وہ ادب سیکھ جائے گی وہ توبہ کرے گی اور وہ موافقت اور صلاح کی طرف لوٹ آئے گی۔

۳- اگر مرد نے اپنی بیوی کو ایک طہر میں تین طلاقیں دے دیں تو ہو سکتا ہے (ابلکہ اکثر) اسے ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا۝ (الطلاق:۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے۔

اس آیت طیبہ کی تفسیر میں کہا گیا ہے یعنی اس کے سابقہ فعل پر اسے ندامت ہوگی یا اس کو اس عورت میں رغبت کی وجہ سے ندامت ہوگی۔ نکاح سے تدارک کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہو سکے گا تو وہ بدکاری کر بیٹھے گا ممکن ہے کہ وہ کسی حرام امر کا ارتکاب کر بیٹھے لہٰذا اس جیسے امور سے شرعاً اور عقلاً اجتناب کرنا واجب ہے لیکن ایک طلاق کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس صورت میں وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کر کے تدارک کر سکتا ہے البتہ تین طہروں میں تین طلاقوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس صورت میں وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کر کے تدارک کر سکتا ہے البتہ تین طہروں میں تین طلاقوں کا معاملہ جدا گانہ ہے کیونکہ اس معاملہ میں بعد میں ندامت کا سامنا عموماً نہیں کرنا پڑتا کیونکہ مرد تین طہروں میں خوب غور و فکر کر لیتا ہے۔ اس لیے اسے ندامت نہیں ہوتی۔ تین طلاقوں کو جمع کرنا کراہت میں برابر ہے خواہ عورت آزاد ہو مسلمان لونڈی ہو یا کتابیۃ ہو۔ کیونکہ کراہت کا موجب علیحدگی کو لازم نہیں کرتا۔

تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہو جانے کی حکمت

خوب جان لو کہ آسمان سے اترنے والی شریعتیں مختلف تھیں۔ ہر امت کے حالات اور زمانہ کی موافقت سے ہر شریعت دوسری سے مختلف ہوتی۔ البتہ تمام شریعتیں رب تعالیٰ کی وحدانیت اور اس ذات والا کے ان صفات قدیمہ سے متصف ہونے پر متفق تھیں جو اس کے لائق ہیں،

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شریعت میں تھا عورت طلاق کے بعد مرد کے لیے حلال رہتی تھی جب تک دوسرا نکاح نہ کر لیتی تھی۔ جب وہ نکاح کر لیتی تو وہ اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت شادی کے بعد طلاق دینے سے روکتی تھی (جو کچھ عیسائیوں کے ہاں کہا جاتا ہے) صرف بعض امور میں ہی طلاق دینا جائز تھی۔ پھر شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ و السلام کا آفتاب جہاں تاب ضوفشاں ہو گیا۔ یہ شریعت مطہرہ ساری شریعتوں سے افضل، اکمل اور اجل ہے یہ بندوں کی دنیا و آخرت کی مصلحتوں کو سب سے زیادہ پوری کرنے والی ہے۔ شارع حکیم نے ہمارے لیے وہ پاکیزہ چیزیں مباح قرار دیں جو گزشتہ امم میں سے کسی ایک کے لیے بھی مباح نہ تھیں۔ ان میں سے ایک خاوند کا طلاق کے بعد عورت کی طرف رجوع کرنا بھی ہے۔ رب تعالیٰ نے ہمارے لیے اس معاملہ میں گنجائش رکھی۔ تاکہ ہم کو کسی تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی خواہ اس نے یہ طلاق غصے میں آ کر دی عورت کا کوئی قصور نہ تھا۔ یا عورت سے کوئی قصور سرزد ہو گیا تھا جو اس کے لیے طلاق لازم کر دیتا تھا۔ مرد نے اسے ایک طلق دے دی۔ خواہ طلاق کا سبب مرد سے صادر ہوا تھا یا عورت سے۔ ان دونوں کی جدائی میں دونوں کے لیے تادیب ہے عورت یا مرد کی طرف سے رونما ہونے والے فعل پر ندامت ہے کیونکہ زوجیت کا تعلق سارے تعلقات سے مضبوط اور سارے امور سے محکم ہے۔ جب میاں اور بیوی میں جدائی ہو گئی۔ ان میں سے ہر ایک نے دوری کا درد اور فراق کی مشقت چکھ لی۔ ان میں سے ہر ایک اس فعل کے ارتکاب سے رک گیا جو دوسرے کے غصہ کا موجب بنے یا ان کے مابین جھگڑے اور نفرت کا سبب بنے۔ اگر مرد نے دوسری طلاق بھی دے دی تو شیطان نے ان کے مابین جھگڑا ڈال دیا۔ ان کی زندگی جو مکدر ہو گئی اُن پر انہیں اس پر انہیں از حد ندامت اور افسوس ہو گا۔ خصوصاً جبکہ ان کی اولاد بھی ہو۔ اب شارع حکیم کی اپنے بندوں پر یہ رحمت اور شفقت ہے کہ اس نے میاں اور بیوی کو مایوس نہیں ہونے دیا۔ گویا کہ اس نے انہیں بتا دیا کہ اب تمہارے پاس صرف تیسری طلاق رہ گئی ہے اگر تیسری طلاق ہو گئی تو سارے راستے بند ہو جائیں گے۔ پھر رجوع کا راستہ صرف ایک رہ جائے گا۔ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرے پھر وہ طلاق سے یا خلع یا خاوند کی موت سے جدا کر دے۔ وہ عورت عدت گزارے۔ یہ بات کئی اعتبار سے بڑی مصیبت اور تکلیف ہے۔ ان میں سے سب سے بڑی اذیت یہ ہے جدائی کے بعد مرد اپنی بیوی کو دیکھے کہ وہ دوسرے مرد کے بستر پر رات بسر کر رہی ہے۔ یہ اذیت اس وقت دو چند ہو جاتی ہے جب وہ مرد اس کے دشمنوں

میں سے ہو۔ اس کے علاوہ اس کا گھر بھی برباد ہو جائے گا۔ معاملات منتشر ہو جائیں گے۔ ان کے علاوہ دیگر جھگڑے، نزاع، مصائب اور مشکلات سے تم بخوبی آگاہ ہو۔

کیونکہ شارع اپنے بندوں پر بڑا رحیم ہے وہ جانتا ہے کہ نفوس نفرت، جھگڑے اور جدائی کے بعد کبھی ہدایت کی طرف لوٹ آتے ہیں وہ درست راہ اپنا لیتے ہیں۔ اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں ایک دوسرے کے لیے حرام نہیں کیا بلکہ ان کے لیے پہلی کیفیت کی طرف رجوع حلال قرار دیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے۔ یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایک دوسرے کا عُسیلہ چکھ لیں یعنی وظیفہ زوجیت ادا کر لیں۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رفاعۃ قرظی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ ان سے عبدالرحمان بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ ان کی زوجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں۔ عرض کی: ''یارسول اللہ! رفاعۃ نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں۔ مجھے عبدالرحمان بن زبیر سے نکاح کر لیا لیکن ان کے پاس تو صرف کپڑے کی جھالر کی طرح لٹکا ہوا ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''کیا تم چاہتی ہو کہ رفاعۃ کے پاس لوٹ جاؤ ہرگز نہیں۔ حتیٰ کہ تم اس کا عسیلہ اور وہ عسیلہ نہ چکھ لے۔''

یعنی حتیٰ کہ تم وظیفۂ زوجیت ادا نہ کر لو۔ ''البدائع'' میں ہے: ''حرمت غلیظہ پہلے خاوند کے لیے بطور سزا کے مقرر کی گئی ہے کیونکہ اس نے تین طلاقوں کا اقدام کیا جو شرعاً مکروہ ہیں۔ یہ اس کی زجر و توبیخ اور اسے ایسے کام کے لیے روکنے کے لیے ہے جب وہ اس بات پر غور کرے گا کہ یہ حرمت اس وقت ختم ہوگی جس وہ عورت کسی دوسرے مرد کے شادی کر لے گی تو سلیم فطرتیں تو ایسے امر کو ویسے ہی ناپسند کرتی ہیں تو دوبارہ ایسے اقدام سے رک جائے گا۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ صرف عقد نکاح سے نہ طبیعتیں نفرت کرتی ہیں اور نا ہی اسے ناپسند کرتی ہیں۔ صرف نکاح کا اثر مرد پر شدید نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس کے ساتھ مباشرت کی شرط نہ لگا دی جاتی لہٰذا اس میں دخول کو شرط قرار دیا گیا تا کہ مرد کے لیے ایسے فعل کے ارتکاب کے لیے زجر و توبیخ کے کام آ سکے۔ مباشرت رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مضمر ہے۔

حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ:۲۳۰)

ترجمہ: یہاں تک کہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ۔

اور وہ مرد اس عورت کے ساتھ مباشرت بھی کر لے لیکن انزال شرط نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے حرمت کی انتہا کو مباشرت قرار دیا ہے شرم گاہ میں مباشرت ختانان کا ملنا ہے۔ جب یہ پایا گیا حرمت انتہا کو پہنچ گئی۔ یہی وہ حکمت ہے جو رب تعالیٰ نے تین طلاقوں کے بعد عورت کے حرام ہونے میں رکھی ہے یہ بلیغ حکمت اور رب تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے تادیب ہے۔

شریعت اسلامیہ میں نکاح کے صحیح ہونے کی شروط میں حکمت

بعض بڑے علماء نے فرمایا ہے: ''شریعت اسلامیہ میں شادی کے صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند کے لیے غیر محرم ہو۔ تحریم مؤبد یا تحریم مؤقت کے اسباب میں سے خواہ کوئی سبب بھی پایا جائے۔ جس نکاح میں بھی یہ شرط مفقود ہوگی وہ فاسد ہوگا۔ زوجین کے مابین تفریق کرنا واجب ہوگا۔ صرف عقد کا اثر مترتب نہیں ہوگا۔ اگر خاوند نے اس عورت کے ساتھ مباشرت کر لی جس کے ساتھ اس نے نکاح فاسد کیا تھا تو اس دخول کی وجہ سے زوجیت کے آثار میں سے چار آثار مترتب ہوں گے۔ (۱) حق مہر کا وجوب (۲) عدت کا وجوب (۳) اس دخول کی وجہ سے ہونے والے حمل کے نسب کا ثبوت (۴) حرمت مصاہرت۔

یہ مسئلہ جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ اس وقت ہے جب خاوند مسلمان ہو لیکن مسلمان خاتون کی غیر مسلمان مرد سے شادی کو قرآن حکیم نے قطعی حرام قرار دیا ہے۔ مسلمان عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم مرد سے نکاح کرے اس کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت طیبہ ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ (البقرہ:۲۲۱)

ترجمہ: اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ بہت پسند آئے تمہیں۔

اللہ رب العزت نے دار الکفر سے دار السلام کی طرف ہجرت کرنے خواتین کے بارے فرمایا:

فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۖ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۖ (الممتحنہ:۱۰)

ترجمہ: تو ان کی جانچ پڑتال کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس مت کرو نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مومنات کے لیے۔

اس میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ شادی کا اہم ترین مقصد زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے کے لیے باعثِ سکون ہونا ہے ایک کا دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا، چین پانا اور مودت و رحمت کا تبادلہ کرنا ہے۔ یہ امور صرف اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب میاں اور بیوی کا دین ایک ہو کیونکہ اس صورت میں ان کا عقیدہ ایک ہوگا۔ ان کے واجبات ایک جیسے ہوں گے۔ ان دونوں پر حرام اور حلال امور ایک جیسے ہوں گے۔ اگر مرد مسلمان ہو اور عورت کتابیہ ہو تو انہیں بھی ایک کلمہ جمع کر دیتا ہے۔ یہ کلمۂ توحید ہے۔ ان کے مابین اتنا تقارب ہوتا ہے جس سے زوجیت کے اغراض پورے ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (آل عمران: ۶۴)

ترجمہ: (میرے نبی) آپ کہیے اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ تعالیٰ کے اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنا لے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا۔

یہ پاکیزہ کلمہ جو مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان یکساں ہیں اس نے ان کے مابین مقاربت پیدا کر دی۔ مسلمان کا نکاح کتابیہ کے ساتھ حلال کر دیا لیکن مسلمان کے مشرکہ کے ساتھ نکاح میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ کلمۂ توحید انہیں جمع نہیں کرتا ان کے مابین شدید اختلافات اور زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ان کے مابین شادی کا مقصد پوری نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے مسلمان کا مشرکہ کے ساتھ حرام قرار دیا گیا۔ خاوند کو اپنی بیوی پر تسلط ہوتا ہے۔ غالب اوقات میں یہی ہدف ہوتی ہے یہ اپنے خاوند کا اثر قبول کرتی ہے دین میں اس کی اتباع کرتی ہے۔ مسلمان عورت کے لیے غیر مسلم مرد سے شادی کرنا حرام کر دیا گیا تاکہ وہ اپنے خاوند کے اثر اور تسلط کی وجہ سے اسلام ترک نہ کر دے۔ اس ساری تفصیل سے عیاں ہوتا ہے کہ مسلمان خاتون کی غیر مسلم مرد کے ساتھ شریعت اسلامیہ کے حکم کے مطابق بالکل باطل ہے۔ اس عقد نکاح کا کوئی اثر مترتب نہیں۔

ہوتا۔ اس کا وجود کالعدم کی طرح ہوگا۔ مرد نے جس عورت کے ساتھ ایسا باطل نکاح کیا ہوگا اگر اس کے ساتھ اس نے مباشرت کر لی تو یہ شرعاً بدکاری ہوگی۔ جب وہ مرد اسے چھوڑے تو ایسی عورت پر عدت گزارنا لازم نہیں نہ ہی ایسے نکاح سے نسب، نہ ہی حرمت مصاہرت اور نہ ہی وراثت ثابت ہوتی ہے۔ نہ حق مہر واجب ہوتا ہے نہ ہی نفقہ اور نہ ہی اطاعت لازم ہوتی ہے۔ زوجیت کے حقوق اور واجبات میں سے کوئی حق یا واجب ثابت نہیں ہوتا۔ اگر باطل یا فاسد نکاح ہو جائے تو فوراً مرد اور عورت کو جدا کرنا لازم ہے تاکہ یہ فساد یا بطلان فوراً ختم ہو سکے اگر وہ مرد اور عورت فوراً جدا ہو جائیں تو بہتر ورنہ شرعی عدالت انہیں جدا جدا کر دے گی۔ یہ مقام ایسے مقامات سے ہے جہاں دعویٰ حصول ثواب کے لیے ختم کر دیا جائے گا کیونکہ اس کا تعلق برائی دور کرنے کے ساتھ ہے۔ یہ حکم شریعت اسلامیہ کی جہت سے ہے۔ اس موضوع پر شریعت اسلامیہ کا حکم بڑا واضح ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ مصر کے خاص ملکی قانون کے اعتبار سے اس موضوع پر ایک خاص بحث ہے۔ ہماری اس تفصیل سے عیاں ہوتا ہے کہ اس صورت میں ایک شرعی مانع ہے جو صحیح نکاح کے قیام کو روکتا ہے وہ خاوند کا مسلمان نہ ہونا ہے یہ رکاوٹ بنیادی طور پر مصر میں نظام عام کے مخالف ہے۔

نظام عام کا تصور ایک فرضی تصور ہے جو مختلف شہروں اور ملکوں میں بدلتا رہتا ہے یہ اپنی ذات کے اعتبار سے ایک دقیق تصور ہے اس پر عمل پیرا ہوتے وقت احتیاط ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جس میں اجتماعی مصلحت کی رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے اس کے احساسات اور جذبات کے اثر کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ خصوصاً اس ملک میں جہاں دینی اعتبارات کی اہمیت بہت بڑی ہوتی ہے۔ اس وقت لازم ہے کہ مصر کی عدالتوں میں کم ازکم اس شادی کے بطلان کا حکم ضرور پیش نظر رہے ممکن ہے کہ اس رائے کی تائید کے لیے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بطور دلیل پیش کیا جاتا ہو کہ انہوں نے مسلمان قاضی کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ وہ ذمیوں کے مابین معتبر اور صحیح نکاح کا بطلان بعض احوال میں ان کے دین کے احکام کے مطابق کرے جب کہ یہ ان احکام اسلامیہ کے مخالف ہو جو کسی تغیر کو قبول نہیں کرتے۔

حقیقت میں مصر میں نظام عام کا تصور کا ازدواجی مسائل میں عملی طور پر بہت کم اجراء ہے اس کی وجہ شخصی قوانین کا زیادہ ہونا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس امر پر اتفاق ہے کہ ایسے قوانین میں شریعت اسلامیہ کے احکام کی رعایت لازم ہے کیونکہ یہ شریعت شخصی قانون (پرسنل لاء) کے مسائل میں غلبہ رکھتی ہے اس کے ساتھ ساتھ دستور اور آئین کے متن کی رعایت بھی لازم ہے کیونکہ

مصر ایک اسلامی ملک ہے یہ بات مشہور ہے کہ جس نکاح کو ہم روک رہے ہیں۔ وہ شریعت اسلامیہ کے اعتبار سے بھی باطل ہے کیونکہ یہ محل (مقام) مشروعیت نہیں۔ اگر اس قسم کا نکاح کسی جزوی وصف کے اعتبار سے کسی عدالت میں پیش ہو تو اس کے لیے روا نہیں کہ وہ اس کا فیصلہ کرتے وقت اسے اپنے دائرہ اختیارات سے باہر نکلے۔ اسے فقط شریعت اسلامیۃ کے احکام کو ہی ترجیح دینا چاہیے۔

اس کی عملی تنفیذ کرتے ہوئے ہائی کورٹ نے ۱۱ جون ۱۹۱۳ء کو یہ فیصلہ کیا تھا جب زوجین کی جنسیں مختلف ہوں تو ان کی باہمی شادی کی اہلیت کی حد بندی کے لیے ان کی جنسیت کے قانون کی طرف رجوع کیا جائے گا سول قانون کی شق نمبر ۱۹۰ کے تحت یہ قانون نافذ ہے۔ عدالت نے ازدواجی مسائل کے متعلقہ امور میں ان متفقہ قوانین سے کا سہارا لیا ہے جو متفقہ طور پر ۱۹۰۲ء میں بنائے گئے تھے جن میں مصر نے شرکت نہیں کی تھی۔ عدالت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ایسے اتفاقات میں انہی قوانین کے مطابق عمل کیا جائے گا کیونکہ یہ علمی اور عملی طور پر اسی کے تابع ہیں۔ اسی تفصیل کی بناء پر عدالت نے اس نکاح کو باطل قرار دیا جو ایک مصری خاتون اور ایک روسی تقلید پسند عیسائی کے مابین ہوا تھا۔ کیونکہ شریعت اسلامیۃ وہ شریعت ہے جو شخصی قانون میں عورت کے لیے فیصلہ کرتی ہے۔ ہم اس شادی کو معتبر نہیں مانتے۔

شہری قوانین کے بعض ماہرین کی رائے یہ ہے کہ یہ فیصلہ اگرچہ صحیح ہے لیکن بعض اوقات دلیل دینے میں غلطی ہو جاتی ہے جب یہ سمجھا جائے کہ یہ عورت نکاح کے اہل ہی نہیں حالانکہ نکاح تو اس دینی رکاوٹ نے باطل کیا ہے جو خاوند کی شخصیت میں پایا جاتا تھا یعنی اس کا مسلمان نہ ہونا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلامیۃ کا فیصلہ ایسے عقد کو باطل کر دیتا ہے۔ مصر کا نظام عام بھی اسے برقرار نہیں رکھتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سابقہ فیصلہ بھی اسی طرح ہے جبکہ اس کی دلیل درست نہیں تھی۔ سابقہ فیصلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی کی مسلمان خاتون سے شادی کا بطلان ثابت کیا گیا اس پر مرتب ہونے والے احکام کو باطل قرار دیا گیا یہ فیصلہ شریعت اسلامیۃ کے مطابق ہے خواہ یہ معاملہ شرعی عدالتوں میں اٹھایا جائے یا دوسری عدالتوں میں۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

محلل کے نکاح کی حکمت

ہم نے پہلے تفصیل بیان کر دی ہے کہ جب ایک مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو شارع حکیم نے اس کے لیے اس عورت کی طرف رجوع کرنا ہمیشہ کے لیے اور ساری عمر کے لیے

ناممکن نہیں بنایا بلکہ ان کے لیے حلال قرار دیا کہ وہ اپنی سابقہ روش پر لوٹ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے پھر وہ اس کو کسی طرح جدا کر دے پھر وہ عورت عدت گزارے۔ بندوں پر شفقت کرتے ہوئے اس طرح کیا گیا ہے۔ اس پر یہ اضافہ کر لو کہ اکثر اوقات ایسے مرد اور خواتین کی اولاد ہوتی ہے اگر وہ محلل نہ پائیں تو وہ دونوں بدبختی اور بدنصیبی کی زندگی بسر کریں گے۔ ہم میں سے ہر ایک وہ نقصان جانتا ہے جو والدین کے جدا ہونے کے بعد اولاد کو پہنچتا ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے: "وہ محلل جو اس حالت میں شریعت اسلامیہ کی شرائط کی پاسداری کرتا ہے اسے اس کے اس فعل پر ثواب دیا جاتا ہے۔" کیونکہ وہ اس حرمت کو دور کرنے کا سبب بنتا ہے جو اس کے نکاح سے پہلے موجود تھی محلل کے لیے شرط ہے کہ وہ اس شرعی طریقہ کو لازم پکڑے جسے شارع حکیم نے بیان کیا ہے وہ اس عورت کے ساتھ صحیح اور شرعی طور پر مباشرت کرے (دخول صحیح کرے) اسے طلاق دے پھر وہ اپنی عدت گزار لے۔ اس کے بعد اس عورت کے لیے حلال ہے کہ وہ پہلی طرز زندگی رپورٹ آئے اگر پہلا خاوند اور وہ عورت چاہے تو نکاح کر لیں۔ ہمارا یہ مؤقف یہ حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے۔

"حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رفاعۃ بن سموال القرظی نے اپنے زوجہ تمیمۃ بنت وھب رضی اللہ عنہا کو تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی۔ حضرت تمیمۃ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔ عرض گزار ہوئیں: "وہ حضرت رفاعۃ کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے انہیں تین طلاقیں دے دیں۔ پھر حضرت عبدالرحمان بن زبیر نے ان سے شادی کر لی۔ بخدا! ان کے پاس لٹکے ہوئے کپڑے کی مانند تھا۔ انہوں نے اپنے ڈوپٹے کا پہلو پکڑ کر اشارہ کیا۔ حضور ﷺ نے تبسم فرماتا اور فرمایا: "شاید تم چاہتی ہو کہ رفاعۃ کے پاس واپس چلی جاؤ۔ ہرگز نہیں! حتیٰ کہ تم عبدالرحمان کا اور عبدالرحمان تمہارا عسیلہ چکھ لے۔" حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "عسیلۃ سے مراد جماع ہے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ سے ایسے شخص کے بارے سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح کرے۔ پھر وہ شخص دروازہ بند کر لے۔ پردے لٹکا دے۔ پھر اس عورت سے مباشرت کیے بغیر اسے طلاق دے دے کیا وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو سکتی ہے۔" آپ نے فرمایا: "پہلے خاوند کے لیے وہ حلال نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ جماع کرے۔" یہ بھی روایت ہے کہ حتیٰ کہ وہ

اس کا عسیلہ چکھ لے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت رفاعۃ کی زوجیت میں حضرت عائشہ بنت عبدالرحمن بن عتیک القرظی تھیں۔ یہ ان کی چچازاد تھیں۔

اگر تم چاہتے ہو کہ کمینگی کو مجسم صورت میں دیکھو۔ نفس کی خست کو آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتے ہو۔ اگر بدخلقی اور بری صفات بلکہ وحشت کی انتہاء دیکھنا چاہتے ہو۔ اسے ظاہر اور محسوس دیکھنا چاہتے ہو تو اس زمانہ کے اس محلل کو دیکھ لو جو شرائط شرعیہ کا لحاظ نہیں کرتا۔ وہ انسانیت اور دین کا ایک جرم کرتا ہے جس سے جسموں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کے ہول سے بچے بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ ایک مرد اپنی عورت کو تین طلاقیں دیتا ہے۔ عورت اس محلل یا مستعار بکرے سے دور ہوتی ہے بلکہ ستارے اس سے قریب تر ہوتے ہیں۔ پتھر کو بوسہ دینا اسے بوسہ دینے سے آسان ہوتا ہے اژدہا کو چوم لینا اسے چومنے سے آسان ہوتا ہے شارع نے حرمت کی چاردیواری سے اس کی حفاظت کی ہوتی ہے وہ فضا میں اڑنے والے شاہین سے بھی دور ہوتی ہے کہ وہ مرد اس عورت کی طرف ہاتھ بڑھائے یا اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے مگر کسی شرعی ضرورت سے۔

وہ محلل آتا ہے جو اس زمانہ میں شروطہ شرعیۃ کی پاسداری نہیں کرتا رب تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ وہ اس کی حفاظت نہ کرے۔ وہ فاجر و فاسق اور حرمتوں کا پردہ چاک کرنے والا ہوتا ہے وہ ایسا طریقہ استعمال کرتا ہے جس کا ارادہ شارع حکیم نے نہیں کیا۔ وہ عفت پر ظلم ڈھاتا ہے وہ مروت کو اپنے قدموں کے نیچے روندھتا ہے۔ وہ اسے حلال سمجھتا ہے جسے رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے نہ صرف لوگ بلکہ حیوانات بھی ایسے انسان سے نفرت کرتے ہیں۔ تم کیا جانو کہ یہ کیسے جرائم ہیں جو وہ بجا لاتا ہے کیسے گناہ ہیں جن کا وہ ارتکاب کرتا ہے۔ یہ بہت بڑی ہلاکت اور عظیم مصیبت ہے۔ وہ پاکیزہ امت میں اور پاکیزہ شریعت میں مصائب کی بنیاد اور مفاسد کی جڑ کا ارتکاب کرتا ہے۔ عصر حاضر میں محلل بدبختی کا سبب بنتا ہے۔ وہ بغاوت کو دعوت دیتا ہے کتنی ہی آزاد اور پاکدامن عورتیں اس کی نحوست کی وجہ سے بدکارہ بن جاتیں ہیں کتنی ہی نگاہیں جھکانے والیاں فاجرہ بن جاتی ہیں۔ اس مصیبت نے اس زمانہ میں کتنی ہی ماؤں اور بیٹیوں کو ایک وقت میں جمع کیا ہے ایک ہی وقت میں دو بہنوں میں دخول ہوا ہے۔ تم دیکھو گے کہ محلل نے اسے اور اُسے جمع کر دیا ہے۔ بعض اوقات وہ ایک دن میں بیس سے زائد عورتوں کے ساتھ حلالہ کرتا ہے۔ وہ مستعار مینڈھے کی طرح ہے جو ہر وقت ہر آن بکری کے ساتھ جفتی کرتا رہتا ہے۔ ایسا محلل جو اس حیوان کی طرح ہوتا ہے وہ اس طرح سے ایسا بند دروازہ کھولتا ہے جو نہ تو شرعی

مقاصد کے موافق ہوتا ہے نہ ہی عقل کے۔ ہم اس کے بارے مزید تبصرہ نہیں کرتے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ وہ لعنت میں شریک ہے۔ عیب، فسق و فجور اور حرمت دین کو چاک کرنے کی رسوائی اس کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ انہیں برباد کرے کہ وہ کہاں بھٹکے پھر رہے ہیں۔"

اے مسلمان! یہ کیسے حیلے ہیں؟

رب تعالیٰ نے شریعت مطہرہ نازل فرمائی ہے۔ یہ اتنی محکم ہے کہ نہ تو باطل اس نے آگے سے آسکتا ہے نہ ہی اس کے پیچھے یہ داخل ہوسکتا ہے۔ یہ شریعت مطہرہ بدعتیوں کے دھوکے قبول نہیں کرتی۔ یہ ایسی شریعت مطہرہ ہے جو بیمار دلوں اور گندے مقاصد والے لوگوں کے حیلوں کا اثر نہیں لیتی۔ یہ ایسی شریعۃ مطہرہ ہے جس نے مفاسد کی طرف کھلنے والے سارے دروازوں کو بند کر دیا ہے۔ اس طرح کہ جب اہل بدعت اور وہ لوگ جو رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم کو دھوکا دیتے ہیں ان رستوں کی طرف آتے ہیں تو ان کا معاملہ واضح ہوجاتا ہے۔ ان کی بدنیتی ظاہر ہوجاتی ہے وہ دائمی عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ جب شارع حکیم نے شبہات کو ہمارے لیے انتہائی قابل نفرت بنایا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم حرام امور کا ارتکاب کر بیٹھیں تو پھر ہم ان حیلوں پر کیسے عمل پیرا ہوں جن سے ہم چاہیں کہ محرمات ہمارے لیے حلال ایسی راہوں سے ہوجائیں جو شارع کے حکم سے کئی منازل دور ہوں۔ بعض متاخرین نے ایسے حیلے پیدا کیے ہیں جن پر نہ تو کوئی قوی دلیل قائم کی ہے اور نہ ہی ان آئمہ کی طرف سے ایک صحیح روایت پیش کی ہے جن کی طرف وہ انہیں منسوب کرتے ہیں۔ وہ بلاشبہ روز حشر ان جگہ کھڑے ہوں گے جس کی ہولناکی سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی۔ یہ وہ دھوکہ باز لوگ ہیں جو اس امر کا اظہار کرتے ہیں جس کی تہ تک وہ نہیں پہنچتے۔ یہی وہ منافق ہیں جو اللہ رب العزت کو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ انہیں دھوکہ کی سزا دیتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے ایک گروہ کے بارے سید المرسلین ﷺ نے فرمایا:

> "رب تعالیٰ سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت کرے۔"

ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے عرض کی: "ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں ہیں کیا اس کے لیے دوسرا شخص حلالہ کرسکتا ہے۔" انہوں نے فرمایا:

> "جو رب تعالیٰ کو دھوکہ دیتا ہے رب تعالیٰ اسے دھوکہ کی سزا دیتا ہے۔"

کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ محلل اس شرعی طریقہ کا ارادہ نہیں رکھتا جسے شریعت بیضاء نے جائز قرار دیا ہے۔ اہل بدع کے بارے امام سجستانی نے لکھا ہے:

"وہ رب تعالیٰ کو اس طرح دھوکہ دیتے ہیں جس طرح وہ بچوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔
اگر وہ بالکل عیاں ہو کر معاملہ کی طرف آتے تو یہ ہمارے لیے آسان ہوتا۔"

ان لوگوں کے لیے یہی کافی ہے کہ ان پر رب تعالیٰ اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے سارے ادیان اور سارے مذاہب کے سارے طبقات کے لوگوں کی ناراضگی ان پر ہے۔

طلاق کا حق مرد کو دینے کی حکمت

عورت کا ارادہ کمزور ہوتا ہے۔ امور میں اس کی رائے مضطرب ہوتی ہے۔ مصیبت اور غصے کے وقت اس میں ثابت قدمی مفقود ہوتی ہے۔ وہ چھوٹے سے سبب کی وجہ سے مسرور یا مغموم ہو جاتی ہے لیکن مرد کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ ہمت واستقلال پر اور مصائب برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ کسی معاملہ میں خوب غور وفکر کرنے کے بغیر نہ اسے محکم کرتا ہے نہ اسے چھوڑتا ہے۔ اسے طلاق کا اختیار دینا زوجیت کی بقاء کا زیادہ ضامن ہے۔ معیشت کے ڈھانچے کی حفاظت اس طرح زیادہ ہوتی ہے مرد کی ایک اور فضیلت بھی ہے وہ یہ کہ وہ گھریلو اخراجات برداشت کرتا ہے اس کے گھر میں اسی کا حکم، نہی اور غلبہ ہوتا ہے۔ وہ گھر کا ستون ہوتا ہے وہ گھر کا مالک ہوتا ہے۔ ممکن ہے عورت ان عورتوں میں سے ہو جو مال میں لالچ رکھتی ہیں یا وہ ان عورتوں میں سے ہو جو ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتیں۔ اگر طلاق کا اختیار اسے دیا جاتا تو ہو سکتا ہے کہ مختلف جوڑوں کی شادیوں میں حق مہر کی ایک ہی روش پر چلتی رہتی۔ اسی طرح اگر طلاق کا اختیار میاں اور بیوی دونوں کو دے دیا جاتا تو یہ معاملہ اور گھمبیر ہو جاتا۔ فراق کے لمحات جلد قریب آجاتے۔ کیونکہ بعض اوقات میاں اور بیوی کے مابین تھوڑے سے وقت میں جھگڑا پھوٹ نکلتا ہے عورت طلاق کا جلدی ارادہ کرتی۔ وہ اپنے گمان کے مطابق اس صحبت اور میل وملاپ سے نجات چاہتی کیونکہ اس میں ثابت قدمی اور استقلال نہیں اس میں مصائب برداشت کرنے کی ہمت نہیں۔ اس تفصیل کے بعد تم دیکھو گے طلاق کا حق مرد کو دینے میں بہت بڑے بڑے فوائد ہیں۔ یہ امر بھی مشہور ہے کہ مرد جب شادی کر لیتا ہے اور عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنے لگتا ہے یا اس کے ساتھ خلوت صحیحہ شرعیہ گزارتا ہے تو اس پر سارا حق مہر واجب ہو جاتا ہے جس پر ان دونوں کا

اتفاق ہوا ہوتا ہے۔ اگر طلاق کا حق عورت کو حاصل ہوتا تو یہ مرد کے لیے بہت بڑی مصیبت اور آزمائش ہوتی کہ اگر یہ آج اسے حق مہر دیتا تو کل اسے طلاق دے دیتی۔ مرد پر حق مہر لازم ہوتا۔ اس پر ایک کلمہ سے جرم ثابت ہو جاتا جو عورت کے منہ سے صبر و تحمل کے بغیر نکلتا۔ ہم نے بہت سی خواتین کو دیکھا ہے جو مصری شرعی عدالتوں میں جاتی ہیں اور طلاق کا مطالبہ کرتی ہیں دعویٰ کرتی ہیں کہ انہیں خاوند سے نقصان پہنچا ہے۔ عورت یہ مطالبہ قانون کی شق نمبر ۲۵ کے مطابق کرتی ہے۔ یہ قانون ۱۹۲۰ء میں نافذ ہوا۔ نیز اس قانون کی شق نمبر ۲۵ کے مطابق کرتی ہے۔ جو قانون ۱۹۲۹ء کو نافذ ہوا۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ اگر شارع حکیم طلاق کا اختیار عورت کو دے دیتا تو فساد زیادہ ہو جاتا۔ مصائب بڑھ جاتے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہر عقد طرفین سے ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ اس کے باوجود طلاق کا حق صرف مرد کو کیوں دے دیا گیا۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بضع کی دخول کی حالت میں قیمت لگ جاتی ہے نکاح معاوضہ پر منعقد ہوتا ہے۔ مرد کے ذمہ حق مہر دینا ہوتا ہے۔ جبکہ عورت کے ذمہ اپنا آپ مرد کے سپرد کر دینا ہوتا ہے اسی لیے یہ صرف ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ جبکہ طلاق سے نکاح ختم کرنا یمین اور انشاء ہے یہ عقد نہیں ہے اس لیے اس سے نہ مرد پر نہ ہی عورت پر کوئی معاوضہ لازم آتا ہے۔ اگر طلاق خلع کی طرح عقد ہوتا تو طرفین سے ایجاب و قبول پر اس کا انحصار ہوتا۔ اس کے علاوہ سارے عقود میں سے ہر عقد کا معاوضہ ہوتا ہے۔ ان کا اختتام بھی اسی طرح ہوتا ہے اسی لیے عقد کا انحصار طرفین کی رضا پر موقوف ہوتا ہے۔ ہم اس کے لیے تمہیں ایک مثال دیتے ہیں۔ بیع ایک عقد سے جو بائع کے لیے لازم کرتا ہے کہ وہ مبیع کو سپرد کرے جبکہ مشتری پر لازم کرتا ہے کہ وہ قیمت ادا کرے۔ جب کہ بیع کا فسخ کرنا بائع پر لازم کرتا ہے کہ وہ قیمت واپس کرے اس طرح یہ مشتری پر لازم کرتا ہے کہ وہ مبیع کو واپس کر دے۔ اسی طرح کسی تیسرے شخص کے حق میں "اقالۃ" کا بیع جدید کے لحاظ سے اعتبار کیا جاتا ہے۔ جب تم نے یہ بات سمجھ لی تو تم یہ بھی سمجھ چکے ہوں گے کہ شارع حکیم نے ہر چیز کو پوری طرح محکم فرمایا ہے۔

ناسمجھ اور بے وقوف کی طلاق نہ ہونے میں حکمت

رب تعالیٰ اپنے احکام کی معرفت جاننے کی توفیق دے کہ رب تعالیٰ نے انسان کو ان اوامر اور نواہی کا مکلف بنایا ہے جو شریعت مطہرۃ لے کر آئی ہے۔ ان اوامر اور نواہی کو عقل کے

واسطہ کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے۔ اسی لیے تم پاؤ گے کہ یہ اوامر اور نواہی احمقوں اور پاگلوں پر جاری نہیں ہوتے۔ اس بچے پر بھی یہ جاری نہیں ہوتے۔ جو رشد و ہدایت کی عمر تک نہ پہنچا ہو۔ کیونکہ وہ عقل اور ادراک کے کمال تک نہیں پہنچا۔ وہ اس عمر تک نہیں پہنچا ہوتا جس میں اس سے رونما ہونے والے ہر فعل کا محاسبہ ہو سکے۔ جب تم نے یہ جان لیا ہے کہ مکلّف بنانے کا انحصار عقل پر ہوتا ہے تو تم ضرور شارع حکیم کی اس حکمت کو جان چکے ہوں گے کہ احمق اور پاگل کی طلاق نہیں ہوتی کیونکہ اگر ان کی طلاق واقع ہو جائے تو انسانی معاشرہ میں فساد پیدا ہو جائے گا۔ شارع حکیم کا یہ ارادہ نہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:۲۸۶)

ترجمہ: ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی طاقت ہو اس کی۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا تمہارے لیے دشواری۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"دین میں آسانی ہے تنگی نہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"آسانی پیدا کرو۔ مشکل پیدا نہ کرو۔ بشارت دو نفرت پیدا نہ کرو۔"

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (الاحزاب:۷۲،۷۳)

ترجمہ: ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے بے شک یہ ظلوم ہے (اور) جہول بھی۔ تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں کو اور نفاق کرنے والیوں کو اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہِ لطف و کرم فرمائے

اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے۔

ہم نے کسی اور جگہ وضاحت کر دی ہے کہ اکثر علماء نے اتفاق کیا ہے کہ اس جگہ امانۃ سے مراد مخلوق کو مکلف بنانا ہے۔ اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کرنا اور ان کا انکار کرنا انکار طبعی ہے کیونکہ ان میں اتنی لیاقت اور استعداد نہیں کیونکہ عقل سے تکلیف کا ادراک ہوتا ہے ان چیزوں کے عقل نہیں کہ وہ یہ بوجھ اٹھا سکیں۔

''فتح القدیر'' میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: بچے اور پاگل کی طلاق کے علاوہ ہر طلاق جائز ہوتی ہے۔'' سنن ترمذی میں ہے: ''احمق اور ایسے شخص کے علاوہ ہر شخص کی طلاق جائز ہوتی ہے جس کی عقل مغلوب ہو گئی ہو۔'' ابن ابی شیبہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''بچے اور مجنون کی طلاق جائز ہیں۔'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''احمق کی طلاق کے علاوہ ساری طلاقیں جائز ہیں۔'' جواز سے مراد نفاذ ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: ''مجنون سے سارے تصرفات قولیہ صحیح نہیں ہوتے۔ اس کی طلاق، عتاق (آزادی دینا) کتابت، اقرار صحیح نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کی بیع اور شراء کا نفاذ ہوتا ہے۔ نہ ہی اس کی طرف سے ھبہ اور صدقہ کی قبولیت درست ہوتی ہے نہ ہی اس کی وصیت درست ہوتی ہے۔''

مصر کی شرعی عدالت نے دو امور کا فیصلہ سنایا جو اسے پیش کیے گئے تھے۔

۱- ناسمجھ کی طلاق واقع نہ ہونا۔

۲- پاگل کی طلاق واقع نہ ہونا۔ پہلا فیصلہ مدعیۃ کا یہ دعویٰ اپنے ضمن میں لیے ہوئے تھا کہ وہ فلاں کی بیوی ہے جسے اس کی ناسمجھی کی وجہ سے تصرف سے روک دیا گیا ہے۔ اس کے خاوند نے اسے فلاں تاریخ کو شرعی رسمی گواہیوں کی رو سے اسے طلاق دے دی ہے۔ اس نے مدعیٰ علیہا کے خلاف فیصلہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا کہ مذکورہ صورت حال میں یہ طلاق باطل ہو جاتی ہے اور اس کے آثار میں سے کچھ بھی مرتب نہیں ہوتا کیونکہ اس کا خاوند اپنے پاگل پن کی وجہ سے اس طلاق کا مالک ہی نہیں۔ مدعیٰ علیہا اس مرد کی بہن تھی۔ اس نے اپنے وکیل کی زبان سے کہا: ''یہ دعویٰ شریعت کی رو سے سننے کے قابل ہی نہیں۔ کیونکہ وہ اس دعویٰ میں خصم نہیں ہے کیونکہ وہ صرف مالی امور کی نگران ہے۔

اس کے بارے عدالت نے یہ فیصلہ سنایا: ''اس میں طرفین کا کوئی جھگڑا نہیں کہ اس خاوند

کو اس طلاق سے قبل تصرف سے اس کی ناسمجھی کی وجہ سے روک دیا گیا تھا۔ اس میں بھی فریقین کا کوئی اختلاف نہیں کہ ابھی تک اس سے یہ پابندی اٹھائی نہیں گئی تھی۔ جھگڑا یہ ہے کہ مدعی علیہا کہتی ہے کہ اس کی طلاق واقع ہو جائے گی جب اسے کچھ افاقہ ہو جبکہ مدعیۃ کہتی ہے کہ اس کے تصرفات پر پابندی ہے اس کا حکم ایک ہے اس کی ایک حالت یا دوسری حالت میں کوئی فرق نہیں۔ نیز یہ کہ فقہاء ناسمجھ کو اس کے تصرف میں باتمیز بچے کے ساتھ ملاتے ہیں اس کے تصرفات میں سے صحیح کو بھی وہ لازم قرار نہیں دیتے مگر اس کے سرپرست کی اجازت سے درست قرار دیتے ہیں۔ جو تصرفات صحیح نہ ہوں اس میں سرپرست کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں ہوتا جیسے کہ ہبہ اور طلاق وغیرہ اس میں وہ تصرف کے وقت ایک حالت یا دوسری حالت میں فرق بھی نہیں کرتے۔ اس فرق کو مجنون کے تصرفات کے وقت کرتے ہیں اور یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ دعویٰ قابل سماعت ہی نہیں کیونکہ مدعیۃ صرف امور مالیۃ میں خصم بن سکتی ہے مدعیٰ علیہا کے وکیل کی یہ بات بھی درست نہیں۔ کیونکہ اس دعویٰ کا تعلق بھی خصومت مالیۃ کے ساتھ ہی ہے کیونکہ اس کا تعلق نفقہ وغیرہ کے ساتھ بھی ہے۔ یہ طلاق ایسے شخص سے صادر ہو رہی ہے جو اس کا مالک ہی نہیں لہٰذا اس کے آثار میں سے کچھ بھی مترتب نہیں ہوگا۔ لہٰذا عدالت نے مدعیٰ علیہا کے خلاف فیصلہ دیا ہے کہ مذکورہ صورت حال میں مذکورہ طلاق باطل ہے اور اس کے کچھ اثرات بھی مترتب نہیں ہوں گے۔ لہٰذا ہم یہ مقدمہ خارج کرتے ہیں۔

وہ فیصلہ جس کا تعلق مجنون کی طلاق واقع نہ ہونے کے ساتھ ہے ہم شرعی عدالت کے فیصلے کا خلاصہ لکھتے ہیں ''جنون بھی دیگر امراض کی طرح ایک مرض ہے۔ اس کا مرجع طب اور طبیب ہی ہیں۔ لازماً ڈاکٹرز کی بات چیت پر انحصار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں ان کا قول ہی قول فیصل ہوگا۔ فلاں فلاں ڈاکٹرز نے اپنی مشہور تالیف (الطب الشرعی فی مصر) میں یہ تذکرہ کیا ہے کہ انسان کے اپنے افکار اور شعور کے مابین اور اس چیز کے مابین جس سے وہ پوری طرح واقف ہے رکاوٹیں دور کرنے کی قدرت نہ رکھتا جنون ہے۔ ایسے مریض کی حالت اس کی عقلی حرکات سے پہچانی جا سکتی ہے جس طرح انسان کے ساتھ اس کے اخلاق اور تعلقات سے یہ کیفیت سمجھی جا سکتی ہے۔ پھر انہوں نے قوی عقلیۃ کو کئی اقسام میں منقسم کیا ہے ان میں سے ایک یادداشت، حس، شعور، غور وفکر، احساس اور تاثر میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرا فطرتی ارادہ میں خلل آ جاتا ہے پھر انہوں نے اس مرض کے اسباب اور مصادر بیان کیے ہیں اس کے آثار اور مظاہر کو تفصیل سے بیان کیا ہے

انہوں نے ان میں سے قوت ذاکرہ، اور قوت حس کا اختتام، کیفیات میں اختلاط، محسوسات خارجیہ کو سمجھنے میں اختلاط اور ہذیان کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد بعض تصورات اور ہذیانی اعتقادات کا مریض کے نفس پر غلبہ پالینا اور ان کا لگاتار برقرار رہنا ہے۔ اگرچہ مریض ان کے باطل ہونے کی رائے رکھتا ہو۔ بعض اوقات ان کی وجہ سے ایسا امر مترتب ہوتا ہے جو مریض کو جرائم کے ارتکاب کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اسے ایک وہمی سا گمان ہوتا ہے کہ وہ شخص اس کے ساتھ برائی کرے گا۔ ان ڈاکٹرز نے جنوں کی بعض اقسام ایسی بھی لکھی ہیں جن میں مریض اپنے اشتعال پر ضبط مفقود پاتا ہے وہ چھوٹے چھوٹے اسباب کی وجہ سے ناراض ہوتا ہے۔ روتا ہے، اور ہنستا ہے۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کبھی مریض کا فطری ارادہ زیادہ ہوتا ہے جس سے اس کے اضطراب واشتعال میں اضافہ ہو جاتا ہے وہ بعض اوقات مغلوب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں اپنے اہل خانہ کے لیے ناپسندیدگی اور بغض کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا ہے اور سوچ و بچار کے بغیر ہی کسی کام میں لگ جاتا ہے۔

ان ڈاکٹرز نے یہ ساری تفصیلات بیان کرنے کے بعد امراض عقلیہ کو کئی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے قوی عقلیہ کا ضعف ذکر کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے بڑھاپے کی وجہ سے عقل کی کمزوری کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ یہ قوی عقلیہ میں نقص ہوتا ہے وہ مریض بڑھاپے کی عمر میں جسمانی کمزوری کے ساتھ چلتا ہے۔ اس کی یادداشت کی قوت میں کمی آجاتی ہے۔ اسے ہذیانی تصورات لاحق ہو جاتے ہیں۔ ایسا مریض مخبوط الحواس ہو جاتا ہے۔ اسے معاملات گڈمڈ نظر آتے ہیں۔ وہ مشتعل ہو جاتا ہے۔ اسے بدگمانی ہونے لگتی ہے اس میں تمیز کی قوت مفقود ہو جاتی ہے۔ اس کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے لباس کی طرف توجہ نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

اس مرض کے بارے جو کچھ ان ڈاکٹرز حضرات نے کہا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے جو کچھ اس دعویٰ میں ذکر کیا گیا ہے وہ اس طلاق دینے والے کی حالت پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے جس کی گواہی مدعیۃ کے گواہوں نے دی تھی۔ حتیٰ کہ عدالت نے کہا:

> "صحیح امر یہ ہے کہ یہ طلاق ماہ جون ۱۹۲۴ء کو ہوئی لیکن یہ بات عرف میں معروف نہیں کہ جس کا جنون ماہ جون ۱۹۳۴ء میں سرکاری طور پر عیاں ہوا وہ اس ماہ کے ساتویں روز کامل اہلیت کا مالک بن جائے۔"

لیکن لوگوں کی عمومی عادت یہ ہے وہ مریض کی کسی ایسی مرض کا جلد اظہار نہیں کرتے بلکہ وہ اسے مخفی اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس میں ان کے لیے عار اور شرمندگی ہوتی ہے وہ لوگ ایسے مرض کا اس وقت اظہار کرتے ہیں جب وہ اس کا علاج کر کے تھک جاتے ہیں اور علاج سے عاجز آجاتے ہیں۔ یا انہیں کسی ایسے معاملہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو انہیں اس کے ذکر کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ان تفصیلات میں جانے کا یہ وقت نہیں۔ عدالت گواہوں کی گواہی اور اس طرف سے جس کا ابھی تذکرہ کیا ہے، سے اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اگر یہ اس مریض کا اچانک فعل نہ ہوتا تو اس خاندان سے اجنبی ایک شخص اس مریض کی مرض کو نہ جان سکتا کیونکہ انہوں نے اس شخص کی عزت کا پاس کرتے ہوئے نیز اس لیے کہ کوئی جان پہچان والا شخص ان کو عار نہ دلائے اہل خانہ نے تو اس مرض کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اس امر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان گواہوں میں سے ایک ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اس نے کتنی ہی بار اس کے اہل خانہ کو کہا تھا کہ وہ اسے پاگلوں کے خاندان (ہسپتال) میں لے جائیں مگر انہوں نے اس طرح نہ کیا۔ ان سارے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اس جس مریض نے مدعیہ کو طلاق دی تھی۔ وہ جنون کی مرض میں مبتلاء تھا۔ شرعی طور پر بھی یہی نص ہے کہ مجنون کے تصرفات باطلہ ہیں ان میں سے ایک طلاق بھی ہے۔ مدعیہ کا یہ تقاضا درست ہے اس نوٹس کو باطل قرار دیا جائے۔

قدیمی اہل مصر کے نزدیک طلاق

طلاق قدیمی زمانہ میں بھی اقوام میں رائج تھی۔ یہ ان اسباب کی وجہ سے رونما ہوتی ہے جو میاں اور بیوی کے حالات کی طرف لوٹتے تھے احوال اور اشخاص کے مختلف ہونے کی وجہ سے اسباب بھی مختلف ہوتے تھے۔ اس جگہ ہم تذکرہ کرتے ہیں کہ قدیمی مصریوں کے ہاں طلاق کیسے ہوتی تھی تا کہ قاری کے سامنے اس موضوع پر قدیم اور جدید حالات عیاں ہو سکیں۔

ایک پرانے ٹیلے میں سے ایک لحاف ملا ہے جس میں ابردی کے کچھ اوراق تھے جنہیں ایک بڑے برتن میں بند کر کے اس پر مہر لگا دی گئی تھی۔ ان اوراق میں سے ایک ورقہ پر طلاق کا صیغہ پایا گیا جسے رجسٹر لکھنے والے کاتب نے ۲۲۰۰ء قبل از مسیح لکھا تھا۔ اس کاتب کو تو نا بن آسمین کہا جاتا تھا۔ طلاق کے اس ورقہ پر قدیمی زبان میں ایک شخص کا نام لکھا گیا تھا جسے آمون کوثر کہتے

تھے۔ اس کاغذ میں اس کی طرف سے لکھا تھا: ''اب میں نے تجھے اپنی بیوی کی حیثیت سے چھوڑ دیا ہے اب ایک بیوی کے سے حقوق میرے لیے تجھ پر ختم ہیں۔ میں تجھے کہتا ہوں میرے علاوہ اور خاوند تلاش کر لو تو جس گھر میں بھی جائے میں تیرے سامنے ٹھہرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ آج اور آج کے بعد میرے تجھ پر بیوی کی طرح کے کوئی حقوق نہیں۔ بغیر کسی سستی اور جھگڑے کے فوراً چلی جا۔ تو رب کی رضا کے لیے آزاد ہے۔'' یہ تحریر تون بن اسمین نے لکھی ہے۔ جو رجسٹر کا کاتب ہے۔ اس کاغذ پر چار گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں۔''

اس سے تجھ پر عیاں ہو گیا ہو گا کہ طلاق پرانے زمانہ کے مہذب اور وحشی قبائل میں کس طرح رائج تھی۔

خلع کی حکمت

خلع فی ذاتہٖ شرع شریف کے نزدیک اسی طرح مبغوض ہے جس طرح طلاق مبغوض ہے عقل اور ذوق لطیف خلع سے نفرت کرتے ہیں لیکن شارع حکیم نے حدود اللہ کو قائم نہ کر سکنے کے وقت نقصان کو دور کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مرد اور عورت کے درمیان اس قدر لڑائی اور جھگڑا پھوٹ نکلے جو انہیں اس نتیجہ تک لے جائے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہے یا عورت مرد کے ساتھ گزر بسر کرنے کی طاقت نہ رکھے اور اس سے جدا ہونے میں رغبت رکھتی ہو خلع کے علاوہ اسے نجات کا رستہ نظر نہ آئے تو وہ خود کچھ مال دے دے حتیٰ کہ وہ زوجیت کی مشقت سے نجات پالے جب مرد بھی اس امر پر راضی ہو۔ اس حیثیت سے عورت حق مہر کی مستحق ہوئی تھی کہ اس نے اپنا آپ مرد کے حوالے کیا تھا۔ یہ معاملہ ہو چکا۔ اب مرد اس سے وہ مال لے لے گا جس کے ساتھ وہ عورت چھٹکارا حاصل کرے گی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ساتھ مرد کو روکا ہے۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۝ (النساء:۲۱)

ترجمہ: اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم مال کو حالانکہ مل جل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ۔

جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ اس میں حکمت نقصان کو روکنا ہے جب میاں اور بیوی کے مابین جھگڑا محکم ہو جائے جب ان کے مابین نفرت کے الاؤ بھڑک اٹھیں۔ یہ خدشہ ہو کہ زوجیت کی شروط پوری نہیں کر سکیں گے۔ تو خلع، جس کیفیت میں اس شارع حکیم نے مشروع فرمایا ہے: یہ جھگڑا ختم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ (البقرۃ:۲۲۹)

ترجمہ: پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ تعالیٰ کی حدود کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے یہ حدیں میں اللہ تعالیٰ کی سو ان سے آگے نہ بڑھو۔

عدت میں حکمت خواہ وہ کوئی بھی ہو

جان لو کہ شارع حکیم نے امور میں سے کسی امر کو شریعت مطہرہ کے قواعد میں سے کسی قاعدہ نہیں چھوڑا مگر اس میں ایک بلیغ حکمت رکھی جو انسان کے دنیاوی اور اخروی سعادت کو متضمن ہے۔ اسی ضمن میں وہ عدت بھی ہے شارع حکیم نے جسے عورت کے لیے مقرر کیا ہے یہ عدت میاں اور بیوی کے مابین فراق کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ خواہ یہ فراق کی وجہ سے ہو یا طلاق کی وجہ سے فراق کے بعد عدت مقرر کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے۔ جب شارع حکیم نے اپنے بندوں کو عبادات کا مکلف بنایا تو ضروری تھا کہ وہ اس چیز اور اس زمانہ کا تعین کر دیتا جس کی ادائیگی کا وہ تقاضا کرتا ہے تاکہ انسان کے لیے اس کا معاملہ واضح ہو جاتا۔ اسی لیے شارع حکیم نے دخول کے بعد فراق کی علامت عدت کو قرار دیا ہے۔ خواہ یہ فراق کسی طرح بھی ہو۔ بلاشبہ اس امر میں خاص و عام، عالم و جاہل برابر ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے سفر میں نماز قصر مشقت کے لیے مشروع کی گئی ہے۔ مشقت کا حصول ایک ایسا امر ہے جو منضبط نہیں ہوتا لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے مشقت مختلف ہوتی ہے شارع حکیم نے سفر کو قصر کی علامت قرار دے دیا۔ جب سفر درپیش ہوگا سفر کرنا واجب ہو گا خواہ سفر میں مشقت حاصل ہو یا نہ ہو۔ عدت میں حکمت کئی امور کے اعتبار سے کارفرما ہے۔

یہ علم ہو جائے کہ رحم خالی ہے۔ اس میں حمل نہیں تاکہ دو مباشرت کرنے والوں کا پانی ایک رحم میں جمع نہ ہو سکے اس طرح نسب گڈمڈ نہ ہو جائیں۔ اس میں وہ نقصان ہے جو

کسی پر مخفی نہیں۔ نہ ہی اس پر شریعت مطہرۃ راضی ہوتی ہے۔ نہ ہی عقل سلیم اسے قبول کرتا ہے۔

۲- اس سے عقد نکاح کے احترام اور تعظیم کا اظہار مقصود ہے۔

۳- طلاق رجعی دینے والے کے لیے رجوع کا وقت طویل کرنا مقصود ہے۔ بعض اوقات آدمی لوٹ آتا ہے وہ طلاق پر نادم ہوتا ہے۔ اس کے لیے کافی وقت ہوتا ہے اس میں اس کے لیے رجوع کرنا ممکن ہوتا ہے۔

۴- اس سے خاوند کے حق کا احترام بھی مقصود ہے جبکہ خاوند کی موت کی وجہ سے عدت ہو۔ اس کی وفات پر افسوس کا اظہار بھی مطلوب ہے۔ اس افسوس کا اظہار صرف عدت سے ہی ہوسکتا ہے۔

۵- اس میں دوسرے خاوند کے حق میں احتیاط بھی ہے تاکہ اس کے لیے معاملہ پوری طرح واضح ہو سکے۔ اسی طرح اس میں حکمتیں پنہاں ہیں جن کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

''البدائع'' میں ہے:

''کسی اجنبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو عدت گزار رہی ہو۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ (البقرۃ:۲۳۵)

ترجمہ: اور نہ پکی کرلو نکاح کی گرہ یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہاء کو۔

یعنی عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔ یا نکاح کی گرہ نہ لگاؤ حتیٰ کہ وہ عدت گزر جائے جو رب تعالیٰ نے اس عورت کے لیے لازم قرار دی ہے کیونکہ طلاق رجعی کے بعد نکاح ہر اعتبار سے قائم رہتا ہے۔ جبکہ طلاق بائن یا تین طلاقوں کی صورت میں عدت کے قیام کی وجہ سے اس کا حکم ایک اعتبار سے قائم رہتا ہے کیونکہ بعض آثار قائم ہوتے ہیں۔ ایک اعتبار سے ثابت ہونے والی چیز حرمات کے باب میں احتیاطاً اسی طرح ہے جس طرح وہ ہر وجہ سے ثابت ہے صاحب عدت کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرلے کیونکہ نکاح کرنے کی ممانعت دوسرے مردوں کے لیے اس خاوند کے لیے نہیں۔ کیونکہ طلاق کی عدت اس عورت پر خاوند کے حق کے طور پر لازم ہوئی ہے کیونکہ وہ ایک وجہ سے وہ اس کے نکاح کے حکم میں باقی ہے۔ اجنبی کے لیے حرمت کے حق میں اس کا اظہار ہوگا لیکن خاوند کے حق میں اس کا اظہار نہیں ہوگا کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اسے اس کے حق

سے روک دیا جائے۔

جس عورت کا خاوند مرجائے اس کی عدت میں حکمت

زمانہ جاہلیت میں عرب عقد کے احترام میں مبالغہ کرتے تھے وہ خاوند کے حق کو مقدس سمجھتے تھے حتیٰ کہ جب کسی عورت کا خاوند مرجاتا تو وہ کالے کپڑے پہن لیتی۔ پورا سال سوگ میں گزار دیتی۔ وہ نہ تو سنورتی۔ نہ خوشبو لگاتی۔ نہ کسی کے ساتھ ملتی نہ ہی کسی ایسی چیز کا اظہار کرتی جو فرحت وشادمانی پر دلالت کرتی۔ اس میں نفس پر اتنی مشقت تھی جسے برداشت کرنے سے قوی عاجز تھے عادات کی تاثیر کی وجہ سے وہ عورت اس پر قادر تھی۔
شریعت اسلامیہ آئی تو اس نے عورت سے ہر گراں بار اٹھا دیا جو اسے زمانہ جاہلیت میں اٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے لیے مدت متعین کردی۔ وہ عدت کا وقت ختم ہونا ہے۔ اس عدت کی مدت، اگر عورت حاملہ نہ ہو تو چار ماہ اور دس دن ہے۔ عورت پر رحمت وشفقت کرتے ہوئے، اس کی پاک دامنی کی حفاظت کرتے ہوئے اور جاہلیت کا یہ طریقہ باطل کرنے کے لیے یہ مدت مقرر کی گئی۔

یہ مدت مقرر کرنے میں ایک حکمت بالغہ کارفرما ہے کیونکہ جنین ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے چالیس دن تک وہ علقہ، چالیس روز تک وہ مضغہ رہتا ہے یہ مدت چار ماہ بنتے ہیں۔ پھر چوتھے مرحلہ میں اس میں روح پھونکی جاتی ہے وہ اپنی ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے۔ حرکت سے حمل جانا جاسکتا ہے اسی لیے یہ مدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی۔ عورتوں کے نزدیک یہ مدت حقیقی حمل کی مدت کا نصف ہے اگرچہ رحم کا خالی ہونا اور حمل کا نہ ہونا دو یا تین حیضوں سے معلوم ہوسکتا تھا لیکن اس طرح مرنے والے خاوند کے احترام کا حق ختم ہو جاتا۔

اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے کہ ایسی عورت کی عدت جس کا خاوند مرجائے دنوں کے ساتھ مقرر کی گئی۔ شارع حکیم نے اسے حیضوں کے ساتھ مقرر نہ کیا جس طرح کہ مطلقہ کی عدت مقرر کی۔ وہ حکمت یہ ہے کہ مطلقہ کی عدت میں صاحب حق بحیات ہوتا ہے وہ اس عورت کی حالت کو سارے لوگوں سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔ عورت کی زندگی اور عادات کے بارے اس سے کچھ بھی مخفی نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں جبکہ عورت کا خاوند مرجائے صاحب حق جو حیض میں

عورت کا معمول جانتا تھا وہ مر چکا ہوتا ہے شارع حکیم نے اس کی عدت کی مدت دنوں کے ساتھ مقرر کی کیونکہ یہ مقدار ہر انسان کے لیے عیاں ہوتی ہے۔ تمہیں علم ہو گیا ہو گا کہ رب تعالیٰ نے ہر امر کو خوب محکم فرمایا ہے اگرچہ شارع حکیم نے صرف خاوند کی وفات پر ہی سوگ کرنے کی تصریح کی ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس عورت کے لیے جائز نہیں جو رب تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ سوگ نہ کرے مگر اپنے خاوند پر" البدائع" میں ہے:

• عدت کے وجوب کا سبب خاوند کی وفات ہے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرۃ:۲۳۴)

ترجمہ: اور جو لوگ فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں اور بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن۔

یہ نکاح کی نعمت سے محروم ہونے پر افسوس اور حزن کے اظہار کے لیے واجب ہے اس عورت کے حق میں نکاح بہت بڑی نعمت تھا۔ خاوند اس کے تحفظ، عفت کا سبب تھا۔ وہ اس کے نفقہ، لباس اور مسکن کی ذمہ داری کو پورا کرتا تھا۔ اس نعمت سے محروم ہو جانے پر حزن کے اظہار کے لیے اس پر عدت واجب ہے تاکہ اسے اس کی قدر و قیمت کی پہچان ہو سکے۔ اس کے وجوب کی شرط صرف صحیح نکاح ہے اس عورت پر جس کا خاوند مر جائے اس پر یہ عدت گزارنا واجب ہے۔ خواہ وہ مدخول بہا ہو یا مدخول بہا نہ ہو۔ خواہ وہ ان عورتوں میں سے ہو جنہیں حیض آتا ہے یا ان عورتوں میں سے ہو جنہیں حیض نہیں آتا کیونکہ رب تعالیٰ یہ فرمان عام ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرۃ:۲۳۴)

کیونکہ ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ نعمتِ نکاح کے ختم ہو جانے پر غم و حزن کا اظہار ہے۔ یہ غم و حزن پایا گیا" زاد المعاد میں ہے۔" زمانہ جاہلیت میں ایسی عورت ایک سال عدت گزارتی تھی۔ رب تعالیٰ نے اس عدت میں تخفیف فرما دیا۔ سے چار ماہ دس دن کر دیا۔ حضرت سعید بن مسیب سے پوچھا گیا:" یہ دس روز زائد کرنے کا کیا مقصد ہے؟" انہوں نے فرمایا:" اس دورانیہ میں رحم میں بچے میں روح پھونکی جاتی ہے۔ اس مدت میں رحم کا صاف ہونا حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کا محتاج ہے اور اگر اسے اس کی احتیاج نہ ہو تو یہ خاوند کے حق کی ادائیگی ہے۔

حاملہ مطلقہ کی عدت میں حکمت

شارع نے حاملہ مطلقہ کی عدت یہ مقرر فرمائی ہے کہ اس کا وضع حمل ہو جائے۔ اس میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ اگر اس عورت نے طلاق کے بعد حالت حمل میں نکاح کر لیا تو اس کا دوسرا خاوند اپنے پانی سے دوسری کی کھیتی سیراب کرنے والا ہوگا۔ یہ جائز نہیں، بلکہ یہ طلاق دینے والے اور اس کے اس خاوند کے مابین عداوت اور بغض کا سبب بنے گا جو اب اس کے ساتھ مباشرت کر رہا ہے۔ غیرت، بشریت اس شخص کے اندر حمیت کا جذبہ بڑھکا دے گی۔ ان کے مابین لڑائی شروع ہو جائے گی۔ صورت حال سنجیدہ اور کشیدہ ہو جائے گی جن کا انجام قابل ستائش نہیں ہوگا۔ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے جو حاملہ کی عدت اس طرح رکھی گئی ہے۔ وہ یہ کہ طلاق دینے والے کا جزء مطلقہ عورت کے پیٹ میں ہے۔ یہ مرد کا حق ہے اس عورت کے لیے روا نہیں کہ وہ اس شرعی حق میں سستی کرے اور اس وقت تک کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے جب تک یہ حق اس کے پیٹ میں موجود ہو۔ اسی لیے تم پاؤ گے کہ شارع حکیم نے طلاق دینے والے پر لازم کیا ہے کہ وہ اس مطلقہ پر خرچ کرے حتیٰ کہ اس کا وضع حمل ہو جائے۔ کیونکہ اس مدت میں اس کے لیے نیا نکاح نہ کرنے کا سبب اس نے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق:٦)

ترجمہ: اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ (الطلاق:۴)

ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی معیاد ان کے بچہ جننے تک ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس کسی مرد کے لیے جائز نہیں جو اللہ رب العزت اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ اپنے پانی سے کسی غیر کی کھیتی سیراب کرے۔''

اللہ رب العزت نے سچ فرمایا ہے، اس کے نبی کریم ﷺ نے سچ فرمایا ہے: ''البدائع'' میں ہے حاملہ کی عدت مدت حمل ہے۔ اس کا سبب فراق یا وفات ہے۔ اس میں اصل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ (الطلاق:۴)

یعنی ان کی عدت کا اختتام اس وقت ہو گا جب ان کا وضع حمل ہو جائے گا۔ جب ان کی عدت کی مدت ان کے وضع حمل کے وقت اختتام ہو گی۔ تو یہی وقت ان کی عدت کی مدت ہو گا۔ عدت اس لیے واجب ہے تا کہ اس کے ساتھ نکاح کرنے والا اپنے پانی سے غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے۔ اس کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ حمل ہو خواہ وہ نکاح صحیح کی وجہ سے ہو یا نکاح فاسد کی وجہ سے۔ کیونکہ نکاح فاسد میں وطئ عدت کو واجب کر دیتی ہے۔

اس چھوٹی بچی کی عدت میں حکمت جو ابھی تک حیض کی مدت کو نہ پہنچی ہو

شارع حکیم نے اس چھوٹی بچی کی عدت بھی تین ماہ مقرر فرمائی ہے جو ابھی تک حیض کی مدت کو نہ پہنچی ہو۔ چھوٹی بچی کو حیض تو آتا نہیں لیکن یہ مدت رحم کی براءت کے لیے مقرر نہیں کی گئی کیونکہ اس کی براءت تو ظاہر اور واضح ہے بلکہ اس عدت کو مقرر کرنے میں دو حکمتیں کارفرما ہیں۔

۱- عقد کی شان وقدر کے احترام کا اظہار کرنا۔

۲- اس بچی کو ان عورتوں کے ساتھ ملانا جنہیں حیض آتا ہے۔ اسے انہی کے مشابہ قرار دینا کیونکہ تین ماہ میں عموماً خواتین کو تین حیض آجاتے ہیں کیونکہ غالباً ایک ماہ میں ایک حیض آتا ہے اسی لیے شارع حکیم نے اس بچی کی عدت تین ماہ مقرر کی ہے جسے حیض نہ آتا ہو۔ یہ ایک جلیل حکمت ہے۔

اس مطلقہ کی عدت میں حکمت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو

جان لو کہ اس عورت کی عدت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو کی حکمت تین حقوق کی طرف راجع ہے۔ (۱) طلاق دینے والے کا حق۔ (۲) بچے کا حق۔ (۳) اس عورت کا حق۔ طلاق دینے والے خاوند کا حق یہ ہے کہ وہ جب چاہے اس عورت کی طرف رجوع کر لے۔ خواہ وہ عورت راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ شارع حکیم نے اس کی مدت میں وسیع فرمائی ہے حتیٰ کہ اس کی عدت تین حیض گزر جائے۔ اکثر اوقات اس عدت میں دل صاف ہو جاتے ہیں اور اتفاق و اتحاد کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے رجعت ممکن ہوتی ہے۔ بچے کا حق یہ ہے کہ اسے اس کے والد کے ساتھ ملایا جائے اسے حقیقی نسب کے ساتھ ملایا جائے تا کہ انساب خلط ملط نہ ہوں اور وہ میراث سے محروم ہی نہ ہو جائے۔ عورت کا حق یہ ہے کہ وہ جان لے کہ وہ اس مرد سے حاملہ ہے یا کہ نہیں۔ کتاب عزیز میں ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ (الاحزاب:۴۹)

اس آیت طیبہ سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ مطلقہ کی عدت مساس کے بعد مرد کا حق ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ (البقرۃ:۲۲۸)

ترجمہ: اور ان کے خاوند زیادہ حقدار ہیں ان کو لوٹانے کے اس مدت میں اگر وہ اصلاح کا ارادہ کرلیں۔

شارع حکیم نے خاوند کے حق مقرر کر دیا کہ وہ اس عورت کی طرف عدت ختم ہونے تک جب چاہے رجوع کرلے۔ یہ حق ان حکمتوں میں سے ایک ہے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ رب تعالیٰ تمہیں شریعت بیضاء کے اسرار سمجھنے کی توفیق دے۔ اسے سمجھ لو۔

اس عورت کی عدت نہ ہونے میں حکمت جسے دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے دخول سے قبل ہی ان میں کسی سبب کی وجہ سے جدائی ہو جائے خواہ یہ سبب مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے۔ اس حالت میں نکاح کے سارے اسباب ان کے مابین زائل ہو جائیں گے۔ عورت اس مرد کے لیے اجنبیہ بن جائے گی یہ امر تم پر مخفی نہیں کہ رحم کی براءت دخول سے قبل ہر اعتبار سے ثابت ہے۔ اس حالت میں رحم کی براءت جاننے کے لیے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ رحم کی براءت طلاق سے پہلے ہی ثابت ہے کیونکہ اس مرد نے عورت کو نہ تو مس کیا نہ ہی اس کے ساتھ مباشرت کی اس لیے اس عورت پر کوئی عدت نہیں جسے دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو کیونکہ عدت رحم کی براءت جاننے کے لیے ہوتی ہے لیکن اس صورت حال میں رحم کا خالی ہونا عیاں اور ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ (الاحزاب:۴۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو

اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں۔

عورت کے تین حیض انتظار کرنے میں حکمت

سابقہ فصلوں میں تمہیں عدت کی حکمت سے آگہی ہوئی۔ خواہ وہ عدت کسی لحاظ سے ہی ہو۔ پھر اس عورت کی حکمت سے آگاہی نصیب ہوئی جس کا خاوند مر گیا ہو۔ پھر حاملہ کی عدت کی حکمت کا عرفان ملا۔ پھر اس بچی کی عدت کی حکمت سمجھی جو ابھی تک مدت حیض کو نہ پہنچی ہو۔ پھر اس عورت کی عدت کی حکمت جانی جسے طلاق رجعی دی گئی ہو۔ پھر اس عورت کی عدت نہ ہونے کی حکمت جانی جسے دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔ اب اس عورت کی عدت کا تذکرہ رہ گیا ہے جسے اس شرط پر طلاق دی گئی ہو کہ وہ بقیہ حق مہر اور عدت کا نفقہ دونوں معاف کر دے گی یا ان دونوں میں سے کوئی ایک معاف کر دے گی حتیٰ کہ وہ شرعی طور پر ختم ہو جائے ہم نے اس کے لیے ایک علیحدہ فصل باندھی ہے۔ ان صورتوں میں جب طلاق ہو جائے تو مطلقہ کے لیے تین حیض انتظار کرنا لازم ہوتا ہے کیونکہ رحم کی براءت اتنی مدت انتظار کیے بغیر عیاں نہیں ہو سکتی۔ اکثر اور غالب تین ماہ میں یہ عیاں ہو جاتی ہے۔ عدت کی ان تمام مدت سے شارع حکم کا مقصد ہر اعتبار سے رحم کی براءت کا عیاں کرنا ہے تاکہ مطلقہ کے لیے یہ ممکن ہو سکے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے۔ کیونکہ معدہ کے فسادات اس مدت کے دوران ظاہر ہو جاتے ہیں اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں کہ مذکور طلاق سے اسے حمل نہیں جو اسے براءت پر حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کے بعض بڑے بڑے ڈاکٹرز نے اس موضوع پر لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جبکہ وہ سارے کہنے والوں سے سچا ہے۔:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ:۲۲۸)

ترجمہ: اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک۔

اس آیت جس کا معنی واضح ہے وہ یہ ہے کہ تین ماہ کی مدت میں حمل کی علامات عیاں ہو جاتیں ہیں یہ پیٹ کا نچلا حصہ کسی بیماری یا معدہ کے فسادات سے نہیں بڑھا ہوا بلکہ یہ حمل کی وجہ سے ہے۔ تین ماہ کی مدت ایک خاص حکمت کے تحت رکھی گئی ہے کیونکہ اس سے ایک ماہ قبل سپیشلسٹ ڈاکٹرز بلکہ ایڈیالوجسٹ کے ذریعہ بھی حمل جاننا خاصا مشکل ہوتا ہے۔ (مؤلف کے زمانہ میں تو یہ مشکل ہوگا لیکن اب نہیں) لیکن اس مدت کے بعد عام شخص کے لیے حمل کی علامات

عیاں ہوتی ہیں۔ ہاں! البتہ بعض حالات میں حمل ہونے یا نہ ہونے کے بارے یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہوتا ہے حتیٰ کہ چار ماہ، پانچ اس سے بھی زیادہ مدت گزر جائے۔ خصوصاً عوام کے نزدیک یہ امر مشکل ہوتا ہے۔ لیکن ایسے حالات بہت کم ہوتے ہیں۔ میں نے ناویں مہینے میں بھی ایسے حالات دیکھے ہیں جن میں سپیشلسٹ ڈاکٹروں کو بھی شبہ ہو جاتا ہے وہ صرف شعاعوں کے ذریعے ہی جان سکتے ہیں لیکن ایسے حالات بہت کم رونما ہوتے ہیں۔ یہ حالات احکام عامۃ کے تحت نہیں آئے۔

ظہار کی حکمت

''الظہار'' یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔'' اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے۔ کیونکہ اس میں عورت کے لیے پریشانی اور کٹھن تھی اس لیے شارع حکیم نے اس کا انکار کر دیا اور اسے جھوٹ شمار کیا جیسے کہ اس نے اپنی کتاب حکیم میں فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ۔ (المجادلۃ: ۲)

ترجمہ: جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے ان کو جنا ہے بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بڑی بات۔

ظہار بڑی اور قبیح بات یا تو اس لیے ہے کہ اس میں عورت کے لیے پریشانی اور محرومی ہے یا اس عورت کے ساتھ بڑائی ہے جس کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس شخص اپنے اوپر وہ چیز حرام کر دی جسے رب تعالیٰ نے اس پر حلال کیا تھا۔ اس امر کا شریعت بھی انکار کرتی ہے اور عقل بھی اس کا انکار کرتا ہے۔ اس کا جھوٹ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ مرد کا یہ جملہ ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔'' یا تو خبر یہ ہوگا اس صورت میں یہ واضح جھوٹ ہوگا۔ کیونکہ وہ عورت اس کے لیے اس کی ماں کی پشت کی مانند نہیں، نہ ہی ان کے مابین کوئی وجہ شبہ ہے لیکن شارع حکیم نے مرد کا کلام مہمل نہیں کیا کیونکہ یہ اس کے ارادہ اور سمجھ سے صادر ہوا تھا۔ اسی طرح شارع حکیم نے مرد پر رحم کیا اور اس کے معاملہ میں تنگی پیدا نہیں کی بلکہ اس پر رحمت کرتے ہوئے اس پر صرف کفارہ واجب کیا اور اس سے نکلنے والے جملے سے طلاق کا حکم مراد نہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ (المجادلہ:۳)

ترجمہ: جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے) آگاہ ہے پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو۔

اس میں مخفی حکمت کی دو قسمیں ہیں: (۱) مؤاخذہ (۲) کفارہ۔ جیسے کہ تم جانتے ہو۔ مؤاخذہ اس لیے ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ پر وہ چیز لازم کی ہے جو کسی اور نے اس پر لازم نہیں کی۔ جاہلیت اولی کے بقیہ امور میں سے ایک امر کا بوجھ کسی سبب کے بغیر اٹھایا۔ بطور سزا اسے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ پھر یہ سزا یا تو مالی ہے یا بدنی۔ بلاشبہ غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا مالی سزا ہے۔ اس میں نفس پر مشقت ہے تا کہ وہ دوبارہ ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرے۔ اسی طرح لگا تار ساٹھ دنوں کے روزے رکھنا۔ اس میں بھی مشقت ہے۔ یہ ایک اعتبار سے بدنی سزا ہے جبکہ دوسرے اعتبار سے یہ عبادت بھی ہے۔

اس سارے امر میں اصل مقصود خاوند کو وعظ و نصیحت کرنا اور اسے ادب سکھانا مقصود ہے تا کہ وہ دوبارہ ظہار نہ کرے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے وہ زمانہ جاہلیت اولی کے لوگوں کی مخالفت ہے وہ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے تھے تا کہ وہ ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں۔ اسلام اس مرد کے لیے رحمت اور شفقت لے کر آیا۔ رب تعالیٰ کی اس حکمت میں غور کرو۔ ظہار کے بارے کلام سات فصول پر مشتمل ہے۔ (۱) ظہار کے الفاظ (۲) کفارہ واجب ہونے کی شرط۔ (۳) وہ الفاظ جن سے ظہار صحیح ہوتا ہے۔ (۴) کیا بار بار نکاح کرنے سے ظہار بھی بار بار ہوگا۔ (۵) کیا اس مرد پر ایلاء ہوگا۔ (۶) ظہار کے کفارہ کے احکام۔ یہ سارے مسائل فقہ کی کتب میں مذکور ہیں "المبسوط" میں ہے "جان لو کہ ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق تھا۔ شارع حکیم نے اس کی

اصل کو برقرار رکھا اور اس کی تحریم کا حکم اس وقت تک برقرار رکھا جب تک مرد کفارہ ادا نہ کر لے یہ ملکیت زائل نہیں کرتا۔ جیسے کہ مذکورہ بالا آیت طیبہ سے ثابت ہے یہ آیات طیبات حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے بارے نازل ہوئیں۔ انہوں نے فرمایا:

''میں اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھی ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کے مزاج میں چڑچڑاپن آ گیا تھا۔ میں نے ان سے کسی معاملہ کے بارے جھگڑا کیا تو انہوں نے کہا: ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے وہ اپنی قوم کی محفل میں بیٹھ گئے پھر میرے پاس آئے اور مجھے مباشرت کے لیے کہا میں نے کہا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں خولہ کی جان ہے تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تم نے کیا جو کچھ کہا حتیٰ کہ رب تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے کوئی فیصلہ فرما دیں۔'' وہ مجھ پر گر پڑے مگر میں نے انہیں دور کر دیا۔ میں اپنے پڑوسن کے گھر گئی۔ اس سے کپڑے لیے اور انہیں پہن کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئی۔ یہ واقعہ گوش گزار کیا۔ آپ مجھ سے فرمانے لگے: ''وہ تمہارا خاوند اور تمہارا چچازاد ہے وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ احسان کرو۔'' میں ان کے چڑچڑے پن کا شکوہ رب تعالیٰ کے حضور کرنے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح کیفیت طاری ہو گئی جس طرح کی کیفیت نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی تھی۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہارے خاوند کے بارے حکم نازل کر دیا ہے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ۔ (المجادلۃ:۱)

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو کہہ رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور ساتھ ہی شکوہ کیے جاتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے خاوند کو حکم دو کہ وہ ایک غلام آزاد کرے۔'' میں نے عرض کی ''وہ یہ طاقت نہیں رکھتے۔'' پھر فرمایا: ''اسے کہو کہ وہ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے۔'' میں نے کہا: ''وہ عمر رسیدہ ہیں، وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔'' میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم عنقریب ایک فرق کے ساتھ اس کی مدد کریں گے۔'' میں نے عرض کی: میں بھی ایک فرق کے ساتھ اس کی مدد کروں گی''

(''المصباح'' میں ہے کہ فرق وہ پیمانہ ہے جس میں ۱۶ رطل غلہ آ جاتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ''اس طرح ضرور کرو۔ اور اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔''

النسفی میں ہے: ''جب ظہار کرنے والا وہ کفارہ ادا نہ کرے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اس مرد کا معاملہ قاضی کے پاس لے جائے وہ اسے کفارہ کی ادائیگی پر مجبور کرے گا۔ وہ اسے محبوس کر دے گا حتیٰ کہ وہ کفارہ ادا کر لے۔ کفارات میں سے کسی کفارہ کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا سوائے کفارۂ ظہار کے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ عورت سے نقصان کو دور کیا جائے اور خاوند کو اس سے لطف اندوز ہونے سے روک دیا جائے۔

ایلاء کی حکمت

ایلاء کی کیفیت یہ ہے کہ مرد قسم اٹھائے کہ وہ اتنی مدت اپنی زوجہ سے مباشرت نہیں کرے گا۔ یہ جاہلیت میں رواج تھا۔ یہ ایک قبیح رسم تھی۔ یہ ایک واضح ظلم اور عورت کے حقوق کی بربادی تھی۔ ممکن ہے کہ عورت کا کوئی گناہ نہ ہوتا۔ جب شریعت اسلامیہ کا آفتاب ضوفشاں ہوا۔ اس نے اس عادت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ ایلاء کی ایک محدود حد مقرر کر دی۔ جب وہ مدت گزر گئی تو وہ عورت اس مرد سے جدا ہو جائے گی۔ یہ مدت چار ماہ کی ہے۔ اگر اس مدت میں مرد نے اس عورت سے مباشرت کر لی تو وہ اپنی قسم توڑنے والا ہوگا۔ اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ: ۲۲۶، ۲۲۷)

ترجمہ: ان کے لیے جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی بیویوں کے قریب نہ جائیں گے مہلت ہے چار ماہ کی پھر اگر رجوع کر لیں (اس مدت میں) تو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے اور اگر پکا ارادہ کر لیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

یہ مدت چار ماہ مقرر کرنے کی حکمت چار امور پر مبنی ہے:

۱- یہ ایک کافی مدت ہے کیونکہ اتنی مدت میں نفس میں مباشرت کرنے کی شدید خواہش پیدا ہوتی ہے۔ عورت کی کیفیت بھی یہی ہوتی ہے وہ غالباً اس مدت سے زائد عرصہ اپنے خاوند سے دور نہیں رہ سکتی۔

۲- یہ مدت اکثر پاکدامنی کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر یہ مدت زائد ہو جائے تو دونوں مرد اور

عورت ایسے امور میں گر پڑتے ہیں جو عفت اور پاکدامنی کے منافی ہوتے ہیں۔ یہی حکمت بالغہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: انھوں نے فرمایا: ''زمانہ جاہلیت میں ایلاء ایک سال یا دو سال یا اس سے بھی زائد مدت کے لیے ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ نے اس کی مدت چار مقرر فرمائی۔ جس کا ایلاء چار ماہ سے کم مدت کے لیے ہوگا وہ ایلا نہیں کہلائے گا۔

لعان کی حکمت

زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی پر تہمت لگاتا۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر تہمت لگاتے تو اس صورت حال میں کاہنوں کی طرف رجوع کیا جاتا۔ وہ امور میں فیصلہ کرنے کے لیے کہانت کرتے اپنے باطل گمان اور قبیح جہالت کی بناء پر حقائق کے بارے خبریں بتاتے تھے۔ وہ اپنے اس قابل نفرت عمل، ظاہری دھوکہ دہی اور مکر وفریب کے ساتھ رب تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ جھوٹ بولتے۔ جب شریعت مطہرہ ضوفشاں ہوئی تو اس نے دو حکمتیں کی وجہ سے اس سارے عمل کی نفی فرما دی۔

۱- ساحل اور احمق کی کہانت کی حماقت کو ترک کر دیا۔

۲- ان کاہنوں کے پاس جانا بہت عظیم خطرہ تھا۔ کیونکہ ان کی صداقت کا یقین بالکل نہیں ہوتا تھا۔ جب لوگ ان کے پاس جاتے تھے تو وہ امور الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ وہ لوگوں کو کسی بری شخص پر تہمت لگا کر اور کسی مجرم کو بری قرار دے کر ممنوع اور ناجائز امر میں گرا دیتے تھے۔ وہ اپنی جہالت اور حماقت کی وجہ سے اس طرح کرتے تھے۔ پھر اس امر کو لعان میں تبدیل کر دیا گیا۔

شریعتِ مطہرۃ میں لعان یہ ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے تو اسے چار عادل گواہ حاضر کرنے کے لیے کہا جائے گا۔ جو بدکاری دیکھنے کی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ شرعی طور پر یہ مقرر ہے۔ اگر اسے گواہ نہ ملیں تو وہ چار بار رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے۔ پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر رب تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ اسی طرح وہ عورت بھی چار بار رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہے کہ مرد جھوٹا ہے پانچویں بار کہے کہ اس پر رب تعالیٰ کا غضب ہو اگر وہ سچوں میں سے ہو۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان کا مصداق یہی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور: ٦-٩)

ترجمہ: اور وہ خاوند جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں کو اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے تو ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والیوں میں سے ہو اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہے۔

اگر وہ مرد قسم اٹھانے سے رک گیا تو اسے محبوس کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے تو اس پر حد جاری کی جائے گی اگر میاں اور بیوی دونوں نے لعان کر لیا تو اس وقت ان کے مابین جدائی ڈال دی جائے گی۔ لعان میں کئی حکمتیں ہیں۔

۱- نکاح اور عورت کا اپنے خاوند کی بیوی بننے کا معاملہ میاں بیوی کی باہمی محبت اور اتفاق و اتحاد سے ہی قائم رہ سکتا ہے جب بدکاری اور زنا کی تہمت لگ جائے اور عورت بدکاری کی تہمت کی وجہ سے عیب دار ہو جائے تو میاں اور بیوی کے سینے زخمی ہو جائیں گے۔ عورت پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ وہ کینہ اور بغض پر ثابت رہیں گے۔ اس کا انجام برا ہوگا۔

۲- اس میں میاں بیوی کو ڈرانا اور ان کے لیے زجر و توبیخ ہے وہ ایسے گندے معاملہ کا ارتکاب نہ کریں جو شرف کو ختم کر دے۔

۳- مرد کے گھر کو ندامت و شرمندگی کا ایسا عیب لگ جائے جو شب و روز گزرنے کے بعد بھی نہ ڈھل سکے۔

لعان کے باب کی پانچ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں لعان کے بارے مقدمات کی اقسام اور ان کی شرطوں کا تذکرہ ہے۔ دوسری فصل میں لعان کرنے والوں کی صفات کا ذکر ہے تیسری

فصل میں لعان کی صفت بیان کی گئی ہے چوتھی فصل میں ان میں کسی ایک کے انکار یا رجوع کے حکم کے بارے ہے۔ پانچویں فصل میں لعان کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ یہ ساری تفصیلات فقہ کی کتب میں موجود ہیں۔

مطلقہ کے خرچہ میں حکمت

جب شارع حکیم نے مطلقہ کی عدت فرض کی تو اس کے لیے طلاق دینے والے پر فرض کیا کہ وہ اس پر خرچ کرے کیونکہ اس کا سبب وہ ہی بنا۔ عورت پر پابندی ہوگی کہ وہ نیا نکاح نہ کرے حتیٰ کہ اس کی شرعی عدت گزر جائے۔ یہ بھی امکان ہے وہ عورت غریب ہو۔ اس کا خرچہ اٹھانے والا کوئی نہ ہو۔ اس حالت میں بھی عورت پر مرد کے لیے خرچ کرنا لازم ہوگا۔ حتیٰ کہ اس کی عدت کی مدت گزر جائے۔ نفقہ کے معاملہ میں شارع حکیم نے اتنی شدت سے کام لیا ہے کہ عورت کو رخصت دی ہے کہ وہ قرض لے لے جبکہ مرد غریب اور تنگدست ہو اور اسے خوشحالی تک مہلت دے۔

بیوی کو خرچہ دینے میں حکمت

جان لو جب عورت شادی شدہ ہو جائے تو وہ نکاح کی پابندی کی وجہ سے روک دی جاتی ہے۔ یہ خاوند کے حقوق میں سے ایک حق ہے اس طرح عورت کو روکنے کا سبب خاوند بنا لہٰذا خرچہ کی ذمہ داری مرد پر ہے کیونکہ جب عورت کو باہر نکلنے سے بھی روک دیا گیا اور خرچہ کی ذمہ داری خاوند پر بھی نہ ڈالی جائے تو عورت بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گی۔ دین متین ایسی بدسلوکی کا انکار کرتا ہے اسی طرح عقل بھی اس کا انکار کرتا ہے "البدائع" میں ہے:

خرچہ کے وجوب پر کتاب الٰہی سنت مصطفی ﷺ اجماع اور عقل دلالت کرتا ہے، کتاب الٰہی میں ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ (الطلاق:٦)

ترجمہ: انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق۔

یعنی اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق انہیں سکونت دو۔ سکونت دینے کا حکم خرچ دینے کا حکم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ (الطلاق:٦)

ترجمہ: اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ تم انہیں تنگ کرو۔

یعنی خرچہ میں انہیں ضرر نہ پہنچاؤ۔ اس طرح کہ ان پر خرچہ تنگ کر دو اور وہ باہر نکل جائیں یا مسکن میں انہیں ضرر پہنچاؤ ان کی اجازت کے بغیر ان کے پاس چلے آؤ۔ ان پر مسکن تنگ کر دو اور وہ باہر نکل جائیں ارشاد ربانی ہے:

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ

(الطلاق:٧)

ترجمہ: خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق اور وہ، تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ (البقرۃ:٢٢٨)

ترجمہ: اور ان کے حقوق بھی ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر دستور کے مطابق۔

اس سے مراد حق مہر اور نفقہ ہے۔ نفقہ دینا حضور ﷺ کی سنت مطہرہ سے بھی ثابت ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ''عورتوں کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرو۔ یہ تمہارے ہاں قیدی ہیں۔ وہ اپنے نفسوں میں سے کسی چیز کی مالک نہیں ہیں۔ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت طور پر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ تم نے ان کی شرم گاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی کو نہ آنے دیں۔ تمہارے گھر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرو۔ اگر تمہیں ان سے جھگڑے کا اندیشہ ہو تو انہیں نصیحت کرو۔ انہیں بستر سے علیحدہ کر دو۔ انہیں اس طرح مارو کہ انہیں سخت اذیت نہ پہنچے۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ بھلائی کے ساتھ رزق اور لباس دو۔'' پھر آپ ﷺ تین بار فرمایا: ''کیا میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا ہے۔'' ممکن ہے یہ حدیث مبارک رب تعالیٰ کے اس فرمان:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ (البقرۃ:٢٢٨)

میں حقوق کے اجمال کی تشریح ہو۔ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ عرض کی: ''ایک عورت کا اپنے خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''جب مرد خود کھائے تو اپنی بیوی کو کھلائے۔ جب خود پہنے اپنی زوجہ کو بھی پہنائے۔ اسے شب گزاری کے مقام میں تنہا نہ چھوڑے

اسے اس طرح نہ مارے کہ اسے اذیت ہو۔ نہ ہی اسے بھلائی سے دور کرے۔" حضور سید عالم ﷺ نے حضرت ابوسفیان کی زوجہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "ابوسفیان کے مال میں سے بھلائی کے ساتھ اتنا لے لیا کرو جو تمہارے لیے اور تمہارے بچوں کے لیے کافی ہو۔" اگر نفقہ واجب نہ ہوتا تو حضور نبی رحمت ﷺ حضرت ہند کو حضرت ابوسفیان کے مال میں سے ان کی اجازت کے بغیر لینے کی اجازت مرحمت نہ فرماتے۔

جہاں تک اس مسئلہ پر اجماع امت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ امت بیضاء نے اس مسئلہ پر اجماع کیا ہے۔ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مرد پر نفقہ واجب ہو کیونکہ عورت خاوند کی وجہ سے اس کے گھر میں مقید ہے۔ وہ خاوند کے حقوق کی وجہ سے کمانے سے بھی رک جاتی ہے۔ اس کا فائدہ مرد کو بھی ہوتا ہے لہٰذا مرد پر اس کا خرچہ واجب ہے یہ حضور ﷺ کے اس فرمان کی طرح ہے: "الخراج بالضمان" عورت مرد کے حقوق کی وجہ سے گھر میں مقید ہوتی ہے وہ باہر نکل کر اکتساب نہیں کر سکتی اگر مرد اسے خرچہ نہیں دے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گی۔

عزیز واقرباء کے نفقہ میں حکمت

عزیز واقرباء پر خرچ کرنے کی حکمت ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنے اور ان کی مدد کرنے کی طرف لوٹتی ہے۔ عزیز واقارب انسان کو سارے لوگوں سے زیادہ قریبی ہوتے ہیں۔ بلاشبہ جب ایک انسان کو دوسرے انسان کی طرف سے نیکی اور بھلائی حاصل ہوتی ہے تو اس سے دوسرے انسان کے دل میں شفقت، رحمت اور مہربانی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اس شخص کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہے جس کی طرف سے اسے یہ نعمت جلیلہ پہنچتی ہے۔ حسد اور بغض کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔ اولاد پر خرچ کرنے کا سبب "ولادت" ہوتی ہے کیونکہ اس سے جزئیت اور بعضیت متحقق ہو جاتی ہے۔ اپنے محتاج جز پر خرچ کرنا گویا کہ وہ اس کی اپنی حقیقی زندگی کے باب میں سے ہے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اولاد وغیرہ پر خرچہ کرنے کا سبب صلہ رحمی ہے۔ یہ ایسی قرابت ہے جسے قطع کرنا حرام ہے جب اسے قطع کرنا حرام ہے تو وہ سبب بھی حرام ہوگا جو اسے کاٹنے کی طرف لے جائے گا بلاشبہ اپنے رشتہ داروں پر قدرت کے باوجود خرچ نہ کرنا قطع رحمی کی طرف لے جاتا ہے یہ حرام ہے، اسے ترک کرنا ضروری ہے۔ والدین کے بارے خرچ کرنے کے بارے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ (الاسراء: ۲۳)

ترجمہ: اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

رب تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، ان پر احسان کرنے کی وصیت کی ہے۔ ان پر خرچ کرنا ایک عمدہ احسان ہے۔ سارے واجبات میں سے زیادہ واجب ہے۔ رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا قریبی ذریعہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ (لقمان: ۱۴)

ترجمہ: (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

رب تعالیٰ نے بیٹے کو حکم دیا ہے کہ والدین نے اس کی جو حسن تربیت کی ہے۔ اس پر جو نیکی اور بھلائی کی ہے۔ اسے ہر برائی اور ناپسندیدہ امور سے بچایا ہے اس کی کچھ جزاء اور بدلہ والدین کو دے دے۔ بچے کا والدین کو بدلہ یہ ہے کہ جب وہ اتنے ضعیف ہو جائیں کہ اپنے لیے کچھ نہ کر سکیں تو وہ ان پر خرچہ کرے۔ جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان پر خرچ کرنا بیٹے کے لیے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؗ (لقمان: ۱۵)

ترجمہ: گزران کرو ان کے ساتھ دنیا میں خوبصورتی سے۔

یہ حکم ان والدین کے بارے ہے جو کافر ہوں۔ مسلمان والدین کے بارے یہ حکم بدرجہ اولی ہے۔ اس وقت ان پر خرچ کرنا جب وہ کمانے سے عاجز آجائیں سب سے مقدس واجب اور عمدہ بھلائی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اس کا باپ بھی تھا۔ اس نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے پاس مال ہے یہ میرا باپ ہے وہ میرا مال لینا چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پاکیزہ ترین رزق وہ ہے جو ایک شخص اپنی کمائی سے کھاتا ہے، اس کی اولاد بھی اس کے کسب میں سے ہے جب تم محتاج ہو جاؤ تو بھلائی کے ساتھ اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔''

اس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے جو اپنی خواہش سے گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ

ایک وحی تھی جوان کی طرف کی جاتی تھی۔

غلام پر خرچ کرنے میں حکمت

اس میں حکمت اس کمزور اور مملوک انسان کے ساتھ رحمت اور شفقت کرنے کی طرف لوٹتی ہے جو کسی بھی چیز پر قادر نہیں ہوتا، جو نہ کسی طاقت نہ کسی اختیار اور نہ یہ کسی مال کا مالک ہوتا ہے کیونکہ یہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ سب کچھ اس کے آقا کا ہوتا ہے۔ اگر خرچہ اس کے آقا پر واجب نہ ہو تو کمزور انسان ساری زندگی بھوکا اور ننگا رہے گا۔ اس امر پر نہ تو عقل راضی ہوتی ہے نہ ہی دینِ حق اس کی اجازت دیتا ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کا ضیاع ہے جس کی تخلیق اس کے آقا کی تخلیق کی طرح ہے جس کی روح اس کے آقا کی روح کی طرح ہے ایک مسلمان کے لیے نہیں کہ وہ اپنے غلام کو بھوکا اور ننگا چھوڑ دے۔ کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا رہے۔ حالانکہ وہ اس کی خدمت اور اجرت وغیرہ سے لطف اندوز ہو۔ یہ بات تو تمہیں معلوم ہے غلام کے سارے فوائد اور منافع اس کے آقا کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس پر یہ اضافہ کرلو جب غلام چھوٹا ہو۔ یا وہ فروخت کرنے کے قابل نہ ہو جیسے مدبر اور ام ولد۔ کیونکہ ان کی بیع اور اجارہ ممکن نہیں ہوتا۔ اسی لیے غلام کا نفقہ اس کے آقا پر واجب ہوتا ہے۔ ''البدائع'' میں ہے (کچھ تصرف کے ساتھ)

غلام کا خرچہ کتاب وسنت، اجماع اور از روئے عقل آقا پر واجب ہے۔ کتاب الٰہی میں ہے:

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ (النساء:۳)

ترجمہ: یا کنیزیں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ۔

اللہ رب العزت نے مالکوں پر اپنے غلام پر خرچہ کرنا اس لیے واجب قرار دیا ہے تاکہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کرسکیں جو اس نے ان پر کی ہے کہ وہ شخص جو تخلیق میں انہی کی طرح کا ہے اسے ان کی خدمت پر لگا دیا۔ انہیں ان کے ماتحت کردیا وہ ان سے اپنی خدمت لیتے ہیں اور انہیں سے اپنی ضروریات پورا کرتے ہیں۔ سنت مصطفی ﷺ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے غلام کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ انہیں وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو ان سے وہ کام نہ لو جن کی وہ خود طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ (البقرۃ:۲۸۶)

ترجمہ: ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی طاقت ہو اس کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وصال کے وقت حضور ﷺ کی آخری وصیت یہ تھی: ''نماز (کی پابندی) اور غلام (کے ساتھ حسن سلوک)۔ حتیٰ کہ آپ کے سینۂ اقدس میں اسی کے ساتھ غرغرہ پیدا ہونے لگا۔

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ غلام کا خرچہ اس کے آقا پر واجب ہے۔ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ وہ عبد مملوک ہوتا ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ اگر اس کا نفقہ اس کے آقا پر لازم نہ کیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے۔

یہ حکمت جلیلہ ہے اس نے غلام کے ساتھ شفقت ونرمی کی حد کر دی ہے۔ اس کتاب میں کسی اور جگہ تم جان لو گے کہ اسلام سے قبل غلاموں کی حالت کیا تھی۔ شاید وہ شخص جو اسلام اور مسلمانوں پر غلامی کے بارے اعتراض کرتا ہے وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو جائے۔ وہ ان احکام سے آگاہ ہو جائے جو شارع حکیم نے اس ضمن میں لاگو فرمائے ہیں۔ تو اس کا اعتراض ختم ہو جائے اور وہ صبح وشام اس دین حق کی تعریف میں رطب اللسان ہو جائے۔

دینی اداروں کے طلباء پر خرچ کرنے کی حکمت

والدین کی اپنی اولاد اور نورانِ نظر اور جگر کے پاروں کے ساتھ محبت ایک طبعی امر ہے یہ محبت انسان میں اس دن سے موجود ہے جس دن سے رب تعالیٰ نے اس کا وجود پیدا کیا ہے۔ اس میں کسی ایسے انسان کو کوئی شک نہیں جس کی اولاد ہے۔ والد کے نزدیک سب سے پسندیدہ چیز یہ ہے کہ اس کے بچے کی صحیح اور درست تربیت ہو۔ جس کی بنا پر وہ معاشرہ ایک صالح رکن بن سکے۔ وہ مستقبل میں نام کما سکے۔ البتہ وہ شخص جو اپنی اولاد پر خرچ کرنے سے بخل سے کام لیتا ہے یا اس کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے سے بخل میں کام لیتا ہے تو اس کی کیفیت اور ہے یہ امر دوسرے عائلی حالات کی طرف لوٹتا ہے اگر یہ فرض کیا جائے کہ ایک لڑکے کی یہ حالت اور یہ کیفیت ہے تو وہ عدالت کے ذریعے اپنے باپ سے خرچہ لے سکتا ہے نہ اسے نقصان ہو نہ کسی کو نقصان پہنچے۔ مدارس کے ایک طالب علم نے مصر کی شرعی عدالت میں ایک مقدمہ پیش کیا۔ اس نے دور اول میں گریجوایٹ کا امتحان ۱۹۳۵ء میں پاس کر لیا تھا۔ اس کا باپ جامع الازہر الشریف میں مدرس تھا عدالت نے اس کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ باپ بیٹے کو دوسو قرش ہر ماہ دیا کرے اور مدرسہ کے ایک سال کے اخراجات بھی دے۔ عدالت نے جو فیصلہ دیا تھا وہ یہ ہے:

"(حالات وواقعات یہ ہیں) مدعی کے وکیل نے اپنے موکل کے لیے جس کا مدعی علیہ اس کا باپ تھا سے مطالبہ کیا ہے کہ اس پر خرچہ کی رپورٹس پیش کرے۔ اس نے اسے رقم کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اس نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ مدرسہ کے اخراجات کی دوسری قسط ادا کرے وہ ۱۵ مصری گنی بنتے ہیں۔ یہ اخراجات ۱۵ فروری ۱۹۳۶ء سے قبل ہوئے تھے۔ وکیل نے اسے قرض لینے کا اذن دے دیا تھا مدعی علیہ کے وکیل نے سچ کہا ہے کہ مدعی علیہ مدعی کا باپ ہے۔ ان کا صحیح نسب ثابت ہے یہ دعویٰ مکر وفریب پر مبنی ہے۔ میرا موکل یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اپنے بیٹے کو مدارس علیا (کالج) میں تعلیم دلا سکے۔ جو فوجی الاؤنس اسے دیا جاتا ہے وہ اس میں مقروض ہے وہ اپنے بیٹے کی مدارس ثانویہ کی اقساط دینے کی وجہ سے بھی مقروض ہے، وہ اب مزید تعلیمی اخراجات برداشت نہیں کرسکتا۔ مدعی کے ہاتھ میں گریجوایشن کی سند ہے۔ وہ اس پر اپنی زندگی بسر کرسکتا ہے۔" طرفین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اخراجات کی دوسری قسط ۱۵ مصری گنی ہے۔ فیصلے کے رجسٹر میں ہے کہ مدعی علیہ کا مقام ومنصب یہ ہے، مدعی نے دو گواہ بھی پیش کر دیے جنہوں نے اس کے دعویٰ کی گواہی دی۔ مدعی کے وکیل نے اخراجات اور مشقتوں کو ترک کر دیا اور خرچہ کی مختلف اقسام کی رپورٹ پر اکتفاء کرلیا۔ مدعی علیہ کو ۱۹۳۶ء کے فلاں مہینے بروز منگل تک دوسری قسط ادا کرنے کا حکم دیا۔ مدعی نے اس کا مطالبہ کیا ہے جو ذکر کیا گیا ہے اس نے اپنے دعویٰ کے لیے گواہ بھی پیش کر دیے ہیں۔ مدعی علیہ کے وکیل نے وہ جواب دیا ہے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ مدعی ایک دانا شخص ہے وہ حصول علم کے لیے کوشش کرنے والا ہے اس نے بی-اے فسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہے وہ زرعی یونیورسٹی میں داخل ہو چکا ہے۔ ایسے شخص کو تعلیم کی تکمیل سے محروم نہیں رہنا چاہیے خصوصاً یہ کہ وہ ایک ایسے عالمِ دین کا فرزند ہے جو الازہر الشریف کے جید مدرسین میں سے ہے جو حصول تعلیم پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ ہم نے مدعی علیہ کے حالات اور کیفیت پر غور وفکر کیا ہے ہم نے اسے حکم دیا ہے وہ مدرسہ کے اخراجات کی دوسری قسط بھی مدعی کے سپرد کرے کیونکہ تعلیمی اخراجات نفقہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ہم نے اسی لیے مدعی کے لیے مدعی علیہ پر دو سو قرش ماہوار خرچہ مقرر کیا ہے ہم نے اسے اس طرح یہ خرچ دینے کا حکم دیا ہے جس طرح ہم نے اسے اخراجات کی دوسری قسط دینے کا پابند بنایا ہے جس کی مقدار ۱۵ مصری گنی بنتا ہے وہ ماہ ضروری ۱۹۳۶ء بروز منگل تک یہ رقم پیش کر دے گا۔

اسی طرح مصر کی ایک شرعی عدالت نے ایک اور فیصلہ کیا جو اس فیصلہ کے ساتھ ملتا جلتا

ہے۔ یہ فیصلہ اس طالب علم کے لیے تھا جو انگلستان میں کیڈٹ کالج میں پڑھنا چاہتا تھا۔ یہ فیصلہ ۱۹۳۵ء کو ہوا تھا۔ عدالت نے جو کچھ کیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے: ''مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے وطن کے دفاع اور اپنے دشمنوں کو ڈرانے کے لیے جتنی قوت جمع کر سکتے ہیں کریں۔ بلکہ یہ ان کا پہلا واجب ہے کیونکہ وطن کی سلامتی ہر چیز سے بالا اور اول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (الانفال:۶۰)

ترجمہ: اور تیار رکھو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت و طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تا کہ تم خوفزدہ کر دو اپنی جنگی تیاری سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو۔

بلاشبہ قوت مختلف زمانوں میں مختلف ہوتی ہے۔ ہمارے زمانہ میں ہوائی بیڑا اور سمندری بیڑا بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے رب تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ انسان کی ہلاکت خیزی کے لیے ان میں کتنے ہتھیار ہیں۔ ہوائی بیڑا کی اہمیت کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ اس سے دشمن پر دھاوا بھی بولا جاتا ہے۔ اس کے حملوں کا دفاع بھی کیا جاتا ہے۔ دشمن کی جگہ اور اس کی تعداد کا اندازہ بھی لگایا جاتا ہے آج کل جنگ میں ایئر فورس کا کردار بہت اہم ہے اس نے کتنے قلعے زمین بوس کر دیے ہیں کتنے حصوں پیوندِ خاک کر دیے ہیں۔ اس نے بچوں کو یتیم کر دیا۔ عمر رسیدہ ہلاک ہو گئے۔ خواتین بیوہ ہو گئیں۔ اس کے علاوہ دیگر بربادی انہیں جہازوں کی وجہ سے ہے جو اذہان کے چسمی رہتی ہے۔ اسی لیے یہ تعلیم شرعاً واجب ہے بلکہ مدارس پڑھائے جانے والے دیگر علوم سے اس کی ترجیح ہونا چاہیے۔ یہ جہاز صرف اسی لیے نہیں بنائے گئے بلکہ انہیں دیگر مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان سے ذرائع مواصلات میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈاک وغیرہ دیگر تجارتی امور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ تعلیم کسب کے حلال ذرائع میں ایک ذریعہ بھی ہے جس کے حصول کا انسان کا شرعی طور پر حکم دیا گیا ہے تا کہ وہ دوسروں پر بوجھ نہ بنے۔ اس اعتبار سے بھی یہ تعلیم حاصل کرنا واجب ہے ہر طالب علم یہ تعلیم سیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ خاص صلاحیتوں والے معدود طالب علم ہوتے ہیں جنہیں بیداری اور تحمل سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ یہ صلاحیتیں دیگر طلباء میں نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ایسے طلباء کی پوری طرح حوصلہ افزائی ہونا چاہیے خصوصاً ان کے وہ باپ ضرور ان کی حوصلہ افزائی کریں جو ان کے اخراجات برداشت کرنے کی قدرت

رکھتے ہیں۔ ان طلباء کے تعلیمی اخراجات میں ان کی مدد کرنا ان کی کم سے کم حوصلہ افزائی ہے۔ اسی لیے پوری امت مل کر اٹھ کھڑی ہوئی ہے اس کی حکومت اور دیگر قبائل میں کوئی فرق نہیں۔ انہوں نے یورپ سے پڑھ کر مصر آنے والے طلباء کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اس میں ایک تو ان کی حوصلہ افزائی تھی دوسرا ان کی اہمیت اجاگر کرنا تھی۔ اس معاملہ میں دیگر اقوام مصری قوم سے پیچھے نہیں ہیں۔ مدعی نے اپنا مذکورہ دعویٰ کیا ہے۔ مدعیٰ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے۔ مدعی نے جو ذکر کیا ہے اس نے یہ دعویٰ ثابت کر دیا ہے نیز اس لیے بھی کہ اس بڑے بیٹے کا نفقہ جو روزگار سے عاجز ہو خواہ وہ حصول علم میں ہی مصروف ہو شرعاً اس کے باپ پر لازم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے کالج کے اخراجات پورا کرنا بھی اس پر لازم ہوتا ہے۔ مصر کی ایئر کمپنی نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ جس رقم کا عنقریب فیصلہ ہوگا وہ مدعی کے لیے مطلوبہ ڈگری کے حصول کے لیے ناکافی ہے۔ مدعی علیہ نے اس رپورٹ میں اعتراف بھی کیا ہے۔ یہ بھی گواہیاں ملی ہیں کہ مدعی علیہ کے پاس اتنا مال و دولت ہے جو مدعی کی مطلوبہ ضروریات کو پورا کر سکتا ہے بلکہ اس کے پاس اس سے کہیں زیادہ مال و دولت ہے۔ لہٰذا مدعی جو تقاضا کرتا ہے اسے پورا کرنا ضروری ہے اسی لیے ہم نے مدعیٰ علیہ کو حکم دیا ہے کہ وہ مدعی کو اس کی تعلیم کے اخراجات ستاون مصری گنی ادا کرے۔ وہ سرکاری اخراجات کی ادائیگی کے ساتھ سرکاری وکالت کے دوسو قرش بھی ادا کرے۔

حضانت (بچوں کی نگہداشت) میں حکمت

حضانت میں دو اعتبار سے حکمتیں ہیں۔ (۱) انسانی معاشرہ میں اور انسان کے معاش میں مرد کا کردار عورت کے کردار سے جداگانہ ہے۔ بچے کی دیکھ بھال ماں کے زیادہ مناسب اور لائق ہے۔ ننھے منھے بچوں کی بچپن میں ترتیب کرنا ماں کے خصائص میں سے ہے۔ یہ ایک ایسا امر ہے جس کا ہر روز مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ (۲) ماں باپ سے زیادہ اپنے بیٹے پر شفیق اور رحیم ہوتی ہے۔ وہ بچے کے لباس، کھانے، پینے اور صحت وغیرہ میں سستی نہیں کرتی۔

بچے کی حضانت کی عمر سات سال اور بچی کی حضانت کی عمر نو سال ہونے میں حکمت یہ ہے کہ بچے میں اس عمر میں اتنی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ اس پر علوم وفنون کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور وہ براہِ راست صنعت وحرفت کو سیکھ سکے۔ ایسے امور سیکھ سکتا ہے جن پر اس کے اخلاق، آداب اور تہذیب کا دار و مدار ہو سکتا ہے۔ جن پر ان کی مادی زندگی اور ہر اس چیز کا انحصار

ہوتا ہے جس سے اسے دین دنیا اور آخرت کی سعادتیں حاصل ہو سکیں۔ جہاں تک بچی کا تعلق ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے اپنی زندگی کے تحفظ کی محتاج ہوتی ہے۔ اس صورت میں ماں باپ سے زیادہ کردار ادا کر سکتی ہے۔ حضانت کی عمر کے بعد معاملہ باپ یا اس شخص کے سپرد ہو جاتا ہے جو اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح ماں حضانت کی عمر میں گھریلو کام کی تدبیر کی تعلیم دیتی ہے کیونکہ بالآخر اس بچی نے کسی خاوند کی زوجہ گھر کی مالکہ بننا ہے نو سال کی عمر تک میں اپنی والدہ سے گھریلو امور کی تدبیر سیکھ لیتی ہے۔ یہ کافی مدت ہے جس میں اسے لازمی امور کی پہچان ہو سکتی ہے بلکہ وہ یہ بھی سیکھ لیتی ہے کہ اس نے شادی کے بعد اپنی اولاد کی تربیت کس طرح کرنا ہے کیونکہ وہ مشاہدہ کرتی رہتی ہے کہ اس کی والدہ اس کی اور اس کے بہن بھائیوں کی تربیت کس طرح کرتی ہے۔ اس مدت کے بعد اس کا باپ اس کی تربیت کا زیادہ مستحق ہوتا ہے کیونکہ اس نے ادبی تربیت اور علوم دینیہ سیکھنے میں ہر وہ امر سیکھنا ہے جو اس کے نفس کو مہذب کر دے۔ اسے عمدہ ادب سکھا دے۔ تا کہ اسے دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں۔ وہ دونوں نعمتوں کے ساتھ کامیاب ہو جائے، باپ بچی کی عزت کا زیادہ محافظ ہو سکتا ہے کیونکہ یہی اس کا مقصد ہے حتیٰ کہ وہ ایک پاکباز بیوی بن جائے۔ وہ مرد کی مدد کرنے کے لیے ایک قوی سہارا بن سکے۔ اس کے حقیقی برکت وسعادت مکمل ہو سکے۔

''البدائع'' میں ہے: ''حضانت ایک وقت میں عورتوں کے لیے ایک وقت میں مردوں کے لیے ہوتی ہے۔ حضانت میں اصل عورتوں کے لیے ہے کیونکہ وہ زیادہ شفیق اور نرم ہوتی ہیں بچوں کی تربیت کرنے کے زیادہ مناسب ہوتی ہے پھر حضانت مرد کے حق میں چلی جاتی ہے کیونکہ مرد حفاظت وصیانت اور بچوں کی مصلحتوں کے قیام پر زیادہ قادر ہوتا ہے۔ ان دونوں کے لیے کچھ شروط ہیں۔ وہ حضانت جو عورتوں کے لیے ہوتی ہے۔ اس کی شرائط میں سے ہے کہ وہ عورت بچے کے لیے محرم ہو چچا زاد بیٹوں، خالہ زاد، ماموں زاد اور پھوپھی زاد بیٹوں کے لیے حضانت نہیں، کیونکہ حضانت کا انحصار شفقت پر ہوتا ہے۔ پھر اس میں زیادہ قریبی رشتہ داروں سے کم قریبی رشتہ داروں کی طرف بڑھا جاتا ہے محرم عورتوں میں سے حضانت کی سب سے زیادہ مستحق ماں ہوتی ہے پھر نانی اور پھر دادی ہوتی ہے، پھر بہنیں، بہنوں میں سے پہلے سگی بہنیں پھر ماں کی طرف سے بہن پھر باپ کی طرف سے بہن......

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مختلف روایات مروی ہیں باپ کی طرف سے بہن اور خالہ کے ہوتے ہوئے ان میں سے کون حضانت کی زیادہ مستحق ہے۔ ان سے ایک روایت یہ ہے کہ

خالہ زیادہ مستحق ہے یہ امام محمد اور امام زفر کا قول ہے دوسری روایت کے مطابق باپ کی طرف سے بہن زیادہ مستحق ہیں۔ پہلی روایت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی نور نظر نے جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان سے چمٹ گئیں۔ انہوں نے کہا: ''میرے چچا زاد'' انہوں نے انہیں اٹھا لیا۔ پھر اس بچی کے بارے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم میں بحث و مباحثہ ہونے لگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: ''یہ میری چچا زاد ہے۔'' حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ میری چچا زاد بھی ہے اور اس کی خالہ میری زوجیت میں ہے۔'' حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے میرے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مابین رشتۂ اخوت بھی قائم فرمایا تھا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچی کی خالہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور فرمایا: ''خالہ والدہ (کی طرح) ہے۔'' آپ نے خالہ کو والدہ کہا۔ لہٰذا خالہ ہی اس کی زیادہ مستحق ہوگی۔ دوسری روایت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ باپ کی طرف سے بہن باپ کی بیٹی ہوتی ہے کہ باپ کی طرف سے بہن باپ کی بیٹی ہوتی ہے۔ جبکہ خالہ نانے کی بیٹی ہوتی ہے بہن زیادہ قریبی ہوتی ہے لہٰذا وہ زیادہ مستحق ہوتی ہے۔ ماں اور باپ کی طرف سے بہن خالہ سے زیادہ مستحق ہوتی ہے کیونکہ وہ ماں اور باپ کی طرف سے سگی ہوتی ہے۔ اسی طرح ماں کی طرف سے بہن زیادہ مستحق ہوتی ہے کیونکہ وہ ماں کی اولاد ہوتی ہے جبکہ خالہ نانے کی اولاد ہوتی ہے۔ اسی طرح آخری روایت کے مطابق باپ کی طرف سے بہن کی بیٹی خالہ سے زیادہ مستحق ہوتی ہے کیونکہ وہ باپ کی اولاد ہوتی ہے جبکہ خالا نانے کی اولاد ہوتی ہے لہٰذا وہ زیادہ مستحق ہوئی۔ البتہ پہلی روایت کے مطابق بلاشبہ خالہ اس سے مقدم ہوگی کیونکہ وہ اس کی ماں کی قریبی ہوتی ہے۔ جبکہ وہ باپ کی طرف سے بہن ہوتی ہے۔ وہ اس بات کی مستحق ہوتی ہے کہ وہ اس کی بیٹی سے مقدم ہو۔ اسی طرح بہن کی بیٹیاں بھائی کی بیٹیوں سے زیادہ مستحق ہوتی ہیں کیونکہ بھائی کا حضانت میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ جبکہ بہن کا اس میں حق ہوتا ہے۔ خالاؤں میں سے وہ خالہ زیادہ مستحق ہوتی ہے جو باپ اور ماں کی طرف سے خالہ ہو پھر ماں کی طرف سے خالہ پھر باپ کی طرف سے خالہ پھر پھوپھیوں کا حق ہوتا ہے۔

رضاعت کی حکمت

رضاعت میں بہت بڑی حکمت ہے جو دو عظیم فائدوں کی طرف لوٹتی ہے۔ (ا) نومولود

بچے کا فائدہ (۲) ماں کا فائدہ۔ وہ فائدہ جو نومولود بچے کو ملتا ہے وہ یہ ہے بچے کے لیے سب غذاؤں میں سے صحیح غذا ماں کا دودھ ہوتا ہے۔ قدرتی یا مصنوعی دودھ ماں کے دودھ کے ساتھ نہیں ملتا۔ اسی لیے تم دیکھو گے کہ ماں کا دودھ بچے کو رضاعت کے زمانہ میں بہت زیادہ فائدہ دیتا ہے، ماں کو رضاعت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ رضاعت کی مدت میں یہ حمل کی استعداد کو کم کر دیتا ہے خصوصاً یہ اعضاءِ تناسلیہ کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔ تم دیکھو گے کہ شارع حکیم نے بعض حالات میں ماں پر بچے کو دودھ پلانا واجب قرار دیا ہے جبکہ وہ دوسری عورت کا دودھ قبول نہ کرے اور اس کی ہلاکت کا خدشہ ہو اسی طرح باپ پر ماں کو دودھ پلانے کی اجرت دینا واجب ہے جبکہ ماں کو طلاق ہو چکی ہو اور وہ اپنی عدت گزار چکی ہو۔ یہ اجرت باپ کے ذمہ واجب رہتی ہے جب تک بچہ دودھ پیتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ پورے دو سال کا ہو جائے دو سال کے بعد باپ پر رضاعت کی اجرت لازم نہیں ہوتی خواہ بچے کا دودھ چھڑایا جائے یا نہ چھڑایا جائے۔ کیونکہ یہ مدت دودھ پلانے کی انتہا ہے۔ مصر کی شرعی عدالتوں میں رضاعت اور رضاعت کی اجرت کے بارے بہت سے مقدمات آتے ہیں۔ ایک مسلمان طبیب نے اس موضوع پر یوں لکھا ہے:

طبی اعتبار سے اس امر میں کوئی شک نہیں ماں کا دودھ مصنوعی اور قدرتی دودھ کی تمام اقسام سے بہتر ہے۔ یہ دودھ ماں کے دودھ کا بدل نہیں ہو سکتے رضاعت کا فائدہ ماں کو بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ دودھ ماں کے لحاظ سے اس کے بعض مواد کو باہر نکالتا ہے جو مدت حمل میں زیادہ ہو جاتا ہے رضاعت اعضاءِ تناسلیۃ کے لیے مفید ہوتی ہے بعض ڈاکٹرز کے نزدیک رضاعت کی مدت میں حمل کی استعداد کم ہو جاتی ہے۔ رضاعت کی مدت میں بہت سی آراء ہیں۔ لازم ہے کہ ہم بچے کی صحت، اس کی ماں کی صحت اور ان حالات کا مشاہدہ کریں جو ان دونوں کو محیط ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دو سال کی مدت رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ یعنی اس مدت کے بعد لازم ہوتا ہے کہ بچے کو دوسری خوراک دی جائے۔

اس مدت کے بعد طبی نظریات مختلف ہیں۔ بعض اطباء یہ مدت صرف نو ماہ بیان کرتے تھے کبھی یہ مدت دو سال بتاتے تھے لیکن ''رضاعت طبعی کا جسم کے فائدہ'' کے بارے جو آخری رپورٹ ۱۹۳۳ء میں پیش کی گئی ان میں کہا گیا کہ مدتِ رضاعت سال سے زیادہ ہونا ضروری ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ مدت مکمل دو سال ہو۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''ماں کے دودھ سے بچے کی پرورش دیگر سارے دودھ سے بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس پر

ماں کی شفقت دوسروں کی شفقت سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب بچے کے بارے حالت اضطرار کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ مثلاً یہ کہ ماں کے علاوہ اور ایسی کوئی عورت نہ ملے۔ یا بچہ صرف اسی کا دودھ پیے۔ اس وقت اس پر بچے کو دودھ پلانا لازم ہے۔ جس طرح کہ ہر شخص کو کھانے میں مجبور شخص کے ساتھ ہمدردی کرنا واجب ہے۔ دو سال کی مدت کا تعین کرنا یہ واجب کرنے کی حد بندی نہیں کیونکہ اس کے بعد رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ: (یہ مدت) اس کے لیے ہے جو پورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت۔

جب اس نے اس تکمیل کو ہمارے ارادہ کے ساتھ معلق کیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ یہ تکمیل واجب نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

(البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ: پس اگر دونوں ارادہ کر لیں دودھ چھڑانے کا اپنی مرضی سے اور مشورہ سے۔

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس حد کے تعین کا مقصد اس مقدار کو واجب کرنا نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مقصود میاں اور بیوی کے مابین اس وقت تنازع کو ختم کرنا ہے جب مدتِ رضاعت میں ان میں جھگڑا ہونے لگے۔ رب تعالیٰ نے یہ مدت دو سال مقرر کی ہے تاکہ وہ باہم تنازع کی صورت اس مدت کی طرف رجوع کریں۔ اگر باپ ارادہ کرے کہ وہ دو سال سے پہلے بچے کا دودھ چھڑا دے لیکن ماں راضی نہ ہو تو باپ کو یہ اختیار نہیں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو پھر بھی اسی طرح ہے لیکن اگر وہ اتفاق کر لیں کہ وہ دو سال پورا ہونے سے پہلے بچے کا دودھ چھڑا لیں تو ان کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے اس فرمان میں بچے کی جانب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔ (البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ: اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال۔

باپ کو وصیت کی کہ وہ ماں کی جانب کی رعایت کرے۔ حتیٰ کہ وہ بچے کی مصلحت کی رعایت پر قادر ہو سکے۔ رب تعالیٰ نے باپ کو حکم دیا کہ وہ اس ماں کو رزق دے اور اسے لباس دے "معروف" کبھی شرط اور عقد کے ساتھ محدود ہو گا اور صرف عرف کے اعتبار سے محدود ہو گا

کیونکہ جب باپ نے ماں کے کھانے اور پینے کی ضروریات کو پورا کر دیا تو وہ اجرت کے خیال سے مستغنی ہو گیا۔ اگر یہ ضروریات کفایت سے کم پوری ہوں گی تو ماں کو بھوک اور عریانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ نقصان بچے کی طرف منتقل ہو گا۔ رب تعالیٰ نے پہلے ماں کو بچے کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔ پھر باپ کو اس کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کو باپ کی نگہداشت سے ماں کی نگہداشت شدید ضرورت ہے کیونکہ بچے اور ماں کی نگہداشت کے مابین کوئی واسطہ نہیں۔ جبکہ باپ کی دیکھ بھال بچے تک واسطہ کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ وہ خرچہ اور لباس دے کر اپنے بچے کی رضاعت اور حضانت کے لیے عورت اجرت پر لیتا ہے اسی سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق سے زیادہ ہے۔"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

یہ امر ہے جو مبالغہ کی غرض سے خبر کی صورت میں لایا گیا ہے یہ استحباب یا وجوب کے لیے ہے۔ یہ وجوب کے لیے اس وقت ہے جب بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہ پیے یا اس کے لیے کسی دایا کا بندوبست نہ ہو سکے یا باپ اجرت پر کسی عورت کا بندوبست نہ کر سکے۔ مذکور عنوان سے ان کی طرف سے تعبیر ان کی اپنی اولاد پر شفقت و رحمت کی وجہ سے ہے۔ یہ حکم طلاق یافتہ اور دیگر خواتین کے لیے عام ہے جیسا کہ ظاہر کا تقاضا ہے بعض مفسرین نے یہ حکم طلاق یافتہ ماؤں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حضرات مجاہد، ابن جبیر اور زید بن اسلم سے اسی طرح روایت ہے۔ انہوں نے اس امر کی دو دلیلیں دی ہیں:

۱۔ رب تعالیٰ نے یہ آیت طلاق کی آیات کے بعد ذکر کی ہے گویا یہ اس کی تتمہ ہے۔ رب تعالیٰ نے انہیں اس آیت سے مکمل فرمایا۔ کیونکہ جب میاں اور بیوی کے مابین جدائی ہو جاتی ہے تو عورت اکثر دوسری شادی کرنے کی طرف رغبت رکھتی ہے اس طرح بچے کے معاملہ کی طرف توجہ نہیں رہتی رب تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ وہ بچے کی طرف پورا دھیان رکھے اور اس کا خصوصی خیال رکھیں۔

۲۔ بعد میں دودھ پلانے والیوں کے لیے رزق اور لباس کا واجب کرنا تخصیص کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر زوجیت باقی رہتی تو یہ امور خاوند پر زوجیت کی وجہ سے ہوتے رضاعت کی وجہ سے نہ ہوتے۔

رضاعت میں یہ حکمتیں اور مسلمانوں کے لیے عظیم فوائد ہیں۔

حضور ﷺ کی زیادہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہونے کی حکمت

اس میں ایک بلیغ حکمت ہے جس کے اسرار سے وہی شخص آگاہ ہو سکتا ہے جسے رب تعالیٰ نے بصیرت و دانائی عطا فرمائی ہو یہ حکمت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شارع حکیم ہے وہ اپنے بندوں کے حالات سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی حکمت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دینِ حق کی تمہیں سوجھ بوجھ عطا فرمائے۔ خوب جان لو کہ اس امر میں حکمت کئی امور کی وجہ سے ہے۔

۱- اس میں یہ اظہار ہے کہ حضور ﷺ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ آپ اولاد آدم کے سردار ہیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

- ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ میں یہ بات بطور فخر نہیں کر رہا۔''

آپ ایسے احکام میں اپنی ساری امت سے ممتاز ہیں جو آپ کے ساتھ مختص ہیں۔ ان میں سے ایک آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کا چار سے زائد ہونا ہے۔

۲- شریعت اسلامیہ کے احکام میں سے بعض مردوں کے ساتھ مختص ہیں۔ بعض عورتوں کے ساتھ مختص ہیں اور بعض مردوں اور عورتوں کے مابین مشترک ہیں۔ کیونکہ آپ سارے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس میں مرد اور عورت کا کوئی اختصاص نہیں۔ اس بات کا تقاضا تھا کہ خواتین بھی اپنے دین کے امور آپ سے سیکھیں۔ ان میں سے بعض ایسے امور بھی تھے جن کے بارے پوچھتے ہوئے عورت حیاء کرتی ہے۔ وہ یا تو ایسے مسائل اپنے خاوند سے پوچھ سکتی ہے یا اپنی جیسی عورت سے۔ رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو رخصت دی کہ آپ کی ازواج مطہرات چار سے زائد ہوں تاکہ مسلمان اور مؤمن خواتین کے لیے دین حنیف کی تعلیمات ان سے سیکھنا ممکن ہو سکے۔

حضور ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے فرمایا:

''اپنے دین کا نصف اس (فرخندہ فال) سے سیکھو۔''

روایت ہے حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ وہ حیض سے غسل کیسے کریں؟ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ''روئی کا ٹکڑا لو...... پھر اپنی عبارت مکمل کرتے ہوئے آپ کو حیاء آئی۔ آپ نے چہرہ انور پھیر لیا۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کا

مدعا سمجھ گئیں۔ انہوں نے انہیں شرعی حکم سکھایا۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ عورتوں کے بارے احکام عموماً عورتوں سے ہی حاصل کیے جاتے ہیں۔ اس سے یہی لازم آتا ہے کہ حضور ﷺ چار سے زیادہ خواتین سے نکاح فرماتے۔ تاکہ وہ آپ سے احکام سیکھتیں اور وہ باقی مسلمان خواتین کو سکھاتیں۔

۴۔ حضور ﷺ کو لوگوں کی ہدایت، تالیف قلب، محبت عام کرنے اور انسان کو دنیا اور آخرت میں سعادت مند بنانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ازدواجی رشتہ اور قرابت (سسرال) دلوں کو قریب کرنے اور محبت پیدا کرنے کا سبب سے مضبوط اور قوی سبب ہے۔ اس سے انسان کے لیے مددگار اور معاون بن جاتے ہیں جو اسے سہارا دیتے ہیں۔ وہ مصائب اور مشکلات میں اس کے معاون بنتے ہیں۔ آپ ﷺ کو تمام اقوام کے لیے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا تھا۔ تھوڑی سی مدت میں آپ نے تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا تھا۔ یہ ایک مشکل امر تھا کہ ایک ذات مختلف اقوام کے ہر ہر فرد تک یہ پیغام پہنچائے۔ حالات کا تقاضا تھا کہ آپ کی سسرالی رشتہ داری اور قرابت ہو جو دین حنیف کو پھیلانے اور تعلیماتِ اسلامیہ کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے میں آپ کی مدد کریں۔ یہ امر بھی انتہائی مناسب موزوں تھا وہ رشتہ دار حسب و نسب کے اعتبار سے بھی سارے لوگوں سے زیادہ معزز ہوں۔ اسی لیے آپ کی اکثر ازواج مطہرات کا تعلق قریش سے تھا۔ ہم نے کہا ہے کہ سسرالی رشتہ داری اتحاد کے روابط کو مضبوط کرتی ہے۔ محبت کے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ باہمی الفت پیدا ہوتی ہے کینہ ختم ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر ایسے فوائد ہیں جن سے معاملات کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ انہی کی وجہ سے زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ بنو مصطلق نے ارادہ کیا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کریں انہوں نے جنگ کے لیے تیاری کر لی جب یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ان کی طرف تشریف لے گئے انہیں اسلام پیش کیا مگر انہوں نے انکار کر دیا حضور ﷺ نے ان کیساتھ جہاد کیا۔ انہیں شکست سے دو چار کیا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی قیدیوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں۔ بنو مصطلق میں وہ بڑی ذو شرف و قدر تھیں۔ یہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان سے سات اوقیہ سونے پر کتابت کر لی۔ انہیں اس مقصد کے لیے حضور، سید

الخلق، سارے لوگوں سے زیادہ کریم اور سخی ذات ﷺ کے علاوہ کوئی مددگار نظر نہ آیا۔ انہوں نے آپ سے بنو مصطلق میں اپنا حسب ونسب بیان کیا اور آزادی کے لیے التجاء کی۔ حضور ﷺ بھی اس مقام ومنصب سے بے خبر نہیں تھے جو انہیں ان کی قوم میں حاصل تھا۔ آپ ﷺ نے ان پر، ان کے قبیلے پر اور خاندان پر احسان فرمایا۔ انہیں وہ مال کتابت ادا فرما دیا جس پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کتابت کی تھی۔ پھر ان کے ساتھ نکاح بھی فرما لیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ بنو مصطلق تو حضور اکرم ﷺ کے سسرال بن گئے ہیں تو انہوں نے ان کے افراد اپنے ہاں بطور قیدی رکھنا پسند نہ کیا۔ جب بنو مصطلق نے یہ کرم اور احسان دیکھا تو وہ اس دینِ حنیف کی محبت میں اسلام لے آئے جو مکارمِ اخلاق کا حکم دیتا ہے۔ اس مدعا کو ثابت کرنے کے لیے دوسری دلیل بھی پیش خدمت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اگر حضرت ابراہیم (آپ کے نور نظر) زندہ ہوتے تو قبطیوں سے جزیہ ساقط ہو جاتا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پاک کے بارے فرمایا ہے کہ اگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو قبطی اسلام لے آتے تو ان کے اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے جزیہ ان سے ساقط ہو جاتا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ سسرالی رشتہ داری الفت ومحبت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ یہ دلوں سے نفرت اور بغض ختم کر دیتی ہے۔ حضور ﷺ نسب کے اعتبار سے سارے لوگوں سے کریم اور نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز تھے۔ شرفِ نبوت کی وجہ سے آپ کا مقام ومنصب سب سے بالاتر تھا۔ آپ کی قرابت شرف اور رفعت تک پہنچنے کے اسباب میں سے ہے۔ اسی لیے جب حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نور نظر سے جدائی اختیار فرمائی تو وہ بہت زیادہ غمزدہ ہوئے۔ انہوں نے کہا:

"اس کے بعد اللہ تعالیٰ عمر کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔"

ان کا یہ غم واندوہ دور نہ ہوا حتیٰ کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع فرما لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی یہی کیفیت تھی وہ حضور ﷺ سے بہت شدید محبت کرتے تھے۔ وہ آپ کی قرابت کی بہت زیادہ رغبت رکھتے تھے۔ انہوں نے مصاہرت کے ساتھ بھی آپ کا قرب حاصل کرنے کی تمنا کی۔ حضور ﷺ نے ان کی نور نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ t نے صرف آپ سے قرابت اور مصاہرت کے

شرف پر اکتفاء نہ کیا۔ حضرت خاتون جنت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا ان کی زوجیت میں تھیں۔ بلکہ انہوں نے اپنی ہمشیرہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عقد زوجیت میں دینے کی سعی کی۔ یہ مؤقف ثابت کرنے کے لیے بہت سے دلائل ہیں جن سے یہ جگہ تنگ ہو جائے گی۔ ان سب میں ایسی حکمتیں مخفی ہیں جن سے عقل ودانائی رکھنے والی قوم جانتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرنے میں حکمت

جان لو کہ وہ رسم ورواج جو زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کی جڑوں میں بیٹھ چکے تھے ان میں ایک متبنّٰی کا مسئلہ بھی تھا۔ متبنّٰی یہ تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کے بیٹے کو اپنے حقیقی بیٹے کی طرح بنا لیتا۔ اسی لیے انہوں نے خود کو حرام پر رکھا تھا کہ وہ اپنے متبنی کی بیوی کے ساتھ نکاح کریں۔ رب تعالیٰ نے یہ عادت ختم کرانے کا ارادہ فرمایا۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوہ حسنہ بنانے کا ارادہ فرمایا تو اس نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ عام عربی کے بھی کف نہ تھے چہ جائیکہ وہ کسی قریشی سردار حضرت زینب رضی اللہ عنہا جیسی کسی عورت کے کف بنتے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو قریش کی خواتین میں ایک اہم مقام حاصل تھا۔ وہ واضح حسب ونسب اور شرف وقدر کی مالک تھیں۔ یہ صرف اس لیے تھا تا کہ وہ اس قابل ہو سکیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف شریعت مطہرہ کے لیے ان سے نکاح فرمالیں اور اہل عرب کی اس عادت کا قلع قمع ہو سکے جو دین حق کے خلاف تھی۔ اس سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عزت وکرامت اور شرف وقدر میں کمی لانا مقصود نہ تھا نہ ہی کف کے بغیر ان کی شادی کرنا مقصود تھا۔ اس نکاح سے مقصود صرف شریعت مطہرہ کا قانون تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عمر زبیدی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نورِ نظر کو دیکھا۔ اس نے پوچھا: ''یہ کون ہے۔'' اس سے کہا گیا: ''یہ امیر المومنین کی لختِ جگر ہیں۔'' اس نے کہا: ''کیا تم میرا نکاح اس سے کر دیتے ہو؟'' انہوں نے فرمایا: ''تیرے منہ میں پتھر! میں نے تجھ سے ایسی بات سنی ہے۔'' عمر زبیدی نے کہا: ''کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ نہیں کیا تھا۔'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی وہ تو اپنی خواہش سے بولتے بھی نہ تھے مگر یہ کہ وحی تھی جو ان کی طرف کی جاتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ وہ دینی امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے سے بچیں۔ انہوں نے حضرت زینب

بنت جحش رضی اللہ عنہا کا مقام ومنصب اور شرف وقدر نہ گھٹایا ت

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔ اس وقت حضرت زینب اوران کے بھائی نے بے چینی محسوس کی اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ

(الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملہ میں اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

اس کے بعد دونوں بہن بھائی راضی ہو گئے۔ انہوں نے رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس خوف سے کہ کہیں وہ نافرمانی اور گمراہی کی دلدل میں نہ پھنس جائیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نفس میں کچھ تردد تھا حتیٰ کہ وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اپنی برتری جتاتی تھیں وہ انہیں اس نظر سے دیکھتی تھی۔ جس طرح کسی ایسے شخص کو دیکھا جاتا ہے جو شرف، مقام اور عزت میں کم تر ہو۔ اس معاملہ کے بعد ان کا نفس فراق کی طرف مائل ہوا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپ نے انہیں فرمایا:

''اپنی زوجہ کو اپنی زوجیت میں رہنے دو۔'' آپ نے اس ارادہ کا اظہار نہ فرمایا جو رب تعالیٰ نے کیا ہوا تھا کہ اس نے آپ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا حکم دے دیا تھا آپ کو لوگوں کی طرف سے خدشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف اسی سے ڈرنے پر اقتصار کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ

(الاحزاب:۳۷)

ترجمہ: اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن وتشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی خواہش پوری کر لی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے

دی۔ جب ان کی عدت گزر گئی تو رب تعالیٰ ان کے امر کا والی بن گیا اور ان کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیگر امہات المؤمنین پر فخر کرتی تھیں وہ کہتی تھیں: "رب تعالیٰ میرے نکاح کا والی بنا جبکہ تمہارے سرپرستوں نے تمہارے نکاح کیے جب اہل ایمان نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے اس غلط رسم کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا ہے تو ان کے دلوں میں متبنی کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہا۔ اس کے منافقین نے کہا:

"محمد مصطفی ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تردید یوں فرمائی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

(الاحزاب:۴۰)

ترجمہ: نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

یہ اسلام کی حکمتوں میں سے ایک حکمت اور دین حنیف کے فضائل میں سے ایک فضیلت ہے۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنے کی حرمت میں حکمت

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب:۵۳)

ترجمہ: اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔

اس حکم میں کئی اعتبار سے حکمت ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ سارے لوگوں سے زیادہ معزز اور ان کے سردار ہیں۔ آپ کی امت کے کسی فرد کے لیے جو مرتبت میں آپ سے کم ہے جائز نہیں کہ وہ آپ کی حیات طیبہ میں یا وصال کے بعد آپ کے قائم مقام ہو۔ اس میں حضور

بی رحمت ﷺ کی ازواج مطہرات کی حرمت وعزت کو عیاں کرنا بھی مقصود ہے۔ جو امہات المؤمنین ہیں یہ بات عیاں ہے کہ مرد عورت پر نگران ہوتا ہے۔ اسے اس پر تسلط حاصل ہوتا ہے عورت بھی مرد کے سامنے عاجزی کرتی ہے۔ اس لیے یہ مناسب نہیں امہات المؤمنین ان رفیع مقام ومنصب سے نیچے اتریں جوانہیں حضور کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہے اور وہ ایسے افراد کی زوجات بن جائیں جو مقام وشرف میں آپ ﷺ سے کم ہوں۔ خواہ بادشاہ ہوں یا تاج والے ہوں۔ ایک حکمت یہ ہے کہ ان پر امت کا اعتماد باقی رہے۔ امت ان سے احکام شرعیۃ اور وہ علوم حاصل کر لیتی جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سیکھے تھے کیونکہ وہ شخص جس سے وہ نکاح کرتیں خواہ آپ کی حیات طیبہ میں یا وصال کے بعد اس میں امت متردد ہوتی۔ لہٰذا وہ اعتماد کی جگہ پر نہ رہتی۔ اس طرح وہ احکام اور احادیث مفقود ہو جاتیں جو انہوں نے آپ سے سیکھے تھے۔ جنہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہ جانتا تھا۔ اس طرح بہت زیادہ نقصان ہوتا۔

اس طرح ایک حکمت یہ بھی تھی کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت فتنہ سے بچ جائے۔ کیونکہ اگر ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام نہ کہا جاتا تو لوگ آپ کے وصال کے بعد ان سے نکاح کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے بڑے بڑے اور عظیم لوگ انہیں پیغام نکاح دیتے۔ اس طرح ایک بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو جاتا۔ ایک حکمت یہ بھی ہے جو ان میں سے کسی ایک سے نکاح کر لیتا وہ خلافت میں طمع کرتا اس شرف کی وجہ سے وہ خود کو دوسرے لوگوں سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتا جو اسے اس نکاح سے حاصل ہوتا۔ وہ مغرور ہو جاتا۔ یہ امر ان لوگوں میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جو بادشاہوں امراء اور بڑے لوگوں سے سسرالی رشتہ داری قائم کر کے شرف حاصل کرتے ہیں۔ وہ خود کو دوسرے سے بلند مرتبت سمجھتے ہیں وہ امت میں بلند مناصب اور عمدہ وظائف کا تقاضا کرتے ہیں۔ انہی اسباب اور حکمتوں کی وجہ سے رب تعالیٰ نے ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے۔ اسے اپنے اس فرمان سے بڑا اور بھاری سمجھا ہے۔

كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۞ (الاحزاب: ۵۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔

اسلام میں عورت کا مقام

اس کائناتِ ہست وبود میں آفتابِ اسلام کا نور پھیلنے سے پہلے صدیوں تک عورت اس

طرح رہی کہ وہ زندگی میں اپنے آپ کے لیے کسی معنیٰ اور مفہوم سے نا آشنا تھی۔ مردوں میں اس کی کوئی قدرو قیمت نہ تھی۔ نسل درنسل اسی طرح ہورہا تھا جب کسی مرد کو یہ خبر سنائی جاتی کہ اس کے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے تو اس کا چہرہ کالا ہوجاتا۔ وہ اس خبر کو برا سمجھتا ہوا لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ۚ‏ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡۤءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّـرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ‏ ﴿۵۹﴾ (النحل:۵۹:۵۸)

ترجمہ: اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش کی) تو (غم سے) ان کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ (رنج واندوہ سے) بھر جاتا ہے چھپتا پھرتا ہے لوگوں کی نظروں سے اس بری خبر کے باعث جو اسے دی گئی ہے (اب یہ سوچتا ہے) کہ کیا وہ اس بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا گاڑ دے اسے مٹی میں آہ کتنا برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

عورت جتنی بدقسمت زمانۂ جاہلیت میں تھی دیگر اقوام میں وہ اس سے بڑھ کر خوش قسمت نہ تھی۔ جب اسلام آیا۔ اس کا نور کائنات کے اطراف میں پھیلا۔ اس نے عورت کی عدل اور رحمت کے دائرہ میں کفالت کی اس کی دارین کی سعادت کی ضمانت دی۔ اسے گہرے گڑھے سے نکال کر مراتب اور درجات کی رفعتوں پر فائز کیا۔ اسے سرحد پر مقیم ہونے والوں اور مجاہدین کا ثواب عطا کیا حالانکہ یہ اپنے گھر میں موجود ہوتی ہے۔ بشرطیکہ یہ اپنے خاوند کی فرمانبردار رہے اور اپنی عفت کی حفاظت کرے۔ اس کا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر اس نے جنگ یا صلح کے وقت دشمن کے افراد میں سے کسی فرد کو امان دے دی تو اسلام نے اس کی امان کا احترام کیا جبکہ اس میں مسلمانوں کے لیے فائدہ ہو۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ کی چچا زاد حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: انہوں نے فرمایا: ''میں نے فتح مکہ کے روز اپنے دو رشتہ داروں کو پناہ دی۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی ہم نے اسے پناہ دی۔'' اگر تم دوسرے ان ملکوں میں سرسری نظر ڈالو گے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا کہ وہاں عورت کی حالت کیا ہے۔ اسے کتنی دور پھینک دیا گیا ہے۔ اسے میراث اور دیگر امور سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جب تم یہ دیکھو گے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اسلام نے عورت کا ہاتھ تھاما اور اسے اس مرتبہ پر فائز کر دیا جس کا کسی دوسری قوم یا

دین میں خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔

تم اسلام کا عدل دیکھو۔ اس غور وفکر کرو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ شارع حکیم نے خاوند پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی پر خرچ کرے۔ خواہ وہ دولتمند اور غنی ہو یہ نفقہ اس کے کھانے، لباس، مسکن، خادم، بستر اور اس کی زندگی کی ساری ضروریات کو محیط ہے۔ بیوی کا نفقہ صرف اداء یا سبکدوش ہونے سے ہی ساقط ہوتا ہے۔ یہ خاوند پر قرض رہتا ہے زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ساقط نہیں ہوتا۔ مصر کی شرعی عدالتوں نے بیوی کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ وہ جس عدالت میں چاہے اپنے دعوی دائر کرا دے خواہ اس عدالت کا دائرہ اختیار اس کے ساتھ خاص ہو یا اس کے خاوند کے ساتھ مختص ہو یہ عورت پر بہت بڑی رحمت ہے۔ اس پر یہ اضافہ کرلو کہ وہ حکم جو شرعی قاضی صادر کرے گا وہ اسی روز سے ہی واجب النفاذ ہو جائے گا یا اس کی نسبت ایک معین زمانہ کی طرف ہو گی۔ اگرچہ وہ فیصلہ خاوند کی عدم موجودگی میں کیا گیا ہو اور وہ نظر ثانی اور اپیل کی گنجائش رکھتا ہو۔ فیصلہ کا نفاذ سارے طریقوں سے ہوتا ہے۔ کبھی یہ رکاوٹ ریزولیشن کے ساتھ اور کبھی قید کے ساتھ نافذ ہوتا ہے۔ بعض اوقات ان دونوں طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے۔ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ دونوں رستے اختیار کرے حتیٰ کہ اسے وہ خرچہ مل جائے جو شرعی جج نے اس کے لیے مقرر کیا ہو۔ جی ہاں! قید کے طریقہ سے فیصلہ کا نفاذ صرف اس وقت ہوتا ہے جب فیصلہ کی حتمی شکل آجائے۔ مصر کے مالیات کے قانون نے تو عورت کے لیے یہ بھی مباح کر دیا ہے کہ وہ خاوند کی تنخواہ روک لے جبکہ خاوند حکومت کا ملازم ہو بشرطیکہ یہ رکاوٹ تنخواہ کے چوتھے حصہ سے زائد نہ ہو۔ یہ سارے امور عورت کی حالت پر رحم اور شفقت کرتے ہوئے روا کیے گئے ہیں۔ اس عورت کے بارے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

> ''عورتوں کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرو۔ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ تم نے ان کی شرم گاہیں اپنے اوپر حلال کیں ہیں بھلائی کے ساتھ ان کا رزق اور ان کا لباس تم پر لازم ہے۔''

اسلام میں ذرا یہ عدل دیکھو۔ اب ذرا فرانس میں عورت کی حالت دیکھو، جس فرانس کے بارے لوگ کہتے ہیں کہ وہ تہذیب اور ترقی میں بہت آگے ہے۔ تم دیکھو گے کہ فرانسیسی قانون عورت کو ان کی مملوکہ اشیاء میں اس وقت تک تصرف کا حق نہیں دیتا حتیٰ کہ اس کا خاوند موافقت کر لے اور اگر خاوند مر چکا ہو تو حتیٰ کہ عدالتی اختیار اس کے ساتھ موافقت کرے۔ تہذیب وتمدن کی

اتنی ترقی کے باوجود آج تک فرانس اس قانون پر عمل پیرا ہے۔ کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ اس قانون کو تبدیل کر دے۔ حتیٰ کہ دو پروفیسرز (کولین اور کابیتان) نے کہا: ''اس مسئلہ پر قانون ان پرانی روایات کے ساتھ رواں ہے جو نئی روایات کے مخالف ہیں۔''

یونان، المان اور رومان میں بھی یہی حالت ہے جب عورت کی شادی ہو جاتی ہے تو وہ گھر کے مالک کی فرمانبردار بن جاتی ہے۔ وہ پوری طرح اس کی اتباع کرتی ہے۔ یہ منظر ان ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ رومان میں تھوڑی سی تبدیلی آئی ہے۔ ہمارے لیے بہتر ہے کہ ہم تمہارے لیے اس سلسلہ میں اپنے مرحوم شیخ استاذ امام محمد عبدہٗ کی رائے میں بعض حصے کا یہاں تذکرہ کریں انہوں نے کہا:

اسلام نے جو رتبہ خواتین کو عطا کیا ہے وہ نہ تو کسی سابقہ دین نے اور نہ ہی کسی شریعت نے انہیں دیا ہے۔ اسلام سے قبل یا اسلام کے بعد کسی قوم یا امت نے بھی خواتین کو یہ منصب عطا نہیں کیا۔ یہ یورپ جو تمدن اور تہذیب میں اتنا آگے بڑھ گیا ہے اگرچہ اس نے عورتوں کی تکریم اور احترام کے لیے بہت کام کیا ہے۔ ان کی تربیت و تعلیم کے لیے علوم و فنون کا اہتمام کیا۔ پھر بھی وہ اس درجہ سے کم ہی رہا۔ جس پر اسلام نے خواتین کو گامزن کیا ہے۔ اس کے بعض قوانین عورتوں کو ان حقوق سے محروم کرتے ہیں جو ۱۴ سو سال قبل اسلام نے انہیں عطا فرمائے تھے یورپ میں خواتین پچاس سال سے ہر چیز میں غلاموں کی طرح ہیں۔ جس طرح وہ زمانہ جاہلیت میں تھیں بلکہ ان کا حال ان سے بھی برا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسیح دین نے انہیں یوں حکم دیا ہے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ان تک کامل اور اضافات و بدعات سے سالم ان تک نہیں پہنچی۔ مشہور بات یہ ہے وہ جن حالات میں تھے ان حالات نے عورت کا درجہ بلند نہیں کیا۔ اس کی ترقی کو گزشتہ صدی میں جدید تہذیب کے اثر سے ہوئی۔ میں یہ فصل اس عمدہ گفتگو پر ختم کرتا ہوں جو ایک عربی خاتون سے منقول ہیں تاکہ تم بلاغت اور فصاحت کے ساتھ حسن ادب اور لفظ کی جزالت کرو۔ مسلم بن عبید نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے عرض کی:

''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے والدین آپ پر فدا! میں آپ کے پاس خواتین کے نمائندہ کی حیثیت سے حاضر ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور خواتین کی طرف مبعوث کیا ہے۔ ہم آپ پر اور آپ کے معبود برحق پر ایمان لائے۔

ہم عورتیں گھروں میں ٹھہری رہتی ہیں۔ ہم پردہ نشین خواتین گھروں میں رہتی ہیں۔ ہم تمہاری اولادوں کو اٹھاتی ہیں تم مردوں کو ہم پر جمع ہونے، اجتماعات کرنے، مریضوں کی عبادت کرنے، نماز جنازہ میں شرکت کرنے اور حج کے بعد حج کرنے سے فضیلت دی گئی ہے۔ ان سے سب زیادہ فضیلت جہاد فی سبیل اللہ میں ہے جب تم میں سے کوئی ایک حج، عمرہ یا جہاد کے ارادہ سے عازم سفر ہوتا ہے تو ہم تمہارے اموال کی حفاظت کرتی ہیں۔ تمہارے کپڑے بنتی ہیں اور تمہاری اولادوں کی تربیت کرتی ہیں کیا اس اجر اور خیر میں ہم تمہارے ساتھ شریک ہیں۔"

حضور ﷺ پورے چہرۂ انور کے ساتھ اپنے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے ایک خاتون کے حسن سوال پر تعجب کا اظہار کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے گمان نہیں کہ ایک عورت اس طرح ہدایت پا سکتی ہے۔" حضور ﷺ نے اس خاتون سے فرمایا: "اے خاتون! خوب سمجھ لو اور اپنے پیچھے ساری خواتین کو بتا دو کہ عورت کا اپنے خاوند کی اطاعت کرنا، اس کی خوشنودی حاصل کرنا اور اس کی موافقت کی پیروی کرنا ان سارے امور کو شامل ہے۔" وہ خاتون واپس چلی گئی۔ وہ کلمہ طیبہ کا ورد کر رہی تھی۔ وہ ان خواتین کے پاس گئی۔ انہیں وہ کچھ بتایا جو کچھ حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا تھا، اسی لیے تاریخ میں وہ خاتون "مترجمة" ترجمان کے نام سے مشہور ہوئی۔

جن خواتین سے نکاح کرنا جائز ہے ان کی تعداد

اللہ رب العزت نے ہم پر خواتین میں سے بیس اصناف سے نکاح کرنا حرام کیا ہے ان میں سے سات اصناف کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ وہ وہ خواتین ہیں جو نسب اور قرابت کے اعتبار سے ہیں۔ جبکہ تیرہ اصناف کی حرمت کسی وقتی سبب کی وجہ سے ہے۔ ان سات اصناف میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں شامل ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ۔ (النساء: ۲۳)

ترجمہ: حرام کی دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔

وہ خواتین جن کی حرمت کسی غیر معمولی سبب کی وجہ سے وہ یہ ہیں۔ رضاعی مائیں، رضاعی بہنیں، بیویوں کی مائیں، وہ بیٹیاں جن کی ماؤں سے دخول کیا گیا ہو۔ بیٹیوں کی بیویاں، دو بہنیں جمع کرنا، مشرک عورت، جو وہ مملوکہ لونڈی جس کا نکاح کر دیا گیا ہو اور بدکاری کا ارتکاب کرنے والی۔ اللہ رب العزت کے ارشادات ہیں۔

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ۔ (النساء:۲۳)

ترجمہ: اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری بہن رضاعت سے اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں (پرورش پا رہی ہیں) ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) اور (حرام کر دی گئی ہیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو بہنوں کو مگر جو گزر چکا۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء:۲۲)

ترجمہ: اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرۃ:۲۲۱)

ترجمہ: اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء:۲۴)

ترجمہ: اور حرام ہیں خاوندوں والی عورتیں مگر کافروں کی وہ عورتیں جو تمہاری ملک میں آ جائیں۔

وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ (النور:۳)

ترجمہ: اور زانیہ نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ مگر زانی یا مشرک۔

ان سب میں کئی بلیغ حکمتیں کارفرما ہیں۔ یہ غافلین کے لیے نصیحت ہے۔ انہیں سمجھ لو۔ رب تعالیٰ تمہیں اپنی شریعت مطہرہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جن خواتین کے ساتھ نسب کے اعتبار سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی حکمت

وہ خواتین جن کے ساتھ نسب اور قرابت کے اعتبار سے نکاح کرنا حرام ہے یہ ایک ایسا امر ہے جسے صرف شریعت بیضاء ہی قبول نہیں کرتی بلکہ طبیعتِ انسانی اور انسانی فطرت بھی اسے قبول نہیں کرتی۔ بلکہ بے زبان حیوان بھی اسے قبول نہیں کرتے کیونکہ حیوانات کی بہت سی ایسی اقسام ہیں جو اپنی ماں اور بہن کے قریب نہیں جاتیں۔ پھر ایک دانا اور عاقل انسان کے بارے یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک انسان ان رشتہ داروں کے سامنے مباشرت کا لفظ ذکر کرنے سے حیاء کرتا ہے۔ چہ جائیکہ اس سے مباشرت کرے۔ نیز یہ کہ شادی میں عورت سے مباشرت کر کے اس کی توہین کرنا ہوتا ہے۔ اس میں مرد کا تسلط ہوتا ہے جو عورتوں پر نگران ہوتے ہیں۔ ماں اس لیے حرام ہوتی ہے کیونکہ وہ بیٹے کے وجود میں اصل ہوتی ہے جبکہ بیٹا فرع ہوتا ہے یا وہ کلِ ہوتی ہے جس کی نسبت جزء کی طرف ہوتی ہے۔ فرع اور جزء کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے اصل اور کل کی توہین کرے۔ یہی وہ عظیم خاتون ہوتی ہے جو اس کے حمل اور ولادت میں تکالیف اٹھاتی ہے۔ بیٹیاں اس لیے حرام ہیں کیونکہ وہ اپنے باپوں کے جگروں کا ٹکڑا ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "فاطمۃ (سیدۃ النساء العالمین، خاتون جنت) میرے جسم اطہر کا ٹکڑا ہے۔" ان کی اہانت کرنا بھی کسی طرح درست نہیں کیونکہ کل کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے جزء کی اہانت کرے۔ کیونکہ جزء کی اہانت درحقیقت کل کی اہانت ہوتی ہے۔ بہنیں انسان کے لیے اپنے نفس کی طرح ہوتی ہیں۔ ایک انسان اپنے نفس کی اہانت کیسے کر سکتا ہے۔ وہ اس پر ظلم کیسے کر سکتا ہے۔

انسانوں میں سے سب سے شریر وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ پھوپھیاں وہ باپ کی طرح ہوتی ہیں، آباء کا احترام اور عزت کرنا فرض واجب ہے۔ خالائیں ماؤوں کی طرح ہوتی ہیں۔ یہ حرمت میں برابر ہوتی ہیں۔ جبکہ بھتیجیاں اور بھانجیاں وہ انسان کی اولاد کی طرح ہوتی ہیں۔ ان کی اہانت کرنا درست نہیں ہوتا جس طرح کہ انسان اپنی بیٹیوں کی اہانت نہیں کر سکتا۔

اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے تا کہ نسل کو نقصان سے بچایا جا سکے کیونکہ ان میں شہوت کمزور ہوتی ہے کیونکہ اصلی حیاء ان میں موجود ہوتا ہے۔ جب شہوت کمزور ہوتی ہے تو نسل کم ہوتی ہے۔ اگر نسل ہو بھی تو وہ صحت مند نہیں ہوتی جس طرح کہ اطباء نے فرمایا ہے اور یہ امزان کے ہاں طے شدہ ہے۔ اسی طرح ایک حکمت مفاسد دور کرنا بھی ہے کیونکہ دونوں اطراف سے طبعی اور فطرتی میل ملاپ، زندگی میں اشتراک، حالات اور قرابت کے تقاضے یہ سارے امور اس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ پردہ نہ کیا جائے۔ انسان ہمیشہ عورتوں میں سے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے۔ اگر شریعت مطہرۃ اس پر یہ دروازہ بند نہ کرتی تو وہ ان کے حسن و جمال کی طرف دیکھ کر لطف اندوز ہوتا۔ یہ بدکاری اور فحاشی میں گرنے کے اقرب اسباب میں سے تھا کیونکہ ان خواتین کے ساتھ رہنا ایک لازمی امر ہے۔ بعض اوقات انہیں حیوانی شہوت اور محبت قباحت کے ارتکاب کی دعوت دیتی ہے۔ پھر اس شخص کی کیفیت کیا ہوگی جس کی نظر اس ذات پر پڑتی ہو جو ہر آن ان کی نظر میں رہتی ہو۔

اسی طرح ایک حکمت اس نقصان کو دور کرنا بھی ہے جو اس سے ہوتا۔ اگر شارع حکیم ان قریبی رشتہ داروں میں سے کسی ایک سے نکاح کرنا مباح قرار دیتا تو وہ ظلم و ستم کا شکار ہو جاتیں۔ کیونکہ جب مرد اور اس کی بیوی کے مابین جھگڑا ہو جاتا وہ عورت اس کے قریبی رشتہ داروں سے ہوتی تو ان کے علاوہ کوئی دوسرا اس جھگڑے سے آگاہ نہ ہو سکتا۔ وہ عورت کسی ایسے شخص کو نہ پاتی جو اس کی مدد کرتا۔ اس کا ہاتھ تھام لیتا اور اس کے ساتھ انصاف کرتا۔ یہ واضح ظلم اور بین ستم ہے۔ اسی طرح ان خواتین کو حرام کرنے میں ایک حکمت عورت کو شادی کرنے سے ظلماً نہ روکنا بھی ہے۔ کیونکہ جب سرپرست کو ان خواتین میں سے کوئی ایک پسند آجاتی وہ اس عورت کے بارے دوسرے شخص سے حریص ہوتا۔ وہ اسے اس سے ملنے سے روکتا۔ خواہ وہ خاوند کتنا بڑا انسان ہوتا اس میں وہ نقصان ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔ ان جلیل حکمتوں کے پیش نظر رب تعالیٰ نے ان عورتوں سے نکاح کرنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کیا ہے۔

ان خواتین جن سے نسب کے علاوہ کسی اور وجہ سے نکاح کرنا حرام ہے میں حکمت

خوب جان لو کہ ہم نے جو کچھ ان سات عورتوں کے بارے کہا ہے جو نسب کے اعتبار سے

حرام ہے وہی کچھ رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں کے بارے کہا جا سکتا ہے وہی کچھ بیویوں کی ماؤں اور ایسی بیٹیوں کے بارے کہا جا سکتا ہے جن کی ماؤں سے مباشرت ہو چکی ہو ان کی حرمت کی رعایت کرنا اور مباشرت سے ان کی توہین نہ کرنا واجب ہے جیسے کہ ہم نے تفصیل بیان کر دی ہے۔

رضاعی ماؤں اور حقیقی ماؤں کے مابین وجہ شبہ موجود ہے کیونکہ وہ بیٹوں کو دودھ پلاتی ہیں۔ ولادت کے بعد انہیں اپنے دودھ سے انہیں غذا مہیا کرتی ہیں۔ اسی غذا پر ان کی ذات اور زندگی کا دارو مدار ہوتا ہے نیز یہ بھی مشقت بیٹوں کے علاوہ ہے جو وہ حضانت اور پہلی تربیت میں برداشت کرتی ہیں۔ لہٰذا رضاعی مائیں بھی تو ایسی بیٹیوں کی دوسری مائیں ہوتی ہیں ان کے بھی وہی حقوق ہوتے ہیں جو حقیقی ماؤں کے ہو سکتے ہیں کیونکہ ایک دودھ سے غذا دینے میں یہ مشترک ہوتی ہیں۔ تربیت اولاد میں بھی یہ مشترک ہوتی ہیں۔ جہاں تک بیویوں کی ماؤں کا تعلق ہوتا ہے۔ تو دو عورتوں کے مابین تنازعہ جھگڑا رہنے کی بناء پر یہ حرام ہیں۔ کون سا عقل سلیم رکھنے والا شخص یہ چاہے گا کہ وہ بیٹی اور اس کی ماں کو جمع کرے اسی طرح وہ دو عورتیں ہیں جن میں اگر ایک کو مذکر تصور کیا جائے تو دوسری اس کے لیے حلال نہ ہو مثلاً بیٹی اور اس کی پھوپھی وغیرہا۔ کیونکہ اگر پہلی مذکر ہو تو وہ اپنی پھوپھی سے اور اگر دوسری مذکر ہو تو وہ اپنی بھتیجی سے نکاح نہیں کر سکتی۔ جہاں تک باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنے کی حرمت کا تعلق ہے تو اس میں حکمت یہ ہے یہ قطع رحمی اور نافرمانی پر ابھارتا ہے کیونکہ عورت ہمیشہ مرد کے لیے غیرت کی جگہ ہوتی ہے۔ جب اسے طلاق ہو جائے۔ جب مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اگر کوئی اور اس سے نکاح کر لیتا ہے تو تم دیکھو گے کہ وہ مرد ہمیشہ اس عورت پر غیرت کرے گا۔ اس کے خاوند سے بغض رکھے گا۔ اس امر کا مشاہدہ آئے روز ہوتا رہتا ہے اس وقت حالت کیا ہو گی۔ جب بیٹا اپنے باپ کی مطلقہ سے نکاح کر لے گا۔ یقیناً وہ اپنے باپ کی ردائے حرمت کو چاک کرے گا۔ اس کا نافرمان کہلائے گا خواہ باپ زندہ ہو یا مردہ۔

غلام کے اپنی مالکہ سے نکاح کرنے میں تناقض ہے کیونکہ مالکہ کو اپنے غلام پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے جبکہ خاوند کو اپنی بیوی پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے۔ مالکہ ایک آن میں فرمانبردار بیوی کیسے بن سکتی ہے۔ چار سے زائد بیویاں کرنے مین بہت بڑا نقصان ہے۔ سوکنوں اور اخراجات کی کثرت کی وجہ سے بہت بڑا فساد ہے دو سوکنیں ہی انسان کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں تیسری، چوتھی، پانچویں...... آجانے سے مرد کی حالت کیا ہو گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت بھی ہے جیسے کہ پہلے تفصیلی تذکرہ ہو چکا ہے مشرکہ جو اہل کتاب میں سے نہ ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا، اس سے

محبت کرنا۔ اس کے اور اس کے خاوند کے مابین شدت الفت خاوند کے دل میں شرک کی روح کی سرایت کے داعی ہیں خواہ خاوند اسے جانے یا نہ جانے۔ اس کی تفصیل بھی پہلے گزر چکی ہے۔ جہاں تک اس مملوکہ لونڈی کا تعلق ہے جس کا نکاح اس کا آقا کسی دوسرے مرد سے کر دے تو اس کے ساتھ مباشرت کرنا اس کے خاوند کا حق بن جاتا ہے۔ جب آقا خاوند کے حقوق میں دراندازی کرے گا تو اس کے اور خاوند کے مابین جھگڑا اور نفرت پھوٹ پڑے گی۔ کیونکہ ایک عورت سے مباشرت کرنے میں بہت نقصانات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ دونوں مباشرت کرنے والوں کے مابین نفرت اور حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے مابین عداوت اور بغض کی آگ بھڑک اٹھتی ہے یہ ایسے خطرات پر اختتام پذیر ہوتے ہیں جنہیں بیان کرنے کی طاقت قلم میں نہیں ہے۔ ان میں سے کم از کم خون ریزی ہے۔

ان میں سے ایک نقصان نسب کا ضیاع بھی ہے مولود کے بارے معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ مباشرت کرنے والوں میں سے کس کا ہے۔ اسی طرح یہ عورت کو نفاق کی طرف لے جائے گا۔ ہر کوئی سمجھے گا کہ وہ اس کے ہاں زیادہ محبوب ہے۔ اسی طرح یہ بدکاری کا دروازہ بھی ہے۔ اس میں اصل یہی ہے جہاں تک زانیہ کا تعلق ہے تو اس کا نقصان سب سے زیادہ ہے۔ اس کا خطرہ سب سے بھیانک ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ نکاح کرنے والا یہ معلوم نہ کر سکے گا کہ اس کی اولاد کس سے پیدا ہو رہی ہے ممکن ہے وہ عورت اس کی طرف وہ بچہ منسوب کر دے جو اس کا نہ ہو۔ اس حالت میں اس کو کوئی عزت و آبرو بھی نہ ہو گی۔ اس فصل میں ہمیں زانی اور زانیہ کے حالات کی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ پہلے کسی فصل میں گزر چکی ہے۔ نسب اور قرابت کے علاوہ جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے ان میں یہی حکمتیں کارفرما ہیں۔ تم انہیں سمجھ چکے ہو۔ شارع حکیم و خبیر کی حکمتیں دیکھو۔ اس نے کس طرح ہر چیز میں ایک خاص اندازہ مقرر کیا ہے۔

ان خواتین میں حکمت جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام رہتی ہیں

ہم نے پچھلی فصل میں وہ عظیم حکمتیں بیان کیں ہیں جو محرمات کے ساتھ مختص ہیں۔ اب ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم علامہ صاحب البدائع کا کلام قدرے تصرف کے ساتھ بیان کریں۔ تاکہ تمہارے لیے فائدہ مکمل ہو سکے۔ انہوں نے لکھا ہے (وہ خواتین جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ ان کی تین اقسام ہیں۔ (۱) قرابت کی وجہ سے حرام، (۲) سسرال (مصاہرت)

کی وجہ سے حرام۔ (۳) رضاعت کی وجہ سے حرام۔ پہلی قسم جو قرابت کی وجہ سے حرام ہے وہ سات اقسام میں منقسم ہے: (۱) مائیں (۲) بیٹیاں (۳) بہنیں (۴) پھوپھیاں (۵) خالائیں (۶) بھتیجیاں (۷) بھانجیاں۔ ارشاد ربانی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔

(النساء:۲۳)

ترجمہ: حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں رضاعت سے۔

رب تعالیٰ نے ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی حرمت کی خبر دی ہے۔ اس کی تفصیلات یہ ہیں۔ کتاب حکیم کی نص کی وجہ سے آدمی پر اس کی ماں حرام ہے۔ وہ نص رب تعالیٰ کا یہ فرمان عالی شان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳)

ترجمہ: حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں۔

اس نص کی وجہ سے اس آدمی پر ماں اور باپ کی طرف سے ساری نانیاں اور دادیاں حرام ہیں۔ خواہ وہ کتنی اوپر چلی جائیں کیونکہ رب تعالیٰ نے پھوپھیاں اور خالائیں حرام فرمائیں ہیں وہ دادی اور نانی کی اولاد ہوتی ہیں۔ نانی اور دادی کا قرب ان سے زیادہ ہوتا۔ دادی اور نانی کی حرمت کی وجہ سے ان کی حرمت طریق اولیٰ ہوگی۔ کیونکہ نص کے اعتبار سے اف کہنا حرام ہونا دلالۃً ضرب وستم کرنا بھی حرام ہوگا۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ اسی طرح آدمی پر اس کی بیٹی بھی نص کی وجہ سے حرام ہے۔ وہ نص رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَبَنٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳)

خواہ وہ اس کی بیٹی نکاح کی وجہ سے ہو یا بدکاری کی وجہ سے کیونکہ یہ نص عموم پر ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بدکاری کی وجہ سے پیدا ہونے والی اس کی وہ بیٹی اس پر حرام نہیں جو بدکاری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ اس کا نسب اس سے ثابت نہیں۔ وہ شرعی طور پر اس آدمی کی طرف منسوب نہیں

ہوگی۔ وہ لڑکی وراثت اور نفقہ کی نص کے تحت بھی نہیں آئے گی۔ یعنی رب تعالیٰ کے ان دونوں فرامین کے تحت وہ نہیں آئے گی۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم۔ (النساء:۱۱)

ترجمہ: حکم دیتا ہے اللہ تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ۔ (البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ: اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ کھانا ہے ان ماؤں کا اور ان کا لباس ان ماؤں کا۔

لیکن احناف کہتے ہیں:

''انسان کی بیٹی وہ اسم ہے جو اس مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے جو حقیقت میں اس کے پانی سے پیدا ہوتی ہے۔ اب گفتگو اسی کے بارے میں ہے لہٰذا وہ اس کی حقیقی بیٹی ہوگی لیکن شرعاً اسے اس شخص کی طرف منسوب کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں بے حیائی کا پھیلانا ہے۔ اس سے نسب حقیقی کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حقائق کی تردید نہیں ہوسکتی وراثت اور نفقہ میں بھی احناف اسی طرح کہتے ہیں۔ نسب حقیقی تو ثابت ہے لیکن شرع نے وراثت اور نفقہ کے لیے شرعاً نسب کے ثبوت کا اعتبار کیا ہے۔ جو وہاں اس کا دعویٰ کرے گا اس پر اس کی تفصیل بیان کرنا لازم ہے۔

اسی طرح ایک آدمی پر اس کی پوتیاں اور نواسیاں بھی حرام ہیں۔ خواہ وہ کتنی نیچے چلی جائیں۔ یہ دلالۃ النص سے ثابت ہے کیونکہ یہ بھتیجوں اور بھانجیوں سے قریبی ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ بہنوں سے بھی قریبی ہوتی ہیں۔ کیونکہ بہنیں اس کے باپ کی اولاد ہوتی ہیں جبکہ یہ اس کی اولاد کی اولاد ہیں۔ وہاں حرمت کے ذکر نے اس جگہ حرمت کا ذکر دلالۃً کردیا۔ اسی پر امت بیضاء کا اجماع ہے۔ اسی طرح آدمی پر اس کی بہن اور پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں۔ یہ بھی رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہیں۔ یہ نص ہے:

وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳)

ترجمہ: اور تمہاری بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں۔

خواہ یہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں۔ یا صرف باپ یا صرف ماں کی طرف سے ہوں۔ اس کی وجہ بہن، پھوپھی اور خالہ کے اسم کا اطلاق ہے اسی طرح اس پر اپنے باپ کی پھوپھی اور اس کی خالہ بھی حرام ہوگی۔ خواہ وہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں۔ یا صرف

باپ یا صرف ماں کی طرف سے ہوں۔ اسی طرح اس کی ماں کی پھوپھی اور خالہ بھی اس پر حرام ہوں گی۔ خواہ وہ ماں اور باپ دونوں طرف سے یا صرف ماں یا صرف باپ کی طرف سے ہوں۔ یہ اجماع کی وجہ سے حرام ہیں۔ اسی طرح کے باپ کی پھوپھی اور خالہ اور اس کی خالہ کی پھوپھی بھی اس پر حرام ہیں۔ خواہ وہ ماں اور باپ کی طرف سے ہوں۔ یا صرف ماں کی طرف سے یا صرف باپ کی طرف سے۔ یہ اجماع امت کی وجہ سے حرام ہیں۔ اسی طرح انسان پر بھتیجیاں اور بھانجیاں بھی حرام ہیں۔ اور یہ اس نص کی وجہ سے ہے:

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ۔ (النساء: ۲۳)

اسی طرح آدمی پر بھتیجوں اور بھانجیوں کی بیٹیاں بھی حرام ہیں خواہ وہ کتنی ہی نیچے چلی جائیں۔ یہ بھی اجماع کی وجہ سے حرام ہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جدات کی حرمت اور نواسیوں وغیرھن کی حرمت جن کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ نص سے بھی ثابت ہیں کیونکہ ان پر اسم کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ انسان کی دادی یا نانی کو اس کی ماں کہا جاتا ہے اور اس کی نواسی کو اس کی بیٹی کہا جاتا ہے اس طرح اس کی حرمت عین نص سے ثابت ہوتی ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ سوائے اس شخص کے قول کے جو یہ کہے کہ ایک لفظ سے اس کے حقیقی اور مجازی معانی مراد لینا جائز ہیں جبکہ ان دونوں کے حکموں میں کوئی منافات نہ ہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جس نے ماں اور بیٹی کے اسم کی ان سے نفی کر دی وہ اس نفی میں سچا ہوتا ہے۔ یہی وہ علامات ہیں جو حقیقت اور مجاز میں فرق کرتی ہیں۔ اس فرق کا معاملہ شریعت مطہرۃ میں بھی واضح ہے۔

پھر یہ کہ مذکورہ بالا خواتین سے نکاح کرنا قطع رحم کی طرف لے جاتا ہے اور قطع رحمی حرام ہے۔ حرام کی طرف لے جانے والا فعل بھی حرام ہے۔ یہ معنی مذکورہ ساتوں طبقات کو عام ہے کیونکہ ان کی قرابت قطع رحمی کو حرام قرار دیتی ہے اور صلہ رحمی کو واجب قرار دیتی ہے۔ ماؤں کا اختصاص ایک اور مفہوم کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ماں کا احترام اور تعظیم واجب ہے۔ اسی لیے اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ ان کے سامنے عاجزی کرے۔ ان کے سامنے عمدہ بات کرے۔ اسے ان کے سامنے اف کہنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ اگر ان کے ساتھ نکاح جائز ہوتا، عورت اپنے خاوند کے حکم، اس کی اطاعت کے ماتحت ہوتی ہے خاوند کی خدمت کرنا عورت پر لازم ہوتا ہے۔ یہی امور ماں کے لیے لازم ہوتے۔ اس سے احترام کی نفی ہوتی۔ یہ امر تناقض کی طرف لے جاتا ہے۔ انسان کے لیے اس کی چچازاد ماموں زاد، پھوپھی زاد

اور خالہ زاد حلال ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے آیۃ التحریم میں محرمات کا ذکر کیا پھر اس نے فرمایا:

"ماسوا ان کے دیگر عورتیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں"۔

ان عورتوں کا ذکر محرمات میں نہ کیا وہ ان عورتوں کے علاوہ ہوں گی ارشاد ربانی ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (النساء: ۲۴)

ترجمہ: اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیے ماسوا ان کے۔

لہٰذا ان عورتوں سے نکاح کرنا ان کے لیے حلال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آیۃ التحریم میں مذکورہ محرمات کو مختص فرمایا باقی عورتیں عموم کے تحت باقی رہیں۔ اس بارے میں ایک خاص نص بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ (الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اے نبی (مکرم!) ہم نے حلال کر دی ہیں آپ کے لیے آپ کی ازواج جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ تعالیٰ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ۔

جو امر حضور ﷺ کے ثابت ہوتا ہے وہ امت کے لیے بھی ثابت ہو جاتا ہے مگر یہ کہ اس کی خصوصیت پر کوئی دلیل مل جائے۔ دوسری قسم ان محرمات کی ہے جو مصاہرت کی رو سے حرام ہیں۔ ان کے چار گروہ ہیں۔

پہلا گروہ:

بیوی کی ماں اور اس کی دادیاں اور نانیاں مرد پر حرام ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی نسب میں آگے چلی جائیں آدمی پر اس کی بیوی کی ماں نص قرآنی کی وجہ سے حرام۔ وہ نص قرآن حکیم کی یہ آیت طیبہ ہے:

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ۔ (النساء: ۲۳)

خواہ اس نے اپنی اس زوجہ کے ساتھ مباشرت (دخول) کیا ہو یا نہ۔ یہ عام علماء کا نظریہ ہے لیکن امام مالک، داؤد الاقھانی محمد بن شجاع، بلخی، بشر المرسی رضی اللہ عنہم نے فرمایا: "بیوی کی ماں صرف نفس عقد سے حرام نہیں ہوتی۔ جبکہ وہ اس کی بیٹی سے مباشرت (دخول) نہ کرے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اختلاف تھا۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کا موقف عام علماء کی طرح ہے جبکہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے ان آئمہ کے قول کی طرح روایت ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت اسی طرح ہے جبکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ طلاق اور موت کے مابین فرق کرتے تھے۔ وہ طلاق میں ان حضرات کی طرح قول کرتے تھے۔ جبکہ موت میں ان کا موقف عام علماء کی طرح تھا۔ وہ موت کو دخول کی مانند سمجھتے تھے۔ کیونکہ یہ حق مہر میں دخول کی طرح ہے۔ یہ حق تحریم میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے پھر اسے دخول سے پہلے طلاق دے دے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی بیٹی سے نکاح کر لے لیکن اس کی ماں سے نکاح کرنا اس کے لیے روا نہیں۔"

دو مسئلوں کی نص یہی ہے حضرت عمر بن شعیب اپنے والد گرامی اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سید الانبیائ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "جو شخص کسی عورت سے شادی کر لے پھر اسے دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ عورت اس ہاں مر جائے تو کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کی بیٹی سے نکاح کر لے۔ لیکن جو مرد کسی عورت سے نکاح کر لے اور دخول سے پہلے اسے طلاق دے دے یا وہ اس کے ہاں مر جائے تو اس کے لیے روا نہیں کہ وہ اس کی ماں سے نکاح کرے۔"

یہ بھی دو مسئلوں میں نص ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے اس آیت کریمہ کے بارے فرمایا: "جسے رب تعالیٰ نے مطلق رکھا ہے اسے تم بھی مطلق رکھو" اسی طرح حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے: انہوں نے فرمایا: "یہ آیت طیبہ مطلق ہے۔" جو حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے اس سے ان کا رجوع کرنا بھی مروی ہے۔ انہوں نے کوفہ

میں یہی فتویٰ دیا تھا۔ جب وہ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مذاکرہ کیا تو وہ بھی حرمت کے قول کی طرف لوٹ آئے۔ ان سے عرض کی گئی: ''اس عورت کے ہاں تو اولاد بھی پیدا ہو گئی ہے۔'' انہوں نے فرمایا: ''اگرچہ اس کے ہاں اولاد بھی ہو گئی ہو'' کیونکہ یہ نکاح قطع رحمی پر منتج ہوتا ہے جب اس مرد نے اس عورت کی بیٹی کو طلاق دی اور اس کی ماں سے نکاح کر لیا تو اس عورت کو اس کینہ پر برانگیختہ کیا جو ان کے مابین قطع رحمی کا سبب بنا۔ قطع رحمی حرام ہے جو امر قطع رحمی کی طرف لے جائے وہ بھی حرام ہے۔ اسی مفہوم اور معنی کے اعتبار سے عورت اور اس کی بیٹی، عورت اور اس کی ماں، عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا حرام ہے لیکن ماں کی طرف اس کے برعکس ہے۔ ماں سے صرف عقد کر لینے سے اس کی بیٹی حرام نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں نکاح کی اباحت قطع رحمی کی طرف نہیں لے جاتی۔ کیونکہ عموماً فطرت یہی ہے کہ ماں حظوظ اور حقوق میں اپنی بیٹی کو ترجیح دیتی ہے لیکن بیٹی اپنے آپ پر ماں کو ترجیح نہیں دیتی۔ لیکن اگر دخول کیا ہو تو یہ حرمت ثابت ہو جائے گی کیونکہ اس نے اپنا حق پورا لے کر اپنی مودت کو مؤکد کر دیا ہے اب اسے ملامت آلے گی جو اسے قطع رحمی کی طرف لے جائے گی۔

جہاں تک بیویوں کی نانیوں اور دادیوں کا تعلق ہے تو ان کی حرمت اجماع سے ثابت ہے عورت اپنی جدات کو صرف عقد نکاح سے حرام کر دیتی ہے جبکہ نکاح صحیح ہو، اگر نکاح فاسد ہو تو جو حرمت صرف عقد سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ مباشرت سے یا اس امر سے ثابت ہوتی ہے جو مباشرت کے قائم مقام ہو۔ اس طرح عورت کی بیٹی، اس کی بیٹیاں اور پھر ان کی بیٹیاں بھی حرام ہو جاتی ہے خواہ وہ نسباً کتنی ہی نیچے چلی جائیں۔ مرد کی بیوی کی بیٹی تو قرآن پاک کی نص سے حرام ہے۔ اگر اس نے اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہو اور اگر اس نے دخول نہ کیا ہو تو وہ حرام نہیں ہوتی۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘۔ (النساء: ۲۳)

ترجمہ: اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی ہیں) ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں)۔

خواہ اس کی بیوی کی بیٹی اس کی حفاظت وحمایت میں ہو یا نہ۔ یہ عام علماء کا موقف ہے

سوتیلی لڑکی کی بیٹیوں کی بیٹیاں اور اس کے بیٹوں کی بیٹیاں حرام ہیں۔ خواہ نسب میں کتنی نیچے چلی جائیں۔ ان کی حرمت اجماع سے ثابت ہے۔

تیسرا گروہ:

سگے بیٹے کی بیوی، بیٹے کے بیٹے کی بیوی، بیٹی کے بیٹے کی بیوی خواہ وہ نسب میں کتنے ہی نیچے چلی جائیں حرام ہیں۔ سگے بیٹے کی بیوی اس نص قرآنی کی وجہ سے حرام ہے:

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ (النساء:۲۳)

ترجمہ: اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں۔

اس لیے کہ اگر بیٹے کی بیوی انسان پر حرام نہ کی جاتی تو جب بیٹا اسے طلاق دیتا تو وہ اس پر نادم ہوتا اور وہ اس عورت کی طرف رجوع کرنا چاہتا جب اس کے باپ نے اس سے شادی کر لی ہوتی تو ان کے مابین کینہ پیدا ہو جاتا کینہ سے قطع رحمی پیدا ہوتی ہے۔ قطع رحمی حرام ہے۔ لہٰذا لازم تھا کہ بیٹے کی بیوی کو مرد پر حرام کر دیا جاتا تاکہ وہ حرام کی طرف نہ لے جائے اسی لیے اس مفہوم کے اعتبار سے بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے۔ خواہ اس نے اس میں دخول کیا ہو یا دخول نہ کیا ہو۔ کیونکہ نص دخول کی شرط سے مطلق ہے جبکہ بیٹے کے بیٹے کی بیوی اور بیٹی کے بیٹے کی بیوی اجماع سے حرام ہے خواہ وہ نسباً کتنے نیچے چلے جائیں۔

چوتھا گروہ:

باپ اور باپ کی طرف سے اجداد کی منکوحہ بھی حرام ہے۔ خواہ وہ نسب میں کتنے اوپر چلے جائیں۔ باپ کی منکوحہ تو اس نص قرآنی سے حرام ہے:

وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء:۲۲)

ترجمہ: اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا۔

کیونکہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا قطع رحمی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ جب اس کا باپ اس عورت کو جدا کر دے ممکن ہے وہ اپنے اس فعل پر نادم ہو وہ اس کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ کرے اگر اس کے بیٹے نے اس عورت سے نکاح کر لیا ہو تو یہ امر اسے وحشت زدہ کر دے گا۔ اس میں کینہ پیدا ہوگا۔ جو ان کے مابین دوری کا سبب بنے گا۔ قطع رحمی کی یہی تفسیر ہے۔ قطع رحمی حرام ہے۔ نکاح حرام کے سبب کا راز بن جائے گا۔ یہ تناقض ہے۔ اس تناقض کو ختم کرنے کے لیے

اسے حرام کیا گیا۔ جو حماقت اور جہالت کا اثر ہے۔ رب تعالیٰ ان سے پاک اور بری ہے۔ جبکہ اس مرد کے اجداد کی منکوحہ اجماع سے حرام ہوتی ہے۔ وہ اس معنی سے حرام ہوتی ہے جس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ یہ عین نص سے حرام نہیں ہوتی۔ مگر اس شخص کے قول کے مطابق جو منافات نہ ہونے کی صورت میں ایک ہی لفظ کا حقیقی اور مجازی معنی مراد لینے کو جائز سمجھتا ہے۔

تیسری قسم ان محرمات کی ہے جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔ وہ تمام سات گروہ جو قرابت کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے بیان کیا ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے قرابت کی وجہ سے حرام ہونے والے رشتوں کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جبکہ رضاعت سے حرام ہونے والے رشتوں کو صراحۃً بیان نہیں فرمایا۔ اپنے اس فرمان میں صرف رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں کی حرمت کے بارے نص بیان کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ الرَّضٰعَةِ۔ (النساء:۲۳)

ترجمہ: تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔

اور تاکہ انسان اپنے اجتہاد اور استدلال سے ان رشتوں کی حرمت جان لے جن کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

اس کی اصل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے:

"رضاعت سے وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔"

اس پر اجماع بھی ہے۔ اسی طرح وہ چار گروہ جو مصاہرت سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

معاملات کی حکمت

خوب جان لو کہ رب تعالیٰ نے انسان کو فطرت کے اعتبار سے مہذب اور شائستہ بنایا ہے۔ وہ ایسی ہستی کا محتاج ہوتا ہے جو سارے امور میں اس کے فوائد کا تبادلہ کرے۔ خواہ ان کا تعلق خرید و فروخت اور اجارہ کے ساتھ ہو خواہ وہ شجر کاری اور زراعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ خواہ ان کے علاوہ دیگر اسباب ہوں جن کی وجہ سے انسان اکٹھے رہیں جدا جدا نہ ہوں۔ قریب قریب رہیں دور دور نہ ہوں۔ اگر ہر انسان عزلت کو لازم پکڑ لے تو اس کے لیے اس چیز کا حصول مشکل ہو

جائے گا جس سے وہ اپنی زندگی کا بوجھ اٹھا سکے۔ اگر معاملہ اسی طرح ہے۔ انسان میں ایک ایسا نفس بھی ہے جو اسے برائی کا حکم دیتا ہے۔ اس کی فطرت میں حرص اور طمع بھی ہے۔ شارع حکیم نے معاملات کے لیے بھی قوانین وضع کر دیے۔ تاکہ انسان وہ چیز نہ لے جو اس کا حق نہیں۔ ان کے ساتھ ہی انسان کے احوال درست ہوتے ہیں۔ حقوق ضائع نہیں ہوتے۔ فوائد اور منافع کا عمدہ اور اکمل طریقے سے بنی نوع انسان کے مابین تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

بیع کی حکمت

جان لو کہ بہت سے تمدنی فیصلے جن میں جھگڑا اور نزاع زیادہ ہوتا ہے۔ ان کی فقط وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ان شرعی شرائط کو پورا نہیں کرتے جو شارع حکیم نے مقرر کیں ہیں۔ وہ شرائط ہی حسنِ معاملہ کی ضامن ہیں۔ خرید وفروخت کرنے والوں کے مابین ایجاب وقبول لفظ صریح کے ساتھ ہو۔ ایسے لفظ کنایۃ کے ساتھ نہ ہو جو کسی ایسی تاویل کا محتاج ہو جو جھگڑے کا باعث بنے۔ عقد کرنے والے بائع اور مشتری ہوتے ہیں۔ ان دونوں کے لیے شرط ہے کہ وہ امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ دانا اور عقلمند ہوں۔ جو کچھ فروخت ہو رہا ہے اس کی حقیقت کے بارے انہیں یقین تام حاصل ہو۔ وہ دونوں آزاد ہو یا ماذون ہوں۔ معقود علیہ وہ چیز ہوتی ہے جسے فروخت کیا جاتا ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ معین ہو۔ مجہول نہ ہو۔ وہ ان اشیاء میں سے ہو جن میں منفعت ہو۔ شارع نے اسے حرام نہ کہا ہو جیسا کہ شراب اور خنزیر وغیرہ۔ اس کے بعد شارع حکیم نے یہ شرط لگائی ہے کہ صرف عقد کے حصول کے ساتھ ہی بیع درست ہو جائے گی۔ مگر جبکہ وہ خیار کی شرط لگا لیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

> "ہر دو بیع کرنے والوں میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہوتا ہے۔ جب تک وہ جدا نہ ہو جائیں سوائے بیع خیار کے۔"

اس طرح بیع کے متعلق دیگر امور فقہ کی کتب میں مذکور ہیں۔

سود کی حرمت کی حکمت

اللہ رب العزت اس سود کو برباد کرے اس کے کتنے ہی آباد گھروں کو برباد کر دیا۔ کتنے ہی غنیوں کو فقیر بنا دیا۔ کتنے آقاؤں کو غلام بنا دیا۔ کتنے ہی خاندان جو بزرگی اور شرف کی رفعتوں

پر فائز تھے۔ وہ فقر و فاقہ کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے وہ خوشحالی، آسودگی اور عزت کے عمدہ ترین حصہ میں خیمہ زن تھے۔ یہ سود بہت بڑی مصیبت ہے۔ یہ بہت بڑی آفت ہے۔ یہ لاعلاج مرض ہے یہ مہلک بیماری ہے وہ شخص جو سود لیتا ہے اسے جلدی فقر آلیتا ہے۔ اسے غربت گھیر لیتی ہے وہ بہت بڑی مصیبت اور عظیم آفت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ انسان کے ہاں مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے اس کے حالات عمدہ ہوتے ہیں۔ پھر وہ فقیر اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی مکدر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں یہ فضاء سوئی کے ناکے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ وہ صبح و شام زہر کے گھونٹ پیتا رہتا ہے وہ صبح و شام غم اور فکر میں مستغرق رہتا ہے۔ اس حالت میں اس کا دل مضطرب ہو جاتا ہے۔ اس کے شعور میں خلل آجاتا ہے۔ اس کی فکر انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ مردوں کی مانند ہوتا ہے۔ ہم سود کی مذمت میں جو کچھ بھی کہہ لیں سود خوروں کے عمل کی قباحت اور حقارت کے بارے جو کچھ بھی کہہ لیں تم ایسا کوئی قول نہ پاؤ گے جو رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان سے زیادہ بلیغ اور جامع ہو:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ (البقرۃ:۲۷۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر تم (سچے دل سے) ایمان دار ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔

رب تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے ذرا اس وعید اور دھمکی کو دیکھو۔ ذرا غور کرو کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کی جنگ ہو کیا اس کی نصرت ہو سکتی ہے۔ یا وہ حقیر، مغلوبوں اور مقہوروں میں سے ہو جائے گا۔ ذرا دیکھو رب تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ (البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ: اور جو لوگ کھایا کرتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والے پر رب

تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔"

ذرا دیکھو کہ رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا غضب کس طرح سود لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے پر بھی ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ صرف سود دینے والے اور سود لینے والے پر ہو۔

ممکن ہے کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ اس قباحت، ڈرانے، دھمکی کے باوجود ہم اب مہذب حکومتوں کو دیکھتے ہیں۔ ترقی یافتہ قوموں کو دیکھتے ہیں کہ وہ سود لیتی اور دیتی ہیں۔ وہ اسے باعث منفعت شمار کرتی ہیں۔" ہم ایسے شخص کو جواب دیں گے کہ یہ قومیں اور حکومتیں شراب اور بدکاری کے نقصانات جانتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ صراحتہً بدکاری کرتی ہیں۔ سر عام شراب پیتی ہیں۔ ان دو برائیوں کا شر ہر زمان اور ہر مکان میں انسان کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اب یورپ کی ساری اقوام نے سود کی حرمت کے بارے شارع اسلام کی حکمت پر یقین کر لیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے غور و فکر کیا ہے اور دیکھ لیا ہے کہ وہ سارے اموال جو بنکوں اور دیگر مالی اداروں میں رکھے جاتے ہیں وہ سارے کے سارے برباد ہو جاتے ہیں وہ بڑی جنگ میں رائیگاں جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ سمندروں کو ان سے بہت بڑا حصہ مل جاتا ہے۔ جان لو کہ اگر سود کو اس صورت میں مباح قرار دے دیا جاتا تو قرض کا فائدہ ختم ہو جاتا۔ یہ قرض تقویٰ اور پاکبازی پر تعاون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس سے مسکین اور عاجز کو بڑا سہارا ملتا ہے۔ اس طرح وہ منفعت ختم ہو جاتی۔ جس کا محتاج تک پہنچانا واجب ہوتا ہے۔ ہم اجمال سے کہتے ہیں کہ سود سارے عالم کو خراب کرنے کا سبب ہے۔ کیونکہ جب لوگ اس طرح اموال کے فائدہ اٹھانے لگیں گے تو وہ آرام اور غفلت کی طرف مائل ہو جائیں گے وہ کام سے رک جائیں گے۔ ایک کسان فوائد کے لیے ہی زمین کا سینہ چاک کرتا ہے۔ اسی طرح صنعت کار اور تاجر بھی منافع اور فوائد کے لیے محنت کرتے ہیں۔ انہیں فوائد اسی صورت میں حاصل ہوں گے جب وہ کام کاج کریں گے۔ جب وہ ان امور سے منہ موڑ لیں تو پھر اس دنیا اور اس کے ساکنین کو سلام کہہ دو۔ جب تم ان اقوام کے مصائب اور آفات میں گرنے کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کرو گے تو تمہیں عیاں طور پر واضح نظر آئے گا کہ ان سارے مصائب کی بنیاد سود ہی ہے۔

ہمارے استاذ، امام شیخ محمد عبدہٗ نے اپنے تفسیر میں رب تعالیٰ کے اس فرمان کی تشریح میں فرمایا ہے:

إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ (البقرۃ، ۲۷۵)

ترجمہ: (وہ کہتے ہیں) سوداگری بھی سود کی مانند ہے۔

سود انسان کی اس طرح تربیت کرتا ہے کہ انسان رب تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو عمل میں نہیں لاتا۔ وہ کام کرنے سے رک جاتا ہے۔ وہ زمین میں تجارت، زراعت اور صنعت سے دستکش ہوجاتا ہے کیونکہ جب ایک انسان دیکھتا ہے کہ جب اس نے اپنی رقم کسی بنک میں رکھ دی۔ اور اس سے فائدہ اٹھایا تو اس کے اس کا نفع کھانا ممکن ہوگا۔ تو وہ اسی طرح کرتا ہے وہ یکبار عمل چھوڑ دیتا ہے اس پر غفلت، کاہلی اور سستی چھا جاتی ہے۔ وہ عمل کرنا ناپسند کرتا ہے۔ وہ اجتماعی معاشرہ میں ایک فاسد عضو بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ نہ عمل کرتا ہے نہ اس کا کوئی فائدہ رہتا ہے۔ جتنا سود زیادہ ہوتا چلا جائے گا امت کے جسم کے اتنے زیادہ اعضاء فاسد ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے بعد امت کا سارا وجود ختم ہوجائے گا۔"

سود نیکی کے انقطاع کا سبب ہے

تم خوب جانتے ہو کہ اغنیاء کا غرباء کے ساتھ ہمدردی کرنا، ان کی معیشت کے امور میں ان کے بازو تھام لینا نفرت کرنے والے قلوب کو جوڑ دیتا ہے۔ یہ لوگوں کی باہمی محبت اور الفت کے رشتوں کو مستحکم کرتا ہے۔ اگر معاملہ اس طرح ہو تو شہروں میں امن قائم ہوجاتا ہے۔ لوگوں کے حالات درست ہوتے ہیں۔ اگر غنی اپنے اموال فقراء اور غرباء کو سود کے بغیر نہ دے تو غرباء کے دلوں میں حسد اور کینہ پیدا ہوجاتا ہے۔ بھلائی کا رستہ منقطع ہوجاتا ہے۔ غرباء امراء سے مال بھی چھین لیتے ہیں۔ وہ ہر ممکن طریقے سے اسے لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جہاں جہاں اشتراکیت، کمیونزم اور فوضویہ کا نظام رائج ہے وہاں وہاں چوری، ڈاکہ زنی اور قزاقی عام ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے جزیرۃ العرب کے یہودیوں سے عہد لیے

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ سود میں بہت خرابیاں اور نقائص ہیں۔ اس میں عالم کی مصلحتوں کے لیے بہت بڑا فساد ہے۔ اس وقت یہودی دیگر اقوام سے زیادہ سودی معاملات کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے معاہدے کیے عہد لیے کہ وہ جزیرۃ العرب میں سودی کاروبار نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ پاکیزہ مقامات حضور ﷺ کا وطن ہیں۔ انہی مقامات سے ہی دین اسلام کا اظہار ہوا۔ انہی جگہوں سے یقین کا سورج فروزاں ہوا۔

جوا کے حرام ہونے میں حکمت

جوئے کا تعلق شیطان کے عمل کی ناپاکی کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سے حرام قرار دیا ہے۔ اس کی حرمت کے کئی اسباب ہیں جو کئی حکمتوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ہم جن پر آگاہ ہوئے ہیں انہیں تحریر کرتے ہیں:

۱- رب تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس زندگی میں انسان کو اس لیے تخلیق کیا گیا ہے تا کہ وہ عمل کرے، کوشش کرے وہ سخت محنت و مشقت کرے۔ ان اسباب کو تلاش کرے جو اسے زندگی کی نعمتوں اور آسودگی کی طرف لے جائیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانی معاشرہ کا ہر ہر فرد دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ مختلف ایسے کام سرانجام دیتے ہیں۔ ہر فرد یہ امور اجتماعی معاشرہ کے لیے سرانجام دیتا ہے لیکن جواباز کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنے روزگار میں وہموں پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ حیلے اور بہانے سے رزق تلاش کرتا ہے۔ وہ کوئی پیشہ اختیار کر کے رزق نہیں کماتا۔

۲- جواباز دو امور کے مابین ہوتا ہے یا تو وہ جیت جاتا ہے وہ مال میں لالچ کرتا ہے یا وہ ہر جاتا ہے تو اس کا نفس جوا کو لازم پکڑ لیتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے کھو جانے والی چیز کو واپس لے لے اور اپنا خسارہ لوٹا لے۔ اگر معاملہ اسی طرح ہے تو جب لوگ جوا میں مشغول ہو جائیں گے ہر جوا کھیلنے والا عمل کرنے سے رک جائے گا تو دنیا پر مصیبت اور عذاب نازل ہو جائے گا۔

۳- جواباز اس شخص کا دشمن بن جاتا ہے جو جوا میں اس سے جیت جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس شخص کے لیے نقصان کی تمنا کرتا ہے وہ اسے خطرات میں گرانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ خصوصاً یورپ میں اس امر کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ہم اکثر سنتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو قتل کر دیا۔ یا فلاں فلان کے مقابلہ پر آیا۔ ان میں سے اکثر واقعات کا سبب جوا میں خسارہ ہوتا ہے۔

۴- بعض اوقات جواء باز بہت زیادہ دولت مند بن جاتا ہے پھر اسے خسارہ ہو جاتا ہے۔ (۱) غنی سے فقر کی طرف منتقل ہونا (۲) نفس کا زندگی کے غموں اور دکھوں سے نجات پانے کی طرف میلان رکھنا۔ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ فقر وغربت کی گھاٹی

میں گر پڑتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا سبب جوا ہوتا ہے۔

۵- بعض اوقات جواباز مزدور ہوتا ہے۔ اس کی اجرت متعین ہوتی ہے وہ ایک خاندان کا کفیل ہوتا ہے وہ اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے جب وہ جوا کھیلتا ہے اسے نقصان ہوتا ہے تو اس کے خاندان کا نظام گڑبڑ ہو جاتا ہے۔ وہ کئی گنا زیادہ غربت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۶- جب جواباز کو نقصان ہوتا ہے تو اس کے نفس میں جوابازی کی محبت بڑھتی جاتی ہے وہ چوری، حیلے، بہانے، دھوکہ، چال، ملاوٹ، فریب اور دیگر راہوں سے غیر شرعی طریقوں سے رقم بٹورنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب حکومتیں نقصان کی اس مقدار کو سمجھ گئی ہیں۔ جو جوا سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس کے خطرہ سے آگاہ ہو گئیں ہیں۔ انہوں نے اپنے قوانین میں جوا کھیلنے والے کے لیے سزا مقرر کی ہے تاہم جوابازوں نے بھی مختلف طریقے اپنا لیے ہیں۔ جو انہیں سزا سے بچا لیتے ہیں۔ کاش یہ حکومت اس طریقوں کو گہری نظروں سے دیکھتیں اور ہر اس شخص کا تعاقب کرتیں جس پر بھی یہ امر صادق آتا کہ وہ کسی مشقت، محبت، جدوجہد اور تھکاوٹ کے بغیر ہی رقم کما لیتا ہے۔ اگر حکومتیں یہ کام کر لیں تو یہ انسانیت اور اجتماعی معاشرہ کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اس کا فائدہ ساری عوام کو ملے گا۔

بیع سلم کو مشروع کرنے کی حکمت

ہم نے بیان کر دیا ہے کہ سود حرام ہے۔ ہم نے اس کی حرمت کی حکمت بھی بیان کر دی ہے۔ بہت سے کہنے والے کہتے ہیں: ''سود میں لوگوں کو بہت زیادہ نفع ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان کو کسی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے وہ اپنی زندگی کی ضروریات پوری کر سکے۔'' ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ شارع حکیم نے معاملہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے حتیٰ کہ وہ مصلحت اسے ضائع نہ کر دے جس سے پوری امت کو نفع ہو۔ اس نے بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے۔ اس نے طرفین کی راحت کا لحاظ کرتے ہوئے مخصوص شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا ہے۔ بیع سلم کے لیے شرط یہ ہے کہ راس المال کو مجلس عقد میں جدا ہونے سے قبل سپرد کر دیا جائے۔ یہ شرط بھی ہے بیع سلم کی مدت معلوم ہو تاکہ کوئی جھگڑا اور نزاع پیدا نہ ہو۔ یہ بھی شرط ہے کہ وہ چیز معین ہو۔ وزن یا کیل کے ساتھ اس کی مقدار معلوم ہو۔ یہ بھی شرط ہے کہ بیع سلم طے شدہ ہو۔ اسی طرح کتب فقہ میں بیع سلم کی شرائط مذکور ہیں۔ یہ معاملہ اس طرح ہے تو منفعت ہر اعتبار سے مل جاتی ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ

(البقرۃ:۲۸۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو قرض دو مدت مقرر تک تو اسے لکھ لیا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ بیعانہ جس کی ضمانت دی گئی ہو وہ حلال ہے۔''

پھر انہوں نے یہ آیت طیبہ پڑھی وہ حکیم ذات پاک ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے خوب آگاہ ہے۔

وکالت کی حکمت

جب انسان کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہو خواہ اس کی وہ دولت تجارت یا زراعت یا کسی اور کام کی وجہ سے ہو۔ اس کا کام کئی اقسام میں منقسم ہو۔ وہ سارے امور بذات خود سرانجام نہ دے سکتا ہو۔ خصوصاً جب اسے مختلف شہروں کا سفر کرنا پڑتا ہو تو شارع حکیم نے اسے سہولت عطا کی ہے اور اسے اجازت دی ہے کہ وہ ان امور کی انجام دہی کے لیے کسی دوسرے شخص کو اپنا وکیل بنا لے۔ جو اس کا کرایہ حاصل کرے۔ اس کی املاک کو کرایہ پر دے اور اس کے لیے اشیاء کی خرید و فروخت کرے۔ اس طرح اس شخص کو راحت کے اسباب بھی میسر ہو جائیں گے۔ اس کے مال میں بھی اضافہ ہوگا۔ اس کے امور اور حالات کا انتظام بھی بہتر ہو جائے گا۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر بن ام سلمہ اور حضرت حکیم بن حزام کو اپنا وکیل بنایا تھا۔

ہم اس جگہ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ وکیل ایسا شخص ہونا چاہیے جس میں امانت کی خوبی عام لوگوں سے زیادہ پائی جائے وہ سارے لوگوں سے زیادہ محکم رائے رکھتا ہو۔ اس کا تجربہ زیادہ ہو۔ تاکہ دنیا میں کثرت رزق حلال حاصل کرنے کی سعادت ملے اور آخرت میں ثواب عظیم نصیب ہو۔

کفالت کی حکمت

بہت سے افراد کے مالی حالات تنگ ہو جاتے ہیں۔ انہیں مال کی تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ مقروض بن جاتے ہیں۔ وہ قرض کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتے۔ جب وہ قرض خواہوں

سے کچھ مہلت مانگتے ہیں تو وہ مہلت دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ایک شخص آتا ہے جو ان کی ضمانت دیتا ہے اور ان کی کفالت کرتا ہے کفالت کے تین فوائد ہوتے ہیں۔

۱۔ مال کے مالک کو اپنے مال کے بارے اطمینان ہو جاتا ہے کیونکہ اس حالت میں ضامن رقم کی ادائیگی پر قادر ہوتا ہے۔

۲۔ مقروض سے مطالبہ کی ذلت دور ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ رزق کے حصول اور قرض کی ادائیگی کے لیے کوشش اور جدوجہد کرنے لگتا ہے۔

۳۔ اس طرح لوگوں کے مابین محبت والفت پیدا ہوتی ہے کیونکہ غریب کے کندھے سے قرض کا بارگراں اٹھا لینا محبت کے قوی اسباب میں سے ہے۔

جو شخص کفالت کرتا ہے اس کے لیے بھی اس میں بہت بڑا فائدہ ہے وہ یہ فائدہ آخرت میں رب تعالیٰ سے حاصل کرے گا۔ یہ عظیم اور بڑا فائدہ ہے جو اس روز کے لیے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے جس روز نہ مال اور نہ ہی بیٹے فائدہ دیں گے۔ مگر جو رب تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔ اللہ رب العزت درویش خدا مست حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے فرمایا ہے:

> ''قرض رات کے وقت غم اور دن کے وقت ذلت ہوتی ہے۔ جب رب تعالیٰ کسی شخص کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کی گردن کا قلادہ بنا دیتا ہے۔''

شرکت عنان کی حکمت

جان لو کہ شارع حکیم نے منفعت کا کوئی دروازہ نہیں چھوڑا مگر اس پر ضرور دستک دی۔ سعادت کے رستوں میں سے کوئی رستہ نہ چھوڑا مگر اسے آسان بنا دیا۔ خیر کے مقامات میں سے کوئی مقام نہیں چھوڑا مگر حکمت بالغہ کے ساتھ اسے محیط کر دیا۔ ان میں سے شرکت عنان بھی ہے یہ ایسی شرکت ہے اگر لوگ اسے اختیار کریں اس کی شرعی شروط کی پاسداری کریں تو نفع عام ہو جائے۔ سعادت کے گلشن میں پھول کھلنے لگیں۔ بلکہ تم ایسی مختلف کمپنیوں کو پاؤ گے جن کی تعداد کئی ہزاروں تک جا پہنچے گی۔ یہ ایک بلیغ حکمت ہے۔ کیونکہ یہ بندوں کو وسعت عطا کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اس طرح انسان امانت کے وصف سے بھی متصف ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی فضیلت والی صفت ہے۔ ''البدائع'' میں ہے:

''ایک قول کے مطابق ''العنان العن'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی ظاہر ہونا اور سامنا آنا

ہے۔ امرء القیس کا شعر ہے:

فعنّ لی شرب کان نعاجہ

عذاری دوار فی ملاء مدیل

ایک قول یہ ہے کہ اس قسم کو عنان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ قسم تمام تجارتوں میں یا بعض میں دونوں شریکوں کی منشاء کے مطابق جاری ہوتی ہے۔ یا اس میں فریقین کا مال برابر برابر ہوتا ہے۔ یا ایک کا مال زیادہ اور دوسرے کا کم ہوتا ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ "عنان الفرس" سے مشتق ہے۔ آدمی کے ایک ہاتھ میں لگام ہوتی ہے جبکہ اس کا دوسرا ہاتھ فارغ ہوتا ہے۔ وہ اس سے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس شرکت کو عنان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ بعض اموال میں ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک بقیہ مال میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ یا ان میں سے ہر ایک مال مشترک میں تصرف کا اختیار اپنے ساتھی کو دے دیتا ہے۔ شرکت عنان زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ کرتے تھے۔ نابغہ کا شعر ہے:

وَ شَارَکْنَا قُرَیْشًا فِی یقاھا

و فی احسابھا شرک العنان

"شرکت کی یہ قسم جائز ہے۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کیونکہ سارے زمانوں میں امت بیضاء اس پر عمل کرتی رہی مگر کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ جس چیز کو مسلمان بہتر سمجھیں وہ رب تعالیٰ کے ہاں بھی بہتر ہوتی ہے۔"

روایت ہے کہ اسامہ بن شریک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: "کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں کیسے نہ جانوں گا۔ تم میرے حصہ دار تھے تم بڑے عمدہ حصہ دار تھے۔ جو نہ تو دھوکہ دیتے تھے نہ شک کرتے تھے۔" جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو لوگ شرکت عنان کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے نہ تو انہیں منع کیا اور نہ ہی ان کا انکار کیا۔ کسی امر پر برقرار رکھنا سنت کی ادلہ میں سے ایک دلیل ہے کیونکہ یہ عقود ہر مکان اور زمان میں لوگوں کی مصلحتوں کے لیے مشروع کیے گئے۔ کیونکہ انہیں مال بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلاشبہ مال میں اضافہ کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

شرکۃ الضائع میں حکمت

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ شارع حکیم نے نفع کے وسائل میں سے کسی وسیلہ کو نہیں چھوڑا جس سے انسان کو فائدہ اور بھلائی پہنچ سکتی تھی مگر رب تعالیٰ نے اسے بنایا کیونکہ منافع کے اسباب بہت کثیر اور متنوع ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ہر سبب کے لیے ایک حکمت اور ایک حکم مقرر کر دیا۔ شرکۃ الضائع میں حکمت یہ ہے کہ مثلاً جو کاریگر جب کسی چیز میں شرکت کا عقد کرتے ہیں تو انہیں ان کے فن اور رزق میں بہت زیادہ فائدہ ملے گا۔ ان کی مارکیٹ میں اضافہ ہوگا۔ اس کا دائرہ وسیع ہو گا۔ ان کی ایجادات میں اضافہ ہوگا۔ کارخانوں اور فیکٹریوں میں اضافہ ہوگا۔ جب ایجادات زیادہ ہوں گی ہنر وفن کا دائرہ ملت میں وسیع ہوگا تو ہر اعتبار سے انسان کی راحت کے اسباب آسان ہوں گے مسلمان کسی دوسرے ایسے شخص پر بوجھ نہ بنے گا جو فن میں ماہر ہوگا لیکن وہ اس فن کو سکھانے میں فراخ دل نہ ہو۔ اسی طرح شرکت ضائع کے بارے وہی بات کی جا سکتی ہے جو شرکت عنان کے بارے کی تھی کہ اس سے انسان امانت کے وصف سے متصف ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔

شرکت الوجوہ کی حکمت

شرکت الوجوہ میں بھی بہت بڑی حکمت کارفرما ہے۔ اس کا بہت بڑا نفع ہے۔ یہ فقراء سے فقر کو دور کرتا ہے۔ اغنیاء کے لیے اجر وثواب لازم کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو افراد اس شرط پر شرکت کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے اعتبار اور امانت پر کوئی چیز خریدیں گے۔ کیونکہ ادھار دینے میں لوگ ان پر اعتبار کرتے ہیں۔ پھر وہ سامان دوسرے شخص کو فروخت کر دیں گے۔ اور وہ نفع میں شریک ہوں گے۔ اس طرح ان دونوں سے غربت دور ہو جائے گی۔ دونوں کے لیے معیشت کے اسباب وافر ہوں گے۔ وہ غربت کی وجہ سے امت پر بوجھ نہیں بنیں گے۔ اس پر اس اجر وثواب کا اضافہ کر لو جو اس غنی کو ملے گا جو ان دونوں کی مدد کرے گا۔ جو ان سے غربت اور فقر و فاقہ کو دور کرے گا۔ یقیناً وہ رب تعالیٰ کے حضور مقربین اور کامیاب ہونے والوں میں سے ہوگا اس کو شرکت الوجوہ اس لیے کہتے ہیں کہ عموماً لوگ اس شخص کو ادھار دیتے ہیں جس کا انہیں اعتبار ہوتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے سامنا کرتا ہے۔

حوالہ میں حکمت

حوالہ میں ایک بہت بڑی حکمت کارفرما ہے۔ کیونکہ اس میں نوع انسان کے مابین معاملات کی سہولت پیدا ہوتی ہے۔ خصوصاً ایسے شہروں میں جو ایک دوسرے سے دور دراز ہوتے ہیں جن تک جانے کے لیے بحر و بر کی مسافتیں طے کرنا پڑتی ہیں۔ یا ایک غریب شخص کو مال کی تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے قرض کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے پاس مال نہیں ہوتا رقم کا مالک اسے قرض کی ادائیگی کے لیے کہتا ہے۔ صبح و شام اسے بہت تنگ کرتا ہے یقیناً اس مقام پر غریب شخص ذلیل ہو جاتا ہے وہ قرض خواہ کے سامنے رسواء ہو جاتا ہے۔ اگر مقروض کوئی ایسا شخص پا لے جو قرض کو اپنے نام منتقل کر لے۔ قرض کی ادائیگی اسی کے ذمہ ہو جائے اور قرض خواہ بھی اس کا اعتبار کر لے۔ تو اس شخص کا یہ فعل انتہائی مستحسن ہے۔ اس نے اس مسکین مقروض سے ایک اذیت دور کی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو مقروض کو انتہائی ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ تم جانتے ہو کہ قرض لوگوں کی گردنیں جھکا دیتا ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں اور تمہیں قرض کی ذلت سے بچائے۔ اس کرب اور مصیبت کو دور کرنے کا ثواب وہ غنی روز حشر رب تعالیٰ سے لے گا۔ جس روز نہ مال فائدہ دے گا نہ اولاد۔

تقسیم کی حکمت

شارع حکیم نے کسی ایسے امر کو ترک نہیں کیا جو مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہو مگر اسے مشروع کر دیا اور ان کے لیے اس کی وضاحت کر دی۔ تاکہ ان کے لیے دنیا اور آخرت کا فائدہ مکمل ہو جائے۔ ان امور میں سے ایک تقسیم بھی ہے اس کی حکمت دونوں عین والوں یا منافع کی طرف لوٹتی ہے۔ کیونکہ شرکت زیادہ تر عین یا منافع میں ہوتی ہے۔ اس سے شرکاء کے مابین جھگڑا اور نزاع پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اکثر دیکھا جاتا ہے اور اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اس لیے شارع حکیم نے تقسیم کو مباح کیا ہے یہ سنت، اجماع اور از روئے عقل جائز ہے۔ سنت کی رو سے اس طرح کہ روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ غزوۂ خیبر اور دیگر غزوات سے حاصل ہونے والا مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا۔ آپ کے افعال مبارکہ کا ادنیٰ درجہ مشروعیت ہے اجماع کی رو سے اس طرح کہ امت مسلمہ حضور ﷺ کے عہد ہمایوں سے لے کر آج تک تقسیم کے عمل کو استعمال کر رہی ہے کسی مجتہد نے اس کا انکار نہیں کیا۔ یہ بھی اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اگر یہ روا نہ ہوتی تو کوئی مجتہد بھی اسے

روکنے سے خاموش نہ رہتا۔ عقل کی رو سے اس کا جواز ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

دعویٰ کو جائز کرنے میں حکمت

شارع حکیم نے ہمارے لیے دعویٰ کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا رستہ ہے جس کے ذریعے قاضی کے سامنے صاحبِ حق اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے اگر یہ رستہ نہ ہوتا تو صاحبِ حق کے لیے وہ سارے رستے بند ہو جاتے جو اس کے حق تک پہنچتے دعویٰ کے لیے کچھ شرائط ہیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔ ضروری ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں عاقل ہوں۔ مجنون اور ناسمجھ بچے کا دعویٰ درست نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان دونوں پر دعویٰ کرنا بھی درست نہیں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ مدعی بہ معلوم ہو۔ کیونکہ مجہول چیز کی نہ تو گواہی دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ مدعی بہ کا علم اور امور کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے یا اس کا نام لے کر۔ دعویٰ کی دیگر شرائط کتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔

شہادت کی حکمت

گواہی دینے میں ایک بہت بڑی حکمت کارفرما ہے کیونکہ اسی کے ساتھ ہی سارے حقوق ثابت ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہی مدعی کا قول مدعی علیہ پر لوٹتا ہے۔ شہادت کے لیے خاص شرائط ہیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔ اگر تم انہیں پڑھو اور ان سے آگاہ ہو جاؤ تو تم اسلام کے عدل کو جان لو گے۔ تم اس دینِ حنیف کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو گے جس نے فائدہ اور نفع کا ہر دروازہ نوعِ انسان کے لیے کھول دیا ہے۔ بڑے بڑے فوائد میں سے ہر ہر فائدہ عمدہ انداز اور واضح دلیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ گواہ کے لیے رب تعالیٰ کے لیے گواہی دینا لازم آتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ (الطلاق:۲)

ترجمہ: گواہی ٹھیک ٹھاک اللہ کے واسطے دو۔

كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ (النساء:۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے۔

اگر گواہ سے حقوق العباد پر گواہی طلب کی گئی اور اس نے گواہی دینے سے انکار کر دیا تو وہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے گناہ گار ہوگا:

وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا (البقرۃ:۲۸۲)

ترجمہ: جب گواہوں کو صاحبِ حق گواہی کے لیے کہے۔ کیونکہ گواہی مشہود لہ کی امانت کو جانچتی ہے۔ یہ گواہ کے لیے لازم ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (النسآء:۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تم ان کے سپرد کر دو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں۔

حدود کے اسباب کے علاوہ دیگر امور مثلاً طلاق، عتاق، ظہار اور ایلاء وغیرہ حقوق اللہ میں شہادت کا اعتبار امانۃً کیا جاتا ہے۔ ضرورت کے وقت اگر کوئی اس کا تقاضا نہ بھی کرے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور اجر وثواب کے لیے اس پر شہادت لازم ہوتی ہے۔ جبکہ اسباب حدود مثلاً بدکاری، چوری، شراب خوری اور بہتان وغیرہ میں شہادت کا انسان کو اختیار ہوتا ہے چاہیے تو حصول ثواب کے لیے گواہی دے دے۔ چاہیے تو پردہ پوشی کر دے کیونکہ ان میں سے ہر امر مستحب ہے۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق:۲)

حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی رب تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اگر وہ شخص چاہے تو رب تعالیٰ سے اجر وثواب کو حاصل کرنے کی جہت اختیار کر لے۔ چاہے تو اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندوں کی پردہ پوشی کی جہت اختیار کر لے۔

جھوٹی گواہی

جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ یہ بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ یہ ایسے امور کی طرف لے جاتی ہے جن کی کیفیت اور نقصان کا اندازہ لگانے سے یہ قلم عاجز ہے۔ تمہارے لیے یہی کافی

ہے کہ جھوٹا گواہ ندامت اور حیاء کے بغیر قاضی کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ ایک بری انسان پر تہمت لگاتا ہے۔ جس نے کوئی گناہ نہیں کیا جس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ جھوٹے گواہوں نے کتنے آباد گھروں کو برباد کر دیا۔ وہ چھتوں کے بل نیچے گر پڑے۔ یہ باغی لوگ اپنی جھوٹی گواہیوں سے کتنی بری ارواح کو زائل کر دیا۔ انہوں نے کتنے ان گنت اور بے شمار لوگوں کو جیل کی کوٹھڑیوں میں ڈال دیا۔ روایت ہے کہ جب حضور سید مرسلین ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، جھوٹی گواہی دینا۔"

آپ نے تین بار فرمایا:

"کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں کے بارے نہ بتاؤں؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی:

"ضرور! یارسول اللہ ﷺ"

آپ نے فرمایا:

"رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔" آپ پہلے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے پھر فرمایا: "اور جھوٹی بات۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

"آپ کے آخری بات اتنی زیادہ بار دھرائی کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں۔"

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"جس نے جھوٹ اور اس پر عمل پیرا ہونا نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔"

اس سلسلہ میں رب تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھو۔ تم دیکھو گے کہ رب تعالیٰ نے جھوٹ کو بتوں کی پرستش کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ۔ (الحج: ۳۰، ۳۱)

ترجمہ: پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی بات سے یکسر مائل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف نہ شریک ٹھہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔

ایسے گمراہ، باغی اور رب تعالیٰ کی نعمتوں کے ناشکر گزار گروہ کو تادیب سکھانے کے بارے علماء کا اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایسے افراد کی تشہیر کر کے انہیں تعزیر لگائی جائے۔ ایسے لوگوں کے بارے مساجد اور بازاروں میں اعلانات کر دیے جائیں اور لوگوں کو ان سے محتاط رہنے کے لیے کہا جائے۔ اس کے بارے یوں کہا جائے یہ جھوٹا گواہ ہے۔ اس سے بچو! امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا:

"ایسے فرد کی مساجد اور بازار میں تشہیر کرنے کے علاوہ اسے کوڑے بھی مارے جائیں۔"

انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جھوٹے گواہ کو مارا۔ اس کا چہرہ کالا کیا۔ ساتھ ساتھ آپ یہ فرما رہے تھے:

"جھوٹ بولنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔"

تاکہ یہ باغی گروہ یہ جان لے کہ اگر دنیاوی زندگی میں اس کا معاملہ لوگوں پر مخفی بھی رہے تو عنقریب وہ اسے احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہوگا جو منتقم اور جبار ہے اسے ایسا عذاب الیم ہوگا۔ جسے بیان کرنے کی طاقت ہم میں نہیں۔ وہ وہاں کہے گا:

"کاش! میں مٹی ہوتا۔"

البتہ ایسا دعویٰ دار کے بارے جسے اپنے دعویٰ کے بطلان کے بارے علم ہو وہ اپنے مخالف پر جھوٹا دعویٰ کر دے تاکہ وہ اسے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک سکے۔ وہ اپنے اس جھوٹے دعویٰ پر جھوٹے گواہ بھی پیش کر دے تو اس کے ایمان کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح موقف یہ ہے کہ ایسا کوئی شخص جس کے سینہ میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو وہ اس طرح کے افعال سرانجام نہیں دے سکتا۔ اس پر یہ حکم لگا دینا تمہارے لیے کافی ہے۔

قضاء کی حکمت

شارع حکیم نے ایک عظیم حکمت کے پیش نظر قضاء کو مشروع فرمایا۔ یہ جھگڑوں کا فیصلہ کرنے، حق ثابت کرنے باطل ختم کرنے اور لوگوں کے مابین عدل قائم کرنے کے لیے قضاء کو مشروع کیا گیا ہے۔ قاضی کو مقرر کرنا فرض ہے کیونکہ وہ ایسا امر سرانجام دیتا ہے جو فرض ہے وہ امر

قضاء ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ (ص:۲۶)

ترجمہ: اے داؤد ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

فاحكم بينهم بما انزل الله۔

قضاء سے مراد لوگوں کے مابین اللہ تعالیٰ کی کتاب حکیم اور احادیث طیبہ کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے۔ حضور ﷺ آفاق میں قاضی بھیجتے تھے۔ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا۔ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ مختصر یہ کہ قاضی مقرر کرنا ان ضروریات میں سے ہے۔ امت جن کی محتاج ہوتی ہے۔ ہم آپ کے لیے ذکر کرتے ہیں کہ اسلام سے پہلے اور اسلام سے بعد قضاء کی کیا حالت تھی۔ تا کہ تم ان حالات سے آگاہ ہو کر دونوں کا باہم موازنہ کر سکو اس کے بعد تمہیں دین اسلام کے عدل کا عرفان حاصل ہو سکے گا۔ رب تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے حق کو پہچان لیا اور حق اور باطل کے درمیان دوٹوک بات کی۔

اسلام سے پہلے قضاء

اسلام سے پہلے قضاء کا منصب ایسے لوگوں کے سپرد کیا جاتا تھا جو تجربہ کار ہوتے تھے۔ علم ودانش کے مالک ہوتے تھے۔ علم وذہانت میں یکتا ہوتے۔ انہیں بادشاہ یا قوم کی طرف سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ ایران اور روم میں یہی حالت تھی۔ اہل عرب ایسے ثالث کے پاس جاتے تھے۔ جو فریقین کے مابین فیصلہ کرتا تھا۔ اگر جھگڑا دو قبیلوں کے مابین ہوتا تو وہ تیسرا قبیلہ منتخب کر لیتے یا اپنے افراد میں سے ایسے افراد بطور ثالث مقرر کرتے جو فضیلت والے اور تدبیر میں سب سے بڑھ کر ہوتے تھے۔ روم میں ایسی عدالتیں ہوتی تھیں جو آج کل کی عدالتوں سے ملتی جلتی ہیں۔ ان کے اس طرح وکیل ہوتے تھے جس طرح آج کل وکیل ہوتے ہیں۔ ان کی عادت تھی کہ وہ جلسہ گاہ میں پانی چھڑکتے تھے۔ ان کے ہاں اس پانی کو "مقدس پانی" کہا جاتا تھا۔ اس سے آپ کو اجمالاً علم ہو گیا کہ دنیا میں قضاء ایک فطرتی امر ہے۔ یہ اس دن سے ہے جب سے رب تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی ہے اگر یہ شکل اور ہیئت میں مختلف رہا ہے۔

اسلام میں قضاء

جب اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا تو اس کا اجالا کائنات میں پھیلا۔ اس کا نور اقوام میں پھیلا حضور نبی مکرم ﷺ قضاء کا معاملہ وحیِ الٰہی کے مطابق خود سر انجام دیتے تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ رب تعالیٰ کی طرف سے اس دین اور اس کے احکام کے مبلغ تھے۔ جب آپ قضاء کے منصب پر جلوہ نما ہوئے تو عدل کے رفیع اور بلند مظاہر سامنے آئے۔ پہلے یہ منصب قضاء صرف آپ کے پاس تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ جب دین اسلام کا نور پھیلا تو آپ نے جسے چاہا سے منصب قضاء پر فائز فرما دیا۔ یہی وہ اصل تھی جسے خلفاء راشدین نے دلیل پکڑی اور منصب قضاء پر قاضی مقرر فرمائے۔ جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر رونق افروز ہوئے تو منصب قضاء کا حق صرف ان کے پاس تھا۔ انہیں دینی اور سیاسی اقتدار حاصل تھا۔ ان کے سارے فیصلے قرآن پاک، سنت مطہرہ اور قیاس کے مطابق ہوتے تھے۔ جب وہ کسی مسئلہ میں ان مصادر کے مطابق فیصلہ نہ کر سکتے تو شوریٰ کی طرف رجوع فرماتے۔ اجماع صحابہ سے فیصلہ ہو جاتا۔ آپ نے بھی ایسے قاضی مقرر فرمائے جو احکام میں ان کی نیابت کرتے تھے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ نما ہوئے۔ فتوحات وسیع ہوئیں تو آپ سیاسی امور میں زیادہ مشغول ہو گئے تو آپ نے اکابر صحابہ کرام اور قرآن پاک کے حفاظ کو منصب قضاء پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ تاکہ امور درست رہیں حدود معطل نہ ہوں۔ وہ خود بھی بقدر استطاعت فیصلے کرتے تھے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں حضرت درداء رضی اللہ عنہ کو، کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو اور بصرہ میں حضرت شریح وغیرہم کو قاضی مقرر کیا۔ انہوں نے ایسے فیصلے کیے جو عدل میں ایک مثال بن گئے۔ جنہوں نے عقل کو ششدر کر دیا۔

حضرت قاضی شریح رضی اللہ عنہ کا عدل ملاحظہ کرو کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک نیزہ کے بارے ایک غریب یہودی سے جھگڑا پیدا ہو گیا۔ خاندان نبوت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے تم بخوبی آگاہ ہو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ یہ نیزہ ان کا ہے۔ جبکہ یہودی کا دعویٰ تھا کہ یہ نیزہ اس کا ہے۔ اس وقت قاضی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے گواہ طلب کیے۔ انہوں نے اپنے فرزند لبند حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حاضر کیا۔ حضرت قاضی شریح رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی گواہی ان کے والد گرامی کے لیے قبول نہ کی۔ انہوں نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سے فرمایا: "یہ آپ کا لختِ جگر ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور گواہ لے کر آئیں۔" ان کے پاس اور کوئی گواہ نہ تھا۔ قاضی نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ جب یہودی نے یہ بے مثل عدل دیکھا تو اس نے دین حنیف کی تعریف کی۔ اس نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ اس نے اقرار کر لیا کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا تھا۔ اس نے اپنا نیزہ واپس کر دیا۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے نیزہ عطا فرما دیا۔ اسے گھوڑا بھی عطا فرما دیا تاکہ وہ ان کے ساتھ جہاد کرے۔ ذرا اسلام کا عدل ملاحظہ کرو۔"

عرب کے فقراء میں سے ایک غریب عورت نے عباس بن مامون بن ہارون الرشید سے جھگڑا کیا۔ بنو عباس میں ان کا کیا مقام ہے تم خوب جانتے ہو۔ سلطنت عباسیہ کی شان و شوکت بھی کسی سے مخفی نہیں۔ بادشاہ کی شوکت و سطوت اس کے جلال اور احترام میں اضافہ کر دیتی تھی۔ ایک دفعہ خلیفہ مامون بیٹھا ہوا تھا۔ وہ لوگوں سے ظلم کی داستانیں سن رہا تھا۔ اس وقت مامون ہی خلیفہ تھا۔ وہ اس وقت اپنی محفل برخاست کرنے ہی والا تھا کہ ایک عربی عورت اس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ان نے بوسیدہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ خلیفہ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا: "السلام علیک یا امیر المؤمنین! خلیفہ نے کہا: "وعلیکِ السلام یا اَمَۃَ اللہ! اپنی حاجت بیان کرو۔" اس عورت نے یہ اشعار پڑھے:

یَا خَیرَ مُنْتَصِفٍ یَھْدِیْ لَہُ الرُّشْدُ
یَا اِمَامًا بِہٖ اَشْرَقَ الْبَلَدُ

ترجمہ: اے بہترین انصاف کرنے والے جس کی راہ نمائی رشد و ہدایت کی طرف کی گئی ہے۔ اے وہ خلیفہ جس سے شہر جگمگا اٹھے ہیں۔

تَشْکُوْا اِلَیْکَ عَمِیْدَ الْقَومِ اَرْمِلَۃٌ
عَدَا عَلَیْھَا فَلَمْ یَتْرُکْ لَھَا سَبَدُ

ترجمہ: ایک بیوہ تمہارے پاس قوم کے سردار کی شکایت لے کر آئی ہے۔ جس نے اس پر ظلم کیا ہے اور اس کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔

وَ ابْتَزَّ مِنِّیْ ضِیَاعِیْ بَعْدَ منعتھا
ظُلْمًا فَفَرَّقَ عَنِّیْ الْاَھْلَ وَ الْوَلَدَ

ترجمہ: اس نے مجھ سے میری جاگیر ظلماً چھین لی ہے اور میرے اہل اور اولاد کو مجھ سے جدا کر دیا ہے۔

مامون نے کچھ دیر کے لیے سر جھکایا پھر کہا:

بِدُون مَا قُلْتِ زال الصبر و الرشد
عَنِّي و قَرِّح حَتّٰى القَلْبِ و الكَبِدِ

ترجمہ: اے عورت! جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے صبر اور رشد ختم ہو گیا ہے۔ حتیٰ اس کے ساتھ دل اور جگر زخمی ہو گیا ہے۔

هٰذَا اَذَانُ صَلَا العَصْرِ فَانْصَرِفِي
وَ اَحْضِرِي الخَصْمَ فِي اليَومِ الَّذِي اَعِدُ

ترجمہ: اب عصر کی اذان ہو رہی ہے۔ تم چلی جاؤ۔ اس روز اپنے مدعی علیہ کو حاضر کرنا جس میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں۔

وَالمَجْلِسُ السبتِ اِنْ يَقْضِ الجُلُوسَ لَنَا
نُنْصِفْكَ مِنْهُ وَ اِلَّا المَجْلِسُ الاَحَدُ

ترجمہ: اگر ہفتہ کے روز ہمارے لیے بیٹھنا ممکن ہوا تو ہم اس سے تمہیں وہ جاگیر لے کر دیں گے ورنہ اتوار کے روز تمہارے ساتھ انصاف کریں گے۔

جب اتوار آیا تو خلیفہ کی مجلس منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے وہی عورت حاضر خدمت ہوئی۔ (مامو)ن نے اس عورت سے کہا: تمہارا مدعی علیہ کہاں ہے؟ اس عورت نے کہا: ”وہ تمہارے شمال کی (سم)ت کھڑا ہے۔“ اس عورت نے خلیفہ کے بیٹے عباس کی طرف اشارہ کیا۔ خلیفہ نے اپنے بیٹے عباس کو عورت کے ساتھ بٹھا دیا۔ وہ دونوں خلیفہ کے سامنے جھگڑنے لگے۔ عورت کی آواز عباس کی سے (بل)ند تھی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا:

”اے عورت! تم امیر المؤمنین کے سامنے ہو تم اس کے بیٹے کے بارے باتیں کر رہی ہو۔ اپنی آواز آہستہ رکھو۔“

مامون نے کہا:

”اسے چھوڑ دو۔ حق نے اسے قوت گویائی عطا کی ہے۔ اور اسے گونگا بنا دیا ہے۔“

عورت کی باتیں سننے کے بعد خلیفہ نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا عباس کو سزا دی۔ حالانکہ وہ اس کا نورِ نظر اور لختِ جگر تھا۔

روایت ہے کہ ایک یہودی عبدالملک بن مروان کے سامنے کھڑا ہوا۔ اس نے کہا:

''اے امیر المومنین! آپ کے نائب ابن ہرمز نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اس سے مجھے انصاف دلائیں۔''

عبدالملک کسی کام میں مصروف تھا۔ اس یہودی کی بات پر توجہ نہ دی۔ یہودی نے دوسری بار اپنی بات دھرائی۔ اس نے کہا:

''امیر المومنین! ہم تورات میں پاتے ہیں کہ بادشاہ کسی کے ظلم میں شریک نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ مقدمہ اس کی خدمت پیش کیا جائے۔ جب مقدمہ اس کی خدمت میں پیش ہو جائے تو اس نے ظلم تبدیل نہ کیا تو وہ بھی اس ظلم میں شریک ہوگا۔''

جب عبدالملک نے یہودی کی یہ بات سنی تو وہ گھبرا گیا۔ اس نے ابن ہرمز کی طرف پیغام بھیجا۔ جب اس کا ظلم ثابت ہو گیا تو اس کے عہدہ سے اسے معزول کر دیا۔

اسلام میں قضاء کی محفل کا احترام دیکھو۔ ذرا دیکھو کہ فریقین ہر شرعی طور پر کیا لازم ہے۔ احمد بن داؤد کے سامنے مجلس قضاء میں ابراہیم خلیفہ المھدی اور مشہور ومعروف طبیب ابن بختیشوع کا احمد بن داؤد کی مجلس قضاء میں جھگڑا ہوا۔ ابراہیم نے اپنے حصہ سے زیادہ لینے کی کوشش کی اور بختیشوع کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے۔ یہ سن کر احمد بن داؤد اس سے ناراض ہوئے اور کہا:

''اے ابراہیم! جب تم ہمارے سامنے مجلسِ قضاء میں جھگڑا کرو تو مجھے اپنی آواز بلند کر کے یا ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے بارے نہ جتلاؤ۔ بلکہ تمہارا معاملہ معتدل ہونا چاہیے تمہیں پر سکون ہونا چاہیے تمہارا کلام معتدل ہونا چاہیے اس کے ساتھ خلیفہ کی مجالس کے حقوق مثلاً تعظیم وتوقیر، سکون اور لازم امور کی طرف توجہ بھی دو۔ یہ معاملات تمہارے لیے بہت اعظم ہیں۔ یہ تمہارے غصے کا زیادہ تحفظ کریں گے۔ ایسی عجلت میں جلد بازی نہ کرو جو دیر کا باعث بنے اللہ تعالیٰ تمہیں بے ہودہ گفتگو اور لغو عمل سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں اس طرح مکمل کرے جس نے اس نے یہ نعمتیں اس سے قبل تمہارے والدین پر مکمل کیں تھیں بلاشبہ تمہارا رب حکیم اور علیم ہے۔''

ابراہیم نے کہا:

"اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح کرے۔ تم نے مجھے راست روی کا حکم دیا ہے۔ مجھے عمدہ چیز کی طرف متوجہ کیا ہے۔ میں دوبارہ کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کروں گا جو میری مروت کو داغدار کر دے اور مجھے تمہاری نظروں سے گرا دے اور مجھے قرض اور معذرت کی حدود سے نکال دے۔ میں اس جلد بازی کا تمہارے سامنے اس شخص کی طرح معذرت کرتا ہوں۔ جو اپنے گناہ کا امتحان کرتا ہو اور اپنے جرم کا اقرار کرتا ہو۔ غصہ مجھے طیش دلاتا ہے۔ تمہارے جیسے لوگ مجھے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ یہ وصف رب تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ ہمیں تم سے نصیب ہوا ہے۔"

یحییٰ بن عبدالصمد سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا:

"موسیٰ الہادی امیر المؤمنین امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک جھگڑا لے کر گیا۔ وہ جھگڑا ایک باغ کے بارے تھا۔ وہ فیصلہ ظاہراً امیر المؤمنین کے حق میں جاتا تھا۔ جبکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ خلیفہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: اس جھگڑے کے متعلق آپ نے کیا کیا ہے جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "امیر المؤمنین کے مخالف فریق نے مجھے کہا ہے کہ میں امیر المؤمنین سے قسم لوں کہ ان کے گواہوں نے حق کی گواہی دی ہے۔ موسیٰ الہادی نے امام صاحب سے کہا: کیا یہ آپ کی رائے ہے؟ امام صاحب نے کہا: ابن ابی لیلی کی یہ رائے ہے۔ امیر المؤمنین نے کہا: باغ دوسرے فریق کو دے دو۔ اس طرح یہ جھگڑا ختم ہو گیا۔

روایت ہے کہ خلیفہ منصور مدینہ طیبہ آیا۔ اس وقت وہاں محمد بن عمران طلحی عہدۂ قضاء پر تھے۔ نمیر مدنی ان کے کاتب تھے۔ قلیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی انہوں نے امیر المؤمنین منصور کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی نے اپنے کاتب کو حکم دیا کہ منصور خلیفہ کو خط لکھو کہ وہ قلیوں کے ہمراہ عدالت میں حاضر ہو جائے یا ان کے ساتھ انصاف کرے۔" کاتب نے قاضی سے کہا: مجھے اس سے معاف رکھو۔ خلیفہ اپنے جرائم کی وجہ سے مصروف ہے۔" قاضی نے کہا: "تم لکھو" لکھا گیا اس پر مہر لگا دی گئی۔ قاضی نے کہا: "بخدا! اب یہ خط تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں لے کر جائے گا۔ کاتب کہتے ہیں: "میں وہ خط ربیع کے پاس لے گیا۔ وہ ابن کا حاجب تھا۔ میں اس کے

سامنے معذرت کرنے لگا۔ اس نے کہا: ''تم پر کوئی حرج نہیں۔'' وہ یہ خط منصور کے پاس لے گیا۔ پھر ربیع باہر نکلا۔ اس وقت مدینہ طیبہ کے معزز لوگ وہاں موجود تھے۔ اس نے انہیں کہا: ''خلیفہ تمہیں سلام کہتا ہے اور تمہیں کہتا ہے کہ اسے عدالت میں بلایا گیا ہے۔ جب میں باہر نکلوں تو تم میں سے کوئی میرے لیے کھڑا نہ ہو نہ ہی مجھے پہلے سلام کرے۔'' پھر منصور باہر نکلا۔ ربیع اس کے آگے آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ خلیفہ نے ازار اور چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس نے لوگوں کو سلام کہا۔ اس کے لیے کوئی نہ اٹھا وہ روانہ ہوا۔ حضور ﷺ کی مرقدِ انور پر حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا۔ پھر متوجہ ہوا۔ جب قاضی ابن عمران نے اسے دیکھا اپنے کندھے سے چادر اتار دی۔ اسے اپنے اردگرد لپیٹا۔ پھر قلیوں کو بلایا پھر منصور کو بلایا۔ قلیوں نے خلیفہ کے خلاف دعویٰ کیا۔ قاضی نے قلیوں کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ پھر وہ خلیفہ واپس چلا گیا۔ جب منصور گھر داخل ہوا تو ربیع سے کہا: ''جاؤ، جب قاضی صاحب اپنی مجلس سے اٹھیں تو انہیں بلا لاؤ۔'' جب ربیع نے قاضی کو بلایا وہ منصور کے پاس گیا تو اسے سلام کیا منصور نے اسے سلام کا جواب دیا۔ منصور نے اسے کہا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دین تمہارے نبی کریم ﷺ تمہارے خاندان اور تمہارے خلیفہ کی طرف سے تمہیں جزائے خیر دے۔ میں نے تمہیں دس ہزار دراہم دینے کا حکم دیا ہے۔ وہ قبول کرلو۔'' قاضی نے وہ قبول کر لیے۔

روایت ہے کہ بادشاہ کامل ایک روز قاضی ابن عین الدولۃ کے پاس گواہی دینے کے لیے گیا۔ قاضی ابن عین الدولۃ کو بادشاہ کی طرف سے یہ عہدہ سونپا گیا تھا۔ ابن عین الدولۃ نے کہا: ''سلطان حکم دیتا ہے گواہی نہیں دیتا۔'' بادشاہ نے اپنی بات دھرائی جب معاملہ بڑھا تو سلطان کو علم ہو گیا کہ قاضی اس کی گواہی قبول نہیں کرے گا۔ بادشاہ نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کیا تم میری گواہی قبول کرو گے یا نہیں۔'' قاضی نے کہا: ''میں تمہاری گواہی قبول نہیں کروں گا۔ میں تمہاری گواہی کیسے قبول کرلوں حالانکہ وہ عورت (عجیبہ) ہر رات اپنی طنبور لے کر تمہارے پاس آتی ہے وہ دوسرے روز صبح سویرے وہاں سے اترتی ہے وہ (لونڈیوں کے ہاتھوں پر ہچکولے کھا رہی ہوتی ہے۔ ابن شیخ تمہارے پاس ہوتا ہے کیا وہ عورت کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہے۔'' یہ عجیبہ عورت مغنیہ تھی۔ بادشاہ اس کے ساتھ محبت کرتا تھا۔ یہ رات کے وقت اس کے پاس چلی جاتی تھی اور اس مجلس میں طنبور بجاتی تھی۔ جس میں ابن شیخ بھی موجود ہوتا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ نے قاضی سے کہا: ''اے کیواج) فارسی زبان میں یہ کلمہ بطور گالی بولا جاتا ہے، قاضی نے کہا: ''شرعی طور پر اس لفظ کی

کیا حیثیت ہے میرے گواہ بن جاؤ میں یہ منصب چھوڑتا ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگا۔ ابن الشیخ اٹھ کر بادشاہ کے پاس گیا۔ اس نے اسے کہا: "مصلحت اسی میں ہے کہ اس قاضی کو اس منصب پر فائز رکھا جائے تاکہ یہ بات پھیل نہ جائے کہ قاضی نے کس لیے خود کو معزول کیا ہے۔ یہ داستان سارے بغداد میں پھیل جائے گی۔ عجیبۃ کا معاملہ بھی پھیل جائے گا۔" بادشاہ اٹھ کر قاضی کے پاس گیا۔ اسے راضی کیا وہ دوبارہ منصب قضاء پر فائز ہو گیا۔

روایت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک روز مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس خارجیوں کا ایک گروہ گیا وہ اپنی تلواریں سونتے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: "ابوحنیفہ! ہم تم سے دو مسئلے پوچھتے ہیں۔ اگر تم نے جواب اسے دیا تو تم نجات پا جاؤ گے۔ ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔" امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اپنی تلواریں نیاموں میں کر لیں۔ انہیں دیکھ کر میرا دل مشغول ہو جاتا ہے۔" انہوں نے کہا: "ہم انہیں کس طرح نیاموں میں کر لیں ہم ان کے ساتھ تمہاری گردن اڑا کر اجر عظیم کے مستحق بننا چاہتے ہیں۔" امام صاحب نے فرمایا: "پھر مسئلے پوچھ لو" انہوں نے کہا: "دروازہ پر دو جنازے ہیں۔ ان میں ایک شرابی شخص کی میت ہے جو نشہ کی حالت میں مر گیا۔ دوسرا جنازہ ایک عورت کا ہے جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی اور توبہ سے پہلے ولادت کی حالت میں مر گئی۔ کیا دونوں کافر ہیں یا مؤمن؟ خارجیوں کا مؤقف یہ تھا یہ دونوں کافر تھے۔ اگر امام صاحب انہیں مؤمن کہتے تو وہ انہیں شہید کر دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا: "ان دونوں کا تعلق کس مذہب کے ساتھ تھا؟ کیا وہ دونوں یہودی تھے؟ انہوں نے کہا: "نہیں" کیا یہ عیسائی تھے؟ خارجی: نہیں۔ امام صاحب: کیا یہ مجوسی تھے؟ خارجی: نہیں۔ امام صاحب پھر ان کا تعلق کس مذہب کے ساتھ تھا؟ خارجی: وہ مسلمان تھے۔ امام صاحب نے کہا: اس مسئلہ کا جواب تم نے خود ہی دے دیا ہے۔ خارجیوں نے پوچھا: کیا وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں؟ امام صاحب نے فرمایا: میں ان کے بارے وہی کہتا ہوں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ان لوگوں کے بارے فرمایا تھا جو ان سے برے تھے۔

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ابراہیم: ۳۶)

ترجمہ: پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بے شک تو غفور رحیم ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(المائدۃ: ۱۱۸)

ترجمہ: اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے۔

یہ سن کر خارجیوں نے توبہ کر لی اور معذرت کی۔

روایت ہے کہ اندلس کے امیر عبدالرحمان بن حکم نے اپنے محل میں سارے علماء اور فقہاء کو جمع کیا۔ اس نے اپنی لونڈی سے رمضان المبارک میں جماع کیا تھا۔ پھر اسے اس پر سخت ندامت ہو گئی تھی۔ اس نے علماء سے توبہ اور کفارہ کے بارے پوچھا۔ یحییٰ نے کہا: ''دو ماہ لگا تار روزے رکھ کر کفارہ ادا کریں۔'' جب یحییٰ نے یہ فتویٰ دینے میں جلدی کی تو دیگر فقہاء اور علماء خاموش رہے حتیٰ کہ وہ محل سے باہر نکل آئے۔ بعض علماء نے یحییٰ سے کہا: ''تم نے اس قول کے مطابق فتویٰ کیوں نہ دیا جس میں اختیار ہے۔'' یحییٰ نے کہا: ''اگر ہم امیر کے لیے یہ دروازہ کھول دیتے تو اس کے لیے یہ امر آسان ہو جاتا وہ رمضان میں ہر روز کسی بیوی یا لونڈی سے مباشرت کر لیتا اور غلام آزاد کر دیتا۔ میں نے اسے مشکل کا کا حکم دیا ہے تاکہ اس قسم کی غلطی دوبارہ نہ کرے

روایت ہے کہ فضل بن ربیع خلیفہ رشید کا وزیر تھا۔ اس نے ایک روز امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے پاس گواہی دی تو انہوں نے اس کی شہادت کو رد کر دیا۔ خلیفہ رشید نے امام صاحب پر عتاب کیا اور کہا: ''تم نے اس کی شہادت کیوں رد کی۔'' امام صاحب نے فرمایا: ''میں نے ایک روز اسے سنا۔ وہ خلیفہ سے کہہ رہا تھا: میں تمہارا غلام ہوں۔ اگر وہ اپنے اس قول میں سچا ہے تو غلام کی گواہی قبول نہیں۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو پھر جھوٹے کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ جو تمہارے محفل میں جھوٹ بولنے سے اجتناب نہیں کرتا۔ وہ میری محفل میں جھوٹ بولنے کی پرواہ کیسے نہ کرے گا۔ خلیفہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس فعل کی بہت تعریف کی۔ امام صاحب نے اس وزیر کی گواہی اس لیے رد کی تھی کیونکہ اس نے اس فانی دنیا کے لیے خود کو ذلیل کیا تھا رب تعالیٰ کے نزدیک جس کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ روایت ہے کہ قاضی عاقبۃ بل یزید خلیفہ مہدی کے زمانہ میں بغداد کے قاضی تھے۔ ایک روز وہ ظہر کے وقت خلیفہ کے پاس آئے۔ خلیفہ اس وقت اکیلا تھا۔ انہوں نے اجازت طلب کی۔ جب انہیں اجازت مل گئی تو انہوں نے عدالت کا رجسٹر خلیفہ کو پیش کیا اور منصب قضاء کا استعفیٰ بھی پیش کر دیا۔ انہوں نے خلیفہ سے کہا کہ وہ انہیں اس منصب سے معزول کر دے۔ خلیفہ نے سمجھا کہ شاید بادشاہ کے گھر کے کسی فرد نے قاضی کے حکم میں رکاوٹ ڈالی ہے۔ خلیفہ نے کہا: ''اگر کسی نے تمہارے حکم کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالی ہے تو ہم اس کا انتظام کر دیتے ہیں'' قاضی

نے کہا: ''ایسی کوئی بات نہیں۔'' خلیفہ نے پوچھا: ''پھر اس استعفیٰ کا سبب یہ کیا ہے؟'' قاضی نے کہا:

''امیر المومنین! دو ماہ قبل دو فریق ایک مشکل فیصلہ کرانے کے لیے میرے پاس آئے۔ فریقین میں سے ہر ایک فریق کے پاس ایسے دلائل اور ثبوت تھے جن میں غور و فکر کی ضرورت تھی۔ یہ امید کرتے ہوئے میں نے فریقین کو واپس بھیج دیا کہ شاید وہ صلح کر لیں۔ ان میں سے ایک شخص نے سن لیا کہ میں کھجوریں پسند کرتا ہوں۔ وہ اس وقت تازہ کھجوریں لے آیا ہے۔ یہ کھجوریں ابھی ہمارے ہاں تیار نہیں ہوئیں۔ وہ اس قسم کی کھجوریں امیر المومنین کے لیے بھی لے آیا۔ میں نے اتنی عمدہ کھجوریں کبھی نہ دیکھی تھیں۔ اس نے میرے خادم کو رشوت دی کہ وہ کھجوروں کا طشت مجھ تک لے جائے۔ اور وہ اس کے انجام کی پرواہ نہ کرے۔ جب اس نے میرے پاس خادم بھیج دیا تو میں نے اس کا انکار کر دیا۔ میں نے خادم کو جھڑکا۔ اور طشت واپس لے جانے کا حکم دیا۔ اس نے وہ ٹرے واپس کر دیا۔ دوسرے روز فریقین میرے پاس آ گئے۔ وہ میری آنکھوں میں برابر نہ تھے۔ وہ میرے دل میں بھی مساوی نہ تھے۔ امیر المومنین! یہ کیفیت اس وقت تھی جب میں نے وہ تحفہ قبول نہیں کیا تھا۔ اگر میں وہ تحفہ قبول کر لیتا تو میری حالت کیا ہوتی۔ میں اس سے امن میں نہیں ہوں کہ میرے دین میں خلل آ جاتا تو خود ہلاک ہو جاتا لوگوں کو فساد میں مبتلاء کر دیتا۔ امیر المومنین! مجھے معاف کریں رب تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا۔ مجھ سے درگزر فرمائیں رب تعالیٰ تم سے درگزر کرے گا۔''

قاضی نے اتنا اصرار اور الحاج کیا کہ خلیفہ انہیں معزول کرنے پر مجبور ہو گیا۔

روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ خلیفہ منصور کے پاس گئے۔ انہوں نے خلیفہ کو عام سا سلام کیا۔ اسے خلیفہ کے لقب سے سلام نہ کیا۔ جیسے کہ خلیفہ کو سلام کیا جاتا تھا۔ ربیع خلیفہ کے سر کے پاس کھڑا تھا۔ وہ اپنی تلوار پر ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ وہ یہ معاملہ دیکھ رہا تھا۔ مہدی نے خندہ روئی سے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال کیا۔ اس نے انہیں کہا: ''اے سفیان! آپ ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے ہیں۔ آپ کا گمان ہے کہ اگر ہم آپ سے برا سلوک کرنا چاہیں تو کیا ہمیں یہ طاقت حاصل نہیں۔ ہمیں اس وقت بھی آپ پر قدرت حاصل ہے کیا تمہیں یہ خدشہ نہیں کہ ہم اپنی

منشاء کے مطابق تمہارے بارے فیصلہ کریں۔'' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم میرے بارے ایسا ہی فیصلہ کر سکتے ہو۔ جس میں اس ذات کو پوری قدرت ہو گی۔ جو حق اور باطل کے مابین فرق کر دیتی ہے۔'' ربیع نے خلیفہ سے کہا: ''امیر المؤمنین! یہ جاہل آپ کا اس طرح استقبال کرتا ہے۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔'' مہدی نے اسے کہا: ''خاموش ہو جا۔ تیری لیے ہلاکت! یہ اور اس جیسے دوسرے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم انہیں قتل کر دیں۔ اور اپنی سعادت کو بدبختی میں تبدیل کر دیں۔ انہیں کوفہ کے منصب قضاء کے بارے عہد نامہ لکھ دو تاکہ ان کے فیصلہ کے بارے کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔'' اس نے عہد نامہ لکھا۔ اسے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کیا۔ انہوں نے اسے لیا اور باہر نکل آئے۔ پھر اسے دریائے دجلہ میں پھینک کر بھاگ گئے۔ خلیفہ نے انہیں ہر ہر جگہ تلاش کیا مگر انہیں نہ پا سکا۔ اس نے حضرت شریک نخعی رحمۃ اللہ علیہ کو منصب قضاء پر فائز کر دیا۔ شاعر نے اسی کے بارے کہا ہے:

تحرز سفیان و فر بدینہ
و امسی شریک مرصد اللدراھم

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری بچ گئے اور وہ اپنا دین بچا کر بھاگ گئے۔ شریک دراہم کی گھات بن گئے۔

روایت ہے کہ منذر بن سعید البلوطی قرطبۃ کے قاضی تھے۔ اس وقت ان شہروں پر اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اب زمانہ نے انہیں برباد کر دیا۔ اب ان کی یادیں بھی باقی نہ رہیں۔ منذر بن سعید کے زمانہ میں خلیفہ ناصر کو قرطبۃ میں ایک گھر خریدنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کی پسندیدگی کی نظر ایک ایسے گھر پر پڑی جو یتیموں کی ملکیت میں تھا۔ یہ گھر خلیفہ کی جاگیر کے پاس ہی تھا۔ اس گھر کے ساتھ ایک ایسا حمام متصل تھا جس سے بہت بڑی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ یہ یتیم بچے قاضی کی کفالت میں تھے خلیفہ نے ایک ایسا شخص بھیجا جو اس گھر کی اتنی قیمت لگائے جس سے اس کا دل خوش ہو جائے۔ اس نے کچھ لوگ بھیجے اور انہیں یتیموں کے وصی کے ساتھ ساز باز کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ انہیں یہ گھر فروخت کر دیں۔ وصی نے کہا: ''قاضی کے حکم کے بغیر یہ ممکن نہیں۔'' خلیفہ نے قاضی منذر کے ہاں پیغام بھیجا تاکہ وہ یہ گھر فروخت کر دے۔ قاضی نے اس کے قاصد سے کہا:

''یتیموں کی بیع چند امور کی وجہ سے درست ہوتی ہے۔ (۱) ضرورت کی وجہ سے (۲) شگاف کی وجہ سے۔ (۳) رشک کی وجہ سے۔ جہاں تک ضرورت کا

تعلق ہے تو ان بچوں کو ابھی یہ گھر فروخت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس میں شگاف بھی نہیں۔ البتہ یہ رشک کی جگہ ضرور ہے۔ اگر خلیفہ ایسی قیمت ادا کرے جس میں یہ رشک ہمیشہ برقرار رہے تو ہم ان کے وصی کو فروخت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔"

جب یہ پیغام خلیفہ تک پہنچا اس نے یہ گھر خریدنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ خلیفہ کا ارادہ تھا اس مکان کے بارے اس کی رغبت کا انتظار کیا جائے گا۔ قاضی کو خطرہ لاحق ہوا کہ خلیفہ کی طرف سے کسی ایسے امر کا اظہار نہ ہو جائے جس کا نقصان ان یتیموں تک پہنچے قاضی نے یتیموں کے وصی کو حکم دیا کہ وہ اس گھر کو گرا دے اور اس کا ملبہ بیچ دے۔ وصی نے اسی طرح کیا۔ اس نے ملبہ بیچ دیا اس کی قیمت اس رقم سے کہیں زیادہ تھی جو خلیفہ کے لیے لگائی گئی تھی۔ یہ خبر خلیفہ تک بھی پہنچ گئی اس گھر کا برباد ہونا خلیفہ پر بڑا گراں گزرا۔ اس نے اس وصی کو نظر بند کرنے کا حکم دیا۔ وصی نے کہا اسے قاضی نے اس طرح کا حکم دیا تھا۔ اس نے قاضی منذر کی طرف پیغام بھیجا۔ اسے کہا: "کیا تم نے میرے بھائی نجدہ کا گھر گرانے کا حکم دیا تھا۔" قاضی نے کہا: "ہاں!" خلیفہ نے کہا: "تمہیں اس امر پر کس چیز نے ابھارا۔" قاضی نے کہا: "میں نے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل پکڑی ہے:

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا۝ (الکہف:۷۹)

ترجمہ: وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے۔

تمہارے قیمت لگانے والوں نے صرف یہ قیمت لگائی تھی۔ تمہارے خیال بھی اسی طرح تھا۔ اس مکان کا ملبہ اس رقم سے زیادہ کا فروخت ہوا ہے۔ اس کا صحن اور حمام ابھی باقی ہے۔ رب تعالیٰ یتیموں پر رحم فرما کر ان کی مدد کی ہے۔ خلیفہ عبدالرحمان نے اس پر صبر کیا۔ اس نے کہا: "ہم حق کے نفاذ کے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور تمہاری امانت کی طرف سے تمہیں بہترین جزائے خیر دے۔"

روایت ہے کہ جب شیخ عز الدین عبد السلام مصر کے عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے تو بعض ترک شہزادوں کی بعض اشیاء فروخت کرنے کے معاملہ کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ قاضی نے کہا: "ان

کے نزدیک ان کا آزاد ہونا ثابت نہیں ہے۔ مسلمانوں کے بیت المال کی وجہ سے ان پر غلامی کا حکم صادر آتا ہے۔" یہ خبر ترک شہزادوں تک پہنچ گئی ان کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ شیخ اپنے ارادہ میں پختہ تھے۔ وہ ان کی خرید و فروخت اور نکاح کو درست قرار نہیں دیتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی مصلحتیں تعطل کا شکار ہو گئیں۔ ان میں سلطنت کا نائب بھی تھا۔ وہ غصہ سے پھوٹ پڑا۔ انہوں نے اتفاق کیا اور نائب سلطنت کو قاضی صاحب کے پاس بھیجا قاضی نے کہا: "ہم تمہارے لیے مجلس منعقد کرتے ہیں اور مسلمانوں کے بیت المال کی وجہ سے تمہیں فروخت کرنے کے لیے صدا لگاتے ہیں۔" یہ معاملہ سلطانِ وقت تک پہنچا اس نے قاضی صاحب کی طرف پیغام بھیجا مگر قاضی صاحب ان کے پاس نہ گئے۔ سلطان نے سلطنت کے نائب کو بھیجا تاکہ قاضی صاحب کچھ نرمی کریں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ نائب بے چین ہو گیا۔ اس نے کہا: "شیخ ہمیں کیسے فروخت کے لیے پیش کریں گے۔ حالانکہ ہم زمین کے بادشاہ ہیں۔ میں اس تلوار سے قاضی کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔" نائب گھڑ سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ سوار ہو کر گیا۔ وہ شیخ کے گھر تک پہنچا۔ شمشیر بے نیام اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے دروازہ پر دستک دی۔ شیخ کا لڑکا باہر نکلا۔ اس نے نائب اور گھڑ سوار دیکھے۔ اس نے سب کچھ والد صاحب کو بتایا۔ قاضی صاحب اس سے ذرا بھر بھی خوفزدہ نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا: "میرے نورِ نظر! تمہارا باپ بہت کم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے رستہ میں قتل کیا جائے۔" پھر قاضی صاحب باہر نکل آئے۔ جب ان کی نظر نائب پر پڑی تو نائب کا ہاتھ شل ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اس کے اعضاء کانپنے لگے۔ وہ رونے لگا۔ اس نے شیخ سے کہا کہ اس کے لیے دعا کریں۔ اس نے کہا: "ہمارے آقا! آپ کیا کر رہے ہیں؟ قاضی نے کہا: "میں تمہاری بولی لگا کر تمہیں فروخت کر دوں گا۔" نائب نے پوچھا: "ہم سے حاصل ہونے والی قیمت سے کیا کرو گے؟ قاضی صاحب نے کہا: "میں اسے مسلمانوں کی مصلحتوں میں صرف کروں گا۔" نائب نے پوچھا: "رقم پر قبضہ کون کرے گا؟ قاضی صاحب نے کہا: "میں" قاضی صاحب کا ارادہ پورا ہو گیا انہوں نے ایک ایک امیر کی بولی لگائی ان کی بہت زیادہ قیمت لگائی۔ انہیں گراں قیمت میں فروخت کیا۔ رقم پر قبضہ کیا۔ اسے اس بھلائی کے رستہ میں فروخت کیا جس کا فائدہ ساری ملت اسلامیہ کو ہوا تھا۔

روایت ہے کہ قاضی بکار بن قتیبہ متقی عالم اور ثقہ محدث تھے۔ وہ شبہات سے اس خدشہ سے دور رہتے تھے کہ وہ کہیں محرمات نہ گر پڑیں۔ بادشاہ احمد بن طولون کے زمانہ میں وہ مصر کے

قاضی بنے۔ ابن طولون ان کا بہت احترام اور عزت کرتا تھا۔ جب ابن طولون نے خود کو مصر کا خود مختار بادشاہ سمجھا اس نے خلافت اسلامیہ کو بھی اپنے دائرہ اقتدار میں کرنے کا حکم دیا۔ اس نے قاضی بکار کی طرف قاصد بھیجا تاکہ وہ خلیفہ موفق بن متوکل کو معزول کر دے لیکن قاضی بکار نے اس طرح کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا: ''یہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول مکرم ﷺ کے مخالف ہے احمد بن طولون قاضی بکار پر ناراض ہو گیا۔ اس نے قاضی بکار کو اپنے سامنے حاضر کیا۔ ان کے کپڑے پھاڑ دیئے اور انہیں قید کرنے کا حکم دیا۔ وہ اسی حد تک نہ رہا بلکہ اسے اس کے بعض مصاحب نے اسے برانگیختہ کیا اور قاضی صاحب پر جھوٹے مظالم کا الزام لگا دیا گیا۔ قاضی صاحب ناگفتہ بہ حالت میں ابن طولون کے سامنے حاضر ہوتے جب ان مزعومۃ مظالم کی تحقیق مکمل ہوئی تو قاضی صاحب کو دوبارہ پابند سلاسل کر دیا گیا۔ انہیں جمعۃ المبارک کی ادائیگی سے بھی روک دیا گیا۔ قاضی بکار صاحب کہا کرتے تھے: ''مولا! گواہ رہنا'' ابن طولون ان کے پاس ایسا شخص بھیجتا جو ان کے سامنے جا کر کہتا: ''تم اس مجبور و مقہور شخص کو کیسے پاتے ہو جس کا کوئی حکم اور نہی نہیں۔ نہ ہی اسے اپنے نفس میں تصرف کا حق ہے۔'' یہ تمام آزمائشیں اور امتحانات قاضی بکار کو حدیث پاک پڑھانے سے نہ روک سکے۔ وہ جیل کے اندر سے ہی اپنے طلباء کو حدیث پاک کا درس دیتے تھے۔ طلباء جیل سے باہر ان کا درس سنتے تھے۔ حضرت قاضی بکار اس حالت پر رہے۔ انہیں اپنا جرم معلوم نہ تھا۔ حتیٰ کہ ابن طولون مرض موت میں مبتلاء ہو گیا۔ اس نے ایک شخص بھیجا جو قاضی صاحب سے درگزر کا طلب گار ہوا۔ قاضی صاحب نے اس قاصد سے کہا: ''ابن طولون سے کہو۔ میں عمر رسیدہ بوڑھا ہوں۔ تو قریب الموت ہے۔ ملاقات قریب ہے رب تعالیٰ ہمارے مابین فیصلہ کرے گا۔ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔'' کچھ دنوں بعد ابن طولون مر گیا۔ قاضی بکار جیل سے نکل آئے۔ انہوں نے بہت سے آزمائشیں دیکھیں مگر انہوں نے اپنا عقیدہ تبدیل نہ کیا۔ نہ ہی ابن طولون کی موافقت کی۔ ذرا دیکھو اسلام میں قضاء کی کتنی اہمیت ہے۔

روایت ہے کہ خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں خلیفہ کی والدہ نے ایک جاگیر وقف کی۔ اس وقت قاضی ابن بہلول منصب قضاء پر فائز تھے۔ وقف کرنے والی خاتون نے ارادہ کیا کہ اسے وقف کی دستاویز مل جائے تاکہ وہ اسے پھاڑ دے اور اسے وقف سے نجات مل سکے۔ وقف کی دستاویز دیوان قضاء میں تھیں خلیفہ مقتدر کی ماں نے قاضی کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے وقف کی دستاویز طلب کیں۔ قاضی صاحب خود اس کے پاس گئے یہ دستاویز ان کے ہاتھ میں تھیں۔ انہوں نے

پوچھا: ”تم اس دستاویز سے کیا کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا:

”ہم چاہتے ہیں کہ یہ دستاویز ہمارے پاس ہی رہے۔“

قاضی ابن بہلول ان کی بات سمجھ گئے۔ انہوں نے کہا:

”مالکہ سے کہو رب تعالیٰ اس کی عزت کو مداومت عطا کرے کہ یہ دستاویز اسے کبھی نہیں مل سکتی۔ میں عدالت کے دیوان پر مسلمانوں کا خازن ہوں۔ یا کہ مجھے اس کی حفاظت کا اختیار دو۔ ورنہ مجھے معزول کر دو۔ یہ دیوان فوراً قبضہ میں کرلو۔ اس کے ساتھ جو چاہو کرو۔ جو چاہو اس سے حاصل کرو۔ بخدا! جب تک یہ عہدہ میرے پاس ہے یہ دیوان تمہارے حوالے نہیں ہوسکتا۔ خواہ مجھے تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔“

وہ قاضی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں کوئی شک نہ تھا کہ انہیں عہدہ سے معزول کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد خلیفہ کی والدہ نے خلیفہ کے سامنے قاضی صاحب کی شکایت لگائی۔ وہ جلوس کے روز خلیفہ قاضی صاحب سے ملا۔ اس نے قاضی صاحب سے اس معاملہ کے بارے پوچھا۔ قاضی صاحب نے اصل صورت حال بتا دی اور خلیفہ سے استعفیٰ کا تقاضا کیا۔ مقتدر نے کہا:

”اے احمد! تمہارے جیسے لوگوں کے حوالے ہی عہدۂ قضا کیا جاتا ہے۔ تم اس عہدہ پر برقرار رہو۔ اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے۔ تمہیں یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے ہاں آپ کی عزت میں کمی ہوگی۔“

جب خلیفہ جلوس سے واپس آیا تو اس کی ماں نے اس کا استقبال کیا خلیفہ نے اسے کہا:

”احکام کو کھیل وکود بنانے کا کوئی طریقہ نہیں۔ ابن بہلول ہمارا امین ہے۔ وہ ہماری سلطنت کا محب ہے وہ بزرگ ہیں۔ ان کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اگر یہ امر درست ہوتا تو وہ تمہیں منع نہ کرتے۔“

خلیفہ کی والدہ نے اپنے کاتب سے اس مسئلہ کے بارے پوچھا۔ اس کے لیے حقیقت حال کی وضاحت کی۔ کاتب نے کہا:

”اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین اور آپ کی سلطنت برقرار رہے گی۔ اسے استحکام نصیب ہوگا۔ جب تک اس میں اس شیخ صالح جیسے افراد موجود ہیں جو خلیفہ کی والدہ پر بھی حق قائم کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت سے نہیں ڈرتے۔ وقف شدہ چیز کی خرید و فروخت کے برابر کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ اگر تم نے قاضی صاحب سے دستاویز لے لیں اور انہیں جلا دیا تو یہ معاملہ بہت پھیل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بلند و برتر ہے اور ہر چیز کے بارے خوب جانتا ہے۔''

قاضی ابن بہلول کی قدر خلیفہ مقتدر کے گھرانہ میں بہت بڑھ گئی۔ وہ قابل احترام بن گئے۔ انہوں نے بعد میں فرمایا: ''جو رب تعالیٰ کے حکم کو مخلوق کے حکم سے مقدم رکھتا ہے رب تعالیٰ مخلوق کے شر سے اس کی کفایت کرتا ہے۔'' گزشتہ زمانہ میں اسلام میں قضاء کی حالت یہی تھی۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم اور بھی بہت سی مثالیں پیش کر دیتے۔ گزشتہ زمانہ کی قضاء اور اس زمانہ کے قضاء کے مابین موازنہ کرو اور جو چاہو فیصلہ کرو۔ تم دانا اور عقلمند ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط

ہم سب حضرت ابو موسیٰ اشعری کے فضل، پاکبازی اور تقویٰ سے خوب آگاہ ہیں۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے احکام کی سوجھ بوجھ کس قدر عطا کی گئی تھی۔ وہ کس طرح احکام شرعیۃ کا استنباط کرتے تھے۔ وہ شریعت بیضاء کے کتنے حریص تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی حدود قائم کرنے، شہروں میں امن عامہ قائم کرنے اور لوگوں کے مابین مساوات قائم کرنے کے حریص تھے۔ ان سارے امور نے آپ کو ابھارا کہ آپ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھیں۔ ہم نے اس مکتوب گرامی کو نقل کیا ہے۔ تاکہ اسے وہ بھی دیکھ لے جس نے اسے نہ دیکھا ہو۔ تاکہ جاہل بھی دیکھ لے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دین متین کو کس قدر مضبوطی کے ساتھ تھاما تھا۔ خصوصاً ان امور میں جن کا نفع سارے مسلمانوں کو پہنچتا تھا۔ دیباچہ کے بعد یہ مکتوب گرامی ہے:

''اما بعد! بلاشبہ قضاء ایک محکم فریضہ ہے۔ یہ ایک ایسی سنت ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو اسے خوب سمجھو۔ جس حق کا نفاذ نہ ہو سکے اس کے بارے گفتگو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تمہارے سامنے، تمہاری محفل اور تمہارے عدل میں سارے لوگ برابر ہونے چاہئے۔ تاکہ کوئی معزز تمہارے ظلم میں لالچ نہ کر سکے۔ کسی کمزور کو تمہارے ستم سے

اندیشہ نہ ہو۔ گواہ مدعی پر ہیں۔ قسم انکار کرنے والے پر ہے۔ مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے۔ البتہ ایسی صلح جائز نہیں جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔ وہ امر جس کے بارے تم نے کل فیصلہ دے دیا ہو۔ جس میں تم نے اپنے نفس سے مشورہ کیا ہو اور تمہارہ راہ نمائی کر دی گئی ہو وہ تمہیں اس سے رجوع کرنے سے نہ روکے۔ بلاشبہ حق قدیم ہے حق کی طرف رجوع کرنا باطل میں سرکشی کرنے سے بہتر ہے۔ خوب سمجھ لو۔ خوب سمجھ لو۔ جو چیز جب تمہارے سینے میں بار بار آئے اسے اچھی سمجھو وہ چیز جو کتابِ الٰہی میں سے تم تک نہ پہنچی ہو نہ ہی سنتِ طیبہ سے تم تک پہنچی ہو۔ اس جیسی دوسرے اشیاء میں غور وفکر کرو۔ اس وقت امور کو قیاس کرو پھر اس امر کا قصد کرو جو رب تعالیٰ کو پسندیدہ ہو اور حق کے زیادہ مشابہ ہو۔ مدعی کے لیے غائب حق یا گواہ مقرر کرو۔ اس کے لیے ایک مدت متعین کرو۔ اگر اس نے گواہ حاضر کر دیے تو حق اسے حاصل ہو جائے گا ورنہ اس کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ امر شک کو زیادہ زائل کرنے والا ہے۔ راستہ کو زیادہ واضح کرنے والا اور عذر میں زیادہ بلیغ ہے مسلمان ایک دوسرے پر عدول (گواہ) ہیں مگر وہ افراد جنہیں کسی حد کی وجہ سے کوڑے لگے ہوں یا وہ جھوٹی گواہی میں مشہور ہوں۔ یا وہ فرد رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے غیر معتبر ہو۔ بے شک اللہ رب العزت نے تمہیں تمہاری نیتوں کا ذمہ دار بنایا ہے۔ تم سے شبہات دور کر دیے ہیں۔ تم پریشانی، اکتاہٹ اور لوگوں کو اذیت دینے سے بچو۔ جھگڑا میں حق کی ان جگہوں سے اجنبی ہونے سے بچو جن سے اجر وثواب حاصل ہوتا ہے بلاشبہ جس کی نیت خالص ہوتی ہے۔ اس امر میں اس کی نیت میں کوئی خرابی نہیں ہوتی جو اس کے اور اس کے رب تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ خواہ وہ اس کے اپنے ہی خلاف ہو۔ رب تعالیٰ اس امر کی کفایت فرماتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے مابین ہے جو لوگوں کے لیے خود کو ایسی چیز سے آراستہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے خلاف جانتا ہے تو رب تعالیٰ اس کا راز ظاہر کر دیتا ہے اور اس کا فعل ظاہر کر دیتا ہے۔ و السلام علیک۔''

لوگوں کے مابین حتیٰ کہ دشمنوں کے مابین فیصلہ کرتے وقت اسلام کا عدل

حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں چوری کا ایک واقعہ رونما ہوا۔ قریب تھا کہ حقیقت لوگوں کے سامنے مسخ ہو جاتی۔ اس شخص کے بارے فیصلہ ہو جاتا جو بری تھا۔ دھوکہ، فریب اور مکر وفریب سے حقیقی مجرم بچ جاتا۔ ہم اس جگہ صاحب الفضیلۃ استاذ کبیر حضرت شیخ محمود شلتوت شیخ الجامع الازھر الشریف کی اس گفتگو کا تذکرہ یہاں کرتے ہیں جو حق پر مبنی ہے اور فیصلہ کن ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہر زمان و مکان میں رب تعالیٰ مخلص عاملین اور عادل حکام کو لوگوں کے ایسے گروہ سے آزماتا ہے جنہوں نے تقویٰ اور پاکبازی کا لباس زیب تن کیا ہوتا ہے۔ وہ سچائی کے ساتھ محبت اور حق پر غیرت کا اظہار کرتے ہیں وہ مصلحت کے منتظر ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہ حق کو باطل کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں وہ ایسے طریقوں سے کوشش کرتے ہیں جن کا ظاہر حق اور عدل و حرص پر دلالت کرتا ہے جبکہ اس کا باطن دھوکہ دہی، مکر وفریب اور بہتان پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ نہ تو چاہتے ہیں کہ حق ثابت ہو اور نہ ہی باطل کا بطلان چاہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ مرض چھا جاتا ہے تو محکم ہو جاتا ہے۔ یہ سب روزندگی کے اطراف میں اضطراب کا سبب بنتا ہے۔ اس سے معاشرہ افراتفری اور بدبختی کا نشانہ بن جاتا ہے۔

چوری کا وہ واقعہ قرآن پاک جس کی طرف اشارہ کرتا ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے سورۃ النساء کی آیات میں اس واقعہ کے بارے تذکرہ فرمایا ہے۔ ان میں مجرموں نے ارادہ کیا کہ وہ جرم کو مجرم سے پھیر دیں اور ایک بری یہودی کے سر یہ گناہ تھوپ دیں۔ اس نے بری تدبیر اپنائی مکر وفریب کی راہیں اپنائیں تاکہ حضور ﷺ کو حق کی معرفت سے پھیر دیں یا آپ کے لیے حق کو مخفی کر دیں۔ انہوں نے ارادہ کیا حضور ﷺ مجرم کی براءت کا اعلان فرما دیں کیونکہ اس کا تعلق ان کے قبیلہ کے ساتھ تھا اور اس یہودی پر یہ الزام لگا دیں جو اس سے بری تھا ارشاد ربانی ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّنْ يَّكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلٰى نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيٓـَٔةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِينًا ۝ (النساء:۱۰۵-۱۱۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ تا کہ آپ فیصلہ کریں لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بنیے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور مت جھگڑیں آپ ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے وہ چھپا سکتے ہیں۔ (اپنے ارادے) لوگوں سے لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وہ تو (اس وقت بھی) ان کے ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے۔ سنتے ہو تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پس کون جھگڑے گا اللہ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہوگا (اس روز) ان کا وکیل اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے اور جو شخص کمائے کوئی خطاء یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا۔

دھوکہ کے اسالیب

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے کمزور مسلمانوں میں سے ایک شخص تھا۔ اس کا نام طعمۃ بن البیرق تھا۔ اس نے اپنے پڑوسی کی زرہ چوری کر لی۔ اسے ایک یہودی کے ہاں چھپا دیا۔ اس پڑوسی کو طعمۃ کے بارے شبہ ہوا۔ اس نے اس کے ہاں زرہ تلاش کی مگر ناکام رہا۔ اس شخص قسم اٹھا دی کہ اس نے وہ زرہ نہیں چرائی۔ اس شخص نے اپنی زرہ پر نشان لگا رکھا تھا اسے وہ زرہ ایک یہودی سے مل گئی۔ یہودی نے کہا: "اس کو یہ زرہ طعمۃ نے دی تھی۔ اس سے اسے یہ امر مخفی رکھنے کے لیے کہا تھا۔" اس نے یہودیوں میں سے بعض لوگ اس کے گواہ بھی بنائے تھے۔ طعمۃ کی قوم کے لیے یہ امر بہت اہم تھا۔ وہ ایسے طریقے تلاش کرنے لگے جس سے ان کا فرد بری ہو جائے اور چوری کا الزام یہودی پر لگ جائے کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ اس طرح انہیں بہت سی شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ ارشاد ربانی ہے:

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝ (النساء: ۱۰۸)

ترجمہ: وہ چھپا سکتے ہیں لوگوں سے اپنے ارادے کو مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے اور وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے۔

انہوں نے رات بسر کی جس طرح بسر کی۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ وہ آپ کو یہود کے خلاف ابھارنے لگے کیونکہ آپ ان کی ماضی سے آگاہ تھے۔ آپ اپنے بارے اور اس حق کے بارے یہودیوں کے رویہ سے خوب آگاہ تھے جسے لے کر آپ تشریف لائے تھے۔ انہوں نے کہا: "اس واقعہ میں سارا کرتوت یہودیوں کا ہی ہے۔ وہ اپنے ساتھی طعمۃ کے بارے صرف بھلائی جانتے ہیں۔" انہوں نے اپنے ساتھی کے بری ہونے پر اور یہودی کے چور ہونے پر قسمیں اٹھائیں۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ وہ ان کے فرد کی طرف سے جھگڑا کریں۔ ان کے فرد کو بری کرنے کا ارادہ کریں۔ اسے یہودی کی تہمت سے بچائیں انہوں کے اس امر کے بارے حضور اکرم ﷺ سے اتنا اصرار کیا کہ قریب تھا کہ آپ بشری فطرت کی وجہ سے ان کے مکر و فریب سے متاثر ہو جاتے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے جلد از جلد یہ آیات

طیبات نازل کر دیں۔ جنہوں نے آپ پر پوری طرح واضح کر دیا کہ آپ کی رسالت کا مطلوب اور مقصود اور آپ پر کتاب حکیم نازل کرنے کا مدعا حق کی جستجو اور تحقیق ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں کے مابین عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے۔ فیصلہ کرتے وقت مسلمان اور غیر مسلمان کا لحاظ نہ کیا جائے۔ آپ کو اس امر سے بھی متنبہ کیا گیا تھا کہ آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا یا مجادلہ کریں جو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے حق کو جانتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے چھوڑنے میں اپنے نفوس سے ڈرتے ہیں۔ وہ حق کو چھپانے اور باطل کو ظاہر کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو استغفار کرنے کا حکم دیا۔ اس کا مقصد باطل کے نفوذ کا سدباب کرنا تھا خواہ اس کا مصدر ومنبع جو بھی ہو۔ ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ

(النساء: ۱۰۵-۱۰۷)

ترجمہ: بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھایا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بنئے، بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے اور مت جھگڑوں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بد دیانت (اور) بدکار ہے۔

ان آیات طیبات میں ان لوگوں کا انجام بیان کیا گیا ہے جو باطل کے ساتھ موافقت کر لیتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے حضور ان کا انجام کیا ہوگا۔ ان کی طرف سے دنیا میں جھگڑا کرنا انہیں آخرت میں عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ (النساء: ۱۰۹)

ترجمہ: سنتے ہو تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیاوی زندگی میں پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون

ہوگا (اس روز) ان کا وکیل۔

ان آیات طیبات نے گناہ گاروں کے انجام کو بھی آشکارا کر دیا۔ انہوں نے اس امر کو محکم کر دیا کہ گناہوں کا وبال انہی افراد پر اترتا ہے جو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یا گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں یا گناہوں پر ابھارتے ہیں یا گناہوں میں معاونت کرتے ہیں۔ یہ وبال اس آدمی پر نہیں اترتا جس کے ساتھ اس گناہ کو چپکا دیا جائے۔ جھوٹ اور ظلم کی بناء پر اس کے خلاف فیصلہ سنا دیا جائے۔ یہ گناہ کئی گنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سزا بھی کئی گنا ہوگی۔ جب کہ گناہ کا الزام ایسے فرد پر لگایا جائے جو بری ہو۔ جو اس کو جانتا تک نہ ہو اور نہ ہی اس کا مزاج ایسا ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

(النساء: ۱۱۱-۱۱۲)

ترجمہ: اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ علیم (اور) حکیم ہے اور جو شخص کمائے کوئی خطا یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھا لیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا۔

ان آیات طیبات نے ان اصول اور قواعد کے ساتھ بندوں کے ساتھ رب تعالیٰ کے عدل کے عناصر کو بھی عیاں کر دیا۔ ان آیاتِ طیبات نے حضور ﷺ کے لیے شبہ کے مقامات کا تحفظ کرتے ہوئے آپ پر آشکارا کر دیا رب تعالیٰ نے اس واقعہ میں آپ کے لیے حق کو ظاہر فرما دیا۔ وہ آپ کے اور اس ارادہ کے مابین حائل ہو گیا جو اہل طمع نے کیا تھا۔ اس کرم اور احسان کے ساتھ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے سکون اور تسلی کو ملا دیا۔ وہ یہ ہے کہ ان بدبختوں نے پورے حیلے کر لیے کہ آپ کو حق سے پھیر دیں یا آپ سے حق کو چھپا دیں مگر انہوں نے اپنے آپ کو ہی گمراہ کیا وہ آپ کو ذرہ بھر بھی نقصان نہ دے سکے۔ آپ ہماری حفاظت میں ہیں۔ آپ ہماری نظرِ کرم کے سامنے ہیں۔ ہم نے آپ پر کتاب وحکمت نازل کی۔ آپ کو وہ علم سکھا دیا جسے آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔ ہم آپ کو ان مکار اور فریب دینے والے لوگوں کے سپرد نہیں کریں گے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

(النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر اور اس کی رحمت تو تہیہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان سے کہ غلطی میں ڈال دیں آپ کو اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

پھر ان آیات طیبات نے ان خیانت کرنے والوں کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔ بلکہ باب توبہ کھلا رکھا۔ انہوں نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا اس سے توبہ کرنے کا حکم دیا۔ عفو اور مغفرت کے لیے رب تعالیٰ کے حریم ناز کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا یہ رب تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ ان کی ترتیب کے ذرائع میں محبت ہے۔ ان کی بھلائی کے ساتھ محبت کا یہ عالم ہے۔ بندے بار بار جرم کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے لیے خیر و برکت کے دروازے کھلے رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(النساء: ۱۱۰)

ترجمہ: اور جو کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا۔

اہل طمع نے مکر و فریب کے ذرائع میں جو سرگوشیاں کیں ان آیات طیبات نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے ایسا اصول وضع کیا جس کے بارے لوگوں کے لیے لازم ہے کہ وہ سرگوشیاں کرتے وقت اسے اصل بنائیں۔ باہمی آراء کا تبادلہ کرتے وقت اسے بنیاد بنائیں۔ اصول یہ ہے کہ سرگوشی کوئی ایسی بھلائی نہیں ہوتی جو رب تعالیٰ کو راضی کر دے مگر یہ کہ اس میں ایسی چیز ہو جو لوگوں کے لیے نفع کا سبب ہو یا اس سے کسی سے نقصان دور ہوتا ہو یا حق ثابت ہوتا ہو اور باطل کا رد ہوتا ہو مثلاً صدقہ کا حکم دینا، بھلائی کا حکم دینا یا لوگوں کے مابین صلح کرانا۔ یہ تینوں امور ہر قسم کی بھلائی اور فضیلت کو جمع کرنے والے ہیں۔ صدقہ مادی نفع کا تصور پیش کرتا ہے۔ نیکی کا حکم دینا روحانی فائدہ کا تصور دیتا ہے جبکہ لوگوں کے مابین صلح کرانا شر کو لوگوں اور گروہوں سے دور کرنے کا تصور پیش کرتا ہے۔ پھر ان آیات طیبات نے اس عظیم جزاء کو بیان کیا جو رب تعالیٰ نے ان لوگوں

کے لیے تیار کر رکھی ہے جو بھلائی کے ان امور میں سرگوشی کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(النساء: ۱۱۴)

ترجمہ: نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا یا صلح کرانے کا لوگوں میں اور جو شخص کرے یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضامندیاں حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجر عظیم۔

لوگوں کو اس واقعہ میں غور وفکر کرنا چاہیے تاکہ انہیں اس غضب الٰہی کا کچھ اندازہ ہو سکے جو اس کے بندوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے نازل ہوتا ہے۔ خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب کے ساتھ ہو۔ رب تعالیٰ ان باطل تہمتوں کی وجہ سے کتنا ناراض ہوتا ہے۔ جو صرف اندازے سے ایسے لوگوں پر لگا دی جاتی ہیں جو ان سے بری ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ مکر وفریب سے محبت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ نیز لوگوں کو اس امر کا بھی اندازہ ہو جائے کہ اسلام کسی طرف داری کو نہیں جانتا۔ شریف، معزز، غیر معزز، فقیر وغنی اور مسلمان اور یہودی رب تعالیٰ کے احکام کے سامنے برابر ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ بھی عدل کرنے پر ابھارا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ عداوت میں سے زیادہ شریر ہوتے ہیں۔ جھگڑے اور جنگ کے شدید اوقات میں بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے ارشاد فرمایا:

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (المائدۃ: ۲)

ترجمہ: اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام سے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ (النساء: ۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔

تاکہ وہ ان لوگوں کو جان لیں جو اسلام پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو بھی جان لیں جو حکام کے ہاں جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو بھی جان لیں جو مکر و

فریب کے لیے اپنے دوستوں کی تشہیر کے لیے، بری لوگوں پر تہمت لگانے کے لیے اور مصلحین کے امام کے سامنے مشکلات پیدا کرنے کے لیے سرگوشیاں کرتے ہیں۔ وہ ایسے امور کے ساتھ سرگوشیاں کرتے ہیں جو ان کی خواہشات کو پورا کر دے وہ عقول کو بگاڑنے والے، اموال ضائع کرنے والے، عزتوں کو ختم کرنے والے، آبروؤں کو مٹانے والے گناہ، مفاسد، بغاوت اور دشمنی کے بارے سرگوشی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۙ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝ (النساء:۱۰۷-۱۰۸)

ترجمہ: اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بد دیانت (اور) بدکار ہے وہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء:۱۱۲)

ترجمہ: اور جو شخص کمائے کوئی خطا یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(النساء:۱۱۴)

ترجمہ: نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا یا صلح کرانے کا لوگوں میں اور جو شخص کرے یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا مندیاں حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجر عظیم۔

قاضی کے آداب کی حکمت

شریعت اسلامیہ میں قاضی کا بہت بڑا رتبہ ہے کیونکہ یہ حضور اکرم ﷺ کی جگہ پر بیٹھتا ہے۔ وہ جھگڑوں میں فیصلہ کرتا ہے لوگوں کے مابین دعووں میں فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے سامنے بادشاہ اور فقیر، امیر اور وزیر اور غنی اور فقیر کے مابین کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جس شخص کا رتبہ اور درجہ یہ ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن پاک میں بیان کردہ اخلاق سے آراستہ ہو وہ حضور ﷺ اور اسلاف عظام کے اخلاق حمیدہ سے مزین ہو۔ اس موضوع پر ہم نے ''البدائع'' کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس کا ذکر کر دیں کیونکہ اس کا فائدہ اور نفع بہت زیادہ ہوگا۔

ضروری ہے کہ قاضی ایسا شخص ہو جو نتائج اخذ کرنے کی پختہ دینی استعداد رکھتا ہو۔ اس کی ساری سمجھ بوجھ، سماعت اور دل فریقین کی باتیں سننے کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو مکتوب گرامی حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا تھا۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے۔ ہم نے اس خط کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اس کا مطالعہ کرلو۔ انہوں نے فرمایا: ''جب کوئی شخص تمہیں دلیل پیش کرو تو اسے غور سے سنو کیونکہ جائز ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کے ہمراہ حق ہو۔ یعنی کوئی ایک حق پر ہو۔'' اگر قاضی فریقین کی باتیں غور سے نہیں سنے گا تو وہ حق ضائع کر دے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی مکتوب گرامی میں سکھا: ''اس حق کے ساتھ گفتگو کرنا فائدہ نہیں دیتا جس کا نفاذ نہ ہو سکے۔'' نیز یہ کہ فیصلہ کرتے وقت قاضی پریشان نہ ہو۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پریشانی سے بچو'' اس سے استحکام اور احتیاط میں مدد ملتی ہے۔ قاضی قضاء کے وقت کبیدہ خاطر نہ ہو اس طرح کہ جب اس کے پاس متفرق امور جمع ہو جائیں تو وہ تنگ دل ہو جائے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''گھٹن سے بچو۔'' قاضی قضاء کے وقت غصہ کی حالت میں نہ ہو۔ کیونکہ حضور سید الاولین والآخرین ﷺ نے فرمایا: ''قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔'' کیونکہ اس طرح وہ حواس باختہ ہو جائے گا غصہ اسے صحیح غور وفکر نہیں کرنے دے گا۔ نیز یہ کہ قاضی فیصلہ کرتے وقت بھوک، پیاس اور شکم سیری میں مبتلاء نہ ہو کیونکہ یہ امور اضطراب، پریشانی، گھٹن پیدا کرتے ہیں۔ بھوک، پیاس اور سیر شکمی اسے حق سے روک دے گی۔ قاضی زمین پر چلتے ہوئے یا سواری پر فیصلہ نہ کرے۔ کیونکہ ان حالات میں وہ فریقین کے دلائل میں غور وفکر نہیں کر سکے گا۔ لیکن ٹیک لگا کر فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ٹیک لگا کر غور وفکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قاضی فریقین کو بٹھانے میں مساوات سے کام لے۔ فریقین کو اپنے سامنے بٹھائے انہیں اپنے دائیں یا بائیں نہ بٹھائے۔ اگر اس نے اس طرح کر دیا تو اس نے بیٹھنے میں ایک کو دوسرے سے قریب کیا۔ اسی طرح وہ ایک فریق کو اپنے دائیں طرف اور دوسرے کو اپنے بائیں طرف نہ بٹھائے۔ کیونکہ دائیں طرف والے کو بائیں طرف والے پر فضیلت ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کوئی فیصلہ کرانے کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت زید نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تکیہ پیش کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔" وہ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ قاضی دیکھنے، گفتگو کرنے اور خلوت نشینی میں فریقین کے مابین مساوات سے کام لے۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ شگفتہ چہرے سے گفتگو نہ کرے۔ کسی ایک کے ساتھ سرگوشی نہ کرے۔ کسی ایک کی طرف اشارہ نہ کرے۔ کسی ایک پر اپنی آواز بلند نہ کرے۔ کسی ایک کے ساتھ اسی زبان سے گفتگو نہ کرے جس سے دوسرے آگاہ نہ ہو۔ اپنے گھر میں کسی ایک کے ساتھ خلوت نشیں نہ ہو۔ کسی ایک کی وضاحت نہ کرے۔ ان سارے امور میں فریقین کے مابین عدل کرے۔ کیونکہ عدل کو ترک کرنے میں دوسرے شخص کے دل شکنی ہے۔ اس طرح قاضی پر بھی تہمت لگے گی۔ اسی طرح ان میں سے کسی ایک سے تحفہ قبول نہ کرے۔ مگر جبکہ تہمت کا خدشہ نہ ہو وہ عام دعوت قبول نہ کرے۔ کسی فریق کو اس کی دلیل نہ سکھائے۔ کیونکہ اس میں فریقین میں سے ایک کی اعانت بھی ہے جو تہمت کا موجب بنتی ہے مگر جب ان میں سے ایک فریق محو گفتگو ہو تو وہ دوسرے کو خاموش کرا دے تاکہ وہ اس فریق کی بات سمجھ سکے۔ قاضی گواہ کو بھی تلقین نہ کرے بلکہ اسے اس چیز کی گواہی دینے دے جو کچھ اس کے پاس ہے۔ اگر شرع شریف اسے قبول کرنا لازم قرار دے تو اسے قبول کر لے ورنہ اسے رد کر دے۔ گواہوں کو لایعنی امور میں مشغول نہ کرے کیونکہ اس سے وہ ان کی عقول کو تشویش میں مبتلاء کر دے گا۔ وہ صحیح طرح گواہی نہیں دے سکیں گے۔ جب گواہیاں ہونے لگیں تو کوئی حرج نہیں وہ گواہی دیتے وقت گواہوں کو جدا جدا کر لے۔ وہ ان سے ایسے سوالات پوچھے: "وہ واقعہ کہاں رونما ہوا؟ کب ظہور پذیر ہوا؟ وہ ان سے ایسے سوالات کر سکتا ہے جن سے ان کی صداقت ظاہر ہو جائے۔ اگر ان کا باہم اختلاف ہو جائے۔ جو گواہی کے رد کو لازم کر دے تو گواہی رد کر دے ورنہ نہیں۔ قاضی مریض کی عیادت کر سکتا ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کا مسلمانوں پر حق ہے۔ یہ حق قائم کرنے کی وجہ سے اس پر تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔

جج جب عدالت میں داخل ہوتو وہ خصوم کو سلام کر سکتا ہے کیونکہ سلام کرنا اسلام کی سنت ہے۔ اس کی وجہ سے جج پر تہمت نہیں لگائے جائے گی۔ حضرت شریح سلام کیا کرتے تھے۔ لیکن فریقین میں سے کسی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو سلام نہ کرے۔ نیز یہ کہ یہ سلام فیصلہ کی محفل میں بیٹھنے سے پہلے کرے۔ جب وہ کرسی عدالت پر بیٹھ جائے تو وہ نہ تو فریقین کو سلام کرے نہ ہی فریقین اسے سلام کریں۔ حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر امور میں گواہوں کے حالات کے بارے پوچھ لے۔ اگر خصم طعن بھی کرے۔ کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ آداب میں سے ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ظاہری عدالت سے فیصلہ جائز ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حقیقی عدالت سے فیصلہ کرنا افضل ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ قضاء کے واجبات میں سے ہے۔

قاضی اہل فقہ میں سے ایک گروہ اپنے ہمراہ رکھے۔ وہ اس کے ساتھ مشاورت کرے۔ جن احکام سے وہ آشنا نہ ہو وہ ان میں ان کی رائے سے مدد لے۔ اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ (آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: اور صلاح مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں۔

حالانکہ آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ آپ کے علاوہ دوسرا فرد مشاورت کرنے کا زیادہ مستحق ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتا ہو۔ کیونکہ طلب حق میں مشاورت راہ خدا میں جہاد کرنے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ یہ درست امر تک پہنچنے کا سبب ہے ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ (العنکبوت:۶۹)

ترجمہ: اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لیے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ قاضی کے پاس ایسا شخص بیٹھے جن کی دیانت اور امانت پر اسے یقین ہو۔ قاضی کو لوگوں کی موجودگی میں ان افراد سے مشورہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح محفل کا رعب ختم ہو جاتا ہے لوگ اسے جاہل ہونے کا طعنہ دیں گے۔ بلکہ جب لوگ اس مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں اس وقت وہ ان کے ساتھ مشاورت کرے۔ آج کل عدالت کی زبان میں اس امر کو مداولہ (مباحثہ) کہتے ہیں۔ یا مشاورت کے لیے رقعہ لکھ کر دے۔ یا ان سے ایسی زبان میں گفتگو کرے

جسے فریقین نہ سمجھتے ہوں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے لیے جلوان ہو جو اس کے سر پر کھڑا رہے تا کہ محفل مہذب نظر آئے۔ قاضی کے ہاتھ میں عصا ہو۔ جس کے ساتھ وہ منافق کو ادب سکھائے اور مؤمن کو ڈرائے۔

روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے دست اقدس میں عصا مبارک ہوتا تھا۔ جس سے آپ مؤمن کو ڈراتے تھے اور منافق کو ادب سکھاتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اپنے دست اقدس میں عصا رکھتے تھے۔ جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ میں درۃ رکھتے تھے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ قاضی کے پاس ایسے افراد ہوں جو اس کا احترام کرتے ہوئے اس کے سامنے کھڑے رہتے ہوں تا کہ اس کی مجلس بارعب بن جائے۔ تا کہ سرکش حق کو تسلیم کرے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ قاضی کے پاس ایک ترجمان بھی ہو کیونکہ ممکن ہے مجلس قضا میں مدعی، مدعی علیہ اور گواہوں میں سے ایسے افراد بھی حاضر ہو جائیں قاضی جن کی زبان نہ جانتا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ قاضی کے پاس ایک امانت دار کاتب ہو کیونکہ اسے دعوؤں، گواہیوں اور اقرارات کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بذات خود تو ان کی حفاظت نہیں کر سکتا لہٰذا اس کے لیے لکھنا ضروری ہے ضروری ہے کہ کاتب صالح اور پاکباز ہو وہ فقہ سے آشنا ہو۔

وہ مختلف خصوم کو حاضر کرنے میں ان کے مراتب کا خیال رکھے۔ پہلے مراتب والے خصوم کو پہلے حاضر کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''مباح اس کے لیے ہے جو اس کی طرف سبقت لے جائے۔'' اگر خصوم کے حالات اس پر مشتبہ ہو جائیں تو ان کے مابین قرعہ اندازی کر لے۔ جس کا قرعہ نکل آئے اسے مقدم کرے مگر اجنبی لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جبکہ ان کا جھگڑا شہریوں کے ساتھ ہو وہ حقوق میں انہیں اہل شہر سے مقدم کرے گا۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''اجنبی (پردیسی) کو مقدم کرو اگر تم اس کی طرف توجہ نہیں دو گے تو وہ چلا جائے گا۔ اس کا حق ضائع ہو جائے گا۔ ان کا حق ضائع کرنے والے تم ہی ہوں گے۔'' انہوں نے اس اجنبی کو مقدم کرنا مستحب سمجھا ہے کیونکہ انہوں نے یہی سمجھا ہے کہ اجنبی کے لیے انتظار کرنا ممکن نہیں ہوتا اور خصومت میں اس کی تاخیر اس کا حق ضائع کر دے گی۔ الا یہ کہ وہ بہت زیادہ ہوں ورنہ قاضی شہریوں کو چھوڑ کر ان کی طرف مشغول ہو جائے گا۔ اس صورت میں وہ انہیں شہریوں کے ساتھ ملا لے کیونکہ انہیں مقدم کرنا شہریوں کو نقصان دے گا۔ اسی طرح قاضی گواہیوں والے افراد کو دیگر افراد سے مقدم کرے کیونکہ گواہیوں کا احترام کرنا لازم ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''گواہوں کا احترام کیا کرو۔ کیونکہ رب تعالیٰ ان کی وجہ سے حقوق کو زندہ کرتا ہے۔'' انہیں قاضی کے دروازے پر روک لینا یہ ان کا احترام نہیں ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب گواہیوں والا ایک ہو اور اگر گواہیوں والے بہت سے ہوں تو ان کے مابین قرعہ اندازی کر لے۔ قاضی کے لیے ضروری ہے کہ مردوں اور عورتوں کے مقدمات علیحدہ علیحدہ نبٹائے کیونکہ ان کے اختلاط میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ اگر وہ عورتوں کے زیادہ جھگڑوں کی وجہ سے ان کے لیے کسی دن کا تعین کرنا چاہیے تو اس طرح کرے۔ کیونکہ کسی ایک دن انہیں علیحدہ بلا لینا اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

قاضی زیادہ دیر بیٹھنے میں خود کو نہ تھکائے۔ کیونکہ اسے دلائل میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ زیادہ دیر بیٹھنا اس کے غور وفکر میں خلل پیدا کرے گا۔ دن کے دونوں اطراف میں بیٹھنا اس کے لیے کافی ہے۔ تاکہ اس کا دلائل میں غور وفکر کرنا رہ نہ جائے۔ جب فریقین اس کے پاس حاضر ہوں تو وہ مدعی سے اس کے دعویٰ کے متعلق پوچھے: ''الزیادات'' میں ہے کہ قاضی مدعی سے اس کے دعویٰ کے متعلق نہ پوچھے۔ اسی طرح اگر صحیح دعویٰ کیا جائے تو کیا مدعی علیہ سے اس کے خصم کے دعویٰ کے متعلق پوچھا جا سکتا ہے؟ ایک قول کے مطابق پوچھا جا سکتا ہے: ''الزیادات'' میں ہے کہ اس سے نہیں پوچھا جائے گا حتیٰ کہ مدعی قاضی سے کہے کہ دعویٰ کے جواب کے متعلق اس سے پوچھو۔ جو کچھ ''الزیادات'' میں ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دعویٰ کے بارے سوال کرنا خصومت کو قائم کرنا۔ قاضی جھگڑا کو قائم نہیں کرتا۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ روا ہے فریقین میں سے کوئی ایک قاضی کی مجلس کی ہیبت کی وجہ سے اسے اپنے ساتھ لاحق کر لے وہ قاضی کے سوال کے بغیر تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہو جائے۔ اس لیے اس کے دعویٰ کے بارے پوچھا جائے گا۔ جب مدعی گواہیاں قائم کر دے۔ مدعی علیہ دفع کا دعویٰ کر دے اور وہ کہے میرے گواہ بھی موجود ہیں تو قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے مہلت دے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''مدعی کے لیے ایک مدت متعین کر دو۔ جو اسی پر اختتام پذیر ہو۔'' مدعی اس کے ساتھ دفع کا ارادہ کرے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''اگر وہ عاجز آ جائے تو اس کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا۔'' اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اس نے اسے مہلت نہ دی اور مدعی کی گواہیوں پر فیصلہ کر دیا تو وہ اپنا فیصلہ ختم کرنے کا محتاج رہے گا۔

کیونکہ ممکن ہے وہ کچھ مدت کے بعد دفع کی گواہیاں لے کر حاضر ہو جائے۔ اس طرح

کرنے سے قاضی فیصلہ توڑنے سے محفوظ رہے گا۔ پھر اس کا انحصار قاضی کی رائے پر ہوگا اگر وہ چاہے تو اس مجلس کے آخر تک مؤخر کردے چاہے تو کل تک یا پرسوں تک مؤخر کردے۔ مگر اس سے زائد تاخیر نہ کرے۔ کیونکہ حق اس کی طرف رخ کر چکا ہے۔ وہ اس سے زیادہ تاخیر کے بارے نہیں سنے گا۔ اگر اس نے غائب گواہوں کا دعویٰ کر دیا تو قاضی اس کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ بلکہ مدعی کے لیے فیصلہ کردے گا۔

قاضی کسی مشہور جگہ پر بیٹھے تاکہ لوگوں کے ساتھ نرمی ہو سکے۔ اگر لوگ صلح کا ارادہ کریں تو قاضی کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ جھگڑے کو صلح کی طرف لوٹا دے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء:۱۲۸)

ترجمہ: اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے۔

صلح کی لوٹانا بھلائی کی طرف لوٹانا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جھگڑے کو لوٹا دو حتیٰ کہ لوگوں کے مابین صلح ہو جائے۔ عدالت کا فیصلہ ان کے مابین کینہ اور بغض پیدا کردے گا۔'' انہوں نے مستحب سمجھا تو صلح کی طرف لوٹا دیا جائے۔ انہوں نے اس کے مقصود پر بھی تنبیہ فرمادی وہ یہ کہ مطلوب کینہ کے بغیر حاصل ہو جائے گا۔ قاضی اس پر ایک یا دو بار عمل کرے۔ اگر وہ صلح کرلیں تو بہتر ورنہ ان کے مابین شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلہ کردے۔ اگر وہ آپس میں صلح کرنے کا ارادہ نہ کریں تو وہ ان کی طرف اسے نہ لوٹائے بلکہ ان کے مابین فیصلہ کردے۔

وقت کے خلیفہ کے لیے لازم ہے کہ وہ قاضی اور اس کے اہل خانہ کو آسائش دے تاکہ وہ لوگوں کے احوال میں طمع نہ کریں۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کا سالانہ وظیفہ چار سو درہم مقرر فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کا ہر ماہ پانچ سو دراہم وظیفہ مقرر کیا تھا۔ قاضی کے لیے روا نہیں کہ وہ کسی اور کو اپنا جانشین مقرر کرے۔ مگر جبکہ امام اس کی اجازت دے کیونکہ سپرد کرنے سے وہ تصرف کرے گا وہ اتنا ہی تصرف کرنے پر قادر ہوگا جتنا اسے سپرد کیا جائے گا۔ جیسا کہ وکیل۔

مضاربت کی حکمت

''مضاربہ'' سے مراد وہ مضاربت نہیں جو آج کل منی مارکیٹس میں رائج ہے جسے اسٹاک

پیچنج کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے بلکہ ہماری مراد وہ مضاربت ہے جو شارع حکیم کی مراد تھی وہ اسی مضاربت سے علیحدہ ہے جس نے کتنے ہی کھولے ہوئے دروازوں کو بند کر دیا۔ جس نے کتنے ہی ایسے خاندانوں کو کنگال کر دیا جو راحت اور آرام سے رہ رہے تھے۔ اسی نے کمزور عقل لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ خودکشی کرے اور موت کا پھندا گلے سے لگالیں کیونکہ اس میں صحیح شرعی سبب مقصود ہے۔

وہ مضاربت جس کا ارادہ مشارع حکیم نے فرمایا ہے اس میں حکمت یہ ہے تا کہ غریب فقر وفاقہ کی ذلت دور ہو سکے لوگوں میں باہمی الفت اور محبت پیدا ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس مال ہو۔ جبکہ دوسرا شخص کام کاج پر قادر ہو اور اس کے لیے نفع میں وہ متعین حصہ ہو جس پر وہ اتفاق کر لیں اس میں مال کے مالک کے لیے دو فائدے ہیں۔

۱۔ اسے رب تعالیٰ کی طرف سے ثواب جزیل ملے گا۔ اس نے اس مسکین سے فقر وفاقہ کی ذلت کو دور کیا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو وہ مسکین فاقوں سے مر جاتا۔ اگر وہ غنی ہو تو اس میں بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ نفع ان کے مابین تقسیم ہو جائے گا۔

۲۔ مال میں اضافہ ہوگا۔ دولت بڑھے گی جہاں تک فقیر کا تعلق ہے تو اس سے تنگ دستی دور ہوگی۔ وہ معیشت پر قادر ہوگا۔ وہ ملت پر بوجھ نہیں بنے گا۔ اس کے لیے ایک اور فائدہ بھی ہوگا وہ یہ کہ جب وہ امانت کو اپنا شعار بنائے گا۔ سچ کو اپنی عادت بنا لے گا تو لوگ اس سے پیار کرنے لگیں گے۔ اس کے چاہنے والوں میں اضافہ ہوگا۔ وہ تھوڑی مدت بعد غنی ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ پہلے غریب تھا۔ یہ ساری وہ بالغ حکمتیں ہے جو شارع حکیم کی طرف سے اس میں کارفرما ہیں۔ مضاربت کی یہ قسم کتاب حکیم، سنت مصطفی ﷺ اجماع اور عقل کے اعتبار سے جائز ہے۔ کتاب حکیم کی رو سے اس طرح کہ ارشاد ربانی ہے:

وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ (المزمل: ۲۰)

ترجمہ: اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو۔

بلاشبہ مضاربت کرنے والا سفر کرتا ہے وہ رب تعالیٰ کا فضل تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

(الجمعہ: ۱۰)

ترجمہ: پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط (البقرۃ:۱۹۸)

ترجمہ: نہیں ہے کوئی حرج (اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل (رزق)۔

جہاں تک سنت مبارکہ کی رو سے مضاربت کے جواز کا تعلق ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:

"جب حضرت عباس بن عبد المطلب جب اپنا مال بطور مضاربت کسی کو دیتے تھے تو اپنے ساتھی کے لیے شرط رکھتے تھے کہ وہ ان کا مال لے کر نہ تو سمندری سفر کرے گا نہ کسی وادی میں فروکش ہو گا۔ نہ ہی اس سے تو جگر والی سواری خریدے گا۔ اگر اس نے اس طرح کر دیا تو وہ ضامن ہو گا۔"

یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے ان کی شرط کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو لوگ مضاربت کرتے تھے۔ آپ نے ان کا انکار نہ فرمایا عدم انکار بھی سنت مطہرہ کی ایک قسم ہے۔ جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے یتیم کے مال کو بطور مضاربت دیا۔ ان میں حضرات عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عامر اور سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی شخص نے بھی ہمارا انکار نہ فرمایا۔" اس طرح اس پر اجماع بھی ہو گیا۔

روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ اور حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہما، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرزندان عراق تشریف لے گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہاں کے امیر تھے۔ انہوں نے انہیں کہا: "اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو میں تمہیں ضرور دیتا۔ لیکن میرے پاس مسلمانوں کے بیت المال کے پیسے ہیں۔ میں وہ تمہیں دے دیتا ہوں تم دونوں اس سے سامان خرید لو۔ اسے مدینہ طیبہ لے جاؤ۔ وہاں فروخت کر دینا۔ اس کی قیمت امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دینا۔" جب یہ دونوں حضرات مدینہ طیبہ پہنچے تو ان کے والد گرامی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ نفع بھی انہی کے لیے مختص کر دو۔"

حضرت عبد اللہ مہر بلب رہے۔ حضرت عبید اللہ نے کہا:

"یہ درست نہیں اگر یہ مال ہم سے ہلاک ہو جاتا تو ہم اس کے ضامن ہوتے۔"

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

"امیر المؤمنین! ان دونوں کو مضاربین کی طرح بنا دیں۔ ان دونوں کے لیے نصف اور نصف بیت المال کے لیے مختص ہو جائے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بات پر راضی ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہمایوں سے لے کر آج تک لوگوں کا عمل اسی پر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس کے جواز پر اجماع ہے۔

یہ عقل کی رو سے بھی جائز ہے جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے کیونکہ لوگ اس عقد کی بہت زیادہ ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ انسان کے لیے بعض اوقات مال ہوتا ہے لیکن اسے تجارت کرنے کا تجربہ نہیں ہوتا بعض لوگوں کو تجارت کرنے کا ڈھنگ آتا ہے لیکن وہ فقیر ہوتے ہیں۔ اس کے پاس نہ تھوڑا مال ہوتا ہے نہ زیادہ۔ شارع حکیم نے اس قسم کو مشروع فرمایا تاکہ یہ دونوں ضروریات پوری ہو جائیں جو لوگوں کی مصلحتوں کو متضمن ہیں۔

قرض کی حکمت

اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اعمال سرانجام دینے کی سعادت عطا فرمائے کہ کسی محتاج کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ ضرورت مند محتاج کی محتاجی دور کرنا رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے رب تعالیٰ کے قریب وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کے بندے امید وابستہ رکھیں۔"

ایک ضرورت مند تمہاری خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ فضاء اس کی نگاہوں میں سوئی کے ناکے سے بھی تنگ ہو چکی ہوتی ہے تم کیا جانو کہ اس کی ضرورت کیا ہے۔ ممکن ہے یہ ضرورت بچوں اور عورتوں کے لیے کپڑے ہوں تاکہ وہ انہیں گرمی اور سردی سے بچائے۔ یا روٹی کا ٹکڑا ہو۔ جس سے وہ بھوک کی حرارت ختم کرے۔ یا وہ ایک ایسے درہم کا متلاشی ہو جس سے وہ اپنا قرض ادا کر سکے۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ قرض مردوں کو رسواء کر دیتا ہے۔ یا اس کے علاوہ اس کی اور ضروریات ہوں جو غموں کو جنم دیتی ہوں مصیبتیں پیدا کرتی ہوں۔ جن سے دل پھٹ جاتے ہوں۔ جگر پگھل

جانتے ہوں۔ وہ تم سے اس لیے قرض مانگتا ہے تاکہ وہ اپنے سانسوں کا سلسلہ رواں رکھ سکے۔ تاکہ اپنی احتیاج کو پورا کر سکے۔ اگر تم ان بلند اقبال لوگوں میں سے ہو جنہیں رب تعالیٰ نے دولت ایمان بخشی ہے تو تم اس شخص کو ضرور قرض دو گے جس سے وہ اپنی ضرورت کو پورا کر لے گا۔ اس طرح فرشتوں کی زبانیں بھی تمہارے لیے دعا اور استغفار کرنے لگیں گی تم پر رحمت اور رضا کے بادل برسیں گے۔ کیونکہ تم محسن ہوں گے ورنہ تمہارا دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی سخت ہوگا۔

خوب جان لو کہ قرض کی حکمت دلوں کو جوڑنا اور قرض دار پر رحم کرنا ہے دنیا میں انسان کی سب سے بڑی تمنا یہ ہوتی ہے کہ قلوب کا اس کی طرف میلان ہو۔ اسی طرح ضرورت اور احتیاج لوگوں میں گھومتی رہتی ہے زمانہ بدلتا رہتا ہے بعض اوقات آسانی کے بعد تنگی آجاتی ہے تم بھی اس کے محتاج ہو سکتے ہو جو تم سے قرض لے رہا ہے۔ اگر تم نے پہلے کسی کو قرض دیا ہوگا تو تم بھی ایسے شخص کو پا لو جو تم پر مہربانی کرے گا۔ جو تمہاری طرف دست تعاون بڑھائے گا لب لباب یہ ہے کہ قرض میں لوگوں کے لیے ان گنت فوائد ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا تم دانا اور عقلمند ہو ان سے آشنا ہو۔

رہن کی حکمت

رہن میں بہت بڑی حکمت کارفرما ہے کیونکہ مرتہن، راہن سے وہ مصیبت دور کرنے کا سبب بنتا ہے جس نے ان کی فکر اور دل کو مضطرب کر دیا تھا۔ کیونکہ بہت سے لوگ بعض ایسی چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں جن سے ان کی ضروری حاجات پوری ہو سکتی ہیں۔ انسان کی بہت سی ضروریات ہوتی ہیں۔ بعض اوقات وہ دوسرے شخص سے یہ چیزیں بطور قرض لیتا ہے لیکن وہ شخص اس وقت تک قرض دینے سے انکار کر دیتا ہے جب تک کوئی ایسی چیز اس کے پاس بطور رہن رکھی جائے جو اس وقت تک اس کے پاس رہے حتیٰ کہ راہن وہ رقم واپس کر دے۔ شارع حکیم کو اس بات کا علم تھا اس نے رہن کو جائز قرار دیا تاکہ مرتہن کو اپنے اموال پر اطمینان حاصل ہو جائے۔ کاش لوگ رہن کی شرعی شروط پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اگر وہ ان شروط کے سامنے رکھیں تو ہم لوگوں کی املاک اور جائیداد کو ان بینکوں میں نہ جاتے دیکھیں جنہوں نے کتنے کھلے گھروں کو بند کر دیا ہے۔ کتنے خاندانوں کو فقر و فاقہ میں مبتلاء کر دیا ہے جو سعادت اور خوش بختی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

جو فائدہ اس کے بعد حاصل ہوگا وہ لوگوں میں باہمی محبت اور مودت ہے اس پر اس اجر و ثواب کا اضافہ کر لو جو مرتہن کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے ملے گا۔ اس دن نہ مال فائدہ دے گا نہ بیٹے۔

مگر وہ شخص جو رب تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لے کر جائے گا۔

عاریۃ کی حکمت

جو کچھ ہم نے قرض کی حکمت کے بارے لکھا ہے وہ عاریۃ کے بارے بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان دونوں سے مصیبت دور ہوتی ہے۔ مشکل ختم ہوتی ہے دل میں محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں بھلائی کے افعال سرانجام دینے والا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے نزدیک محبوب ہوتا ہے۔ ایک ضرورت مند تمہارے پاس آتا ہے وہ کسی ضرورت کے لیے کوئی چیز تم سے عاریۃً لیتا ہے۔ انسان کی ضروریات بے شمار ہوتی ہیں۔ اس چیز سے تم مستغنی ہوتے ہو۔ تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خصوصاً جبکہ وہ چیز ان حقیر اشیاء میں سے ہو جنہیں لوگ باہم لیتے دیتے رہتے ہوں۔ جب تم اسے عاریۃ لے لینے کی اجازت دے دو گے تو تمہیں حریم ناز سے اجر عظیم ملے گا۔ لوگ بھی تمہارا شکر ادا کریں گے۔ رب تعالیٰ نے ان لوگوں کو سخت وعید سنائی ہے جو روزمرہ کے استعمال کی چیزیں نہیں دیتے۔ اس نے فرمایا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۝ (الماعون:۴ تا ۷)

ترجمہ: پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ''الماعون'' سے مراد وہ چیز ہے جس سے عموماً منع نہیں کیا جاتا۔ ذرا اس دھمکی اور وعید کو دیکھو: ''ذرا غور کرو کہ رب تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو عام روزمرہ کے استعمال کی چیزیں نہیں دیتے ان لوگوں کے ساتھ کیسے ملا دیا ہے جو اپنی نماز کی ادائیگی سے غافل ہیں اور جو ریاءکاری کرتے ہیں تم جانتے ہو کہ ریاکاروں اور نماز سے غفلت برتنے والوں کو کیسے عذاب ہوگا روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت صفوان سے عاریۃ زرہیں لیں تھیں۔

ہبۃ کی حکمت

اے دانا اور عقلمند شخص! اے کامل ایمان والے مؤمن! اے ہر قسم کا احسان کرنے والے! خوب جان لو کہ ہبۃ کو شروع کرنے میں بہت بڑی حکمت کارفرما ہے کیونکہ اس سے کینہ اور عداوت

ختم ہو جاتی ہے۔ دلوں میں محبت اور مودت پیدا ہوتی ہے یہ اخلاق کریمانہ، پاکیزہ فطرت عمدہ شمائل، پاکیزہ فضائل اور اچھی عادات پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تحائف دیا کرو، تحفہ کینہ ختم کر دیتا ہے۔"

شارع حکیم کو علم تھا کہ نفوس کی فطرت میں بخل ہے اس نے ان لوگوں کی انتہائی قبیح مثال دے کر مذمت فرمائی جو ھبۃ کی ہوئی چیز واپس لیتے ہیں۔ بلکہ ایسی مثال سے مذمت فرمائی جس سے نفوس نفرت کرتے ہیں۔ نظر ناگوار گزرتی ہے۔ اس گندی اور رذیل حرکت کے ارتکاب کی وجہ سے اس کی حماقت اور نادانی کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اس ذاتِ والا نے فرمایا ہے جو اپنی خواہش سے بولتی نہیں بلکہ ایک وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے:

"ھبۃ واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قئے کر کے اسے کھا لے۔"

جس طرح تحفہ دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے۔ دلوں سے کینہ نکال دیتا ہے اس طرح تحفہ واپس لے لینا عداوت اور بغض پیدا کرتا ہے یہ قطع رحمی اور ظلم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ خصوصاً جبکہ تحفہ وصول کرنے والے نے اس تحفہ میں تصرف بھی کر رہا ہو۔ اس کے لیے اسے واپس کرنا ممکن نہ ہو۔ جب شارع حکیم کو علم تھا کہ جو اس طرح کرے گا وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ خسیس النفس ہو گا۔ اس کی فطرت سب سے زیادہ کمینی ہو گی۔ وہ رب تعالیٰ اور لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت ہو گا تو آپ نے اس کی مثال اس کتے سے دی جو قئے کر کے اسے چاٹ لیتا ہے۔

تحفہ دینے میں لوگوں کے لیے بہت سے فوائد ہیں۔ بعض اوقات ایک انسان کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کس کے دروازے پر دستک دے۔ کوئی قریبی دوست یا رشتہ دار اس کے پاس آجاتا ہے وہ اس سے وہ ضرورت دور کر دیتا ہے، تحفہ دینے والے کو بھی بہت زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ تم پر مخفی نہیں ہے۔ "الزیلعی" میں ہے:

ہبہ دینا صفاتِ کمال میں سے ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنا وصف بیان فرمایا ہے:

اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝ (آل عمران:۸)

ترجمہ: بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

جب انسان اس وصف سے متصف ہوتا ہے تو وہ بہت بڑی صفت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اس میں کرم کا اظہار ہے۔ اس سے نفس کا بخل دور ہوتا ہے۔ جسے تحفہ دیا جائے اس کے دل میں سرور پیدا ہوتا ہے اس طرح محبت اور مودت پیدا ہوتی ہے۔ کینہ اور حسد کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس

وصف سے متصف ہونے والا کامیاب ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر:۹)

ترجمہ: اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔

تحفہ دینا جائز ہے بالاجماع یہ مستحب ہے۔

اجارہ کی حکمت

اجارہ کو جائز کرنے میں بہت بڑی حکمت کارفرما ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے مابین ایک دوسرے کے لیے منافع اور فوائد کا تبادلہ ہوتا ہے کیونکہ وہ کام جسے فرد واحد کرتا ہے اس کام سے علیحدہ ہے جسے دو یا تین افراد سرانجام دیتے ہیں۔ اگر اجارہ ''اجارۃ عین'' ہو تو ضروری ہے (شرط یہ ہے) کہ عقد اجارہ میں اس کی مقدار، اوصاف اور بقیہ ان شروط کا ذکر کر دیا جائے جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اس میں یہ حکمت کارفرما ہے تاکہ لڑائی جھگڑے کا اندیشہ نہ رہے۔ جس طرح کہ کسی چیز کو مجہول منفعت پر اجارہ پر لینا درست نہیں جس کا اندازہ محض ظن و گمان سے لگایا گیا ہو کیونکہ بعض اوقات ایسا حادثہ پیش آ جاتا ہے جو اس چیز کو فائدہ دینے سے روک دیتا ہے۔ اس موضوع پر کتب فقہ میں بہت تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اگر مزید جاننا چاہو تو ان کی طرف رجوع کرو۔

حکمتِ مزارعت

جان لو کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس جانور ہوتے ہیں۔ وہ زمین میں ہل چلانے اور اسے آباد کرنے پر قادر ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس زمین نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس ایسی زمین ہوتی ہے جو کاشتکاری کے قابل ہوتی ہے لیکن یا تو ان کے پاس ہل چلانے کے لیے جانور نہیں ہوتے یا وہ کام کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ جب وہ دونوں یہ طے کر لیں، یہ شخص زمین اور بیج دے گا۔ جبکہ دوسرا شخص اپنے جانور کے ساتھ کام کر لے گا۔ خدمت سرانجام دے گا اور فصل میں ہر ایک کو معین حصہ ملے گا اگر اس کام میں صرف زمین آباد کرنے اور اس زراعت کا دائرہ وسیع کرنے کا ہی فائدہ ہو جو دولت کے مصادر میں سے بہت بڑا مصدر ہے تو پھر بھی کافی ہے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ دونوں اطراف سے ایسے فوائد کا تبادلہ ہے جو لوگوں کے مابین الفت ومحبت پیدا کردیتے ہیں۔ یہ لوگوں کو امانت کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں ان سب میں بالغ حکمت اور عظیم فوائد ہیں جو سب کو ملتے ہیں۔ مبسوط میں ہے:

"جان لو کہ مزارعۃ، زراعۃ سے مفاعلہ کے وزن پر ہے۔ زراعت سے روزی کمانا جائز ہے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کاشتکاری کی۔ روایت ہے کہ جب وہ زمین پر تشریف لائے تو حضرت جبرائیل امین ان کے پاس گندم لے کر آئے اور انہیں کاشتکاری کے لیے کہا۔ حضور ﷺ نے بھی "الجرف" کے مقام پر زراعت فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"کسان اپنے رب تعالیٰ سے تجارت کرتا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"زمین کے بیجوں میں اپنا رزق تلاش کرو۔"

حضرت کلیب بن وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کی کہ ایک شخص کے پاس پانی اور زمین ہو۔ اس کے پاس بیج نہ ہو۔ بیل نہ ہوں وہ نصف پیداوار پر مجھے اپنی زمین عطا کردے تو میں اپنے بیج اور بیل لے کر کاشتکاری کروں پھر نصف پیداوار اسے دے دوں؟ انہوں نے فرمایا: "یہ عمل بہت اچھا ہے۔"

آبپاشی کے عوض شرکت میں حکمت

اگر بعض لوگوں کی زمین ایسی ہو جس میں کھجور درخت اور بیلیں ہوں لیکن وہ لوگ ان درختوں، کھجوروں اور بیلوں کو سیراب کرنے پر قادر نہ ہوں۔ وہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے انہیں سیراب نہ کرسکتے ہوں تو شارع حکیم نے ان کے لیے مباح قرار دیا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے ساتھ معاہدہ کرلیں جو ان کے درختوں کو سیراب کرے۔ ان کے لوازمات کو پورا کرے اور اس کے لیے پھلوں کی کچھ مقدار ہو۔ اس میں دو حکمتیں کارفرما ہیں۔

۱۔ فقیر کے کندھوں سے محتاجی اور غریبی کا بوجھ دور کرنا اس سے وہ اپنی ضرورت اور احتیاج کو پورا کرسکے۔

۲۔ نوع انسان کے مابین منفعت کا تبادلہ۔ اس میں ایک اور فائدہ بھی ہے جو باغ کے مالک کو ملتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کے باغ کی نشوونما ہوتی رہتی ہے اگر وہ اسے آبپاشی کے بغیر ہی

چھوڑ دے تو وہ ایک دو دن میں خراب ہو جائے گا۔ اس عقد کی وجہ سے لوگوں کے مابین محبت اور الفت کے جو رشتے استوار ہوں گے ان کا اضافہ کر لو۔ امت میں باہمی اتحاد پیدا ہو گا۔ وہ نفع بخش امور سرانجام دے گی وہ ہر وہ عمل کرے گی جس کا بہت بڑا فائدہ انہیں ملے گا۔

پانی کی باری میں حکمت

اس سے مراد یہ ہے کہ پانی کا کچھ حصہ متعین کر لیا جائے، اس میں یہ حکمت کارفرما ہے زمینوں کے لیے پانی کی تقسیم میں زمین کے مالکوں کے لیے بہت بڑی راحت کا سبب ہے۔ اس میں غنی اور فقیر، امیر اور وزیر میں کوئی فرق نہیں بلا امتیاز ہر انسان کو اس سے فائدہ ملتا ہے۔ جھگڑا ختم ہو جاتا ہے وہ جھگڑا جس کی وجہ سے بعض اوقات زمین بنجر ہو جاتی ہے اور ایسی مشکلات پیدا ہوتی ہیں جو حاکمہ اور محکومہ دونوں ہیئتوں کی حیثیت کو مٹا کر رکھ دیتی ہیں۔ اسی طرح پانی کی باری سے کھیتی کی کامیابی کی ضمانت بھی دی جا سکتی ہے۔ کتاب عزیز میں ہے کہ سیدنا صالح علیہ السلام نے فرمایا:

لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿الشعراء:١٥٥﴾

ترجمہ: ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہاری باری ہے۔

اس آیت طیبہ میں پانی کی باری مقرر کرنے پر دلیل ہے کیوں کہ اللہ رب العزت نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے یہ خبر دی ہے اور اس کے بعد نسخ کے بارے نہیں فرمایا۔ ان کی شریعت ہماری شریعت بن گئی۔ جیسا کہ اصول فقہ میں یہ بات مشہور و معروف ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿القمر:٢٨﴾

ترجمہ: اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔

اسی طرح اس آیت طیبہ سے بھی پانی کی باری مقرر کرنے کے جواز میں دلیل پکڑی گئی ہے۔ عصرِ حاضر میں اس امر کو المناوبۃ (باری باری) کہتے ہیں۔ ''المبسوط'' میں ہے ''پانی کی باری سے مراد زمین وغیرھا کے لیے پانی کا حصہ مقرر کرنا۔ ارشاد ربانی ہے:

لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿الشعراء:١٥٥﴾

ترجمہ: ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہاری باری ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (القمر:۲۸)

ترجمہ: اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔

شرکاء کے مابین پانی کی تقسیم جائز ہے۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو لوگ یہ عمل کرتے تھے۔ اسلام نے لوگوں کو اسی عمل پر برقرار رکھا۔ لوگ حضور اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں سے لے کر آج تک اس پر عمل پیرا ہیں کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔ یہ تقسیم حق کے اعتبار سے جاری ہوتی ہے۔ ملکیت کے اعتبار سے نہیں کیونکہ نہری پانی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔

بنجر زمین کو آباد کرانے کی حکمت

''الموات'' سے مراد ایسی زمین ہے جہاں تک پانی نہ پہنچ سکے۔ کیونکہ زراعت مال و دولت اور رزق کے حصول کا بہت بڑا سبب ہے۔ اس میں بہت بڑا فائدہ ہے اور اس میں حکمت تین امور کی طرف راجع ہے۔ (۱) بنجر زمین کا آباد ہو جانا۔ (۲) لوگوں کے مابین رزق کا دائرہ وسیع ہو جانا۔ (۳) اس سے امام وقت کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے بیت المال کے لیے عشر اور خراج وغیرہ لیتا ہے۔ اور انہیں مستحقین پر خرچ کرتا ہے۔ یہ امر تم پر پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے کہ امام کے اذن سے بنجر زمین آباد کرنے والا بعد میں اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اگر وہ فقیر ہو تو غنی بن جاتا ہے۔ وہ خود کو فقر کی ذلت سے بچا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس تنگدستی سے بچائے۔ یہ بہت بڑی نعمت اسے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا فائدہ اسے حاصل ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

شفعہ کی حکمت

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ سارے قوانین خواہ وہ آسمانی ہوں یا خود ساختہ ہوں۔ وہ شفعہ کے جواز کے بارے کہتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ کی شریعت بیضاء نے اسے اکمل وجوہ جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں بہت سے فوائد پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ان فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ شریکین میں سے ایک شریک کسی گھر کا کوئی حصہ فروخت کرنے پر رغبت کا اظہار کرتا ہے مشتری اس کے پاس آتا ہے بعض اوقات مشتری دوسرے

شریک کا دشمن ہوتا ہے وہ گھر کا یہ حصہ خرید لیتا ہے۔ اور اس کا پڑوسی بن جاتا ہے تم جانتے ہو کہ اگر انسان پڑوس کے بارے شروط شرعیہ کی رعایت نہ کرے۔ یہ دلوں میں بغض اور نفوس میں کینہ کا سبب بنتا ہے چہ جائیکہ حسد کا وجود پڑوس کے بغیر ہو۔ اس پڑوس سے دوسرے شریک کو اذیت ہو۔ بعض اوقات مشتری گندے اخلاق اور رذیل عادات کا مالک ہوتا ہے وہ ہمسائیگی کی حرمت کو نہیں جانتا۔ وہ اپنے ہمسایہ کو تکلیف دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''حضرت جبرائیل امین مجھے ہمسایہ کے بارے وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ عنقریب اسے وارث بھی بنا دیں گے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی تکریم کرے۔'' ان فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک پڑوسی کو بعض اوقات اس حصہ کی خود ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا مکان یا دکان تنگ ہوتی ہے جسے وہ کھلا کرنا چاہتا ہے۔ یا زمین اس کے کھیت کے پاس ہوتی ہے وہ اس کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ اسی طرح اور بھی امور ہیں جو پڑوسی کو فائدہ دیتے ہیں۔ ان امور کی وجہ سے ہی شارع حکیم نے شفعہ کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے پڑوسی یا اس کے شریک کو وہ گھر یا جگہ خریدنے کا دوسرے سے زیادہ حق حاصل ہوتا ہے مگر جبکہ وہ اسے نہ خرید کر اپنا حق ساقط کر دے۔ البتہ وہ فاسد اور باطل حیلے جو مشتری صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے ہمسایہ کو نقصان دیں شارع حکیم نے ان کا انکار کیا ہے۔ وہ ان سے بالکل راضی نہیں ہوتا۔ مگر جبکہ وہ حیلہ کسی نقصان کو دور کرنے کو متضمن ہو۔ تو پھر وہ شرعاً جائز ہوگا۔

خیار کی حکمت

خوب جان لو کہ شارع حکیم نے بندوں کی مصلحتوں کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے۔ وہ ان کے سارے امور میں نقصان کا کوئی راستہ پیدا نہیں فرماتا۔ اسی لیے اس نے خیار کو مشروع فرمایا۔ اس میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ جب انسان کوئی چیز خریدتا ہے تو اکثر وہ اس کے عیب سے بے خبر ہوتا ہے۔ وہ عیب اس وقت نظر آتا ہے جب باریک بینی سے دیکھا جائے یا تجربہ کار لوگوں سے مشاورت کی جائے۔ شارع حکیم نے خیار کی مدت تین دن رکھی یہ مدت اس چیز کو جاننے پہچاننے کے لیے کافی ہے جو اس نے خریدی ہے اس مدت پر شارع حکیم نے بہت سے احکام معلق کیے ہیں

جو فقہ کی کتب میں موجود ہیں۔ شارع حکیم کو علم ہے کہ بعض اوقات انسان کا دوست یا کوئی تجربہ کار انسان ہوتا ہے۔ وہ دونوں اس کے پاس نہیں ہوتے تین ایام ان کے آنے کے لیے کافی مدت نہیں ہوتی۔ تو شارع حکیم نے اس کے لیے ایک حیلہ مقرر کر دیا۔ جس کی طرف باطل راہ نہیں پا سکتا۔ حق اس سے دور نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ کہ جب خیار کی مدت ختم ہو جانے کے قریب ہو اور ان دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو مشتری بیع کو فسخ کر دے۔ اس کی تجدید کر دے۔ اس کے لیے مزید تین دن کا خیار مقرر کر دے۔ وہ اس طرح کرتا رہے حتیٰ کہ غائب حاضر ہو جائے حتیٰ کہ وہ جو کچھ خرید رہا ہے اسے پوری طرح علم ہو جائے۔ وہ دھوکہ اور فریب میں نہ آئے۔ یہ بہت جلیل اور بلیغ حکمت ہے جو مسلمانوں کے مابین لڑائی جھگڑے کو ختم کر دیتی ہے۔

اقالۃ کی حکمت

بعض اوقات خرید و فروخت کرنے والے دو افراد اتفاق کر لیتے ہیں اور وہ اس امر میں مصلحت دیکھتے ہیں کہ اس عقد کو فسخ کر دیں۔ ان دونوں پر رحم کرتے ہوئے شارع حکیم نے اقالۃ کو مشروع فرمایا ہے جب بائع مشتری کے ساتھ اقالۃ کر لیتا ہے تو گویا کہ وہ اس پر ایک نیکی کرتا ہے جو اس کے اخلاق عالیہ، پاکیزہ فطرتی، سخاوت اور دل کی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ وہ آداب عالیہ اور ذوق سلیم کا مالک ہے۔ اسے آخرت میں رب تعالیٰ سے اجر و ثواب ملے گا۔ اور دنیا میں لوگ اس کا شکر ادا کریں گے۔ حضور ﷺ نے اس کے بارے سچ فرمایا ہے: ''جو شخص اس آدمی کی بیع کو فسخ کرتا ہے جو اپنی بیع پر نادم ہوتا ہے رب تعالیٰ روز حشر اس کی خطائیں معاف فرما دے گا۔''

یہ اس صورت میں ہے جب اقالۃ اصلی ثمن کے ساتھ ہو جب بائع زیادتی کا مطالبہ کرے تو وہ مذکورہ اوصاف سے نکل جائے گا۔ اس پر مذکورہ حدیث پاک اور اس ضمن میں وارد دیگر احادیث طیبہ لاگو نہ ہوں گی۔

مرابحۃ کی حکمت

مرابحہ کو مشروع کرنے میں بہت بڑی حکمت کار فرما ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو رزق پہنچانے میں آسانی رہتی ہے یہ امانت کے ساتھ متصف ہونے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس کی

وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے غافل، جاہل ہوتا ہے یا سادگی کی وجہ سے اسے جان نہیں سکتا وہ اس سامان کی قیمت نہیں جان سکتا جسے وہ دوسرے اس شخص سے خریدنا چاہتا ہے جو ثمن اصلی سے زیادہ قبول کرتا ہے۔ اس کا مقصد نفع ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ اپنی معیشت میں مدد حاصل کرے۔ اسی لیے مرابحہ کو مشروع کیا گیا ہے جب سامان کا مالک اس سامان پر کچھ اخراجات بھی کر دے تو وہ اصل ثمن میں ان اخراجات کا اضافہ کر دے گا۔ وہ یوں کہے گا "یہ مجھے اتنے میں پڑی ہے یا میں اس مال سے تجھ سے اتنا نفع مانگتا ہوں۔" ہر دانا شخص پر اس مرابحہ کا فائدہ مخفی نہیں ہے جو نوع انسان کو ملتا ہے۔

لقیط میں حکمت

اللقیط "لغت میں اللقط" سے فعیل کے وزن پر ہے۔ یہ مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ "الملقوط الملقی" کے معنی میں ہے۔ شرع کے عرف میں اس سے مراد وہ بچہ ہے جو مفقود ہو جائے۔ یا جسے پھینک دیا۔ یا جسے کہیں سے حاصل کیا جائے۔ عاقبت کے اعتبار سے اسے اس نام سے یاد کیا جاتا کیونکہ اس بچے کو پھینکا جاتا ہے پھر اٹھا لیا جاتا ہے کسی چیز کا نام اس کی عاقبت اور انجام کے اعتبار سے رکھنا ایک جائز امر ہے ارشاد ربانی ہے:

اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ (یوسف:۳۶)

ترجمہ: میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔

اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ۞ (الزمر:۳۰)

ترجمہ: بے شک آپ نے بھی دنیا سے انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

پہلی آیت طیبہ میں انگور کو خمر کہا گیا ہے۔ دوسری آیت طیبہ میں مرنے والے کو میت کہا گیا یہ عاقبت اور انجام کے اعتبار سے نام رکھے گئے ہیں۔ اس میں حکمت اس شخص کے لیے ثواب عظیم کی طرف لوٹتی ہے جو وہ بچہ اٹھاتا ہے اور اسے لے لیتا ہے کیونکہ یہ پاکیزہ نفس کو حیات نو عطا کرنا ہے۔ جس نے کوئی گناہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ (المائدۃ:۳۲)

ترجمہ: جس نے بچا لیا کسی جان کو گویا اس نے بچایا تمام لوگوں کو۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے ایک

بچہ اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا:

''یہ آزاد ہے۔ اگر میں اس امر کا والی بنتا ہے جس کا تو بنا ہے تو یہ میرے لیے فلاں فلاں کام سے بہتر ہوتا۔''

انہوں نے بہت سے خیر کے اعمال شمار کر دیے:

ذرا دیکھو کس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لقیط کے بارے ترغیب دی۔ ترغیب میں مبالغہ کرتے ہوئے اسے بہت سے اعمال خیر سے فضیلت دی یہ صرف اس لیے ہے کیونکہ اس میں ثواب عظیم اور اجر جزیل ہے۔

غیر اسلامی حکومتیں لقیط کے بارے خصوصی اہتمام کرتی ہیں۔ انہوں نے ایسے بچوں کے لیے وسیع ادارے بنا رکھے ہیں۔ جب ایسے بچے جوان ہوتے ہیں تو وہ انہیں مختلف کالجز اور یونیورسٹیز میں داخل کراتے ہیں وہ اس کی عمدہ تربیت کرتے ہیں۔ ایسا بچہ ایک پڑھا لکھا اور مؤدب شخص کی صورت میں پروان چڑھتا ہے مستقبل میں اسے خود بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ امت اس سے نفع اٹھاتی ہے اسلامی حکومتوں کی بدرجہ اولیٰ یہ ذمہ داری بنتی ہے جن کا دین حق انہیں حکم دیتا ہے کہ اس لقیط کے ساتھ حسن سلوک کرے تاکہ وہ پڑھ لکھ کر اس معاشرہ کا مفید رکن بن سکے۔

لقطۃ میں حکمت

لقطۃ میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ لقطۃ اٹھانے والے کو اجر عظیم ملتا ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے اسے اس روز ثواب جزیل ملے گا جس روز نہ مال نہ بیٹے فائدہ دے سکیں گے۔ مگر وہ شخص جو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں قلب سلیم لے کر آئے گا۔ رب تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اس پر یہ اضافہ کر لو کہ لوگ ایسے شخص کا شکریہ ادا کریں گے جو اس نے نیکی کی ہے اور اس امانت کی مدت مقررہ تک حفاظت کی ہے لوگ اس پر اس کی تعریف کریں گے۔

لقطۃ کی دو اقسام ہیں:

۱- وہ گرا ہوا مال جس کے مالک کے بارے علم نہ ہو۔

۲- حیوانات مثلاً اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ۔ جب انسان کو لقطہ ملے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کے بارے تشہیر کرے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ایک سال تک اس کی تشہیر کرو۔'' آپ نے یہ اس وقت فرمایا جب آپ نے لقطۃ

کے بارے سوال کیا گیا۔ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی: "میں نے لقطہ پایا ہے آپ اس کے بارے مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: "ایک سال تک اس کی تشہیر کرو۔" یہ مدت لقطہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے۔ اگر وہ ایسی چیز ہے جس کی قیمت دس دراہم یا اس سے زائد ہے تو وہ اس کی تشہیر ایک سال تک کرائے گا۔ اگر اس کی قیمت اس سے کم ہو تو اسی کے مطابق اس کی تشہیر کرائی جائے گی۔ حسن بن زیاد حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "مال کے مطابق تشہیر ہوگی۔ اگر وہ ایک سو (دراہم) کے لگ بھگ ہوں تو ان کی ایک سال تک تشہیر کرو۔ اگر وہ دس ہوں تو ان کی تشہیر ایک ماہ تک کرو۔ اگر وہ تین ہوں تو ان کی تشہیر جمعہ تک کرو۔ یا انہوں نے اس فرمایا۔ اگر وہ ایک درہم ہو تو اس کی تشہیر صرف ایک دن تک کرو۔ اگر وہ پھل یا کسی چیز کا ٹکڑا ہو تو اسے صدقہ کر دے اس تشہیر کی یہ مدت اس وقت مکمل ہوگی جب اس چیز کے خراب ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اتنی مدت تک تشہیر نہیں کی جائے گی۔ وہ شخص اسے صدقہ کر دے گا۔ اگر لقطہ حیوان کی نوع میں سے ہو۔ اور اسے پکڑنے والے شخص نے اس پر خرچہ کیا ہو اگر اس نے یہ خرچہ قاضی کے حکم سے کیا ہو تو وہ اس کے مالک پر قرضہ ہوگا۔ اگر اس شخص نے قاضی کے حکم کے بغیر خرچہ کیا ہو تو رضا کارانہ خدمت ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ کو قاضی تک لے جائے۔ اگر وہ چوپایہ ہو تو اجارہ کے اعتبار سے اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ اسے اجرت پر دے دے اور اس کی اجرت میں سے اس پر خرچہ کرے۔ اگر وہ چیز ان اشیاء میں سے ہو جن سے اجارہ کے اعتبار سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو۔ اسے خدشہ ہو کہ اگر اس نے اس پر خرچہ کیا خرچہ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا وہ اس کو فروخت کر دے۔ اور اپنے پاس قیمت کی حفاظت کرے۔ اس کے لیے روا ہے کہ وہ لقطہ کو حصول خرچہ کے لیے اسی طرح روک لے جس طرح مبیع کو ثمن کے بدلے روکا جاتا ہے۔ اگر وہ خرچہ ادا کرنے سے روک دے تو قاضی اس چیز کو فروخت کر دے اور اس شخص کو اتنی رقم ادا کر دے جتنی اس نے خرچ کی ہو بقیہ احکام فقہ کی کتب میں مذکور ہیں جو مزید جاننے کا خواہاں ہو وہ ان کی طرف رجوع کرے۔

وقف کی حکمت

وقف کی حکمت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے موقوف علیہ کو بہت عظیم نعمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غرباء میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو روزگار سے عاجز ہوتے ہیں۔ یا تو کم عمری کی وجہ سے یا کسی مرض کی وجہ سے ان کے اعضاء کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یا مرض کے علاوہ کسی اور وجہ سے وہ کام نہیں کر سکتے۔ جس طرح وہ خواتین ایسے پیشوں یا صنعتوں پر قدرت نہیں رکھتی جنہیں مرد سر انجام دیتے ہیں۔ یا وہ پردہ نشین عورتیں ہوتی ہیں۔ جنہیں زمانہ نے برباد کر دیا ہوتا ہے یا وہ ان افراد میں سے ہوتے ہیں جنہیں فقر و فاقہ نے دبوچ لیا ہوتا ہے۔ وہ ان افراد میں سے ہوتے ہیں جن کے لیے زکوٰۃ مشروع کی گئی ہے۔ گویا کہ وہ پہلے غنی اور جاہ و منصب کی عزتوں میں تھے پھر انہیں غربت اور تنگدستی کی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب وہ گھٹیا اعمال سرانجام دیتے ہیں تو ان کے نفوس پر ان کی تاثیر ہوتی ہے ان کے جذبات مجروح ہوتے ہیں کیونکہ عزت و جاہ سے فقر و فاقہ کی طرف منتقل ہونا نفوس کے لیے المناک ہوتا ہے ایسے لوگ رحم، شفقت اور مہربانی کرنے کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ اگر ان سے اشیاء کو نہ روکا جائے اور انہیں صدقات دیے جائیں تو وہ فقر کی مشقت سے راحت پالیں گے تنگدستی سے نکل آئیں گے حوادثات زمانہ ان پر سہل ہو جائیں گے اور وقف کرنے والے کے لیے رب دو جہاں کی طرف سے اجر عظیم ملے گا۔ اس روز جب اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ جس روز اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ وہ اس روز خداوند کریم سے اجر عظیم اور نعیم مقیم حاصل کرے گا۔ ان لوگوں کی بھی یہی حالت ہوتی ہے جو مساجد کے لیے وقف کرتے ہیں جو اہل مسلم اور دینی دار العلوم کے وقف کرتے ہیں اس کے اجر و ثواب کے متعلق جو چاہو کہہ لو۔ کوئی حرج نہیں۔

بعض اغنیاء ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے کثیر مال اور وافر دولت عطا کی ہوتی ہے۔ انہیں اولاد کی جانب سے خدشہ ہوتا ہے۔ وہ اس دولت کثیر کو غلط استعمال کر کے برباد کر دیں گے۔ اپنی مصلحتوں پر بھی حریص ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اولاد اور رشتہ داروں کی مصلحت پر بھی حریص ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی اولاد کے بعد چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ ان اشیاء سے انہیں روک دیتے ہیں جب وہ انہیں وقف کرتے ہیں تو ان کی سعادت مکمل ہو جاتی ہے کیونکہ انہوں نے دولت کے مصادر کو ضائع ہونے سے روکا۔ اور ان ہاتھوں کو روک دیا جو اسے فروخت کر کے یا اسے ہبہ کر کے

سے کھیل بنا سکتے تھے۔ اس طرح اس چیز کا نفع لگا تار حاصل ہوتا رہے گا اس کا فائدہ منقطع نہ ہوگا۔ اس طرح وقف کرنے والے کو دو اجر ملیں گے۔

۱۔ اس نے فقر کے وہ رستے بند کر دیے جو اس کی اولاد کی طرف جاتے تھے۔

۲۔ دولت کے مصادر کو اس نے ضائع ہونے سے روک دیا جب تک یہ لیل ونہار کا سلسلہ باقی ہے۔ اس کے لیے اجر منقطع نہ ہوگا۔ حدیث مبارک میں ہے حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اگر چاہو تو اسے روک لو اور اس کی پیداوار صدقہ کر دو۔"

اس کے بارے اور بھی بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی کارفرما ہے کہ وہ شخص جو کریم النفس ہو۔ رقیق القلب ہو۔ کمزوروں پر رحم کرنے والا ہو۔ اس کا دل نور ایمان سے منور ہو۔ وہ ہمیشہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں تک بھلائی پہنچتی رہے جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کی دولت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی جو اسے فروخت کر کے اس میں تصرف کریں گے۔ یہ چیز وارثوں کی ملکیت سے نکل کر کسی دوسرے کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ وہ اس چیز کو روک لیتا ہے اسے دونوں مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں۔ وہ چیز باقی رہتی ہے اس میں تصرف نہیں ہوتا۔ اس میں یہ حکمت بھی کارفرما رہتی ہے کہ اس لوگوں کو بھی مدد ملتی رہتی ہے۔ جن پر اس چیز کو روکا گیا ہے وہ شخص مصلحت اندیشی سے کام لیتا ہے۔ اسے اجر عظیم نصیب ہوتا ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ نے وقف فرمایا۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے غزوۂ احد سے واپس آ کر فقرائ، مساکین، ابن سبیل اور رشتہ داروں کے لیے مدینہ طیبہ میں سات باغ وقف کیے۔ صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وقف کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں میں ایک نخلستان وقف کیا جسے "ثمغ" کہا جاتا تھا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! مجھے نفیس مال ملا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اسے صدقہ کر دوں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "اس کی اصل صدقہ کر دو کہ اسے نہ بیچا جائے۔ نہ ہبہ کیا جائے نہ وراثت میں لیا جائے لیکن اس نے پھل میں تصرف کرو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے فی سبیل اللہ، غلاموں اور مساکین، مہمانوں اور ابن سبیل اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وقف کر دیا۔ جو اس کا ولی بنے اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ بھلائی کے ساتھ اس

میں سے کھائے یا اپنے کسی غریب دوست کو اس میں سے کھلائے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ وقف کر دیا جو مکہ مکرمہ میں تھا۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی مملوکہ چیز فقرائ، مساکین، راہ خدا میں اور قریبی اور دور کے رشتہ داروں کے لیے وقف کر دی انہوں نے فرمایا: ''میں نے رضائے الٰہی کا حصول چاہتا ہوں۔ اس روز جبکہ بعض چہرے سفید اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔ اس چیز کو نہ بیچا جائے۔ نہ ہی ہبہ کیا جائے۔ نہ ہی اس میں وراثت جاری ہو۔'' اس طرح حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، ام المؤمنین ام سلمہ، ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن نے بھی وقف کیا۔ اس طرح ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی وہ زمین وقف کی جو مدینہ طیبہ کے قریب ''غابہ'' کے مقام پر تھی۔ انہوں نے یہ زمین اپنے رشتہ داروں، اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کی۔ اس حیثیت سے نہ اسے فروخت کیا جائے۔ نہ اسے ہبہ کیا جائے نہ ہی اس میں وراثت جاری کی جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں ایک گھر وقف کیا۔ حضرت ابن عمر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر سے جو حصہ ملا اسے غرباء کے لیے وقف کر دیا۔ حضرت زبیر بن عوام نے اپنے گھر اپنے بیٹوں کے لیے وقف کر دیے اس حیثیت سے کہ نہ انہیں فروخت کیا جائے گا۔ نہ انہیں ہبہ کیا جائے گا نہ ہی ان میں وراثت جاری ہوگی۔ ان کی مطلقہ بیٹیوں کو بھی ان گھروں میں رہنے کی اجازت ہوگی۔ نہ انہیں نقصان دیا جائے گا نہ وہ کسی کو نقصان دیں گی۔ اگر اپنے خاوند کی وجہ سے مستغنی ہو جائیں تو انہیں وہاں رہنے کا کوئی حق نہیں۔'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیات طیبات نازل ہوئی:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ (البقرۃ:۲۴۵)

ترجمہ: کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران:۹۲)

ترجمہ: ہرگز تم نہ پا سکو گے کامل نیکی کو جب تو محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی:

فلاں جگہ میرا باغ ہے وہ رب تعالیٰ کے لیے وقف ہے۔ یا رسول اللہ! بخدا! اگر میرے لیے اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہوتا تو میں کبھی بھی اس کا اعلان نہ کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اسے اپنی قوم کے فقراء پر صدقہ کر دو۔''

انہوں نے اسے حضرت ابی بن کعب اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے لیے وقف کر

دیا۔ اس باغ سے مراد نخلستان ہے۔

محمد بن بشیر بن حمید نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ہمارے لیے حضور ﷺ کے صدقہ کی کھجوریں منگوائیں۔ ایک طشت میں کھجوریں لائیں گئیں۔ انہوں نے فرمایا:

''میری طرف ابوبکر بن حزم نے لکھا ہے انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہ کھجوریں باغ ''العذق'' کی ہیں یہ باغ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں موجود تھا۔ حضور ﷺ اس سے کھجوریں تناول فرماتے تھے۔''

میں نے عرض کی:

''امیر المؤمنین! یہ کھجوریں ہم میں تقسیم فرمادیں۔''

انہوں نے یہ تقسیم فرمادیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو نو کھجوریں حصہ میں آئیں۔ حدیث پاک ہے کہ جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں سے اسے فائدہ ملتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) یا ایسا عمل جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا (۳) ایسا صالح بچہ جو اس کے لیے دعا کرے۔

جب وقف میں یہ حکمت کارفرما ہے اس میں یہ عظیم فائدہ ہے۔ ایسے تماشہ بین اللہ رب العزت سے ڈریں جس نے انہیں ساری مراعات بخشی ہیں۔ انہیں مسلمانوں کے اموال کا محافظ بنایا ہے وہ سارے لوگوں سے زیادہ اس دن کے عذاب سے ڈریں جس روز نہ مال فائدہ دے گا نہ بیٹے۔ مگر وہ جو رب تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لے کر آیا۔ یہ بوجھ ان کی گردن پر ہوگا۔ جو اپنے اموال میں عمدہ تصرف نہیں کرتے۔ وہ ان بیوگان کا خیال نہیں رکھتے جو کام کاج کرنے پر قادر نہیں۔ وہ ایسے غریبوں کی طرف توجہ نہیں دیتے جنہیں بھوک مٹانے کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جھکے ہوئے بزرگوں پر ترس نہیں کھاتے زمانے نے جنہیں فناء کر دیا ہے حوادث دھر نے جنہیں برباد کر دیا ہے۔

مختصر یہ کہ وہ انسان جھوٹا نہیں ہوتا جو یہ کہے کہ جس نے کسی کی محفوظ چیز پر کسی کی عمدہ چیز پر شرعی حق کے بغیر ہاتھ ڈالا اس نے بہت بڑا گناہ کیا۔ اس کا کام سارے ڈاکوؤں اور چوروں کے کاموں سے شنیع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چور حیلہ کرتا ہے۔ دوسروں سے سامان چھین لیتا ہے۔ یہ حیلہ نہیں کرتا بلکہ وہ چیز سلب کرتا ہے جس پر اسے امین بنایا جاتا ہے۔ چور کو غالباً اس چیز کی ضرورت

ہوتی ہے اور وہ زندوں سے وہ چیز چھینتا ہے جبکہ یہ ایسا بدنصیب ہے زندوں اور مردوں کے حقوق پر ڈاکے مارتا ہے۔ چور وہاں چوری کرتا ہے جہاں اسے مال و دولت کا گمان ہوتا ہے جبکہ یہ مساکین، کمزوروں، بیوگان اور یتیموں کے حقوق سلب کرتا ہے۔ وہ ان امور کی قطع رحمی کرتا ہے جن کے بارے رب تعالیٰ نے صلہ رحمی کا حکم فرمایا ہے۔ ان غافل لوگوں کا گناہ کتنا بڑا ہے جب وہ خیانت کرتے ہیں لیکن اس شخص کا اجر بھی کتنا عظیم ہوگا۔ جب اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم کو راضی کر لیا ان لوگوں کو راضی کر لیا جنہوں نے رب تعالیٰ کی رضا اور نوع انسان کی خدمت کرنے کے لیے کوئی چیز وقف کی۔

وقف کا نظام

ہمارے شیخ، صاحب الفضیلۃ، الاستاذ، امام محمد بخیت المطیعی، سابق مفتی دیار مصر نے بعض ان وزراء کا رد کرتے ہوئے جو بات کہی ہے وہ کتنی قیمتی ہے جنہوں نے گزشتہ زمانہ میں وزارت اوقاف کا عہدہ سنبھال رکھا تھا۔ صاحب الفضیلۃ نے فرمایا: ”میں نے ایک رسالۃ میں وہ تقریر پڑھی ہے جو حضرت صاحب السیادہ محمد علی پاشا وزیر اوقاف نے اپیل کورٹ کے بہت بڑے ہال میں کی تھی۔ ان کا یہ موضوع تھا:

”ھل الوقف من الدین، آثار الاوقاف الاھلیۃ فی المصلحۃ العامۃ، اسباب الوقف۔“

کیونکہ یہ تقریر مختلف امور پر مشتمل ہے۔ علماء اسلام کا اجتماعی نقطۂ نظر اس کے برعکس ہے۔ میں نے اسے اپنا فرض سمجھا کہ اس امر کو درستگی کی طرف لوٹا دوں۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح ان بیمار عقول میں پیدا ہونے والا غلط تاثر زائل ہو سکے گا۔ وہ علیل عقل جو ارادہ کرتے ہیں کہ جدید اور عصر حاضر کے مقتضیات کو اس طرح ذہن نشین کرائیں کہ وہ ہر قدیم چیز کو ختم کر دیتے ہیں۔ وہ دین سے دوری ہے اور ماضی کا حال سے تعلق منقطع کر دینا ہے۔ مندرجہ ذیل چند امور ان کی تقریر کا خلاصہ ہیں۔

۱۔ ان کا دعویٰ ہے وقف کی یہ دونوں انواع اسلام میں کتاب اللہ کی نص سے ثابت نہیں ہیں۔

۲۔ وقف اور دین میں آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔

۳۔ انہوں نے اس پر وقف کے جواز اور لزوم کے بارے آئمہ کے اختلاف سے استدلال کیا ہے۔

۴- انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف سے رجوع کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔

۵- امام ابو یوسف ابد اور ہمیشگی کی شرط نہیں لگاتے۔

۶- وقف اھلی میں صدقہ یا قرابت کا کوئی اثر نہیں۔

۷- انہوں نے والیان امر سے یہ التجاء کی ہے کہ وہ ان اوقاف میں غور وفکر کریں کہ یہ ایک سول نظام ہے۔ اس کے احکام میں تغیر و تبدل کریں۔ انہوں نے بطور دلیل کہا ہے کہ بعض بادشاہوں کے اوقاف کو حلال کر دیا تھا۔

۸- انہوں نے اوقاف کے حلال کے مباح ہونے کے لیے مالی اعتماد نہ ہونے سے استدلال کیا ہے۔

۹- انہوں نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جب مستحقین بہت زیادہ ہو جائیں تو استحقاق کمزور پڑ جاتے ہیں۔

۱۰- انہوں نے یہ بھی دلیل دی ہے کہ بعض اوقات نگران کا دامن بھی پاک نہیں ہوتا۔

۱۱- انہوں نے کہا ہے کہ یہ وقف وصیت اور وراثت کے احکام کے ساتھ بغاوت ہے۔

اب ہم ان کے سارے ان دعوؤں کا رد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

ان کے پہلے دعویٰ کا جواب یہ ہے کہ اوقاف کے بارے قرآن مجید، سنت مطہرہ، اجماع اور قیاس سے بہت سے دلائل دیے جا سکتے ہیں۔ کتابِ الٰہی میں سے اس کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران: ۹۲)

ترجمہ: تم ہرگز نہ پاسکو گے کامل نیکی کا (رتبہ) جب تک خرچ نہ کر (راہ خدا میں) ان چیزوں میں سے جو تم عزیز رکھتے ہو۔

اس آیت طیبہ کا سبب اگرچہ خاص ہے مگر اس کا لفظ عام ہے لفظ کی عمومیت کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ سبب کی خصوصیت کا۔ وقف دیگر صدقات کی طرح ایک صدقہ ہے جس کے ذریعہ بندہ رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہ نیکی کی ایک قسم ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک باب باندھا ہے:

باب: اذا وقف ارضا ولم يبين الحدود فهو جائز۔

انہوں نے اس باب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث پاک تحریر کی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے سارے انصار سے امیر تھے۔ ان کا پسندیدہ مال وہ باغ تھا جو برحاء کے مقام پر مسجد نبوی کے سامنے تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے تھے اور اس کا پانی نوش جاں کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب یہ آیت طیبہ:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران: ۹۲)

نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے عرض کی: ''یا رسول اللہ! رب تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے: برحاء کا باغ مجھے سارے اموال سے پیارا ہے۔ میں اسے صدقہ کرتا ہوں۔ میں اس کے لیے رب تعالیٰ کے دربار سے اجر وثواب کا متمنی ہوں۔ آپ اسے جہاں چاہیں صرف فرما دیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ! وہ مال تو بہت فائدہ بخش ہے۔ جو کچھ تم نے کہا ہے میں نے اسے سن لیا ہے میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرو۔'' حضرت ابوطلحہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسی طرح کرتا ہوں۔'' حضرت ابوطلحہ نے یہ باغ اپنے رشتہ داروں اور مجاہدوں میں تقسیم کر دیا اس حدیث مبارک سے سارے فقہاء نے وقف کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اسی لیے الکمال وغیرہ نے فتح وغیرہ میں لکھا ہے کہ وقف کا سبب یہ ہے دنیا میں نفس کی پسندیدہ چیز کو اعزہ واقارب کے ساتھ نیکی کرتے ہوئے وقف کر دینا۔ آخرت میں رب تعالیٰ کے قریب کا متمنی ہونا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے محبوب اولاد اور زندہ اور مردہ ضرورت مند فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ کیونکہ اس میں عمل صالح کی مداومت ہے جیسا کہ حدیث پاک ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال کے۔ ان میں سے ایک صدقہ جاریہ بھی ہے۔''

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (الذاریات: ۱۹)

ان کے اموال میں حق ہے سائل کے لیے اور محروم کے لیے۔

یہ آیت طیبہ بھی وقف پر مشتمل ہے۔ اسی لیے بعض روایات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وقف کے بارے بھی تذکرہ ہے کہ جو پھل ان سے بچ جاتا وہ سائل اور محروم کے لیے ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وقف کرنے والا جب اپنے وقف میں یہ شرط لگا دے کہ اس وقف میں سائل اور محروم کے لیے بھی کچھ حصہ ہوگا جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی تو اس وقف میں انہیں

بھی حصہ ملے گا۔ اس حق سے وقف خالی نہ رہے گا۔ خواہ وہ مال ہو کیونکہ ہر وقف کا مال فقراء اور محتاجوں کے لیے ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو عمل کیا تھا اس سے وقف سنت مطہرہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ مجھے ایسی زمین ملی ہے جس سے عمدہ مال مجھے آج تک نہیں ملا۔ آپ مجھے اس کے بارے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو اس کی اصل روک لو اور اس کی پیداوار صدقہ کر دو۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو اس شرط پر صدقہ کر دیا کہ اس کی اصل کو نہ فروخت کیا جائے گا نہ اسے ہبہ کیا جائے گا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔ یہ فقرائ، قریبی رشتہ داروں فی سبیل اللہ غلاموں، مہمانوں اور مسافروں کے لیے وقف ہوگا۔ جو اس کی سرپرستی کرے اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس سے بھلائی کے ساتھ کھائے یا کسی غریب دوست کو کھلائے۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف کا نوشتہ لکھوایا۔ اسے حضرت معیقیب نے لکھا۔ حضرت عبداللہ بن الارقم نے اس کی گواہی دی۔ یہ نوشتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لکھا گیا۔ کیونکہ معیقیب ان کے دور خلافت میں لکھتے تھے انہوں نے انہیں امیر المومنین کے وصف سے لکھا۔ انہوں نے یہ زمین حضور اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں میں وقف کی۔ جس طرح کہ مذکور حدیث اس امر کی گواہی دے رہی ہے۔

امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''ہمیں سلمان بن داؤد مہری نے۔'' انہوں نے فرمایا: مجھے ابن وہب نے، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے یحییٰ بن سعید سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صدقہ کے بارے بتایا: عبدالحمید بن عبداللہ بن عبداللہ بن خطاب نے اسے لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندے عمر نے ''ثمغ'' کے بارے لکھا ہے۔'' پھر انہوں نے حضرت نافع کی روایت کی طرح روایت نقل کی ہے، انہوں نے فرمایا: ''یہ مال سرمایہ کاری کے لیے نہیں جو مال ضرورت سے زائد ہوگا وہ سائل اور محروم کے لیے ہوگا۔ انہوں نے یہ روایت آگے بڑھائی۔ فرمایا: ''اگر ثمغ کا سرپرست چاہے تو اس کے پھل سے غلام خرید سکتا ہے تاکہ وہ اس کے لیے اس زمین میں کام کرے۔'' یہ تحریر معیقیب نے لکھی اور حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو اس کا

گواہ مقرر کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ معاملہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے بندے (حضرت) عمر (فاروق) نے وصیت کی ہے اگر امیر المؤمنین کو کسی حادثہ کا سامنا کرنا پڑ گیا تو ثمغ، حرمۃ بن الاکوع، وہ غلام جو اس میں موجود ہے۔ وہ سو حصے جو خیبر میں ہیں۔ وہ غلام جو اس میں موجود ہیں وہ ایک سو حصے جو حضور ﷺ نے انہیں عطا فرمائے تھے۔ جو وادی میں ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان کی سرپرست ہوں گی۔ ان کے وصال کے بعد ان کے اہل خانہ کے دانا آدمی اس کے سرپرست ہوں گے۔ اس کو نہ فروخت کیا جائے گا۔ نہ اس کے مال سے کچھ خریدا جائے گا جبکہ اسے کوئی سائل، محروم، قریبی رشتہ دار نظر آئیں۔ اس کے سرپرست کے لیے جائز ہے کہ وہ خود اس سے کھالے۔ کسی دوسرے کو کھلائے۔ اس سے غلام خرید لے۔

اس روایت کی شرح میں لکھا گیا ہے: ''اس روایت میں ''**ھذا ما کتب**'' سے مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پہلا خط ہے جبکہ ''ھذا ما اوصی'' سے ان کا صدقہ کے بارے دوسرا خط مراد ہے۔ **حَدَثَ بِہٖ حَدَثٌ** سے مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال کر جانا ہے۔

اس تفصیل سے تقریر کرنے والے کا یہ مؤقف باطل ہو گیا کہ وقف کی دونوں اقسام اسلام میں نص سے ثابت نہیں۔ کیونکہ تم نے جان لیا ہے کہ یہ کتاب حکیم اور حضور ﷺ کی سنت مطہرہ میں معروف ہیں۔ اس سے یہ بھی عیاں ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں اپنی وقف کی گئی زمین کے خود سرپرست بنے۔ ان کے بعد ان کی لخت جگر حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا اس کی سرپرست بن گئیں۔

۲۔ مقرر نے یہ بھی کہا ہے کہ وقف اور دین کے مابین کوئی تعلق نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ ہم بیان کر دیں کہ دین کیا ہے حتیٰ کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ کون سی چیز دین میں سے ہے اور کون سی چیز اس سے نہیں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۟ (آل عمران:۱۹)

ترجمہ: بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اسلام شریعت مطہرہ ہے۔ شریعت سے مراد وہ امور ہیں جنہیں اللہ رب العزت

عقائد، عبادات، معاملات، عقوبات، حدود، فیصلوں، گواہیوں، وراثت کے احکام، مکارم اخلاق کے حصول کے لیے جدوجہد، رذیل اخلاق سے اجتناب کرنے کے لیے سعی وغیرہ وہ امور مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی مکرم ﷺ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے تاکہ وہ رب تعالیٰ کا عرفان حاصل کرسکیں اور اس کا اعتقاد رکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر شریعت مطہرہ وحی فرمائی قرآن کے الفاظ اور معانی وحی فرمائے جبکہ احادیث مطہرہ کا صرف معنی وحی فرمایا ہے ارشاد فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ (النجم: ۳، ۴)

ترجمہ: اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ (الحشر: ۷)

ترجمہ: اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ۔

اسی طرح شریعت مطہرۃ میں وہ امور بھی شامل ہیں امر اور نہی میں سے مسلمان جس پر اجماع کرلیں اسی طرح مامورات اور منہیات میں سے جو امور ان سے نکلیں۔ اس پر بہت سے دلائل ہیں جن کے تذکرہ کا یہ مقام نہیں۔

قرآن مجید اللہ رب العزت کا سیاسی اور شرعی قانون ہے جسے اس نے حضور اکرم ﷺ کی زبان اقدس سے فرض فرمایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی سنتِ مطہرہ بھی کتابِ الٰہی کے ساتھ معلق ہے اسی لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔ ہر جدید چیز کے شیدائی کو سمجھانے کے لیے ہم کہتے ہیں: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ سیاسی قانون جسے کسی انسان کے وضع کیا ہو اس میں یہ درج ہو کہ فلاں وزیر کے لیے روا ہے کہ وہ اس قانون کے نفاذ کا لائحہ عمل تیار کرے۔ وہ لائحہ عمل جو وہ وزیر تیار کرے گا وہ اس قانون کے ساتھ ملحق ہوگا۔ اس کی اطاعت اسی طرح ضروری ہوگی جس طرح اس قانون پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اسی طرح جب اس وزیر کو اقتدار سونپ دیا جائے اور وہ یہ منصب کسی اور کو دے دے یہ شخص اس قانون کے تقاضا کے مطابق کوئی اور قانون وضع کرلے تو اس کا حکم بھی واجب الاطاعۃ ہوگا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے قرآن پاک کے الفاظ اور معانی حضور ﷺ پر وحی فرمائے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ ۔ (الحشر: ۷)

ترجمہ: اور جو رسول (کریم) تمہیں عطا فرماویں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۝ (النجم:۳)

ترجمہ: اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

مالک الملک نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(النساء:۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کر (اپنے ذیشان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں۔

یہی دین اسلام، ملۃ اسلام اور شریعت اسلام ہے۔ اسے دین اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ ہر مسلمان اس کے لیے جھکتا ہے۔ اس کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اسے ملت اس لے کہا جاتا ہے کیونکہ اسے لوگوں کو لکھوایا جاتا ہے۔ اسے شریعت اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کی زبان اقدس سے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے ان تمام کا معنی ایک ہی ہے اس سے مراد وہ امر ہے جس پر قرآن مجید اور سنت مطہرہ مشتمل ہیں امر اور نہی میں سے جس پر مسلمان اجماع کرلیں اور مامورات اور منہیات میں سے جو امور ان سے نکلیں۔ اسی لیے محمد بن حسن نے کہا ہے۔ علم چار امور پر مشتمل ہے:

۱- جو امر کتاب الٰہی پر مشتمل ہو۔

۲- جو امر حضور ﷺ کی سنت مطہرہ پر مشتمل ہو۔

۳- جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہو۔

۴- جسے مسلمانوں کے عام فقہاء مستحسن سمجھیں۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات آشکارہ ہوتی ہے کہ وقف کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ مقرر کی مذکورہ بالا تقریر سے اتفاق ممکن نہیں ہے کہ وقف اور دین میں کوئی نسبت نہیں بلکہ وقف ان افضل اعمال میں سے ایک عمل ہے جو مکارم اخلاق پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ اس میں نیکی اور ایسا نفع ہے جو نسلوں تک منقطع نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ یہ معاملات کی اس قسم سے نہیں نکلتا جن کے

احکام شارع نے مشروع فرمائے ہیں۔ جن کی حلت و حرمت اور صحت و فساد کے قوانین بیان کر دیے ہیں۔ جب تمہیں یہ علم نصیب ہو گیا ہے تو ذرا اس مقرر کے ان الفاظ کے بارے فیصلہ تو کرو "آج کل ہم اپنے خانگی قوانین کے لیے کیسے جائز سمجھتے ہیں کہ وہ بیع کے متعلقہ امور میں فیصلہ کریں یہ امور کتاب الٰہی میں مذکور ہیں۔ ہم ان کے معاملات کو ایک شائستہ فعل کی حیثیت سے سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے پابندیاں بناتے ہیں۔ زمانہ کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق ان میں ردوبدل کرتے ہیں پھر ہم غور و فکر کی آزادی کو سلب کر لیتے ہیں کہ وہ اوقاف اور اس کے طریقہ پر غور و فکر کریں۔ وقف کا تعلق دین اسلام کے ساتھ ذرا بھر بھی نہیں بلکہ یہ تو دین اسلام میں بیع سے دور ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ: حلال فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجارت اور حرام کیا سود کو۔

تم نے مقرر کی عبارت ملاحظہ کر لی ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ سول اعمال کو کہہ دے کہ ان کا تعلق دین اور اسلامی شریعت کے ساتھ نہیں حالانکہ وہ کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہیں۔ یہ عقیدہ تو ان ملحدوں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ دین صرف روحانی ہے یہ رب تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین تعلق ہے یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ ان کا عقیدہ تو وہ ہے جسے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ نے بیان کیا ہے۔ دین، شریعت اور ملت ان امور سے عبارت ہے جو قرآن و سنت پر مشتمل ہیں۔ یہ ان امور پر مشتمل ہیں ان سے اجماع اور صحیح قیاس سے اخذ ہوتے ہیں۔ جو ان کا انکار کرتا ہے وہ بلاشبہ اسلام کے احکام سے خارج ہے۔ میں یہ تقریر کرنے والے کو اس امر سے دور رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ اگر اس کے قول کو لازم قرار دیا جائے تو یہ صحیح مذہب کے مطابق درست موقف نہیں ہے۔ اس سے بھی تعجب خیز اس مقرر کا یہ بیان ہے کہ وقف کے امور میں خانگی قوانین فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے احکام میں تغیر و تبدل کی بھی اجازت ہے جس طرح کہ بیع کے امور میں ردوبدل کی اجازت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وقف دین میں بیع سے بھی بہت دور ہے۔

گویا کہ مقرر کا گمان یہ ہے کہ بیع کے بعض ان امور میں علماء کا سکوت جو خانگی قوانین میں نافذ ہیں لیکن وہ اس قانون شرعی کے مخالف ہیں جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہیں ان کے لیے جواز کا دروازہ کھولتا ہے۔ اور ان کا اس پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔ نہ ہی وہ رب تعالیٰ کے ہاں اور لوگوں کے سامنے اس کے جوابدہ ہوں گے۔ پھر بعد میں مقرر کا ارادہ ہے کہ وہ اوقاف کو بیع کے

امور پر قیاس کرے۔ اس دعویٰ کے ساتھ کہ اوقاف دین میں بیع سے دور ہے.......... لیکن اسے یہ علم نہیں کہ بیع کے احکام بھی دین حق میں سے ہیں۔ معاملات کے متعلق بھی شریعت مطہرہ نے جائز قرار نہیں دیا کہ دین حق کے خلاف قوانین وضع کر لیے جائیں۔ اسی طرح بیع وغیرہ اور وقف میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے یہ اس کا تعلق معاملات کے ساتھ ساتھ عبادات کے ساتھ بھی ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالیٰ اور بندے کے حقوق کے مابین مشترک ہے۔ اس حیثیت سے ان دونوں کے مابین کوئی مناسبت نہیں۔ اگرچہ اس اعتبار سے ان میں مناسبت ہے کہ یہ دونوں ملکیت سے نکل جاتے ہیں لیکن بیع میں چیز ایک شخص کی ملکیت سے نکل کر دوسرے شخص کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ جس کے پاس وہ چیز جاتی ہے اس کے لیے جائز ہوتا ہے کہ وہ اسے آگے فروخت کرے۔ اسے ہبہ کرے، یا اس میں وراثت جاری ہو۔ لیکن وقف کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے یہ یا تو رب تعالیٰ کی ملکیت پر چیز کو روک لیا جاتا ہے۔ اس کی خرید وفروخت درست نہیں ہوتی۔ نہ ہی اسے آگے ہبہ کرنا درست ہوتا ہے یا اسے وقف کرنے والے کی ملکیت سمجھتے ہوئے اسے روک لیا جاتا ہے اور اس سے رجوع کرنا جائز ہوتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔ اس کے مطابق اس چیز کی خرید وفروخت یا اسے ہبہ کرنا یا اس میں وراثت جاری کرنا جائز نہیں مگر جبکہ وقف کرنے والا وقف سے رجوع کرلے جب تک وقف کرنے والا یا اس کا وارث وقف سے رجوع نہ کرے تو اس وقت تک اس کی پیداوار کو صدقہ کرنا اس چیز کو اس طرح باقی رکھنا ضروری ہے جس طرح وقف کرنے والے کا ارادہ ہو یا وقف کرنے والے نے شرط لگائی ہو شرعی طور پر حاکم یا کسی دوسرے شخص کے لیے بھی روا نہیں جو واقف یا وارث نہ ہو کہ وہ وقف کو باطل کردے۔ نہ ہی وہ اسے ان شروط اور مصارف سے نکال سکتا ہے۔ جو واقف نے متعین کیں ہوں۔ خانگی قانون وقف کے بارے جو فیصلہ کرتا ہے یا جس طرح اس میں غور وفکر کرتا ہے۔ وہ شریعت مطہرۃ کے موافق نہیں حالانکہ اگر وہ قیود جو اس قانون نے بیع اور اس کے احکام کے تغیر وتبدل کے بارے وضع کیں ہیں وہ شریعت کے موافق ہیں۔ اس کے مخالف نہیں البتہ سود وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہے لیکن وقف کو سود پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔

وقف کے صحیح ہونے اور اس کے لازم ہونے کے بارے آئمہ کی آراء

علامہ عینی نے "العمدۃ" میں الکمال نے "الفتح" وغیرہ میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ

وقف کی صحت پر اجماع ہے صرف اس کے لزوم کے بارے اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''یہ کسی چیز کو اس طرح روک لینا ہے کہ اس پر ملکیت وقف کرنے والے کی ہی ہوگی۔ جبکہ اس چیز کی منفعت کو صدقہ کیا جائے گا۔ یہ عاریۃ کے قائم مقام ہے۔ انہوں نے اسے عاریۃ کے قائم مقام اس لیے کہا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں عاریۃ نہیں کیونکہ واقف اسے کسی دوسرے کے سپرد نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ یہ عاریۃ نہیں ہے اگر وہ یہ کسی اور کے سپرد کر دے تو وہ اس کا سرپرست ہوگا۔ وہ اس کی منفعت کے لیے وصول کنندہ نہیں ہوگا۔ امام صاحب کی مراد یہ ہے یہ عاریۃ کی طرح صحیح تو ہے۔ لیکن یہ لازم نہیں جبکہ امام ابو یوسف، امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول یہ ہے یہ رب تعالیٰ کی ملکیت سمجھتے ہوئے کسی چیز کو روک لینا ہے۔ اس چیز سے وقف کرنے والے کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ چیز صرف رب تعالیٰ کی ملکیت میں سمجھی جائے گی۔ وقف لازم ہو جائے گا وقف کرنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے فروخت کر کے یا ہبہ کر کے یا دوسرے ایسے تصرفات کرے جو ملکیت کو منتقل کر دیں۔ امام شافعی اور امام احمد کا مؤقف بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف یہ ہے کہ واقف کی ملکیت برقرار رکھتے ہوئے کسی چیز کو روک لینا لیکن اس چیز کو نہ تو فروخت کیا جائے گا۔ نہ ہی ہبہ کیا جائے گا نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی۔ بعض شوافع نے لکھا ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا یہ آخری قول ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی اصل روک لو اور اس کی پیداوار فی سبیل اللہ صدقہ کرو۔'' مذکورہ بالا تمام اقوال کے مطابق وقف درست ہے بالاجماع جائز ہے اختلاف صرف اس کے لازم ہونے یا نہ ہونے کے بارے ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: ''یہ صحیح ہے مگر لازم نہ ہوگا۔'' جبکہ جمہور علماء فرماتے ہیں یہ صحیح لازم ہے۔ امام صاحب جو عدم لزوم کا قول کرتے ہیں وہ بھی فرماتے ہیں: ''وقف سے رجوع کرنا صرف وقف کرنے والے یا اس کے وارث کے لیے جائز ہے۔ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ وہ وقف کے جواز سے تعرض کرے۔ یا اسے باطل قرار دے یا اس کو واقف کے ارادہ سے نکال دے جو بھی یہ امور بجا لائے گا وہ گناہ گار ہوگا۔ وہ اپنے فعل میں لغزش کرنے والا ہوگا شرعی طور پر اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ رب تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے جو اسے اس روز اس فعل کی سزا دے گا جس دن نہ مال فائدہ دے گا نہ ہی بیٹے۔

بعض اوقات یہ خیال آتا ہے جب وقف کردہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی تو وہ سائبہ بن جائے گی۔ وہ چیز کسی کی ملکیت میں نہ رہے گی۔ اسلام میں سائبہ نہیں ہے۔ اس کے

بارے ہم کہتے ہیں: ''تمام اشیاء میں اصل تو یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ ان میں کسی دوسرے کی کوئی ملکیت نہیں۔ لیکن رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے فرمایا:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ:۲۹)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔

اس نے ہمیں اذن دیا ہے کہ ہم اموال کے مالک بن جائیں۔ ہر انسان اس ملکیت کے ساتھ ممتاز ہو جاتا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہوتی ہے ہر ایک انسان کے لیے حرام ہے کہ وہ کسی دوسرے کی ملکیت میں تعرض کرے۔ مال میں سے جو بھی کسی کا مالک بنا اس کے لیے روا ہے۔ وہ اس میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ تصرف سے روکنا جائز نہیں۔ مگر ان اسباب کی وجہ سے جو دین متین میں معروف ہیں۔ جب واقف کے وہ چیز وقف کر دی جس کا وہ مالک تھا شریعت مطہرہ نے جسے وقف کرنا جائز قرار دیا ہے تو اس کی اس چیز پر ملکیت ختم ہو گئی وہ چیز خالص رب تعالیٰ کی ملکیت میں چلی گئی۔ جیسے کہ وہ پہلے تھی وہ اس بندے کی ملکیت سے نکل کر کسی دوسرے بندے کی ملکیت میں نہیں گئی وہ رب تعالیٰ کی ملکیت میں چلی گئی کیونکہ واقف کے مالک بننے سے پہلے بھی وہ چیز اس کی ملکیت میں تھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا مالک بننے کے بعد بھی وہ اس ذات والا کی ملکیت میں ہی رہی۔ رب تعالیٰ کی ملکیت زائل نہیں ہوتی بلکہ وقف کرنے والے کی ملکیت زائل ہوتی ہے۔ اس ساری تفصیلات سے عیاں ہوتا ہے کہ وقف بالاجماع صحیح ہے اور مقرر کے دعووں میں تیسرا دعویٰ باطل ثابت کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وقف کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے اس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے اسی سے استدلال کیا تھا۔

وقف کی صحت کے لیے قیاس سے دلیل

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تمام آئمہ کرام نے اپنے اپنے مؤقف کے اختلاف کے باوجود وقف کی صحت پر قیاس سے استدلال کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ جنہوں نے یہ کیا ہے کہ وقف غیر لازم ہے انہوں نے اسے عاریۃ پر قیاس کرتے ہوئے استدلال کیا ہے اس حیثیت سے کہ معار معیر کی ملکیت میں باقی رہے گا۔ مستعیر کے لیے منفعت ہوگی۔

جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ وقف لازم ہو جاتا ہے۔ مثلاً صاحبین، امام شافعی اور امام احمد، انہوں نے کہا ہے کہ رب تعالیٰ کی ملکیت پر اس چیز کو روک دیا جائے گا اس طرح کہ واقف کی

ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی۔ انہوں نے اس کو مسجد اور عتاق وغیرہ پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے بلاشبہ اس امر پر اجماع ہے کہ جس شخص نے مسجد وقف کی یا قیام گاہ وقف کی یا غلام آزاد کیا تو وہ چیز اس کی ملکیت سے نکل جائے گی۔ وہ خالصتہً رب تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جائے گی۔ اسے نہ فروخت کیا جائے گا وہ چیز نہ ہبہ کی جائے گی۔ نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی۔ جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ اسے واقف کی ملکیت برقرار رکھتے ہوئے روکا جائے گا لیکن واقف کو اس چیز کی خرید و فروخت اور ہبہ سے روک دیا جائے گا۔ اس میں وراثت بھی جاری نہ ہوگی انہوں نے اسے ام ولد اور اس مدبرہ پر قیاس کیا ہے جسے تدبیر مطلق کے بعد مدبرہ بنایا گیا ہو۔ ان ہر دو میں آقا کی ملکیت باقی رہتی ہے۔ اسی طرح اس کے لیے روا ہوتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ وطی کرے یا ان سے لطف اندوز ہو لیکن وہ انہیں نہ فروخت کر سکتا ہے نہ ہبہ کر سکتا ہے نہ ہی ان میں وراثت جاری ہو سکتی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد وغیرہ اور اس چیز میں فرق کیا ہے جسے اولاد کے لیے وقف کیا جائے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے مسجد وغیرہ کو صرف رب تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے وقف کیا جاتا ہے۔ اس میں بندوں کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی وہ صرف اس میں عبادت کرتے ہیں۔ جس چیز کی کیفیت اس طرح ہوتی ہے وہ ساری مخلوق کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ وہ اس چیز کو کعبۂ مقدسہ پر قیاس کرتے ہیں لیکن مسجد وغیرہ کے علاوہ دیگر چیزوں کا وقف کی کیفیت اس طرح نہیں ہوتی۔ بلکہ لوگ بعینہٖ اس چیز سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً کھیتی اور مکان وغیرہ۔ جس طرح کہ دیگر مملوک چیزوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ جو چیز اس طرح ہو وہ مسجد کی طرح نہیں ہوتی حتیٰ کہ اسے کعبہ معظّمہ پر قیاس کیا جائے۔ جس طرح کہ مسجد کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ فیصلہ کہ اس سے حاصل ہونے والی چیز (پیداوار) واقف کی طرف سے ہمیشہ صدقہ ہوگی۔ یہ بھی امر کا تقاضا کرتا ہے کہ واقف کی ملکیت دائمی ہو کیونکہ ملکیت کے بغیر چیز صدقہ ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ بھی ملکیت برقرار رکھنے کا تقاضا کرتی ہے۔ ملکیت کے قیام کے لوازمات میں سے ہے کہ وقف لازم نہ ہو لیکن دیگر آئمہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس طرح کہتے ہوئے رد کیا ہے کہ امام صاحب نے جو فرق کیا ہے یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ مسجد کے علاوہ دیگر وصف شدہ اشیاء سے بندوں کا فائدہ اٹھانا۔ وہ نیکی اور صدقہ کے اعتبار سے اس کی پیداوار اور غلبہ سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے کیونکہ وقف کا مقصود یہی ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ واقف کی طرف سے دائمی صدقہ ہوتا ہے۔ اگر صدقہ کا دوام واقف کی ملکیت کے دوام کا تقاضا کرے تو ملکیت کے انقطاع کی وجہ سے صدقہ بھی

منقطع ہو جائے گا۔ واقف کے مرنے سے ملکیت منقطع ہو جاتی ہے اگر صدقہ بھی منقطع ہو جائے تو یہ دائمی نہ رہے گا۔ لیکن احادیث صحیحہ اس کے خلاف کا تقاضا کرتی ہیں۔ اسی لیے ''الکمال'' نے کہا ہے کہ ہر حال میں وقف کو مسجد، عتق، اِم ولد اور تدبیر مطلق سے مدبرہ پر قیاس کرنا درست ہے خواہ ہم کہیں کہ اس چیز پر رب تعالیٰ کی ملکیت سمجھتے ہوئے اسے روکا گیا ہے کہ اسے نہ فروخت کیا جائے گا نہ ہی ہبہ ہو سکے گی۔ نہ اس میں وراثت جاری ہو گی۔ یا اسے واقف کی ملکیت پر برقرار رکھتے ہوئے روکا گیا ہے کہ اسے نہ فروخت کیا جائے گا۔ نہ ہبہ کیا جائے گا نہ اس میں وراثت جاری ہو گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ملکیت سے عدم خروج کو وقف کے عدم لزوم کو ملزوم بنانا کہ ملکیت نہ ہو تو صدقہ درست نہیں صحیح نہیں۔ بلکہ یہ وقف بھی درست ہے اور اس کا صدقہ کرنا بھی درست ہے جیسا کہ الکمال نے کہا ہے حق بات وہی ہے جسے جمہور نے کہا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۃ النساء کے نزول کے بعد سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبس سے منع فرما دیا تھا۔'' اس حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اس روایت کو عبد اللہ بن لہیعہ نے اپنے بھائی سے روایت کیا ہے آئمہ احادیث نے ان دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے یہ روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے حبس نہیں ہے مگر وہ چیز ہتھیار یا گھوڑے ہوں۔'' الکمال نے لکھا ہے کہ اس موقوف روایت کا حکم مرفوع ہے۔ کیونکہ انہیں وقف کے ثبوت کے بعد اس کا علم ہوا۔ اسی لیے انہوں نے اسلحہ اور گھوڑوں کو مستثنیٰ قرار دیا۔ ایسی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہی جا سکتی ہے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت شریح سے مروی ہے انہوں نے کہا ہے: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوس کی بیع کے لیے تشریف لائے۔'' اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے بیوع میں ذکر کیا ہے۔ اسے امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے الکمال نے کہا ہے: ''شریح بہت بڑے تابعی ہیں۔ انہوں نے حدیث بیان کی ہے یہ مرسل روایت ہے۔ اس سے وہ استدلال کر سکتا ہے جو مرسل روایات سے استدلال کرتا ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مرسل روایات سے استدلال فرماتے تھے جیسا کہ اصول فقہ اور اس کی فروع میں یہ تفصیل مرقوم ہے۔

لیکن جمہور علماء کرام نے فرمایا ہے کہ واقف سے جب وقف کا صدور ہوتا ہے جبکہ وہ

درست ہو عاقل و بالغ ہو۔ اپنے مال میں کامل تصرف رکھتا ہو۔ جس چیز کو وہ وقف کر رہا ہو وہ اس کا مالک ہو تو یہ جائز ہے اور لازم ہو جاتا ہے جس طرح کہ اس کے لیے بالا جماع جائز ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ چاہے تو اسے بیچ دے۔ اسے ہبہ یا صدقہ کرے اس کے لیے روا ہے کہ وہ اپنی ساری مملوکہ اشیاء جسے چاہے فروخت کر دے جسے چاہے اسے ہبہ کر دے۔ جس کے چاہے سپرد کر دے۔ وہ اسے صدقہ کر دے۔ فقراء میں سے جس فقیر کے چاہے اس کے حوالے کر دے۔ جب اس نے اسے فقراء پر صدقہ کر دیا پھر اس کے لیے اس سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ جب وہ ہبہ کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے رجوع جائز ہے۔ الا یہ کہ کوئی ایسا مانع ہو جو اسے روک دے۔ لیکن امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ رجوع نہیں کرے گا۔ مگر ان خاص احوال میں فقہ میں جن کی تفصیلات مذکور ہیں۔ یہ سارے تصرفات ہیں کسی شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ یوں کہے: ''انہیں اللہ تعالیٰ کے فرائض سے روک دیا گیا ہے۔ نہ ہی وہ یہ سمجھے کہ مالک وراثت میں رب تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں سے بھاگ رہا ہے واقف حالت صحت میں اس چیز کا مالک ہوتا ہے جسے وہ وقف کر رہا ہوتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے مقررہ کردہ حصوں سے راہ فرار اختیار کرنا نہیں۔ اس فرائض کے وقوع سے قبل ان میں حبس کیسے متحقق ہو سکتا ہے مال موروث میں وراثت کا حق رواں ہونے سے قبل یہ حبس کیسے متحقق ہو سکتا ہے کیوں کہ اس نے فرائض اللہ بننے سے قبل ہی وہ چیز وقف کی میراث میں حصہ داروں کا حق بننے سے پہلے ہی اس سے اس میں تصرف کیا۔ بعض شارحین نے حضرت ابن عباس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی روایت اور حضرت شریح کے قول کے بارے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی مال کو بھی اس کے مالک کے مر جانے کے بعد اس کے ورثاء کے مابین تقسیم ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت اور حضرت شریح کے فرمان کو زمانہ جاہلیت کے بحیرہ سائبہ، وصیلہ اور حام پر محمول کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ محبوس جانور جنہیں آزاد کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ رب تعالیٰ نے انہیں اپنی کتاب حکیم میں بیان فرما دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیۡلَۃٍ وَّلَا حَامٍ ۙ (المائدہ: ۱۰۳)

ترجمہ: نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام کو۔

یہ وہ حبس ہے جسے اہل جاہلیت زمانۂ جاہلیت میں سرانجام دیتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان

کی شروط کو باطل فرما دیا۔ حضور ﷺ نے ان کی شروط کا انکار کر دیا۔ وہ یہ کہ جب ایک اونٹ طویل مدت اپنے مالک کے پاس رہتا اور اس سے بہت سے حمل قرار پائے ہوتے تو اس کا مالک اس کے بارے کہتا: ''هو حامر'' یعنی اس کی پشت کو بچا لیا گیا ہے اس پر سواری کرنا حرام سمجھتے۔ وہ اسے عتق سے تشبیہ دیتے۔ اسی طرح کے اقوال بحیرہ، وصیلہ وغیرہ میں بھی کیے گئے ہیں۔ وہ اپنے غلام سے کہتے: ''انت حر سائبة'' نہ تیری ولاء میرے لیے ہے نہ ہی مجھ پر تیری دیت ہے اسی طرح جانور کے بارے کہا جاتا: ''میں نے تجھے سائبہ بنا دیا ہے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''عتق کے لفظ کا اطلاق چوپاؤں پر نہیں ہوتا۔ حضور نبی رحمت ﷺ نے بحیرہ، وصیلہ، اور حام کی ملکیت کو ان کے مالک کی طرف لوٹا دیا۔ عتق ثابت فرمایا اور ولاء اس کے لیے مقرر فرمائی جو سائبہ کو آزاد کرے۔ جہاں تک میرا علم ہے۔ اہل جاہلیت کسی گھر یا زمین کو وقف نہیں کرتے تھے۔ تا کہ اس سے وہ پاکباز بن سکیں۔ یہ صرف اہل اسلام ہی ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے حکم پر یہ چیزیں وقف کیں۔

جہاں تک صاحب العنایۃ کا یہ قول ہے جو انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''لیکن ہم کہتے ہیں کہ نفی کی جگہ میں نکرہ عمومیت کو شامل ہوتا ہے۔ یہ ہر اس طریقہ کو شامل ہوگا جس میں کسی چیز کو میراث سے روک لیا جائے۔ مگر وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔'' یہ قول مردود ہے کیونکہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صحت کی حالت میں وقف کرنے میں میراث سے روکنا ہے۔ بلکہ یہ دیگر سارے ان تصرفات کی مانند ہے جو صحت کی حالت میں سرانجام دیے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ بیع ہبہ اور صدقہ وغیرہ۔ جس طرح یہ امور میراث میں سے جس شمار نہیں کیے جاتے۔ وقف کی کیفیت بھی یہی ہوتی ہے یہ دلیل بلاشبہ قائم ہے کہ مالک اپنی مملوکہ چیز میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے الا یہ کہ اسے شرعی طریقہ سے روک دیا جائے۔ یا وہ مرض الموت میں مبتلاء ہو۔ لیکن میراث کے پائے جانے سے قبل یا مرض الموت میں حق وراثت کے متحقق ہو جانے سے قبل یا شرعی طریقہ سے اسے روکے جانے سے قبل بشرطیکہ اس کا جسم اور عقل درست ہو وہ بالغ ہو تو اس پر دلیل قائم ہے وہ اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے لیکن اگر وہ مرض الموت میں مبتلاء ہو تو فقط ثلث سے زائد میں وصیت کرنے سے اسے روک دیا گیا ہے کیونکہ اب میں وراثت متحقق ہو رہی ہے۔ اگر حدیث پاک کو اور جو حضرت شریح سے مروی ہے اسے اس معنی پر محمول کیا جائے تو سارے دلائل کے مابین موافقت صحیح طرح ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمان

سے بھی اسی طرف راہ نمائی ملتی ہے کہ سورہ النساء کے نزول کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

جو کچھ مسور بن رفاعۃ سے منقول ہے جیسا کہ اس مقرر نے کہا ہے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ مذکور مسور ابن مخرمہ ہے۔ ابن رفاعۃ نہیں۔ یہ اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ وقف کا تعلق دین کے ساتھ نہیں کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ ان کے نفس نے انہیں کہا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجویز پیش کریں۔ کہ وہ اپنے وقف سے رجوع کریں مگر انہوں نے یہ تجویز نہ دی۔ اگر یہ تجویز دینا ان پر واجب ہوتی اور وہ اسے چھوڑ دیتے تو وہ ایسے گناہ گار بن جاتے جو کسی برائی پر راضی ہوتے۔ یہ شرعی طور پر درست نہیں۔ اس نے اسی بات پر دلالت کی کہ انہوں نے اپنے نفس کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے پایا کہ ان کی یہ تجویز بے جا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقف کا حکم حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ملا تھا۔ انہوں نے اپنی تجویز سے رجوع کر لیا اور اسے قوۃ سے فعل کی طرف نہ نکالا۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مالک کے لیے روا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جو کچھ اس نے حصول ثواب کے لیے وقف کیا۔ واقف کے مرنے کے بعد بشرطیکہ اس نے وہ وقف جسم اور عقل کی صحت کے عالم میں کیا ہو۔ اس کا مال موقوف ترکہ نہیں ہوگا بلکہ وہ واقف کی ملکیت سے نکل جائے گا وہ وارثین کی ملکیت میں بھی منتقل نہیں ہوگا حتیٰ کہ کہا جائے کہ اسے میراث سے روک دیا گیا۔ یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ اس مال کو موروثا واپس لوٹایا جائے گا کیونکہ مال میں وراثت اس وقت جاری ہوتی ہے جب وارث کی ملکیت اس شخص کی وفات کی حالت میں ثابت ہو جائے اگر وہ چیز واقف کی ملکیت سے اس کی زندگی میں نکل گئی تو وہ وارث کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوگی۔

امام ابو یوسف، امام محمد آئمہ اربعہ اور جمہور علماء نے جو یہ فرمایا ہے کہ وقف شدہ چیز نہ بیچی جائے گی۔ نہ ہی اسے ہبہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی اس کی وجہ وہ روایت ہے جو صحیحین اور باقی کتب ستہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خیبر کے مقام پر ایک زمین ملی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ''مجھے اتنی عمدہ زمین ملی ہے کہ اس سے عمدہ مال پہلے کبھی نہ ملا تھا۔ آپ اس کے بارے مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر پسند کرو تو اس کی اصل روک لو اور اس کی پیداوار صدقہ

کردو۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط پر صدقہ کر دیا کہ اس کی اصل کو فروخت نہیں کیا جائے گا نہ ہی اسے ہبہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی۔ امام بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اس کے اصل کے ساتھ اسے صدقہ کردو کہ اسے نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے نہ ہی اس میں وراثت جاری کی جائے۔" دارقطنی نے اس کے بعد یہ اضافہ کیا ہے۔" یہ اس وقت تک کے لیے وقف ہے جب تک زمین اور آسمان قائم ہیں۔" محمد بن حسن نے الاصل میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے بڑا نفیس مال ملا ہے۔ کیا میں اسے صدقہ کردوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اسے اس طرح صدقہ کرو کہ اس کی اصل کو نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری کی جائے۔"

"الکمال" نے کہا ہے: "عام علماء کرام کے قول کو ترجیح دی جائے گی کہ وقف لازم ہو جاتا ہے کیونکہ احادیث اور آثار اس پر متفق ہیں۔ جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح روایت ہے۔ "نہ اسے بیچا جائے اور اس میں وراثت جاری کی جائے......" بہت سی احادیث طیبہ میں اس کا تذکرہ ہے صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد ساری امت اسی پر عمل پیرا ہے۔ پھر انہوں نے ان صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ تحریر کیے ہیں جنہوں نے وقف کیا (پھر کہا) یہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر ان کے بعد تابعین نے وقف کیا۔ یہ وقف صحیح روایات سے ثابت ہے پھر ساری امت مرحومہ اسی پر عمل پیرا ہے حضرت شریح سے منقول روایت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حبس (وقف) کی بیع کے لیے تشریف لائے۔ کیونکہ یہ روایت زمانۂ جاہلیت میں حام وغیرہ کے نسخ کے بیان میں ہے۔ المختصر یہ کہ اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا عملی اجماع ہے اور ان کے بعد لگا تار امت اسی پر عمل پیرا رہی۔

امام طحاوی نے عیسیٰ بن ابان سے روایت لکھی ہے کہ امام ابو یوسف وقف کی بیع کو جائز قرار دیتے تھے۔ ان تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پہنچی۔ انہوں نے پوچھا: "ابن عون سے یہ روایت کس نے سنی ہے؟ ابن علیہ نے وہ روایت بیان کر دی تو انہوں نے فرمایا: "کوئی شخص اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اگر امام ابو حنیفہ تک یہ روایت پہنچ جاتی تو وہ بھی یہی موقف اختیار کر لیتے۔ وقف کی بیع سے رجوع کر لیتے گویا کہ یہ مسئلہ یوں ہو گیا کہ گویا کہ اس میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔" اسی لیے امام قرطبی نے لکھا ہے: "وقف کا رد کرنا اجماع کے مخالف ہے۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جائے گی کیونکہ سارے آئمہ سے یہ ثابت ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے کہا

''جب صحیح حدیث پاک مل جائے وہی میرا مذہب ہے۔'' اس لیے حافظ ابن حجر نے کہا ہے: ''وقف کے رد کے بارے جو عمدہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے وہ امام ابو یوسف کا قول ہی ہے کیونکہ وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے دیگر لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ آئمہ میں سے جس جس نے بھی عدم لزوم وقف کا قول کیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حدیث پاک اس تک نہیں پہنچی تھی۔ اگر اس تک حدیث مبارک پہنچ جاتی تو وہ بھی وہی موقف اختیار کرتے۔ اس کے اس کی مخالفت کرنا ممکن ہی نہ تھا۔

مجھے علم ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے وقف کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے حکم سے وقف کیا۔ انہوں نے آپ کے وصال کے بعد بھی وقف کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زمین وقف کی انہوں نے یہ شرط لگائی کہ اس میں ان کی موجودہ اولاد، اولاد کی اولاد اور نسل سکونت پذیر ہوگی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنا وہ مال وقف کیا جو خیبر میں تھا۔ انہوں نے یہ اپنے لخت جگر حضرت ابان کے لیے وقف کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنا مال اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے وقف کیا۔ حضرت زبیر نے اپنے گھر اپنے بیٹوں کے لے وقف کیے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں نہ تو ہبہ کیا جائے گا نہ ہی ان میں وراثت جاری ہوگی۔ انہوں نے اور بھی بہت سے شرائط رکھیں انہوں نے کہا کہ ان کی بیٹیوں کو بھی ان میں رہنے کی اجازت ہوگی۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے خاوند کی وجہ سے ان سے مستغنی ہوگی تو پھر اس کا کوئی حق نہ ہوگا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنا وہ گھر وقف کر دیا جو مدینہ طیبہ میں تھا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد، اولاد کی اولاد اور ان کی نسل کے لیے ایک گھر وقف کیا۔ اس شرط پہ کہ اسے نہ بیچا جائے۔ نہ ہی اسے ہبہ کیا جائے۔ نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی۔ اسی طرح حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک گھر ان لوگوں کے لیے وقف کیا جو اس میں رہتے تھے پھر اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد کے پاس چلے جانا تھا۔ اسی طرح حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے بھی ایک گھر وقف کیا جسے نہ فروخت کیا جا سکتا تھا نہ ہی اسے ہبہ کیا جا سکتا تھا نہ ہی اس میں وراثت جاری ہو سکتی تھی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے رشتہ داروں اور ان کی نسل کے لیے وقف کیا۔ اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص نے بھی وقف کیا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے گھر وقف کیا۔ پھر کہا: ''اگر میری نسل ختم ہو جائے تو یہ قریبی رشتہ داروں کے لیے وقف ہوگا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ زمین اور اس کی ہر چیز کا وارث بن جائے۔ ان وقوف کا

تذکرہ خصاف وغیرہ نے کیا ہے۔ نیل الاوطار میں ان صحابہ کرام کے اسماء گرامی ذکر کرنے کے بعد جنہوں نے وقوف کیا تھا انہوں نے لکھا ہے: ''امام بیہقی نے ان سب کو روایت کیا ہے۔''

اسی طرح ''الکمال'' نے ان صحابہ کرام کے اسماء لکھے ہیں جنہوں نے وقوف کیا تھا۔ پھر فرمایا: ''یہ ساری روایات صحابہ کرام پھر تابعین سے منقول ہیں۔ پھر لوگ نسل در نسل اسی طرح کرتے آئے ہیں۔'' پھر کہا: ''اس مسئلہ پر صحابہ کرام اور ان کے مابعد لوگوں کا اجماع ہے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الام'' میں فرمایا ہے: ''ہمیں مہاجرین اور انصار کے بہت سے صدقات کے بارے یاد ہے۔ مجھے ان کی بہت سی اولاد اور اہل خانہ نے بتایا ہے کہ انہیں ان کے صدقات سے برابر حصہ مل رہا ہے حتیٰ کہ وہ وصال کر گئے۔ ان کے عام لوگوں نے عام سے نقل کیا ہے۔ اس میں انہوں نے اختلاف نقل نہیں کیا۔ اس روایت کے بعد راویوں پر طعن کی طرف کسی ایک نے بھی توجہ نہیں کی کیونکہ اس پر لگاتار عمل کرنے سے وقف کی صحت اور اس کے لزوم پر حجت قائم کر دی ہے کیونکہ یہ ساری روایات ان روایات کی تائید کر رہی ہیں۔ جنہیں امام بخاری، امام مسلم اور باقی آئمہ نے روایت کیا ہے۔ مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وقف وغیرہ یہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقف کی تفصیل ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے۔ ان کی اکثریت نے اپنی اولاد پر ہی وقف کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اولاد پر اپنے وقف کو صدقہ بنا دیا۔ صدقہ وہی ہوتا ہے جس کے ثواب کی امید رب تعالیٰ سے کی جا سکتی ہے۔ تو پھر وقف ایسا عمل کیوں نہیں ہو سکتا جس پر انسان کو ثواب ملے۔ یہ قریب کا سبب کیوں نہیں بن سکتا حالانکہ سارے آئمہ نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس کے جواز کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ چیز جو صدقہ میں جاری ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت کا سبب ہو اور صدقہ دینے والے کے نزدیک بھی وہ قربت کا سبب ہو۔ اسی پر انہوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ مسلمان کے روا نہیں کہ وہ کلیسا یا گرجا کے لیے وقف کرے نہ ہی ذمی مسجد بیت المقدس کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے وقف کر سکتا ہے۔

۴- اس مقرر کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروق t نے اپنے وقف کو بیچنے کا ارادہ کیا...... ہم اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ غالب گمان یہی ہے کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مخالف ہے۔ ''اسے نہ بیچا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری کی جائے۔ امام بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تصدق باصلہ'' دارقطنی نے حضرت نافع کی روایت میں

یہ اضافہ کیا ہے: "حبیس ما دامت السمٰوات والارض" حضور ﷺ کے اس حکم کے ہوتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ یہ بات کرتے۔ یقینا یہ بات درست نہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ حضور ﷺ کے حکم پر نفاذ کے بعد حضرت عمر آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے رجوع کر لیتے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ رجوع کے راوی ثقہ ہیں پھر بھی اسے خطاء پر محمول کرنا واجب ہے۔

اگر احادیث طیبہ کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے اس روایت کو امام طحاوی نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر مجھے یہ یاد نہ ہوتا کہ میں نے وہ صدقہ حضور ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو میں اسے ضرور واپس لوٹا دیتا۔" اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ یہ حدیث پاک منقطع ہے کیونکہ حضرت امام زہری نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ اگرچہ یہ بات اسے حجت بننے سے نہیں روک سکتی کیونکہ امام زہری جلیل القدر امام ہیں ان کی روایت میں تہمت نہیں لگ سکتی مگر وہ متصل اور اپنے سے قوی روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی جسے امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہو۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا ساقط ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ امام شافعی نے اپنی کتاب "الام" میں ذکر کیا ہے کہ امام محمد بن حسن نے کہا ہے: "ان الزهری قبیح المرسل" امام شافعی نے اسے اس پر ہی برقرار رکھا ہے منقطع اور مرسل ان کی اصطلاح میں ایک ہی قسم ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ کسے قبول کیا جائے اور کسے قبول نہ کیا جائے اس جہت سے بھی یہ روایت حجت نہیں ہے۔

یہ مقرر کا وہ قول ہے کہ حضرت امام ابو یوسف وقف کے لیے مداومت کی شرط نہیں لگاتے تھے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں بھی اس مقرر کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام ابو یوسف سے یہ دونوں روایتیں اس وقت کے بارے ہیں جب مداومت پر کوئی نص نہ بیان کی جائے۔ یا ایسا کوئی امر بیان نہ کیا جائے جو اس کے قائم مقام ہو۔ جیسے کہ فقراء وغیرہم۔ جب مداومت کے بارے نص پائی گئی تو ان دونوں روایتوں کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ کیونکہ اختلاف اس میں ہے کہ کیا تابید کا ذکر نصًا شرط ہے یا کہ نہیں امام محمد کا پہلا قول ہے جبکہ امام ابو یوسف نے دوسرا قول کیا ہے۔ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق اگر واقف نے تابید کے لیے نص بیان نہ کی۔ اگر اس نے ایسی نص بیان کر دی جو تابید کے منافی تھی۔ مثلاً اس نے کسی معین شخص پر وقف کر دیا۔ اس کے بعد ایسی جہت کا

تذکرہ نہ کیا جو کبھی منقطع نہ ہو۔ بلکہ اس نے یہ شرط لگائی کہ موقوف علیہ کی موت کے بعد وہ چیز اس کی طرف لوٹ آئے گی تو یہ بالاتفاق باطل ہے یا اس نے ایسی نص بیان نہ کی جو تابید کے منافی ہو۔ نہ ہی اس نے تابید کی نص بیان کی۔ اس کے بارے امام ابو یوسف سے دو روایات منقول ہیں۔ ان میں سے ایک کے مطابق وقف جائز ہے یہ وقف ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ موقوف علیہ کے بعد وہ چیز فقراء کی طرف لوٹ آئے گی۔ یہی معتمد موقف ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ چیز مالک کی طرف لوٹ جائے گی۔ لیکن یہ موقف معتمد نہیں۔ یہ ان احادیث کے مخالف ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وقف شدہ چیز نہ بیچی جائے گی۔ نہ ہبہ کی جائے گی نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی یہ امر تقاضا کرتا ہے کہ جب کسی نے کہا: ''میں اپنا فلاں گھر وقف کرتا ہوں۔'' اس سے تابید ہی مراد ہوگا اس کے بارے نص بیان کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح کہ اس مذہب کے محققین نے نص بیان کی ہے۔ یہ اس موقف کے مخالف ہے جس پر متون ہیں کہ معین موقوف علیہ کی موت کے بعد وہ چیز فقراء کی طرف لوٹ آئے گی۔ اس صورت میں امام ابو یوسف سے منقول دونوں مختلف روایتیں اسے کوئی فائدہ نہیں دیتیں جو اوقاف اھلیہ کو حلال کرنے کی سعی کرتا ہے کیونکہ جو شخص بھی واقفین کی طرف سے صادر ہونے والے عقود میں غور وفکر کرتا ہے تو وہ ان میں مذکورہ تابید کا تذکرہ صراحۃً پاتا ہے وہ پاتا ہے کہ وہ ان شروط پر مشتمل ہے جو سارے مذاہب میں معتبر ہیں اور جن کے صحیح ہونے پر سارے علماء کا اتفاق ہے۔

٦- وہ مقرر کا یہ دعویٰ ہے کہ وقف اہلی میں صدقہ یا نیکی کا کوئی اثر نہیں۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس کے اصل کے ساتھ اسے صدقہ کرو کہ اسے نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہو۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے ان لوگوں کے لیے وقف کر دیا جن کا انہوں نے نام لیا یا جو رشتہ دار ان کی کفالت میں تھے۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کیے مثلاً سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہما وغیرہما جن کا تذکرہ ہم نے پہلے کیا ہے ان میں سے ہر ایک نے صدقہ کا لفظ صراحت کے ساتھ ذکر کیا۔ ان میں سے

ایک نے نیکی اور قرب الٰہی کا ارادہ کیا۔ ''الفتح'' میں اس کی صراحت بھی موجود ہے۔ کہ وقف کا سبب دنیا میں اعزہ کے ساتھ نیکی کرنے اور آخرت میں رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ارادہ ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے زندوں اور مردہ لوگوں میں سے پیاروں اور محتاجوں کو نفع پہنچے کیونکہ اس میں عمل صالح کی مداومت ہے۔ حدیث پاک میں ہے: ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ مگر تین امور سے۔ (۱) صدقہ جاریہ...... ذرا دیکھو کہ کس طرح حضور اکرم ﷺ اور فضلاء اور علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت نے ان اوقاف کا اعتبار کیا جن کا تعلق صدقہ، نیکی، رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے ساتھ تھا۔ ان کے بعد کسی قائل کے لیے یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ کہے کہ وقف اہلی میں صدقہ یا قرب کا کوئی اثر نہیں۔ یا وہ یہ کہنے کی جرأت کرے کہ عزیز و اقارب کے ساتھ نیکی کرنا اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنے میں صدقہ اور قرب کا کوئی اثر نہیں جبکہ انسان کا اپنے نفس پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔ اپنی بیوی پر خرچ کرنا صدقہ ہے اور اپنی اولاد پر خرچ کرنا صدقہ ہے جس طرح کہ صحیح احادیث میں یہ صراحت موجود ہے۔

۷- ساتوں امر مقرر کا والیان امر سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ ان اوقاف میں غور و فکر کریں کہ یہ سول نظام ہے۔ وہ اس کے احکام میں تغیر و تبدل کریں۔ مقرر نے بعض بادشاہوں کی مثالیں پیش کیں ہیں جنہوں نے اوقاف کو حلال کیا تھا۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ وقف کے لزوم کے بعد کوئی نہ تو اسے باطل کرسکتا ہے نہ ہی اس کی شرائط میں کوئی تبدیلی کرسکتا ہے البتہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کے مطابق وقف عاریہ کی طرح غیر لازم ہوتا ہے مگر جبکہ قاضی اس کا فیصلہ کردے جس طرح کہ آج کل سارے عقود اوقاف لازم ہوجاتے ہیں نہ تو واقف اور نہ ہی اس کے ورثاء وقف کو باطل کرسکتے ہیں لہٰذا ایک اجنبی اسے کیسے باطل کرسکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اوقاف کے دلائل وقف کی صحت اور لزوم کے لیے قاضی کے حکم پر مشتمل ہیں۔ اگر والیانِ امر کو اجازت دے دی جائے کہ اوقاف اور ان کے حکم کو باطل قرار دیں تو ان کے لیے یہ بھی روا ہوجائے گا کہ وہ سارے احکام باطل کردیں خواہ وہ شرعی ہوں یا عائلی۔ یہ دنگا اور فساد کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک وقف عتق (آزادی) کی طرح ہے ہر ایک کی ملکیت اس سے

ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ یہ علیٰحدہ کرنے اور قبضہ کرنے سے قبل ہی لازم ہو جاتا ہے نہ ہی واقف اور نہ ہی اس کے ورثاء اس کو باطل کر سکتے ہیں لہٰذا ایک اجنبی اسے کیسے باطل کر سکتا ہے جبکہ امام محمد کے نزدیک وقف زکوٰۃ کی طرح ہے یہ قبضہ اور علیٰحدگی کے بعد مکمل اور لازم ہوتا ہے۔ اس کے لزوم کے بعد نہ واقف اور نہ ہی اس کے ورثاء اس کے واقف ہوتے ہیں وہ اسے باطل نہیں کر سکتے ایک اجنبی اسے کیسے باطل کر سکتا ہے۔ ان احکام پر سارے آئمہ کا اتفاق ہے۔

جب یہ تفصیلات تمہارے لیے عیاں ہوگئیں ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اوقاف ایسی اقوام کے قبضہ میں ہیں جو شرعی دستاویز کی وجہ سے ان کے عمدہ حصہ کے مستحق بنتے ہیں۔ اور شرعی دلیل کی وجہ سے ان اوقاف کے الٰعیان محبوس ہیں۔ ہر ہر چیز دین حق کی طرف منسوب ہے کسی شخص کو خواہ وہ وارث ہو یا اجنبی ہو اس میں تغیر وتبدل کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ نہ ہی وہ چیز کسی اعتبار سے مالک کی طرف لوٹے گی نہ واقف کے ورثاء اور مستحقین اسے حلال یا باطل کر سکتے ہیں۔ جب لوگ ایسا ارادہ کریں حکام بالا کے لیے لازم ہے کہ وہ انہیں روکیں۔ اس کے بعد بھی مجھے حضرت مقرر صاحب پر تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس چیز کا ارادہ کیسے کر لیا۔ جس کی نص حضور ﷺ سے منقول ہے آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اموال اور گھر وقف کریں کہ وہ مقرر حکام کو وقف باطل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے اور یہ دلیل دیتا ہے کہ بعض حکام نے وقف باطل کیا تھا۔ بخدا! یہ ایک عجیب چیز ہے کس شریعت یا قانون کی رو سے حکام کے لیے مباح نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور حکم سے لوگوں کے حقوق پامال کریں اور ان میں تصرف کریں ان کی املاک میں ان کے تصرفات تو بالکل کریں جبکہ شریعت مطہرہ نے انہیں صحیح قرار دیا ہے میں یہ ہرگز خیال نہیں کرتا کہ ہمارے حکام اس طرح کریں گے کیونکہ اس میں واضح ظلم اور صریح زیادتی ہے۔

۸- وہ مقرر کا وقف کے حلال کے جواز کے لیے یہ دلیل ہے کہ وقف کے طویل مدت بعد وہ وقف شدہ چیز برباد ہو جائے گی۔ جب یہ کیفیت ہو جائے گی تو پھر وہ امر مفقود ہو جائے گا جسے مالی اعتماد کہا جاتا ہے ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ صرف ظن وتخمین اور غلط اندازہ ہے۔ یہ باطل وہم ہے اس پر کسی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اگر اسے تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر اقوام میں مالی اعتماد ان کی دولت اور پیداوار کی کثرت، عمدہ نظام، ان کی حکومتوں کے پاس مال ودولت کی کثرت اور ان کے حکام کے حسن انتظام پر ہے۔ ان سب میں انحصار ٹیکس لاگو کرنے میں عوام کے مابین عدل، مظلوم کے ساتھ انصاف، عام

اور خاص حقوق میں سے کسی میں بھی عدم دلچسپی، لائق اور ماہر تجربہ کار لوگوں کو وظائف دینے پر ہے۔ وقف کا نظام کئی اعتبار سے وضعی قوانین میں دائمی پیداوار کے نظام کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اگر یہ نظام نہ ہوتا تو نیکی کی کئی انواع نہ پائی جاسکتیں۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو بھلائی کے کاموں پر ابھارتا ہے کیونکہ وہ شخص شدید بخیل ہوتا ہے جس پر اپنی زندگی میں صدقہ کرنا آسان نہ ہو یا وہ کوئی ایسا کام کرے یا کسی ایسے کام میں شرکت کرے جو تمام لوگوں کو فائدہ دے۔ وہ اپنی اولاد کے ختم ہو جانے کے بعد اپنے عمدہ مال کو بھلائیوں کے لیے وقف کرنے میں سستی نہیں کرتا۔ اپنی اولاد اور دیگر لوگوں کے لیے وقف کرنا بھلائی کا طریقہ ہے یہ ایک ایسا رستہ ہے جس سے نفع فرد واحد سے پورا معاشرہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اگر وقف نہ ہوتا تو نہ یہ کیمپ لگائے جاتے نہ ہی علم اور عبادت کے مراکز بنتے نہ ہی ہسپتال تعمیر ہوتے۔ اسی طرح اگر وقف نہ ہوتا معزز گھرانوں کی اولاد فقر و فاقہ کی گہری وادی میں گر پڑتی۔ وہ دوسروں پر بوجھ بن جاتی۔ محترم وزیر باشا جب اوقاف کے وزیر تھے تو وہ انہی رہائش گاہوں کی طرف لوٹتے تھے جو اوقاف کی وزارت نے بنائی تھیں۔ حالانکہ انہیں علم تھا کہ وہ ساری کی ساری یا ان میں سے عظیم عمارت وقف اہلیہ کے اعتبار سے وقف تھیں پھر ان کے مستحقین ختم ہو گئے تو وہ اوقاف خیریہ بن گئیں۔

۹- مقرر صاحب نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ جب مستحقین کی تعداد کثیر ہو جائے گی تو نگران سب سے زیادہ نفع لے جائے گا اور استحقاقات کمزور پڑ جائیں گے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ تو ہر اس چیز میں شامل ہے جو اس انسان کی ملکیت میں ہو چہ جائیکہ وقف۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے درخت ہوں وہ خشک ہو جائیں یا زمین پر سیلاب آجائے جو گھروں کو گرادے تو ان پر جو تقدیر چلی ہے اس کی وجہ سے ہم پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ (العنکبوت:۶۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ۔ (الزخرف:۳۲)

ترجمہ: ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست۔

اگر وقف کو اس وجہ سے حلال کر دیا جائے تو پھر اس وجہ سے میراث کو بھی لغو کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اولاد کا حصہ اور ان کی تعداد اور وراثت کی وجہ سے ضائع ہو جائے گا۔ لیکن یہ مؤقف کسی کا بھی نہیں۔

اگر مقرر صاحب کا یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر جناب عالی وزیر اوقاف کے لیے بھی جائز نہیں رہے گا کہ یہ وہ اتنی عمدہ تنخواہ لیں جس کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے ان مستحقین کے حقوق ضائع ہو رہے ہیں جن کے لیے چیزیں وقف کی گئیں۔ مثلاً خطباء، آئمہ، مساجد کے خدمت گزار، کیمپ اور ہسپتال وغیرہ۔ اس طرح نہ تو اوقاف کے وزیر اور نہ ہی نگران کسی چیز کے مستحق ہیں۔ بلکہ وزیر اوقاف صرف اوقاف کا وزیر ہونے کے ناطے اپنی تنخواہ لیتا ہے۔ استحقاق کا کمزور ہونا اس وقت ختم ہوگا جب ایسے کثیر لوگ ختم ہو جائیں گے اور وقف ایک سمت لوٹ آئے گا۔

⑩ وہ اس مقرر کی یہ دلیل ہے کہ بعض اوقات نگران پاک دامن نہیں ہوتا۔ اس طرح فسادات، لڑائی اور انتظامی جھگڑوں سے بچنا محال ہوتا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ محترم اس مشروع امر پر حملہ آور ہو رہے ہیں جس کا حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا ہوئے۔ مقرر محترم کے لیے بہتر نہ تھا کہ وہ اس چیز کا اظہار کرتے کیونکہ یہ امر بہت سے مشروعات کے عدم اقدام کی طرف لے جاتا ہے، کیونکہ جو کچھ اس نے کہا ہے اس کا احتمال تو بہر حال موجود رہتا ہے، بچوں پر وصی مقرر کرنا اس کی مثال ہے تاکہ وہ ان کے اموال کی حفاظت کرے۔ شارع حکیم نے اس کا حکم دیا۔ حالانکہ یہ احتمال بھی تھا کہ وصی یتیموں کے اموال پر ظلم کریں گے۔

ایسے واقعات اکثر رونما ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح نکاح کی ترغیب دینا بھی اس کی مثال ہے۔ شارع حکیم نے شادی کی ترغیب دی حالانکہ یہ احتمال تھا کہ خاوند اپنی بیویوں پر زیادتی کریں گے یا بیویاں اپنے خاوندوں سے جھگڑا کریں گی۔ حالانکہ ایسے واقعات بھی اکثر رونما ہوتے رہتے۔ کیا کسی دانا کے لیے یہ روا ہے کہ وہ قضا اور حکومتوں کو لغو قرار دے صرف اس احتمال کی وجہ سے کہ قاضی پاک دامن نہ ہوں گے، حکام فاسق و فاجر ہوں گے۔ ہر اس امر کا اس میں احتمال ہوگا جس کا مقرر نے تذکرہ کیا ہے۔ اس طرح کی بات تو ورثاء کے مابین ترکہ کے بارے بھی

کہی جاسکتی ہے، کیونکہ اب زمانہ بدل چکا ہے۔ لالچ کثیر ہو گئے ہیں۔ دوسروں کے حقوق ہضم کرنے کی پرواہ نہیں کی جاتی، بلکہ ترکہ میں ورثاء کے لڑائی جھگڑے اوقاف کے متنازعات سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ شاید مقرر صاحب اس کے بعد یہ تقاضا بھی کریں گے کہ ورثاء اس ترکہ میں بھی وارث نہیں بنیں گے۔ جو ان کے آباء واجداد چھوڑ جائیں گے کیونکہ اس میں بھی وہ اسباب پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس نے وقف اہلی کا حق باطل کیا ہے، شاید اس کے بعد رب تعالیٰ کوئی صورت پیدا فرمادے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ شارع بہت حکیم ہے، جب اس نے کسی چیز میں بھلائی کی جہت کو ملاحظہ فرمایا خواہ اس کو بہت سے شروں نے گھیر رکھا ہو وہ اس بھلائی کو حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس شروں میں گرنے سے روکتا ہے بلاشبہ شارع کا وقف سے اصل مقصد خیر کا ارادہ ہے۔ یہ خدشہ کہ جسے اس کا سرپرست بنایا جائے گا وہ شر میں گر جائے گا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ ہم اسے نہ کریں۔ رب تعالیٰ نے ولی کو حکم دیا ہے کہ وہ بھلائی کے ساتھ کھائے اگر اس نے ظلم کیا۔ خیانت کی اور اگر اس کی دلیل مل گئی تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے معزول کر دے اور کسی اور کو سرپرست بنادے اگر خیانت ثابت نہ ہوسکی کسی کو اس کا سپروائزر مقرر کیا جائے گا۔ اگر اس نے مخفی بددیانتی کی تو وہ اپنے پیٹ میں صرف آتش جہنم ہی کھائے گا۔ عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائے گا۔

مقرر نے یہ جو بات کی ہے کہ اس طرح بہت سے فسادات جنم لیں گے، سرپرست خیانت کریں گے تو یہ ملامت اس نظام پر ہے جو خلافِ شرع بنایا گیا ہے، اور منصب اس شخص کے سپرد کیا گیا ہے جو اپنے گھر کا نظام بھی نہیں چلاسکتا۔ وہ امت کیلیے فیصلے کا نظام کیسے چلاسکتا ہے۔

11 وہ حضرت مقرر صاحب کا یہ فرمان ہے کہ وقف وراثت اور وصیت کے احکام کے خلاف بغاوت ہے۔ اس طرح وہ شخص وارث بن جاتا ہے جسے شریعت وارث نہیں بناتی۔ یا اسے ترجیح دی جاتی ہے جسے شریعت مطہرہ ترجیح نہیں دیتی۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی بارگاہِ والا میں عرض کی کہ آپ ان کی راہ نمائی اموال کے بارے ایسے عمل کی طرف فرمائیں جو انہیں رب تعالیٰ کے قریب کر دے حضور ﷺ نے انہیں وقف کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے حکم سے وقف کیا۔ انہوں نے اپنے ان اوقاف میں ایسی شرائط بھی رکھیں جن سے ان کی اولاد میں سے بعض

کو بعض پر ترجیح ملتی تھی۔ یہ ساری تفصیلات گزر چکی ہیں جو کچھ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے اذن سے کیا وہ دین حق کے اصول میں سے اصل بن گیا آئمہ مجتہدین نے اپنی تفریعات کی بنیاد اس پر رکھی۔ اور انہیں اسی اصل پر مرتب کیا۔ پھر یہ مقرر صاحب آ گئے۔ انہوں نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے یہ مطالبہ کر دیا کہ اس میں ایسے شخص کو ترجیح دینا ہے جسے شریعت ترجیح نہیں دیتی، وہ وقف کے نظام کو ایسے قواعد پر مرتب کرنا چاہتا ہے جن کو خود اس نے بنایا ہو۔ اور یہ سب کچھ اس کے مخالف ہو جو صحابہ کرام نے آپ کے حکم سے کیا۔ مقرر صاحب! یہ دینی مشروع عمل کے ساتھ دشمنی ہے۔ شارع حکیم نے صحابہ کرام نے جو شرائط رکھیں انہیں جائز قرار دیا۔ انہیں برقرار رکھا ان کی ترجیح کو بھی برقرار رکھا۔ مقرر صاحب فرماتے ہیں:

''شریعت نے اس ترجیح کی اجازت نہیں دی۔''

اس کے ساتھ ساتھ مقرر صاحب یہ کہہ کر اس ترجیح پر معذرت کرتے ہیں جو وقف کرنے والے دیتے ہیں کہ ہم اس شخص کا کیسے انکار کر سکتے ہیں جو اپنے بیٹوں کے مابین ترجیح کی رغبت رکھے۔

اس کے ساتھ ساتھ ترجیح طرق شرعیۃ سے بھی ممکن ہے۔ ایک شخص اپنی صحت اور کمال عقل ہوتے ہوئے اولاد میں سے کسی کو اپنی چیز فروخت کر سکتا ہے یا اسے ہبہ کر سکتا ہے کیا اس مقرر کے لیے ممکن ہے کہ وہ اسے روک دے یا کہے کہ شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔

مختصر یہ کہ نصوص اس امر پر دلالت کر رہی ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ مالک اپنی صحت اور عقل کے ہوتے ہوئے اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے کون ہے جو یقین سے یہ کہہ سکتا ہو کہ فلاں اس کا وارث ہوگا فلاں نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ یوں کہا جائے یہ وراثت اور وصیت کے احکام کے خلاف بغاوت ہے۔ حضرت مقرر صاحب نے وصیت کو جائز قرار دیا ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا۔ نہ اسے وراثت کے لیے رکاوٹ بنایا ہے حالانکہ یہ وقف کی بہن ہے۔ ان میں سے ایک کے احکام دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ خصوصاً وصیت غالباً مرض الموت میں ہوتی ہے۔ وراثت کے حقوق اسی کے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن شریعت نے ورثاء کے لیے اس میں کوئی حق مقرر نہیں کیا۔ الا یہ کہ وہ ثلث سے زائد ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ وصیت کا جواز شارع کے اذن سے ہے۔ اسی طرح وقف بھی شارع کے اذن سے ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

خاتمہ

ہماری اس بیان کردہ تفسیر سے تمہارے لیے واضح ہو گیا ہوگا کہ حضرت مقرر صاحب نے

ان تمام مشروعات دینیہ سے صرفِ نظر کی ہے جن کو لے کر حضور ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔ وہ ان سے جان بوجھ کر جاہل بنا رہا گویا کہ وہ علم اور دین کے مابین تفریق کرنے کی طرف رجحان رکھتا ہے۔ جیسے کہ بعض لوگوں نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دین روحانی امور سے عاجز ہے۔ لیکن وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ پر افتراء باندھتے ہیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ اس اعتقاد کا ابطال کرتی ہے جو لوگوں کے مابین عام ہو گیا ہے۔ قرآن مجید بھی اس کی تکذیب کا اعلان کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو غور وفکر پر ابھارتا ہے۔ وہ انہیں ہر آیت طیبہ میں عقل استعمال کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام سے قبل لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دین اور علم دو ایسی ضدیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ دین کے رؤساء بھی اسی امر کو پختہ کرتے تھے کہ دین کے حقائق عقل کے ادراک سے بعید ہیں۔ اسلام سے قبل بعض اقوام اپنے خاص اور عام امور میں لوگوں کو دینی رؤساء کے ماتحت رکھتے تھے۔ وہ ان امور کو بھی ان کے ماتحت رکھتے تھے جو اس شخص اور رب تعالیٰ کے مابین ہوتے تھے۔ جب تک دین کے رؤساء کوئی اقرار نہ کر لیتے آدمی کسی قسم کا معاہدہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ان کے واسطہ سے ہی توبہ کر سکتا تھا وہ اپنے ذاتی مفادات کے لیے دین کے نام پر لوگوں کو مسخر کرتے تھے۔ جس طرح کہ اسلام سے پہلے لوگ اپنے بارے غور وفکر کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ انہیں صرف حکام کی اطاعت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ حکام سارے لوگوں پر ظلم کرتے تھے جب اسلام کا آفتاب جہاں تاب ضوفشاں ہوا تو اس نے اس میں سے ایک ایک چیز کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ اس نے بتایا کہ علم کا دین کے ساتھ کوئی تضاد نہیں عقل کو مکلف بنانے کے لیے شرط قرار دیا۔ عقل کے ساتھ ہی حق اور باطل میں تمیز ہوتی ہے، یہ ہی فیصلے کرنے کا صحیح ترازو ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝

(الاعراف:۵۲)

ترجمہ: اور بے شک لے آئے ہم ان کے پاس ایک کتاب جسے ہم نے واضح کر دیا (اپنے) علم (کامل) سے درآں حال کہ وہ ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے وہ ایمان لاتے ہیں۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ۝ (الاعراف:۷)

ترجمہ: پھر ہم ضرور بیان کریں گے (ان کے حالات) ان پر اپنے علم سے اور نہ تھے ہم ان سے غائب۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿الاعراف:۳۲﴾

ترجمہ: اور یوں ہی ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیتوں کو ان لوگوں کے لیے جو (حقیقت کو) جانتے ہیں۔

اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام:۱۱۹)

ترجمہ: اور بے شک بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے بے علمی کے باعث۔

نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ﴿الانعام:۱۴۳﴾

ترجمہ: بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر تم سچے ہو۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

(الانعام:۱۴۴)

ترجمہ: تو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿الانعام:۱۴۸﴾

ترجمہ: آپ فرمائیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو نکالو اسے ہمارے لیے تم نہیں پیروی کرتے مگر نرے گمان کی اور نہیں ہو تم مگر اٹکلیں مارتے ہو۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ

(آلِ عمران:۱۸)

ترجمہ: شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) بے شک نہیں خدا سوائے اس کے اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے اور اہلِ علم نے (ان سب سے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) قائم فرمانے والا ہے عدل و انصاف کو۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿ص:۲۹﴾

ترجمہ: یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف بڑی بابرکت ہے تاکہ وہ

تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تا کہ نصیحت پکڑیں عقلمند۔

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ (حم السجدہ:۳)

ترجمہ: یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لیے جو علم (وفہم) رکھتے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ (الزخرف:۳)

ترجمہ: ہم نے اتارا ہے اسے قرآن عربی زبان میں تا کہ تم (اس کے مطالب کو) سمجھو۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (یوسف:۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا اسے یعنی قرآن عربی کو تا کہ تم (اسے) خوب سمجھ سکو۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۧ (الزمر:۱۶)

ان کے علاوہ دیگر آیاتِ طیبات بھی ہیں۔ قرآن پاک نے علم، عقل اور تفکر کا اکثر ذکر کیا ہے اور ہر معتقد سے دلیل کا مطالبہ کیا ہے۔ اسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بندوں اور ان کے خالق کے درمیان ہٹ جایا جائے۔ وہ ان کے قریب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:۱۶)

ترجمہ: اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ (الحدید:۴)

ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

(البقرۃ:۱۸۶)

ترجمہ: اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیبؐ) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے۔

قرآن پاک نے فرمایا ہے رب تعالیٰ بغیر کسی وساطت کے اپنے بندوں کی توجہ قبول فرما لیتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ۔ (الشوریٰ:۲۵)

ترجمہ: اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے۔

یہ وہ پہلا پتھر ہے جسے دینِ اسلام نے شخصی آزادی کی بنیاد میں رکھا۔

اسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سارے لوگ برابر ہیں سوائے تقویٰ کے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: تم میں سے زیادہ معزز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

یہ اس مساوات کا ہی نتیجہ تھا جس نے اس روحانی غلبہ کو مٹا دیا جو صدیوں تک قبائل کو ذلیل کرتا رہا۔ اسلام نے ظلم کے نظام کو مٹا کر رکھ دیا۔ ہر شخص کو عام امور میں رائے کی آزادی کا حق دے دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ ص (شوریٰ:۳۸)

ترجمہ: اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ (آلِ عمران:۱۵۹)

ترجمہ: اور صلاح مشورہ کیجیے ان سے کام میں۔

اسلام سے قبل ادیان کے علماء دین کے نام پر لوگوں کو شخصی حقوق سے محروم کر دیتے تھے جب اسلام آیا تو اس نے لوگوں کے طبعی حقوق کا اعتراف کیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (آلِ عمران:۶۴)

ترجمہ: تم فرماؤ، اے کتابیو! ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا۔

یعنی ہم میں سے بعض رب تعالیٰ نافرمانی کے بارے بعض کی بات کو تسلیم نہیں کریں گے اس سے مراد اہلِ کتاب کا بعض لوگوں کو اپنا رب بنا لینا ہے۔ وہ اپنے رؤساء کی ان امور میں اطاعت کرتے تھے جن کا انہیں حکم دیتے تھے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ

(التوبۃ:۳۱)

ترجمہ: انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح فرزند مریم کو بھی۔

امام ثعلبی وغیرہ نے حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو یہ آیت طیبہ سماعت کرتے ہوئے سنا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (التوبۃ:۳۱)

ترجمہ: انہوں نے بنالیا ہے اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو پروردگار اللہ کو چھوڑ کر۔

میں نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ لوگ اپنے راہب اور علماء کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا ان کے علماء اور راہب اس چیز کو حرام نہیں کر دیتے تھے جسے رب تعالیٰ نے حلال کیا ہوتا اور اسے حلال نہیں کر دیتے تھے جسے اس نے حرام کیا ہوتا۔ وہ لوگ بھی اسے حلال سمجھتے تھے۔''

مَیں نے عرض کی:

''ہاں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہی ان کی عبادت تھی۔''

ان لوگوں کو منع کر دیا گیا کہ وہ ان امور میں اپنے علماء اور راہبوں کی اطاعت کریں جن میں وہ اپنی طرف سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے تھے۔ وہ رب تعالیٰ کے حکم کو ترک کر دیتے تھے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (التوبۃ:۳۱)

ترجمہ: حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خدا کی۔

یعنی حال یہ ہے کہ انہیں کتب الٰہیہ اور سنت انبیاء کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ صرف رب تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں۔ جو جلیل الشان ہے، وہ پاک اور منزہ ہے وہ اسی کا حکم بجالائیں اس کے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہ کریں۔ کیونکہ کسی اور کی اطاعت کرنا اس کی عبادت کے منافی ہے۔ کسی نبی یا رسول کی اطاعت درحقیقت رب تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر:۷)

ترجمہ: اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرماویں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں رک جاؤ۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ

(الاعراف:۳۲)

ترجمہ: آپ فرمایئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لیے اور (کس نے حرام کیے) لذیذ پاکیزہ کھانے۔

اللہ رب العزت اپنے نبی مکرم ﷺ سے ذکر فرماتے ہوئے فرماتا ہے:

''اے محبوبِ کریم! ان جاہلوں سے کہہ دو جو اپنے ان چیزوں کو حرام کردیتے ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے پاکیزہ رزق میں سے ان کے لیے حلال فرمایا ہے۔ اے لوگو! رب تعالیٰ کی اس زینت کو لازم پکڑو۔ جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے تخلیق کیا ہے۔ یعنی وہ اس زینت کے ساتھ خود کو مزین کریں۔ اس کے لباس کے ساتھ خود کو آراستہ کریں۔ وہ رزق حلال تلاش کریں جو اس نے اپنی مخلوق کے لیے تخلیق کیا ہے تاکہ وہ اسے کھائے اور پیے۔ اس اباحت میں بھی رب تعالیٰ نے انسان کو اعتدال کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ۧ (الاعراف:۳۱)

ترجمہ: اے اولادِ آدم! پہن لیا کرو اپنا لباس ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیؤ اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔

رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ ان باغیوں کو پسند نہیں کرتا جو حلال یا حرام کی حدود

سے تجاوز کر جاتے ہیں بلکہ وہ پسند کرتا ہے کہ جسے اس نے حلال کیا ہے اسے حلال سمجھا جائے جسے اس نے حرام کیا ہے اسے حرام سمجھا جائے۔ اسی عدل کا اس نے حکم دیا ہے۔ یہی مفہوم ان لوگوں پر بھی منطبق ہوتا ہے جو لوگوں کو جدت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے احکام کو ترک کر دیا جائے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے احکام اس زمانہ کے لوگوں کے لیے موزوں نہیں۔ لیکن وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ افتراء باندھتے ہیں۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ۔

(التوبۃ: ۳۲)

ترجمہ: (یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نور کو۔

ان میں سے بعض لوگ دین پر اپنی غیرت کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ جدوجہد کرتے ہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۹ تا ۱۲)

ترجمہ: فریب دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو اور (حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو اور (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے اور جب کہا جائے انہیں مت فساد پھیلاؤ زمین میں تو کہتے ہیں کہ ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں ہوشیار رہو وہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

ہم اس مقرر محترم کو اس گروہ میں شمار کرنے کا گمان بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ وہ احکام کو محکم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہیں شریعت کے ساتھ مربوط کرنا چاہتے ہیں وہ انہیں اس کے موافق کرنا چاہتے ہیں لیکن ایسے دھاگوں کے ساتھ جو مکڑے کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے لیے یہ بات کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ علوم، پیشے اور صنعتوں کے متعلقہ افراد کے لیے یہی مناسب ہوتا ہے کہ وہ اپنے

فن کے بارے رائے دیں۔ ان کے بارے کسی اور کے لیے رائے دینا درست نہیں۔ ایک فقیہ فقہ کے بارے اپنی رائے کا اظہار کرسکتا ہے اگر وہ طب کے بارے رائے کا اظہار کرے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ لغزش کا احتمال ہوتا ہے۔ دین اسلام کے محکم اصول ہیں وہ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ ان اصول سے متفرعہ حوادث کے بعض کے بارے تو شارع حکیم نے نص بیان کردی ہے۔ مثلاً وقف۔ بعض احکام اس اصول سے علل کی بنا پر مستنبط ہوتے ہیں۔

ہم تو اسی امر سے آشنا ہوتے ہیں کہ ایک انجینئر کو فن تعمیر کے بارے ہی گفتگو کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر کو ڈاکٹری کے بارے ہی بولنا چاہیے آج کل ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مسائل دینیہ کے بارے غور وفکر کرنے پر ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ انہیں پا نہیں سکتے۔ وہ مسائل استنباط کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ انہیں دین سے مستنبط کر رہے ہیں حالانکہ دین حق ان سے بری ہوتا ہے۔ کیونکہ استنباط کرنا صرف اسے آتا ہے جس نے کتاب حکیم، سنتِ مصطفی ﷺ اجماع اور قیاس کو پڑھا ہو۔ اس کے وسائل اور آلات سے آگاہ ہو۔ وہ لوگ جو فضول ہی مسائل دینیہ میں غور وفکر کرتے ہیں ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں مجھے تو ان کے ہاتھوں میں کدالیں نظر آتی ہیں۔ جن سے وہ دین کو گرا رہے ہوتے ہیں ہم انہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ ان میں سے کسی نے اصولِ فقہ، اصولِ توحید، علم تفسیر اور علمِ حدیث کو حاصل کیا ہے، ان علوم اور ان کے وسائل میں خوب غور وفکر کیا ہے۔ انہیں اس طرح پڑھا ہے کہ ان کے پڑھنے کا حق ادا کیا ہو ان میں اتنی بحث کی ہو کہ ان کے لیے روا ہو کہ وہ شرعی احکام میں سے کچھ مستنبط کرسکیں۔ یا اس میں غور وفکر کرسکیں۔ یقیناً بلاشبہ ان میں سے ایک شخص بھی کوئی دعویٰ نہیں کرسکے گا۔

اس وقت ان لوگوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اسی کام میں لگے ہیں اسی پر قناعت کریں جسے وہ علم، ہدایت اور کتاب منیر کے بغیر علم گمان کرتے ہیں۔ دانا وہی ہوتا ہے جو ایسے کاموں میں مصروف ہوتا ہے جو بامقصد ہوتے ہیں، وہ فضول کاموں کو چھوڑ دیتا ہے جو شخص ایسے امور میں غور وفکر کرتا ہے جن میں اسے پوری طرح مہارت حاصل نہیں ہوتی وہ اس کا کما حقہ حق ادا نہیں کرسکتا، وہ اندھے رستے پر چل پڑتا ہے، وہ بلا سوچے سمجھے کام کرتا ہے، میری اس گفتگو سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عقول کو باندھ دینا چاہتا ہوں۔ یا آزادی رائے کو روک دینا چاہتا ہوں، بلکہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں اس شخص کو نصیحت کروں جو ہر علم میں گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے گفتگو سے

قبل وہ علم حاصل کرنا چاہیے ورنہ وہ گمراہ ہو جائے گا، ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (الاسراء:۳۶)

ترجمہ: اور نہ پیروی کرو اس چیز کی جس کا تمہیں علم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا۔''

رب تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ اسی میں عباد اور بلاد کی مصلحت ہے وہ سمیع، قریب اور مجیب ہے۔

تخصیص القضاء

اب ہم اس قیمتی گفتگو کا تذکرہ کرتے ہیں جو صاحب الفضیلۃ، استاذ، امام، شیخ محمد بخیت سابق مفتی دیارِ مصریہ نے اس موضوع پر فرمائی ہے مصر اور دیگر ممالک میں تخصیص القضاء پر اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ انہوں نے دیباچہ کے بعد فرمایا:

''محترم ومکرم سامعین کرام! وزیر محترم نے مجھے دعوت دی ہے کہ میں ''مدرسۃ الحقوق السلطانیۃ'' میں ان طالب علموں سے خطاب کروں جو آج قوم کے کمسن ہیں لیکن کل قوم کی زمام انہی کے ہاتھوں میں ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ میں جس موضوع پر چاہوں ان سے خطاب کروں۔ میں ان کے سامنے ''تخصیص القضائ'' کے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے سننے والے کان اور یاد رکھنے والے دل نظر آ رہے ہیں۔ میں حاضرین سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں سے صرف نظر کریں گے اور خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔ عصمت صرف رب تعالیٰ کے لیے ہے پھر اس کے بعد اس کے انبیائے کرام کے لیے ہے۔''

میں رب تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں:

''قضاء شرعاً اس مذہب کے ساتھ مختص ہوتی ہے جس کے تقاضا کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ یہ زمان، مکان، اشخاص اور حوادث کے ساتھ مختص ہوتی ہے، فیصلہ کرنے والا قاضی چاہے ایک ہو یا زائد، جہاں تک قضاء کا مذہب کے ساتھ مختص ہونے کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ سلطانِ وقت اپنے قاضیوں کو حکم دے کہ وہ ان مقدمات میں جو ان کے پاس آئیں صرف امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب کے مطابق فیصلے کریں۔ یا ان سے مروی ارجح اقوال کے مطابق فیصلے کریں۔ اگر سلطان

وقت یہ حکم نہ دے گا تو ہر قاضی پر لازم ہوگا کہ وہ اس مذہب کے مطابق فیصلہ کرے جسے اس نے اپنے لیے اختیار کر رکھا ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ۱۲۲۸ھ سے قبل مصر میں متعدد عدالتیں تھیں۔ یہاں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مذاہب تھے۔ مدعی کو اختیار ہوتا تھا کہ وہ جس قاضی کے پاس چاہے چلا جائے کیونکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ مدعی کو اختیار ہوتا ہے۔ علماء کرام اور اعیان مملکت نے والیٔ مصر محمد علی اور قاضیٔ مصر سے شکایت کی کہ قضاۃ کے متعدد مذاہب کی وجہ سے بہت سے نقصانات ہو رہے ہیں عقود کی جمیع اقسام سے اعتماد اٹھ رہا ہے۔ اگر دو افراد کسی چیز کو فروخت کرنا اور خریدنا چاہیں تو وہ ان سارے مذاہب کی شرائط کو کیسے پورا کر سکیں گے۔ پھر ہر مذہب میں متعدد اقوال بھی ہیں اگر کوئی شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاں ایسا معاملہ دیکھے گا جو عقد کو فسخ کر سکتا ہو وہ ان قاضی کے پاس وہ معاملہ لے جائے گا جو اسے غلط سمجھتا ہوگا، وہ اس عقد کو فسخ کر دے گا کیونکہ ہر قاضی اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ وہ اپنے مذہب کے اقوال دیکھے گا، یہ جو کچھ عقد بیع کے بارے کہا گیا ہے یہی کچھ دیگر عقود کے بارے بھی کہا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک ماہ یا دو ماہ اپنی بیوی سے غائب رہے۔ بیوی اپنا معاملہ اس قاضی کے پاس لے کر جائے جو یہ رائے رکھتا ہو کہ اگر خاوند قصر کی مسافت جتنا اپنی بیوی سے دور ہو، وہ نفقہ نہ دے نہ ہی اس پر کوئی خرچ کرنے والا ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ دو گواہ بھی بیوی کے حق میں گواہی دیں۔ ممکن ہے کہ ان کی گواہی واقعہ کے خلاف ہو۔ قاضی میاں اور بیوی میں تفریق ڈال دے لیکن خاوند کو اس کا علم نہ ہو۔ وہ واپس آئے وہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے پاس پائے تو دلوں میں کتنا کینہ اور بغض پیدا ہوگا۔ بعض اوقات اس سے جسمانی نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اس شکوہ کی بنا پر دو فرمان جاری کیے گئے۔ ان میں سے ایک سلطان وقت کے لیے تھا جبکہ دوسرا مصر کے قاضی کے لیے تھا۔ وہ اس امر کے ضامن تھے کہ قضاء کو حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب کے ساتھ مختص کیا جائے۔ اس وقت سے لے کر والیٔ مصر سعید کے زمانہ تک مصری حکومت کو شرعی فیصلہ میں کسی قسم کے دخل کی کوئی اجازت نہ تھی۔ بلکہ مدت مدید تک قضاء کا منصب (قاہرہ اور سویس کے شہروں کے علاوہ) سر عام نیلامی کر کے سودا سلف کی طرف بیچا جاتا تھا۔ جو زیادہ نیلامی لگاتا تھا وہ قاضی بن جاتا تھا۔ جس طرح وہ قضا کو خریدتا تھا اسی طرح وہ قضا کا منصب آگے فروخت کر دیتا تھا۔ خواہ وہ یہ سارا منصب بیچ ڈالتا یا نصف۔ اس سے جو لاقانونیت اور انارکی پھیلتی ہوگی، وہ کسی

سے مخفی نہیں۔ سعید کے زمانہ کے اوائل تک معاملات اسی طرح چلتے رہے۔ اس کی حکومت کی ابتدا میں حکومت مصر، قاہرہ اور سویس کی عدالت کے علاوہ سارے مصر کی عدالتوں کے ضامن بنی۔ یہ دونوں عدالتیں حکومت مصر سے خارج رہیں حتیٰ کہ مصر کے سابق وائسرائے اسماعیل دور کا آخر آ گیا۔ اس کے دور کے اواخر میں یہ دونوں عدالتیں بھی مصری حکومت کی ضمانت میں چلی گئیں۔ مصری عدالت کی تشکیلِ نو کی گئی۔ اس میں دو مجلسیں بنائی گئیں۔ پہلی مجلس، دوسری مجلس۔ قاضیٔ مصر کے دو نائب مقرر کیے گئے۔ مصر کے قاضی کو یہ حق ملا کہ وہ سویس کے شہر کا قاضی مقرر کر سکتا تھا۔ جو اس قاضی کا نائب ہوتا تھا۔ وہ جولاق اور عتیقہ میں اپنے دو نائب مقرر کر سکتا تھا۔ لیکن احکام میں افراتفری اسی طرح باقی رہی۔ کیونکہ اگرچہ قضاء کو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب کے ساتھ مختص کر دیا گیا تھا لیکن ان کے متعدد اقوال پھر ان میں سے اقویٰ، قوی، ضعیف، ارجح، راجح اور مرجوع بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح انتشار باقی رہا۔

معاملات اسی طرح رواں دواں رہے حتیٰ کہ توفیق کے عہد آغاز میں حکومت مصر نے ایک لائحہ عمل جاری کیا جو رجب ۱۲۹۷ھ کو بموافق ماہ جون ۱۸۸۰ء کو نافذ ہوا۔ یہ لائحہ عمل قضا کے پورے نظام کو متضمن تھا۔ اس نے یہ لازم قرار دیا کہ شرعی عدالتوں سے صادر ہونے والے احکام کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کے ارجح اقوال پر مبنی ہوں۔ انہیں چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ سوائے قتل کے کیس کے۔ اس صورت میں صاحبین اور آئمہ ثلاثہ کے مذہب پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس دستور کی دفعہ نمبر ۱۰ ملاحظہ کرو۔ آج تک اسی قانون پر عمل ہو رہا ہے۔ مگر یہ کہ بعض حادثات میں مصلحت کا تقاضا ہے کہ مذہب میں بعض دیگر اقوال پر عمل کیا جائے، جیسا کہ ۱۹۱۰ء کے قانون کی دفعہ نمبر ۱۳ میں یہ لکھا گیا ہے۔ اس میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ وہ احکام جو شرعی عدالتوں سے نافذ ہوں ان کا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے ارجح اقوال پر مبنی ہونا ضروری ہے۔ اس قانون کی شق نمبر ۲۸۵ بھی ملاحظہ کرو۔

سب سے پہلے بادشاہ بیبرس نے قاہرہ میں چار عدالتیں حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ قائم کیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ نے قاضی تاج الدین عبدالوہاب سے کسی مسئلہ کے متعلق پوچھا۔ مگر قاضی صاحب اس کا جواب دینے سے احتراز کرتے رہے۔ تاج الدین قاضی میں شافعی مذہب کے قاضی تھے۔ بادشاہ نے انہیں کہا:

"اپنے حنفی نائب کو حکم دو۔"

قاضی شافعی مذاہب ثلاثہ میں سے جسے چاہے اپنا نائب مقرر کر سکتا تھا۔ خصوصاً ضرورت کے وقت وہ اس طرح کر سکتا تھا۔ قاضی نے اپنا نائب بھی نہ بنایا۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ دیگر تین عدالتیں بھی ملا دیں اس طرح کی تین عدالتیں ملت اِسلامیہ میں پہلے کبھی نہیں بنائی گئیں۔ ابنِ میسر نے تاریخ مصر (۵۲۵ھ) میں لکھا ہے۔ اس کتاب کو ابو احمد بن فضل نے مرتب کیا۔" وہاں چار قاضی ہوتے تھے۔ ہر قاضی اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرتا تھا۔ شافعیہ کے قاضی سلطان بن رشاد۔ مالکیۃ کے قاضی ابو محمد عبدالمولی بن اللیثی، اسماعیلیۃ کے قاضی ابوالفضل بن الارزق، امامیۃ کے قاضی ابن ابی کامل تھے۔ اس طرح کی عدالتیں ہم نے پہلے کبھی نہیں سنیں۔

تم جانتے ہو کہ اگر قاضی متعدد ہوں اور ہر قاضی اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے تو معاشرہ میں کتنا خلل پیدا ہوگا۔ اسی لیے آئمہ نے تعدد قضاء سے منع کیا ہے۔ اسے مسلمانوں کے مابین تفریق کی علامت قرار دیا ہے۔ جس نے تعدد القضاء کے جواز کا قول کیا ہے اس نے ساتھ یہ شرط بھی لگائی ہے کہ سارے قاضی ایک ہی مذہب کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر کسی دوسرے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کی نوبت آجائے تو یہ معاملہ چیف جسٹس کے سپرد کیا جائے گا۔ وہ اس مذہب میں سے جسے چاہے گا اپنا نائب بنا دے گا، جس کے مطابق فیصلہ کرنے کی ضرورت پڑی تاکہ وہ اس احتیاج کے وقت اس مذہب کے مطابق فیصلہ کر سکے۔

زمانہ کے اعتبار سے قضا کی تخصیص

وہ یہ ہے کہ سلطانِ وقت جس کو منصبِ قضاء سونپے اسے جمعۃ المبارک اور اہم ایام کے علاوہ سارے زمانہ کے لیے یہ عہد سونپ دے۔ وہ ان ایام میں سے کسی دن کو فیصلے کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تخصیص ہر زماں میں موجود ہوتی ہے لیکن ابتدائی دور میں بعض قاضیوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ ان ایام میں بھی قضاء کے لیے بیٹھیں حتیٰ کہ ایک دن بھی ایسا نہ رہے جس میں قاضی لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لیے نہ بیٹھے۔

جگہ کے اعتبار سے قضاء کی تخصیص

اس سے مراد یہ ہے کہ سلطانِ وقت قاضی کے لیے مختص کر دے کہ وہ مخصوص دائرہ میں فیصلے کر سکتا ہے مخصوص مقامات میں فیصلے کر سکتا ہے۔ قاضی کے لیے جائز نہیں ہوتا کہ وہ ان کے

علاوہ دیگر مقامات پر فیصلے کرے۔ اگرچہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے یا ان لوگوں کے خلاف ہو جو اس کے دائرہ میں مقیم ہوں۔ مثلاً سلطان وقت الغربیۃ کے قاضی کو یہ حکم دے سکتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص دائرہ میں فیصلے کرے۔ وہ البحیرہ کے قاضی کو یہ حکم دے سکتا ہے کہ وہ اپنے معین دائرہ میں فیصلے کرے۔ اس تخصیص کے بعد ان میں سے کسی کے لیے بھی روا نہیں کہ وہ دوسرے کے علاقہ میں فیصلہ کرے۔

یہ تخصیص ہر دور میں تھی۔ حتیٰ کہ ہمارا زمانہ آ گیا۔ اگرچہ اس کا نظام مختلف تھا۔ اس دور میں جس میں قضاء اشیاء کی طرح خرید و فروخت ہوتی تھی۔ جس میں کوئی نظام نہ تھا نہ ہی سلطانِ وقت کی طرف سے تعیین تھی۔ بلکہ یہ تخصیص خواہشات نفسانی کے اعتبار سے ہوتی تھی۔ ایک شخص کئی اطراف کی قضاء کو خرید لیتا تھا۔ اس کے تقاضا کے مطابق اسے ساری اطراف میں فیصلہ کرنے کا حق تھا۔ وہ اپنا ذاتی مفاد پیش نظر رکھتے ہوئے ان جہتوں میں جیسے چاہتا تصرف کرتا تھا۔ اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ اس سے اسے یا اس کی ملت کو کیا نقصان پہنچتا ہے۔ سعید کے دور حکومت کے اوائل میں قضاء کے لیے علاقے مختص کیے گئے۔ عدالتوں کے لیے مختلف دائرے مقرر کیے گئے جو مصری حکومت کے قبضے میں تھے۔ مصر اور شہر سولیس کی عدالتیں اس سے مستثنیٰ تھیں۔ یہ حلقات اس طریقہ کے مطابق تشکیل کیے جاتے تھے جو اس طریقہ کار سے موافقت رکھتے تھے جس کا تذکرہ اس دستور کی شق نمبر ۶۴ میں تھا۔ یہ ۱۸۸۰ء میں آرڈیننس نمبر ۱۱ تھا۔ اس قانون پر عمل ہوتا رہا حتیٰ کہ عدالتوں کی تقسیم ہو گئیں۔ ایک مخصوص نظام پر ان کا تعین کیا گیا۔ یہ دستور ۱۸۹۷ء کو بنایا گیا۔ پھر اس سے بھی عمدہ تقسیم کی گئی مکمل طور پر عدالتوں کے حلقات کو مختص کیا گیا۔ جس طرح کہ قانون نمبر ۳۱، ۱۹۱۰ء کتاب اول میں پہلا اور تیسرا باب لکھا گیا ہے۔

قضا کی اشخاص کے ساتھ تخصیص

اس سے مراد یہ ہے کہ سلطانِ وقت کسی قاضی کو مختص کر دے کہ وہ معین افراد کے مابین فیصلے کرے وہ اسے مختص کر سکتا ہے کہ وہ معینہ عدالت کے حلقہ میں رہنے والے افراد کے مابین فیصلہ کر سکتا ہے مثلاً ایک شخص کو مغربی ضلع کا قاضی مقرر کر دیا جائے کہ وہ مغربی ضلع میں رہنے والے لوگوں کے مابین فیصلے کرے۔ جبکہ البحیرہ کے قاضی کو کہا جائے کہ وہ بحیرہ کے حلقہ میں رہائش رکھنے والوں کے مابین فیصلے کرے اگر بعد میں سلطانِ وقت یہ حکم صادر کر دے کہ بعض شہروں کو مغربی ضلع

کے دائرہ سے نکال دیا گیا ہے۔ اگر وہ قاضی ان شہروں کے رہائشیوں کے مابین فیصلے نہیں کر سکتا تو اس قاضی کے لیے روا نہیں کہ وہ اس کے بعد ان لوگوں کے مابین پھوٹنے والے جھگڑوں میں فیصلے کرے۔ اگر ان کے دو فریق ان کے پاس ان کی عدالت میں آ جائیں تو وہ ان کے مابین فیصلہ نہیں کر سکتا۔ خواہ یہ واقعات اس کی تبدیلی سے پہلے کے ہوں یا بعد کے۔ وہ قاضی جو الجزیرہ کے شہروں کے لیے مختص تھا تو اسے ان جھگڑوں میں فیصلہ کرنے کا حق تھا جو ان لوگوں کے مابین رونما ہوں۔ خواہ وہ واقعات ماضی یا حال یا مستقبل کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں۔ اگر ہم فرض کر لیں ایک شخص مغربی ضلع کے دائرہ میں رہائش رکھتا تھا۔ پھر وہ اس سے کوچ کر گیا، اپنی رہائش تبدیل کر لی۔ وہ ضلع البحیرہ کے دائرہ میں سکونت پذیر ہو گیا تو اسے ضلع البحیرہ کے قاضی کو اس شخص کے خلاف اندراج ہونے والے مقدمات میں فیصلے کرنے کا حق مل گیا۔ الغربیہ کا قاضی ان میں فیصلے کرنے سے معزول ہو گیا۔ خواہ وہ واقعات اس کی رہائش تبدیل کرنے سے پہلے کے ہوں یا بعد کے۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔

اس تخصیص کا گزشتہ زمانہ میں وجود نہ تھا۔ حتیٰ کہ ۱۸۸۰ء کا دستور نمبر ۱۱ نافذ ہو گیا۔ بلکہ ہر عدالت کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ غور و فکر کرے اور اس دعویٰ میں فیصلہ کرے جس میں جھگڑنے والے افراد دعویٰ کے وقت وہاں موجود ہوں۔ خواہ ان کی رہائش اس کے دائرہ سے باہر بھی ہو۔ (اس دستور کی شق نمبر ۶۲ ملاحظہ کرو)

اس طرح احکام میں بہت سی انارکی اور افراتفری پھیل گئی، حتیٰ کہ اگر ایک فریق کا تعلق صعید اعلیٰ سے ہوتا۔ وہ اسکندریہ جاتا وہ ایک شخص کی وفات اور اس کی وراثت کا دعویٰ کر دیتا۔ تو اس کے لیے یہ فیصلہ کر دیا جاتا۔ دوسرا شخص کسی دوسری عدالت میں چلا جاتا۔ وہ اس شخص کی موت اور اپنی وراثت کا دعویٰ کر دیتا تو وہ عدالت پہلے فیصلے کے خلاف فیصلہ کر دیتی۔ اس دعویٰ کی بنیاد نہ صرف ان انتشارات پر ہوتی تھی جس کا سامنا ان حقیقی خصموں کو کرنا پڑتا تھا جو مدعی کے مخالف فریق ہوتے تھے۔ بلکہ مدعی جب کسی بھی عدالت کے سامنے حاضر ہوتا۔ اس شخص پر قرضہ کا کیس بھی دائر کرا دیتا جس کی وفات اور وراثت کا وہ دعویٰ کرتا۔ وہ اس مقدمہ میں اسے اپنا فریق بناتا جعلی قرض کا اس سے مطالبہ کرتا۔ اس کے لیے خلاف حقیقت فیصلہ کر دیا جاتا۔ بعض اوقات مدعی کسی عدالت میں حاضر ہوتا اور اس شخص کے خلاف جعلی قرض کا دعویٰ دائر کرا دیتا جو یہ دعویٰ کرتا کہ وہ بیع، ہبہ، حقوق پر قبضہ کرنے اور سارے تصرفات شرعیۃ میں وہ اس کا وکیل ہے وہ جعلی قرض کے اس دعویٰ

میں اسے ایک فریق بنالیتا وہ اس کے موکل سے مطالبہ کرتا کہ وہ قرضہ ادا کرے۔ مدعی علیہ اس قرض کا اعتراف کر لیتا۔ وہ اسے مدعی کے موکل کے لیے لازم قرار دیتا۔ اس کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیتا۔ مدعی مذکور توکیل کا دعویٰ دو گواہیوں کے ساتھ ثابت کر دیتا۔ اس کے لیے فیصلہ کر دیا جاتا۔ اس کے بعد مذکور وکیل اس موکل کی جائیداد اور جاگیروں کو فروخت کر دیتا۔ وہ موکل غائب ہوتا۔ اس کو اس میں سے کسی چیز کا علم نہ ہوتا۔ جب وہ واپس آتا تو پاتا کہ اس کی ساری جائیداد یا اس کا اکثر حصہ دوسرے شخص کی ملکیت میں چلا گیا ہوتا۔

اس لاقانونیت کی وجہ سے بہت سے حقوق تلف ہو جاتے تھے جب ہم ''المنیا'' کی عدالتوں میں منصب قضاء پر فائز تھے ہم نے اس قسم کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان عدالتوں کے رجسٹروں میں اب بھی ایسی کاروائیاں اور روئداد موجود ہیں۔ اسی بناء پر ایک آرڈیننس جاری کیا گیا کہ شرعی عدالتیں اور ان کے نائبین صرف اس دعویٰ میں فیصلہ کر سکتے ہیں جو ان لوگوں کے سامنے واقع ہوں جو ان کے حلقہ کے رہائشی ہیں۔ اگر فریق کی جہت میں اختلاف ہو جائے یا جہتیں متفرق ہوں تو مدعی اسی جہت میں اپنی رہائش بنا لے گا۔ (اس دستور کی دفعہ ۶۳ ملاحظہ کریں) اس آرڈیننس نے بعض نقصانات ختم کر دیے لیکن مقدمات میں جعلی قرض کا دعویٰ کرنے والے کا عمل دخل باقی رہا۔ اسی دستور پر عمل ہوتا رہا حتیٰ کہ ۱۸۹۷ء میں ایک دستور کا نفاذ کیا گیا اس میں خصوصیت کے ساتھ اس شق کو شامل کیا گیا جس نے جعلی قرض خواہوں سے ملنے والے نقصان کی تلافی ہو سکے۔ اس طرح شرعی حقیقی خصم کے علاوہ دوسرے پر دعویٰ کی سماعت کو روک دیا گیا (اس دستور کی شق نمبر ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۴۸ ملاحظہ کرو) قانون نمبر ۳۱ نے بھی یہی نص بیان کی ہے۔ اسی پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔ اس کا نقصان ختم ہو گیا اور لاقانونیت مٹ گئی۔

قضاء کی حوادث کے ساتھ تخصیص

اس سے مراد یہ ہے کہ سلطانِ وقت کسی قاضی کے لیے مختص کر دے کہ وہ بعض واقعات میں تو فیصلہ کر سکتا ہے لیکن بعض میں نہیں۔ وہ اسے یہ حکم تفویض کرتا ہے کہ وہ جنایات، قابل سزا جرم یا معمولی جرائم یا وہ اسے کہے کہ وہ نکاح، طلاق، نفقات، وراثت اور اوقاف کے فیصلے کر سکتا ہے اور دیگر معاملات کے بارے فیصلے کرنے کا اختیار کسی اور جج کے سپرد کر دے۔

اگر ہم فرض کر لیں ضلع بحیرہ کا قاضی سارے حادثات اور حکمیہ اور جزیہ مقدمات میں

سارے ضلع کے حلقہ میں فیصلے کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ پھر سلطان وقت اس قاضی کے ساتھ اور قاضی بھی ملا دے وہ اسے حکم دے کہ ایک قاضی کی بجائے سارے مل کر کسی مقدمہ میں غور وفکر کیا کریں۔ یہ وہ انہیں مختص کر دے کہ وہ عمومی مقدمات میں فیصلے کریں وہ مراکز کے قاضیوں میں سے ہر ہر قاضی کے لیے انفرادی طور پر فیصلے کرنے کا حق بھی دے دے۔ وہ ان میں سے ہر ایک کو مختص کر دے کہ وہ غور وفکر کرے اور قضایا جزئیہ ابتدائیہ فیصلے کرے وہ قاضی جنہیں اس نے قضایا کلیہ میں فیصلے کرنے کے لیے مختص کیا تھا وہ قضایا جزئیہ میں ابتدائی فیصلے کرنے سے معزول ہو جائیں گے مراکز کے قاضیوں میں سے ہر قاضی قضایا کلیہ میں انفرادی طور پر فیصلے کرنے سے مطلق معزول ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ قضایا جزئیہ میں اپیل کی صورت میں فیصلہ نہیں کر سکے گا۔ خواہ وہ قضایا اس ترمیم سے پہلے کے ہوں یا بعد کے۔ کوئی فرق نہیں۔

یہ تخصیص ۱۸۹۷ء سے پہلے ادوار میں موجود نہیں تھی۔ بلکہ ہر قاضی کے لیے جائز تھا کہ وہ ہر اس دعویٰ کا فیصلہ کرے جو اس کے ہاں دائر کیا جائے۔ وہ اس کا تعلق کس نوع کے ساتھ بھی ہو۔ البتہ وہ دعویٰ اس سے مستثنیٰ ہے جو متعدد قضاء کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ اس حیثیت سے کہ سارے قاضی اس کا فیصلہ کریں صرف ایک قاضی فیصلہ نہ کرے۔ یہ تخصیص مصر اور اسکندریہ میں پائی جاتی ہے۔ ۱۸۸۰ء میں نافذ ہونے والے دستور کی شق نمبر ۲۳، ۲۴، ۲۶ ملاحظہ کریں۔

اس کے بعد یہ تخصیص ۱۸۹۷ء میں شق نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ سے پوری طرح واضح کی گئی۔ پھر اس سے انحراف کیا گیا۔ پھر ۱۹۱۰ء کے قانون نمبر ۳۱ میں یہ تخصیص مکمل اور اتم تھی۔

تخصیص کا وقوع

اس ساری تفصیل سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ مصر میں قضا شرعی میں یہ تخصیص اپنی ساری اقسام کے ساتھ موجود ہے۔ مصر کے سارے ججز کو سارے واقعات میں دعویٰ کو سننے اور فیصلے کرنے سے روک دیا گیا۔ مگر قیود کے ساتھ اور واضح حالات میں انہیں اجازت دی گئی۔ ۱۹۱۰ء کے قانون نمبر ۳۱ میں یہ تفصیل موجود ہے۔ مثلاً مصر کے قاضی وقف اور اقرار کے متعلقہ دعوے صرف سخت قیود اور واضح حالات میں سن سکتے ہیں ان حالات کو بھی اس قانون نے واضح کر دیا ہے۔ خواہ وہ واقعات ماضی میں ظہور پذیر ہوں یا مستقبل میں رونما ہوں۔ خواہ وہ اس قانون کے نفاذ سے پہلے کے ہوں یا اس سے بعد کے۔ البتہ وہ امور اس سے مستثنیٰ ہیں جو قانون کی شق نمبر ۱۰۰ اور ۱۰۱ میں

بیان کیے گئے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض اوقات دل میں یہ خیال آتا ہے کہ عام قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ قوانین پر ان کی تاریخِ نفاذ سے عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن قضاء کی تخصیص کی ساری اقسام میں ان قواعد کی پیروی نہیں کی جاتی۔ ہم نے یہ تفصیل بیان کر دی ہے کہ تخصیص کا عمل دخل سارے واقعات میں ہوگا۔ اس سے متاخر اور مقدم میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ جی ہاں! حقیقت اسی طرح ہے۔ لیکن یہ ان قوانین کے ساتھ مختص ہے جو احکام کے متعلقہ ہیں جس پر قضاء کا دار و مدار ہوتا ہے۔ قاضیوں کے احکام انہی کے تقاضا کے مطابق جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک قانون کا نفاذ ہوتا ہے اس میں بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ میں حکم اس طرح ہے۔ پھر دوسرے قانون کا نفاذ ہو جاتا ہے اس میں اس واقعہ کے بارے دوسرا حکم بیان کیا جاتا ہے دوسرے قانون کے نفاذ سے قبل ماضی میں رونما ہونے والے واقعات میں فیصلہ قانون اول کی نص کے مطابق ہوگا۔ اس میں قانونِ الٰہیہ شرعیۃ اور قوانین وضعیہ مین کوئی فرق ہیں۔ یہ تفصیل اس شخص کو بھی معلوم ہو سکتی ہے جو نصوص شرعیۃ کی طرف رجوع کرتا ہے اور علماء نے ان میں سے جس جس امر کو ناسخ اور منسوخ فرمایا ہے۔ ناسخ پر صرف اس کے نفاذ کی تاریخ سے ہی عمل کیا جائے گا۔

البتہ وہ قوانین جن کا تعلق قانونی کارروائی اور نظام کے ساتھ ہوتا ہے۔ احکام کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ان قوانین کا اجراء جس طرح حوادثات متاخرہ پر ہوتا ہے اسی طرح حادثات متقدمہ پر ہوتا ہے۔ وہ قوانین جن کا تعلق قضاء شرعی کے تخصص کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ معزول کرنے اور نگران بنانے کو متضمن ہوتے ہیں جس طرح کہ ہم نے تفصیل بیان کر دی ہے۔ اس طرح ان پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ جس طرح ان کا نفاذ ان واقعات پر ہوتا ہے جو ان کے نفاذ سے قبل رونما ہوں اسی طرح ان کا نفاذ ان واقعات پر بھی ہوتا ہے جو ان کے نفاذ کے بعد ظہور پذیر ہوں۔ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ قاضی کو اپنے منصب سے معزول ہونے کے بعد جھگڑوں میں سے کسی جھگڑے میں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا خواہ وہ واقعات اس کی معزولی سے پہلے کے ہوں یا اس سے متاخر ہوں۔ خواہ یہ معزولی مکمل ہو یا اسے کسی

ایک جگہ سے معزول کر کے دوسری جگہ نامزد کیا جائے۔ یا کسی ایک وقت میں اسے معزول کر کے دوسرے وقت میں بحال کر دیا جائے یا یہ معزولی مخصوص اشخاص کی نسبت سے ہوں۔ بعض دیگر افراد کے اعتبار سے بحالی ہو یا بعض حوادث میں ان کی معزولی ہو اور بعض حوادث میں ان کی بحالی ہو گئی ہو۔ جس طرح کہ تخصیص کی کیفیت ہوتی ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کا تقاضا قواعد شرعیہ تخصیصِ قضاء کی ساری اقسام میں کرتے ہیں۔ جس طرح کہ ہم نے تفصیل بیان کر دی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ عائلی عدالتوں کو تشکیل کے بعد یہ اختیار دیا گیا کہ وہ سول فیصلوں میں غور وفکر کیا کریں۔ حالانکہ پہلے شرعی عدالتیں ان میں فیصلے کرتی تھیں۔ اب عائلی عدالتیں ان کا فیصلہ کرنے لگی ہیں۔ اس معاملہ کی انتہا یہ ہے کہ عدالتیں اپنے احکام کا نفاذ ان قوانین پر کرتی ہے جو ان کی تشکیل سے پہلے کے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے قانون کے احکام ان واقعات پر بھی لاگو کرتی ہیں جو ان کی تشکیل کے بعد رونما ہوتے ہیں۔ جبکہ شرعی عدالتیں اس طرح کے فیصلے نہیں کرتیں۔ کوئی فرق نہیں خواہ وہ امر سول کورٹس کی تشکیل سے پہلے کا ہو یا اس سے بعد کا۔ اس کی وجہ یہ ہے جس طرح کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ حکومت کی نظر میں شرعی عدالتوں کے قاضیوں کا سول دعووں میں غور وفکر کرنے سے معزول کرنا ہے۔ سابق اور لاحق سول کورٹس کی خصوصیات بن گئیں۔ اگرچہ احکام کے نفاذ میں اختلاف رہا۔

اوقاف کے واقعات میں تخصیص قدیمی ہے

وہ تخصیص جسے ۱۸۹۷ء کے قانون کی شق نمبر ۳۱ نے بیان کیا ہے جو اوقاف کے واقعات کے بارے ہے، وہ اس آئین کے نفاذ پر منحصر نہیں بلکہ یہ تخصیص ۱۸۸۰ء کے قانون نمبر ۱۱ میں بھی تھی۔ اس کی شقوں میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی تھی۔ جس طرح کہ اس قانون کو پڑھ کر اور اس کے نفاذ کی روح کو سمجھ کر اسے جانا جا سکتا ہے۔ (شق نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ کی طرف رجوع کرو) اس قانون کے بارے غور وفکر کرتے وقت قاضیوں کے حالات ضرور پیش نظر رکھیں۔ جو شخص اس وقت قضاء کی وسعت میں غور وفکر کرتا ہے۔ اسے یقین ہو جاتا ہے، غلط دلائل پر اس وقت عمل نہیں کیا جاتا تھا، ان میں کوئی فرق نہیں تھا جو ان میں مکر وفریب کا احتمال رکھتے تھے یا نہ رکھتے تھے۔ اس دستور کے علاوہ وہ کچھ اور جانتے ہی نہ تھے۔ یا تو ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس کی کوئی شق شریعت کے مخالف نہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شرعی حکم اس کے مخالف تھا جو وہ اعتقاد رکھتے تھے۔ یا وہ اس دستور کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے۔ ہر دو معاملات میں وہ فقط ان امور کے بارے

فیصلہ کرتے تھے جن کے بارے فقط گواہ گواہی دے دیتے۔ اگرچہ ان کی گواہی مکر و فریب میں اظہر من الشمس ہوتی ہے۔ بعض اوقات بعض قاضی کسی واقعہ کے بارے گواہوں کی گواہی سنتے۔ جس میں وقف کرنے والا تقریباً یا اس سے زائد عرصے سے مر گیا ہوتا۔ گواہ گواہی دیتا کہ واقف نے فلاں شخص کو اپنے وقف سے نکال دیا تھا۔ یہ شخص اس کی اولاد میں سے ہی تھا۔ یا اس نے اپنے وقف میں تبدیلی کر دی تھی۔ قاضی کو بڑے واضح طور پر سمجھ آ جاتی تھی کہ اس کم عمر شاہد نے واقف کو نہیں پایا تھا۔ نہ ہی اس کے باپ اور دادا نے اسے پایا تھا۔

وہ سبب جس نے حکومت کو تخصیص پر ابھارا

حکومت نے دیکھا کہ لوگ اپنے جھوٹے دعوؤں میں حدود سے تجاوز کر جاتے تھے، جھوٹی گواہی دینے میں ساری قیود پھلانگ دیتے تھے۔ اس زمانہ کے بہت سے قاضی بھی ان کی موافقت کرتے تھے۔ حکومت نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اکثر لالچ اور طمع اوقاف اور وراثت میں ہوتا تھا۔ ایک شخص مر گیا ہوتا نہ اس کی زوجہ ہوتی نہ ہی اس سے وقف کا صدور ہوتا۔ یا اس کی بیوی ہوتی اور ان کے مابین جدائی نہ ہوئی ہوتی یا قدیمی زمانہ میں اس سے وقف کا صدور معینہ شروط کے ساتھ ہوتا۔ وہ اپنے وقف کی شروط میں سے کسی شرط کو تبدیل کرے سے پہلے مر جاتا۔ لیکن وقف یا ترکہ میں لالچ کرنے والے آتے تو وہ اس میت کی طرف ایک بیوی کو منسوب کر دیتے۔ وہ صرف ترکہ میں لالچ کرتے ہوئے اس طرح کر دیتے یا یہ باطل دعویٰ کر دیتے کہ واقف نے اپنی موت سے قبل مخصوص کیفیت میں وقف کیا تھا جو غیر وارث کو مستحق اور مستحق کو غیر وارث بنا دیتی، یا وہ دعویٰ کرتے کہ واقف نے فلاں کو اور اس کی اولاد کو وقف سے نکال دیا تھا۔ اس نے اپنے وقف کی شروط کو تبدیل کر دیا تھا۔ اس طرح وہ اپنا طمع پورا کرنا چاہتے تھے۔ ایسے امور سے وہ شخص بآسانی آگاہ ہو سکتے ہیں جو ان دعوؤں کی طرف رجوع کرے جو بعض بلند منصب لوگوں کے ہاں دائر کیے گئے۔ ان کا تعلق زمین اور جائیداد کے ساتھ تھا جو کسی شخص نے وقف کی تھی۔ عدالت میں دعویٰ لے جایا گیا جس میں اس کا نفوذ ہوا تھا۔ اس کا صرف اور صرف مقصد وارث کو حق سے محروم کرنا ہوتا تھا۔ ایسے شخص کو وراثت کا مستحق بنانا ہوتا تھا جو اس کا مستحق نہ ہوتا تھا۔

ایسے دعوؤں نے ہی حکومت کو ترغیب دی اگر اس تخصیص کا نفاذ نہ ہوتا، حقوق ضائع ہو جاتے۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد یہ سارے جھوٹے دعوے دفن ہو گئے۔ اگر ہم اس دعویٰ کی

طرف رجوع کریں جس میں ایک خاتون کے خاوند کی اولاد نے یہ دعویٰ دائر کیا تھا کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ جب اس عورت کی شادی کا سرکاری نکاح نامہ پیش کیا گیا تو وہ فوراً بول اٹھے:

''اس عورت کو طلاق ہوگئی تھی۔''

انہوں نے فوراً طلاق کا دعویٰ کر دیا۔ فریقین کے وکیل اپنے اپنے خصم کا مقابلہ کرنے لگے۔ اسی طرح ہر ایک دفاع کرتا رہا حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بیوی کے وکیل نے دعویٰ کر دیا کہ اس کے خاوند نے حالتِ صحت میں اسے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ وہ لگا تار طلاق کا اقرار کرتا رہا۔ اس کا تکرار کرتا رہا حتیٰ کہ اس کی روح نکل گئی۔ جب اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے ساری کوششیں بروئے کار لائی گئیں تو ایسی گواہیاں قائم ہوگئیں جن سے قاضی کو اطمینان ہو گیا۔ قرائن بھی اس امر کی طرف راجح تھے کہ وہ عورت اس مرد کی بیوی ہی تھی اور وہ اس کی بیوی ہی رہی حتیٰ کہ وہ شخص مر گیا تو مدعی علیہم اور ان کے وکیل کو عدالت میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا۔ مجلس قضاء میں انہیں حاضر ہونے سے روک دیا گیا۔ اس صورت میں عدالت نے حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب کے راجح اقوال کی طرف رجوع کیا۔ اس نے پایا کہ اس میں ارجح قول امام ابو یوسف کا تھا، وہ یہ تھا کہ مدعی علیہم کی عدم موجودگی میں گواہوں کی چھان بین کرنا۔ اور ان کی عدم موجودگی میں ان پر حکم لگا دینا۔ عدالت نے یہ قول جان لیا۔ اس نے اس عورت کے متعلق فیصلہ کر دیا کہ وہ اس مرد کی بیوی ہی تھی۔ اس کے مرتے وقت تک اس کی بیوی تھی۔ طلاق کے دعویٰ کو اس نے رد کر دیا یہ اپنی نوعیت کا پہلا حکم تھا جو متاخرہ زمانہ میں مصری عدالتوں میں صادر ہوا۔ اس حکم نے غائب پر حکم لگانے کا ایک دروازہ کھول دیا۔ تاکہ ہم خصوم کو (بالقوۃ) حاضر کرنے کی مشقت سے بچ سکیں۔ اس قانون کا نفاذ ۱۸۹۷ء میں ہوا۔ اس میں غائب پر حکم لگانے کی نص بیان کر دی گئی۔ جس طرح کہ ۱۹۱۰ء کے قانون نمبر ۳۱ یہ صراحت موجود تھی۔ یہ شق اس قانون کے احکام کے چوتھے باب دوسری فصل میں ہے۔ جس طرح اس شق نے حیلہ سازی کی ساری اپیلوں کو ختم کر دیا۔ اسی طرح اس نے ہر اس اپیل کو ختم کرنے کو لازم قرار دیا جس میں عدالت کو کوئی حیلہ یا تلبیس نظر آئے۔ اس طرح وہ حاضر ہو کر بھی اپنا دعویٰ بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اس طرح واضح اقرار کی بناء پر دعویٰ کو خارج کرنا لازم قرار دیا گیا۔ (شق نمبر ۱۲۹) شق نمبر ۱۰۹) کی طرف رجوع کرو۔ اس وقت میں مصر کی شرعی عدالت میں مجلس علمی کا رئیس اور رکن اول تھا۔ میں ان افراد میں شامل تھا جنہوں نے یہ قضیہ سماعت کیا اور اس کے بارے فیصلہ کیا۔

اسی طرح بعض لوگوں نے دعویٰ کر دیا کہ ان کی بھتیجی ان کے دادا کی وقف جائیداد سے خارج ہے۔ یہ دعویٰ وقف کی مدت مدید کے بعد کیا گیا۔ یہ دعویٰ مصر کی شرعی عدالت میں منظور بھی ہو گیا۔ حتیٰ کہ مذکورہ تخصیص کا دستور ۱۸۹۷ء میں نافذ ہو گیا۔ یہ دعویٰ بھی زیر زمین دفن ہو گیا۔

اسی طرح ایک شخص نے عورتوں میں سے کسی عورت کے بارے زوجیت کا دعویٰ کر دیا۔ اگر اس عمدہ قانون کا نفاذ نہ ہوتا کہ قاضیوں کو ہر اس دعویٰ کی سماعت سے روک دیا گیا جس میں کسی شخص کے ترکہ پر دعویٰ کیا جاتا اور حکومت اس رکاوٹ کا اعتبار نہ کرتی جس کا اطلاق ماضی پر بھی ہوتا تھا تو یہ دعویٰ کسی حد پر جا کر نہ رکتا۔ لیکن اس قانون کی وجہ سے یہ بھی در گور ہو گیا۔

اسی طرح ان گنت اور بے شمار ایسے واقعات ہیں جس طرح کہ وہ شخص انہیں جان سکتا ہے جو مصر کی شرعی عدالت کے رجسٹر اور کارروائیوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ان میں اس طرح کی انتہائی تعجب خیز مثالیں ہیں۔ اس عدالت کے علاوہ دیگر عدالتوں کی مثالیں اور بھی تعجب خیز ہیں۔ جب حکومت نے یہ آثار دیکھے تو اس نے ایک ضابطہ بنایا۔ اس نے قضاء کی تخصیص کی وضاحت کر دی۔ یہ آئین ۱۸۹۷ء میں نافذ کیا گیا۔ اس کا تذکرہ شق نمبر ۲۵ اور ۳۱ میں ہے۔ ایسی پابندیاں عائد کر دی گئیں جو حتیٰ المقدور مکر وفریب کو روکتی ہیں اور جھوٹے دعوے کرنے والوں کو واپس لوٹا دیتی ہیں۔ اسی حال میں کہ وہ خائب وخاسر ہوتے ہیں۔ حکومت کو جس چیز سے سب سے زیادہ اس امر پر ابھارا وہ اوقاف، اس کی شروط میں تغیر وتبدل اور طلاق اور زوجیت کے ایسے واقعات تھے جن میں جھوٹے افراد زوجین میں کسی ایک کے مر جانے کے بعد جھوٹے دعوے کر دیتے تھے۔ ان میں ایسے واقعات کثیر تھے جو اس دستور کے نفاذ سے پہلے کے تھے۔

وصایۃ کی حکمت

اس باب میں ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ وصی اور وقف کے نگران میں حفظ امانت کے اعتبار سے مشابہت پائی جاتی ہے، ان میں مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ایسی چیز کی حفاظت سپرد کی گئی ہے جس میں انہیں تصرف کا حق اس شرعی شروط کے ساتھ ہے جو شارع نے مقرر کی ہیں۔ اس طرح کہ جب ان کا نفس غلط طریقہ سے اس مال کو چھونے کی طرف مائل ہوا تو ان میں سے ہر ایک عذاب کا مستحق ہو گیا۔ خواہ یہ دھوکہ دہی اور فریب سے وہ مال سلب کر لینا ہو یا اس کے اضافہ اور نمو میں تصرف کے اعتبار سے ہو۔ خواہ وہ ایسے طریقوں سے ہو جن میں لوگ سمجھتے ہوں کہ یہ اس کو تاہ

شخص کے لیے اس میں مصلحت ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ وصی کے خطرہ سے آگاہ ہو جاؤ اور ان لوگوں کے انجام سے آگاہ ہو جاؤ جو یتیموں کا مال ظلم اور سرکشی کرتے ہوئے کھاتے ہیں تو یہ آیت طیبہ پڑھ لو۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (النساء:۹،۱۰)

ترجمہ: اور چاہیے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں) کہ اگر وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے تو وہ کتنے فکرمند ہوتے ان کے متعلق پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہے بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں جو یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں۔

وصی کو مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب ایک انسان مرجائے، وہ اپنے ورثاء کے لیے مال و دولت چھوڑ جائے ان میں ایک ایسا بچہ بھی ہو جو دانا نہ ہو، جو اپنے مال میں اچھی طرح تصرف نہ کرسکتا ہو، دوسرا شخص اس میں لالچ کرتا ہو، خصوصاً اس کے وہ قریبی رشتہ دار جو اس بچے پر لطف و عنایت کا اظہار کرتے ہوں، حالانکہ حقیقت میں وہ اموال کو باطل طریقے سے غبن کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے بچے کے لیے ایک امین اور شفیق وصی مقرر کیا جائے جس کا دل رحمت اور شفقت سے لبریز ہو۔ لوگ جس کے تقویٰ، عفت اور پاک نفسی کی گواہی دیں۔ وہ اس بچے کے باپ کے قائم مقام ہو۔ وہ اس کی مکمل مثال ہو۔ اگر وہ زندہ ہوتا، ہم نے بہت سے ایسے افراد کو دیکھا ہے جو اس وصیت کے خطرات کو جانتے ہیں ان میں سے کوئی بھی وصی بننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اگرچہ انہیں کتنا بڑا مشاہرہ پیش کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس عذاب کو جانتے ہیں جس کو رب تعالیٰ نے اس وصی شخص کے لیے تیار کیا ہے جو خیانت کرتا ہے وہ صدق، امانت اور دیگر شبہات سے اجتناب نہیں کرتا۔ ہم ایسے وصی کو جانتے ہیں جو صالح اور پاکباز تھا لیکن اس نے اپنے مال کو اس بچے کے مال سے ملا دیا وہ تجارت، زراعت وغیرہ میں اس نے ان کا فرق برقرار نہ رکھا۔ جب اوصیاء امانت کے ساتھ اپنا فریضہ سرانجام نہ دے سکیں تو وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے ہوتے ہیں اور آخرت میں وہ فجار کے ساتھ ہوں گے، لیکن اگر وہ عدل کریں، ذمہ داری کا پاس کریں، تو وہ دنیا اور روزِ حشر سارے لوگوں سے بلند منصب ہوں گے، اور ان کے لیے اجرِ عظیم اور

ثواب عظیم ہوگا۔

حجر کی حکمت

حجر میں بہت سے جلیل اور خوبصورت حکمتیں کارفرما ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع حکیم نے دیکھا جس شخص کی عقل میں خلل ہو جائے یا وہ ناسمجھ ہو تو اس کے اموال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اچھی طرح تصرف نہیں کر سکتا، شارع حکیم نے اس پر پابندی (حجر) لگا دینے کا حکم دیا تا کہ اموال ان لوگوں سے محفوظ ہو جائیں جو لوگوں کے اموال باطل، دھوکہ، ملاوٹ اور مکر سے چھین لیتے ہیں، تا کہ وہ اموال مالک کے برے تصرف سے بھی محفوظ رہیں۔

جب شارع حکیم نے دیکھا کہ وہ لوگ جو فسق و فجور اور گناہوں کی دلدل میں گر جاتے ہیں، وہ اپنے اموال کو دائیں بائیں ضائع کرتے رہتے ہیں وہ بھی مجنونوں اور ناسمجھوں کے زمرہ میں آتے ہیں تو اس پر حجر اور پابندی لگا دی تا کہ ان کے اموال محفوظ رہیں تا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد اور اہلِ خانہ کے لیے ان کے اموال محفوظ رہیں۔ اگر مسلمان اس قاعدہ پر عمل پیرا ہوں جو شارع حکیم نے ان کے لیے مقرر کیا ہے تو ہم اپنے سامنے بہت سے ایسے خاندان نہ دیکھیں جن کو زمانہ نے برباد کر دیا ہے۔ غربت نے انہیں ملیا میٹ کر دیا ہے۔ یہ ان وارثین کی فضول خرچی کی وجہ سے ہے شراب نوش ہم نشینوں، شراب کے جاموں اور ایسی بدکارہ عورتوں کے ساتھ صبح و شام کرتے ہیں جنہوں نے ان کی جیبیں خالی کرنے کے بعد ان کی عقلیں بھی سلب کر لی ہیں۔

حجر کا معاملہ صرف یہاں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس شخص کو بھی مجور کر دیا جاتا ہے جو غلط فتوے دیتا ہے۔ وہ جاہل ہوتا ہے اسے حکم شرعی کی حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ وہ اپنے فتویٰ کی وجہ سے لوگوں میں فتنہ انگیزی کرتا ہے، اسی طرح اس جاہلِ طبیب پر بھی پابندی لگا دی جاتی ہے جو امت کا غلط علاج کرتا ہے وہ طب کے فن سے آگاہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے پاکیزہ ارواح کو نکال دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ بہت بڑی مصیبت اور پریشانی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح مفلس مقروض کو بھی حجر کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی باطل طریقہ سے لوگوں کے اموال تلف کرتا ہے۔ ''المبسوط'' میں ہے:

''خوب جان لو کہ رب تعالیٰ نے خلق کو تخلیق کیا۔ انہیں عقل کے مختلف درجات میں رکھا۔ بعض کو اصحاب الرائے بنایا، ان میں سے بعض ہدایت کی نشانیاں ہیں۔ اندھیرے میں چراغ

ہیں۔ اس نے بعض افراد کو دنیا کے معاملات میں آزمائش میں مبتلاء کر رکھا ہے جیسا کہ مجنون (جس کی عقل بالکل نہ ہو) یا ناسمجھ (جو ناقص العقل ہو) شریعت مطہرہ کی رو سے ان دونوں کو تصرفات سے روک دیا جاتا ہے۔ ان کے بارے چھوٹے بچے کی حجر کا اعتبار کیا جاتا ہے جو طفولیت کی حالت میں ہو کیونکہ اس میں عقل معدوم ہوتی ہے۔ جب وہ تمیز کی عمر کو پہنچتا ہے تو کم عقل ہونے کی وجہ سے اس پر مجور کر دیا جاتا ہے، کتاب حکیم میں اس کے بارے نص موجود ہے، انہی نصوص سے بطریق تشبیہ استدلال کرتے ہوئے مجنون اور ناسمجھ کو مجور کر دیا جاتا ہے، کیونکہ ان کی حالت بچے کی حالت سے بدتر ہوتی ہے۔ کیونکہ بچہ دانائی نہ ہونے کی وجہ سے نقصان کرتا ہے، اسی لیے رقبہ واجبہ میں بچے کا غلام آزاد کرنا درست ہے لیکن مجنون کا نہیں۔ اسی لیے جب بچہ عاقل بن جائے گا تو اس پر حجر نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

''آزاد مرد کو مجور کرنا باطل ہے۔''

ان کی مراد یہ ہے کہ جب وہ دانائی کے ساتھ بالغ ہوا کیونکہ ان سے روایت ہے کہ حجر صرف تین افراد پر جائز ہے:

1. بے حیائی، فحش گو مفتی۔
2. جاہل طبیب
3. مفلس مقروض۔

کیونکہ اگر انہیں مجور نہ کیا جائے تو بہت زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ بے حیا مفتی لوگوں کے دین کو خراب کر دے گا۔ جاہل طبیب ان کے جسموں کو خراب کر دے گا، مفلس مقروض لوگوں کے اموال کو برباد کر دیتا ہے۔ اس نقصان کو دور کرنے کے لیے انہیں مجور کر دیا جاتا ہے، اس باب کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما ضیافتوں میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے، حتیٰ کہ انہوں نے ایک لاکھ دراہم سے صرف ضیافت کے لیے ایک گھر خریدا۔ یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا:

''میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤں گا اور ان سے کہوں گا کہ وہ انہیں مجور کر دیں۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مغموم ہو گئے۔ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اس امر کے بارے بتایا۔ انہوں نے ان سے فرمایا:

''مجھے بھی اس گھر میں شریک کرلو۔''

انہوں نے ان کو اس میں شریک کرلیا۔ حضرت علی المرتضیٰ ؓ حضرت عثمان غنی ؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ وہ حضرت عبداللہ کو محجور کردیں۔ انہوں نے کہا:

''میں اس شخص پر حجر کیسے کرسکتا ہوں، جس کے شریک حضرت زبیر ؓ ہیں۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زبیر ؓ تجارت میں بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے انہوں نے ان کی شرکت کی وجہ سے یہ استدلال کیا کہ وہ اپنے تصرف میں غبن نہیں کریں گے۔ اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ فضول خرچی کی وجہ سے حجر کے جواز پر صحابہ کرام کا اتفاق تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ ؓ حضرت عثمان ؓ سے سوال کیا تو انہوں نے عذر بیان کیا۔ اس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ غم زدہ ہو گئے، حضرت زبیر ؓ نے حجرے سے بچنے کے لیے اس گھر میں شرکت کرلی، اس طرح اس وجہ سے حجر کے جواز پر صحابہ کرام کا اتفاق ہو گیا۔

احمقوں وغیرھم پر حجر کی حکمت

اللہ رب العزت نے احمقوں اور ناسمجھوں کے لیے حجر کو مشروع فرما دیا۔ ان پر رحمت و شفقت کرتے ہوئے دوسروں کو ان کا قائم مقام بنایا۔ پھر ان پر ایسا انقلاب آیا کہ جو شخص سزا کے خوف سے چوری کرنے پر قادر نہ تھا وہ اس قانون کے جھنڈے کے نیچے چوری کرنے پر قادر ہو گیا جسے وہ غلط استعمال کرتے تھے۔ اس خدشے کہ لوگ ہمارے اموال چوری نہ کریں ہمارے بہت سے اموال ہمارے دوستوں کے ہاتھوں سے نکل کر ان لوں کے پاس چلے گئے۔ جو انہیں جیسے چاہتے بکھیرتے تھے حتیٰ کہ ہم ان لوگوں پر ملامت کرنے کے لیے آگے بڑھے جنہوں نے اموال جمع کیے اور اپنے وارثین کے مال اکٹھا کیا۔ ہمیں کس نے آگاہ کیا ہے، ممکن ہے ہمارے وارثین کے لیے ہمارے بعد ایسے وصیوں میں سے ایسا چور نہ ملے جو رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور شفقت و رحمت کے پردوں کے نیچے ایسے اعمال سرانجام دیتے ہیں شریعت مطہرہ جن سے منع کرتی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں اتنی عمر نصیب ہو جائے کہ اس سے قبل کہ ہماری اولاد پر کوئی وصی غلبہ پائے ہم اپنی اولاد کی تربیت کرسکیں، جو رشتہ داری کو مار ڈالے۔ ان میں عقل کی موت کو کمزور کردے حتیٰ کہ ان کی زندگی کے توازن میں خلل آجائے اور انہیں ایسی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے جو ہم میں سے کسی ایک کو قبر میں بھی بے چین اور بے سکون کردے۔

ایک ایسا مقدمہ دائر ہوا جس میں وصی کا لالچ اور حرص پوری طرح عیاں تھا، وہ کسی دلیل کا محتاج نہ تھا۔ اس نے مجور علیہ کے بارے جو عزم کر رکھا تھا وہ پورا تو نہ ہوا۔ جو کچھ بھی مجور علیہ کی ملکیت میں تھا۔ اس نے اس کے لیے خود کو ترجیح دی۔ حتیٰ کہ اس نے آہنی ہاتھ اس پر قبضہ کر لیا۔ اس سے اس کے بال اتار لیے اس کی کھال اتار لی۔ اس کا صرف جثہ باقی رہ گیا۔ صرف اس پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ مجور علیہ کی جان کا بھی ارادہ کیا اس نے اسے خوش و خرم نہ چھوڑا کبھی وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اس کی بیوی کا چہرہ کا جمال دیکھتا، کبھی اس کے الفاظ کی شیرینی سے لطف اٹھاتا اور اس کے مابین وہ گنگناتا رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نفس اسے بتاتا۔ وہ اپنے خیال کے پروں کے ساتھ غیب کے عوالم میں سے ایک عجیب عالم میں محوِ پرواز ہوتا کیونکہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس عالم کو تبدیل کر دے جو دکھ اور درد سے لبریز ہے، وہ ان دکھوں کے سارے تصورات کا تعاقب کرے جو اس شخص کے دل کے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں تاکہ اس کی لذت مکمل ہو جائے، وہ اس کی بیوی کے ساتھ لطف اٹھانے میں پوری طرح سرایت کر جائے بلکہ وہ اس رشتۂ ازدواج سے کنارہ کش ہو جائے حالانکہ یہ اس کے روا نہ تھا۔ اس کو سرپرستی کا حق حاصل نہ تھا، لیکن وہ تو مطلق اقتدار کا مالک تھا، وہ جسے چاہتا ذلیل کرتا جسے چاہتا عزت دیتا، اس کی شان اس سے بالاتر تھی کہ اس کے اس باغ میں اس کے ساتھ کوئی مزاحمت نہ کرتا جس میں وہ حساب اور سزا کے خوف کے بغیر ہی تصرف کرتا تھا۔ اس نے مجور علیہ کی گردن میں لوہے کی ایسی زنجیر ڈالی جو روزِ حشر تک ٹوٹ نہیں سکتی تھی۔

افسوس! کیا قبر میں جانے والا جان سکتا ہے کہ اس کے مال اور اولاد کے ساتھ کیا کیا گیا۔ اس کے مال کا وارث اس کے وارث کے علاوہ کوئی اور بن گیا، اس کا بیٹا عزت، خوشحالی، گھروں، محلات، دیباج، حریر پہننے کے بعد ایک لقمہ طلب کرتا ہے تو اسے وہ بھی نہیں ملتا۔ وہ پانی کی بوند پر بھی قادر نہیں ہے وہ رات اس طرح بسر کرتا ہے کہ غفلت اور لاپرواہی کے گوشوں میں سے ایک گوشے میں پڑا رہتا ہے۔ مٹی کی تہ کے علاوہ اسے بستر نصیب نہیں ہوتا، بادل کے ٹکڑے کے علاوہ اسے کوئی پردہ نہیں ملتا۔

کیا اس نے اس روز کے لیے تیاری نہیں کی جس روز نہ مال فائدہ دے گا نہ ہی بیٹے، مگر وہ جو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں قلبِ سلیم لے کر آیا، اس روز مخفی چیز عیاں ہو جائے گی، وراثت والا اپنے دائیں ہاتھ میں اپنے بیٹے اور لختِ جگر کو تھامے ہوا ہوگا، بائیں ہاتھ میں اس کا دشمن اور وصی ہوگا پھر وہ اپنے رب سے مناجات کرے گا:

"مولا! یہ وہ جھوٹا ہے جس نے میری اولاد اور مال میں خیانت کی ہے اس ظالم سے میرا بچہ کا حصہ لے، جس نے اس کا حصہ چرایا۔ اس کے نفس کو تکلیف دے، اس کی زندگی برباد کی تو تو سارے حاکموں سے زیادہ عدل کرنے والا ہے، ارحم الراحمین تو ہی ہے۔"

یہ وصی عنقریب اپنی سزا پالے گا۔ اس نے شرعی عدالت میں دعویٰ دائر کیا، اس نے محجور علیہ کی زوجہ کے بارے فسخ نکاح کا فیصلہ طلب کیا کیونکہ اس کا خاوند مجنون تھا۔ اس نے ۲۷ نومبر ۱۹۳۴ء کو یہ دعویٰ کیا۔ اس کو محجور علیہ پر سرپرستی بھی حاصل ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ محجور علیہ کا قریبی رشتہ دار ہے۔ وہ اس کے سگے بھائی کا بیٹا ہے۔ محجور علیہ نے حجر کے نفاذ سے قبل یہ شادی خود کی تھی۔ مدعی اس حجر کو جانتا ہے جو اس کی شادی سے ایک ماہ بعد ۱۱ دسمبر ۱۹۳۳ء کو نافذ ہوا۔ حجر کے نفاذ سے نصف ماہ گزر چکا تھا۔ وہ اس دعویٰ کے ساتھ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۳ء کو عدالت میں حاضر ہوا جبکہ نصف ماہ سے اس شادی کا علم تھا لیکن اس نے اسے جائز قرار نہ دیا۔ مدعی علیہ کا وکیل عقد نکاح کے نفاذ، سابق تاریخ کے حجر کے بارے اور محجور علیہ کی مباشرت کے بارے سچا ہے۔ اس کے ولی نے حجر کے بعد اس نکاح کو برقرار رکھا۔ پورے اجلاس کے سامنے میاں بیوی کا بحث و مباحثہ کرایا گیا، جو کچھ کارروائی تحریر کی گئی تھی اس کی پیروی کی گئی عدالت نے درج ذیل اعتبارات سے فیصلہ کر دیا۔

فقہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ زوجیت کے وہ امور جن کا تعلق چھوٹے بچے کے ساتھ ہو ان میں خصم باپ اور اس کا وصی اور دادا اور اس کا وصی ہوتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو خصم قاضی کا وصی ہوتا ہے۔ جبکہ مال کا ولی اس زوجہ کے امور میں خصم ہوتا ہے جو چھوٹے کے ساتھ مختص ہوں، نادان چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ ولی ہی وہ شخص ہے جس نے یہ جھگڑا پیش کیا۔ نگران نے پیش نہیں کیا۔ اس کا تعلق زوجیت کے امور کے ساتھ ہے جسے ولایت حاصل ہے اس کی طرف سے اس کی سماعت کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں حق دونوں کے لیے پوری طرح ثابت ہے، اجزاء کے اعتبار سے ثابت نہیں۔ اس لیے بھی کہ صاحب حق کا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا اس امر سے منع نہیں کرتا کہ اس سے مطالبہ کیا جائے جو اس حق میں اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

لیکن اس دعویٰ کا مقصد مکر و فریب ہے۔ زوجین کے مابین رکاوٹ ڈالنا ہے۔ انہیں اس رشتہ سے روکنا ہے تاکہ محجور علیہ کی بیوی اس کے مال میں حسب منشاء تصرف کرنے سے نہ روکے۔

اس نے حجر کے نفاذ کی کوشش کی۔ یہ ۲۷ نومبر ۱۹۳۳ء کو مکمل ہو گیا، جبکہ ان کا عقد نکاح ۱۱ نومبر ۱۹۳۳ء کو ہو چکا تھا۔ اس دعویٰ کو پیش کرنے سے تقریباً نصف ماہ قبل اس عقد کا علم ہو گیا تھا، وہ صحیح اور نافذ تھا کیونکہ عقود میں اصل صحت ہے۔ کیونکہ حماقت دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اس کا فیصلہ کیا جائے۔ فیصلہ سے قبل احمق کے سارے تصرفات صحیح اور نافذ ہوتے ہیں جبکہ فیصلے کے بعد اس کے تصرفات نفع اور ضرر کے دائرہ میں ہوتے ہیں۔ ان کا دارومدار اجازت پر ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ فقہ کا فیصلہ ہے کہ عقد نکاح دو شرائط سے صحیح ہو جاتا ہے۔

1. وہ عورت نکاح کرنے کی محل ہو، اس کے لیے غیر محرم نہ ہو جو اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔
2. عقد کے وقت دو گواہ موجود ہوں، اس کی صحت کے لیے عقل شرط نہیں۔

اس حیثیت سے کہ دونوں فریق اس امر پر اتفاق کرتے ہیں کہ خاوند جنوں کی وجہ سے مجور علیہ ہے، مدعی اس کا ولی ہے اس نے بذاتِ خود اور عقل کے ہوتے ہوئے عقد نکاح کیا تھا۔ وہ اس بچے کی مانند ہے جو اپنے تصرفات میں امتیاز کر سکتا ہے۔ اگر اس کا تصرف صحیح ہو تو وہ اذن کے بغیر صحیح ہوتا ہے اگر نقصان دہ ہو تو وہ صحیح نہیں ہوتا اگرچہ ولی اس کی اجازت دے دے۔ جو تصرف نفع اور نقصان کے مابین ہو تو اجازت پر موقوف ہوتا ہے، یہ بھی نص بیان کی گئی ہے کہ بچے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ولی یا وصی کی اجازت سے نکاح کر لے اسی طرح ناسمجھ بھی اپنے ولی یا نگران کی اجازت سے نکاح کر سکتا ہے اس حیثیت سے بھی کہ ولی یہ اعتراف کر رہا ہے کہ اس نے یہ عقد اس وقت رد نہیں کیا تھا جب اسے اس کا علم ہوا تھا۔ نہ ہی اس کے نفاذ کے وقت اسے رد کیا تھا اس نے اس کی اجازت دی تھی۔ کیونکہ اجازت جس طرح قول کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح دلالت کے ساتھ بھی ہوتی ہے جیسا کہ درالمختار کی دوسری جلد میں یہ وضاحت موجود ہے۔ لہٰذا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ اس فیصلہ کی اپیل کی گئی لیکن مصر کی ابتدائی شرعی عدالت نے بھی اس کی تائید کی۔

حدود کی حکمت

جو شخص گناہ یا جرم کا ارتکاب کرتا ہے اگرچہ رب تعالیٰ نے روزِ حشر اس کے لیے عذاب مقرر کیا ہے لیکن یہ لوگوں کو ایسے جرم کے ارتکاب سے نہیں روکتا جو دنیاوی زندگی میں عمومی اور خصوصی امور کو نقصان دیتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے پاس قوت اور طاقت ہوتی ہے کمزور اور ناتواں ان سے اپنا حق لینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس سے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور فساد پھیلتا

ہے، اسی لیے حدود کو شرعی طور پر نافذ کیا گیا۔ یہ ہر زمان و مکان میں بشر کی راحت کی کفیل ہیں حتیٰ کہ وہ جرائم ختم ہو جائیں جن کا ارتکاب کیا جاتا ہے ہر وہ فعل جو زمین میں فساد کا سبب بنے۔ اس کی اصلاح صرف سزا کے ذریعے بھی ممکن ہوتی ہے۔

حد قائم کرنے کا اختیار صرف امام کے پاس ہے، اس کی حکمت

انسان جب کسی جرم مثلاً قتل، چوری، دھوکہ اور فریب کا ارتکاب کرتا ہے اور ہم ارادہ کرتے ہیں کہ اس سے قصاص لیں، مثلاً اگر مقتول کے ولی کے ذریعے حد قائم کی جائے یا وہ حد قائم کرے جس کا مال چوری ہوا ہے تو امت میں اس سے بہت بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔ جس کا انجام خوشگوار نہیں ہوگا، اس کی وجہ سے بہت زیادہ فساد اور خونریزی پیدا ہوگی خصوصاً جبکہ مجرم قوت اور طاقت والا ہوگا، یہ امر ایسا ہے جس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے سر کی آنکھوں سے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی لیے شارع حکیم نے امام عام یا اس کے نائب کو حدود قائم کرنے کا حق دیا ہے۔ اس نے اسے ساری یا بعض حدود قائم کرنے کا حق دیا ہے، کیونکہ وہ اپنے فرض منصبی کے مقتضی کے مطابق مطلق تصرف کرتا ہے اسے قوت و شوکت نصیب ہوتی ہے۔ اس کے پاس ایسا تسلط ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ مجرم سے قصاص لے سکے اور امت میں کوئی فتنہ بھی سر نہیں اٹھاتا۔ ''البدائع'' میں ہے:

''حد امام یا وہ شخص قائم کرے جسے امام نے مقرر کیا ہو۔ یہ احناف کا موقف ہے، شوافع کے نزدیک یہ کوئی شرط نہیں ہے۔ کسی آدمی کے لیے روا ہے کہ وہ اپنے غلام پر حد قائم کرے جبکہ اس کے اقرار یا اس کے معاینہ کی وجہ سے حد لگتی ہو، مثلاً یہ کہ وہ اپنے غلام کو دیکھے کہ وہ کسی اجنبیہ سے بدکاری کر رہا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے غلام پر حد جاری کر سکتی ہے۔ امام شافعی نے اس روایت سے استدلال کیا ہے، جسے حضرت سیدنا امام علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اپنے غلاموں پر حدود قائم کرو۔''

یہ نص ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اسے چاہیے کہ اسے کوڑے مارے۔ اگر وہ پھر بدکاری کرے تو اسے پھر کوڑے مارے، اگر پھر بدکاری

کرے تو اسے پھر کوڑے مارے اور اگر وہ پھر بدکاری کرے تو اسے فروخت کردے خواہ ایک رسی کے عوض ہی۔''

یہ بھی نص ہے۔

نیز یہ کہ سلطانِ وقت کو حد قائم کرنے کا اختیار اس لیے ہوتا ہے کیونکہ اسے رعیت پر تسلط ہوتا ہے آقا کو اپنے غلام پر تسلط اس تسلط سے بڑھ کر ہوتا ہے جو سلطان کو اپنی رعیت پر ہوتا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ اس پر قرض کے اقرار کا مالک ہوتا ہے وہ اس پر تصرفات کا مالک ہوتا ہے، حالانکہ امام اس طرح کی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، لہٰذا وہ اپنے غلام پر تعزیر اور حد قائم کرنے کا مالک ہوتا ہے۔

احناف کہتے ہیں: ''امام کے لیے حد قائم کرنے کا اختیار تعیین کے اعتبار سے ہے آقا اس کے برابر نہیں ہوسکتا، کیونکہ شریعت مطہرہ نے سلطان کے لیے اختیار دیا ہے چھوٹے بچے اور بچیوں کے نکاح کرنے کی ولایت پر استدلال کرتے ہوئے اس کے لیے حد قائم کرنے کی ولایت ثابت نہیں کی جاسکتی کیونکہ جب یہ اقرب کے لیے ثابت ہوگئی تو پھر اس کے لیے ثابت نہ ہوئی جو اس میں اس کے مساوی نہیں جبکہ شریعت نے اس کے لیے ولایت مشروع کی ہے جبکہ وہ ابعد ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حد قائم کرنے کی ولایت امام کے لیے اس لیے ثابت کی گئی ہے کیونکہ اس میں بندوں کے لیے مصلحت ہے، یہ ان کے نفوس، اموال اور عزتوں کا تحفظ ہے کیونکہ قاضی اگر حد قائم کریں تو ان سے تعرض کرنے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے آقا سلطان کے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ منصب امامت پر فائز ہوتا ہے۔ امام اپنی شوکت، دفاع اور طاقت و سطوت سے عوام کو جھکانے کی وجہ سے حد قائم کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ یہ خوف نہیں ہوتا کہ مجرم اس کا تعاقب کریں گے۔ کیونکہ ان کے اور امام کے مابین کوئی مخالفت نہیں ہوتی اس پر یہ تہمت نہیں لگائی جاسکتی کہ اس نے میلان رکھا ہے۔ محبت کی ہے یا حد قائم کرنے میں سستی کی ہے، وہ صحیح انداز سے حد لگاتا ہے۔ اس کی ولایت کی وجہ سے وہ مقصد پورا ہوجاتا ہے جسے شریعت نے سامنے رکھا ہے۔ جہاں تک آقا کا تعلق ہے وہ بعض اوقات حد قائم کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ بعض اوقات قدرت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کی اور اس کے غلام کی مخالفت ہوتی ہے۔ وہ اسے حد قائم کرنے سے روک سکتا ہے۔ اگر غلام شریر ہو تو اسے اپنی جان اور مال کے بارے اندیشہ لاحق ہوسکتا ہے۔ اگر وہ اس پر حد قائم کرے تو ممکن ہے کہ وہ اس کے اموال ہڑپ کر جائے۔ اس کی ہلاکت کا ارادہ

کرے وہ بھاگ جائے اور وہ حد قائم نہ کر سکے اگر وہ حد پر قادر بھی ہوا تو کبھی حد قائم کرے گا کبھی قائم نہیں کرے گا کیونکہ حد قائم کرنے میں غلام کی قیمت میں کمی کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ حد بدکاری یا چوری کی وجہ سے قائم ہوگی۔ اسے یہ بھی خدشہ ہوگا کہ کوڑے لگنے کی وجہ سے وہ کہیں مر نہ جائے، انسان کی جبلت میں اس کے مال کی محبت رکھ دی گئی ہے۔ اگر اس نے حد قائم بھی کر دی تو وہ ایک اعتبار سے کرے گا دوسرے اعتبار سے حد قائم نہیں کرے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں وہ اسے صحیح طرح ڈانٹ بھی نہ سکے۔ اس تفصیل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آقا امام کے مساوی نہیں ہو سکتا جو شریعت نے اسے حد قائم کرنے کا اختیار دیا ہے، آقا اس میں امام کا مقابلہ نہیں کر سکتا تعزیر کا معاملہ دو اعتبار سے اس سے جداگانہ ہے۔

- تعزیر عار دلانا اور ڈانٹ ہوتی ہے۔ یہ متعین نہیں ہوتی۔ کبھی یہ صرف قید ہوتی ہے، کبھی آواز بلند کرنے اور چہرہ بسورنے سے ہوتی ہے۔ بعض اوقات جرم کے مطابق کوڑے لگانے سے ہوتی ہے۔ بعض اوقات مجرم کے حال کے موافق ہوتی ہے۔ اس میں آقا امام کے برابر ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق تادیب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسے ادب سکھانے پر قدرت ہوتی ہے، اس طرح اسے غلام میں نہ تو کوئی مالی نقصان ہوتا ہے نہ کسی اس پر کوئی عیب لگایا جا سکتا ہے۔ حد کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔
- تعزیر میں ایک ایسی ضرورت ہے جو حد میں نہیں، کیونکہ تعزیر کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں ممکن ہے کہ آقا کو ہر روز یا ہر ساعت میں اپنے غلام کو تعزیر لگانے کی ضرورت پڑے اگر وہ اسے ہر وقت امام کے پاس ہی لے جائے تو یہ آقا کے لیے بہت بڑی مصیبت ہوگی۔ اگر شرعی طور پر حد قائم کرنا آقا کے سپرد کیا گیا یا امام کی طرف سے اسے اس کا اذن دیا گیا اور وہ اس میں امام کا نائب بنا تو اس طرح حد قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس طرح اکثر ہوتا رہتا ہے کیونکہ اس کے وجوب کے کثیر اسباب معدوم ہیں۔

جہاں تک اس حدیث پاک کا تعلق ہے تو ممکن ہے اس میں خطاب معلوم قوم کو ہو۔ آپ نے وحی سے جان لیا ہو کہ یہ لوگ کسی کوتاہی کے بغیر امیر اور سلطان کی طرح حد قائم کر لیں گے۔ ممکن ہے یہ خطاب آئمہ کو ان کے غلاموں کے حق میں ہو۔ تخصیص حد قائم کرنے میں ترغیب کے لیے ہو کیونکہ آئمہ اور سلاطین بذاتِ خود حد قائم نہیں کرتے بلکہ وہ اسے حکام اور محتسبین کے سپرد کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان سے کوتاہی ہو جاتی ہے، ممکن ہے کہ حد قائم کرنے سے مراد یہ ہو کہ

غلام کو پوری کوشش کے ساتھ قیدی بنا کر امام کے پاس لے جایا جائے اور اس کی نسبت آقا کی طرف اس لیے کی تا کہ اسے ترغیب ملے اور کوتاہی اور میلان کا احتمال ختم ہو سکے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس حد سے مراد ہی تعزیر ہو۔ کیونکہ اس میں حد کا معنی پایا جاتا ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا ہی درست نہ ہو۔

وہ احکام جو دارین (دارِ اسلام اور دارِ کفر) کے بدلنے سے بدلتے ہیں

"اللہ تعالیٰ تمہیں صالح اعمال سرانجام دینے کی توفیق دے، خوب جان لو کہ دار کفر اس وقت دار اسلام بن جاتا ہے جب اس میں احکام اور حدود قائم کیے جائیں۔ یہ احکام معطل نہ ہوں۔ لیکن دار اسلام صرف تین امور کی وجہ سے دارِ کفر بنتا ہے۔

1. جب کفر کے احکام اس میں غلبہ پالیں۔
2. وہ دارِ کفر کے موافق ہو جائے۔
3. اس میں کوئی مسلمان یا ایسا ذمی باقی نہ رہے جسے مسلمانوں نے امان دی ہو وہ پہلی امان ہو۔

خوب جان لو کہ حدود قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کا صدور ایسے شخص سے ہو جسے ولایت حاصل ہو۔ دارالحرب میں کسی شخص کو بھی ولایت نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے دارالحرب میں بدکاری یا چوری کی یا شراب پی اور پھر وہ دارالسلام میں آ گیا تو اس پر حد قائم نہیں ہوگی۔ کیونکہ فعل اصلاً موجب واقع نہیں ہوا۔ اگر کسی نے دار اسلام میں ایسے فعل کا ارتکاب کیا پھر وہ بھاگ گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ فعل حد کے قیام کا موجب ہوگا، دارالحرب کی طرف بھاگنے سے حد ساقط نہ ہوگی۔ "البدائع" میں ہے:

> "وہ احکام جو دارین کے بدلنے سے تبدیل ہوتے ہیں، ان کی کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے دارالحرب میں بدکاری کی یا شراب پی یا چوری کی یا کسی مسلمان پر بہتان لگایا تو اس کا کسی امر پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ امام دارالحرب میں حدود قائم کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اسے ولایت نہیں ہوتی۔ اگر اس نے وہاں کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا، پھر وہ دارالحرب بھاگ گیا تو اس کا مواخذہ ہوگا کیونکہ فعل حد کے قیام کا موجب واقع ہوا ہے وہ دارالحرب بھاگنے سے ساقط نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر

کسی نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص نہیں لیا جا سکے گا خواہ یہ قتل عمد ہو کیونکہ اسے طاقت سے پورا کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس طرح ایک شخص ایک شخص سے مزاحمت کرتا ہے، دفاع مشکل ہوتا ہے نیز یہ کہ اس کا دارالحرب میں ہونا وجوب میں شبہ پیدا کرتا ہے، قصاص شبہ کے ساتھ درست نہیں ہوتا۔''

شراب

شراب ام الخبائث ہے۔ ساری مصیبتوں اور عیوب کی بنیاد ہے۔ اس کا نقصان جسم اور روح کو شامل ہے، اولاد اور مال کو شامل ہے، عزت اور شرف کو شامل ہے اس نے کتنے ہی گھروں کو ویران کر دیا۔ کتنی ہی جائیدادیں برباد کر دیں، کتنے فتنے کھڑے کیے۔ کتنی آزمائشیں پیدا کیں۔ کتنی عداوتیں پیدا کیں۔ عقل کو غور و فکر، تدبیر، حکمت اور دانائی سے جنون، بغاوت اور فساد کی، اس نے بھائی اور بھائی کے مابین، بیٹے اور باپ کے مابین کتنی عداوتیں اور بغض پیدا کیے اس نے کتنے دوستوں کو جدا کیا۔ کتنے دوستوں کو منتشر کیا۔ اسے فقیر پیتا ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا خلیفہ ہے، بزدل پیتا ہے تو وہ خود کو بنوعبس کا شاہ سوار سمجھتا ہے کند ذہن پیتا ہے تو وہ خود کو ذہانت میں ایاس اور حکمت میں ارسطو سمجھتا ہے، جاہل صدا بلند کرتا ہے ''میں امت کا حبر ہوں۔'' اے برائی! کاش تو نہ ہوتی، اے نشہ! کاش تو برباد ہو گیا ہوتا۔ اے شریرو! تمہارے لیے ہلاکت!

شراب کے حرام ہونے میں حکمت

جب شراب پینا کسی کی عادت ہو جائے، یہ عادت اس کے نفس پر غلبہ پالے تو پھر اس کا یکبار قلع قمع کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسی لیے جب شارع حکیم نے دیکھا کہ دنیوی اور اخروی مصلحت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس سم قاتل کے جڑ سے اکھیڑ پھینکا جائے تو اس نے ایک ضابطہ سے اس سے منع فرمایا۔ اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ (البقرۃ:۲۱۹)

ترجمہ: یہ آپ سے شراب اور جوا کے بارے پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ ان کا نقصان ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

پھر فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ:۹۰،۹۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ شراب اور شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تمہیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو!

اس آیت طیبہ میں شراب کی حرمت کی قطعی طور پر صراحت موجود ہے۔ پہلی آیت طیبہ اس وقت نازل ہوئی جب ایک جماعت نے حضور اکرم ﷺ سے جوا کے بارے پوچھا۔ انہوں نے اس کے بارے فتویٰ پوچھا، اس شراب کے بارے بھی پوچھا۔ جس میں انہوں نے بہت ایسے نقصانات دیکھے جنہوں نے ان کی ادبی اور مادی مصلحت کو مؤخر کر دیا۔ مثلاً یہ کہ ان کے اموال سلب کر لیے جاتے تھے اور وہ نشہ کی حالت میں حد ادب سے باہر نکل جاتے تھے۔ البتہ وہ منافع اس آیت طیبہ میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں کہ انہیں سرور ملتا اور نفس کا غم غلط ہو جاتا۔ بعض لوگ اسے اس کے ان منافع کی وجہ سے پیتے رہے اور بعض نے اس کے نقصانات کی وجہ سے اسے ترک کر دیا۔ حضرت ابنِ عوف رضی اللہ عنہ نے شراب پی۔ ان کے ہمراہ اور لوگ بھی تھے، پھر وہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، امام نے قرأت غلط کی، اس نے قل یا ایھا الکافرون اعبد ما تعبدون پڑھ دیا۔ یہ آیت طیبہ میں شنیع تحریف تھی۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ (النساء:۴۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔

ان میں سے بہت سے لوگوں نے اوقاتِ نماز کے قریب ہونے کی وجہ سے شراب چھوڑ دی۔ ایک دفعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے شراب پی، ان کے ہمراہ انصار بھی تھے۔ وہ فخریہ اشعار پڑھنے لگے۔ حضرت سعد نے ایک شعر پڑھا جس میں انصار کی مذمت تھی۔ ایک انصار صحابی نے انہیں مارا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی تو حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا مانگی:

"مولا! ہمارے لیے ایک شافی بیان واضح فرمایا"

اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ (المائدة:۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب ام الخبائث ہے، جس طرح کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"شراب ام الخبائث ہے۔"

کیونکہ یہ ذکر الٰہی اور اس نماز سے روک دیتی ہے جو دین کا ستون ہے یہ دل کو نور حکمت سے محجوب کر دیتی ہے۔ کیونکہ یہ شیطانی عمل ہے، جو انسان کو خطرات مین دھکیل دیتا ہے، اس کا جسم اور مال برباد کر دیتا ہے، کیونکہ یہ لوگوں کے مابین عداوت اور بغض پیدا کرتا ہے، کیونکہ شراب نوش قتل کرتا ہے، چوری کرتا ہے، بدکاری کرتا ہے، اس شخص سے الجھ جاتا ہے جو مقام و منصب میں اس سے بڑا ہوتا ہے اس چھوٹے سے لڑنے لگتا ہے جو قدر میں اس سے کم ہوتا ہے، وہ ہر ممنوع بات کرتا ہے ہر ممنوع کام پر عمل پیرا ہوتا ہے، اسی لیے شراب کو حرام کیا گیا۔

ہم اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بعض اہل عرب زمانہ جاہلیت میں اسلام میں شراب کی حرمت سے قبل شراب نہیں پیتے تھے، کیونکہ اس وقت اس کے پینے کی نہی نازل نہیں ہوئی تھی، کیونکہ اسے پینے میں اذیت اور نقصان تھا، یہ ان مقامات پر عقل کو گرفت میں لے لیتی جہاں انسان ندامت، افسوس اور غم کے گڑھے میں گر پڑتا۔ یا تو غم اس مال پر ہوتا جو ضائع ہو جاتا یا اس عزت پر ہوتا جو چاک چاک ہو جاتی۔ یا اس روح پر ہوتا جو نکل جاتی، ارحام کے ان موانع پر ہوتا جو کٹ جاتے یا محبت کے ان رشتوں پر ہوتا جو کٹ جاتے، اس کے علاوہ دیگر نقصانات بھی ہوتے۔ کتب میں ان افراد کے نام موجود ہیں جنہوں نے حرمت شرعی اسلامی سے قبل شراب کو خود پر حرام کر رکھا تھا۔

شراب نوش پر کحل کے اثرات

کحل ایسا مادہ ہوتا ہے جس کے واسطہ سے مٹھاس حاصل ہوتی ہے یہ جسم کو ہر قسم کا نقصان دینے کا سبب بنتا ہے، اسی لیے اطباء نے اس پر دقیق بحثیں کی ہیں انہوں نے اس پر کئی تجربات کیے ہیں جنہوں نے ان کی راہ نمائی کی ہے کہ الکحل کی دورانِ خون اور جسم کی ساخت میں بری تاثیر

ہے۔ یہ تاثیر بیماری کا سبب ہے، فناء کا مرض ہے۔ اس جگہ ہم وہ خلاصہ پیش کرتے ہیں جس پر علما اور اطباء کحل کی تاثیر میں متفق ہیں۔

کحل پہلے ہضمیہ نالیوں میں داخل ہوتا ہے۔ انہیں چوس لیتا ہے پھر خون کے ساتھ مل کر دورانِ خون میں شامل ہوجاتا ہے۔ ساری آنتوں کو چوکنا کر دیتا ہے۔ لگاتار اثر کرتا رہتا ہے۔ پہلے معدہ میں عام اثر کرتا ہے، لیکن اس کی اندرونی جھلی پر خاص اثر کرتا ہے۔ انسان شدید حرارت محسوس کرتا ہے، یہ حرارت شدت اور ضعف میں اس کحل کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے، جو خون میں ملا ہوتا ہے۔ کحل زیادہ ہوتو حرارت زیادہ ہوتی ہے کحل کم ہوتو حرارت کم ہوتی ہے۔ یہ کحل جب اندرونی جھلیوں کے پانی کے ساتھ ملتا ہے تو سوزش پیدا ہوتی ہے۔ یہ اتنی قوت سے اثر کرتا ہے یہ پٹھوں کے حساس حصوں کو چوکنا کرتا ہے۔ الکحل کی تاثیر اس اعتبار سے بھی ہوتی ہے کہ یہ احساسات والی جگہوں میں گھٹن پیدا کرتا ہے۔ پھر ان میں وسعت پیدا کرتا جاتا ہے، اندرونی جھلیاں پھول جاتی ہیں، معدہ اس کے اثرات کا انحصار الکحل کی قلت اور کثرت پر ہے اگر الکحل کی مقدار کم ہوگی تو یہ اندرونی جھلی کے فرائض کو چوکنا کر دے گا یہ معدہ کے لعاب میں اشتعال پیدا کرتا ہے، جس قدر الکحل کی تھوڑی سی مقدار پینے سے انسان میں اشتعال آتا ہے اگر وہ ساری ترش چیزیں کھالے پھر بھی اتنا اشتعال نہیں آتا بعض ڈاکٹرز نے معدہ میں الکحل کی تاثیر کا تجربہ کیا۔ اس کا ایک قطرہ اس کتے کی اندرونی جھلی پر ڈالا جسے معدہ کا ناسور تھا۔ اس سے پانی باریک دھاگوں کی طرح تیزی سے اور لگاتار نکلنے لگا۔ طب میں یہ بات مشہور ہے کہ الکحل اعضاء کے مواد کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ اس کی تحلیل یا اٹھان سے روکتا ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ الکحل جلد ہضم ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ اگر الکحل درجہ انجماد میں ہو اور اسے معدہ کی اندرونی جھلی میں رکھ دیا جائے تو یہ اس طرح اشتعال انگیز تاثیر پیدا کرتا ہے جس طرح یہ سیال مادہ میں اشتعال پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ انتہائی حساس لوگوں کو شراب پیتے وقت قئے آجاتی ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ الکحل کے نقصانات اس کے منافع سے زیادہ ہیں، کیونکہ معدہ میں اس کا وجود پروٹین کو البیتون میں تبدیل کرنے سے روک دیتا ہے۔ اس کو چوس لیا جاتا ہے، پھر یہ خون کے بہاؤ میں شامل ہوجاتا ہے۔ یہ جسم میں داخل ہوجاتا ہے جب الکحل معدہ میں معدہ کے مشتملات میں دو فیصد بھی چلا جاتا ہے تو یہ اس میں البیتون پیدا کرنے میں سستی پیدا کر دیتا ہے۔

دورانِ خون میں الکحل کی تاثیر

تجربات سے ثابت ہے کہ ہے کہ صرف ۲۰ سے ۳۰ گرام الکحل کے اضافہ سے پہلے (دل) کی دھڑکنیں تیز ہوتی ہیں پھر وہ آہستہ آہستہ تدریجاً کم ہوتی جاتی ہیں پھر عضلات کے سکڑاؤ میں (بھی) کمی آتی ہے۔ اس سے خون کی شریانوں میں کھنچاؤ آ جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ الکحل کی (تھ)وڑی سی مقدار سے خون کے تناؤ میں تھوڑا سا اضافہ ہو جاتا ہے۔ نبض آہستہ چلنے لگتی ہے، جب یہ مقدار زیادہ ہو جاتی ہے، بلڈ پریشر میں کمی آنے لگتی ہے، نبض سست ہو جاتی ہے، دل کی دھڑکنوں کا (ن)ظام گڑبڑ ہو جاتا ہے، یہ حالت خطرناک ہوتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص گلے سے متصل (ر)گوں میں الکحل کا ٹیکہ لگاتا ہے وہ فوراً مر جاتا ہے کیونکہ نبض کے سست ہونے کا منبع وہ تنبیہ ہے جو (م)عدہ کے اعصاب کے مرکز میں پیدا ہوتی ہے، اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ کسی طرح جسم پر الکحل کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح الکحل کی تاثیر کے واسطہ سے دل کمزور ہو جاتا ہے، جس سے بلڈ پریشر بھی کم ہو جاتا ہے۔

کتوں کو ان کے منہ کے ذریعے ۴۰ سے ۵۰ گرام تک الکحل دے کر تجربات کیے گئے۔ چند منٹوں کے بعد دیکھا گیا کہ ان کی نبض تیز ہوگئی، نبض کی رفتار فی منٹ ۲۱۶ بار چلنے لگی۔ (ا)س کے بعد ان پر بے حسی کی نیند طاری ہوگئی، یہ نبض استدراجاً کم ہوتی گئی۔

اس کے علاوہ شراب نوشی کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ آہستہ آہستہ قوت بصارت بھی ختم ہو جاتی ہے، یہ دو عظیم اسباب اور یہ دو بڑی آفتوں کو شامل ہے۔

1. وہ آتشک کا مرض جو پٹھوں میں سوزش اور ورم پیدا کر کے آنکھوں کے پٹھوں کو نقصان دیتا ہے۔
2. شرابیں شرابیوں کے پٹھوں میں کھنچاؤ پیدا کرتی ہیں۔ آنکھوں کے پٹھوں کو نقصان ہوتا ہے۔

ان دونوں اسباب کی وجہ سے نظر حیرت ناک طریقے سے کم ہوتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ (ع)ادی شرابیوں کی اولاد عموماً مر جاتی ہے، کیونکہ ان کی خلقت درست نہیں ہوتی۔ ان کی اطراف ٹیڑھی (ہ)وتی ہیں، ان میں تغیر ہوتا ہے، رب تعالیٰ ہمیں، آپ کو اور سارے مسلمانوں کو اس سے بچائے۔

بیمہ کمپنیاں اور شراب نوش

جب ڈاکٹرز حضرات نے ان لوگوں پر غور کیا جو شراب استعمال کرتے ہیں تو ان کے لیے

یہ بات عیاں ہو گئی کہ جو شراب استعمال کرتے ہیں وہ دیگر لوگوں سے جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بیمہ کی کمپنیوں کو اپنے اموال پر خدشہ لاحق ہونے لگا۔ کیونکہ شراب نوشوں کا خطرہ کو ہمہ وقت رہتا ہے کہ وہ کسی وقت موت کے گھاٹ اتر سکتے ہیں، اس خطرہ سے بچتے ہوئے انہوں نے شراب نوشوں کے معاملات دیگر لوگوں سے جدا رکھے ہیں۔ بلوندرہ Blondera بیمہ کمپنی نے اس شخص کو ۵ سے لے کر ۸ فیصد تک کنسیشن دی ہے جو شراب نہیں پیتا۔ اسی طرح کمپنی فیلیجتسون لبنی اور کمپنی البتر لیس نے بھی شراب پینے والوں اور نہ پینے والوں میں خط امتیاز کھینچا ہے۔ ہر گروپ کے لیے علیحدہ ریکارڈ رکھا ہے۔ دوسری کمپنی کے سربراہ نے کہا:

> ”ہمارے ناظم ان لوگوں کی بیمہ پالیسیاں لینے سے سختی سے انکار کرتے ہیں جو شراب پیتے ہیں یا اس کا کاروبار کرتے ہیں۔“

انگلینڈ میں صرف اس مقصد کے لیے ایک کمپنی بنائی گئی وہاں کی ایک کمپنی (Facteria) شراب نوش اور دوسرے افراد میں فرق کرتی ہے۔ اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ شراب نہیں پیتے ان کی عمریں ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہیں جو شراب نوشی کرتے ہیں۔ یہ عمر اوسطاً چھ سال بنتی ہے، یہ شراب ہی ہے جو انسان کی عمر برباد کر دیتی ہے، جیسا کہ اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں۔

شراب نوشی سے مرنے والوں کے اعداد وشمار

انگلینڈ میں اعداد وشمار کیا گیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کی عمریں 25 سے 65 سال تک ہیں وہ مختلف کام کرتے ہیں۔ ان کی مرنے کی تعداد 64641 میں ایک ہزار ہے۔ ان لوگوں کی مرنے کی تعداد جو مختلف دکانوں اور ہوٹلوں میں کام کرتے ہیں 2205 ہے۔ 1461 افراد ایسے لقمۂ اجل بن جاتے ہیں جو چھوٹے ہوٹلوں میں کام کرتے ہیں اور شراب فروخت کرتے ہیں، اس میں 1361 لوگ وہ مرتے ہیں جو شراب بناتے ہیں۔ 701 کسان مرتے ہیں، جبکہ 131 ایسے لوگ ہوتے ہیں جو والیانِ مملکت اور وزراء وغیرہ ہوتے ہیں۔

شراب، شراب نوش کو کمزور کر دیتا ہے

یورپ کی افواج کے سپہ سالاروں نے فوج کے دو گروہ بنا کر ان پر تجربات کیے ہیں۔ انہوں نے فریقین کے سپرد ایک جیسے امور ہی کیے تھے۔ پھر پہلے گروہ کے لیے شراب کو جائز قرار

جبکہ دوسرے گروہ کو چائے اور قہوہ پینے کا حکم دیا۔ پہلے گروہ کے اعضاء آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگے، جب ان میں سے کوئی ایک تھکاوٹ محسوس کرتا تو وہ شراب پی لیتا۔ ابتداء میں شراب اسے نشاط دیتی پھر اسے سست اور کاہل بنادیتی۔ حتیٰ کہ وہ گروہ دوسرے گروہ سے کام کاج میں بہت پیچھے رہ گیا۔ پھر سپہ سالار نے پہلے گروہ کو شراب پینے سے روک دیا، دوسرے کو شراب پینے کا حکم دیا، پہلے گروہ کو چائے اور قہوہ پینے کا حکم دیا، جب پہلے گروہ نے شراب چھوڑی تو اس کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہوگئی۔

وہ شخص جو لگاتار شراب کا عادی بن جاتا ہے اسے درج ذیل امراض لگ جاتے ہیں:

- معدہ کے امراض کے ساتھ مزاحمت کرنے سے قوت کمزور ہوجاتی ہے۔ وہ شخص ایسے امراض کا مقابلہ نہیں کرسکتا خصوصاً گرم ملکوں میں یہ مرض عام پایا جاتا ہے۔ لازم ہے کہ انسان شراب نوشوں کی ظاہری صحت سے دھوکہ نہ کھائے، کیونکہ جب وہ بیمار ہوتے ہیں وت ایک ہی بار گر پڑتے ہیں۔ شراب نوشوں میں پھیپھڑوں کی سوزش سے مرنے والوں کی تعداد 50٪ ہے۔ جبکہ دیگر افراد میں یہ تعداد 24٪ ہے، جبکہ شراب نوشوں کے پھیپھڑوں میں سل کا مرض عام ہوتا ہے۔
- شراب پینے والے اکثر معدہ کی گندی امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔
- شراب نوش کے جگر، گردے اور دل پر چربی چڑھ جاتی ہے، ان کا علاج ناممکن ہوتا ہے، شراب نوشوں کو اکثر ہارٹ اٹیک ہوجاتا ہے۔ جہاں تک مغز کا تعلق ہے تو وہ خون کے اثرات سے سکڑ جاتا ہے، اس کے بعض اعضاء پھیل جاتے ہیں، جن کا نتیجہ جنون کی صورت میں نکلتا ہے۔
- شراب کا اثر اگلی نسل پر بھی ہوتا ہے، بعض اوقات شراب اسے بانجھ کردیتی ہے یہ اثرات صرف شراب نوشوں تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کی اولاد تک چلے جاتے ہیں، شراب نوشوں کی اولاد پاگل اور احمق ہوتی ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ حق زوجیت ادا کرتے وقت میاں اور بیوی نشے کی حالت میں ہوں۔ ایک ڈاکٹر کی اس حالت کو بیان کیا ہے پہلے اس نے ایک ایسے مرد سے شادی کی جو شراب کا عادی نہ تھا۔ اس نے تین تندرست بچے جنم دیے، ان کے باپ کے مرنے کے بعد اس عورت نے ایسے مرد سے شادی کرلی جو شراب کا عادی تھا۔ اس نے اس سے تین بچے اور جنم دیے۔ ان میں سے دو نشے کے

عادی بن گئے جبکہ تیسرا معذور تھا۔ یہ دونوں بھی سل کی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ جس کا خاندان میں پہلے مشاہدہ نہ تھا۔ جب یہ خاوند بھی مر گیا تو اس عورت نے تیسرے مرد سے شادی کی جو شراب نہیں پیتا تھا۔ اس نے اس سے دو صحیح و سالم بچے جنم دیے۔ پیرس میں ایک ہزار پاگل پائے گئے ان میں سے 471 ایسے تھے جن کے باپ شراب پیتے تھے 84 ایسے تھے جن کی مائیں شراب پیتی تھیں اور 65 ایسے تھے جن کے والدین شراب نوشی کرتے تھے۔

اس تفصیل سے آپ کو یقینی علم ہو گیا ہوگا کہ نشہ آور مشروبات کام کی استعداد کو کم کرتے ہیں یہ مشروبات صاف ہوں، شراب کے تاجر رب تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتے نہ انہیں ذمہ داری کا احساس ہے وہ شراب میں ایسی چیزیں ملاتے ہیں جن کا نقصان بہت زیادہ ہے وہ جسم کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ اے دانا لوگو! یہ شراب کے نقصانات ہیں۔ اسی لیے شارع حکیم نے اسے حرام کیا ہے۔ کیا اب بھی تم شراب پینے سے باز نہیں آؤ گے۔

شراب نوشی اور گرم ممالک

وہ شخص جو گرم ممالک میں رہتا ہے اور وہ شراب کا عادی بن جاتا ہے وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ اب میں تمہارے سامنے ان ڈاکٹرز کی آراء کا تذکرہ کرتا ہوں جو بعض ممالک کے لشکروں کے ساتھ تھے۔ ممالک کی افواج کے ساتھ رہنے والے ڈاکٹروں میں جس سے سب سے پہلے یہ کہا کہ نشہ آور مشروبات کا نقصان بہت زیادہ ہے وہ وو بیل ہے۔ گرم ممالک میں یہ نقصان کئی گنا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹرز حضرات بہت زیادہ کوشش کر رہے ہیں کہ ان فوجیوں کو شراب نہ دی جائے جنہیں گرم علاقوں میں تعینات کیا گیا ہے۔ اس زمرے میں ہم تمہیں بعض ماہر ڈاکٹرز کی آراء سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ تمہیں اس سم قاتل کے نقصانات سے کچھ آگہی ہو سکے۔

ہنٹ وکنی نے ۱۸۸۲ء میں کہا تھا:

"سارے ثقہ لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ لوگ جو گرم فضاء میں رہتے ہیں جوں جوں نشہ آور مشروبات کا استعمال کم کریں گے توں توں ان کے لیے اس ماحول کو برداشت کرنا آسان ہو جائے گا۔"

سر ایل روجرس نے لکھا ہے:

"ان ڈاکٹرز نے کہا ہے جن کی آوازیں ہندوستان میں سنی جاتی تھیں انہوں نے ۱۹۱۵ء میں کہا کہ بیس سالوں سے بڑے بڑے ڈاکٹرز ان افراد کے لیے شراب کو ضروری سمجھتے تھے جو گرم علاقوں میں رہتے تھے، لیکن آج بھی ایک دانا ڈاکٹر اس رائے کا اعلان کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ ان ڈاکٹرز نے یہ بھی کہا ہے کہ ہندوستان میں جگر کے امراض میں سے ۷۰٪ ایسے مریض ہیں جو نشہ آور مشروب پیتے ہیں۔ ان میں سے اکثریت یورپیوں کی ہے۔ اس وطن کے باشندوں کی ان عورتوں میں یہ مرض بالکل ناپید ہے جو شراب نوشی نہیں کرتیں۔"

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مرض مسلمانوں میں بہت کم ہے۔ تم ہر جگہ پاؤ گے کہ جگر کی خرابی کے امراض زیادہ شراب نوشی کی وجہ سے زیادہ ہوتے ہیں، یہ یورپیوں اور ملکی باشندوں میں برابر امراض پائے جاتے ہیں۔

سر مکٹور ھورسلی کہتے ہیں:

"آدمی کے اعضاء پر اس وقت لرزہ طاری ہو جاتا ہے جب وہ ہزاروں لوگوں کو پاتا ہے کہ وہ برباد ہو گئے اور اس غلط سوچ کی وجہ سے وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے ہیں کہ گرم ممالک میں افواج کو پیش قدمی کرنے سے قبل شراب پی لینا ضروری ہے۔"

ڈاکٹر شرومف نے لکھا ہے:

"اس زمانہ کے وہ ماہرین جنہوں نے یہ سیکھا ہے کہ امراض کو مشرق کی طرف کیسے منتقل کیا جائے خصوصاً ان علاقوں میں یہ امراض کیسے پھیلائی جائیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، انہوں نے اتفاق کیا ہے کہ وہاں یہ امراض اس لیے موجود نہیں کیونکہ دینِ اسلام مسلمانوں کو شراب نوشی سے منع کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص جسے نشہ آور مشروبات کے سنگین نتائج میں شک تھا، وہ بذاتِ خود مسیحی علاقوں سے اسلامیہ شہروں کی طرف گیا تا کہ اس کا دل مطمئن ہو سکے۔ جونہی مشرقی مسلمان نے نشہ آور مشروبات کا استعمال شروع کیا تو اس کے امراض کی مقابلہ کرنے کی قوت بتدریجاً کم ہوتی گئی۔"

اس کے ساتھ اس حملہ کو بھی سمجھنا آسان ہو جاتا ہے جو اس تہذیب کے ساتھ ہی آیا ہے

جسے یورپی تہذیب کہا جاتا ہے۔ انگلینڈ کے ڈاکٹرز کی ایک کمیٹی نے ایک رپورٹ پیش کی جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''تجربات نے بتایا ہے کہ شراب خواہ کم پی جائے یا زیادہ اس کے جسم کی حرکت کے نظام میں خلل آ جاتا ہے اس سے اعصاب کی قوت کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے، اس طرح شراب انسانی عقل کی قوتوں کو ضائع کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ شراب کا چھوٹا سا گھونٹ جس کے متعلق عموماً یہ رائے ہوتی ہے کہ وہ اثر نہیں کرتا اس کا بہت برا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اثر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی ایسا کام پڑے جو خصوصی غور وفکر کا تقاضا کرے یا جس میں وقت یا ضبط سے کام کرنا پڑے۔ وہ خصوصی غور وخوض کا محتاج ہو۔''

مسٹر سنوڈن نے کہا ہے:

''مَیں جنگِ عظیم کے دوران اس کمیٹی کا رکن تھا جو شراب کے معاملات کے بارے غور وفکر کرتی تھی۔ میں علم اور بحث ومباحثا کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا کہ شراب کی کوئی قسم یا مقدار برے اثرات سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ انسان کے کام کی ادائیگی میں ضرور خلل ڈالتی ہے، خواہ وہ کام تحریری ہو یا دفتری، شراب کی وہ مقدار جسے بعض لوگ قلیل یا معتدل سمجھتے ہیں وہ بھی کام کرنے والے کی طاقت کا ساتواں حصہ ضرور ضائع کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس کام کا نتیجہ اور فائدہ بھی متاثر ہوتا ہے۔''

شراب نوشی جیل جانے کا سبب ہے

وہ اعداد وشمار جو بعض بڑے شہروں میں لگایا گیا ہے اس سے عیاں ہوتا ہے کہ قیدیوں کی زیادہ تعداد کا واحد مقصد زیادہ شراب نوشی ہے۔ سر ولیم ہیوکس جو انگلینڈ کی وزارت داخلہ کے سیکرٹری جنرل ہیں انہوں نے ۱۹۲۴ء کی اپنی رپورٹ میں کہا ہے:

''وہ مجرم جو جیل میں آتے ہیں ان کا پانچواں حصہ شرابیوں کا ہوتا ہے۔ لندن کی جیل میں متعین ایک بہت بڑے ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ اس نے بڑی تحقیق کی ہے کہ ۴۰ ہزار مجرموں میں سے ۶۰٪ فیصد عادی یا غیر عادی شراب نوش تھے۔ شراب ان چیزوں میں سے ہے جن کی وجہ سے جیل میں اخراجات کی

وجہ حکومت کو نا قابلِ برداشت بوجھ اٹھانا پڑتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم ایک مہذب قوم کو عیب دار بھی کرتے ہیں۔ جب تک نشہ آور مشروبات سے نجات حاصل نہ کی جائے اس وقت تک اس بارِ گراں سے نجات ممکن نہیں۔''

اسکوٹلنڈا کی جیل کے ایک داروغے نے کہا:

''میں شراب سے بڑھ کر کسی دوسری چیز کو نہیں دیکھتا جو نقصانات، فسادات اور طرح طرح کے جھگڑے پیدا کرنے میں قوی ہو۔ میں یہ کہنے میں مبالغہ نہیں کر رہا کہ اسکوٹلنڈا میں چوری کے واقعات میں سے ۷۰٪ وہ لوگ کرتے ہیں جو نشہ یا شراب کی حالت میں ہوتے ہیں۔''

ڈاکٹر سولیفان نے کہا ہے:

''عورتوں کی عصمت پر حملہ آور ہونیوالے، اولاد کے اخلاق خراب کرنے اور اسی طرح گندگی اور ناپاکی پیدا کرنے میں ۶۰٪ ہاتھ ان لوگوں کا ہے جو شراب پیتے ہیں، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان بے بس اور محتاج قربانی دینے والی خواتین اور اولاد کے آگے اِن کی اپنی ہی اولاد اور خواتین ہوں۔''

لارڈ رنج نے کہا ہے:

''زنا بالجبر کے سارے واقعات ان لوگوں سے رونما ہوتے ہیں جو شراب پیتے ہیں وہ ایسی گندگیوں کے قریب ترین ہوتے ہیں۔''

ایک انگریز شخص گلاڈسٹون نے کہا ہے:

''جنگ کی بربادیاں، وباؤں کی مصیبتیں اور قحط سالی کی مشکلات سے اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا نقصان نشہ آور مشروبات سے ہوتا ہے۔''

لارڈ کروزن نے کہا ہے:

''نشہ آور مشروبات قوم کے جسم میں ایسی بڑی ضرب ہے جو ممکن ہے قوم کو جڑ سے اکھیڑ پھینکے، یہ نسلوں پر بہت گراں گزرے یہ بھی خدشہ ہے کہ قوم غربت، بربادی اور مصیبت کا شکار ہو جائے۔''

اے دانا اور عقلمند! شاید تو ان تفصیلات سے کچھ نصیحت پکڑ سکے اور ہر اس شخص کا راہبر بن سکے جسے اس کے نفس نے اس سمِ قاتل کا عادی بنا دیا ہو۔

زنا کے حرام ہونے کی حکمت

زنا جرائم کی بنیاد اور مفاسد کی اصل ہے۔ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اس کو حرام کرنے میں درج ذیل حکمتیں کارفرما ہیں۔

❶ انساب کی حفاظت۔

کیونکہ اگر انساب ضائع ہو جائیں تو نہ اقوام ہوں نہ قبائل، نہ ہی رشتہ دار ہوں نہ ہی خاندان ہوں، وہ تعارف ختم ہو جائے جو رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مراد ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد سے اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور ہم میں سے زیادہ معزز وہ ہے اللہ کی بارگاہ میں جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

ان کے بغیر وہ حمیت اور غیرت ختم ہو جائے جن کی طاقت سے انسان وہ طاقت حاصل کرتا ہے جس کے ذریعے وہ نقصان دور کرتا ہے، ہر امر میں انساب سے جو مدد حاصل کی جاتی ہے وہ ختم ہو جائے۔ کیونکہ عموماً ایک آدمی جب اسے مشکلات گھیر لیتی ہیں اور اسے مصائب کی آندھی اور الجھنوں کا طوفان نظر آتا ہے تو وہ مدد کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ مدد اسے صرف ان قریبی رشتہ داروں سے حاصل ہوتی ہے، جن کے ساتھ اس کا نسب اور قربت کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی سے دنیا درست ہوتی ہے، انسان کی راحت مکمل ہوتی ہے، شہروں میں امن قائم ہوتا ہے۔ انساب کی حفاظت کرنے کے لیے ہی شارع نے انسان کے لیے اس بچے کی نفی مباح قرار دی ہے جو لعان کے بعد پیدا ہوا ہو جبکہ یہ امر متحقق ہو جائے کہ وہ زنا کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ اس کا نسب نہیں ملایا جائے گا جو اس سے نہیں تا کہ حقوق ضائع نہ ہوں۔ یہ بہت بڑا افساد اور عظیم نقصان ہے۔

❷ زنا کو اس لیے بھی حرام کیا گیا ہے تا کہ کسی کی ردائے حرمت چاک نہ ہو، کتنی ہی حرمت کی ردائیں ہیں جو چاک ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے خاندان شرافت و بزرگی کی رفعت سے ذلت اور رسوائی کی پستی میں جا گرتے ہیں۔

❸ اس کی وجہ سے گھریلو امور کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے کیونکہ جب عورت اپنے خاوند کو

دیکھتی ہے کہ وہ زنا کی طرف میلان رکھتا ہے تو اس کا میلان اس کی طرف کم ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی گھریلو ضروریات کو پورا کرنے کی طرف رجحان نہیں رکھتی۔ ان افعال کی وجہ سے دونوں کے مابین نفرت اور بغض پیدا ہوتا ہے اسی طرح اگر عورت زنا کی طرف میلان رکھتی ہو تو وہ اپنے آشنا پر اکتفا کر لیتی ہے اس کی مصلحت کو خاوند کی مصلحت پر ترجیح دیتی ہے۔ بعض اوقات وہ اپنا گھر چھوڑ دیتی ہے اور اپنے عاشقوں کے پیچھے بھاگ جاتی ہے، یہ بھی بہت بڑا افساد ہے۔ اس سے گھر برباد ہو جاتے ہیں، اس طرح کے بہت سے واقعات اور مسائل رونما ہوتے ہیں، ہم آئے روز اخبارات میں ایسے نت نئے واقعات پڑھتے رہتے ہیں۔

٤. نسل کی حفاظت۔ اس سے نسل کی حفاظت بھی مقصود ہے، کیونکہ زانیہ اس بچے میں رغبت نہیں رکھتی جس سے اس کا عاشق اسے روک دیتا ہے، کیونکہ وہ بچہ اس کے لیے اس کی محبت میں رکاوٹ بنتا ہے، جب نسل کم ہو جائے گی تو دنیا آباد نہ رہ سکے گی۔ کیونکہ جو لوگ زنا کی طرف رغبت رکھتے ہیں وہ شادی کی طرف رجحان نہیں رکھتے۔ ان کی ایسی نسل نہ ہوگی جو ان کی جانشین بنے۔ اس طرح بہت بڑا خلا آ جائے گا۔ بعض حکومتوں نے اس عورت کے لیے سزا مقرر کر رکھی ہے، جو جان بوجھ کر حمل گرا دیتی ہے۔

٥. اسی طرح اس سے مقصود امت کو ہر موذی اور مہلک مرض سے بچانا بھی ہے کیونکہ بدکارہ عموماً اس مرد کی صحت سے ناآشنا ہوتی ہے جو اس کے ساتھ بدکاری کرتا ہے جب ایک مریض شخص اس کے ساتھ بدکاری کرتا ہے تو وہ مرض اس کی طرف بھی منتقل ہو جاتا ہے۔ جب کوئی اور اس کے ساتھ مباشرت کرتا ہے تو وہ مرض متعدی ہو کر اس کی طرف چلی جاتی ہے اس طرح یہ مرض آگے متعدی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ وباء کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اسی وجہ سے ہم سوزک اور آتشک کے مریضوں کو دیکھتے ہیں کہ انہیں یہ مرض متعدی ہو کر ہی لگتی ہے۔

٦. اس کی حرمت کا مقصد یہ بھی ہے کہ انسان فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہو۔ کیونکہ زانی اور زانیہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو ان دونوں کا مقصد اپنے محبوب کو راضی کرنا ہوتا ہے۔ وہ اسے راضی کرنے کے لیے حتی الامکان خرچہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے اس مال کی حفاظت نہیں کر سکتا جو اس کے پاس ہوتا ہے نہ وہ مزید مال

کمانے کی طرف توجہ دے سکتا ہے۔ غنی کی جگہ فقر آ جاتا ہے، یہ معاملہ ہمارے اس زمانہ میں عام دیکھا جا سکتا ہے ایسے معاملات ان گنت ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دولت مندوں اور اغنیاء کے بہت سے فرد فقر و فاقہ کی دلدل میں پھنس گئے ہیں۔

◆ زنا حرام کرنے کا ایک مدعا بچے پر شفقت و رحمت بھی ہے۔ کیونکہ بدکاری سے پیدا ہونے والا بچہ یا تو چھوٹی عمر میں مر جاتا ہے کیونکہ اس کی حقارت کی وجہ سے کوئی اس کی طرف توجہ نہیں دیتا یا پھر وہ ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کرتا ہے کیونکہ اس کی تربیت نہیں ہوتی نہ ہی اسے ادب سکھایا جاتا ہے بعض اوقات وہ خونریزی کرتا ہے، امن عامہ کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے، اگر وہ تعلیم حاصل کر بھی لے اور مال کما بھی لے پھر بھی وہ لوگوں کے مابین خستہ حال زندگی بسر کرتا ہے، لوگ اپنے نسب وحسب اور اپنے باپ، چچا اور ماموں کے شرف پر فخر کرتے ہیں۔ اگر ایک انسان کی یہ حالت ہو تو اس کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے، اس کی سوچ و بچار صاف نہیں رہتی نفس دنیا اور دین کے امور کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیتا۔

زنا کے ان قبیح نقصانات اور انسانی معاشرہ کے لیے عظیم فسادات کی وجہ سے اسے شارع حکیم نے حرام کیا ہے۔ اس کے بارے بار بار حکم فرمایا۔ رب تعالیٰ نے کسی اور امر کے بارے اس طرح نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی۔ (الاسراء:۳۲)

ترجمہ: اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ٘

(النور:۳)

ترجمہ: شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ نہیں نکاح کرتی مگر زانی یا مشرک کے ساتھ۔

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝ (النور:۹)

ترجمہ: اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ خاوند سچا ہے۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝ (النور:۷)

ترجمہ: اور پانچویں مرتبہ یہ کہے اس پر اللہ کی پھٹکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے

والوں میں سے۔

وَلَا یَزْنُوْنَ (الفرقان:۶۸)

ترجمہ: اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔

مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا (الفرقان:۶۸)

ترجمہ: اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا۔

یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ۔ (الفرقان:۶۹)

ترجمہ: دوگنا کردیا جائے گا اس کے لیے عذاب۔

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور:۲)

ترجمہ: جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (سو) درے۔

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ۔ (النور:۲)

ترجمہ: اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں۔

وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (النور:۲)

ترجمہ: اور چاہیے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہلِ ایمان کا ایک گروہ۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(النور:۴)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر اور پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درے اور نہ قبول کرو ان ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے اور وہی لوگ فاسق ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ (النور:۶)

ترجمہ: اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ۔

رب تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے ذرا حکم کی شدت دیکھو جو اس عظیم گناہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے رب تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس سے محفوظ رکھے۔

زنا کے نقصانات

سابقہ فصل میں تم نے ان جلیل القدر حکمتوں کے بارے پڑھ لیا ہے جن کی وجہ سے شارع حکیم نے زنا کو حرام کیا۔ اب ہم ان بعض نقصانات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کو ڈاکٹرز حضرات نے زانی اور زانیہ میں پایا ہے۔ ایک ڈاکٹر لکھتا ہے:

بہت سی امراض جن میں بنوانسان مبتلا ہیں حقیقت ان کا سبب ایک ہی ہے اور وہ زنا ہے۔ ایک مریض شخص کا کسی تندرست عورت سے یا کسی مریض عورت سے کسی صحیح مرد کی مباشرت کرنا اس کا سبب ہے صحیح عام حالت میں زنا کی حرمت دو اعتبار سے ہے۔

1. تا کہ انسان ان امراض سے دور رہے جو آہستہ آہستہ معدہ میں سرایت کر جاتے ہیں، وہ امراض آتشک، جریان اور ایسے زخم ہیں جن سے شفایاب ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔
2. خواتین کو ایذارسانی سے بچانے کے لیے۔ وہ بدکار جو اپنی عزتوں کو یا تو حیوانی لذت پورا کرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں یا ان سے تجارت کرنے کے لیے۔ وہ ایک دوسرے کے معاملات سے آگاہ نہیں ہوتے۔

غالباً ان میں سے ایک شخص ایسے امراض میں مبتلا ہوتا ہے جو معدہ میں سرایت کر جاتے ہیں، ان امراض کے مصائب خاندانوں کے لیے بہت سخت اور شدید ہوتے ہیں۔ یہ نشوونما، صحت اور فطرتی طور پر آگے بڑھنے کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے سرانجام دینے والے اعمال ان امور میں سے اہم سمجھے جاتے ہیں، جو قابلِ توجہ ہوتے ہیں۔ یہ ان سب سے مشکل ہوتے ہیں۔ یہ امراض تیزی سے بڑھتی ہیں اور معدہ کی مجموعی امراض دوچند ہو جاتی ہیں۔ یہ امراض متروک اور قابلِ نفرت خاندانوں کے لیے ایک مستقل چیلنج بنی رہتی ہیں۔ معدہ کے امراض کی تاریخ میں جتنی المناک داستان اس شخص کی ہوتی ہے جو آتشک یا جریان میں مبتلا ہو کسی اور کی داستان غم اتنی حیرت افزا نہیں ہوسکتی۔ آتشک ایسا مرض ہے جو مخصوص جراثیموں سے پھیلتا ہے یا تو اس کے پھیلنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص مباشرت کرے جو اس مرض میں مبتلا ہو، یا یہ ایسی اشیاء استعمال کرنے سے پھیلتا ہے جو اس مرض کے جراثیموں سے ملوث ہو۔ مثلاً رومال، تولیہ، کپڑا یا ایسے برتن جسے مریض نے استعمال کیا ہو۔ یہ تخلیقی یا موروثی بھی ہوسکتی ہے، اس کی ابتدا ایک چھوٹی سی پھنسی سے ہوتی ہے، جو جلد پر یا اعضائے تناسل کی اندرونی جھلی میں ظاہر ہوتی

ہے۔ یہ مختلف شکلوں کی ہو سکتی ہے عموماً یہ پھنسی ۱۴ سے ۴۰ دن کے اندر ظاہر ہوتی ہے۔ اس مرض کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنا اور اس کا علاج ممکن ہے لیکن شدت میں یہ ساری امراض سے بڑھ کر ہوتی ہے، یہ اس کیڑے کی مانند ہی ہے جو انسانیت میں پھیلتا چلا جاتا ہے۔

یہ آتشک ان امراض کی طرح ہے جن کی نگرانی بہت مشکل ہوتی ہے، جو ایک شخص سے دوسرے شخص کو براہِ راست واسطہ کے بغیر لگتی ہیں اور اطراف و اکناف میں پھیل جاتی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مہذب اور غیر مہذب ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اگر آتشک متمدن طبقہ میں آہستہ پھیلے تو یہ غیر متمدن طبقہ خطرناک انداز میں پھیلتی ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ صرف اسی پر اکتفا کر لیا جائے کہ متمدن معاشرہ میں امراض کا زیادہ نقصان ہوتا ہے الا یہ کہ مہذب لوگ ان امور سے دور رہیں جو ہلاکت کا باعث بنتے ہیں اور غیر مہذب لوگوں کے واسطہ سے آتشک کا سبب بنتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں کوشش اخلاص کے ساتھ اور لگاتار ہونی چاہیے۔ اگر یہ اندازہ لگایا جائے کہ امریکہ میں پاگلوں کے ہسپتال میں مجنونوں کا پانچواں حصہ مفلوج ہے وہ پوری طرح حرکت نہیں کر سکتے تو یہ بات غالب ہے کہ ان میں ۹۰٪ آتشک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آتشک کا اثر اولاد کو بھی ہو جاتا ہے۔ پاگل پن اور فالج جیسے امراض جس اولاد کو لگتے ہیں وہ ان کے والدین کی بدکاریوں کی وجہ سے لگتے ہیں۔ اگر بچوں کو ایسے نتائج سے نہ بچایا جائے تو پھر نتائج اور المناک ہو سکتے ہیں۔ مختلف طبقات میں آتشک کا تناسب مختلف ہوتا ہے اور ہر لحہ علم میں تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب انکشاف ہو گیا ہے کہ اس مرض کا سبب زنا ہے اور زانی مرد اور زانیہ عورتیں اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔

مختلف علاقوں کی حالت پر ایک عمومی نظر:

ہماری نگاہیں اس خطرہ کی طرف جاتی ہیں جس نے خاندانوں کو بری طرح برباد کیا ہے۔ تو یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ دیگر امراض کے علاوہ بچوں کی شرح اموات کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں۔ ان حاملہ خاتین کے اعداد و شمار جو بچوں کے مرکز صحت میں آتے ہیں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ۳۹۴ حاملہ خواتین میں سے ۱۳۰ میں آتشک کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ یہ علاقہ ایسا ہے جہاں عزت و ناموس پر غیرت کھا جاتی ہے۔ جو حاملہ بھی اس مرکز میں ہے وہ آتشک کے بارے تحقیق ضرور کرتی ہے۔ یہ تناسب سمندری علاقوں، قاہرہ اور ان علاقوں میں خوفناک حد تک شدید ہو سکتا ہے جو تمدن کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ لیکن ماضی میں ہم نے اس تعداد کے بارے کبھی نہیں سنا۔ کیونکہ لوگوں کی اکثریت اپنے دین کی حفاظت کرتی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل پیرا

ہوتے تھے اور ان کے نواہی سے کنارہ کشی اختیار کرتے تھے۔ اگر ایسے افراد کے اعداد وشمار کو دیکھا جائے جو ایسے ہسپتالوں میں آتے ہیں تو ان کی تعداد بھی خوفناک ہے کیونکہ ایک ہسپتال میں ۱۹۲۸ء میں ۵۹۸۸ عورتیں اور ۳۴۹۱ مرد ایسے آئے جو آتشک اور جریان کے مریض تھے۔ اگر اس اعداد وشمار پر عمومی نظر ڈالی جائے تو یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ یہ ایک خوفناک صورت حال ہے۔ رب تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اور بدکاری اور فسق وفجور کے مقامات سے بچتے ہوئے اس کا علاج ایک ناگزیر عمل ہے۔

لواطت کی حرمت میں حکمت

اگر ہم ہر چھوٹے اور بڑے عیب اور عار کو جمع کریں، ہر اس فعل کو جمع کریں انسان کو جس کے فعل، نام اور صفت سے خجالت محسوس ہوتی ہے، تو وہ اس مہلک مرض کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہ ہوگی۔ یہ ساری محبتوں کو برباد کر دیتی ہے۔ یہ اپنے صاحب پر ایسی عار چسپاں کرتی ہے جو آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی برداشت کرنا پڑتی ہے یہ شنیع عیب ہے، بدنما عار ہے، فاعل قبیح ہے، مفعول بہ اس سے بھی قبیح ہے۔ اگر فاعل اور مفعول بہ کا تعلق ایسے خاندان کے ساتھ ہو جو شرف اور بزرگی میں مقام رکھتا ہو، جس کی عزت وسرفرازی پر فخر کیا جاتا ہو، یہ دونوں سارے لوگوں سے زیادہ کم قدر ہوتے ہیں سارے لوگوں سے زیادہ گمنام ہوتے ہیں، سارے لوگوں سے زیادہ بے عزت ہوتے ہیں۔ روزِ حشر ان کو سب سے زیادہ شدید عذاب ہوگا، دنیا میں بھی انہیں عذاب دیا جائے گا۔

لواطت کی حرمت میں حکمت یہ ہے کہ مرد کا کردار یہ ہے کہ وہ عورت سے وظیفۂ زوجیت ادا کرے اور عورت کا کردار یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند سے وظیفۂ زوجیت ادا کرائے، لواطت میں اس طبعی طریقہ کی مخالفت ہے، دین اور دنیا کے آداب کی مخالفت ہے۔ عورت کے ساتھ اس کی مخالفت تو عیاں ہے۔ دنیا کے آداب کے ساتھ اس کی مخالفت یہ ہے کہ آزاد شخص پاک، صاف اور پاکدامن ہوتا ہے۔ وہ خود کو اس عورت کی جگہ رکھنا پسند نہیں کرتا جس عورت کا لباس پہننا بھی وہ پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ وہ اس عورت کی مثل ہو جائے۔ اس سے وطی کر کے اس کو رسوا کیا جائے۔ اسی طرح وہ اپنے عضو تناسل ایسی گندی جگہ میں داخل کرتا ہے جہاں کی بو بھی انتہائی گندی ہوتی ہے نفس اس کا نام سن کر ہی نفرت کا اظہار کرتا ہے چہ جائیکہ وہ اسے مس کرے ایک اس عربی سے پوچھا گیا جو شہر سے دور رہتا تھا، وہ عیاش لوگوں سے نہیں ملا تھا۔

"تم مردوں کے ساتھ بدفعلی کیوں نہیں کرتے؟"

اس نے کہا:

"گندگی سے اس وقت نفرت کرتا ہوں جب یہ زمین پر گری ہو، میں اس کے سوراخ میں اس پر کیسے ٹوٹ پڑوں۔"

ایسا شخص جو ایسی بدفعلی کرتا ہے خواہ اس کا تعلق فاعل سے ہو یا مفعول سے وہ عقلمندوں کی نظر میں ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔ اسی لیے حمیر کے بادشاہ اس شخص کے ساتھ بدفعلی کر دیتے تھے جو بادشاہی میں طمع کرتا تھا تا کہ اس کا نفس عزت دار نہ رہے جو ملک سنبھالنے کا اسے اہل بنا سکے نہ ہی اس کی خودداری رہے جو رعایا کی نظر میں اس کے لیے ہیبت بنا سکے۔

آدابِ دین سے اس کی مخالفت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم عضوِ تناسل صرف اسی جگہ رکھیں جو اس نے اس کے لیے تخلیق کی ہے، وہ کھیتی کی جگہ ہے، رب تعالیٰ نے گزشتہ اقوام پر جو عذاب نازل کیا اس کی اقسام معروف ہیں، لیکن اتنا شدید عذاب کسی قوم پر نہ اترا تھا جتنا سخت عذاب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر اترا۔ اگر رب تعالیٰ ہم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے طفیل رحم نہ کرتا تو ہمیں قومِ لوط سے بھی سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان سے زیادہ ندامت و عار اٹھانی پڑتی۔

مشت زنی (جلق) حرام ہونے میں حکمت

جلق یا مشت زنی میں دو بڑے نقصانات ہیں جو جسم اور دماغ کو ہوتے ہیں، جیسا کہ اطباء نے کہا ہے۔ وہ نقصان جو جسم کو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جو مشت زنی کرتا ہے اس کا جسم کمزور ہو جاتا ہے، اس کی پنڈلیوں میں ڈھیلا پن آ جاتا ہے، اس کی آنکھیں دھنس جاتی ہیں اس کی آنکھوں کے اردگرد نیلے حلقے پڑ جاتے ہیں، اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے، اس کی جلد میں سلوٹیں پڑ جاتی ہیں۔ اگر اس سے کوئی سوال کیا جائے تو اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، سر جھک جاتا ہے، عضوِ تناسل کمزور ہو جاتا ہے۔ جو نقصان عقلی قویٰ کو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے اس کی فکر ساقط ہو جاتی ہے، اس کی طبیعت میں جمود آ جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے سبب سے اس کی سوچ پر غضب اور جوش غالب آ جاتا ہے سرکشی اور عناد اس پر طاری رہتا ہے۔ اس کے احوال یکساں نہیں رہتے اس کے اعمال میں عدمِ ثبات ہوتا ہے یہ بری عادت انسان کو اپنے بھائیوں سے دور لے جاتی ہے، لوگوں سے عزلت نشینی اسے محبوب بنا دیتی ہے، کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ مشت زنی کرنے سے ۱۲

دفعہ مباشرت کرنے سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ بعض مشت زن چلتے چلتے رستے میں ہی گر کر مر جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اضافہ کر لو کہ یہ عضو تناسل کو مکمل نرم کر دیتی ہے، حتیٰ کہ وہ کپڑے کے کنارے کی طرح ہو جاتا ہے، انہی بڑے بڑے نقصانات کے پیش نظر شارع حکیم نے اسے حرام قرار دیا ہے، حدیث مبارک ہے کہ جو اس مہلک برائی میں مبتلا ہوگا وہ روزِ حشر اس طرح آئے گا کہ اس کا ہاتھ حاملہ ہوگا۔ اس پر اسے سزا ملے گی۔ الا یہ کہ وہ یہ فعل اپنی شہوت کو توڑنے کے لیے کرے تاکہ وہ کہیں بدکاری نہ کر بیٹھے۔ شارع حکیم کی طرف سے یہ بلیغ حکمت ہے۔

مشت زنی اور جدید طب

پچھلی فصل میں تم نے اس حکمت سے آگاہی حاصل کی جس کی بنا پر شارع حکیم نے مشت زنی کو حرام کیا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس جگہ وہ کچھ بیان کریں جو اطباء نے اس کے بارے کہا ہے تاکہ تمہارے لیے یہ معاملہ مزید واضح ہو جائے۔ تمہیں مکمل بصیرت حاصل ہو جائے، ایک طبیب نے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: ''بچے کو خواب میں لذت تناسلیہ سے احساس ہونا شروع ہوتا ہے، مادہ منویہ اس مخصوص مقامات سے بہنے لگتا ہے، فطرت اسے باہر پھینک دیتی ہے، جب وہ بیدار ہوتا ہے تو اسے اس خواب کی لذت یاد آتی ہے وہ اسے اپنے دوستوں سے بیان کرتا ہے۔ وہ اسے اس امر سے آگاہ کرتے ہیں جس سے وہ پہلے آشنا نہیں ہوتا۔ وہ اسے مژدہ سناتے ہیں کہ وہ مردانگی کے دور داخل ہو گیا ہے۔ وہ طوفان کی ابتدائی تعلیم اور برے اخلاق اپنے ساتھیوں سے سیکھنے لگتا ہے۔ پھر اس تعلیم سے اسے بری عادت پڑ جاتی ہے یہ ایک قبیح عادت ہے۔ جسم کے سارے نظام اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ تم عادی مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے چہرے پر خاص عادت کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ ان پر سستی اور کاہلی چھا جاتی ہے۔ یہ چیز انہیں دیگر جوانوں سے ممتاز کر دیتی ہے، سکول، گھر اور راستہ میں ان کی حرکات وسکنات میں فرق صاف ظاہر ہوتا ہے، ایسے جوان لوگوں سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ عزلت پسند کرتے ہیں، انہیں ایسی امراض لگ جاتی ہیں جن کا علاج بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے۔ اس جوان کی نفسانی، عقلی اور جسمانی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔

حالتِ نفسانی

ایسا جوان لوگوں کے سامنے آنے سے گھبراتا ہے، گفتگو میں غیر فطرتی حیاء آتی ہے، ارادہ میں کمزوری آ جاتی ہے، کیونکہ وہ سرکش عادت کے سامنے سرخم کر دیتے ہیں۔ ان کے ارادہ کو مزاحمت کرنے کی مشق ہی نہیں ہوتی۔ یہ چیز انہیں بزدلی اور عاجزی کا عادی بنا دیتی ہے۔ ایسے شخص پر کسی وقت بھی کسی کام میں بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ جلد ہی کام سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔ وہ خیالی پلاؤ پکانے لگتا ہے وہ حقائق سے دور رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس چیز کے بارے سوچتا ہے جو حقیقت میں کچھ نہیں ہوتی۔ کافی مدت بعد تم ایسے مجرم کو دیکھو گے کہ اس کا فکری توازن بگڑ جائے گا۔ اس پر وہموں کا قبضہ ہو جائے گا جو اس کے عقلی قویٰ میں خلل ڈال دیں گے۔ تم دیکھو گے کہ ایسا مریض ہمیشہ تنہائی کا متلاشی رہتا ہے۔ لوگوں کی نظروں سے دور رہتا ہے کیونکہ اسی میں اس کو عمدہ تسکین ملتی ہے، چھوٹے سے ناگہانی حادثہ پر وہ لرز اٹھتا ہے کیونکہ وہ ایسے حوادث سے دور رہنے کا عادی ہوتا ہے۔

حالت عقلیہ

ایسا جوان جو اس قبیح مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک خبیث مرض ہے جو جوان کی زندگی کے آغاز سے ہی اسے لاحق ہو جاتی ہے، اس کے عقلی قویٰ کو کمزور کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کے حواس کمزور اور سست ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ پہلے اس کے چہرے پر ذہانت کی علامات عیاں ہوتی تھیں پھر اس کی یادداشت میں کمی آ جاتی ہے اگر وہ طالب علم ہو تو اس کے لیے سبق سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ پیچھے مڑنے لگ جاتا ہے ایک استاذ اس وقت ششدر رہ جاتا ہے جب وہ جماعت کے ایک طالب علم کو دیکھتا ہے جو سبق پڑھنے، سیکھنے اور قوتِ ادراک میں منفرد ہوتا تھا اسے ذہنی کمزوری آ لیتی ہے اس کی حالت بری ہو جاتی ہے وہ استاذ غور و فکر کرتا ہے۔ اگر اسے تناسلیہ زندگی سے کچھ بھی معرفت ہوگی تو وہ یہ جان لے گا کہ ان امور کا سبب اس کی بری عادت ہی ہے۔

یہ بری عادت بعض اوقات اس کی جنسی حالت میں طبعی تغیر کا سبب بھی بنتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ شخص اعصابی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے مثلاً ہسٹریا وغیرہ۔ بعض اوقات انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے عقلیہ امراض کے لیے ہسپتال میں داخل ہو جاتا ہے۔

حالتِ جسمیہ

آہستہ آہستہ جسم کمزور ہونے لگتا ہے۔ چہرے پر زردی چھا جاتی ہے۔ اس کی صحت آہستہ آہستہ گرتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ صرف کمزور سا ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔ جب تک وہ اس ہلاکت خیز مرض سے نجات نہیں پا لیتا اس کا صحت مند ہونا ناممکن ہے، وہ اسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے اس کے اہلِ خانہ اسے طبیب کے پاس لے کر جاتے ہیں، وہ اس کا معالجہ کرتا ہے وہ اس کی اصلاح کے لیے ہمہ تن کوشش کرتا ہے، لیکن بے سود۔ کیونکہ اس کا سبب پوشیدہ ہوتا ہے، یہ مرض اس وقت ختم ہوتا ہے جب سبب زائل ہو جائے۔

ان جسمانی امراض میں سے جو اس کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں ایک اعضائے مخصوصہ کا مرض بھی ہے جسے دوالی کہا جاتا ہے۔ (دوالی علم طب میں وریدوں (خاص رگوں) میں پیدا ہونے والی غلاظت اور طول کا نام ہے جس کی وجہ سے خون پیچھے کی طرف جاری نہیں ہوتا) اس سے مراد یہ ہے کہ خون کی ان شریانوں میں سوجن آ جانا جو منی کی رگوں کا گھیراؤ کیے ہوتی ہیں۔ ان سے بعض اوقات ایسا درد پیدا ہوتا ہے جو مریض کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے، اس وقت ان کا علاج صرف آپریشن ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا نقصانات کے علاوہ بعض اوقات انسان کے اعضائے تناسل بھی متاثر ہوتے ہیں اس کے جنسی قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ جب وہ شادی کرتا ہے تو وہ پوری طرح وظیفۂ زوجیت ادا نہیں کر سکتا جس کی وجہ سے عائلی زندگی میں بہت سے اختلافات جنم لیتے ہیں جو کسی گھر کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ جن سے نجات صرف فراق کی صورت میں ممکن ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ عورتوں سے جھگڑ کر پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے آگ کی پناہ لے۔

جب ایسے لوگوں کے ہاں اولاد ہوتی ہے تو ان کی نسل کے قویٰ سست ہوتے ہیں انہیں۔ نوعمری میں ہی بانجھ پن سے آتا ہے۔ بہت سی عادت میں سے صرف یہ ایک عادت ہی جوان کی تباہی کے لیے کافی ہے۔ وہ گمراہی کے رستہ پر چل نکلتا ہے۔ بالآخر اپنی ہلاکت کو پا لیتا ہے حالانکہ وہ ابھی نوجوان ہوتا ہے۔ ابھی اپنی زندگی کا آغاز کر رہا ہوتا ہے۔ وہ درخشاں مستقبل کا خواہاں ہوتا ہے، لیکن وہ پہلی منزل میں پھسل جاتا ہے۔ اس کی اس لغزش سے اٹھنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر خوش قسمتی اس کا ساتھ دے اور اسے ایسا آسرا مل جائے جس کے سہارے وہ اٹھ سکے لیکن

اسے بہت زیادہ علاج کرانے کی ضرورت ہوگی۔

اس سے بھی خطرناک مصیبت یہ ہے کہ اس طرح اس شخص کو اس وقت ایسی جنسی امراض لگ جاتی ہیں جس وقت اس کا ذہن ایسی امراض سے خالی ہوتا ہے وہ ان امراض کو ہلکا سمجھتا رہتا ہے لیکن وہ اس کی زندگی اور خاندان کی زندگی کے لیے خطرہ بن جاتا ہے وہ اس جراثیم کی مانند ہو جاتا ہے جو پیدا ہوتا ہے پھر بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے اردگرد کو برباد کردیتا ہے، ان سارے احوال میں وہ اکثر عزت نفس اور کرامت کو مفقود پاتا ہے۔ اسے اخلاقی کمزوری آجاتی ہے، جس کا اظہار لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت ہوتا ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ وہ اسے عار سمجھتا ہے کہ لوگ اس کا عمل دیکھیں۔ وہ حقائق میں غور وفکر کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ دنیاوی زندگی میں حقائق کو بگاڑ کر پیش کرنا اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔

ان خطرات کو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ہماری اولاد کی زندگی کے آغاز میں ہی ان پر حملہ آور ہو جاتے ہیں، ان سے مزاحمت کرنا ہم پر لازم ہے۔ ہم اپنی قوتیں استعمال کر کے ان کو دور کریں، حتیٰ کہ جب وہ مرد بن جائیں تو وہ یاد کریں کہ ہم نے ہی انہیں یہ بھلائی عطا کی تھی وہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ستائش اور تعریف کے یاد کریں۔ خطرہ کو رونما ہونے سے قبل اسے روک لینا مشکل کام نہیں ہے، جو کسی سخت محنت کا تقاضا کرتا ہو، بلکہ یہ صرف ذہانت، احتیاط اور دورنظری کا محتاج ہے۔ پرہیز ہمیشہ علاج سے ہزار بار بہتر ہوتا ہے۔ ہمارا صرف یہ فرض ہے کہ ہم کو اس دورانیہ میں نوجوان کا نفسانی اور عقلی جائزہ لینا چاہیے بعض اوقات حالات، طبیعتوں اور اخلاق کے اختلاف کی وجہ سے اس ضمن میں کچھ مشکلات کا سامنا ہوسکتا ہے۔ ہم صرف اس وقت استطاعت رکھیں گے جبکہ ہم اپنے عمل میں مخلص ہوں۔ اس طرح ممکن ہوسکے گا کہ ہم اس برائی کو جڑ سے اکھیڑ پھینکیں۔ انسانیت کو ان جرائم کے شر سے پاک کردیں جنھوں نے زندگی کے ہر میدان میں فساد برپا کردیا ہے۔

نوجوان کی اس عمر میں جو امر ہم پر سب سے پہلے لاگو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس کے ہر کام اور حرکت کا گہری نظر سے جائزہ لیں۔ اسے تنہائی کے اس شر سے بچائیں جس کی وجہ سے اس کے اندر مشت زنی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لیے پاکیزہ رفاقت کا اہتمام کریں۔ اسے کثرت سے ورزش کرنے کی عادت ڈالیں۔ اس امر کے علاوہ اور کوئی امر اس کے لیے خوشگوار نہیں کہ وہ پرسکون ماحول میں ان دوستوں کے ساتھ مسرت وشادمانی سے کھیلے جنھیں ہم منتخب کریں۔ اس کا ذہن ہر گندے خیال سے خالی رہے۔ اس کا جسم اور عقل قوی ہوجائے، اس میں مکمل مردانگی

اور اخلاق فاضلہ کی روح نشوونما پائے۔ اس وقت وہ اپنی جسمانی قوت کی وجہ سے سر بلند ہوگا اور ذہنی صلاحیتوں کی وجہ سے اس کے ساتھی اس پر فخر کریں گے۔ اس مناسبت سے ختنے کا تذکرہ بہت ضروری ہے، ضروری ہے والدین چھوٹی عمر میں ہی اپنے بچوں کے ختنے ضرور کرائیں۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ والد کا یہ زیادہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس امر کی نگرانی کریں تا کہ وہ اپنی اولاد کی حفاظت کریں۔ ان کی ہر ہر حرکت کو گہری نظر سے دیکھیں۔ اگر ان میں کسی اعتبار سے بھی عجیب حرکت دیکھیں تو حتیٰ الامکان اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔

شدید افسوس تو یہ ہے کہ یہ قبیح عادت صرف لڑکوں تک محدود نہیں بلکہ لڑکیوں میں بھی سرایت کر گئی ہے، بعض بھولی لڑکیاں اپنے اعضائے تناسل کے ساتھ کھیلتی رہتی ہیں کیونکہ ابتداء میں انہیں ایسے فعل سے مسرت ملتی ہے۔ لیکن انہیں اس وقت ادراک نہیں ہوسکتا کہ اس عمل میں کتنی فحش خطاء ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ازروئے فطرت باحیا بھی ہوتی ہیں۔ وہ یہ عمل کرتے وقت خلوت میں چلی جاتی ہیں انہیں اس وقت یہ شعور نہیں ہوتا کہ یہ مکروہ عادت اس میں سرایت کرتی جائے گی۔ لڑکی یہ عمل کرتے وقت یہ خیال کرتے ہے کہ وہ یہ عمل لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کر رہی ہے اور اس کے اس فعل کا کسی کو علم نہیں ہو سکے گا لیکن یہ اس کا وہم ہے کیونکہ یہ عمل اس کے چہرے پر ایسا اثر چھوڑے گا جسے دیکھ کر ہر ذہین انسان ادراک کر لے گا۔ ایک بہت بڑے طبیب نے کہا ہے:

> ''یہ عادت لڑکیوں میں ظاہری آثار چھوڑ جاتی ہے اس سے اس کی کمر اور ہونٹوں میں درد ہونے لگتا ہے، اسی طرح وہ ریڑھ کی ہڈی میں درد، اعصابی کھنچاؤ، سستی، کاہلی، زرد رنگت، آنکھوں کے گڑھوں اور جسم کی کمزوری جیسے امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔''

ایک اور طبیب کہتے ہیں:

> ''ہم ہمیشہ یہ طاقت رکھتے ہیں کہ ہم جان سکیں کہ وہ لڑکی اس قبیح عادت میں کب سے مبتلا ہے اور وہ کب سے اپنے آپ سے کھیلنا شروع ہوئی ہے کیونکہ اس سے اچانک اس کی حالت خراب ہو جاتی ہے، اس کے مزاج میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ اس کی بجائے کہ وہ مطمئن ہو، راضی ہو نرم اور شفیق ہو، بلکہ وہ بجلی کی تیزی سے بدلتی ہے، وہ جلدی اثر قبول کر لیتی ہے، وہ تھکی ماندی اور سرکش ہو

جاتی ہے، اس کی ذہانت ختم ہو جاتی ہے، سبق کی طرف اس کا رجحان نہیں رہتا، بجائے اس کے کہ وہ پرسکون ہو وہ لا پرواہ ہو جاتی ہے۔ اس کی چستی ختم ہو جاتی ہے، اسے اپنی عادت سے ہٹ کر بھوک زیادہ لگتی ہے، وہ چٹپٹی، تیز مرچوں والی اشیائ، سرکہ، مصالحہ جات کی وہ ساری اقسام جو خواہشات پیدا کرتی ہیں چھوٹی لڑکی کے لیے یہ اشیاء غیر طبعی ہیں۔ بعض اوقات اس کے ناخنوں کے نیچے ورم آ جاتا ہے جس طرح کہ اس کی آنکھوں کی رنگت بدل جاتی ہے، یہ بہت بڑا خطرہ ہے جو ایک لڑکی وقتی مسرت کے لیے مول لیتی ہے۔''

اس گندی عادت میں مبتلا ہونا تو آسان ہے، لیکن اس سے نجات پانا آسان نہیں۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم ابتداء سے ہی اور ہر چیز سے قبل عمدہ اخلاق اپنائیں۔ اگر بچی اپنے آپ کو پاکیزہ اور تقدس کی نظر سے دیکھے تو پھر اس کے لیے اس برائی سے بچنا آسان ہوگا۔ جب وہ یہ یاد کرے اس کے جسم کے اعضاء میں سے ہر ہر عضو مقدس ہے اس کا استعمال شرعی حدود میں محدود ہے۔ یقیناً وہ اپنے جسم کو اس طرح استعمال نہیں کرے گی جو اسے نقصانات کی طرف لے جائے جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔

شراب نوشی کی حد میں حکمت

گذشتہ تفصیلات سے تم نے جان لیا ہوگا کہ شراب سم قاتل ہے، مال اور جسم پر اس کا نقصان بہت بڑا ہے، اسی لیے شارع حکیم نے شراب نوشی کی حد اسی کوڑے مقرر کی ہے، یہ اس ملامت اور سرزنش کے علاوہ ہے جو امام یا قاضی یا مسلمانوں کی جماعت کی طرف سے ہوگی۔ شراب پینے والے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیے جاتے۔ حضور ﷺ انہیں کوڑے مارنے کا حکم دیتے۔ پھر فرماتے:

''اسے سرزنش کرو۔''

صحابہ کرام ان سے فرماتے:

''تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، تم میں خشیت الٰہیہ نہیں، حضور ﷺ سے حیاء نہیں آتی۔''

وہ اسی طرح ڈانٹ ڈپٹ کرتے جو اسے لوگوں کی نگاہوں میں حقیر کر دیتے حتیٰ کہ وہ اس

سم قاتل کو پینے سے رک جاتا۔

زانی کی سزا میں حکمت

تم نے زنا کی حرمت کی حکمت جان لی ہے، نوعِ انسان کی قلت کی وجہ سے نوعِ بشری قلیل مدت میں تھک جاتی، لوگوں کے احوال فساد کا شکار ہو جاتے۔ نظام خراب ہو جاتا کائنات خراب ہو جاتی۔ کیونکہ اس کا نقصان بہت بڑا تھا۔ فسادِ عظیم تھا اس لیے شارع حکیم نے زانی کے لیے ایسی سزا مقرر کی جسے دیکھ کر دوسرا شخص بھی لرز اٹھے، اور وہ اس جیسا فعل نہ کر سکے۔ زانی رب تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔ اس ذات والا نے اس کے لیے ایسی مخلوق بناتی ہے جس سے وہ حلال طریقے سے نکاح کر سکتا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر بدکاری کی طرف آتا ہے۔ وہ سزا جو شارع حکیم نے مقرر کی ہے وہ زانی کی مختلف حالات سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اگر وہ محصن ہو تو اس کی سزا رجم ہے اسے اعلانیہ رجم کیا جائے گا جسے مسلمانوں کی ایک جماعت سنے گی اور دیکھے گی۔ اس کی سزا اہلِ ایمان کا ایک گروہ دیکھے گا۔ اگر وہ محصن نہ ہوا تو اس کی سزا کوڑے ہیں جن کو ان پر ترس آیا اس نے عظیم گناہ کیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ (النور:۲)

ترجمہ: اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ کے دین کے معاملے میں۔

شادی شدہ زانی کو اعلانیہ رجم کرنے کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس کا نقصان بہت زیادہ ہے۔ انسانیت پر اس کا جرم بہت بڑا ہے۔ کیونکہ اس نے یہ جرم شنیع کیا، جبکہ وہ شادی شدہ تھا۔ وہ اپنی بیوی کو نقصان پہنچانے کا سبب بنا۔ یہ بھی ممکن ہے اس کی طرف اس کا یہ کم رجحان اُسے بھی بدکاری پر مجبور کر دے، یہ تو تم جانتے ہو خواتین کے ارادے کمزور اور عقل ناقص ہوتی ہے۔ وہ سوچے سمجھے بغیر ہی قبیح فعل کی طرف آتی ہیں وہ انجام سے بے خبر ہو کر اس کی طرف آتی ہیں۔

شارع حکیم نے زانی کے لیے شدید سزا مقرر کی ہے کیونکہ اس نے بہت عظیم گناہ کیا ہوتا ہے اس نے انسانیت اور معاشرہ کا بہت بڑا گناہ کیا ہوتا ہے۔ اس کا جرم حقیقت میں معاشرہ کے ہر ہر فرد کے لیے ہوتا ہے جس جس نے بھی اسے رجم کیا اس نے اس سے اپنے حصہ کا قصاص لے لیا۔

غیر شادی شدہ کو کوڑوں کی سزا دینے میں یہ حکمت کارفرما ہے کیونکہ اس کے بارے گمان ہے کہ وہ شادی شدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس گناہ میں مجبوراً گر پڑا ہے۔ اس پر شہوت غالب آ گئی

تھی، اسی لیے اس کی سزا شادی شدہ زانی سے کم ہے۔ اسلام کے آغاز میں زانی کی سزا اس سزا کے علاوہ تھی۔ اس میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ اسلام سے قبل زنا بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ اہلِ عرب کی پسندیدہ عادت تھی، حتیٰ کہ وہ اپنے عام بازاروں میں باغی عورتوں کو لایا کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ شارع حکیم کو علم تھا کہ اس صورت میں اس قبیح عادت کو فوراً جڑ سے اکھیڑ پھینکنا انہیں اسلام اور دینِ حنیف سے متنفر کر دے گا۔ اس نے ابتداء میں اس کی اور سزا مقرر کی۔ جب ایمان ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا۔ اس کے نفوس نے اس کی حلاوت چکھ لی ان کے نفوس اس جرم کی حیثیت سے آگاہ ہو گئے۔ اس نے نورِ حکمت کے ساتھ بصیرت افروز امر دیکھ لیا تو اسلام نے یہ سزا اسلام، مسلمانوں اور نوعِ انسان کی مصلحت کے لیے مقرر کر دی۔ ایک صحابی رسول رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> "رب تعالیٰ نے ہم پر پوری طرح احسان فرمایا۔ ہم مشرکین تھے۔ اگر حضور ﷺ قرآن پاک اور یہ دین حق یکبار لے آتے تو ہم پر یہ تکالیف گراں گزرتیں۔ ہم اسلام میں داخل نہ ہوتے، لیکن آپ نے ہمیں ایک کلمہ کی طرف دعوت دی۔ جب ہم نے اسے قبول کر لیا، ہم نے ایمان کی حلاوت چکھ لی، تو ہم ایک کلہ (حکم) کے بعد دوسرا کلمہ (حکم) قبول کرتے گئے حتیٰ کہ دین مکمل ہو گیا، شریعت مکمل ہو گئی۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کے حالات سے خبیر اور علیم ہے۔"

لواطت کرنے والے کی حد میں حکمت

کیونکہ لواطت نسب کے اختلاط کا سبب نہیں ہے جس کی تفصیلات ہم نے کسی اور جگہ بیان کر دی ہیں اس لیے شارع حکیم نے یہ معاملہ امام وقت کے سپرد کیا ہے کہ وہ اپنی رائے کے مطابق لواطت کرنے والے کو تعزیر لگائے اگرچہ لواطت بذاتِ خود ایک شنیع فعل ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ لواطت کرنے والا زنا کرنے والے کی طرح ہے۔ بہر حال یہ قبیح عمل ساری خباثتوں اور برائیوں کی جڑ ہے۔

مشت زنی کی تعزیر میں حکمت:

مشت زنی (جلق) کا نقصان صرف اس شخص کو ہوتا ہے جو اس کا عادی ہوتا ہے، کسی

دوسرے کی طرف اس کا نقصان متعدی نہیں ہوتا۔ اس سے وہی ہلاک ہوتا ہے جو اس میں مبتلا ہوتا ہے اسی لیے شارع حکیم نے اس کی تعزیر امام کی صوابدید پر چھوڑی ہے۔ اگر وہ انسان سرکشی کرے اور اس عمل سے باز نہ آئے تو اسے دوسری اور تیسری بار بھی تعزیر لگائی جا سکتی ہے۔ اس کا نقصان تو اس شخص کو ہی ہوا ہے اس کی بصارت کمزور ہو جاتی ہے، اس کی عقل کمزور ہو جاتی ہے، اس کا جسم ناتواں ہو جاتا ہے اسے شعور تک نہیں ہوتا۔

ہم کہتے ہیں کہ مشت زنی کرنے والے کو تعزیر لگائی جائے گی الا یہ کہ اس کے اس فعل کا کوئی سبب ہو، جس طرح کہ شہوت کا اس پر اس طرح غلبہ ہو گیا کہ اسے اس طریقہ کے علاوہ کوئی نجات کا رستہ دکھائی نہ دیتا ہو۔ اسے اس زنا کا خدشہ ہو جس کے برے نتائج سے آپ آگاہ ہو چکے ہیں۔

زنا کا بہتان لگانے والے پر حد کی حکمت

کسی دوسرے پر زنا کی تہمت لگانے والا اس پر ایک برے عیب سے بہتان لگاتا ہے۔ انسانی معاشرہ میں اس شخص کی عزت ختم ہو جاتی ہے جس پر ایسا بہتان لگایا جاتا ہے اسی لیے شارع حکیم نے اس پر حد مقرر کی ہے۔ اس کی حد اسی کوڑے ہے۔ جب اس کا جھوٹ ظاہر ہوا اور اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے۔ اس میں حکمت صرف اس کا جھوٹ نہیں بلکہ ایک اور حکمت ہے وہ یہ ہے کہ اس نے دوسرے شخص پر بدکاری کی تہمت لگائی ہے، بعض اوقات ایک تصدیق کرنے والا اس کی تصدیق کر دیتا ہے، وہ اس کے جھوٹ کو نہیں جانتا، وہ اسے حقیر سمجھتا ہے جس پر بہتان لگایا گیا ہو، وہ اسے لوگوں میں مشہور کر دیتا ہے، اس کی طرف سے فحش بات پھیلتی ہے، بلاشبہ اس میں اس شخص کا نقصان ہے۔ اس کی مصلحت میں التوا آ جاتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ وہ کوئی پیشہ اختیار کیے ہو۔ کیونکہ پیشہ وہی اختیار کرتا ہے جو امین ہو عفت نفس اور حسنِ سیرت سے متصف ہو اس کی حد مقرر کرنے، تاوقتِ توبہ اس کی شہادت قبول نہ کرنے اور اس کی حد اسی کوڑے مقرر کرنے میں دو حکمتیں کارفرما ہیں۔

1. زانی کی حد ایک سو کوڑے ہیں۔ بہتان لگانے والے کا گناہ زانی سے کم ہوتا ہے، شارع نے اس کی حد اسی کوڑے مقرر کی ہے۔ یہ کمی عدل کے قاعدہ پر مبنی ہے۔
2. قذف جھوٹ کے بارے بتانا ہے شارع نے اس کی گواہی قبول کرنے پر پابندی لگا دی حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے کیونکہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ جو کچھ بتا رہا ہے اس میں اس پر

جھوٹ کی تہمت لگائی گئی، گواہی تو صرف اس شخص سے قبول کی جاتی ہے جو سچائی کے ساتھ متصف ہو۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ جزا عمل کی جنس سے ہے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے، وہ یہ کہ شارع حکیم نے جسمانی سزا کو کوڑے کے ساتھ اور نفس کی سزا کو گواہی قبول نہ کرنے کے ساتھ جمع کیا، تاکہ زجر قوی ہو سکے وہ دوبارہ ایسا کام نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور: ۴-۵)

ترجمہ: اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ تو لگاؤ (ان تہمت لگانے والوں) کو اسی درے اور نہ قبول کرو ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے اور وہی لوگ فاسق ہیں مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کر لیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور اپنی اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

غلام کو آزاد کی سزا سے نصف سزا کیوں ہے؟

اس میں یہ حکمت پنہاں ہے کیونکہ سزا جرم کے مطابق ہوتی ہے، آزادی کی نعمت انسان کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے جسے غلام سے چھین لیا گیا۔ شارع حکیم نے غلام پر سزا میں تخفیف کر دی، اسے آزاد کی سزا کا نصف بنا دیا۔ سوائے اس کے کہ جب وہ قتل کرے تو اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ قتل کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس پر یہ تخفیف شارع حکیم کی طرف سے اس پر رحمت ہے۔ یہ اس کے لیے اس لیے تخفیف ہے کیونکہ وہ غلامی کی ذلت و رسوائی میں مجبور ہوتا ہے تاکہ عدل مکمل ہو سکے۔ رحمت عام ہو سکے۔ "البدائع" میں ہے، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ (النساء: ۲۵)

ترجمہ: اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں پھر اگر وہ ارتکاب کریں بدکاری کا، تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔

اس موضوع پر کہا گیا ہے کہ سزا جرم کے برابر ہوتی ہے۔ جنایت مجرم کے حال کے کمال سے بڑھ جاتی ہے۔ اس کے حال کی کمی سے کم ہو جاتی۔ غلام کا حال آزاد کے حال سے ناقص ہوتا ہے۔ کیونکہ آزاد کو آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی جنایت ناقص ہوتی ہے۔ جنایت کا یہ نقصان سزا کی کمی کا موجب بنتا ہے۔ نیز یہ کہ حکم علت کی قدر پر ثابت ہوتا ہے۔ یہ ایک معقول امر ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مقادیر میں تنصیف کی نص رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہے۔

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ط (النساء:۲۵)

ترجمہ: تو ان پر سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے۔

شراب نوشی، نشہ اور قذف میں آزاد کی حد اسی کوڑے ہے، جبکہ غلام کی حد چالیس کوڑے ہے، لیکن چوری کی حد میں غلام یا آزادی کی وجہ سے واجب کی مقدار میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا۔ (المائدۃ:۳۸)

ترجمہ: اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ۔

حدود میں مونث اور مذکر کا کوئی فرق نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ذات اپنے بندوں کے احوال سے آگاہ ہے، وہ ہر قسم کے علم سے آشنا ہے۔

چور کی سزا میں حکمت

جو لوگ اس دینِ حنیف کو نہیں سمجھ سکے جو ایک مکمل دین ہے، جو نوعِ انسان کی ہر منفعت کو شامل ہے۔ وہ ان شرعی علل کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے جن کی وجہ سے مختلف سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس صورت میں چور کو سزا دینا نوعِ انسان کے لیے نقصان دہ ہے اس میں امت کے لیے کوئی مصلحت نہیں ہے یہ قول مردود ہے۔ یہ ان کا وہم ہے، اس میں کوئی دانائی کی بات نہیں ہے۔ اس لیے ہم ان ناقدین اور اسلام پر طعن کرنے والوں کو سزا کے وجوب کے بارے آگاہ کرتے ہیں ہم بقدر امکان چوری کے نقصانات کی وضاحت کرتے ہیں پھر فیصلہ دانشمندوں اور عقلمندوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

1. اس جہانِ رنگ و بو میں انسان حصولِ رزق اور اس چیز کے حصول کے لیے جدوجہد اور سعی کرتا ہے جن سے وہ زندگی کے معاملات کو درست کر سکے۔ یا تو زمین کا سینہ چیر کر اور

اسے آباد کر کے رزق کماتا ہے، گرمیوں میں سورج کی تپش اس کی جلد کو پگھلا دیتی ہے، جبکہ موسم سرما میں سخت سردی اس کے پورے گرا دیتی ہے، کسان بے چارہ اسی طرح کی مشقتیں جھیلتا ہے، جس طرح کہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں۔

یا پھر وہ پیدل سفر کر کے روزی کماتا ہے یا سواری پر۔ وہ خود کو وحشی جانوروں کے چیر نے پھاڑنے والے درندوں کا نشانہ بناتا ہے، وہ بلند و بالا پہاڑیوں اور نشیبی وادیوں میں سفر کرتا ہے۔ ہر لحظہ خطرہ سے دو چار رہتا ہے، ہر لمحہ کسی مصیبت کا اندیشہ ہوتا ہے، اگر زادِ راہ ختم ہو جائے تو وہ دو بڑے خطرات میں گر جاتا ہے، وہ امن اور زادِ راہ کا مفقود ہونا ہے۔ اس حالت میں موت اس کے قریب تر آ جاتی ہے، یہ خطرات دور دراز کے سفر کر کے اور گرمی اور سردی برداشت کرنے کے بعد پیش آتے ہیں یا وہ سمندری سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ کشتیوں پر سوار ہوتا ہے، اسے ہمیشہ خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب تیز ہوا چلتی ہے تو سمندر موجزن ہو جاتا ہے۔ اس میں اضطراب پیدا ہوتا ہے، کشتیاں ایسی موجوں میں چلتی ہیں جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں خصوصاً جبکہ زمین دور ہو، سمندر بھی بے کراں ہو اس میں تلاطم خیز موجیں بھی ہوں۔ کبھی ہوا رک جاتی ہے۔ کشتی رک جاتی ہے، جبکہ وہ موٹر بوٹ نہ ہو۔ مشقت طول ہو جاتی ہے، زادِ راہ فنا ہو جاتا ہے۔ سفر کی مصیبت اسی طرح ہوتی ہے۔

یا وہ شخص اشیاء کی تجارت کر کے رزق کماتا ہے۔ وہ مختلف شہروں میں جاتا ہے، کسی دن اسے نفع اور کسی دن نقصان ہوتا ہے کبھی اسے اصل سرمایہ سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ وہ ان دونوں حالتوں میں ہمیشہ دو غموں میں ہوتا ہے۔

① جب نفع نہ ہو تو نقصان ہو جانے کا غم۔

② یا اصل سرمایہ ضائع ہو جانے کی فکر۔

وہ ہمیشہ غم، فکر، اندیشہ اور خطرہ میں ہوتا ہے۔ یا وہ ایسی اشیاء بنا کر رزق کماتا ہے جو پہاڑ کو گرا سکتی ہیں جسم کو فنا کر سکتی ہیں۔ یا وہ حکومت میں خدمت کر کے یا کسی اور کی خدمت بجالا کر وہ روزی کماتا ہے۔ وہ ہمیشہ تھکن محسوس کرتا ہے، وہ رؤساء کے رعب اور دبدبہ کی وجہ سے ذلیل ہوتا رہتا ہے، وہ اسے سزا دیتے ہیں اگر وہ سستی کرے یا نہ کرے۔ بلکہ صرف ان کی سطوت و دبدبہ سے مرعوب رہتا ہے بعض اوقات ایک ماہ یا اس سے کم و بیش اس کی تنخواہ روک کر اسے سزا دی جاتی

ہے، بعض اوقات تنخواہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کا نقصان اور بھی زیادہ ہوتا ہے جس طرح کہ یہ مخفی نہیں ہے۔

اسی طرح انسان اور کئی اعمال سرانجام دے کر رزق کماتا ہے۔ جن کی وجہ سے بعض اوقات وہ موت کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ ان مشکل اعمال کی وجہ سے ہی بعض اوقات مزدور ہڑتال کر جاتے ہیں۔ کام رک جاتا ہے سارا نظام خراب ہو جاتا ہے، تلوار بے نیام ہو جاتی ہے، جس طرح کہ مشرق و مغرب میں فسادات ہو رہے ہیں۔

۲. انسان ان اموال میں تصرف کرتا ہے جنہیں وہ محنت و مشقت سے کماتا ہے۔ یا تو انہیں خوراک کے لیے خرچ کرتا ہے، زندگی کا انحصار اسی پر ہے یا انہیں لباس کے لیے خرچ کرتا ہے، جسم اسی سے بچتا ہے یا وہ انہیں فقراء اور مساکین کی مدد کر کے خرچ کرتا ہے۔ وہ مسافروں اور یتیموں کی مدد کرتا ہے وہ مریضوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرتا ہے جو ان گنت ہیں۔ زمانہ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا ہے، اس خرچ کے اسباب کئی ہیں۔ ان کے بارے جو کچھ بھی کہہ لو وہ ان گنت ہیں، انہی پر حیات کا انحصار اور اس کائنات کے نظام کا دار و مدار ہے۔ انسان ان مقاصد کے لیے محنت کر کے روزی کماتا ہے پھر ایک چور آتا ہے اور ان کی تھکاوٹوں کا ثمر چرا کر چلا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ آبادی اور امنِ عامہ کے ستون گرا دیتا ہے۔ اس کے اسباب پہلے باب میں گزر چکے ہیں۔

۳. بعض اوقات لوگوں پر غارت گری کر کے مال چراتا ہے حالانکہ وہ اپنے شہروں میں امن سے رہ رہے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں پریشان کرتا ہے۔ اس کے آرام کو برباد کر دیتا ہے۔ بعض اوقات نوبت خونریزی تک آ جاتی ہے ارواح نکل جاتی ہیں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں، جس طرح کہ بعض سرسبز و شاداب قصبوں اور شہروں میں ہوتا ہے۔

۴. جب چور چوری کا عادی بن جاتا ہے تو اس کا نفس سستی اور غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، کاموں کے لیے مشقت ختم ہو جاتی ہے، دنیا پر مصیبت اور وبال آ جاتا ہے، لوگ اپنی ضروریات زندگی کے لیے ایک دوسرے کو جان سے مارنے لگتے ہیں۔ اس ساری تفصیل کو جان کر تمہیں علم ہو گیا ہو گا کہ چور امت کے جسم میں ایک فاسد عضو ہوتا ہے۔ اس کے شر کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ شارع کی حکمت یہ ہے کہ اس نے سزا اس عضو پر طاری کی ہے جس نے اس چوری پر اس کی اعانت کی ہوتی ہے۔ یہ وہ ہاتھ ہے جس کے ساتھ وہ

چوری کا مال حاصل کرتا ہے، اسی ٹانگ کے ذریعے وہ چوری کرنے کے لیے جاتا ہے جب لوگ اس چوری کرنے والے مرد یا عورت کو رستہ میں اس حالت میں دیکھیں گے، تو ان کے اعضاء لفظ (چوری) سرق، یسرق، سارق اور مسروق سے لرز اٹھیں گے۔ بجائے اس کے کہ ان سے چوری کے فعل کا صدور ہو لوگ اس حال میں اپنے گھروں میں سوئیں گے کہ ان کے دروازے کھلے ہوں گے۔ اسی طرح اموال کے خزانے کھلے رہیں گے۔ شارع حکیم کے اس عدل کے علاوہ ان کا کوئی نگران نہ ہوگا۔ جیلیں چوروں سے خالی ہو جائیں گی، حکومتیں اس غور وفکر کی تھکن سے آزاد ہو جائیں گے کہ وہ ایسے کامیاب رستے اور وسائل تلاش کریں جو چوروں کی پشت کاٹ کر رکھ دیں۔ نہ سپاہی کی ضرورت رہے گی نہ فوجی کی۔ یا تو دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہونے والی فوج ہوگی یا رات کو آنے والا مہمان، کوئی چور نہ ہوگا۔

اگر چور دوبارہ چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹنے میں حکمت یہ ہے کہ اس کی ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ باقی رہے تا کہ وہ قدر امکان رزق کما سکے۔ لوگوں پر بوجھ نہ بنے۔ اس کاٹنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اثر قبول کریں اور چور کو سزا بھی ملے۔ سزا تو حاصل ہو گئی، نصیحت پذیری کاٹنے سے اس وقت حاصل ہوگی جب اسے لوگ دیکھیں گے۔ جس نے یہ قول کیا ہے کہ جب چور دوبارہ چوری کرے تو اس کی دو ٹانگیں اور دونوں ہاتھ کاٹ دیے جائیں شاید اس کے قول کی علت کسی اور حکمت سے بیان کی جا سکتی ہو۔ اے ناقدین! اے اسلام اور مسلمانوں پر طعن کرنے والے! تم شارع حکیم کی اس حکمت کا اقرار کرتے ہو جو چور کی سزا ہاتھ کاٹنے اور ہاتھ اور پاؤں کاٹنے میں ہے۔ کاش! تمام حکومتیں اور ممالک اس سزا کو ایک بار جاری کر دیں تو وہ اپنی آنکھوں سے امر عظیم اور نفع عظیم دیکھیں۔

فسبحانك ما اعظم شانك وتدبيرك واجل حكمتك۔

۱۷۸۳ء سے قبل انگلستان میں چور کی سزا پھانسی تھی، چور کو اس مشہور سولی پر پھانسی دی جاتی تھی جسے ٹیبرن کہا جاتا تھا۔ اس کی جگہ آج کل وہ میدان ہے جہاں آکر ایڈ جوار روڈ آکسفورڈ سے مل جاتے ہیں۔ ایک انگریز نے پھانسی کے عنوان کے تحت لکھا ہے: "اس پر پچاس ہزار افراد کو پھانسی دی گئی۔ انگلینڈ میں بازاروں اور سرعام لوگوں کو پھانسی دی جاتی تھی۔ ہر سمت اور جانب سے لوگ جمع ہوتے تھے۔ تاکہ سزائے موت کا عمل دیکھ سکیں۔ سردار، عظیم لوگ اور قائد پھانسی کے

قریب اپنے مکانات بناتے تھے تا کہ وہ اس عمل کو قریب سے دیکھ سکیں۔

مشہور ترین سولی وہ ہے جسے انگلستان کی تاریخ میں ٹیرن کے نام سے لکھا گیا ہے۔ یہ سولی لمبے ستونوں پر قائم تھی۔ جو مثلث کی شکل میں قائم تھی۔ اس کے اوپر تین اور ستون تھے اس کے لیے ایک لکڑی کا بلند چبوترہ تھا تا کہ پھانسی کے عمل کو سارے لوگ دیکھ سکیں، پچاس ہزار سے زائد افراد کو اس پر پھانسی دی گئی۔ سب سے پہلے اس پر ڈاکٹر جوسٹری کو ۱۵۷۱ء کو پھانسی دی گئی۔ ۱۷۸۳ء میں اس کا استعمال ختم کر کے اسے گرا دیا گیا۔ اس زمانہ میں احکام قطعی ہوتے تھے جو بھی چوری کرتا تھا اس کو پھانسی کا حکم ہو جاتا تھا، خواہ وہ ایک بھیڑ یا چھوٹا حمل ہوتا۔ دولتمند غنی اپنی اور اپنے پیروکاروں کی زندگیاں رقم دے کر خرید لیتے تھے۔ خواہ یہ کام پھانسی کی سزا ہو جانے کے بعد ہوتا۔ وہ رشوت، دھوکہ اور فریب کے ذریعے پھانسی سے بچ جاتے تھے۔ جسے پھانسی کی سزا ہو جاتی اسے صرف ایک دفعہ ہی سزا کے لیے لے جایا جاتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سولی کی رسی ٹوٹ جاتی، یا پھانسی کی سزا کے بعد علی سبیل الفرض زندگی اس کی طرف لوٹا دی جاتی تو اس سے دوبارہ قصاص نہ لیا جاتا اسی لیے بہت سے لوگ سولی کو خراب کرنے کی کوشش کرتے یا سولی کی رسی کو کمزور کر دیتے تا کہ انہیں زندگی نصیب ہو سکے۔ اگر وہ شخص بچ جاتا جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی، خواہ کسی غلط طریقے یا رسی کی کمزوری کی وجہ سے بچتا تو وہاں جمع ہونے والے لوگ بہت زیادہ خوشیاں مناتے، ذرا وہ فرق دیکھو جو اس کے اور دین اسلام کے حکم کے مابین ہے۔

قتل کے قصاص یا دیت میں حکمت

ہم نے بہت سے ابواب میں یہ وضاحت کی ہے کہ اس دنیا کو آباد کرنے کا انحصار انسان پر ہے جب نسل کم ہو جائے اور انسان فنا کے گھاٹ اتر جائے تو یہ دنیا خراب ہو جائے گی، شارع حکیم کا یہ ارادہ نہیں۔ اسی لیے اس نے اس شخص کو انتہائی سخت سزا دی ہے جو کسی کو قتل کر دے تا کہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم نہ ڈھائیں، فساد نہ پھیلے، شہر برباد نہ ہو جائیں۔ اس سزا کی دو قسمیں ہیں:

1. قتل اور قصاص
2. مال (دیت) جب وہ اس پر صلح کر لیں۔

قصاص میں قاتل کو قتل کر دینے میں حکمت یہ ہے تا کہ لوگوں میں میزانِ عدل قائم ہو سکے۔ تا کہ سزا عمل کی جنس کے ساتھ ہو سکے۔ ارشادِ ربانی ہے:

النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (المائدۃ:۴۵)

ترجمہ: جان کے بدلے جان۔

یہ سزا غیر متمدن پرانی اقوام میں پائی جاتی تھی۔ ان اقوام میں بھی پائی جاتی ہے جو قوانین وضعیہ پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی یہ قانون ہے کہ جو قتل کرے اسے قتل کر دیا جائے، ہمارے نزدیک اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر قاتل کو قتل نہ کیا جائے تو پھر یہ عمل مقتول کے خاندان اور خون کے وارثین کے نفوس میں کینہ کی آگ پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ کیونکہ اس کا خون ان کا حق تھا۔ جس کی ادائیگی قاتل کے خون بہنے سے ہوسکتی تھی۔ جب انہیں حق نہ ملا تو انہوں نے قاتل کو قتل کر کے اپنا انتقام لے لیا جب انہوں نے اسے قتل کر دیا تو اس کے خاندان نے اس کے خون کا مطالبہ کر دیا انہوں نے پہلے مقتول کے خاندان میں سے جسے پایا اسے قتل کر دیا پھر یہ قتل افراد سے خاندانوں، قبائل میں چلا گیا۔ مصیبت بڑی ہو جائے گی۔ مشکل بڑھ جائے گی۔

ہم اپنے اس زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ قتل کے اکثر واقعات کا سبب انتقام ہوتا ہے۔ قاتل کو اس جرم کی پوری سزا نہیں ملتی جس جرم کا وہ ارتکاب کرتا ہے۔ نہ ہی عدالت اور نہ ہی اہلِ امراسے سزا دیتے ہیں جب مال صلح کے رستہ سے لیا جائے تو اس میں حکمت یہ ہے کہ دونوں اطراف کو اس سے فائدہ ملتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قاتل صلح کرتے ہوئے اپنا مال دیتا ہے تو گویا اسے نئی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جب مقتول کے وارثین صلح کرتے ہوئے مال لیتے ہیں تو انہیں اس سے اپنی زندگی میں فائدہ ملتا ہے ان کی معیشت درست ہوتی ہے۔ یہ ایک اعتبار سے ہے جبکہ دوسرے اعتبار سے وہ قاتل کو زندگی سے لطف اندوز کرنے کے تنہا سبب بنے۔ یہ ایسا امر ہے جو ان کے اخلاقِ کریمانہ اور عمدہ خصلتوں پر دلالت کرتا ہے۔ بعض اوقات نفوس کو پاکیزگی ملتی ہے اور حالات پہلے سے بہتر ہو جاتے ہیں، اس تفصیل سے تم رب تعالیٰ کے اس فرمان کا مفہوم بھی سمجھ گئے ہوگے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ۔ (البقرۃ:۱۷۹)

ترجمہ: اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو!

اس تفصیل اور وضاحت کے بعد ہمیں کوئی شک نہیں کہ تم سمجھ گئے ہوں گے شارع حکیم نے ہر چیز کو محکم فرمایا ہے۔ اور لوگوں کو بیکار نہیں چھوڑا۔

ذمی کی دیت کی حکمت

اگرچہ شارع حکیم نے بہت سے احکام میں مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں میں فرق کیا ہے، لیکن اس نے دیت اور قصاص میں انہیں مسلمانوں کے برابر رکھا ہے۔ اس میں ایک بلیغ حکمت کارفرما ہے جب اسے وہ تخمینہ لگانے والے جانیں گے جو مسلمانوں پر دینی تعصیب کی تہمت لگاتے ہیں تو وہ اپنی زبانوں کو لگام دیں گے۔ وہ اس دین کے سامنے رکوع وسجود کرتے ہوئے گر پڑیں گے جس کی بنیاد عدل وانصاف پر ہے۔ الا وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہو اور وہ سرکش ہوں یا جن کی آنکھوں پر پردہ ہو اور وہ صحیح رستہ سے دور پڑے ہوں۔

اس میں کیا حکمت ہے؟ اس میں یہ حکمت ہے کہ ذمی نے جزیہ دے کر اپنا نفس، مال اور اولاد کو مسلمانوں کے عہد و پیمان میں دے دیا ہے۔ اسے وہی شہری حقوق وفرائض حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہوں گے۔ جو ان ذمیوں کو قتل کرے گا گویا کہ اس نے مسلمانوں پر جفا کی۔ ان کے عہد کو توڑا۔ اسی لیے اس کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے یا وہ صلح کے طور پر کچھ مال دے بشرطیکہ مقتول کے ولی راضی ہو جائیں۔ یہ دین حنیف اسلام کے عدل کے واضح دلائل ہیں۔ یہ دین سارے انسانوں کے لیے رحمت ہے۔

غلام کی دیت میں حکمت

غلام اگرچہ نوع بشری میں سے ایک انسان اور نوع انسانی میں سے ایک فرد ہے لیکن وہ آزاد کے برابر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ غلامی کی وجہ سے اس میں نقص پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی معلوم قیمت لگا دی گئی ہے۔ جبکہ آزاد کی قیمت نہیں لگائی گئی۔ اسی لیے غلام کی دیت اس کی قیمت ہے جو قاتل اس کے آقا کو دے گا یہ امر مخفی نہیں ہے کہ غلام اپنے آقا کا مملوک ہے جس سے وہ اپنے دنیاوی امور میں فائدہ اٹھاتا ہے جب وہ مفقود ہو گیا تو اس کی مصلحت واقع ہو گیا۔ جب اس نے اس کی قیمت لے لی تو اس کے لیے ممکن ہو گیا کہ اس رقم کے ساتھ دوسرا غلام خرید سکے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غلام کی قیمت آزاد کی قیمت سے کم ہوگی۔ یہ اس فرق کی وجہ سے ہے جو غلام اور آزاد کے مابین واضح ہے۔

خطاءً مقتول کی دیت میں حکمت

شارع حکیم نے امور میں سے کسی امر میں کوئی تفریط نہیں کی۔ بلکہ ہر چیز کو خوب محکم فرمایا ہے۔ اس مکمل نظام پر احکام وضع فرمائے جو لوگوں کی سعادت کا کفیل ہے اور اس سے ان کی مصلحتوں میں خلل نہیں آتا۔ کیونکہ قتل میں، خواہ وہ جان بوجھ کر ہو یا خطاءً ہو مقتول کے اہل کے لیے دو نقصانات ہیں:

1. اس شخص کا مفقود ہو جانا جو ان کی معیشت کے معاملات میں ان کا مددگار تھا۔
2. اس کے قتل ہونے کی وجہ سے ان کے دل ٹوٹ گئے اور وہ غمزدہ ہو گئے۔

اسی لیے شارع حکیم نے دیت واجب قرار دی ہے۔ حتیٰ کہ ان کا وہ معاملہ درست ہو جائے جو ان کے مددگار کے چلے جانے سے ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کے ٹوٹے ہوئے دل جڑ جائیں۔ دیت مقرر کرنے میں شارع حکیم نے ایک اور حکمت رکھی ہے۔ یہ مکمل عدل ہے۔ اگر اس میں قانون ساز غور وفکر کریں تو قتل خطاء کی سزا میں اس سے انحراف نہ کریں۔ ان باہرہ حکمتوں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ دیت اصل میں اونٹوں سے رکھی گئی ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اہلِ عرب جہاں ابتداء اسلام کا ظہور ہوا۔ وہ اونٹوں کو ہی جمع کرتے تھے۔ اموال کے اصناف میں سے یہ صنف ان کے پاس اکثر تھی۔ شارع حکیم نے دیت اونٹوں کے علاوہ کسی اور چیز میں مقرر کر کے ان کے لیے تنگی پیدا نہیں کی، اگر اونٹ نہ مل سکیں تو دیت کی مقدار ایک ہزار دینار یا دس ہزار دراہم رکھی گئی۔ یہ دیت قاتل اور اس کے رشتہ داروں پر اس لیے فرض کی گئی کیونکہ ان کے نفوس کو اذیت برداشت کرنی پڑے۔ ان میں اور ان کی نسلوں میں اس واقعہ کا ذکر باقی رہے۔ وہ اپنے ان امور میں احتیاط کریں۔ جن میں اگر انہوں نے غفلت برتی تو خطاءً وہ کئی ارواح کو نکال لیں گے، اس میں قاتل کے نفوس کے لیے بھی اذیت ہے کیونکہ وہ ہر وقت اپنے رشتہ داروں سے اسے ڈانٹ ڈپٹ سننا پڑتی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے ہی انہیں دیت کا بوجھ برداشت کرنا پڑا ہے۔ انہوں نے خود تو کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔ صرف ایک شخص کی غفلت کی وجہ سے انہیں اس مال کا نقصان اٹھانا پڑا۔

اس قاتل اور اس کے عاقلہ پر دیت لاگو کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اہلِ عرب بہت زیادہ صلہ رحمی کرتے تھے۔ وہ قطع تعلقی بہت بڑی عار سمجھتے تھے۔ وہ قطع رحمی کرنے والوں کو بہت زیادہ ملامت کرتے تھے۔ اسی لیے شارع حکیم نے اس پر اور اس رشتہ داروں پر دیت فرض کی۔

دیت کو تین سال میں تقسیم کرنے میں حکمت یہ ہے تاکہ ان پر تخفیف ہو سکے۔ ایک وقت اور ایک مال میں دیت ادا کرنے کی مشکل آسان ہو سکے۔ پھر اس کی مقدار ایک ہزار دینار یا دس ہزار دراہم مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے تاکہ خصم کی قیمت مقرر کرنے سے روکا جا سکے۔ تاکہ خون کے وارثین اور قاتل کے رشتہ داروں میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ خون کے وارثین ہمیشہ لالچ کرتے ہیں اور زیادہ اموال طلب کرتے ہیں جبکہ قاتل کے وارثین اس قیمت کو ادا کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور دیت کو اونٹوں کی چار اقسام میں اس لیے رکھا گیا ہے، تاکہ صرف ایک صنف کی ادائیگی کی حرج کو دور کیا جا سکے۔ بنت لبون، بنت مخاض، حقہ، جذعہ۔ یہ چار اقسام اہلِ عرب کے نزدیک اکثر پائی جاتی ہیں۔ یہ ان کا عمدہ مال ہے۔

دیت اور کفارہ (مومن غلام آزاد کرنا یا دو ماہ لگاتار روزے رکھنا) کی ادائیگی میں حکمت یہ یہ کہ قتل اس حیثیت سے کہ وہ قتل ہے بہت بڑا جرم ہے۔ ضروری ہے کہ اس پر ڈانٹ ڈپٹ بھی شدید ہو۔ دیت اور کفارہ کو جمع کرنے میں قاتل پر بہت بڑی زجر و توبیخ ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی جانب اور لوگوں کی طرف سے قاتل کے لیے ڈانٹ ڈپٹ ہے۔

عمداً قتل کی دیت اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ صرف قاتل ادا کرتا ہے کیونکہ عمداً قتل کرنے والا اس کا عزم کر کے آتا ہے جبکہ خطائی قتل کرنے والا کا ارادہ قتل کرنے کا نہیں ہوتا، اسی لیے شارع حکیم نے اس سے سزا کی تخفیف کی ہے۔ یہی وہ حکمت باھرہ ہے جس کا شارع حکیم نے ارادہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

اس آلہ کے ساتھ قتل کرنے جو اعضاء کو جدا جدا کر دے اور دوسرے آلہ کے ساتھ قتل کرنے کے مابین فرق کرنے میں حکمت

یہ شارع حکیم کا عدل اور لوگوں پر اس کی رحمت ہے کہ اس نے قتل کی حد میں فرق اور امتیاز کیا ہے۔ اس نے قتل کے وجوب کو اس کے لیے مقرر کیا ہے جس نے جان بوجھ کر ایسے آلہ سے قتل کیا ہو جو اعضاء کو جدا جدا کر دے، جس طرح کہ وہ چھری، تلوار، نیزہ اور خنجر وغیرہ سے قتل کرے، یہ اس صورت میں ہے جب مقتول کے ولی مال پر صلح نہ کریں، لیکن جس نے ڈنڈے، تھپڑ یا پتھر سے قتل کیا ہو اس پر شارع نے یہ حد مقرر نہیں کی کیونکہ یہ آلات اعضاء کو جدا جدا کرنے والے نہیں،

نہ ہی یہ قتل کے گمان کی جگہ ہیں۔ یہ آلات قتل کے لیے بنائے نہیں گئے۔ لیکن وہ آلات جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے وہ قتل کے لیے بنائے جاتے ہیں ہاں! اگرچہ قاتل کی نیت ہمیں معلوم نہ ہو لیکن ایسے آلات کا استعمال جو اعضاء کو جدا جدا کر دیں اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ قتل کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ اس لیے شارع حکیم نے دونوں حالتوں میں فرق کیا ہے تاکہ مکمل ترین احکام پر عدل ہو سکے اور لوگ کو کسی ظلم یا ستم کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ بہت عظیم حکمت ہے۔

ڈاکو کی سزا کی حکمت

ڈاکو کا خطرہ اس قاتل سے بڑھ کر ہوتا ہے جو عمداً قتل کرتا ہے، کیونکہ قتل بعض اوقات صرف انتقام کے لیے ہو سکتا ہے، لیکن ڈاکو اپنے گھر سے قتل اور چوری کی نیت سے نکلتا ہے، نہ صرف اسی وجہ سے شارع حکیم نے معروف صورت میں اس کی سزا مقرر نہیں کی بلکہ وہاں اور بھی کئی اسباب کارفرما ہیں جو یہ تقاضا کرتے ہیں کہ اس کے جرم کے مطابق اسے سخت سزا دی جائے۔ اگر ان حکمتوں کو قانون ساز اور قانون وضع کرنے والے لوگ جان لیں تو وہ احکام میں سے کسی حکم میں بھی شریعت مطہرہ کی مخالفت نہ کریں۔ جس طرح کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ ڈاکو ایک ہی وقت میں قتل اور چوری کے ارادہ سے نکلتا ہے، اس کا جرم دو بڑے بڑے گناہوں کا مرکب ہے قتل اور چوری کتنے بڑے جرم ہیں۔ یہ دونوں خطرات شہروں کو برباد کر دیتے ہیں اور بندوں کو ہلاک کر دیتے ہیں، ڈاکو رزق کے دروازوں میں سے سب سے بڑے دروازے کو بند کرنے کا سبب بنتا ہے، یہ دروازہ تجارت ہے اسی سے لوگوں اور دیگر اقوام کے مابین منفعت کا تبادلہ ہوتا ہے۔ جب یہ سبب معطل ہو گیا تو فساد پھیل جائے گا، لوگ رزق کے اسباب سے دور چلے جائیں گے۔

ڈاکو کا فعل چور سے زیادہ شنیع ہوتا ہے، کیونکہ چور بعض اوقات کمزور اعضاء کا مالک ہوتا ہے، وہ دھوکہ سے چوری کرتا ہے، وہ محتاط ہوتا ہے، جبکہ ڈاکو اپنی قوت پر اعتماد کرتا ہے اس سے بچاؤ قوت کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ شہروں میں گھومنے والے تاجروں میں یہ قوت نہیں ہوتی۔ اگر یہ قوت انہیں نصیب بھی ہو وہ اسے اچھی طرح استعمال نہیں کر سکتے، کیونکہ تیراندازی، نیزہ زنی اور شمشیرزنی سے ناآشنا ہوتے ہیں جبکہ چور ان اشیاء کے سب سے زیادہ جاننے والے ہوتے ہیں۔ ڈاکو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتا ہے، کیونکہ اس نے اسے قوت اور صحت عطا فرمائی۔ یہ دونوں بے بدل نعمتیں ہیں۔ وہ انہیں غیر موزوں جگہ پر استعمال کرتا ہے، وہ نہ صرف کفرانِ نعمت کرتا ہے بلکہ وہ

منعم کی بھی ناشکری کرتا ہے۔ ڈاکو جب فرد واحد ہو تو وہ سارے شہر کا سکون برباد کر دیتا ہے، امن عامہ کے ستون گرانے والے بہت سے اسباب ہیں۔ ڈاکو ان سارے اسباب کو جمع کرتا ہے اس لیے شارع حکیم نے اس کے جرم کے مطابق اس کی سزا بھی متفرق رکھی ہے۔ ذرا رب تعالیٰ کی حکمت دیکھو جو عدل کے مطابق شرعی حدود کو مقرر کرنے میں ہے۔

قسامت کی حکمت

شرعی طور پر قسامت سے مراد وہ قسمیں ہیں جو اہلِ محلہ کے پچاس افراد نے اس وقت اٹھانی ہوتی ہیں جب ان میں کوئی مقتول پایا گیا ہو، لیکن اس کے قاتل کا علم نہ ہو۔ اگر اس محلہ میں مردوں کی تعداد پچاس نہ ہو تو وہ بار بار قسمیں اٹھائیں گے حتیٰ کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں گی، اس کا سبب اس مقول کا وجود ہے جس کے قاتل کا کسی کو علم نہ ہو، اس محلہ، بستی یا شہر کے قریب یا جہاں تک فریاد کرنے والے کی آواز پہنچ سکے وہاں تک کسی قاتل کا علم نہ ہو سکے۔ اس میں ایک بہت بڑی حکمت ہے۔ یہ ان ارواح کی حفاظت ہے جو اس دنیاوی زندگی میں سب سے بڑی چیز ہیں تا کہ انہیں کسی جرم یا شرعی جواز کے بغیر ہی انہیں نکال نہ دیا جائے۔ جزا اور حکم اس محلہ کے لوگوں پر یا اس بستی کے لوگوں پر ہے جس میں وہ مقتول پایا گیا یا جس کے قریب پایا گیا کیونکہ انہوں نے حقیقی قاتل کو نہ پہچاننے میں تفریط سے کام لیا ہے اور احتیاط نہیں برتی۔

اگر شارع حکیم اس واقعہ کو یونہی چھوڑ دیتا اس کی طرف توجہ نہ دیتا، اس کے لیے ڈانٹ ڈپٹ والا فیصلہ مقرر نہ کرتا تو ملک میں حکومت کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ امت میں اس طرح کے واقعات بار بار پیدا ہوتے رہتے۔ پاک جانیں جائع ہوتی رہتیں۔ انسان کے نوع انساں پر ظلم کی وجہ سے خونریزی ہوتی رہتی۔ اسی وجہ سے قسامت کو مشروع کیا گیا۔ قسامت کا تعلق جاہلیت کے احکام سے تھا۔ حضور ﷺ نے ہماری شریعت میں بھی اس کو برقرار رکھا۔ "مبسوط" میں ہے۔

"جب کسی قوم کے محلہ میں کسی شخص کو مقتول پایا گیا، تو ان پر لازم ہے کہ ان میں سے پچاس افراد یہ قسم اٹھائیں کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا، نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے پھر وہ دیت کے ذمہ دار ہوں گے، یہ بات ہمیں آقائے نامدار ﷺ سے ہم تک پہنچی ہے، یہ احادیث مشہورہ میں ہے ایک حدیث مبارک میں ہے کہ سہل بن ابی خثمہ کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن سہل، عبدالرحمن بن سہل اور عویصہ اور محیصہ تجارت کی غرض سے خیبر کی طرف گئے۔ وہ اپنی

ضروریات کے لیے جدا جدا ہو گئے۔ انہوں نے پایا کہ عبداللہ بن سہل کو قتل کر کے خیبر کو ایک کنویں میں پھینک دیا گیا ہے، وہ خون میں لت پت تھے۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے، تاکہ آپ کو آگاہ کریں۔ عبدالرحمن مقتول کے بھائی تھے، انہوں نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا حضور ﷺ نے فرمایا:

"بڑا، بڑا۔"

یعنی عمر میں بڑے کو بات کرنے دو۔ ان کے ایک چچا نے گفتگو کی۔ جو عمر میں ان دونوں سے بڑا تھا۔ انہوں نے سارے حالات آپ کے گوش گزار کیے۔ حضور سید المرسلین ﷺ نے پوچھا:

"اسے کس نے مارا ہے؟"

انہوں نے عرض کی:

"یہود کے علاوہ انہیں اور کون مار سکتا ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"یہودی تمہیں قسمیں دے کہ اس سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔"

انہوں نے عرض کی:

"ہم ایسے کافروں کی قسموں پر راضی نہیں ہوں گے، جنہیں یہ پرواہ نہ ہو کہ وہ کس پر قسمیں اٹھا رہے ہیں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"کیا تمہیں قسمیں اٹھا کر اپنے ساتھی کے خون کے مستحق بن سکتے ہو۔"

انہوں نے عرض کی:

"ہم ایسے معاملہ پر کیسے قسمیں اٹھائیں جس کا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے یہ ناپسندیدہ فرمایا کہ مقتول کا خون رائیگاں جائے آپ نے صدقہ کے ایک سو اونٹ دے کر اس کی دیت ادا فرما دی۔"

امام زہری نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ قسامت جاہلیت کے احکام میں سے تھی۔ حضور ﷺ نے اسے انصار کے اس مقتول میں برقرار رکھا۔ جو یہودیوں کے قبیلہ میں پایا گیا۔ حضور ﷺ نے یہود پر دیت اور قسامت کو لازم قرار دیا۔

علامہ کلبی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اہل

خیبر کی طرف لکھا:

''یہ مقتول تمہارے علاقہ میں پایا گیا ہے، اب کون سی چیز تمہیں اس سے بری کر سکتی ہے؟''

انہوں نے جواب میں لکھا:

''اس طرح کا واقعہ بنو اسرائیل میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر ایک حکم نازل فرمایا۔ اگر آپ نبی ہیں تو رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ پر بھی اسی طرح کا امر نازل کرے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھا:

''اللہ رب العزت نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تم میں سے پچاس افراد مختص کروں، جو یہ قسمیں اٹھائیں کہ اللہ رب العزت کی قسم نہ تو ہم نے اسے قتل کیا ہے نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے پھر وہ دیت کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔''

انہوں نے کہا:

''آپ نے ہمارے مابین وحی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔''

روایت ہے کہ وادعۃ اور ارحب میں ایک مقتول پایا گیا وہ وادعۃ کے زیادہ قریب تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے قسامت اور دیت کا فیصلہ کیا۔ حارث بن الاصبع الاوادعی نے عرض کی:

''امیر المومنین! نہ تو ہماری قسمیں ہمارے اموال کا دفاع کر سکتی ہیں نہ ہی ہمارے اموال ہماری قسموں کا دفاع کر سکتے ہیں۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قسموں کے ساتھ تم اپنے خون محفوظ کر لو گے۔ دیت تمہیں دینا ہوگی کیونکہ مقتول تمہارے ہاں پایا گیا ہے۔''

یہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قسامت اور دیت اس محلہ کے لوگوں پر لازم ہوگی جہاں مقتول پایا گیا، عقل کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ قاتل انہی میں سے ہوگا کیونکہ ایک انسان ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں اس لیے کم ہی جاتا ہے تاکہ وہاں اپنے مطلوبہ شخص

کو قتل کرے۔ ان میں سے ایک نے ان کی قوت اور نصرت سے ہی یہ شنیع فعل سرانجام دیا ہے۔ وہ عاقلہ کی مانند ہیں شریعت مطہرہ نے ان پر دیت اس لیے لازم قرار دی ہے تاکہ مقتول کا خون رائیگاں نہ جائے۔ یہ امید کرتے ہوئے ان پر قسامت واجب قرار دی ہے کہ اس طریقہ سے قاتل کا علم ہوسکے۔ جب مجرم سامنے آجائے تو غیر مجرم بچ سکے۔ اسی لیے وہ یہ قسمیں اٹھاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی قسم! ہم نے نہ تو اسے قتل کیا ہے نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے، لہٰذا ہر محلہ پر لازم ہوگا کہ وہ ایسے فتنہ سے خود کی حفاظت کریں۔ کیونکہ محلہ کا انتظام انہی کے سپرد ہے ایسا واقعہ اسی لیے رونما ہوا ہے کہ حفاظت میں ان سے کوتاہی ہوگئی حتیٰ کہ وہ اپنے یا بیگانے احمقوں کے دستِ تعدی پکڑنے سے غافل ہوگئے۔ شریعت بیضاء نے ان پر قسامت اور دیت لازم قرار دی۔

باغیوں کو قتل کرنے میں حکمت

ہر خبیث گروہ امت کے لوگوں میں سے شریر ہوتا ہے کیونکہ یہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حکومت کے نظام کو درہم برہم کرتا ہے یہ لوگ امت میں فتنے اور مکروفریب کے جال بچھاتے ہیں ان کا مدعا صرف فتنے اور فسادات پیدا کرنے ہوتے ہیں۔ ان سے انہوں نے بعض خاص فوائد حاصل کرنے ہوتے ہیں۔ جن پر وہ زندگی گزار سکیں۔ تاریخ ابتدائی دور، بنوامیہ اور بنوعباس کے دور کے بارے ہمیں کچھ بتاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے رعایا اور خواص کی زندگی کو مکدر کردیا تھا۔

ان کے بارے شرعی حکم یہ ہے۔ امام وقت جو امر کا والی ہو وہ قتال سے قبل انہیں حق اور مسلمانوں کی جماعت کی طرف آنے کی دعوت دے۔ اگر انہوں نے اللہ کے داعی کی صدا پر لبیک کہا، تو ہدایت پاگئے۔ اگر انہوں نے انکار کردیا، تو امام ان کے ساتھ قتال کرے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے امر کی طرف لوٹ آئیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات:۹)

ترجمہ: اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔

ہر وہ مسلمان جسے امام وقت قتال کی دعوت دے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی دعوت پر

لبیک کہے وہ پیچھے نہ رہے کیونکہ ایسے امور میں امام وقت کی اطاعت لازم ہے جو معصیت نہ ہوں۔ البدائع میں ہے:

''اگر امام وقت کو علم ہو جائے کہ باغی اسلحہ لہرا رہے ہیں وہ قتال کی تیاری کر رہے ہیں تو اسے چاہیے کہ وہ انہیں پکڑے اور انہیں محبوس کر دے، حتیٰ کہ وہ اس فتنہ سے باز آ جائیں توبہ کر لیں۔ کیونکہ اگر اس نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کریں گے۔ امام انہیں پکڑ لے امام وقت جنگ کا آغاز نہ کرے حتیٰ کہ وہ خود اس کا آغاز کریں کیونکہ ان کے ساتھ جنگ ان کے شر کو دور کرنے کے لیے ہے۔ ان کے شرک کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ وہ مسلمان ہیں جب ان کی طرف سے شر آنا رک جائے گا تو ان کے ساتھ جنگ نہیں کی جائے گی۔ اگر اس کا علم نہ ہو سکے حتیٰ کہ وہ جنگ کی تیاری کر لیں تو امام وقت کو چاہیے کہ وہ انہیں عدل اور جماعت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے یا انہیں اپنی دعوت قبول کرنے کے لیے کہے۔

روایت ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف جب اہل حروراء نے بغاوت کی تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کی طرف بھیجا تاکہ وہ انہیں عدل کی طرف بلائیں۔ انہوں نے انہیں دعوت کی۔ ان کے ساتھ مناظرہ کیا۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ مقام نہروان پر قتال کیا۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق کی۔

''تم اسی طرح تاویل پر قتال کرو گے جس طرح تنزیل پر جہاد کرتے ہو۔''

تاویل پر قتال خوارج کے ساتھ جنگ تھی، کیونکہ انہوں نے زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کی تھی، انہوں نے اس فساد کو دور کرنے کے لیے جہاد کیا۔ اگر امام وقت دعوت سے قبل ان سے جہاد کرے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ دارالاسلام میں تھے دعوت تو انہیں پہنچ چکی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے جو روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جب مسلمانوں میں فتنہ رونما ہو جائے تو آدمی کو چاہیے کہ وہ فتنہ کو چھوڑ دے، اپنے گھر کو لازم پکڑ لے۔''

اسے اس خاص وقت پر محمول کیا جائے گا جبکہ امام وقت قتال کی دعوت نہ دے۔ جب وہ قتال کی دعوت دے تو اس پر لازم ہے کہ اس کی صدا پر لبیک کہے۔ جب امام وقت باغیوں کے ساتھ نبرد آزما ہو۔ وہ انہیں شکست سے دوچار کر دے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں۔ اگر ان کا

کوئی ایسا گروہ ہو جو فتنے کی طرف مائل ہو تو اہلِ عدل پر لازم ہے کہ وہ ان میں پیٹھ پھیر کر جانے والوں کو تہ تیغ کر دیں، ان کے زخمیوں کا کام تمام کر دیں۔ تاکہ وہ فتنہ پیدا نہ کریں اور دوبارہ اہلِ عدل پر حملہ نہ کر دیں۔ ان کے قیدیوں کے بارے یہ مؤقف ہے کہ اگر امام وقت چاہے تو انہیں قتل کر دے تاکہ فتنے کو جڑ سے اکھیڑ پھینکے اگر پسند کرے تو انہیں قیدی کر لے تاکہ ان کی قید کی وجہ سے فتنہ دور ہو سکے، اگر ایسا گروہ نہ ہو جو فتنے کی طرف مائل ہو تو اہلِ حق ان کے شکست خوردہ لوگوں کا تعاقب نہ کریں۔ ان کے زخمیوں کا کام تمام نہ کریں۔ ان کے قیدیوں کو قتل نہ کریں کیونکہ فتنہ ختم ہو جانے کی صورت میں ان کا شر خود بخود ختم ہو جائے گا۔ جہاں تک ان کے اموال کا تعلق ہے تو ان کے اسلحہ وغیرہ کو ان کے خلاف استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ ان کی قوت ٹوٹ سکے۔ جب اہلِ عدل ان سے مستغنی ہو جائیں تو امام ان کے لیے ان کے اموال روک لے کیونکہ ان کے اموال کا غلبہ کی صورت میں مالک بننا درست نہیں۔ کیونکہ وہ مسلمان ہیں بلکہ وہ ان کے اموال روکے رکھے حتیٰ کہ ان کی بغاوت ختم ہو جائے، جب بغاوت ختم ہو جائے ان کے اموال انہیں لوٹا دے۔ اسی طرح اسلحہ کے علاوہ دیگر ساز و سامان کو روکے رکھے حتیٰ کہ بغاوت ختم ہو جائے تو انہیں واپس لوٹا دے، جس طرح اہلِ حرب کے بچوں، عورتوں، اندھوں اور بوڑھے کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح باغیوں کے ان افراد کو بھی قتل کرنا درست نہیں کیونکہ اہلِ قتال نہیں۔ وہ قتال نہیں کرتے البتہ اگر وہ قتال کریں کو حالت جنگ میں انہیں قتل کرنا جائز ہے۔

اہلِ عدل کے مقتولوں کے ساتھ اسی طرح کیا جائے گا جس طرح دیگر شہداء کے ساتھ کیا جاتا ہے انہیں غسل نہیں دیا جائے گا۔ انہیں ان کے کپڑوں میں دفن کیا جائے گا صرف وہی کپڑے اتارے جائیں گے جو کفن نہ بن سکتے ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ وہ ایسے شہداء ہیں جنہیں ظلماً قتل کیا گیا ہے۔ لیکن باغیوں کے مقتولین پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی روایت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اہلِ حرمرراء کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ لیکن انہیں غسل دیا جائے گا کفن دیا جائے گا۔ دفن کیا جائے گا کیونکہ بنو آدم کے مردوں کے ساتھ اسی طرح کیا جاتا ہے۔

باغیوں کا مثلہ کرنا درست نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مثلہ نہ کیا کرو۔''

شریعۃ اسلامیہ میں قاتل سے کس طرح اور کس آلے سے قصاص لینا جائز ہے

جب امام وقت قاتل سے قصاص لینا چاہے تو وہ ایسے آلے سے قصاص لے جو اس کی زندگی کا فوراً فیصلہ کردے۔ وہ اذیت کے لیے باقی نہ رہے کیونکہ مقتول کو اذیت دینا اور اس کا مثلہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ انسانیت بھی اس کا انکار کرتی ہے۔ قصاص میں بہتر یہ ہے کہ تلوار سے لیا جائے، کیونکہ تلوار کی ضرب کے بعد موت فوراً متحقق ہو جاتی ہے۔ تاخیر نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قصاص تلوار کے ساتھ ہی لیا جائے۔"

جب ہم دلالۃ النص کو لیں تو ہم کہیں گے کہ ہر اس آلے کے ذریعے قصاص لینا جائز ہے، جس کے ذریعے موت فوراً متحقق ہو جائے کیونکہ اس سے مقتول کا نہ تو مثلہ ہوتا ہے نہ ہی اس کو اذیت ہوتی ہے، کیونکہ شارع حکیم نے ہمیں ایسے حالات اور کیفیات میں انسان کو تکلیف دینے سے منع کیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا لازم قرار دیا ہے جب تم کسی کو قتل کرو تو عمدہ طریقے سے کرو، جب ذبح کرو تو عمدہ طریقے سے کرو۔"

دوسری روایت میں ہے:

"جب تم قتل کرو تو مقتول کو عمدہ طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو ذبیحہ کو عمدہ طریقے سے ذبح کرو۔"

اس حدیثِ مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ ہم قصاص لیتے وقت مقتول کو اذیت نہ دیں جس طرح ہم ذبح کرتے وقت ذبیحہ کو اذیت نہیں دیتے۔ المبسوط میں ہے:

"اس امر میں ہماری دلیل ظاہر ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"صرف تلوار کے ذریعے ہی قصاص لیا جائے۔"

یہ اس بات پر نص ہے تلوار کے علاوہ کسی اور چیز سے قصاص نہ لیا جائے، جس طرح کہ مرتد کو قتل کرنا۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ اس طریقہ سے مستحق کو اس طرح حق ملتا ہے کہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ہی اس کا راستہ ہے۔ گردن کٹنے سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ قتل کی تکمیل کا یہی طریقہ

ہے اس حدیثِ پاک سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ یہ قصر اضافی ہے حقیقی نہیں ہے۔

ہندوستان میں ایک ریاست ہے جسے بھوپال کہا جاتا ہے، وہاں قاتل سے تلوار کے ذریعے قصاص لیا جاتا تھا، ان کے پاس ایک ماہر شمشیر زن تھا۔ اس کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک ہی وار سے قاتل کا کام تمام کر دیتا تھا۔ اس کا وار خطا نہیں جاتا تھا۔ اتفاقاً یہ شمشیر زن مر گیا۔ مذکورہ ریاست نے ایک اور شمشیر زن مقرر کیا جو جرأت اور تعلیم و تربیت میں اس کا ہم پلہ نہ تھا۔ ایک شخص اس کے پاس لایا گیا جسے سزائے موت کا حکم تھا تاکہ وہ اس پر اس سزا کا نفاذ کرے۔ اس نے اسے ایک ضرب لگائی اس نے اس کا کام تمام نہ کیا۔ لیکن اس سے اس کا درد والم دو چند ہو گیا۔ بھوپال کی حکومت نے الشیخ الازہر الشریف سے مطالبہ کیا کہ وہ درج ذیل امور کی وضاحت کریں۔

- ① جس نے کسی نفس کو قتل کیا ہو اور اس پر ایسے دلائل سے یہ جرم ثابت ہو جائے جو شرعاً مقبول ہوں شریعت مطہرہ میں اس کا حکم کیا ہے۔
- ② کیا قاتل کو اسی طریقے سے سزا دی جائے گی جس طریقہ سے اس نے جرم کیا ہے یا کسی تیز دھار والے آلے مثلاً تلوار یا کسی دوسرے آلے جیسا کہ مقصلہ یا بجلی والی کرسی وغیرہ کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔
- ③ قصاص کے لفظ کا معنی کیا ہے، شیخ الازہر نے اس فتویٰ کا یہ جواب دیا۔

① جس نے کسی ایسے نفس کو جان بوجھ کر قتل کیا شرعی طور پر جس کا خون محفوظ تھا۔ وہ عاقل بالغ تھا اس کے اور مقتول کے مابین ایسی کوئی چیز نہ ہو جو ایسے شبہ کو پیدا کرتی ہو جو قصاص کو ساقط کر دے۔ یہ قتل حاکم وقت کے پاس ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لینا واجب ہے۔ الا یہ کہ مقتول کا والی معاف کر دے۔

② حدیث پاک میں ہے: "قصاص صرف تلوار سے ہی لیا جائے" احناف نے اس حدیث پاک سے یہ استدلال کیا ہے کہ قصاص صرف تلوار کے ذریعے ہی لیا جائے۔ اگرچہ جرم کسی اور آلہ کے ذریعے سرزد ہوا ہو۔ انہوں نے ہر اس آلہ کو تلوار کے ساتھ ملایا ہے جس کی ضرب سے روح جلد نکل جائے اور موت جلد ادا جائے، مثلاً نیزہ، خنجر اور تیز دھار آلہ جس سے عموماً قتل کیا جاتا ہے اور موت جلد واقع ہو جاتی ہے، انہوں نے اس کے ساتھ قصاص لینا مباح قرار دیا ہے۔

شوافع کا موقف یہ ہے کہ جب قاتل نے تلوار کے ذریعے قتل کیا ہو تو قصاص بھی تلوار کے

ذریعے ہی لیا جائے گا، اگر جرم کسی اور آلہ سے صادر ہو مثلاً موٹے ڈنڈے سے یا خنجر سے جیسا کہ عموماً اسی طرح قتل ہوتے ہیں تو پھر مقتول کے والی کو اختیار ہے چاہے تو قصاص اسی آلہ سے لے لے یا تلوار کے ذریعے لے لے۔ تلوار کے ذریعے قصاص لینے کی انہوں نے علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے روح جلدی اور آسانی سے نکل جاتی ہے، پھر فتویٰ کی لجنۃ (بورڈ/کمیشن/کمیٹی) نے رائے دی ہے کہ مقصلہ یا الیکٹریکل چیئر یا ایسے آلہ سے قصاص لینے میں کوئی حرج نہیں جس سے موت آسانی سے واقع ہو جائے اور آدمی اس سے جانبر نہ ہو سکے، نہ ہی اس سے قاتل کا مثلہ ہو اور نہ ہی اس کی اذیت میں اضافہ ہو۔ جہاں تک الیکٹریکل کرسی کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ جلدی موت واقع ہو جاتی ہے، قاتل کا مثلہ بھی نہیں ہوتا اور اس کی اذیت میں بھی اضافہ نہیں ہوتا، اس تفصیل سے عیاں ہوتا ہے کہ اس حالت میں قصاص کا معنی قاتل کو مار کر یا اس کی روح نکال کر اس قتل کا بدلہ لینا ہے اس کے لیے یہ لازم نہیں کہ سزائے موت اسی آلہ کے ساتھ ہو جس کے ساتھ جرم کا وقوع ہوا ہے۔

جب یہ فتویٰ مصر کے شہروں میں لایا گیا تو وہاں اس کے یہ جوابات دیے گئے:

علمائے کرام نے قصاص لینے کی کیفیت کے بارے گفتگو کی ہے۔ ان کی بڑی تعداد نے کہا ہے کہ قاتل کو اسی آلہ کے ساتھ قتل کیا جائے گا جس کے ساتھ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے الا یہ کہ وہ قتل کسی ایسے آلے سے ہو جو شرعی طور پر ناجائز ہو۔ کیونکہ اس کے ساتھ اسے قتل کرنا درست نہیں انہوں نے اپنے اس مؤقف پر یہ دلائل دیے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۔ (البقرۃ:۱۷۹)

ترجمہ: تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو!

قصاص کا کلمہ مساوات اور مماثلت سے آگاہ کر رہا ہے، نیز ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ (النحل:۱۲۶)

ترجمہ: اور اگر تم (ان کو سزا) دینا چاہو انہیں سزا دو لیکن اتنی جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم ان کی (ستم رانیوں پر) صبر کرو یہ صبر ہے بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

(البقرۃ:۱۹۴)

ترجمہ: جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اس قدر جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہو۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ:۴۰)

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔

احناف کہتے ہیں: "جو امر آیاتِ طیبات اور سنت مطہرہ سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ قاتل کے نفس کو ایسے طریقے سے تلف کیا جائے جو آسان ترین ہو اور اس کی روح کو جلد نکالنے والا ہو یہ صرف تلوار سے ہی ممکن ہے، لہٰذا جلا کر، اعضاء جدا جدا کر کے یا سر کچل کر قصاص لینا درست نہیں۔

اس تفصیل سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ احناف اور وہ علماء جنہوں نے ان کا موقف اختیار کیا ہے وہ یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ قصاص تلوار کے بغیر ایسے طریقوں سے نہ ہو، جہاں ظلم اور حد سے تجاوز کرنے کا گمان ہو۔ مثلاً جلا کر، مار کر اور اعضاء کو جدا جدا کر کے وغیرہ وغیرہ۔ ان کا ارادہ یہ نہیں وہ تلوار کے بغیر کسی اور چیز سے قصاص لینا جائز نہیں سمجھتے جبکہ تلوار کے علاوہ کسی اور چیز سے قصاص لینا آسان بھی ہو اور قاتل کی روح بھی جلد نکل جاتی ہو، جس طرح کہ ان کا اس حدیث پاک سے استدلال کرنا ظاہر کرتا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر انسان لازم قرار دیا ہے۔ جب کسی کو قتل کرو تو عمدہ طریقے سے قتل کرو اگر کسی جانور کو ذبح کرو تو عمدہ طریقے سے ذبح کرو۔"

جس طرح کہ یہ حدیث مبارک ہے، یہ حدیث پاک دو اعتبار سے اپنا مفہوم ثابت کرتی ہے۔

1. تلوار کے ساتھ قصاص لینا واجب ہے۔
2. تلوار کے بغیر ایسے طریقوں سے قصاص لینا درست نہیں۔ جن میں اس طرح کی سہولت اور آسانی نہ ہو۔

اسی طرح یہ دلالۃ النص سے یہ امر ثابت کرتی ہے کہ تلوار کے علاوہ کسی دوسرے آلہ سے قتل کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے روح آسانی سے اور جلدی نکل جاتی ہو۔ یہ مفہوم اس حدیث کی لغت سے سمجھا جا سکتا ہے تلوار سے قصاص لینے کی علت یہ ہے کہ اس سے قتل کرنا آسان ہے۔

اس میں سہولت ہے جب قتل کی ایسی قسم جیسے کہ الیکٹریکل چیئر، کرنٹ لگانا اور پھندا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس سے قتل کرنا جائز ہے یہ ان امر اس حدیث پاک کی دلالۃ النص سے ثابت ہے۔ اس وقت آپ کے اس فرمان ''صرف تلوار سے ہی قصاص لیا جائے'' میں قصر، قصر اضافی ہوگا، اس کا مقصد یہ ہوگا کہ ایسے امور میں تلوار کے بغیر قصاص نہ لیا جائے جن میں حد سے تجاوز کرنے کا احتمال ہو۔

اس کا لب لباب یہ ہے کہ وہ دلائل جن سے احناف سے استدلال کیا ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل کو تلوار کے بغیر قتل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس طریقے سے اس کی روح جلد نکل جائے اور وہ آسانی سے مرجائے۔ اگر پھندا سے مارنے سے تلوار سے امرنے سے جلد جان نکل جاتی ہو، جان آسانی سے نکل جاتی ہو تو پھر یہ ان دلائل کے مقتضی کے مطابق جائز ہے جن سے احناف سے استدلال کیا ہے، کیونکہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس طریقے سے قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

فرعونوں کے نزدیک سزائے موت

سزائے موت ایک ایسا موضوع ہے جس پر دنیا کے بڑے بڑے لوگ سوچ و بچار کر رہے ہیں، بیس سے زائد ممالک نے اس سزا کو اپنے قانون سے نکال دیا ہے، جبکہ بعض ممالک میں ابھی تک یہ قانون نافذ ہے، عرب کے وکلاء کی آخری کانفرنس میں سزائے موت کو صرف سیاسی جرائم میں ختم کر دیا گیا، سزائے موت کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اس کی عمر پانچ ہزار سال سے زیادہ ہے، سب سے پہلے قدماء مصریوں نے اس قانون کا نفاذ کیا سب سے پہلے انہوں نے ہی اسے ختم کیا۔ پانچ ہزار سال سے یہ سزا کیسے نافذ ہوتی تھی اور کن پر نافذ ہوتی تھی اس نے بارے جامعہ عین شمس میں قانون کے استاذ ڈاکٹر رؤف صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''منظم قوانین کا پہلا مجموعہ دنیا میں قدیمی مصر میں ظاہر ہوا۔ یہ پہلا مجموعہ فرعونوں میں سے پہلے بادشاہ مینا کے عہد میں تھا''

قوانین اور قواعد

وہ شخص کہتا ہے جسے ان چند لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے، جنہوں نے اپنی قانون تعلیم میں عہد فرعون تک تحقیق سے کام لیا ہے۔ ''بردی (ایک قسم کا پودا) کے اوراق اور وہ نقوش جو عبادت گاہوں اور مقبروں پر ہیں وہ قدیمی مصر میں قضاء کی تاریخ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ قانون کا وہ

مسودہ جسے آج قانون کے پیشہ نے منظم کیا ہے، وہ قدیمی مصر قوانین کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔
قاضی ایسے لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھے جن کی وجہ سے اس کے منصب پر عیب لگے، وہ ایسے قضیہ سے کنارہ کش رہے جس کے خصوم کا اس کے ساتھ تعلق ہو۔ وہ رشوت قبول نہ کرے اور لوگوں کے مابین عدل کرے۔

وہ قانون جسے آج کل مہذب ممالک کے امتیازات میں سے سمجھا جاتا ہے، ''نص کے بغیر کوئی سزا نہیں'' فرانسیسی انقلاب نے یہ جملہ مصر کے قدیمی عبادت خانوں کی دیواروں سے منتقل کیا۔ اسی طرح یہ بردی کے پتوں پر بھی مرقوم تھا۔ تاکہ اس کا آغاز عمدہ طریقہ سے ہو سکے اور سارے شہر اسی کے طریقہ کو اختیار کریں۔ فراعنہ میں سے پہلے بادشاہ مینا کے دنیا کے پہلے قانون کو منظم کرانے سے قبل کا ہر جرم کی سزا موت تھی رشوت لینے والے کو سزائے موت دی جاتی، مینا نے سزائے موت کا دائرہ تنگ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اسے بعض جرائم تک محدود کیا۔ اسے دو حصوں میں منقسم کیا۔ سزائے موت تکلیف کے بغیر، سزائے موت تکلیف کے ساتھ، وہ سزائے موت جس میں تکلیف نہ دی جاتی تھی اس میں مجرم کو اس کمرہ میں لے جایا جاتا جہاں اسے سزا ہونا ہوتی تھی۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوتی تھی، جلاد اسے نشہ آور شراب پلا دیتا تھا حتیٰ کہ اسے کسی چیز کا شعور نہ رہتا تھا، جب اس کا عقل دُنیا سے چلا جاتا تو اس کی زندگی بھی دارِ فانی سے غائب ہو جاتی۔ ہر وہ شخص جو ملک کے احکام کی خلاف ورزی کرتا یا کسی سازش کا شکار بنتا یا قتل کا جرم کرتا یا مقدس امور میں عیب نکالتا۔ وہ طبیب جو مریض کے علاج میں غفلت برتتا یا جھوٹی قسمیں اٹھاتا سب کو سولی پر لٹکا دیا جاتا۔ فراعنہ کی تاریخ میں اس سازش کی داستان مرقوم ہے، جس میں اس سازش کے ہر شریک کار پھندے پر لٹکا دیا گیا، یہ سازش رمیس ثالث کے خلاف کی گئی تھی۔ اس سازش میں بنیادی کردار بادشاہ کی بیوی کا تھا۔ جب اسے علم ہوا کہ بادشاہ کا تخت نشین ایک ایسا آدمی بن رہا ہے جو اس کا غیر شرعی بیٹا ہے۔ حالانکہ اس کا شرعی بیٹا موجود ہے اس عورت نے پولیس کے بعض افسروں کے ساتھ تعاون کیا تاکہ وہ رمیس کو قتل کر دیں تاکہ بادشاہی اس عورت کے بیٹے کو مل جائے۔ مگر اس سازش کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ایک فرد پھر گیا۔ اس نے بادشاہ کے لیے اس سازش کو عیاں کر دیا۔ بادشاہ اس سازش میں شریک ہر ہر شخص کو پھانسی دے دی۔

اسی طرح قتل کی سزا بھی سزائے موت تھی، مصر کا قدیمی قانون ساز اصلی قاتل اور اس کے شریک میں کوئی امتیاز نہیں کرتا تھا، بلکہ اس شخص کے لیے بھی سزائے موت مقرر کرتا جو مصیبت زدہ

شخص کو اس کے قاتل کے سامنے دیکھتا لیکن اسے چھڑانے کے لیے آگے نہ بڑھتا، یا قاتل کے بارے نہ بتاتا یا جھوٹی گواہی دیتا۔

جو بلی یا بچھڑے یا شکرے یا کتے کو مارتا اسے بھی سزائے موت سنائی جاتی، قدیم مصریوں کے نزدیک یہ حیوانات مقدس تھے۔ ان کے نزدیک جادو کو بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ اس کی سزا بھی سزائے موت تھی۔ ایک تاجر کو سزائے موت دی گئی، کیونکہ اس نے محبت کے لیے جادو کے منتر استعمال کیے تھے۔ قدیم مصریوں کے نزدیک سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کر دے، لوگوں میں سب سے شدید سزا اس شخص کو ہوتی تھی جو والدین میں سے کسی ایک کو قتل کرتا اس بدبخت کو پھر ایسے نیزے کے کچوکے مارے جاتے تھے جسے آگ میں گرم کیا جاتا تھا۔ پھر اسے زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تاکہ اسے زندہ آگ میں جلا دیا جائے۔ فرانس نے بھی یہ سزا نافذ کرنے کی کوشش کی، اس نے عہد قریب میں اسے نافذ کیا بھی تھا۔ یہ قانون اس امر کو لازم قرار دیتا تھا کہ والدین میں سے کسی ایک کے قاتل کا پھانسی سے قبل دایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ سزائے موت سرعام ہوتی تھی۔ حاملہ عورت کی سزائے موت کو وضع حمل تک مؤخر کر دیا جاتا تھا، پھانسی کا نفاذ ایسے خصوصی سپاہی کرتے تھے، جنہیں رؤساء مقرر کرتے تھے۔

جہاد کی حکمت

بعض لوگوں کا وہم ہے کہ جہاد اسلام میں ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی ہر وقت اور ہر آن ضروری ہے وہ اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر اس شخص سے جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے جو ان کے دین میں داخل نہ ہو خواہ ان پر ظلم کرے یا ظلم نہ کرے۔ یہ محض ان کا وہم ہے، واضح خطا ہے، باطل تہمت ہے جو وہ دینِ اسلام پر لگاتے ہیں۔ حالانکہ یہ دینِ حق اس تہمت سے بری ہے، کیونکہ حضور ﷺ کو خونریزی کے لیے تو مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ آپ لوگوں کا آرام اور سکون برباد کرنے اور لوگوں کے آباد شہر ملیا میٹ کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے تھے اگر یہ لوگ دینِ اسلام کی حقیقت کو سمجھ لیتے وہ حکمت جان لیتے جو ان تکالیف میں رکھی گئی ہے جن کا شارع حکیم نے مکلف بنایا ہے تو ان کے لیے سیدھا رستہ عیاں ہو جاتا، ان کے لیے ایسے مدہوش کن اسرار عیاں ہو جاتے، جنہیں عقل سمجھنے سے عاجز ہے، جن کے ادراک سے ذہن عاجز ہیں، مگر جسے رب تعالیٰ توفیق دے دیتا ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نواز دیا ہے، جسے چاہتا ہے گمراہ

دیتا ہے، جی ہاں! بلاشبہ جہاد مسلمانوں پر فرض ہے، اس کا انکار کفر ہے، لیکن اس کی کچھ شرائط جسے ہم عنقریب بیان کریں گے۔ اس کی حکمتوں کی تشریح کریں گے، حتیٰ کہ یہ جان لیں گے کہ اسلام نے کس جہاد کیا ہے۔

اسلام میں جہاد ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنا ہے جو دنیا میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ امن کو خراب کر دیں، لوگوں کے سکون کو برباد کر دیں، حالانکہ وہ اپنے شہروں میں امن سے رہ رہے ہوں یا ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد فرض ہے جو کمین گاہوں سے فتنوں کو اٹھانا چاہتے ہیں، یا تو دین میں الحاد کر کے، جماعت سے بغاوت کر کے، اطاعت کے عصا کو شق کر کے یا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ نے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، جو مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں، انہیں ان کے شہروں سے نکالتے ہیں، وعدہ توڑتے ہیں، خونریزی کرتے ہیں، اس وقت جہاد اذیت اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے ہوگا، مظالم دور کرنے اور عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے ہوگا، اگر معاملہ اس طرح ہو تو یہ ایسا طریقہ ہے جسے فطرت کائنات نے اس روز بنایا جس روز اس نے انسان اور حیوانات کو پیدا کیا۔ گونگے حیوانات بھی اپنے حوض کی حفاظت کرتے ہیں اس سے شر اور ناپسندیدہ امر دور کرتے ہیں، جب کوئی انسان یا دوسرا حیوان ان پر حملہ کرتا ہے تو آلاتِ دفاع مثلاً سینگوں، کھروں، چونچوں، پنجوں اور جبڑوں وغیرہ سے اس کا دفاع کرتے ہیں، ایک دانا اور عقلمند انسان اپنے حوض اور حرمت کا دفاع کیسے نہیں کرے گا۔ وہ خود پر، اپنے دین پر اور اپنے وطن پر حملہ آور کو کیسے نہیں روکے گا۔

اس نظریہ اور طبعی طریقہ کے مطابق جہاد ہر دین اور مذہب میں واجب ہے۔ حتیٰ کہ یہ نظام قدیمی غیر مہذب وحشی اقوام میں بھی تھا۔ جہاد کی ضرورت کے مطابق مجاہد کے لیے اس خون میں فضل، شرف اور ثواب ہوگا جسے وہ بہاتا ہے، اس حال میں جیسے بطور غنیمت حاصل کرتا ہے، ان شہروں میں جن پر وہ غلبہ پاتا ہے، ان نفوس میں جنہیں وہ اپنا غلام بناتا ہے اور قید کرتا ہے ان سارے امور میں اس کے لیے فضیلت اور شرف ہوتا ہے۔

اگر جہاد نہ ہوتا، خاندان کی اس طرح حفاظت کرنا نہ ہوتا تو قوی ضعیف کو ہڑپ کر جاتا۔ ازواج اور اموال اور عزتیں بزدلی، عاجزی اور ظلم برداشت کرنے والے کے لیے قربانی بن جاتیں لوگوں کا کوئی معاملہ سیدھا نہ ہوسکتا، مائیں بچوں کو جنم نہ دے سکتیں۔ زمین نباتات نہ اگا سکتی۔ ظلم و ستم کو اگر کوئی نہ روکتا تو دنیا برباد ہو جاتی ہے، نوع انسان ہلاک ہو جاتی ہے جس طرح کہ عدل سے

شہر آباد ہوتے ہیں۔ زندگی سعادت مند ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝ (البقرۃ:۲۵۱)

ترجمہ: اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعے تو برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر۔

ان لوگوں کا قول کتنا مضحکہ خیز ہے جو دینِ اسلام سے نا آشنا ہیں، جو شریعت مطہرہ کی حکمت سے آگاہ نہیں جو یہ کہتے ہیں "ہمارے رسول معظم ﷺ کو تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، وہ بات کتنی بڑی ہوگئی جو ان کے منہ سے نکلی، وہ جھوٹ بولتے ہیں، وہ باطل دعویٰ کرتے ہیں ہمارے نبی کریم ﷺ کو تو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت، ایمان اور صراطِ مستقیم کے نور کی طرف لے جائیں۔ آپ رحیم قلب، پاکیزہ فطرت بن کر تشریف لائے، ان کا دل رحمت و رافت سے لبریز ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (البقرۃ:۲۵۶)

ترجمہ: کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں بے شک خوب واضح ہوگئی ہے ہدایت گمراہی سے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (الانبیاء:۱۰۷)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۝ (الفرقان:۵۶)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ (آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: اور اگر آپ ہوتے تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے پاس سے۔

دوسری آیت طیبہ میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝ (البقرۃ:۱۹۰)

ترجمہ: اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

قرآن مجید کو کتنی ہی آیات ہیں جو اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جنگ بھڑکانے کے لیے نہیں آئے تھے ممالک فتح کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے تھے، خواتین کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کرنے کے لیے نہیں آئے تھے۔ آپ نے جنہیں اپنے دین قدیم کی طرف دعوت دی، انہیں اس لیے دعوت نہیں دی کہ وہ کمانڈر اور سپہ سالار بن جائیں۔ وہ بربادیاں کرتے رہیں۔ جنگ کے الاؤ جلاتے رہیں بلکہ آپ نے انہیں صراطِ مستقیم اور دین اور دنیا کی بھلائی کی طرف دعوت دی۔ آپ کو لوگوں کے لیے بشیر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ جن پاکیزہ فال ہستیوں کو آپ نے دینِ حق کی طرف دعوت دی مہاجرین اور انصار میں سے جنہوں نے آپ کی اتباع کی یہ وہ صحابہ کرام ہیں جو ہدایت کے ستارے ہیں، یہی وہ بلند اقبال ہستیاں ہیں کہ اگر مسلمانوں کو کوئی دینی یا دنیاوی معاملہ درپیش ہوا تو انہی سے نور اور اجالا حاصل کیا جائے گا۔ رضی اللہ عنہم

حضور اکرم ﷺ نے کتنی ہی احادیث طیبہ بیان کیں جو ان بہروں، اندھوں کی دلیل کو رد کر دیتی ہیں۔ ان کی دلیل کو ان کی سمت ہی لوٹا دیتی ہیں۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا:

"میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس بہت عمدہ ادب سکھایا اس نے مجھے اخلاق عالیہ کا حکم دیا۔"

"مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے تاکہ میں مکارمِ اخلاق کو مکمل کروں۔"

ستم اور جفا کر کے خون بہانا اور ظلم اور سرکشی کرتے ہوئے شہروں پر قبضہ کر لینا یہ مکارم اخلاق میں سے نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مکرم ﷺ مبعوث کیا اس وقت لوگ گمراہی اور ضلالت کے سمندر میں غرق تھے وہ بتوں کو پوجتے تھے، آگ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے، لوگوں پر ظلم کرتے تھے زمین میں فساد بپا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں ایمان اور توحید کی طرف دعوت دی۔ آپ نے انہیں عمدہ طریقہ سے وعظ و نصیحت کی ان کے لیے تفصیل بیان کی۔ ان پر دلیل قائم کی کہ یہ بت نہ فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ آگ نہ بلند کر سکتی ہے نہ نیچا کر سکتی ہے، نہ اذیت دور کر سکتی ہے نہ نقصان روک سکتی ہے۔ نقصان دینے والا، فائدہ پہنچانے والا، حفاظت کرنے والا، بلند کرنے والا، پست کرنے والا صرف وہ اللہ رب العزت ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بادشاہ

ہے، زندہ کرنے والا ور مارنے والا وہی ہے وہ حی و قیوم ہے وہ ان اجرام کا خالق ہے۔ افلاک کا مدبر ہے شب و روز کا خالق ہے، وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے رب تعالیٰ نے آپ کی حجت کی تائید کی۔ آیات اور معجزات کے ساتھ آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ یہی آپ کی عادت مبارکہ تھی حتیٰ کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے اپنے روضہ مبارکہ میں استراحت فرما ہو گئے۔

اس عہد میں اہلِ عرب اپنے عقائد، عادات اور خرافات کے ساتھ سختی سے چمٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے بعض کو راہِ راست سے روکا۔ دلیل پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپ کا مذاق کیا آپ کا تمسخر اڑایا۔ آپ کو اذیت دی۔ غصہ نے آپ کو جوش نہ دلایا۔ اولوالعزمی کا صبر آپ سے جدا نہ ہوا۔ بلکہ آپ نے اذیتوں پر صبر کیا اور دعوت دی۔ آپ کو غصہ بے چین کیسے کر سکتا تھا، اگر پہاڑوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جاتا آپ کا حلم ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جاتا تو آپ کے حلم کا پلڑا نیچے جھک جاتا۔ جب حلم اپنی حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو اسے بزدلی شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح شجاعت جب حد سے گزر جاتی ہے اسے گھبراہٹ کہا جاتا ہے۔ آپ نے جہاد کے ذریعہ اللہ کے حکم سے اپنی ذات بابرکات اور مسلمانوں سے اذیتوں کو دور کیا۔ کوئی غزوہ نہیں مگر اس کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں پر مشرکین نے حملہ کیا تھا جس طرح کہ غزوہ خندق غزوۂ بنی مصطلق یا عہد شکنی کی تھی جیسا کہ غزوۂ بدر۔ آپ نے حملہ آور سے لڑنے کے لیے شمشیر بے نیام نہیں اور دشمن کی طرف ایک تیر بھی نہیں پھینکا۔ مگر جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے حکم آ گیا جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ۪

(البقرۃ: ۱۹۴)

ترجمہ: اور جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اس قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ (التوبۃ: ۳۶)

ترجمہ: اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰)

ترجمہ: برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جو ان مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں جو مسلمانوں کو اذیت دیتے ہیں حالانکہ وہ امن سے ہوتے ہیں۔ کفار اور مشرکین

کے وہ لوگ جو دین حق کے عیب نکالیں ان کے ساتھ بھی جہاد کرنا واجب ہے۔ اگر دین حق پر طعن کرنے والے یہ لوگ دین اسلام کی تاریخ سے جاہل نہ ہوتے اور غزوات کے ان اسباب سے جاہل نہ ہوتے جو حضور ﷺ اور آپ کے بعد صحابہ کرام نے لڑے تو یہ ہمارے دینِ حق پر اس طرح طعن نہ کرتے نہ ہم پر خون ریزی کا الزام لگاتے۔ اسی لیے مسلمانوں پر تا قیامِ قیامت جہاد فرض رہے گا۔ اگر انہوں نے جہاد نہ کیا، خود سے اذیت کو دو نہ کیا اور اس شخص کے سامنے عاجز بنے رہے جو انہیں ذلیل ورسوا کرتا رہا تو یہ دنیا میں ذلیل اور رسوا اور آخرت میں ان کا مواخذہ ہوگا۔

ہم اس کتاب کے اس موضوع اور جہاد کے دیگر موضوعات میں لوگوں کو اپنے شہروں میں جہاد کی ترغیب نہیں دے رہے کہ وہ جنگ کا بازار کسی سبب کے بغیر ہی گرم کر دیں، جبکہ ہم امن کے ساتھ ہوں، خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہوں، عمدہ حالت میں ہوں، بلکہ ہم تو شرعی حکمت کی تشریح اور حکم شرعی بیان کر رہے ہیں کہ ہم مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔ اب ہم دانشمندوں کے لیے اس کی تشریح بیان کرتے ہیں جہاد تا قیامت باقی رہے گا کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جہاد روزِ حشر تک رہے گا۔"

یہ حدیث پاک محکم ہے کسی نسخ، تغییر، تاویل اور تفسیر کو قبول نہیں کرتی جیسے کہ اصول فقہ میں یہ مشہور ہے۔

جہاد کا شرعی حکم

جہاد کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ فرض ہے۔ اس کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ (البقرة:۲۱۶)

ترجمہ: فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو۔

حضور ﷺ کے فرامین بھی اسی کی دلیل ہیں۔ آپ نے فرمایا:

1. "جہاد روزِ حشر تک رہے گا۔"
2. "صدقہ اور جہاد نہ ہو تو کس کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔"

اس ضمن میں بہت سی آیات طیبہ اور احادیث نبویہ وارد ہیں۔

جہاد کی فضیلت

ہم نے جہاد کی فرضیت کی حکمت میں وہ سبب بھی بیان کر دیا ہے جس کی وجہ سے جہاد فرض کیا گیا، بلاشبہ یہ ایک ایسی شرعی حکمت ہے جس کا مقابلہ کوئی فضیلت نہیں کر سکتی۔ کوئی شرف اس کے ساتھ مزاحمت نہیں کر سکتا، خاندان کی حفاظت کرنے، اذیت اور بربادی کو دور کرنے اور نفس، مال اور عزت کی حفاظت کرنے سے کون سی چیز افضل ہو سکتی ہے۔ اس سے رفیع کون ہو سکتا ہے، اس سے عمدہ ذکر کس کا ہو سکتا ہے۔ عنداللہ اجر و ثواب میں اس کے اجر سے بڑھ کر کس کا اجر ہو سکتا ہے اور اس شخص سے بڑھ کر لوگوں میں اور کون فخر کر سکتا ہے، جو راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دے۔ وہ ناموس و عزت کی ردا کو چاک ہونے سے بچا لے۔ اموال کو چھیننے سے بچا لے۔ ارواح کو نکلنے سے بچا لے اور اسلام اور دینِ حنیف کی حفاظت کرے۔ رب تعالیٰ کے ہاں اس سے بڑھ کر بلند مرتبت کون ہو سکتا ہے جو اپنے حق تعالیٰ سے معاملہ کرتا ہے اسے، قرضِ حسنہ دیتا ہے، جس کا نفع جنت ہے جو متقین کا گھر ہے۔ دائمی نعمتیں ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ نفس اور مال کے ساتھ جہاد کرنے والوں کی عظمت کو جانو تو ہم تمہارے لیے بعض آیاتِ طیبات اور احادیثِ مبارکہ پیش کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء: ۹۵، ۹۶)

ترجمہ: نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان سوائے معذوروں کے اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھنے والوں پر درجہ میں اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا لیکن فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے والوں پر اجرِ عظیم سے

(ان کے لیے) بلند درجے ہیں اللہ کی جناب سے اور نوید بخشش اور رحمت ہے
اور ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا۔

ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (التوبۃ:۲۰)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑا ہے (ان کا درجہ) اللہ کے نزدیک اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبۃ:۱۱۱)

ترجمہ: اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔

یہ آیات طیبات ان مجاہدین کی فضیلت کو بیان کرتی ہیں جو راہِ خدا میں اپنے اموال اور نفوس کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ ان آیات بینات کی تفسیر کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ (التوبۃ:۱۱۱)

ترجمہ: لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔

اس سے مراد یہ نہیں کہ ان کا قتل ہونا لازمی امر ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ جہاد کرتے ہیں، خواہ وہ شہید ہوں یا نہ۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو یہ ایک ظاہر اور عیاں امر ہے۔ اگر وہ شہید نہ ہوں تو ان کا اجر ہی ان کے لیے کافی ہے، انہوں نے جان کی بازی لگا دی۔ انہوں نے اپنے نفس کو موت کے لیے پیش کر دیا، دنیا اور اس کی زیب و زینت کی پرواہ نہ کی۔ انہیں اس خیال نہ نے ستایا کہ ان کے بعد ان کے اہل، اموال اور اولاد کا کیا بنے گا؟ انسان کے نزدیک اموال اور اولاد کی کیا حیثیت ہے اس کی شرح کی ضرورت قطعاً نہیں۔

اب ہم آپ کے سامنے وہ احادیث طیبہ بیان کرتے ہیں جو جہاد کی فضیلت میں ہیں۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کی:

"میری راہ نمائی اس عمل کی طرف کریں جو جہاد کے ہم پلہ ہو۔"

آپ نے فرمایا:

''ایسا کوئی عمل نہیں پاتا۔''

اس سے عیاں ہوا ہے کہ جہاد ساری قربات سے زیادہ قربت اور صفات اور اطاعات میں سب سے بڑھ کر ہے۔

اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ وہ شخص جو راہِ خدا میں جہاد کر رہا ہوتا ہے کائنات کا کوئی شخص اس کا موازنہ نہیں کر سکتا اس کا رتبہ سارے رتبوں سے بالاتر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ تم میں سے کسی کا راہ خدا میں جہاد کرنا اس کے گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ رب تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے اور تمہیں جنت میں داخل کر دے، راہِ خدا میں جہاد کرو جس نے اونٹ پر سوار ہو کر راہِ خدا میں جہاد کیا اس کے لیے جنت لازم ہو گئی۔''

''ستر'' سے مراد اس تعداد کا تعین نہیں بلکہ اس سے کثرت مراد ہے۔ ''اونٹ'' سے مراد یہ ہے کہ مجاہد ہر اس سواری پر سوار ہو کر جہاد کرنے جو اس کے لیے ممکن ہو خواہ وہ اونٹنی ہو یا گھوڑا۔ گھوڑا افضل ہے۔ آپ نے فرمایا:

''راہِ خدا میں جہاد کرنے والا، رب تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ راہِ خدا میں کس کے ساتھ جہاد کر رہا ہوتا ہے وہ روزہ دار، قیام کرنیوالے، خشوع اور رکوع اور سجدہ کرنے والے کی طرح ہے۔''

یہ حدیث مبارک بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مجاہد اس شخص کی طرح ہوتا ہے جس کی عبادت لیل و نہار میں کسی وقت بھی منقطع نہیں ہوتی۔ وہ اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھے، رات کو قیام کرے، خشوع، رکوع اور سجدہ کرے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کوئی قوم بھی راہِ خدا میں جہاد ترک نہیں کرتی، مگر رب تعالیٰ اسے رسوا کر دیتا ہے۔''

حضور ﷺ نے سچ فرمایا ہے، اس امر کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، یہ کائنات کے ہر فرد کے لیے عیاں ہے۔ کیونکہ وہ شخص جو اپنے نفس، دین اور وطن کا دفاع نہیں کر سکتا، وہ اپنے مال، عزت اور قابل حفاظت چیزوں کی حفاظت نہیں کرتا وہ ذلیل و رسوا ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ ذلت و رسوائی بہت قبیح چیز ہے، یہ جذبات پر موت طاری کر دیتی ہے۔ نفوس کے لیے درد و آلام پیدا کرتی ہے

ساری زندگی کو شقاوت اور مصیبت کی دلدل میں پھینک دیتی ہے۔ مجاہد کے لیے یہ ثواب عظیم ہے۔ اگرچہ اسے جہاد پر مجبور کیا جائے، کیونکہ انسان کو ان امور پر بھی ثواب ملتا ہے۔ جنہیں بعض اوقات وہ مجبوراً اختیار کرتا ہے، اس مجاہد کی کیفیت کیا ہوگی جو اپنے نفس اور مال کے ساتھ برضا ورغبت جہاد کرتا ہے، نہ کہ جبر اور اکراہ کے ساتھ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اقوام میں سے ہر ہر قوم کے وہ افراد اور دیگر افراد سے عمدہ سمجھے جاتے ہیں جو جنگ کے فنون سے آشنا ہو جو سپہ سالار اور کمانڈر ان چیف ہوں۔ حتیٰ کہ وہ اقوام ان پر فخر کرتی ہیں حتیٰ کہ وہ اقوام جن کے پاس اسلحہ کثرت کے ساتھ ہو، کثیر فوج ہو وہ اپنی قوت اور فوج کی کثرت پر فخر کرتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم اس محبت سے جاہل نہیں ہیں جو سب سے بڑی نعمت ہے۔ ہر بھلائی کا مجموعہ ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامرانی کی ضامن ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ رب تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝

(الصف: ۴)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے (ان مجاہدوں) سے جو اس کی راہ پر جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اسی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اور مجاہدین کو دیگر لوگوں سے ممتاز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ (آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ: اور ہرگز خیال نہ کرو جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق دیے جاتے ہیں۔

جو کچھ اس ضمن میں کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مجاہدین کا ثواب منقطع نہیں ہوتا۔ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے الا یہ کہ وہ خیر کے آثار چھوڑ جائے جن کا فائدہ اسے پہنچتا رہے۔ اس مجاہد کا ثواب منقطع نہیں ہوتا جو شہید ہو جائے خواہ اس نے کوئی عمدہ چیز چھوڑی ہو یا نہیں۔ اس کا فائدہ اسے اس کی وفات کے بعد ملتا رہے گا۔ کیونکہ جو ثواب اسے جہاد کی وجہ سے ملتا

ہے اس کا فائدہ بہت بڑا اور اس کی بھلائی عظیم ہوتی ہے۔

اس جگہ اس امر کی مزید تشریح ممکن نہیں، اس کے لیے طویل وقت درکار ہے۔ اس بحث و مباحثہ میں بہت وسعت ہے۔ لیکن اس قدر کافی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے۔ اس سے تمہیں اجمالاً مجاہدین کی فضیلت کا علم ہو گیا ہوگا۔

جہاد بالمال کی حکمت

اگر کوئی شخص جہاد بالنفس کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ بذاتِ خود میدانِ جنگ میں نہ جا سکتا ہو یا تو اس کے اعضاء کمزور ہوں یا فنونِ حرب سے نا آشنا ہو تو رب تعالیٰ نے اس کے لیے مال کے ساتھ جہاد کرنا پسند فرمایا ہے، تاکہ اس کی نعمت کبریٰ اور ثواب جزیل محروم نہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر وہ جنگ کے فن سے آشنا تو ہو مگر اپنے مال سے جہاد کرے، بعض اوقات جہاد بالمال افضل ہو جاتا ہے۔

اس میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کے ساتھ جہاد کرنے والے اور مال کے ساتھ جہاد کرنے والے کے مابین مساوات قائم کی ہے بلاشبہ مال سے اسلحہ، ہوائی اور سمندر جہاز، توپیں، بندوقیں، قلعے تباہ کرنے والے آلات، گھوڑے اور مخصوص جانور خریدے جاتے ہیں جو مخصوص اطراف کی طرف سامان منتقل کرتے ہیں، اسی طرح مال سے ہر وہ چیز خریدی جاتی ہے جو زادِ راہ بن سکے یا جنگی تیاری میں کام آ سکے اس طرح کہ اگر پوری تیاری نہ ہو تو بعض اوقات موت شہ رگ سے بھی قریب نظر آتی ہے اس کی مثال یہ ہے:

> ''اگر کوئی ایسی قوم ہو جس کی تعداد کئی ملین ہو ہر کوئی اسلحہ سے خالی ہو، اس پر ایسا لشکر حملہ آور ہو جائے جو اسلحہ سے لیس اور ہتھیار بند ہوں وہ پوری تیاری کے ساتھ ہو تو اس پر غلبہ پا لے گا، اسے برباد کر کے رکھ دے گا، اس لشکر کو کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ قوم مسلح ہوگی تو وہ اپنا دفاع کرے گی، مال اس وقت مجاہدین کے لیے ستون کا کام کرے گا اگر وہ نہ ہو تو انہیں جہاد پر قدرت نہ ہوگی۔''

مجاہدین میں سے افضل وہ ہے جو اپنی دونوں عزیز چیزیں نفس اور مال قربان کر دے۔ حریم ناز سے دو اجر پائے گا، اب ان آیاتِ طیبات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو اس مجاہد کے حق میں

نازل ہوئیں جو اپنے مال کے ذریعے جہاد کرتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝ (البقرۃ:۲۶۱)

ترجمہ: مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہی ہے جیسے ایک دانہ اگاتا ہے سات بالیاں اور ہر بالی میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے۔

اس عظیم دوگنا اجر میں حضور ﷺ نے اضافہ کی کی درخواست کی۔ عرض کی:

"مولا! میری امت کے لیے اور اضافہ فرما۔"

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ

(البقرۃ:۲۴۵)

ترجمہ: کون ہے جو دے اللہ کو قرضِ حسن تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا۔

سید الخلق ﷺ نے عرض کی:

"مولا! اور اضافہ فرما۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۝ (الزمر:۱۰)

ترجمہ: (مصائب و آلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

رب تعالیٰ کی جانب سے ان گنت اور بے شمار جزا ہوگی۔

اب ان بعض احادیث طیبہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو جہاد بالمال کی فضیلت میں ہیں، حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا:

"جس نے راہِ خدا میں خرچہ بھیجا۔ پھر وہ اپنے گھر میں ٹھہرا رہا۔ اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم کا ثواب ملے گا۔ جس شخص نے بذاتِ خود جہاد میں حصہ

لیا اور ایک اعتبار سے خرچہ بھی کیا اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم کا ثواب ملے گا۔"

کئی گنا اجر کی وجہ عیاں ہے۔ کسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جس نے فی سبیل اللہ مجاہد کی اعانت کی یا کسی مقروض کی تنگدستی میں اعانت کی یا کسی مکاتب کی مکاتبت میں اعانت کی، رب تعالیٰ اسے اپنا سایہ اس روز عطا کرے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔"

آپ نے فرمایا:

"جس نے راہِ خدا میں کسی کو گھوڑے پر سوار کیا۔ خود اپنی جگہ ٹھہرا رہا۔ رب تعالیٰ اس کے لیے اس شخص کا اجر اس شخص کی طرح اس وقت تک جب تک وہ گھوڑا باقی رہے جو آدمی اپنے مال اور نفس کے ساتھ جہاد کرتے ہو صبر کے ساتھ جنگ آزما ہو۔"

آپ نے فرمایا:

"جس شخص نے کھانا کسی مجاہد کے قریب کیا، رب تعالیٰ اس کے لیے جنت میں دسترخوان بچھائے گا، جس سے ثقلین سیر ہو کر اٹھیں گے۔"

آپ نے فرمایا:

"جس نے راہِ خدا میں مجاہدین کی خدمت کی تو اسے ہر ایک کے اجر سے ایک قیراط اجر ملے گا۔ ان کے اجروں میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ مجاہدین میں سے افضل ان کا خادم اور ان کے جانور چرانے والا ہوتا ہے۔"

اس جگہ افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ جنگ میں خادم اور چرواہا دونوں خطرے کی زد میں ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایسے اعمال سرانجام دیتے ہیں، جنہیں خسیس سمجھا جاتا ہے اسی لیے ان کا اجر زیادہ کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے بھی کسی مجاہد کے بارے سنا وہ اٹھ کر اس کی طرف کیا تا کہ اس کی ضروریات میں سے کسی ضرورت کو پورا کرے یا اسے سلام کرے، وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح وہ اس روز پاک تھا جس روز اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ وہ روزِ حشر شہداء کے ساتھ اس کا رفیق

ہوگا۔جس نے کسی مجاہد کو سامان دیا، حتیٰ کہ وہ سامان اسے مستقل دے دیا تو اسے اسی طرح اجر ملے گا، حتیٰ کہ وہ فوت ہو جائے۔"

یہ امر صرف نفس اور مال تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے دشمن مغلوب ہو جائے حتیٰ کہ خطیب اور شاعر بھی اسی میں شامل ہیں۔ ان کی بلاغت مجاہدین کے دلوں میں حمیت اور شجاعت پیدا کرتی ہے، کتابیں ان خطبات سے بھری ہیں جو خلفائ، امراء اور قائدین جہاد کی ابتدا میں دیتے تھے۔

جہاد کی تیاری میں حکمت

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب حکیم میں فرماتا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔(الانفال:٦٠)

ترجمہ: اور تیار رکھو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت و طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تاکہ تم خوفزدہ کر دو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو۔

یہ آیت طیبہ سارے مطلوب کو جمع کیے ہوئے ہے۔ اس نے ہر مرغوب چیز کا احاطہ کرلیا ہے۔ اس نے دشمن پر غلبہ کے دروازوں میں سے کسی دروازہ کو نہیں چھوڑا مگر اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ کیونکہ قوت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو دشمن کے خلاف مددگار ہو خواہ اس کا تعلق اقوال، افعال، آرائ، دھوکہ حتیٰ کہ جھوٹ سے بھی ہو۔ بشرطیکہ اس میں نقصان ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جنگ دھوکہ ہی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ جہاد کی ساری اقسام میں ماہر تھے۔ ہر وہ چیز جس سے آپ کو غلبہ ملتا آپ اسے قوت شمار کرتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی قوت ہے کہ سپہ سالار بطور احتیاط اس سڑک کی بھی حفاظت کرے جہاں سے فوج نے واپس آنا ہے تاکہ لشکر کو اس وقت کسی خطرہ کا سامنا نہ کرنا پڑے جب دشمن کی قوت اسے واپس ہو جانے پر مجبور کرے یہ بھی قوت ہے کہ اسلحہ کو جدید اور نیا بنایا جائے۔ ایسا اسلحہ نہ بنائیں جو جلد ٹوٹ جانے والا ہو یا شکستہ ہو جانے والا ہو۔ اسی طرح یہ بھی قوت

ہے کہ مختلف جاسوس مقرر کیے جائیں تا کہ وہ دشمن کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کریں، کہ اب اس کی فوج کہاں فروکش ہے۔ اب کہاں جا رہی ہے، اسی طرح دشمن کے قائدین کے اندر نفرت اور نزاع کے بیج بونا بھی قوت میں سے ہے حتیٰ کہ جب ان کے مابین نفرت اور جھگڑا محکم ہو جائے تو ان کی قوت کمزور ہو جائے، اور مجاہدین کے لیے ان پر غلبہ پا لینا آسان ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی قوت ہے جنگ کے لیے جانے سے قبل اور جنگ کے دوران فوج کو ایسے خطبات دینا جوان کی شجاعت کو بڑھا دیں اور جو بہادر نہ ہو اسے بہادر بنا دے۔

اسلف صالح جب جہاد کے لیے جانے کا ارادہ کرتے تو اس طرح صدا لگاتے، "الصلاۃ جامعۃ" مسلمان مسجد میں جمع ہو جاتے خلیفہ یا والی وقت ان کے سامنے تقریر کرتا جس میں جہاد کی فضیلت بیان کرتا مجاہدین کا اجر وثواب بیان کرتا جب مسلمان قوم عازم سفر ہوتی تو اس کے دل جرأت، شجاعت، دین اور وطن پر غیرت سے لبریز ہوتے۔ وہ کسی خوف اور ڈر کے بغیر ہی جنگ کی طرف عازم سفر ہو جاتے۔ اس طرح وہ دشمن پر غلبہ پا لینے میں کامیاب ہو جاتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو بڑا جرأت افزا خطبہ دیتے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی اس وقت ایسا ہی خطبہ سنا تھا جب وہ پہلے اندلس پر حملہ آور ہوئے تھے۔

عصر حاضر کے ایک عیسائی مورخ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سچ لکھا ہے کہ اتنی مختصر مدت میں اہلِ عرب کو کیسے کامیابی نصیب ہوگئی۔ وہ لکھتا ہے کہ ان میں ایک جنگ کی طرف جاتا اسے صحیح وسالم واپس آنے کی کوئی رغبت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ اسے سب سے پسندیدہ چیز یہ ہوتی تھی کہ اسے تلواروں کے سایہ کے نیچے موت نصیب ہو جائے۔ اسے گھوڑوں کے کھروں کے نیچے موت آ جائے تا کہ وہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہو سکے، اور جنت میں ابدی نعمتوں کو حاصل کرے۔

اس مؤرخ نے اگرچہ اس موضوع پر سچ کہا ہے لیکن اس نے اس نصرت کی علت اور سبب بیان کرنے میں واضح خطا کی ہے، اس نے لکھا ہے:

> "اسلام اتنی تیزی سے اس لیے پھیلا ہے کیونکہ یہ اس زمانہ میں ظاہر ہوا جب ایران کی حکومت کمزور ہو چکی تھی، اس کے پاس قوت نہ تھی اسی طرح اہلِ روم بھی کمزور ہو چکے تھے، وہ اندرونی مشکلات اور دینی اختلافات کا شکار ہو چکی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اہلِ عرب جنگی میدانوں کی طرف بھاری بھر کم سامان بھی اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کو مٹھی بھر گندم

کافی ہو جاتی تھی۔ وہ اسے سفوف (آٹا) بنا کر استعمال کرتے تھے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ لیکن اہلِ روم اور اہلِ فارس کے حالات ان کے برعکس تھے۔ انہیں میدانِ جنگ میں جانے کے لیے بہت سے سامان کی ضرورت ہوتی تھی۔ مثلاً خیمے، شامیانے اور کھانے پکانے کے برتن اسی لیے دیگر سامان جسے اٹھانے کے لیے گھوڑوں، خچروں، اونٹوں اور ہاتھیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔"

کاش یہ مورخ جان لیتا کہ اس عہد ہمایوں میں مجاہدین باہم مشاورت کرتے تھے جس طرح کہ رب تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا۔ مثلاً مکمل تیاری کرنا، فوج کو زیادہ سے زیادہ تیار کرنا، دشمن کی قوت یا کمزوری کے بارے صحیح معلومات لینا، وہ صحیح معنی میں مجاہدین تھے، وہ طالب دنیا نہ تھے نہ ہی باغی تھے۔ بلکہ وہ دین اور وطن کے محافظ تھے۔ رب تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اس کی نصرت کے لیے اور دشمن پر غلبہ پانے کے لیے انہوں نے اپنے خالق کریم کے ہاں خود کو بیچ ڈالا تھا۔ تو وہ مورخ یہ فاسد سبب بیان نہ کرتا اسلام کا ظہور اس وقت ہوا جب ایرانی حکومت اتنی طاقتور تھی کہ قوت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طرح رومیوں کی حکومت کا حال تھا۔ حضور سپہ سالار اعظم راہِ خدا میں دین کی حدود عزت مال اور وطن کا دفاع کرتے ہوئے جہاد کرتے تھے۔ آپ نہ تو دنیا کے طالب تھے اور نہ ہی دنیا چھیننا چاہتے تھے، نہ خونریزی کے خواہشمند تھے کیونکہ ظلم، ستم، ناحق خونریزی برے انجام، شکست اور بزدلی کے بڑے بڑے اسباب ہیں۔ اسی لیے مسلمان جب جہاد کے لیے جاتے تھے تو ان کے خلفاء اور امراء انہیں یہ حکم دیتے تھے یہ وصیت کرتے تھے کہ کسی عمر رسیدہ بوڑھے، کسی عورت، بچے، مریض اور راہب کو قتل نہ کریں کیونکہ یہ لوگ جنگ میں شرکت نہیں کرتے۔ یہ تلواروں کی جھنکار کے سامنے اور جنگجوؤں کے باہم نبرد آزما ہوتے وقت خود مصیبتوں میں بے دھڑک چھینک نہیں دیتے۔

کیا تم نے سنا ہے یا تاریخ نے تمہیں بتایا ہے کہ حضور ﷺ نے کسی آزاد عورت کو بغاوت پر مجبور کیا ہو اور اگر اس نے اطاعت نہ کی ہو تو اسے اذیت دی ہو کیا آپ نے کسی ایک ہی ایسی قوم پر غارت گری کی ہو جو اپنے شہروں میں امن سے رہ رہی ہو اور جنگ کے ساتھ ان پر غلبہ پالیا ہو۔ مسلمانوں کو ایسے ہی اخلاقِ عالیہ سکھائے گئے تھے۔ انہوں نے ایسی ہی بلیغ حکمتوں پر عمل کیا، انہوں نے اسی سالوں میں ان شہروں اور ملکوں کو فتح کیا جس کی مثال گزشتہ اور موجودہ

اقوام میں ملنا محال ہے، انہوں نے ایران کی حکومت کو شکست دی، اہلِ روم کو ہزیمت سے دوچار کیا، شام پر غلبہ پایا، ان کی فتوحات کا دائرہ ایشیاء میں چین تک پہنچ گیا، افریقہ کا اغلب حصہ مغلوب کر لیا، یورپ کے ایک حصہ پر بھی چھا گئے، یہ سب کچھ اس قوت کی ہمہ جہت سامان کی فراہمی کی وجہ سے تھا جو ان کے لیے ضروری تھا مثلاً تعداد، تیاری، قلعہ بند ہونا اور محفوظ مقامات پر جانا وغیرہ۔ لیکن اب کیفیت وہی ہے جو اس شاعر نے بیان کی ہے:

کم اردنا ذاک الزمان بمدح فشغلنا بذم ھذا الزمان

ترجمہ: ہم نے کتنا ہی ارادہ کیا کہ اس زمانہ مبارکہ کی تعریف میں مشغول ہوں، لیکن ہم اس زمانہ کی مذمت بیان کرنے میں مشغول ہو گئے۔

اسلام عدل سے پھیلا ہے تلوار سے نہیں

ان لوگوں کو نہ جانے کیا ہے جو دین اسلام پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ یہ بربریت کا دین ہے یہ خونریزی کرتا ہے، حقوق غصب کرتا ہے، وہ اپنے روزانہ کے اخبارات میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں، کتابیں بھی اسی موضوع پر تالیف کرتے ہیں، لیکن وہ قرآن پاک کو گہری نظر سے نہیں دیکھتے، نہ ہی احادیث طیبہ کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ وہ حقیقت سے آگاہ ہوں، وہ صحیح رستہ تک پہنچ سکیں۔ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان نہیں پڑھا جو اس نے اپنے محبوبِ کریم ﷺ کو اس وقت فرمایا تھا جب اس نے انہیں سارے لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، اس نے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

(النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: (اے محبوب) بلایئے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجیے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا راستہ سے اور خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

کیا اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنے خاندان کو انتہائی نرم لہجہ میں دعوتِ اسلام نہیں

دی۔ آپ کے پاس جو وفد حاضر ہوتے تھے کیا وہ تلوار کے خوف سے حاضر ہوتے تھے یا اس دینِ حق میں رغبت رکھتے ہوئے آتے تھے جو ہر بھلائی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے منع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ سے فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے پاس سے۔

آپ لوگوں پر بہت زیادہ رحم فرمانے والے تھے۔ کمزور اور شفیق اور مہربان تھے۔ آپ میں ایسے اخلاقِ عالیہ تھے اگر انہیں ثقلین (جن وانس) میں تقسیم کر دیا جائے تو کائنات میں ایک شخص بھی فاسق وفاجر نہ رہے، بلکہ سارے لوگ ملائکہ مقربین کی پہلی صف میں ہوں، کیا ہم نے کبھی سنا ہے یا تاریخ نے ہمیں بتایا ہے کہ آپ نے کبھی کسی شیر خوار بچے کو مارنے کا حکم دیا ہو یا عمر رسیدہ بوڑھے یا پردہ نشین عورت کو مارنے کا حکم دیا ہو، کیا ہم نے سنا یا تاریخ نے ہمیں بتایا کہ آپ نے کبھی کمزور پر کسی قوم کی مدد کی ہو یا مظلوم پر کسی ظالم کی مدد کی ہو۔ یا صرف کسی دوسری قوم کے افراد پر حدود جاری کیں ہو۔ آپ کے سامنے تو ہمہ وقت رب تعالیٰ کا یہ حکم رہتا تھا۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

بلاشبہ اسلام دین عدل اور لوگوں کے مابین مساوات کا دین ہے۔ اس کے نزدیک قوی اور ضعیف میں کوئی فرق نہیں عالم اور جاہل، غنی اور فقیر، مالک اور غلام میں کوئی فرق نہیں۔ لوگوں میں سے اس کے نزدیک افضل وہ ہے جو پاکباز، متقی اور پاک دامن ہو۔ اس کی عزت ہر قسم کے میل کچیل سے پاک ہو، خواہ وہ فقراء میں سے کوئی فقیر ہو یا بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہو۔ اس کے نزدیک لوگوں میں سے خبیث لوگ وہ ہیں جو گمراہ اور بھٹکے ہوئے ہوں، مکر وفریب کے دھنی ہوں فاسق وفاجر ہوں، ناحق خون بہانے اور ظلم کرتے ہوئے بچوں کو یتیم کرنیوالے اور عورتوں کو بیوہ کرنے والے ہوں۔ وہ شفقت ورحمت، محبت اور نرمی سے محروم ہوں۔ یہی وہ بدنصیب لوگ ہیں جن پر رب تعالیٰ کا غضب ہوا ان پر اس نے لعنت کی اور عذاب ان پر حق ثابت ہو گیا۔ دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے وہ بڑے قیصر، عظیم کسریٰ، تاج والے اور ڈنڈے والے ہوتے ہیں۔

اے اسلام پر طعن کرنے والو! ذرا سیرت مصطفی ﷺ پڑھ کر دیکھو آپ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرو، تو واضح فضل، ظاہر عدل، ظاہر خلق، مکارم اخلاق، فضائل، محامد، عمدہ شمائل کو پاؤ گے تم علم کو پھیلتے ہوئے اور ظلم کے نشانات مٹتے ہوئے پاؤ گے۔ عادلت ختم ہوگئیں یا مہذب ہوگئیں۔ دل نفرت کے بعد باہم مل گئے۔ تعلقات ٹوٹنے کے بعد جڑ گئے۔ جزیرۃ العرب جو جنگوں اور جھگڑوں کی جگہ تھی وہاں سے جنگیں ختم ہوگئیں۔ جدل اور قتال کے میدان ختم ہوگئے۔ وہاں بعض اوقات کئی کئی سالوں تک جنگ صرف اس لیے رہتی تھی کیونکہ ایک خارش زدہ اونٹ کو مار دیا گیا تھا یہ سب کچھ اس عدل کا نتیجہ ہے جو عرب کے شہروں میں پھیل گیا۔ وہ پھیلتا گیا حتیٰ کہ وہ دور دراز کے ملکوں، مثلاً چین، ہندوستان، ایران، عراق، شام، بلقان، حبشہ، سوڈان، مصر، مراکش، الجزائر، تیونس، مغرب کے علاقوں، افریقہ کے نامعلوم مقامات، امریکہ اور روس تک پہنچ گیا یہ آج تک پھیلتا ہی جا رہا ہے حتیٰ کہ یہ جاپان تک پہنچ گیا ہے۔

حضور ﷺ قرآن پاک کے احکام پر عمل پیرا ہے حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا، آپ اپنے روضہ مبارکہ میں استراحت فرما ہو گئے، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی پیروی کی انہوں نے حدود قائم کیں عدل کے میناروں کو بلند کیا۔ عرفان کے جھنڈے پھیلائے ان ممالک میں حق کو قائم کیا جن کو انہوں نے فتح کیا تھا، ان لوگوں میں حق قائم کیا جن کو سرنگوں کیا تھا۔ لوگ دینِ الٰہی میں گروہ در گروہ داخل ہونے لگے۔ کیونکہ یہ عقل، تمدن اور مساوات کا دین ہے۔

اے دینِ اسلام پر طعن کرنے والو! تمہاری نظروں سے جبلہ بن الایھم کا واقعہ گزرا ہے تم کیا جانتے ہو کہ جبلہ بن الایھم کون تھا۔ یہ بنو غسان کا سردار تھا۔ ان کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ اس نے دین میں رغبت رکھتے ہوئے اسلام قبول کر لیا، تلوار کے خوف سے اسلام نہیں لایا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حج ادا کرنے کے لیے گیا۔ جو حج کا ایک منسک ادا کر رہا تھا کہ اس کی چادر کی ایک طرف بنوخزارہ کے ایک غریب شخص نے خطاءً روند ڈالی۔ اس کا یہ ارادہ یا قصد نہ تھا۔ جبلہ نے اس غریب کے چہرے پر طمانچہ دے مارا۔ بنوفزارہ کا وہ شخص یہ معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جبلہ سے کہا:

"یا قصاص دو یا اس فزاری کو راضی کر لو۔"

جبلہ کو عزت نے آلیا۔ اسے بادشاہی کی کروفر اور جاہلیت کی حمیت نے آلیا۔ اس نے ایک چال چلی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ اسے کل تک کی مہلت دیں۔ تاکہ وہ اپنے

معاملہ میں غور و فکر کر سکے۔ انہوں نے اسے مہلت دی۔ جب رات پڑی تو وہ اپنی قوم کو لے کر شام پھر قسطنطنیہ چلا گیا، اس کی قوم پچاس سو افراد پر مشتمل تھی۔ ان سب نے نصرانیت اختیار کر لی، یہ سب کچھ نصرانیت میں رغبت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ یہ اس عدل سے فرار تھا جس کے بادشاہ اور غریب کو برابر کر دیا تھا۔ ہرقل انہیں دیکھ کر بڑا خوش ہوا ان کی تکریم کی پھر جبلہ کو اپنے اس فعل پر ندامت محسوس ہوئی، لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ حتیٰ کہ موت نے اسے آلیا۔ وہ دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو گیا۔ اس نے یہ اشعار کہے تھے:

تنصرت الاشراف من عار لطمة ۔۔۔ وما کان فیھا لو صبرت لھا ضرر

تکنفی فیھا لجاج و نخو ۔۔۔ وبعت لھا العین الصحیحۃ بالعور

کافیا لیت امی لم تلدنی و لیتنی ۔۔۔ رجعت الی القول الذی قالہ عمر

ترجمہ: سرداروں نے ایک تھپڑ کی عار کی وجہ سے نصرانیت اختیار کر لی۔ اگر وہ صبر کرتے تو اس میں کوئی عار نہ تھی۔ مجھے اس میں رسوائی اور نخوت نے آلیا، میں نے اندھی آنکھ کے بدلے صحیح آنکھ بیچ ڈالی، کاش! میری ماں مجھے جنم نہ دیتی، کاش! میں اس فرمان کی طرف لوٹا آتا جو حضرت عمر نے فرمایا تھا۔

جی ہاں! اگر جبلہ انصاف کرتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان کی طرف لوٹ آتا۔ وہ ایسی ہستی تھی جن کو خلافت کے کروفر اور دینی ریاست کی عظمت نے دھوکہ میں نہیں ڈالا تھا، بلکہ وہ تو صبح و شام مسلمانوں کے امور میں مستغرق رہتے تھے، ان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے صدقہ کے اونٹ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال خود کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عراق کے سرداروں کا وفد لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو ظہر کا وقت تھا۔ اس دن گرمی بہت سخت تھی۔ انہوں نے حضرت عمر کے بارے پوچھا۔ انہیں بتایا کہ وہ مدینہ طیبہ کی بلند زمین کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت سعد اور ان کا وفد ان کی طرف گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنا عمامہ باندھے کھڑے ہیں اور مسلمانوں کے بیت المال کے صدقہ کے اونٹوں کو تیل مل رہے ہیں۔ حضرت سعد نے انہیں سلام کیا اور کہا:

"امیر المومنین! آپ نے بیت المال کے غلاموں میں سے کسی غلام کو یہ حکم کیوں نہ دیا کہ وہ یہ مشقت برداشت کرتا۔"

حضرت عمر نے فرمایا:

"سعد! مجھ سے اور آپ سے بڑھ کر اور کون بندہ ہے۔ اپنی چادر اتارو اور آؤ، امیر المومنین کی مدد کرو۔"

حضرت سعد حضرت عمر فاروق کا حکم بجالائے۔

اگر ہم مورخ ہوتے تو ہم خلفاء راشدین کی مبارک زندگیوں اور بادشاہوں اور سلاطین کی زندگیوں میں سے بہت سے ایسے واقعات لکھتے۔ اس سے بڑھ کر عدل کی مثال بیان نہیں ہوسکتی، یہ اسلام کے عدل کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اسلام بذاتِ خود پھیلتا گیا

اسلام ایسا امر لے کر آیا جو انسان کی مادی اور ادبی زندگی کے لیے کافی ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ دین و دنیا کی اصلاح کے لیے آیا۔ دوسرے ادیان کے دانشمندوں نے دین اسلام کے اصول، فروع اور احکام میں غور وفکر کیا تو وہ اس کے سامنے رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے، وہ اس کی حکمت باہرہ، آداب کاملہ اور ان فضائل کے سامنے سر تسلیم خم ہو گئے جو قریب ہے کہ نفوس کو ملائکہ مقربین کے درجہ تک پہنچا دیں، صرف تئیس سال کی قلیل مدت میں ہزاروں لوگوں نے یہ دین حق قبول کیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا، انہوں نے مجبور ہو کر اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں فرمایا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ (البقرۃ:۲۵۶)

ترجمہ: کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں۔

لوگ آپ کی خدمت عالیہ میں وفدوں کی صورت میں گروہ در گروہ، تنہا، مرد و خواتین، بوڑھے اور جوان غریب اور امیر حاضر ہوتے تو رب تعالیٰ کے کلمہ کے اعلائ، نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور قرآن پاک کے احکام پر عمل پیرا ہونے پر آپ کی بیعت کرتے، وہ قرآن حکیم کی منہیات سے رک جانے پر آپ کی بیعت کرتے۔ پھر وہ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹ جاتے۔ اپنی قوم میں اسلام کی تعلیمات پھیلاتے۔ ان کے لیے اس کی حکمت باہرہ اور آداب کاملیہ عالیہ بیان کرتے۔ لوگ گروہ در گروہ اسے قبول کرنے لگے بہت سے قبائل، خاندانوں نے اسے قبول کیا۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر: ۱ تا ۳)

ترجمہ: جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور (فتح نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجیے (اور اپنی امت کے لیے) اس سے مغفرت طلب کیجیے بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

جب آپ کا وصال ہو گیا قرآن پاک بستیوں اور شہروں میں پھیل گیا۔ لوگوں نے اسے پا لینے کی سعادت حاصل کی تو اسلام تیزی سے پھیلنے لگا حتیٰ کہ ایک ہی صدی میں اس کا نور تاباں دنیا کے اکثر حصوں میں غالب آ گیا۔ یہ باطل کے سامنے حق تھا اور حق اس سے کہیں قوی ہوتا ہے کہ باطل پرستوں کے ظلم و ستم اس کی شوکت کو کم کر سکیں۔ ہم دیگر ادیان کو قبول کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک امت سے ہوتے ہیں، ان کا تعلق ایک قوم سے ہوتا ہے، تم یہودیوں کو اس معروف قومیت میں ہی پاؤ گے۔ مختلف ممالک اور شہروں میں ان کا منتشر ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ عیسائیت بشارت اور ترغیب کے ذریعے پھیلی، طویل مدت میں پھیلی۔ اس میں مذہبی اختلافات بھی رونما ہوئے، ان کے مبلغین مختلف طریقوں سے لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ درہم و دینار کا لالچ بھی دیتے ہیں بدھ مذہب ہندوستان، چین اور جاپان سے آگے نہ بڑھ سکا، کانفوشیوس کی یہی حالت ہے، اسی طرح براہمہ کے بارے بھی یہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کے بارے کہا جا سکتا ہے، لیکن اسلام وہ دین حق ہے جسے قلیل مدت میں ان گنت لوگوں نے قبول کیا جن کا تعلق مختلف اقوام اور قبائل کے ساتھ تھا۔ اس میں درہم و دینار کا لالچ بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ شمشیر بے نیام سے کسی کو مجبور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ دینِ اسلام بذاتِ خود ان حادثات کی وجہ سے پھیلا جن میں سے ایک واقعہ (چنگیز خان کا واقعہ) ہم بیان کرتے ہیں۔

بعض اوقات مسلمانوں نے اپنے دینی امور کے بارے تفریط سے کام لیا۔ وہ راہِ راست سے ہٹ گئے، وہ گمراہی کے رستہ پر چل پڑے، دین حق اس قائد کی طرح رک گیا جسے اس کے مددگار اور اعوان رسواء کریں۔ مسلمانوں کے ملکوں میں تتاری قوم آ گئی جن کی قیادت چنگیز خان کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے سوار اور پیادہ فوج نے حملہ کر دیا وہ شہروں میں گھس گئے اور قتل کرنے لگے۔ غارت مچانے لگے وہ لوٹ کھسوٹ کرنے لگے، انہوں نے شہر برباد کر دیے انہوں نے

مسلمانوں کو مصیبت سے دوچار کر دیا انہیں اذیت میں مبتلا کر دیا، لیکن ان کی نسل سے مسلمانوں کے شہروں میں ایسے لوگ آئے جو اپنے لوگوں کے پاس اسلام کی تعلیمات لے کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے نورِ اسلام کی طرف ان کی راہ نمائی کی۔ روس کے مسلمان ایسے لوگوں کی اولاد میں سے ہیں، جس نے یہ کہا ہے اس نے سچ کہا ہے:

''وہ اپنی بدبختی کے لیے آئے لیکن اپنی سعادت لے کر واپس چلے گئے۔''

اس دلیل سے بڑھ کر اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے۔

تم اب بھی دیکھتے ہو کہ اہلِ کتاب میں سے جو اسلام قبول کرتا ہے وہ صرف اس وقت اسلام قبول کرتا ہے، جب وہ اعلان کرتا ہے شرعی قاضی کے سامنے شرعی گواہیوں کے تقاضا کے مطابق اپنا اسلام ثابت کرتا ہے، حالانکہ وہ مدت مدید تک راہبوں اور کاہنوں کے پاس رہ چکا ہوتا ہے حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دھوکہ سے یا جبر و اکراہ سے اسلام قبول نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ

(المائدہ:۱۰۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے نہیں نقصان پہنچائے گا تمہیں جو گمراہ ہو گیا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو۔

یہ آیت طیبہ اس امر کی وضاحت کر رہی ہے کہ اسلام خود بخود پھیلتا چلا گیا اور وہ شخص مسلمانوں کو نقصان نہیں دے سکتا جو ایمان نہ لائے جب تک کہ مسلمان کتاب اللہ اور سنت مطہرہ کو مضبوطی کے ساتھ تھام نہیں لیتے۔ ہم اب بھی دیکھتے ہیں کہ اب بھی اسلام مختلف ملکوں میں پھیل رہا ہے، لوگ برضا و رغبت گروہ در گروہ اس میں شامل ہو رہے ہیں خصوصاً روس اور افریقہ کے علاقوں میں خاندان بلکہ پوری پوری بستی اسلام قبول کر رہی ہے، اکثر اہلِ کتاب دینِ اسلام کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ یہ دین قدیم ہے لیکن سرکشی کرتے ہوئے اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں ہمارے حضور ﷺ برحق ہیں لیکن وہ بغاوت کرتے ہوئے انکار کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (البقرۃ:۱۴۶)

ترجمہ: وہ پہچانتے ہیں انہیں جس طرح وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک

گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر۔

اب بلاشبہ دلیل واضح ہو چکی ہے حق ظاہر ہو گیا ہے اور یہ دلیل کسی قسم کا تضاد قبول نہیں کرتی کہ اسلام جبر واکراہ کے ساتھ نہیں پھیلا بلکہ رضا اور رغبت کے ساتھ پھیلا ہے۔

جہاد آخری ذریعہ ہے

جب اللہ رب العزت نے اپنے رسولِ مکرم ﷺ کو مبعوث کیا، انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حکمت، موعظہ حسنہ، رفق، نرمی، دینِ حق کی حقانیت پر حجت قائم کر کے اسلام کی طرف دعوت دیں، جس طرح کہ آپ کے لیے بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے اردگرد بسنے والے لوگ صرف اسی طریقہ سے اسلام قبول کریں گے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: اور اگر آپ ہوتے تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے پاس سے۔

جب آپ دعوت حق دینے لگے جس طرح کہ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا آپ تنہا تھے۔ آپ کا کوئی معاون اور مددگار نہ تھا۔ مگر براہان ساطع اور ان معجزات کے ساتھ چیلنج جن کے سامنے کوئی مدمقابل نہ ٹھہر سکتا تھا اور جن کے بعد گمراہوں کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہ جاتی تھی جو ایمان لے آیا وہ ایمان لے آیا جو کفر پر باقی رہا وہ کفر پر ڈٹا رہا۔ آپ اسی اسلوب سے لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دیتے رہے جو آپ کے رب نے آپ کو سکھایا تھا۔ لوگ اپنے کفر اور سرکشی پر ڈٹے رہے۔ مگر یہ امر آپ کے عزم کو روک نہ سکا۔ بلکہ آپ ہدایت اور دین حق کی طرف دعوت دیتے رہے۔ صراطِ مستقیم ان کے لیے واضح کرتے رہے۔ ان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا رہا مگر آپ نرمی اور رفق سے انہیں دعوت دیتے رہے۔ ان کے سامنے معجزہ اور دلیل کا اظہار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ آپ کو اذیتیں دینے لگے، انہوں نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ہجرت کی۔ مشرکین پھر بھی آپ کو اذیت دینے لگے۔ آپ نے ان کی اذیتوں پر صبر کیا۔ انہوں نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سے بڑی اذیت کیا ہو سکتی ہے۔ اگر رب تعالیٰ نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو انہیں بھی اسے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا۔ انہیں گزشتہ امتوں کی طرح غرق، بجلیوں اور مسخ کا سامنا کرنا پڑتا۔ آپ دینِ حق کی دعوت دیتے رہے، آپ نے گھوڑے پر زین نہ کسی، نیزہ نہ لہرایا حتیٰ کہ مشرکین نے عہد توڑے مسلمانوں پر حملہ آور

ہوئے۔ جب لوگ دینِ اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے لگے تو مسلمان سے مشرکین کو خوف آنے لگا، انہوں نے مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا اردہ کیا۔ ہر ہر جگہ سے قبائل جمع ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر اکٹھے ہو کر حملہ کرنے کا حکم دیا جس طرح وہ اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے آئے تھے۔ یہ اللہ رب العزت نے اس فرمان کا مصداق ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (التوبۃ:۳۶)

ترجمہ: اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مشرکین کے ساتھ قتال کریں۔ جب وہ ان پر ظلم و تعدی کریں۔

اس ساری تفصیل سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جہاد آخری ذریعہ تھا۔ جبکہ صبر کی قوس میں کوئی تیر نہ رہا اور مشرکین کی اذیتوں کو دور کرنے کا اور کوئی طریقہ نہ رہا۔

ذمی پر جزیہ لاگو کرنے کی حکمت

خوب جان لو جب مسلمان کسی ملک یا شہر کو بزورِ شمشیر فتح کریں تو وہ ملک یا شہر کی حفاظت کے مکلف بن جاتے ہیں وہ اس ملک اور اس کے باشندوں کو ہر مصیبت اور دشمن سے بچانا مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے جو اسلام لے آتا ہے اس کے وہی حقوق و فرائض ہوتے ہیں جو دیگر مسلمانوں کے ہوتے ہیں۔ اسلام انہیں بھائی بھائی بنا دیتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔ (الحجرات:۱۰)

ترجمہ: بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔

جو اسلام قبول نہیں کرتا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ قیام کرنے کا جزیہ ادا کرتا ہے۔ مسلمان اس کی، اس کے مال اور عزت و ناموس کے محافظ ہوتے ہیں۔ اس کا یہ قیام مسلمانوں کو مکلف بناتا ہے کہ وہ حدود کے تحفظ اور زیادہ افواج تیار کرنے میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیں۔ وہ اس چیز کے حصول میں انتہائی مبالغہ سے کام لیں جس سے امن عامہ کی بنیادی مضبوط ہو سکیں۔ وہ ناپسندیدہ امر کو دور کرینگے مکمل تیاری کریں اسی مناسب سبب کی وجہ سے مسلمانوں کے علاوہ جو شخص بھی ان کے ذمہ میں آتا ہے اس کے لیے جزیہ دینا لازم ہوتا ہے۔ اب بھی ہم دیکھتے ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں کہ جب کوئی حکومت دوسرے شہروں پر قبضہ کرتی ہے خواہ یہ قبضہ حق ہو یا ناحق۔

وہ اس سے اتنی رقم ضرور وصول کرتی ہے جس سے وہ اپنی فوج اور ان لوگوں کے اخراجات پورے کر سکے جن کو وہ اپنی طرف سے متعین کرتی ہے۔ اسلام کا عدل یہ ہے کہ شارع نے اس وقت مسلمانوں کے لیے جزیہ لینے کا کوئی حق نہیں رکھا جب وہ ان لوگوں کا تحفظ کرنے سے عاجز ہوں جوان کے ذمہ میں ہوں میں جو واقعہ تحریر کرنے لگا ہوں اس میں ذرہ مسلمانوں اور اسلام کے عدل کی ایک جھلک دیکھنا۔

جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے شام فتح کیا۔ اور رومیوں نے بعض ان شہروں پر قبضہ کر لیا جن کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا اور مسلمان وہاں کے مکینوں کے تحفظ سے عاجز آ گئے تو انہوں نے جو جزیہ ان سے لیا تھا وہ واپس کر دیا۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا:

> ”ہمارے لیے یہ روا نہیں کہ ہم تمہارے اموال لیں جبکہ ہم تمہارے شہروں کا تحفظ نہ کر سکتے ہوں۔“

ذرا عدل ملاحظہ کرو، جب ذمیوں نے مسلمانوں کا یہ عدل باہر دیکھا تو انہوں نے ان سے کہا:

> ”اللہ تعالیٰ تمہیں ہمارے پاس واپس لے کر آئے اور ان رومیوں پر اپنی لعنت کرے جو ہم پر قبضہ کر رہے ہیں بخدا! اگر وہ تمہاری جگہ ہوتے تو ہمارے یہ اموال ہمیں واپس نہ کرتے، بلکہ ہڑپ کر جاتے اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے اور اموال بھی چھین لیتے۔“

اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ کہ ذمی برضا ورغبت جزیہ ادا کرتے تھے۔ کیونکہ اسی طرح انہیں اپنے اموال، ارواح اور عزتوں پر تحفظ نصیب ہوتا تھا۔

جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا۔ قبطی اہلِ روم کے ظلم کی وجہ سے تنگ تھے۔ حضرت عمرو بن عاص نے دن پر جزیہ عائد کیا۔ مقوقس جو قبطیوں کا سردار اور قائد تھا اس نے انہیں کہا:

> ”کیا تم میں سے کوئی ایک اس بات پر راضی نہیں ہے کہ دو سال کے دو دینار دے اور ساری زندگی اس کا نفس، مال اور اولاد محفوظ رہے۔“

جو جزیہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں ہم اسے کہتے ہیں:

> ”دینِ اسلام کے مسلمانوں کو اس چیز کا مکلف بنایا ہے جو جزیہ سے کئی گنا زائد

ہے۔ وہ زکوٰۃ ہے جو نقدی وغیرہ سے لی جاتی ہے، خراج اور عشر اس کے برعکس ہے۔ اگر یورپ کی حکومتیں اپنی رعایا سے ٹیکس نہ لیں تو ان کے خزانے ختم ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تم اس سبب سے بھی آگاہ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا جو شخص برضا ورغبت جزیہ ادا نہ کرے گا اس سے جبراً وصول کیا جائیگا۔ کیونکہ اس کا فائدہ انہی کو ہوتا ہے۔ ورنہ ان کے شہروں کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔"

شاید اب تم رب تعالیٰ کے اس فرمان کا مفہوم سمجھ سکو۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ:۲۹)

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں، اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔

دین اسلام عدل اور رحمت کا دین ہے۔ شارع حکیم نے بوڑھوں، عورتوں اور راہبوں وغیرہم پر جزیہ لاگو نہیں کیا۔ یہ شارع حکیم کی طرف سے بہت بڑی حکمت ہے۔

مال فئے میں حکمت

• مال فئے وہ مال ہوتا ہے جو مسلمانوں کو قتال کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ اس کے تصرف کے لیے مخصوص تقسیم ہے اس تقسیم میں ایک بلیغ حکمت ہے۔ جب اس سے وہ لوگ آگاہ ہوں گے جو صرف اندازے لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ دنیا کے طالب تھے آپ اپنے لیے اور اپنے رشتہ داروں کے مال کے خواہاں تھے، تو وہ اپنے اس بکواس کے بارے ضرور کہتے کہ یہ بہتان اور افک ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الحشر:۷)

ترجمہ: اور جو مال پلٹا دیا ہے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

مال فئے کے تصرف کی دو اقسام ہیں:

1. حضور اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں میں۔
2. آپ کے وصال کے بعد۔

جو تقسیم حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ مال فئے کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ چار حصے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے لیے جبکہ پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کیے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک حصہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے مختص ہوتا تھا اور باقی ان افراد کے لیے ہوتے تھے جن کا تذکرہ اس آیت طیبہ میں کیا گیا ہے۔ اس میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ رسولِ محترم ﷺ وہ امام تھے جو مسلمانوں کے امور میں ان کی مصلحتوں کے مطابق تصرف فرماتے تھے۔ یہ حق آپ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ آپ اس مقصد کے لیے یہ حصے بذات خود لیتے تھے۔ ورنہ آپ تو ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ زاہد تھے۔ وہ شخص ان میں کیسے لالچ کر سکتا ہے جو ایک رات یا دو راتیں کھائے بغیر دنیا میں زہد اختیار کرتے ہوئے گزار دے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے۔ وہ مسلمانوں کے اموال کے تصرف میں امام کے عدل کا اظہار کرنا ہے تاکہ اس پر ظلم کی تہمت نہ لگے۔ آپ کے عدل کا اظہار خوبصورت اور عمدہ مقامات پر ہوتا ہے۔

آپ ﷺ اپنے ان مخصوص حصوں سے یتیموں اور مساکین کی مدد کرتے تھے۔ آپ مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کی طرف اتنے اہتمام کے ساتھ توجہ فرماتے تھے جو کامل عدل کو شامل ہوتی تھی۔ اسی لیے شارع حکیم نے یہ مقرر کیا ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ اپنے نفس نفیس کے لیے لیتے تھے آپ کے وصال کے بعد اسے مسلمانوں کی مصلحت میں صرف کیا جائے۔ مثلاً فوج کی تیاری، سرحدوں کو مضبوط کرنے اور ہر اس امر میں خرچ کیا جائے جس سے دشمن مرعوب ہو سکے۔ اسی طرح وہ مال نہروں کی صفائی، نالوں کی صفائی پل تعمیر کرنے اور ہر اس امر میں یہ رقم خرچ کرنی جائز ہے جس سے پیداوار میں اضافہ ہو سکے اور زمین کی اصلاح ہو سکے۔ اسی طرح اس رقم کو خطبائ، واعظین، اہلِ علم کے لیے بھی خرچ کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کی راہ نمائی کریں۔ علم کا جھنڈا بلند ہو۔ شہروں میں علم پھیلے۔ اسی طرح ہر اس مد میں یہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے جس سے امت کو مادی اور ادبی فائدہ ہو۔ اسی طرح آپ کے بعد خلفاء راشدین مال فئے میں سے اتنا مال ہی لیتے تھے جتنی ان کو ضرورت ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی جان لو کہ حضور ﷺ جو کچھ اپنے لیے لیتے تھے وہ اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تھا۔ کیونکہ آپ حق کی طرف دعوت دینے اور صراطِ مستقیم کی طرف لوگوں کو بلانے میں مشغول رہتے تھے۔ جو ہستی پاک اتنی مشغول ہو اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ کوئی کاروبار کر سکے اس کے ساتھ ساتھ آپ عام مسلمانوں کی

مصلحتوں میں مصروف رہتے تھے۔

مال فئے میں سے قریبی رشتہ داروں کو دینے کی کئی حکمتیں ہیں۔ ایک حکمت یہ ہے کہ وہ دین کی شان رفیع اور مسلمانوں کی مصلحت کی رعایت کے سلسلہ میں سارے لوگوں سے زیادہ بلند ہمت ہوتے ہیں کیونکہ ان میں دو حمیتیں پائی جاتی ہیں۔

- ① دینی حمیت۔
- ② رشتہ داری کی حمیت۔

کیونکہ ان میں سے جو ایمان لے آئے تھے انہوں نے سب سے پہلے آپ کی مدد کی۔ آپ کو تقویت دی۔ آپ کی نصرت کی۔ اپنی روح آپ پر فدا کی، آپ کی حمایت اور تحفظ کے لیے خود کو خطرات میں ڈالا۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ تاکہ امت کی نظروں میں ان کی شان بلند ہو۔ تاکہ ان کے شرف کا یہ اعلان ہو جائے کہ ان کے شرف اور قدر میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آپ کے ساتھ نسبت ہونے سے بڑا شرف اور کیا ہوسکتا ہے خواہ انسان کتنے ہی بلند درجات اور رفیع مناصب پر فائز ہو۔ یتیموں، غریبوں اور ابن سبیل پر مال فئے خرچ کرنے میں جو حکمت مخفی ہے، وہ کسی تشریح اور وضاحت کی محتاج نہیں۔

مالِ غنیمت کے تصرف میں حکمت

غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو مسلمانوں کو جہاد کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ مالِ غنیمت تقسیم کرنے اور تصرف کرنے کے اعتبار سے مالِ فئے سے مختلف ہوتا ہے۔ شارع حکیم نے اس مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصے کا تذکرہ اس آیت طیبہ میں ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ (الانفال:۴۱)

ترجمہ: اور جان لو کہ جو چیز تم غنیمت میں سے حاصل کرو تو اللہ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لیے اور رشتہ داروں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔

باقی چار اقسام کا تصرف مجاہدین پر ہوگا۔ لیکن یہ تصرف قاتل کو مقتول کا سامان دے لینے اور میدانِ جنگ میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے والے کو عطا کرنے اور امام وقت زخمی مجاہدین

کے علاج کے اخراجات نکالنے کے بعد ہوگا۔ اس میں حکمت بڑی عیاں ہے۔ اس میں یہ حکمت کارفرما ہے اور مال فئے مسلمانوں کو جنگ اور جہاد کے بغیر ہی حاصل ہوتا ہے اس کا اکثر حصہ حضور ﷺ کے تصرف میں ہی رہتا تھا۔ لیکن مال غنیمت جہاد کے واسطہ سے ملتا ہے اس میں مجاہدین خود کو خطرات میں ڈالتے ہیں، خشکی اور سمندر میں موت ان کا استقبال کرتی ہے۔

اس لیے شارع حکیم کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انہیں دنیا میں بھی اجر دے۔ انہیں مالِ غنیمت میں سے کچھ حصہ دے، کیونکہ انہوں نے اس کا دین بلند کیا۔ آخرت میں انہیں جنت عطا کرے۔ تاکہ ان کے شرف اور قدر کا اعلان ہو سکے۔ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایک مجاہد جہاد کے دوران کوئی اور کام کاج نہیں کر سکتا، جس سے وہ جہاد سے بعد اپنی زندگی کو رواں دواں رکھ سکے، اس کی معاشی مصلحت کے تعطل کی وجہ سے شارع حکیم نے اس کے لیے مال غنیمت میں حصہ مقرر کیا۔ پانچویں حصہ میں حضور اکرم ﷺ کا حصہ مقرر کرنے میں کئی حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ بذاتِ خود جہاد فرماتے تھے۔ بلکہ افضل المجاہدین ہیں خواہ آپ براہِ راست جہاد میں شرکت فرماتے یا نہ خود فرماتے۔ آپ مجاہدین کی تعداد میں اضافہ، تیاری اور جنگی امور کی تدبیر میں مشغول رہتے تھے۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ وہ رعب جس سے دشمن مرعوب ہوتا تھا وہ مسلمانوں کی نصرت کا سبب بنتا تھا جس سے دینِ حق کی شان رفیع ہوتی تھی۔ وہ آپ کی وجہ اور برکت سے ہی حاصل ہوتا تھا۔ یہ اس راز کی وجہ سے تھا جس سے دعوت حق آگے بڑھتی تھی اور س نے سے نصرت ملتی تھی۔

کیونکہ آپ کے شمائل حمیدہ میں سے کرم ایک خصوصی وصف تھا اسی لیے آپ مال فئے اور مالِ غنیمت میں سے جو حصہ پاتے تھے اس کا زیادہ تر حصہ فقراء، مساکین، تالیف قلبی اور نیکی اور بھلائی کی ان تمام راہوں پر خرچ کرتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اسی لیے آپ کے وصال کے بعد یہ حصہ عام اور خاص مسلمانوں کی مصلحتوں میں صرف کیا جاتا ہے۔

اسی طرح شارع حکیم نے کمزوروں سے ہمدردی کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی شان کا اہتمام کرتے ہوئے فقراء، یتامیٰ، مساکین اور ابنِ سبیل کے لیے مالِ غنیمت میں سے حصہ مقرر کیا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی جان لو کہ سابقہ شریعتوں میں مالِ غنیمت مجاہدین کے لیے حلال نہ تھا ہم پر شفقت و رحمت کرتے ہوئے اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت آشکارا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہم سے قبل مالِ غنیمت کسی امت کے لیے بھی حلال نہیں تھا۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے میری امت کو دیگر امم پر فضیلت عطا فرمائی اس نے ہمارے لیے مالِ غنیمت حلال کیا۔''

اے دانا، عقلمند اور دانشمند! اے وہ مومن جس کا دل نورِ ایمان سے منور ہے! ذرا دیکھو شارع حکیم نے کس طرح عدل وانصاف کے ساتھ مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ اس نے کس طرح عدل اور انصاف کے تقاضے پورے کیے۔

فسبحانك اللهم ما احكم صنعك واكمل تدبيرك وتقديرك۔

یہ وہ حکمتیں ہیں جن کی وجہ جنہیں شارع حکیم نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں محفوظ رکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان حکمتوں سے وہ لوگ آگاہ نہیں ہیں جو ہمارے دین حنیف پر اعتراض کرتے ہیں، ورنہ انہیں ان کا عرفان ہو جاتا اور انہیں اپنی خطا کا اعتراف ہو جاتا۔ ورنہ جسے رب تعالیٰ گمراہ کر دیتا ہے اس کے لیے کوئی راہ نما نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں دینِ حق سمجھنے، ان کے احکام، اصول اور فروع سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

مقابلہ (سباق) کی حکمت

سباق یہ ہے کہ انسان دوسرے انسان کے ساتھ حیوانات کی کسی قسم مثلاً اونٹ یا گھوڑے میں مقابلہ کرے، اس میں ایک بہت بڑی حکمت کارفرما ہے، کیونکہ یہ مقابلہ شدت اور بڑے بڑے اعمال مثلاً گھڑسواری میں ماہر بناتا ہے، حتیٰ کہ انسان انتہائی قلیل مدت میں جہاد کے لیے تیار ہو جاتا ہے، بلاشک وشبہ جہاد کے اسباب کو سمجھنا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ہاں بہت زیادہ نفع بخش چیز ہے۔

اہلِ عرب زمانۂ جاہلیت میں اپنے بچوں کو بچپن سے ہی مقابلہ کی تعلیم دیتے تھے۔ جب وہ لڑکپن آتا اور نشوونما پاتے تو وہ خود کو حملہ کرنے اور پلٹنے کے لیے تیار پاتا۔ یقیناً اس مقابلہ کے لیے ایسی شرائط ہیں جنہیں شارع حکیم نے مقرر کیا ہے۔ جب انسان انہیں تجاوز کرتا ہے تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ مقابلہ ان چار انواع میں ہو جن کا تذکرہ حضور ﷺ نے کیا ہے۔ وہ چار اقسام یہ ہیں:

1. حافر (گھڑ دوڑ)
2. خف (اونٹ دوڑ)
3. نصل (تیر بازی)
4. قدم۔ دوڑ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لاسبق الافی خف او حافر او نصل۔

قدم کا اضافہ اس روایت میں ہے جسے سیدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

”مَیں نے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے دوڑ لگائی۔ میں آپ سے آگے نکل گئی، جب میں ذرا موٹی ہو گئی تو میں نے آپ سے دوڑ لگائی تو آپ آگے بڑھ گئے۔ مَیں نے عرض کی:

”یہ اس دن کا بدلہ ہے۔“

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی تھی جب بھی اس کی دوڑ لگائی جاتی وہ آگے نکل جاتی۔ ایک دن ایک اونٹ کے ساتھ اس کی دوڑ لگائی گئی تو وہ اونٹ سے آگے نکل گیا۔ جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”جب لوگ کسی چیز کو بلند کرتے ہیں یا بلند کرنے کا اردہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا درجہ گھٹا دیتا ہے۔“

اس کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس میں معاوضہ صرف ایک طرف سے ہو۔ کیونکہ جب معاوضہ دونوں طرف سے ہوگا اور اگر ان دونوں نے اس میں کوئی محلل نہ کیا تو یہ درست اور جائز نہ ہوگا۔ بلکہ یہ جوا بن جائے گا۔ ایک طرف سے معاوضہ کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہے:

”اگر تم مجھ سے جیت گئے تو میں تمہیں اتنی رقم دوں گا اور گر میں تم سے جیت گیا تو تم پر کچھ بھی نہ ہوگا۔“

اسی طرح بادشاہ نے دو افراد سے کہے:

”تم میں سے جو جیت جائے گا اسے اتنا انعام ملے گا۔“

یہ جائز ہے۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ مقابلہ ایسی چیزوں میں سے ہو جن میں مقابلہ کا احتمال ہوتا ہے۔
یہ مذکورہ بالا چار امور میں ہے حتیٰ کہ جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہ جانور عموماً دوڑ میں ہر جاتا ہے تو مقابلہ جائز نہیں کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

امت کو خلیفہ کی حاجت کی حکمت

اے مسلمانو! جان لو! اے توحید پرستو! سمجھ لو کہ مسلمانوں کے لیے ایسے خلیفہ کی ضرورت جو عام امام ہو اسی طرح ضروری ہے جس طرح انسان کے لیے عقل، روح اور جسم ضروری ہے، جب کہ انسان زندگی کی نعمت اور وجود کی لذت سے لطف اندوز ہونے کے لیے زندہ رہنے کا ارادہ کرے۔ یہ ایک ایسا قول ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، سارا عالم اس کا قائل ہے کہ مسلمانوں کو ایک عام امام کی ضرورت ہے۔ یعنی ایک ایسے خلیفہ کی ضرورت ہے جس پر ان مسلمانوں کے دل جمع ہو جائیں زمین کا کوئی گوشہ جن سے خالی نہیں ہے۔ زمین کے صرف وہی گوشے مسلمانوں سے خالی ہیں جہاں انسان تو درکنار حیوان بھی نہیں رہتے۔ چین میں توحید پرست مسلمان بستے ہیں، ہندوستان میں اہلِ ایمان کا بسیرا ہے، افغانستان میں حاملِ قرآن موجود ہیں، عجم کے شہروں میں کئی ملینز ایسے لوگ ہیں جو اسلام کا دم بھرتے ہیں، اسی طرح روس، اکثر ایشیاء اور افریقہ میں مسلمان رہتے ہیں ان کی مختلف اجناس ہیں۔ ان کے جدا جدا عناصر ہیں۔ ان میں سے عجمی زبان میں بولنے والے بھی ہیں، ان میں الضاء پڑھنے والے بھی ہیں یورپ کے مما لک بلقان اور یونان میں لاکھوں مسلمان بستے ہیں۔ اسی طرح Londrina، مصری، حبشی، سوڈانی، بربر اور ملربان سب رب تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اسی طرح امریکہ میں بھی بہت سے مسلمان بستے ہیں جو قرآن پاک کو یاد کرتے ہیں اور اولاد عدنان کے سردار پر ایمان لاتے ہیں۔
لیکن مسلمان ہلاکت کے گڑھے میں گر چکے ہیں۔ وہ برے انجام سے دوچار ہیں عزت کے بعد وہ ذلیل ہو گئے ہیں۔ ترقی کے بعد تنزلی کا شکار ہیں۔ رفعت کے بعد پست ہو گئے ہیں۔ آزاد ہونے کے بعد غلام بن گئے ہیں۔ ان پر مصائب، اور مشکلات اور آفتوں کے طوفان امڈ آئے ان کے بیٹوں کو ذبح کیا جاتا ہے، ان کی عورتوں کو زندہ رکھا جاتا ہے، ان سے حقوق چھین لیے جاتے ہیں۔ ایسا کوئی فرد نہیں جو ان سے ظلم دور کرے اور اس گہری کھائی سے انہیں نکال لے۔ اے وہ ذات جو از حد رحم کرنے والی ہے! اے وہ ذات جس کے دست قدرت میں امر اور نہی ہے!

ان حالات میں ان کے ساتھ نفرت کی جاتی ہے۔ان کی مدد نہیں کی جاتی۔ان کے ساتھ قطع تعلقی کی جاتی ہے ان کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کی جاتی۔ان کے امور پہلے جمع تھے اب انتشار کا شکار ہو چکے ہیں۔ان کا ہار بکھر چکا ہے، وہ مضبوط قلعہ میں قلعہ بند تھے۔لیکن اب اس قلعہ کی دیواریں گر چکی ہیں۔اس کے ستون زمین بوس ہو چکے ہیں۔اس کی بنیادیں گر چکی ہیں۔ان کی پناہ گاہ مضبوط تھی۔اب اس کے اندر دشمن گھس چکا ہے۔دشمن زبردستی سے اس کے مالک بن چکے ہیں۔

اے اللہ تعالیٰ کے رسول معظم، نبی مکرم ﷺ اپنی قبر انور سے باہر تشریف لائیں تا کہ اپنی چشمانِ مقدس سے دیکھیں کہ امت پر کون سی ہلاکت، تباہی اور بربادی اتری ہے۔

اے ابنِ خطاب! آپ بھی اپنے مرقد پاک سے اٹھیں تا کہ آپ ان ممالک کا حال دیکھیں جنھیں آپ کی شمشیر بے نیام اور عمدہ نیزے اور بہتر تیر نے فتح کیا تھا۔ان کی کیا حالت ہو چکی ہے۔آپ کے نصرت یافتہ لشکر اور مشہور عدل کی کیفیت کیا ہو چکی ہے۔

اے عبدالملک بن مروان! تو بھی اپنی قبر سے اٹھ اور ان عبرت انگیز حالات کا مشاہدہ کر کہ اب مسلمانوں پر کون سے مصائب نازل ہوئے ہیں۔

اے ہارون! تو کہاں ہے؟ تیرا فرزند مامون کہاں ہے؟ اے عثمان! اے سلیمان آپ کہاں ہیں۔اے وہ فاتح آپ کہاں ہیں جس نے مشرق میں روم کی سلطنت کو گرایا تھا۔اے صلاح الدین! کیا آپ ملاحظہ نہیں کریں گے کہ مسلمانوں پر کون کون سی ہلاکتیں اتری ہیں۔بلکہ اے وہ بہادر مجاہدین آپ کہاں ہیں جنہوں نے ربِ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کے لیے ہجرت کی۔انہوں نے بڑی قیمت لے کر اپنی جانیں اپنے خالق کے حضور بیچ دیں، کیا رضا کی جنت سے بڑھ کر کوئی قیمتی چیز ہے۔

ممالک کو تم نے فتح کیا۔اقوام کو تم نے عاجز کیا۔دین کا جھنڈا تم نے بلند کیا۔تمہارے دلوں سے علم کے چشمے پھوٹ نکلے۔اس سے قاضی، عربی اور عجمی سیراب ہوئے۔تم نے خون کا نذرانہ پیش کیا حتیٰ کہ اقوام تمہارے قریب ہو گئیں اور تمہارے عدل نے ان شہروں کو بھر دیا۔

لیکن اب حالات خراب ہو چکے ہیں زمانہ مسلمانوں پر ستم کرنے لگا ہے۔اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔تم قبلہ رو ہو کر نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو لیکن یہ مفہوم نہیں سمجھ سکتے، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ توحید کے بارے کہتے ہو لیکن تمہارے دل جدا جدا ہیں۔اندلس کو صحیفۂ اسلام سے مٹا دیا گیا۔اے مراکش! تجھ پر ہزاروں سلام! ہائے جزائر، تونس، شام اور عراق کے سارے

شہروں پر افسوس، بوسنیا، ہرسک (Herzegorine) اور کدید پر افسوس!

اے دریائے نیل! میرے آنسو تیری طرح میرے رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔ ایک سوڈان تیرے لیے میرا دل ایک ابلتی ہوئی ہنڈیا کی طرح ہے۔ اے طرابلس اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔

اے مسلمانوں کے امراء اور بادشاہ! جب تم خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو تو اس میں تمہارے لیے اشارہ ہے کہ تم سب کا دین ایک ہی ہے جسے ایک رسولِ محترم ﷺ لے کر تشریف لائے، ان کے بعد ایک ہی خلیفہ کا جانشین بنا۔ یہ ساری روئے زمین کے مسلمانوں کے لیے ایک مثال ہے۔ خودمختاری کی طرف تمہارا رجحان کیوں ہوا۔ تم میں سے ہر ایک خلیفہ بننا چاہتا ہے جبکہ اجنبی ہاتھ نے تمہارے شہروں پر قبضہ جما رکھا ہے۔ ہر مقیم پر اس نے غلبہ پالیا ہے کیا اسلام میں خلیفہ کی یہ شان ہے۔

کیا حضور ﷺ غلبہ اور تسلط پا کر دنیا حاصل کرنا چاہتے تھے یا دولت اور محلات کے خواہاں تھے کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور وہ سارے خلفاء جن کا نام ادب سے لیا جاتا ہے اس فانی دنیا میں لالچ رکھتے تھے، یا ہمیشہ دین کی نصرت اور مسلمانوں کی شان بلند کرنے کے لیے مصروفِ جہاد رہتے تھے۔ کیا تم نے وہ واقعہ پڑھا ہے جس میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود آٹا اٹھا کر ایک مسکین عورت کے پاس لے گئے تھے۔ کیا تم نے عبدالملک بن مروان کا واقعہ پڑھا، کیا تم نے رشید کا وہ خط پڑھا جو اس نے ایک بادشاہ کی طرف لکھا تھا۔ کیا تمہیں معتصم کا عموریہ میں ہونے والا واقعہ یاد ہے۔ کیا تمہیں سلیمان قانونی اور فرانس کے بادشاہ کو اس کا خطاب یاد ہے۔ یہ اس کے جمہوریہ بننے سے پہلے کی بات ہے کیا تمہیں ان لوگوں کے واقعات یاد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کی، رب تعالیٰ نے ان کی مدد کی۔ انہوں نے رب تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا۔ اس نے ان کا اجر کئی گنا کر دیا۔ اس نے اپنی طرف سے اور اپنے لشکر سے ان کی مدد کی۔

شاید کہنے والا اعتراض کرے کہ تم نے خطا اور لغزش کی ہے، ان لوگوں کے زمانہ میں جن پر بلاد اسلامیہ فخر کرتے ہیں، مستقل ملوکیت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور دینِ سلام کو عزت اور شرف نصیب ہو، ہم اس معترض کو جواب یہ دیتے ہیں کہ مقصد مسلمانوں کا ایک جگہ جمع ہونا ہے، خواہ وہ دینی واجب ہو کہ ان کا ایک خلیفہ ہو۔ جس کے اردگرد سارے مسلمان جمع ہوں، جس طرح کہ دین حق میں آیا ہے۔

کیا تم کافور الاخشیدی کو نہیں دیکھتے وہ زنجی تھا خلافت کا دست راست تھا۔ کیا تم سیف

الدولۃ بن حمدان کی طرف نہیں دیکھتے جس کی وجہ سے اسلام کو رفعت ملی۔ کیا تم اندلس کے بادشاہوں کو نہیں دیکھتے وہ شرعی معنی کے لحاظ سے خلفاء نہیں تھے۔ انہوں نے بہت سی فتوحات کیں، اسلام کو پھیلایا۔ ان شہروں اور علاقوں میں عدل کو پھیلایا۔ کیا تم سلیم اول سے قبل آل عثمان کے سلاطین کو نہیں دیکھتے انہوں نے کس طرح اسلام کو ان مصائب سے بچایا اور اس کی وجہ سے پستی سے نکل آئے۔ جب مسلمان بادشاہوں اور امراء نے اسلام کو عزت دی ہے تو پھر اس وقت ہماری کیفیت کیا ہوگی جب ہم سارے آقا، غلام، غنی، فقیر، حاکم اور محکوم ایک امام کے تابع ہوں گے جو خلیفۂ وقت ہوگا جو ہمارے امور کو جمع کرے گا اور ہمارے امور کی اس طرح تدبیر کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ محترم ﷺ نے حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (الحجرات:۱۰)

ترجمہ: بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔

ہم نے اس اسلام کا انکار کر دیا جو خلیفہ کی شخصیت میں ایک مثال تھا۔ اللہ رب العزت نے ہمیں اتحاد کا حکم دیا ہے، ہمارا اتحاد اسی وقت قائم ہوگا جب ہم ایک خلیفہ کی طرف رخ کریں گے، جس کی خلافت ساری اسلامی ممالک پر قائم ہوگی، ساری زمین کے مسلمان اس کی مدد کریں گے۔

خلیفہ کو دین کے حکم کے مطابق دینی اور سیاسی تسلط حاصل ہوتا ہے، مسلمان اس وقت اس کے لیے کسی امر کو منظم نہیں کر سکتے جب تک اسے یہ دونوں تسلط حاصل نہ ہوں، دینِ اسلام نے مسلمانوں کے لیے دو خلیفے مقرر نہیں کیے جس طرح اس نے مسلمانوں کے لیے دو رسول منتخب نہیں کیے اسی طرح خلیفہ کا ایک ہونا بھی ضروری ہے جو امام عام ہو۔ اے دانشمندو! میری بات غور سے سمجھو۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ رشید کو خط

عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ وہ ان کے لیے خراج کے بارے ایک ایسی کتاب لکھ دیں جس پر حکومت انحصار کرے۔ ذرا وہ بات سنو جو امام جو ابو یوسف نے اس وقت ہارون الرشید سے کہی تھی تم جانتے ہو نا کہ خلیفہ ہارون الرشید عباسی خلفاء میں سے کس شان اور دبدبہ کا مالک تھا، امام ابو یوسف نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا:

"اللہ تعالیٰ امیر المومنین کی زندگی طویل کرے وہ نعمتیں مکمل کر کے اس کی نعمتوں کو دوام بخشے۔ اس کی عزت کو ابدیت بخشے، جو اس نے اس پر نعمتیں کی

ہیں انہیں آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ملا دے جو نہ ختم ہوں گی نہ زوال پذیر ہوں گی، اسے حضور ﷺ کی موافقت نصیب کرے۔

اللہ تعالیٰ امیر المومنین کی نصرت فرمائے۔ اس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ میں اس کے لیے ایک ایسی جامع کتاب لکھوں جس کے مطابق وہ خراج، عشر، صدقات اور جزیہ وصول کر سکے۔ دیگر ان امور میں بھی اس کتاب کے مطابق عمل کر سکے جن میں غور و فکر کرنا اور عمل کرنا اس پر لازم ہے، بادشاہ نے یہ ارادہ اس لیے کیا ہے تاکہ عوام سے ظلم ختم ہو سکے اور ان کے امر کی اصلاح ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو توفیق دے۔ اسے سیدھے راستہ پر چلانے ان امور میں اس کی اعانت کرے جو اس کے سپرد فرمائے ہیں۔ جن کے بارے امیر المومنین کو خدشہ اور ڈر ہے امیر المومنین نے کہا ہے کہ میں وہ امور کھول کر بیان کروں جو اس نے مجھ سے پوچھے ہیں۔ میں ان کی شرح اور تفصیل بیان کروں۔ میں نے ان کی شرح اور تفصیل بیان کر دی۔

اے امیر المومنین! ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں اس نے تمہیں ایک امر کا والی بنایا ہے۔ اس کا ثواب سب سے بڑا ہے۔ اس کی سزا بھی سب سے بڑی ہے۔ اس نے اس امت کے معاملہ کا تمہیں والی بنایا ہے تم نے کثیر مخلوق کی کردار سازی کرنا ہے رب تعالیٰ نے تمہیں اس کا نگران مقرر کیا ہے۔ ان پر امین بنایا ہے، ان کے ساتھ تمہاری آزمائش کی ہے۔ ان کے امر کا تمہیں والی بنایا ہے، جو عمارت تقویٰ پر تعمیر نہ کی گئی ہو، وہ قائم نہیں رہتی۔ رب تعالیٰ اسے جڑوں سے نکال کر نیچے پھینک دیتا ہے، وہ اسے اس پر گرا دیتا ہے جس نے اسے بنایا ہو وہ اس کے خلاف اس کی مدد کرتا ہے، اس امت اور عوام کے جن امور کا رب تعالیٰ نے تمہیں نگہبان بنایا ہے، انہیں ضائع نہ کرو، عمل میں قوت رب تعالیٰ کے اذن سے ہوتی ہے۔ آج کا کام کل کے لیے موخر نہ کرو۔ جب تم نے اس طرح کر دیا تو تم نے اسے ضائع کر دیا۔ موت امید کے سامنے حائل ہو جاتی ہے، موت کام سے پہلے آ جاتی ہے، موت کے بعد کوئی کام نہیں ہو سکتا، یہ نگہبان اپنے رب کے حضور وہ کچھ لے کر جانے

والے ہیں جو ایک چرواہا اپنے مالک کے پاس لے کر جاتا ہے، رب تعالیٰ نے تمہیں جس پر والی مقرر کیا ہے اس کا حق ادا کرو۔ خواہ تمہیں دن کی ایک گھڑی کے لیے اس نے تمہیں نگران بنایا ہو۔ روزِ حشر رب تعالیٰ کے نزدیک سب سے سعادتمند وہ نگہبان ہوں گے جن کے ساتھ اس کی مخلوق سعادتمند ہوگی۔ ٹیڑھے نہ بنو ورنہ تمہاری عوام ٹیڑھی ہو جائے گی، خواہشات سے حکم دینے اور غصے سے لینے سے بچو۔ جب تم دو امور دیکھو جن میں سے ایک آخرت کے لیے اور دوسرا دنیا کے لیے ہو تو اس امر کو اختیار کرو جو آخرت کے لیے ہو۔ آخرت باقی رہے گی جبکہ دنیا فنا ہو جائے گی، اللہ کے خوف کی وجہ سے محتاط ہو جاؤ۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے برابر سمجھو خواہ کوئی قریب ہو یا بعید، اللہ تعالیٰ کے بارے کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ کھاؤ۔ احتیاط دل سے ہوتی ہے زبان سے نہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ تقویٰ بچنے سے ہے۔ جو رب تعالیٰ کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اسے بچا لیتا ہے۔

اس اجل کے لیے کام کرو جو محفوظ ہے۔ اس رستہ کے لیے عمل کرو جن پر چلا جاتا ہے، اس راہ کے لیے کام کرو جو حاصل شدہ ہے، اس منزل کے لیے عمل کرو جہاں جانا ہے۔ وہ منزل حق ہے اور ایسا مؤقف اعظم ہے جہاں دل پرواز کر جائیں گے، اور اس حقیقی بادشاہ کی عزت کے لیے دلائل منقطع ہو جائیں گے جس کی طاقت انہیں مغلوب کر دے گی، مخلوق اس کے سامنے حیران و ششدر ہوگی۔ وہ اس کے فیصلہ کی منتظر ہوگی۔ اس کی سزا سے لرزہ براندام ہوگی۔ گویا کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے اس موقف عظیم کے ندامت اور حسرت یہی کافی ہوگی انسان نے اس کا علم رکھتے ہوئے اس کے مطابق کام نہ کیا اس روز اس کے پاؤں پھسل جائیں گے، رنگت تبدیل ہو جائے گی، قیام طویل ہوگا، حساب شدید ہوگا، رب تعالیٰ اپنی کتاب حکیم میں فرماتا ہے:

اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۝ (الحج: ۴۷)

ترجمہ: اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ (المرسلات:٣٨)

ترجمہ: (اے کافرو!) یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تم کو اور تمہارے اگلوں کو جمع کر دیا ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ۙ (الدخان:٤٠)

ترجمہ: یقیناً فیصلہ کے دن ان سب کو (دوبارہ زندہ کرنے کے لیے) مقررہ وقت ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ (الاحقاف:٣٥)

ترجمہ: جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے دنیا میں مگر فقط ایک گھڑی۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝ۧ (النازعات:٤٦)

ترجمہ: گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح۔

ہائے وہ لغزش جو معاف نہ ہوگی۔ ہائے ندامت فائدہ نہ دے گی۔ یہ شب و روز کا اختلاف ہے جو ہر نئی چیز کو بوسیدہ کر دیتا ہے، ہر بعید کو قریب کر دیتا ہے، ہر موعود کو لے آتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر نفس کو وہ جزا دے گا جو اس نے کمایا ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ اللہ! بقا کم رہ گئی ہے، تاریکی خطرناک ہوگی۔ دنیا ہلاک ہونے والی ہے جو کچھ اس میں ہے وہ سب کچھ ہلاک ہونے والا ہے، یہ دارالقرار ہے تو کل رب تعالیٰ سے اسی حال میں ملاقات نہیں کرے گا کہ تو سرکشوں کے رستے پر چل رہا ہوگا، روزِ حشر جزا دینے کا دن ہے، لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دی جائے۔ ان کی منازل (گھروں) کے مطابق انہیں جزا نہ دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ڈرایا ہے تم ڈرو۔ تمہیں فضول پیدا نہیں کیا گیا، تمہیں بے کار نہیں چھوڑا جائے گا۔ جن اعمال میں تو مصروف ہے، جن امور میں تو مشغول ہے رب تعالیٰ ان کے متعلق تم سے پوچھے گا۔ ذرا سوچ لو کہ جواب کیا ہوگا۔

جان لو کہ کل انسان کے قدم رب تعالیٰ کے سامنے اس وقت لڑکھڑا جائیں گے جب وہ سوال کرے گا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''روزِ حشر بندے کے قدم

نہیں لڑکھڑائیں گے حتیٰ کہ اس سے چار امور کے بارے سوال ہوگا اس عمل کے بارے جو اس نے سرانجام دیا۔ اس نے عمر کس کام میں بسر کی۔ مال کے بارے کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، جسم کے بارے کہ اسے کس آزمائش میں ڈالا۔"

امیر المومنین! سوالات کے جوابات کی تیاری کرلو۔ اگر جوابات سے آگاہ ہیں تو انہیں خوب یاد کرلیں، کل یہ سوالات تم سے پوچھے جائیں گے۔ ذرا اس وقت کو یاد کرو جب گواہوں کی موجودگی میں ان رازوں سے پردہ اٹھے گا جو تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہیں۔

امیر المومنین! میں تمہیں اس چیز کی حفاظت کی وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس کا نگران مقرر کیا ہے اس چیز کی نگہبانی کرنے کی وصیت کرتا ہوں جس کا رب تعالیٰ نے تمہیں نگہبان بنانا ہے۔ نیز یہ کہ تم ان میں صرف اسی کے لیے اور اسی کی طرف دیکھو۔ اگر تم نے یوں نہ کیا تو ہدایت کا حصول تمہارے لیے دشوار ہو جائے گا۔ تمہاری آنکھیں اس سے اندھی ہو جائیں گی، اس کے نشانات ختم ہو جائیں گے، اس کی کشادگی تم پر تنگ ہو جائے گی۔ اس میں جو کچھ تم جانتے ہوں گے تم اس کو عجیب سمجھو گے جو عجیب سمجھو گے اسے جان لو گے۔ نفس کے ساتھ اس شخص کی طرح جھگڑا کرو جو اس کے حق میں فیصلہ کرنے کا متمنی ہوتا ہے۔ اس کے خلاف فیصلہ رکنے کا خواہشمند نہ ہو۔ چرواہے سے جو کچھ ضائع ہو جاتا ہے وہ اس کا ضامن ہوتا ہے، اگر وہ چاہے تو اپنی چیز کو ہلاکت کی جگہوں سے باذن الٰہی لے جائے اور زندگی اور نجات کے مقامات پر اتار دے۔ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو وہ ہلاک ہو جائے گی۔ اگر تم اس کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہو گئے تو اس کی ہلاکت تیزی سے اور زیادہ نقصان دہ ہوگی۔ اگر اس کی اصلاح ہوگئی تو اس کی وجہ سے وہاں سے سعادت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا اجر عطا فرمائیگا۔ احتیاط کرو کہیں تمہاری رعیت ضائع نہ ہو جائے اور رب تعالیٰ تم سے اس کا حق مانگے۔ تمہارا اجر ضائع کر کے تمہیں بھی ضائع کر دے۔ عمارت کو گرنے سے قبل سہارا دیا جاتا ہے۔

تمہیں وہی اجر ملے جو کچھ تم نے اس امر میں کیا جو رب تعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ جو کچھ ضائع ہو گیا اس کا جواب دہ تمہیں ہونا پڑے گا۔ اس امر کو قائم کرنا نہ بھولو جو رب تعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ تمہیں فراموش نہیں کیا جائے گا۔ عوام سے غفلت نہ برتو، نہ ان امور سے غفلت برتو جو ان کی اصلاح کر دے، تم سے غفلت نہیں برتی جائے گی۔ اس دنیا میں اور اس کے شب و روز میں اپنا حصہ نہ بھولو۔ خلوت میں ذکر الٰہی کثرت سے کیا کرو۔ اس کی تسبیح و تحمید بیان کیا کرو، کلمہ طیبہ کا ذکر کیا کرو حضور ﷺ پر کثرت سے درود پاک پڑھا کرو، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے زمین میں اپنے خلفاء مقرر کیے ہیں۔ ان کے لیے ایک ایسا نور مقرر کیا جس نے رعیت کے لیے ان امور کو جگمگا دیا جو کچھ حقوق میں سے ان کے لیے مشتبہ تھا۔ والیان امر کے لیے بھی ایک ایسا نور چمکا جس کے نورانیت میں وہ حدود قائم کر سکیں۔ حقوق کو ان کے مستحقین تک پہنچائیں اور ان سنن کو قائم کریں جنہیں صالحین نے بڑے بڑے مواقع پر قائم کیا تھا۔ سنن کا زندہ کرنا اس بھلائی میں سے ہے جو زندہ جاوید ہے جسے موت نہیں۔ نگہبان کا ظلم و ستم رعیت کے لیے ہلاکت ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مدد جو غیر ثقہ ہوں اور بھلائی پر نہ ہوں عوام کے لیے ہلاکت ہوتی ہے۔ حسن سلوک کے ساتھ ان نعمتوں کی تکمیل کرو جو رب تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہیں۔ ان نعمتوں کا شکر ادا کر کے ان میں اضافہ کی تلاش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ (ابراہیم: ۷)

ترجمہ: اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو جان لو یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔

رب تعالیٰ کو اصلاح سے بڑھ کر کوئی اور چیز محبوب نہیں، اور فساد سے بڑھ کر اور کوئی چیز مبغوض نہیں۔ گناہ پر عمل پیرا ہونا کفرانِ نعمت ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کسی قوم نے کفرانِ نعمت کیا ہو پھر وہ توبہ کی طرف بھی مائل نہ ہوئی ہو مگر اس سے اس کی عزت چھین لی گئی اور رب تعالیٰ نے اس پر اس کے دشمن کو مسلط کر دیا۔

امیر المومنین! میں اس اللہ رب العزت سے التجا کرتا ہوں جس نے تمہیں وہ امور پہچاننے کی توفیق دی جن کا اس نے تمہیں والی بنایا ہے کہ وہ تمہیں کسی امر میں بھی تمہارے نفس کے سپرد نہ کرے۔ وہ تم سے وہ امور قبول کرے جو اس نے اپنے اولیاء اور احباء سے قبول کیے ہیں۔ وہ اسی کا وارث ہے اور اس میں اسی کی طرف رغبت کی جاتی ہے۔ تم نے جو حکم دیا تھا۔ میں نے وہ لکھ دیا ہے۔ میں نے تمہارے لیے اس کی شرح بیان کر دی ہے، اسے سمجھو اس میں غور و فکر کرو، اسے بار بار پڑھو، حتیٰ کہ وہ تمہیں یاد ہو جائے۔ میں نے اس میں تمہارے لیے بہت کوشش کی ہے، میں نے اللہ رب العزت کی رضا کے حصول کے لیے، حصول اجر کے لیے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے تمہیں اور مسلمانوں کو وصیت کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر تم نے اس کتاب کے مندرجات پر عمل کیا تو رب تعالیٰ تمہیں بغیر کسی مسلمان یا معاہدہ پر ظلم کیے وافر خراج عطا فرمائے گا۔ تمہاری عوام کی تمہارے لیے اصلاح فرمائے گا۔ بلاشبہ ان کی اصلاح ان پر حدود قائم کرنے سے، ان پر ظلم نہ کرنے سے اور انہیں باہم حقوق کی وجہ سے ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکنے سے ممکن ہے، میں نے تمہارے لیے ایسی عمدہ احادیث لکھی ہیں جن میں ایسے امور پر بحث ہے جن کے بارے تم نے سوال کیا ہے جن پر تم عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، انشاء اللہ، رب تعالیٰ تمہیں ایسے امور کی توفیق دے جن کی وجہ سے وہ تم سے راضی ہو جائے، تمہاری اصلاح کرے تمہارے ہاتھوں سے اصلاح کرے۔"

طاہر بن حسین کی اپنے بیٹے کے لیے کتاب

طاہر بن حسین اپنے معاملہ میں بڑے دانا تھے۔ وہ سیاسی معاملات کے الٹ پلٹ کے بڑے ماہر تھے۔ زمانہ نے انہیں تجربہ کار بنا دیا تھا۔ حوادثِ ایام نے انہیں پند و نصیحت عطا کی تھی۔ انہیں علم تھا کہ ان کا فرزند دلبند ایک دن امور کا والی بنے گا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے ایک جامع کتاب لکھی جسے وہ خلوت میں پڑھتا تھا اور اپنی حکومت کے زمانہ میں وہ اس کتاب کے مشمولات پر عمل کرتا تھا۔ ہم امراء اور بادشاہوں کے فائدہ اور نصیحت کے لیے اس کتاب میں سے

کچھ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا:

''اپنے سارے اعمال میں اپنی نیت خالص رکھو۔ اپنے نفس کو درست کرنے کے لیے اس طرح خلوت نشیں ہو جاؤ جس طرح وہ شخص گوشہ نشین ہوتا ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ کچھ کر رہا ہے اس کے بارے اس سے پوچھا جائے گا اور جو کام عمدہ کرے گا اس کی اسے جزا ملے گی۔ جو برا فعل کرے گا اس پر اس کا مواخذہ ہوگا۔ اس شخص کے رستہ پر چلو جو لوگوں کے امور کا منتظم بنتا ہے اور انہیں دین کے رستہ پر اور ہدایت کی راہ پر چلاتا ہے مجرموں پر ان کے جرم کے مطابق حدود قائم کرو۔ نہ اسے معطل کرو نہ ہی اس میں سستی کرو، ان کے بارے تمہاری غفلت تمہارے متعلق سوئے ظن پیدا کرے گی۔ بدعتوں اور شبہات سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ سنن معروفہ کے ساتھ تمہارے سارے امور میں تمہارا دین سلامت رہے گا۔ تمہارے سارے امور مکمل ہو جائیں گے۔ جب کوئی وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔ جب بھلائی کا وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔ احسان کرو اور اس کے ساتھ دفاع کرو۔ اپنی عوام میں سے معیوب لوگوں کے عیب سے چشم پوشی کرو۔ چغل خوروں کے ساتھ بغض رکھو۔ تمہارے جلد آنے والے یا دیر سے آنے والے امور میں سے فساد کا پہلا سبب کاذب شخص کا تمہارا قرب اختیار کرنا ہے اور جھوٹ بولنے پر جرأت کرنا ہے جھوٹ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ چغل خوری اس کی مہر ہے، چغل خوری چغل خور کو بچا نہیں سکتی۔ چغل خوری کرنے والے کو کوئی دوست نہیں بچا سکتا نہ ہی کوئی امر اسے سیدھا کر سکتا ہے، تقویٰ شعاروں اور سچے لوگوں سے محبت کرو۔ کمزوروں کی مدد کرو، صلہ رحمی کرو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے امر کے غلبہ کی نیت کرو۔ اس سے ثواب اور دارِ آخرت طلب کرو۔ بری خواہشات اور ظلم سے بچو، اپنی عوام کے لیے ان سے برأت کا اظہار کرو۔ ان کی سیاست کو عدل عطا کرو، ایسے حق اور ایسی معرفت کے ساتھ ان میں اٹھ کھڑے ہو جو تمہیں ہدایت کے رستہ پر چلا دے گا۔ غصہ کے وقت خود پر کنٹرول رکھو، حلم اور وقار کو ترجیح دو۔ طیش، غرور اور جوش سے بچو۔ اس طرح کہنے سے بچو: ''میں مسلمان

ہوں، میں جو چاہوں گا کروں گا'' اس طرح رائے جلد ختم ہو جاتی ہے رب تعالیٰ پر یقین کم ہو جاتا ہے، نیت اور یقین کو صرف رب تعالیٰ کے لیے خالص کرو۔ یہ خوب جان لو کہ ملک صرف رب تعالیٰ کے لیے ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، کسی پر اتنی جلد نہ تو نعمت تبدیل ہوتی ہے نہ ہی اتنی جلدی عذاب نازل ہوتا ہے جتنی جلدی صاحب اقتدار اور سلطان وقت کی نعمت تبدیل ہوتی ہے اور اس پر عذاب نازل ہوتا ہے، جب وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ کے عطا کردہ فضل کی وجہ سے وہ زیادتی اور ظلم کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر کو خود سے دور کر دو۔ جو خزانے اور کنوز تم ذخیرہ کرو۔ وہ نیکی، تقویٰ، عوام کی اصلاح، ان کے شہروں کی آبادی، ان کے امور کا جائزہ لینا، ان کے خون کی حفاظت اور مصیبت زدہ کی دادرسی پر مشتمل ہونے چاہیے۔ یہ بات جان لو جب اموال کثیر ہو جائیں اور انہیں خزانوں میں ذخیرہ کر دیا جائے تو وہ بڑھتے نہیں ہیں۔ لیکن اگر انہیں عوام کی اصلاح، انہیں حقوق عطا کرنے، ان سے اذیت دور کرنے پر خرچ کیا جائے تو یہ بڑھتے ہیں، یہ پاک ہو جاتے ہیں ان سے عوام کی اصلاح ہوتی ہے اور زمانہ خوشگوار ہو جاتا ہے، تمہارا اصل خزانہ یہ ہونا چاہیے کہ عوام کی اصلاح اور معیشت میں اپنے اموال خرچ کر دو۔ اگر تم اس طرح کرو گے تو تمہارے لیے نعمت برقرار رہے گی۔ تمہیں رب تعالیٰ کے دربار سے مزید نعمتوں کی مستحق بنا دے گی۔ اس طرح تمہیں اپنی عوام سے اموال لینے اور خراج لینے پر زیادہ قدرت نصیب ہوگی۔ جب سب کو تمہارا عدل و احسان شامل حال ہوگا، تو ان کے لیے تمہاری اطاعت کرنا آسان ہوگا، جو ارادہ کرو اس پر خوشدلی کے ساتھ عمل کرو، جو حدود تمہارے لیے مقرر کر دی گئی ہیں ان پر برقرار رہنے کے لیے نفس کے جہاد کرو۔ شکر گزاروں کا حق پہچانو، انہیں وہ حق دلواؤ، اس سے بچو کہ دنیا اور اس کا دھوکہ، سلطنت اور اس کی کر وفر تمہیں آخرت کے ہول سے فراموش نہ کر دے، ورنہ تم اپنے حقوق میں غفلت برتو گے۔ یہ غفلت کاہلی اور کاہلی ہلاکت کا سبب بنتی ہے، تمہارے سارے اعمال

اللہ رب العزت کے لیے ہونے چاہئیں، اسی سے ثواب کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر بہت زیادہ فضل کیا ہے، شکر کو لازم پکڑو۔ اسی پر اعتماد کرو۔ رب تعالیٰ تمہاری بھلائی اور احسان میں اضافہ کر دے گا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کے شکر اور محسنین کے احسان کے مطابق انہیں ثواب عطا کرے گا۔

کسی گناہ کو حقیر مت جانو، کسی حاسد کے ساتھ تعاون نہ کرو، کسی فاجر پر رحم نہ کرو، کسی کافر کی نماز جنازہ نہ پڑھو، دشمن کی چاپلوسی نہ کرو، چغل خور کی تصدیق نہ کرو، تم دشمن سے امن سے نہ رہو، کسی فاسق کا ساتھ نہ دو کسی گمراہ کی اتباع نہ کرو، کسی منافق کی تعریف نہ کرو، کسی انسان کو حقیر نہ جانو، نہ محتاج کو خالی نہ لوٹاؤ، باطل پر احسان نہ کرو، کسی ہنسانیوالے کو نہ دیکھو، وعدہ خلافی نہ کرو، فخر کا اظہار نہ کرو، غضب ظاہر نہ کرو، امید کرتے ہوئے دوسرے سے جدا نہ ہونا، زمین پر اترا کر نہ چلو کسی احمق کی تصدیق نہ کرو، آخرت طلب کرنے میں سستی نہ کرو، چغل خور کو نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو، ظالم سے خوف یا محبت کرتے ہوئے چشم پوشی نہ کرو، دنیا میں آخرت کا مطالبہ نہ کرو۔

فقہاء کے ساتھ اکثر مشورہ کرو، نفس سے حلم کے ساتھ کام لو، تجربہ کارونِ داناؤں اور اہلِ رائے وحکمت سے کچھ حاصل کرو، اپنے مشورہ سے آسودہ حال اور بخیل لوگوں کو شامل نہ کرو۔ نہ ان کی بات سنو ان کا فائدہ ان کے نفع سے زیادہ ہوتا ہے۔ لشکر کا ان کی اقامت گاہوں اور رجسٹروں میں ان کا جائزہ لو، انہیں ان کا رزق دو ان کی معیشت میں وسعت بخشو۔ ان کا معاملہ تمہارے لیے قوی ہو جائے گا۔ ان کے دل خلوص اور شرح صدر کے ساتھ تمہاری اطاعت کریں گے۔ صاحب اقتدار کے لیے یہی کافی ہوتا ہے کہ وہ اپنی فوج، عوام پر رحم کرے، وہ عطیات دینے، انصاف کرنے، عنایت وشفقت کرنے اور نیکی اور بھلائی کرنے میں ان کے مابین عدل قائم کرے۔ اس پر عمل کرو، تمہیں کامرانی اور کامیابی نصیب ہوگی۔

یہ بات خوب جان لو کہ تمہیں اس ولایت کی وجہ سے خازن، محافظ اور نگران بنایا گیا ہے، تمہاری عوام کو تمہاری رعیت کہا گیا ہے کیونکہ تم ان کے نگران اور

نگہبان ہو، جو کچھ وہ تمہیں عطا کریں اسے لے لو اور ان کے امور درست کرنے میں اسے خرچ کرو۔ اسے ان کے حالات درست کرنے میں صرف کرو۔ ان پر اہل رائے، منتظم، تجربہ کار اور ایسے دانشمند عامل مقرر کرو جنہیں علم، عدل، سیاست اور پاکدامنی میں خوب آزمایا گیا ہو۔

اپنے عمال کی ہر طرف امین مقرر کرو جو تمہیں تمہارے اعمال کے بارے خبر دیں، وہ تمہیں ان کی زندگی اور اعمال کے بارے لکھیں، گویا کہ تم ہر عمل کے ساتھ ہو اور اس کے سارے امور کا معائنہ کر رہے ہو جب امور میں سے کسی امر کا تمہیں سامنا کرنا پڑے تو اس میں خوب غور وفکر کرو اگر اس میں سلامتی دیکھو اس میں عمدہ دفاع کی امید ہو تو اسے کر گزرو۔ ورنہ اس میں توقف کرو۔ صاحبانِ بصیرت اور دانشمندوں سے مشورہ کرو، پھر اس کے مطابق عمل کرو، بعض اوقات ایک شخص کسی کام میں غور وفکر کرتا ہے وہ اس کے نزدیک اس طرح ہوتا ہے جس طرح وہ پسند کرتا ہے وہ اسے ورغلاتا ہے وہ اسے پسند آتا ہے، اس نے اس کے انجام میں غور وفکر نہیں کیا ہوتا، وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے، اس کا امر اس کے مخالف ہو جاتا ہے، جو عمل بھی کرنا چاہو اس میں احتیاط کرو، فقراء مساکین اور اس شخص کے امور میں تنہا غور وفکر کرو جو خود پر ہونے والے ظلم کی داستان تم تک نہیں پہنچا سکتے اس امر میں غور وفکر کرو جس سے رب تعالیٰ ان کے امر کی اصلاح کر دے۔ محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کی دیکھ بھال کرو، اپنے خزانہ میں سے ان کے رزق متعین کرو۔ تاکہ رب تعالیٰ ان کے حال کی اصلاح فرما دے اور ان کی برکت سے رب تعالیٰ تمہیں رزق اور عمدہ اجر عطا کرے۔ لوگوں کو اپنے پاس کثرت سے آنے کی اجازت دو۔ ان سے ملاقات کرو، اپنے پر ان کے لیے نیچے رکھو۔ ان کے لیے اپنی مسرت کا اظہار کرو، مسئلہ میں ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو، اپنے جود وسخا سے ان پر نرمی کرو۔ جب کچھ عطا کرو تو خوش دلی اور خندہ پیشانی سے عطا کرو، سارے امور میں رب تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ میں رب تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ عمدہ

طریقے سے تمہاری مدد کرے۔ تمہیں توفیق دے، تمہاری راہ نمائی کرے۔
تمہارا وکیل بنے۔"

والسلام

خلیفہ منصور عباسی کا واقعہ

ہمارے لیے اچھا ہے کہ ہم اس فصل میں تمہارے لیے خلیفہ منصور کا واقعہ تحریر کریں عباسی دور حکومت میں تم خلیفہ منصور کی قدر ومنزلت سے آگاہ ہو۔ اس سے ہمارا مدعا صرف وعظ و نصیحت ہے۔ صرف دانا ہی نصیحت حاصل کرتے ہو، خلیفہ منصور حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ ایک رات کو وہ طواف کرنے کے لیے نکلا، وقتِ سحر وہ باہر آیا۔ دورانِ طواف اس نے ایک شخص کو سنا وہ کہہ رہا تھا:

"مولا! میں تجھ سے زمین میں بغاوت اور فساد کے ظہور کا شکوہ کرتا ہوں حق اور اہلِ حق کے مابین جو ظلم اور لالچ حائل ہو گیا ہے اس کا شکوہ کرتا ہوں۔"

منصور تیزی سے اس کے پیچھے چلا حتیٰ کہ اس نے اس کی بات غور سے سن لی۔ پھر باہر نکل کر مسجد حرام کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ اس شخص کی طرف پیغام بھیجا اسے بلایا۔ منصور نے اسے کہا:

"میں نے تم سے کیا سنا؟ تم کس بغاوت اور فساد کے ظہور کا شکوہ کر رہے تھے۔ بخدا! تم نے اس چیز سے میرے کان بھر دیے ہیں جس نے مجھے بیمار کر دیا ہے، مجھے مضطرب کر دیا ہے۔"

اس نے کہا:

"اے امیر المومنین! اگر مجھے جان کی امان دیں تو میں آپ کو بنیادی امور کے بارے بتا دیتا ہوں، ورنہ میں اپنے نفس میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ مجھے اس میں ضروری کام ہیں۔"

منصور نے کہا:

"تمہیں جان کی امان ہے۔"

اس شخص نے کہا:

"وہ ذات جس کو لالچ نے آ لیا ہے حتیٰ کہ طمع اس کے اور حق کے مابین اور

زمین ظاہر ہونے والے فساد اور بغاوت کی اصلاح کے مابین حائل ہو گیا ہے،
وہ تم ہو۔"
منصور نے کہا:
"تمہارے لیے ہلاکت! مجھے لالچ نے کیسے آ لیا ہے، حالانکہ درہم و دینار پر
میرا قبضہ ہے، تلخ و شیریں میرے قبضے میں ہے۔"
اس شخص نے کہا:
"اے امیر المومنین! اتنا لالچ کسی اور میں نہیں جتنا تم میں ہے۔"
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور ان کے امور کا تمہیں نگران بنایا ہے۔ لیکن تم ان
کے امور سے غافل ہو گئے، تم مال جمع کرنے میں مستغرق ہو گئے تم نے عوام
اور اپنے مابین عمارات اور پہرے داروں کے پردے لٹکا دیے، لوہے کے
دروازے بنا لیے۔ ایسے باڈی گارڈز بنا لیے جن کے پاس اسلحہ ہے۔ پھر خود کو
ان عمارات میں مقید کر لیا، اپنے عمال کو اموال اور ٹیکس جمع کرنے کے لیے
بھیجا۔ ظالم لوگ وزراء اور مددگار بنا لیے۔ جب تم بھول جاتے ہو تو وہ تمہیں یاد
نہیں کراتے۔ جب تمہیں یاد آ جائے تو وہ تمہیں تمہارے عیب نہیں بتاتے۔
تم انہیں مال، اسلحہ اور ہتھیار دے کر تقویت دیتے ہو، تم نے انہیں بتا رکھا ہے
کہ تمہارے پاس صرف فلاں فلاں آئے، تم نے ان کے نام متعین کر رکھیں
ہیں۔ تم انہیں یہ حکم نہیں دیتے کہ تمہارے پاس مظلوم، غریب، بھوکا، عریاں
اور ننگا آئے، یا ایسا شخص آئے جس کا اس مال میں حق ہو، جب اس گروہ نے یہ
دیکھا کہ تم نے ان کو اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔ اپنی عوام پر انہیں ترجیح دی ہے
تم نے حکم دیا ہے کہ انہیں نہ روکا جائے۔ تم اموال جمع کرتے ہو لیکن انہیں تقسیم
نہیں کرتے تو انہوں نے کہا: "اس نے تو رب تعالیٰ سے خیانت کی ہے، ہم
اس کے ساتھ خیانت کیوں نہ کریں۔ اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا گیا ہے،
انہوں نے مشاورت کی کہ تمہارے پاس ایسا کوئی شخص نہ جا سکے جو لوگوں کے
حالات سے واقف ہو مگر وہی جسے وہ چاہیں۔ تمہارا جو عامل بھی باہر نکلتا ہے ان
کے کسی حکم کی مخالفت کرتا ہے مگر وہ اسے دور کر دیتے ہیں حتیٰ کہ اس کا مقام گر

جاتا ہے۔ اس کی قدر کم ہو جاتی ہے، جب یہ بات تمہاری طرف سے اور ان کی طرف سے پھیل جاتا ہے تو لوگ انہیں بڑا سمجھتے ہیں اور ان سے ڈرنے لگتے ہیں۔ تمہارے عمال سب سے پہلے تحائف اور اموال بطور رشوت لیتے ہیں تاکہ تمہاری رعیت پر ظلم کرنیکے لیے وہ قوی ہو سکیں پھر طاقت ور اور دولت مند بھی اسی طرح کرتے ہیں تاکہ وہ باقی عوام پر ستم کے پہاڑ توڑ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے شہر ظلم اور بغاوت سے بھر گئے ہیں یہ لوگ تمہارے سلطنت میں تمہارے شرکاء بن گئے ہیں۔ لیکن تم ان سے غافل ہو اگر تمہارے پاس مظلوم آئے تو اس کے مابین اور تمہارے مابین حائل ہو جاتے ہیں۔ اس کی اہانت کرتے ہیں۔ اس پر ظلم کرتے ہیں اسے مارتے ہیں حتیٰ کہ وہ دوسروں کے لیے عبرت بن جاتا ہے، تو یہ سارا منظر دیکھ رہے ہوتے ہو۔ نہ انکار کرتے ہو نہ اسے تبدیل کرتے ہو۔ اسلام اور اہلِ اسلام کی بقا ایسے کس طرح ممکن ہے۔

تم سے پہلے بنو امیہ تھے۔ اہلِ عرب میں سے جو مظلوم بھی ان تک جاتا تو ان پر ہونے والے ظلم کی داستان ان تک پہنچائی جاتی، وہ انصاف کرتے، دور دراز کے شہروں سے لوگ آتے، وہ ان کے سلطان کے دروازے تک آتے۔ وہ یہ ندا لگاتار والے ہوتے اہلِ اسلام! وہ اس کی طرف جلدی سے جاتے۔ سے پوچھتے، تمہیں کیا ہوا ہے؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ ان پر ہونے والے ظلم کی داستان اپنے خلیفہ کے پاس لے جاتے، وہ انصاف کرتا۔

اے امیرالمومنین! میں چین کی طرف سفر کرتا تھا۔ وہاں ایک بادشاہ تھا، میں ایک دفعہ اس کے سامنے حاضر ہوا، اس کے ملک کی شہرت دور تک پھیلی ہوئی تھی، وہ رونے لگا، اس کے وزراء نے اس سے کہا:

''آپ کی آنکھیں نہ روئیں! آپ کیوں روتے ہیں؟''

اس نے کہا:

''میں اس مصیبت پر نہیں رو رہا جو مجھے پہنچی ہو لیکن میں اس مظلوم کی وجہ سے رو رہا ہوں، جو میرے دروازہ چیخ رہا ہوگا۔ لیکن میں اس کی آواز نہ سن سکوں گا۔ اگر میں نے اس کی فریاد سن بھی لی تو میری نگاہیں ان تک نہ پہنچ سکے گی۔

لوگوں میں یہ صدا لگا دو کہ مظلوم کے علاوہ اور کوئی سرخ کپڑے نہ پہنے۔" وہ ہاتھی پر سوار ہوتا تھا شب و روز چکر لگاتا تاکہ وہ کسی مظلوم کو دیکھے اور اس کے ساتھ انصاف کرے۔

اے امیر المومنین! وہ بادشاہ مشرک تھا، مشرکین کے ساتھ اس کی محبت تھی۔ اس کی رقت اس کے ملک پر حرص کی وجہ سے تھی۔ جبکہ تم مومن ہو۔ حضور ﷺ کے چچازاد ہو، لیکن مسلمانوں سے محبت تم پر غالب نہیں آتی۔ اپنے نفس پر تمہیں رقت نہیں آتی۔ تم تین امور میں سے صرف ایک امر کے لیے مال و دولت جمع کر رہے ہو، اگر تم کہو کہ میں انہیں اپنے بیٹے کے لیے جمع کر رہا ہوں تو رب تعالیٰ نے تمہیں چھوٹے بچے میں عبرت انگیز باتیں دکھا دی ہیں جو اپنی ماں کے پیٹ سے گر پڑتا ہے (حمل ضائع ہو جاتا ہے) اس کا مال زمین پر ہوتا ہی نہیں ہر مال کے پیچھے ایک بخیل ہاتھ دھوتا ہے جو اس مال کو سمیٹ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ اس بچے پر لطف و کرم فرماتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اس کی طرف لوگوں کی رغبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ تم کسی کو کچھ بھی عطا نہیں کرتے بلکہ اللہ رب العزت عطا کرتا ہے۔ اگر تم کہو کہ میں اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے لیے مال جمع کرتا ہوں تو اس کے بارے بھی رب تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں میں عبرتناک واقعات دکھا دیے ہیں، جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے سونا اور چاندی سے میں سے جو کچھ بھی جمع کیا اس نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ ان شہ سواروں، اسلحہ، ہتھیاروں نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو اس کمزوری اور ناتوانی نے فائدہ نہ دیا۔ جس میں پہلے تم تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وہ ارادہ کیا جو کیا۔ اگر تم یہ کہو کہ میں اس مقصد کے لیے مال جمع کرنا چاہتا ہوں جو اس سے بڑا ہے جس میں اب تم ہو تو بخدا! جس جگہ اب تم ہو اس کے بعد صرف ایک منزل ہے جسے تم صرف عمل صالح سے حاصل کر سکتے ہو۔

اے امیر المومنین! کیا تم اپنی رعیت میں سے کسی کو قتل سے زیادہ سزا دے سکتے ہو؟"

خلیفہ نے کہا:

''نہیں۔''

اس شخص نے کہا:

''اس ملک کے ساتھ تم کیا کر سکتے ہو جو رب تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ تمہاری ملکیت اس پر نہیں ہے، رب تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو قتل کی سزا نہیں دیتا، بلکہ انہیں ہمیشہ عذابِ الیم میں رکھ کر سزا دیتا ہے، وہ تو تمہاری طرف سے وہ کچھ دیکھ رہا ہے جو تمہارا دل عزم کرتا ہے، اور تمہارے اعضاء چھپائے ہوئے ہیں۔ اے امیر المومنین! تم کیا کہتے ہو؟ جب رب تعالیٰ جو حق اور مبین ہے تم سے یہ دنیاوی مملکت چھین لے گا اور تمہیں حساب وکتاب کے لیے بلائیگا تو کیا وہ چیز تمہیں فائدہ دے گی جس میں اب تم ہو اور دنیا کی یہ مملکت جس میں تم اتنے مریض ہو تمہیں کیا فائدہ دے گی۔''

یہ سن کر منصور رونے لگا، حتیٰ کہ وہ سسکیاں بھرنے لگا، اس کی آواز بلند ہوگئی۔ پھر اس نے کہا:

''کاش! مجھے پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ میں کچھ بھی نہ ہوتا۔''

پھر کہا:

''جو کچھ مجھے دیا گیا ہے میں اس میں کیا حیلہ اختیار کروں، مجھے تو صرف خائن لوگ ہی نظر آ رہے ہیں۔''

اس شخص نے کہا:

''امیر المومنین! آئمہ کرام کو لازم پکڑو، جو راہ نمائی کرتے ہیں۔''

امیر المومنین نے کہا:

''وہ کون ہیں؟''

اس شخص نے کہا:

''علماء کرام۔''

خلیفہ نے پھر کہا:

''وہ تو مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔''

وہ شخص بولا:

''وہ اس خوف سے بھاگ گئے ہیں کہ کہیں تم بھی اپنے عمال کی طرح انہیں فتنہ میں مبتلا نہ کر دو۔ لیکن اب دروازے کھول دو، پردے اٹھا دو مظلوم کی مدد کرو حلال اور عمدہ اشیاء لو، حق اور عدل کے ساتھ تقسیم کرو، اس بات کا میں ضامن ہوں کہ جو تم سے بھاگ کر دور چلے گئے ہیں، وہ قریب آ جائیں گے۔ وہ تمہارے معاملہ کی اصلاح اور عوام کی اصلاح کے لیے تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔''

منصور نے کہا:

''مولا! مجھے یہ توفیق دے کہ ان نصیحتوں پر عمل کر سکوں جو اس شخص نے کی ہیں۔''

خلیفہ منصور کا دوسرا واقعہ

حضرت عمرو بن عبید رحمۃ اللہ علیہ زاہد الدنیا تھے۔ پاکبازی اور تقویٰ کے اس مقام پر فائز تھے جس پر ان کے زمانہ کا کوئی اور شخص فائز نہ ہو سکا۔ ایک دن وہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس گئے۔ منصور اس وقت خلیفہ تھا۔ جب عمرو بن عبید خلیفہ کی مجلس میں بیٹھ گئے۔ ان کی جگہ منصور کے قریب ہی تھی۔ خلیفہ نے انہیں کہا:

''ابوعمرو مجھے نصیحت کریں۔''

عمرو بن عبید نے اسے بہت سی نصیحتیں کیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

''یہ معاملہ جو آج تیرے ہاتھ میں ہے، اگر یہ سدا تم سے پہلے لوگوں کے ہاتھوں میں رہتا تو یہ تم تک نہ پہنچتا، اس رات سے ڈرو جس کے بعد ایسا دن آئے گا جس کے بعد رات نہ ہوگی۔''

پھر انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو منصور نے انہیں کہا:

''ہم نے تمہارے لیے دس ہزار دراہم کا حکم دیا ہے۔''

اس شخص نے کہا:

''مجھے ان کی ضرورت نہیں۔''

خلیفہ نے کہا:

"قسم بخدا! تم اسے ضرور لو گے۔"

اس شخص نے کہا:

"بخدا! میں نہیں لوں گا۔"

منصور کا لختِ جگر مہدی بھی اس محفل میں حاضر تھا۔ اس نے کہا:

"امیر المومنین نے بھی قسم اٹھا دی ہے، تم نے بھی قسم اٹھالی ہے۔"

حضرت عمرو منصور کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا:

"یہ نوجوان کون ہے؟"

خلیفہ نے کہا:

"یہ میرا نورِ نظر مہدی ہے۔ یہ ولی عہد ہے۔"

حضرت عمرو نے کہا:

"بخدا! تم نے اسے وہ لباس پہنایا ہے جو امراء کا لباس نہیں ہے۔ تم نے اس کا وہ نام رکھا ہے جو اس کا مستحق ہے، تو نے اسے ایسے امر کا والی بنایا ہے، جو جب تک اس کے لیے ہوگا اس کے لیے زیادہ لطف کا باعث ہوگا۔ جب وہ اسے پیٹھ پھیر کر جائے گا تو اس کے لیے زیادہ تکلیف کا باعث ہوگا۔"

پھر اس نے مہدی کی طرف توجہ کی اور کہا:

"اے میرے بھتیجے! تیرے باپ نے قسم اٹھائی تو تیرے چچا نے اسے حانث کر دیا، کیونکہ تمہارا باپ کفارہ دینے پر تمہارے چچا سے زیادہ قادر ہے۔"

جب حضرت عمرو واپس جانے لگے تو منصور نے ان سے کہا:

"کیا کوئی ضرورت ہے؟"

انہوں نے کہا:

"میرے پاس کوئی چیز نہ بھیجنا حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آ جاؤں۔"

خلیفہ نے کہا:

"پھر تو تم مجھ سے کبھی ملاقات نہ کرو گے۔"

حضرت عمرو نے کہا:

"یہی میری ضرورت ہے۔"

پھر وہ چلے گئے۔ منصور نے دروازہ پر انہیں الوداع کہا۔ وہ یہ کہہ رہا تھا:
''تم میں سے ہر کوئی شکار کا متلاشی ہے، سوائے عمرو بن عبید کے۔''

ہم نے تاریخ میں پڑھا نہیں کہ مسلمانوں کے خلفاء میں سے کسی خلیفہ نے عوام میں سے کسی عالم کا یا کسی امیر کا مرثیہ لکھا ہو سوائے منصور کے، جب اسے اس مردِ پاکباز کی موت کی خبر پہنچی جسے مران میں دفن کیا گیا تھا۔

صلی الالہ علیك من متوسد قبرا مررت بہ علی مران
قبرا تضمن مومنا متحففا صدق الالہ ودان بالعرفان
لوان ھذا الدھر ابقی صالحا ابقی لنا عمرو ابا عثمان

ترجمہ: اللہ رب العزت تم پر اپنی رحمت کرے یعنی اس قبر پر رحمت کرے، مران میں جس سے پاس سے میں گزرا ایسی قبر جس میں ایک مومن اور ہر چیز سے منہ موڑ کر رب تعالیٰ سے لو لگانے والا انسان آرام فرما ہے، جس نے رب تعالیٰ کی تصدیق کی اور عرفان کو پالیا، اگر یہ زمانہ کسی صالح شخص کو باقی رکھتا تو ہمارے لیے حضرت ابوعثمان عمرو ضرور ہمارے لیے باقی رکھتا۔

غلامی کی حکمت

جان لو کہ انسان اپنے مختلف اعمال، جو کئی اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں، جن میں سے بعض مشکل اور بعض آسان ہوتے ہیں، میں ایسے شخص کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی مدد کرے اور اعمال کی ادائیگی میں اس کی مدد کرے۔ بعض اوقات یہ اعمال کسی مددگار اور معاون کا تقاضا کرتے ہیں۔ غالب اوقات میں صرف بات چیت سے اس کا وجود ممکن نہیں ہوتا۔ بلکہ معاملہ کو طاقت، قوت اور سطوت کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اس شخص کے احکام کا نفاذ ہو سکے وہ اعمال اور مصالح، انجام کو پہنچیں جس کا وہ شخص ارادہ رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ حالات درست ہو سکیں اور وہ خوشگوار زندگی گزار سکے۔ اس کے لازمی امور عمدہ نظام سے سرانجام ہو سکیں۔ یہ اس روز سے رب تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں طریقہ ہے جس دن سے اس نے انسان کی تخلیق کی ہے۔ اس کو کائنات کو آباد کرنے کا مکلف بنایا ہے۔ تم رب تعالیٰ کے طریقہ کو تبدیل نہیں پاؤ گے، ساری اقوام میں غلامی کا وجود تھا۔ سابقہ امم میں غلاموں پر تسلط کی وجہ سے لوگ ان پر بہت ظلم کرتے تھے۔ سابقہ شریعتوں میں انسان کے

ساتھ حسنِ معاملہ اور نرمی کا جو حکم دیا گیا وہ ان کی مخالفت کرتے تھے وہ اس مقصد کی رعایت نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے غلامی کا وجود برقرار رکھا گیا۔

وہ ایسے ایسے ظلم کا ارتکاب کرتے تھے۔ جن سے جسم کانپ جاتے ہیں۔ سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں، جگر چاک ہو جاتے ہیں، چشمے رواں ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی حالت اس مقام تک پہنچ چکی تھی جس سے جنگلی درندے بھی اجتناب کرتے تھے۔ وہ غلام کو زندہ جلا دیتے تھے۔ بکریوں کی طرح ذبح کر دیتے تھے۔ اس کا گوشت جنگل میں درندوں کے لیے اور سمندر میں مچھلیوں کے لیے پھینک دیتے تھے۔ غلام کا گناہ چھوٹا سا ہوتا تھا، یا اس کے آقا کی طبیعت سخت اور دل پتھر ہوتا تھا۔ اسلام کا آفتاب درخشاں طلوع ہوا نہ تو اس نے غلامی کو یکبار ختم کر دیا نہ ہی اسے اس بری حالت پر رکھا بلکہ اس حالت کو تبدیل کر کے اسے عمدہ کر دیا۔ اسے پستی سے نکال کر اس مرتبہ پر فائزہ کر دیا جسے آپ آئندہ تفصیلات سے جان لیں گے۔

اسلام سے قبل غلام کی حالت

اسلام سے قبل غلام کی جو حالت تھی، اسے پڑھ کر دل پگھل جاتے ہیں، خواہ وہ سخت پتھر اور مضبوط چٹان سے بنے ہوں۔ اس سے انتڑیاں بکھر جاتی ہیں، آنکھوں سے خون نکلنے لگتا ہے۔ اس اذیت اور تکلیف کی وجہ سے زمین آہ وفغاں کرنے لگتی تھی جو ان مساکین کو پہنچتا تھا جن کو تیرہ بختی اور شقاوت نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پھنسا دیا تھا جو رحمت کے معنی اور شفقت کے مفہوم سے آشنا نہ تھے۔ وہ درندوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ ظالم تھے۔ ان سے زیادہ ستم گر تھے۔ یہ بدسلوکی سارے علاقوں اور ساری ممالک میں تھی۔ ان پر ستم و جفا کے معاملات کئی طرح کے تھے۔

قدیم مصر لوگوں کے ہاں غلام کام کاج کا ایک آلہ تھا جیسے ہل چلانا، زمین آباد کرنا، کاشت کرنا، گھر بنانا اور بوجھ اٹھانا یہ سارے کام غلام سرانجام دیتے تھے۔ ان کے ہاں زیادہ غلام رکھنا باعث عزت وفخر سمجھا جاتا تھا۔ یہودیوں کے ہاں غلاموں سے ایسے کام لیے جاتے تھے جو غلیظ اور گندے ہوتے تھے۔ اہلِ ایران کے نزدیک غلام ہر وہ کام کرنے کا مکلف ہوتا تھا جو اسے حکم دیا جاتا تھا۔ خواہ وہ اس کی طاقت سے زیادہ ہوتا۔ اگر وہ کسی عجز یا عجز کے بغیر کسی کام کو سرانجام نہ دے سکتا تو اسے انتہائی شدید عذاب میں کس دیا جاتا۔ عبرانیوں کے نزدیک غلام شرف کے مظاہر میں سے قوی ترین تھے۔ جس طرح وہ جانوروں اور جائیداد پر فخر کرتے تھے اہلِ یونان کے ہاں

بھی اسی طرح تھا۔ اہلِ روم کے ہاں غلاموں کی حالت سارے انسانوں سے زیادہ ہلاکت خیز اور تباہ کن تھی۔ وہ انہیں جلا کر، مار کر، پیٹ چیر کر اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں اذیتیں دیتے تھے۔ ان کے ہاں غلاموں کی دو قسمیں تھیں۔

1. حکومت کے غلام۔
2. عوام کے غلام۔

حکومت کے غلاموں سے عام عمارات تعمیر کرنے، کاہنوں اور جیلوں کے نگرانوں کی خدمت کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ حکومت ان غلاموں کو عام لوگوں سے زیادہ اذیتیں دیتی تھی۔ جبکہ عوام کے غلاموں کو ہر وہ کام سرانجام دینا پڑتا تھا جو ان کا مالک چاہتا تھا۔ خواہ وہ مشکل کام ہوتا یا آسان۔ اس کی سزا ساری سزاؤں سے سخت اور اذیت ناک ہوتی تھی۔ جو غالباً غلام کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی تھی۔ جو سلوک غلاموں سے وہ کرتے تھے وہ وحشت و بربریت کا ایک نمونہ ہوتا تھا۔ بلکہ یہ وحشت اس سے کم نقصان دہ ہوتی تھی۔ بعض اوقات آقا اپنے غلام کے ٹکڑے کر دیتا تھا اور اس کے ٹکڑے سمندر میں مچھلیوں کے لیے پھینک دیتا۔ وہ اسے حصول برکت کا باعث سمجھتا تھا۔

اٹلی، فرانس اور برطانیہ کے اصلی باشندے زراعت کو خسیس اور حقیر کام سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ غلاموں پر مال یا جانوروں میں سے ٹیکس عائد کرتے تھے۔ اصلی فرانس کے باشندوں میں یہ رواج بھی تھا کہ جو غلام سے شادی کرتا تھا وہ اسی کی مثل غلام بن جاتا تھا۔ الوزیقوط قوم غلام کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت تھے اس کے رواج میں سے یہ تھا کہ جو عورت اپنے غلام سے شادی کرتی تھی اسے اس غلام کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ جبکہ جرمنی میں غلام سے ٹیکس یا جانور لیے جاتے تھے۔ جبکہ اللومباردین بھی غلاموں کے ساتھ الوزیقوط قوم کی طرح کا معاملہ کرتے تھے لیکن وہ مالکہ کو تلوار کے ساتھ قتل کرتے تھے، آگ میں نہیں جلاتے تھے۔ انجلو ساکسون غلام کو دو اقسام میں منقسم کرتے تھے ایک قسم زمین میں زراعت اور کاشتکاری کرتی تھی، جبکہ دوسری قسم کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

یہ اقوام کو صفحہ ہستی سے مٹ گئیں لیکن اپنے پیچھے ایسی رسوم چھوڑ گئیں جنہیں تم جانتے ہو بعض نوآبادکار حکومتیں غلام کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی ہیں وہ ان کے اعمال اور سزا کے مخصوص قوانین بناتے ہیں حتیٰ کہ امریکہ میں بھی ان سے ایسے کام لیے جاتے ہیں جو ان کی طاقت سے بالاتر ہوتے ہیں ہم روزانہ وہ مظالم سنتے ہیں جو وہاں غلاموں پر روا رکھے جاتے ہیں کانگو

(Cango) میں بھی اسی طرح کا سلوک کیا جاتا تھا۔

اسلام سے قبل غلام کی یہ حالات تھے۔ ان اقوام کی کچھ اولاد میں اب بھی یہی حالت پائی جاتی ہے۔ اب ہم اسلام میں غلام کا مقام بیان کرتے ہیں، تاکہ تم اسلام کے عدل سے آگاہ ہوسکو۔

اسلام میں غلام کا مقام

پچھلی فصل میں تم اسلام سے قبل غلام کی حالت سے آگاہ ہوئے۔ جب اسلام کا مہر منیر طلوع ہوا تو اس نے غلام کو ان مظالم، مصائب اور مشکلات سے نجات دی۔ بہت سے حقوق اور احکام میں دیگر مسلمانوں کے برابر مقام دیا۔ رب تعالیٰ نے غلام کے بارے حکم دیا۔ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ (النساء:۳۶)

ترجمہ: اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی جو رشتہ دار ہے اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں ہے اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی غلام) تمہارے قبضے میں ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

”تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے جو کچھ خود کھاتے ہو وہی انہیں کھلاؤ جو خود پہنتے ہو وہی انہیں پہناؤ۔ اللہ کے بندوں کو اذیت نہ دو۔“

حضور ﷺ نے غلام کے ساتھ برا سلوک کرنے اور سے حقیر سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی اپنے غلام کو عبدی (میرا غلام) امتی (میری لونڈی) نہ کہے بلکہ فتای اور فتاتی کہا کرو۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس کے پاس لونڈی ہو وہ اسے علم سکھائے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور اس سے نکاح کر لے تو اسے دو اجر ملیں گے۔''

اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے ان احکام کے بعد اس بات پر کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں کہ اسلام ان وحشیانہ رسوم کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ یہ غلام پر بہت زیادہ رحم کرتا ہے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے یہ وضاحت کی ہے کہ غلام ہمارے بھائی ہیں۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ غلاموں سے برا سلوک کرنا نافرمانی ہے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا افضل اعمال میں سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''جس مومن نے دنیا میں کسی مومن غلام کو آزاد کیا تو رب تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کے بدلہ اس کا ایک ایک عضو آگ سے آزاد کر دے گا۔''

حضرت واثلہ بن الاصقع سے روایت ہے، حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے، ہمارے ایک ساتھی پر نزع کا عالم تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کی طرف سے غلام آزاد کرو، اللہ تعالیٰ غلام کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا۔''

حضرت ابو نجیح سلمی سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، ہم طائف میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا:

''جس نے راہِ خدا میں ایک تیر پھینکا اسے جنت میں ایک مرتبہ نصیب ہوگا، جو اسلام میں بوڑھا ہوا تو یہ سفید بال روز حشر اس کے لیے نور ہوں گے، جس مسلمان شخص نے مسلمان غلام آزاد کیا تو اس کی ہر ہر ہڈی آزاد کرنے والے کی ہر ہر ہڈی کے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوگی، جس مسلمان عورت نے مسلمان لونڈی کو آزاد کیا تو اس کی ہر ہر ہڈی آزاد کرنے والی کی ہر ہر ہڈی کے لیے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوگی۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل

کر دے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"آدمی کو آزاد کرو۔ گردن کو رہا کرو۔"

وہ عرض گزار ہوا:

"کیا یہ دونوں ایک ہی نہیں ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

"نہیں، غلام آزاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ تم اسے تنہا آزاد کرو اور گردن آزاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی آزادی میں اُس کی مدد کرو۔"

بعض روایات میں یوں ہے:

"تم اس کی قیمت ادا کرنے میں اس کی مدد کرو۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"میرے حبیب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے غلام کے ساتھ نرمی کرنے کی اتنی وصیت کی کہ میں نے گمان کیا کہ لوگوں کو نہ غلام بنایا جائے نہ ان سے خدمت لی جائے۔"

آپ نے اس مرض میں فرمایا جس میں وصال کیا:

"نماز اور غلام" یعنی نماز باقاعدگی سے ادا کرو اور غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"نماز اور اپنے غلاموں کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرو۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے یہ آخری وصیت کی:

"نماز اور غلام"

حتیٰ کہ آپ کے سینۂ اقدس سے غرغرہ کی آواز پیدا ہو گئی۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول تھے، ان کی ایک لونڈی تھی۔ جو ان کی بکریاں چراتی تھی۔ ایک دن ایک بھیڑیا ایک

بکری پر حملہ آور ہوا اور اسے کھا گیا۔ حضرت عبداللہ بکریوں کی تلاش میں آئے تو انہیں وہ بکری نہ ملی۔ ان کی لونڈی نے ساری صورتحال عرض کر دی۔ جسے سن کر حضرت عبداللہ نے اپنی لونڈی کے چہرے پر تھپڑ دے مارا۔ پھر اپنے اس فعل پر بڑے نادم ہوئے۔ پھر وہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی خبر دی۔ جسے سن کر حضور اکرم ﷺ سخت ناراض ہوئے، حتیٰ کہ آپ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ صحابہ کرام آپ سے بات کرنے سے ڈرنے لگے۔ حضرت عبداللہ جامد وساکت کھڑے رہے۔ حرکت تک نہ کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایک بچی ایک بھیڑیے کے ساتھ کیا کر سکتی تھی۔ ایک بچی ایک بھیڑیے کے ساتھ کیا کر سکتی تھی۔"

آپ لگاتار یہی فقرہ دہراتے رہے۔ پھر فرمایا:

"تمہارے غلام تمہارے بھائی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تمہیں تسلط عطا فرمایا ہے۔"

حضرت عبداللہ کو اس معاملہ سے نکلنے کا اور کوئی رستہ نظر نہ آیا سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنی وہ لونڈی آزاد کر دی جسے طمانچہ مارا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرورِ کائنات ﷺ کی مکمل اقتداء کی، ایسے حسین واقعات کا تصور صرف ان سے ہی ہو سکتا ہے، اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو سواری پر تھا، اس کا غلام اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ انہوں نے اس کے آقا سے کہا:

"اللہ کے بندے! اس کو اپنے پیچھے سوار کر لو، یہ تمہارا بھائی ہے، اس کی روح تمہاری روح کی طرح ہے۔"

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے، ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا۔ ان کے پاس ایک ہی اونٹنی تھی، وہ باری باری اس پر سوار ہو رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے سیاست اور دین میں ان کے امام تھے۔ اس وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے امیر تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ لوگ انہیں نفرت سے دیکھیں گے، کیونکہ اس علاقے میں بہت سے رومی بھی تھے۔ حضرت ابوعبیدہ نے عرض کی:

"امیر المومنین! میرے خیال میں آپ کا امر غیر مناسب ہے۔ سارے لوگ آپ پر نظر جمائے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم سے پہلے کسی نے ایسی بات نہیں کی۔ تمہاری یہ بات مسلمانوں کے لیے رحمتِ خداوندی سے دوری کا سبب بنے گی۔ ہم سارے لوگوں سے رسوا اور حقیر تھے۔ رب تعالیٰ نے ہمیں اسلام سے عزت عطا کی جب بھی ہم نے اس کے علاوہ کسی اور سے عزت طلب کی رب تعالیٰ نے ہمیں رسوا کر دیا۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ غلام بنانے سے نفرت کرتے تھے، وہ فرماتے تھے:

''مجھے خود سے حیاء آتی ہے جب اس شخص کو غلام بناؤں جو یہ کہے: ''میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔''

مسلمانوں نے غلاموں کے ساتھ نرمی برتنے میں صحابہ کرام کی پیروی کی۔ اسلام میں بہت سے ایسے غلام تھے بلند مناصب پر فائز ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما میں نجابت کے آثار دیکھے تو انہیں اس عظیم لشکر کا امیر بنا دیا، جس میں بڑے بڑے مہاجرین اور انصار اور جلیل القدر صحابہ کرام شامل تھے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو بھیجا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا، جسے حلب کی طرف بھیجا تھا۔ حالانکہ وہ سیاہ فام تھے۔ اس لشکر میں قریش کے سردار بھی شامل تھے۔ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مقوقس کبیر القبط کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ صلح کرنے کے لیے بات چیت کرنے میں ان کے امیر تھے۔ اس وقت امیر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے۔

یہ کافور الاخشیدی ہیں جو فرعونوں کے تخت پر براجمان ہیں ملک مصر کی زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں ہے۔ مصر اسلامی ممالک میں سے سب سے زیادہ نفیس ہے۔ ان کو اخشید نے ایک مصری شخص سے اٹھارہ دینار کا خریدا تھا۔ امیر بہاؤالدین قراقوش الاسلامی قاھرہ کی فصیل کے والی تھے۔ اس وقت مصر پر بادشاہ ناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کی حکومت تھی۔ یہ مصر میں ایوبی خاندان کے پہلے بادشاہ تھے۔ اسی طرح سلطان ملک المؤید (شیخ محمودی) بھی غلاموں میں سے تھے۔ ان کو خواجہ محمود شاہ الیازدی نے ایک تاجر سے خریدا تھا۔ اسی نسبت سے انہیں محمودی کہا جاتا تھا۔ پھر یہ ظاہر برقوق کے پاس آ گئے، ظاہر نے انہیں پسند کیا۔ ان کی ذہانت سے متاثر ہوا۔ یہ ظاہر کے زمانہ میں مصر اور شام کے کئی بلند مناصب پر فائز رہے، حتیٰ کہ وہ یکم شعبان ۸۱۵ھ کو مصر

کے بادشاہ بن گئے وہ تادمِ واپسیں ۸ محرم ۸۲۴ھ تک اقتدار پر براجمان رہے۔ انہوں نے آٹھ سال، پانچ ماہ اور چھ دن مصر پر حکومت کی، انہوں نے ہی قاہرہ میں جامع المؤید تعمیر کرایا۔ یہ جامع باب زویل کے قریب ہے۔ یہ اسی نام سے مشہور ہوا۔ انہوں نے اس کے لیے بہت سی جائیداد وقف کی۔ یہ جامع ابھی تک آباد ہے اور آباد رہے گا۔ اسے مصر کے آثار میں سے سب سے زیادہ قابلِ فخر سمجھا جاتا ہے۔

اسلام میں غلام کا یہ مقام ہے۔ ذرا اس کا موازنہ غلام کی اس حالت سے کرو جو اسلام سے قبل تھی تو تمہیں واضح فرق نظر آئے گا۔ شارع حکیم کی حکمت کتنی عظیم ہے۔ اسلام کتنے عدل کا دین ہے۔

اسلام میں غلامی باقی رکھنے میں حکمت

شاید معترض یہ اعتراض کرے اسلام انسان کی فلاح و بہبود کے لیے آیا ہے، یہ انسان کی دنیاوی اور اخروی سعادت کے لیے آیا ہے۔ انسان کے لیے سعادت یہ ہے بلکہ سب سے بڑی نعمت جو اسے ملتی ہے وہ اس کی آزادی ہے۔ یہ نعمت جب چھن جاتی ہے تو انسان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ ذلت اور غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا بات ہے کہ اسلام نے غلامی کو اس طرح ختم نہیں کیا جس طرح اس نے ان سے بہت سی عادات کو ختم کیا جو انسان کو آزدی کی لذت سے محروم کرتی تھیں حالانکہ ان کے مفقود کرنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔

ہم اس معترض کو کہیں گے کہ اسلامی شارع حکیم ہے۔ وہ ہر ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھتا ہے اسی لیے اس نے اس عادت کو اچانک ختم نہیں کیا جس کی جڑیں زمانہ قدیم سے معاشرہ میں دور تک گئی ہوئی تھیں، اگر ان عادات کو فوراً ختم کر دیا جاتا تو بہت سے لڑائی جھگڑے پیدا ہو جاتے۔ شارع حکیم نے اسے اچانک ختم نہیں کیا بلکہ ایسے رستہ پر گامزن کیا جس میں مالک اور غلام کے لیے مصلحت تھی ان لوگوں کے لیے جو غلام بناتے ہیں دو اعتبار سے مصلحت تھی۔

1. اسلام میں صرف جنگ کی بنا پر قیدی بنایا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام سے قبل اقوام میں جنگ اور بغیر جنگ کے قیدی بنا لیے جاتے تھے۔ پھر اسلام نے یہ اضافہ کیا کہ غلام آزاد کرنے کو قربِ الٰہی کا سبب بنایا۔ بہت سے مقامات پر انسان کو اس کی ترغیب دی پھر عزم کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ اس میں سختی فرمائی۔ ایسے امور اور مسائل بیان فرمائے جو

انسان کو غلام آزاد کرنے تک لے جاتے ہیں غلام آزاد کرنے کے بارے بہت سی آیات اور احادیث طیبہ بیان فرمائیں۔ اس میں غلام کے لیے مصلحت کارفرما ہے۔

۲ آقا کے لیے اس میں مصلحت یہ ہے کہ غلام کو باقی رکھنے کا فائدہ مسلمانوں کو ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ ان اقوام کے حقوق پوری طرح ادا کریں جن کی نگرانی کا انہیں مکلف بنایا گیا ہے، انہیں غلام کی صورت میں ایک ایسا مددگار ملے گا۔ جو ان کی معیشت کے ایسے امور کو بہتر کرے گا۔ جن پر انہیں بذاتِ خود قدرت نہ ہوگی، مثلاً ہل چلانا، کھیت کی نگہداشت کرنا اور بچوں کی تربیت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

غلامی کو باقی رکھنے سے دشمن کے دل میں خوف اور رعب بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس سے مسلمانوں اور مجاہدین کی تعداد کثیر ہوتی ہے۔ اسی حکمت کے پیش نظر اسلام میں آج تک غلامی کو باقی رکھا گیا۔

قضاء و قدر

مجھے یقین بھی ہے اور میری تحقیق بھی ہے کہ شرق و غرب میں ایسا کوئی شخص بھی نہیں ہوگا، جس نے سید جمال الدین افغانی کا نام نہیں سنا ہوگا۔ وہ بہت بڑے عالم تھے، وہ ایسے فلسفی تھے جن کو ایک شخص کہنا درست نہیں بلکہ وہ پوری امت تھے۔ جب وہ فرانس میں مقیم تھے تو انہوں نے اپنے شاگرد، استاذ، امام شیخ محمد عبدہ کی طرف پیغام بھیجا، انہوں نے وہاں ان کے ساتھ ملاقات کی۔ ان دونوں نے مل کر رسالہ ''عروۃ الوثقیٰ'' نکالا۔ پورے یورپ میں یہ تنہا مجلہ تھا جو عربی زبان میں نکلتا تھا۔ انہوں نے اس میں مشرق میں مظلوم اقوام کا دفاع کیا۔ ان اقوام کے دفاع کیا جو ظلم اور ستم کی چکی میں پس رہی تھیں۔ سید جمال الدین افغانی نے قضاء و قدر کے بارے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق میں طریقہ یہ ہے کہ قلبی عقیدہ کا بدنی اعمال پر تسلط ہوتا ہے، اعمال میں جو صلاح یا فساد ہوتا ہے تو اس کا سبب عقیدہ کا فساد یا صلاح ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی عقیدہ انکار کی اطراف کو پکڑ لیتا ہے، عقائد اور دیگر مدرکات اس کی اتباع کرتے ہیں۔ پھر جسم سے ایسے اعمال کا اظہار ہوتا ہے جن کا اثر نفس کو موافق آتا ہے، خیر کے اصولوں میں سے کئی اصول اور کمال کے قواعد میں سے کئی قاعدے ایسے ہیں جب انہیں سکھاتے وقت یا شرعی تبلیغ کرتے وقت

نفوس پر پیش کیا جاتا ہے تو کانوں کو سننے میں اشتباہ لازم آجاتا ہے۔ ان پر ایسی چیز ملتبس ہو جاتی ہے جس کا تعلق اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بعض مذمومہ اوصاف یا باطل اعتقادات اس کے ساتھ آملتے ہیں۔ اعتقاد کے وقت اس کے ساتھ ایسی چیز آملتی ہے جو اتفاقاً آتی ہے۔ دونوں صورتوں میں ان کا چہرہ متغیر ہوتا ہے۔ ان کا اثر مختلف ہوتا ہے۔ بعض اوقات ان کے پیچھے ایسے فاسد عقائد ہوتے ہیں جو سمجھ کی غلطی پر مبنی ہوتے ہیں یا استعداد کی خباثت پر مبنی ہوتے ہیں۔ معتقد کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے اعتقاد رکھتا ہے۔ نہ ہی اسے یہ علم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کو کیسے تبدیل کر سکتا ہے۔ ظاہر سے فریب خوردہ شخص یہی سمجھتا ہے کہ اس اصل اور قاعدہ پر اعتقاد کی بنیاد پر ایسے اعمال کا ظہور ہوتا ہے۔

سمجھ کے ایسے ہی انحراف کی بنا پر ادیان کے بعض اصولوں میں تبدیلی اور تحریف ہوتی ہے۔ بلکہ یہ دین میں بدعت پیدا کرنے کا اغلب سبب بھی یہی ہوتا ہے۔ انحراف اور ان بدعتوں کی وجہ سے کتنی ہی طبیعتوں کا فساد پیدا ہوتا ہے اور قبیح اعمال جنم لیتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ ہلاکت اور برے انجام کی طرف چلے جاتے ہیں، جنہیں رب تعالیٰ نے اس آزمائش میں مبتلا کیا ہوتا ہے۔ یہی چیز ان لوگوں کو ابھارتی ہے، جنہیں واقفیت نہیں ہوتی کہ وہ ادیان میں سے کسی دین پر یا عقائد حقہ میں سے کسی عقیدہ پر طعن کریں وہ بعض اعمال کا سہارا لیتے ہیں، انہیں دین یا عقیدہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

انہی میں سے قضا وقدر کا عقیدہ ہے، جسے اسلام کے عقائد حقہ کے بنیادی عقائد میں شمار کیا جاتا ہے، بہت سے نادان انگریز اس عقیدہ کے بارے بحث، مباحثہ کرتے ہیں۔ طرح طرح کے اندیشے پیدا کرتے ہیں، ان کا گمان ہے کہ یہ عقیدہ جب کسی قوم کے دلوں میں متمکن ہو جاتا ہے، تو ان سے ہمت اور قوت چھین لیتا ہے ان میں کمزوری اور ضعف پیدا کرتا ہے، وہ مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہیں، بہت سے حالات کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں پھر اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں:

''مسلمان فقر وفاقہ میں مبتلا ہیں۔ وہ جنگی ساز وسامان اور سیاست میں دیگر اقوام سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان میں برے اخلاق پیدا ہو چکے ہیں۔ ان میں جھوٹ، نفاق، خیانت، حسد اور بغض کی کثرت ہے۔ ان میں اتفاق ناپید ہو چکا ہے، وہ اپنے حال اور مستقبل کے حالات سے آگاہ

نہیں ہیں۔ وہ اس امر سے غافل ہیں کہ کون سی چیز انہیں نقصان دیتی ہے اور کون سی چیز انہیں نفع دیتی ہے۔ وہ ایسی زندگی پر قانع ہیں جس میں وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں سو جاتے ہیں۔ کسی فضیلت میں دوسرے کے ساتھ مقابلہ نہیں کرتے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کے لیے جب ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو نقصان دے تو وہ اسے نقصان دینے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ وہ باہم لڑنے لگتے ہیں، حالانکہ دیگر امم ان کے تعاقب میں ہوتی ہیں۔ وہ لقمہ در لقمہ انہیں نگل رہی ہوتی ہیں۔ وہ ہر واقعہ پر راضی ہو جاتے ہیں۔ ہر حادثہ کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اگر ان کے گھر تباہ ہو جائیں وہ پھر بھی سکون میں ہوتے ہیں۔ وہ اپنے سبزہ زاروں میں مویشی چراتے ہیں پھر اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ ان کے امراء ساری زندگی لہو و لعب اور شہوات پوری کرنے میں منہمک رہتے ہیں، ان پر ایسے حقوق اور واجبات ہوتے ہیں جن کو ادا کرنے میں عمر میں غرق ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ ان میں سے کچھ بھی ادا نہیں کرتے۔ وہ ساری زندگی عیش و عشرت میں گزار دیتے ہیں۔ وہ اپنے وسیع اخراجات میں فضول خرچی سے کام لیتے ہیں، لیکن ان کے حساب میں ایک بھی ایسی چیز نہیں ہوتی جس کا نفع ان کی امت کو ہو، وہ ایک دوسرے کو رسوا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ خاص مصلحتوں کو عام مصلحتوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

بعض اوقات دو امور کے مابین منافرت ساری امت کو ضائع کر دیتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو رسوا کرتا ہے۔ اس کا ہمسایہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ اجنبی ان میں فانی قوت اور قاتل ضعف پاتا ہے۔ وہ ان کے شہروں کو اس طرح پاتا ہے کہ اسے کسی کثیر لشکر یا تیاری کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ایسے لوگوں کو خوف آلیتا ہے، بزدلی اور پستی آلیتی ہے وہ بلی سے ڈرتے ہیں چھونے سے انہیں درد ہوتا ہے، وہ ایسی حرکت سے رکے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اقوام کو عزت اور شوکت نصیب ہوتی ہے۔ وہ اپنے دین کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اپنے ہمسایوں کو دیکھتے ہیں بلکہ اپنے ماتحتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ترقی کر جاتے ہیں۔ وہ اپنی کمائی پر فخر کرتے ہیں، اگر ان کے بھائیوں کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا ان پر کوئی آفت آ جاتی ہے تو وہ اس مصیبت کو کم کرنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ ان کی نصرت کے لیے اٹھتے نہیں ان میں بڑی بڑی ایسی تنظیمیں نہیں ہوتیں (نہ ہی ظاہری اور نہ ہی مخفی) جن کا مقصد عزت کا احیائ، حمیت کی بیداری، کمزوری کی نصرت اور حق کی حفاظت ہو۔"

اس طرح وہ انگریز مسلمانوں کی طرف ایسی عادات اور خوبیاں منسوب کرتے ہیں۔ ان کا

گمان یہ ہے کہ اس کا سبب صرف ان قضاء وقدر پر اعتقاد رکھنا ہے۔ وہ سارے امور کو قدرت الٰہیہ کے سپرد کرتے ہیں۔ انگریز یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اگر مسلمان اس عقیدہ پر ڈٹے رہیں تو نہ ان کی کوئی حیثیت ہوگی نہ ہی عزت پاسکیں گے نہ انہیں پہلے جیسی فضیلت نصیب ہوگی نہ ہی وہ اپنا حق پاسکیں گے نہ ظلم کا دفاع کرسکیں گے نہ وہ کسی سلطان کی قوت اور بادشاہ کی تائید کے ساتھ اٹھ سکیں گے۔ یہ منصف ان میں ہمیشہ رہے گا۔ جو ان کے نفوس میں اپنا کام کرتا رہے گا۔ یہ ان کے نفوس میں بار بار آتا رہے گا۔ حتیٰ کہ انہیں فناء کے گھاٹ اتاردے گا۔ انہیں زوال پذیر کردے گا۔ جھگڑے ایک دوسرے کو ختم کردیں گے جو کچھ ان کے ہاتھوں میں آئے گا پرائے لوگ انہیں کھا جائیں گے۔

لیکن یہ انگریز یقین رکھتے ہیں کہ قضاء وقدر پر اعتقاد اور ان جبریہ کے اعتقاد میں کوئی فرق نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے سارے افعال میں مجبور محض ہے۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ قضاء کے عقیدہ کی وجہ سے مسلمان اس پر کی مانند ہو گئے ہیں جو ہوا میں معلوق ہو اور ہوائیں اسے جدھر چاہیں اڑاتی پھرتی ہیں، جب کسی قوم کے نفوس میں یہ بات بیٹھ جائے کہ کسی قول، عمل، حرکت اور سکون میں اسے کوئی اختیار نہیں تو یقیناً اس کے قویٰ تعطل کا شکار ہو جائیں گے۔ رب تعالیٰ نے جو قوتیں اور صلاحیتیں اسے بخشی ہیں ان کا ثمرہ مفقود ہو جائے گا۔ ان کے دلوں سے جدوجہد اور کوشش کا جذبہ ختم ہو جائے گا۔ وہ اس وقت اس بات کے زیادہ مستحق ہوں گے کہ وہ عالم وجود سے عالمِ عدم کی طرف چلے جائیں۔ انگریزوں کے ایک گروہ کا یہی گمان ہے۔ اہلِ مشرق میں بہت سے کمزور عقل لوگ بھی یہی گمان کرتے ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ گمان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ یہ وہم رکھنے والے خطا کار ہیں انہوں نے رب تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے، مسلمانوں پر تہمت لگائی ہے۔ سنی، شیعہ، زیدی، وہابی اور خارجیوں میں کوئی گروہ بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ انسان مجبور محض ہے اور اس کے نفس سے سارے اختیار چھین لیے گئے ہیں بلکہ مسلمانوں کے سارے گروہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے اعمال میں جزوی اختیار حاصل ہے۔ اسے کسب کہا جاتا ہے۔ ان سب کے نزدیک یہی ثواب اور عذاب کا سبب ہے۔ یہ جو جزوی اختیار انہیں دیا گیا ہے۔ اسی کی وجہ سے ان کا محاسبہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر بجالائیں۔ رب تعالیٰ کے ان نواہی پر عمل کریں۔ جو ہر بھلائی کی طرف دعوت دیتے ہیں ہر کامیابی کی طرف لے جاتے ہیں، اختیار کی یہی نوع تکلیف شرعی کا مورد ہے اسی کی وجہ سے حکمت اور عدل مکمل ہوتا ہے۔ ہاں!

مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ ہے جسے جبریہ کہا جاتا ہے ان کا مؤقف یہ ہے کہ انسان اپنے سارے اعمال میں اس طرح مجبور ہے جس میں اختیار کا شائبہ تک نہیں۔ ان کا گمان ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ ایک انسان کھانے اور نگلنے کے لیے اپنے جبڑے ہلائے اور سردی کی شدت کی وجہ سے اس کے دانت بجیں لیکن اس گروہ کے مؤقف کو اہلِ ایمان سمجھتے ہیں کہ وہ فاسد مغالطہ کی وجہ سے ہے۔ لیکن یہ مؤقف رکھنے والے لوگ بھی چوتھی ہجری کے آخر میں ختم ہو گئے تھے۔ ان کا اثر اب باقی نہیں ہے۔

قضاوقدر پر یقین رکھنا، جبر پر اعتقاد رکھنے کی طرح نہیں ہے، کہ اس عقیدہ کے مقتضیات اس طرح ہیں جس طرح وہ گمان کرتے ہیں قضاء پر اعتقاد کی تائید دلیل قاطع بھی کرتی ہے بلکہ فطرت بھی اسی کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔ ہر اس شخص کے لیے یہ آسان ہے جو غور وفکر کرتا ہے کہ وہ سمجھے کہ ہر حادثہ کے لیے کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے جو زمانہ میں اس کے ساتھ ملا ہوتا ہے، وہ اسباب کی کڑی کو دیکھتا ہے جو اس کے سامنے حاضر ہوتی ہے، وہ اس کے ماضی کو نہیں دیکھتا، مگر وہ اس کے نظام کو پیدا کرنے والی ہوتی ہے، ہر کڑی کے لیے ایک ظاہری رستہ ہوتا ہے جس کے بعد عزیز وعلیم رب تعالیٰ کی تقدیر ہوتی ہے انسان کا ارادہ ان سلسلہ کی کڑیوں میں سے ایک کڑی ہے۔ ارادہ ادراک کے نشانات میں سے کوئی نشان نہیں رکھتا۔ جو کچھ حواس کو پیش کیا جاتا ہے نفس کا اس کے بارے تاثر ادراک کہلاتا ہے۔ یہ اس کا وہ شعور ہے جو فطرت نے اس میں رکھ دیا ہے۔ اس ظاہری کائنات میں، اس کا فکر اور ارادہ پر اس قدر اختیار رکھتا ہے جس کا انکار احمق بھی نہیں کر سکتا۔ دانا اس کا انکار کیسے کر سکتا ہے، ان اسباب کا مبدا جو تمہیں ظاہر میں موثر نظر آرہے ہیں یہی ہے، مگر اس عظیم کائنات کا مدبر وہ رب تعالیٰ ہے جس نے ہر چیز کو اپنی حکمت کے موافق پیدا کیا ہے اور ہر حادثہ کو شبہ کے تابع کر دیا ہے گویا کہ وہ اس کا جزء ہو خصوصاً عالم انسانی میں یہ زیادہ ہے۔

اگر ہم فرض کر لیں کہ کوئی جاہل ایسے معبود برحق کا اعتراف نہ کرے جو عالم کا صانع ہو لیکن وہ اس اعتراف سے نجات نہیں پا سکے گا کہ انسانی ارادوں میں زمانہ کے اثرات اور فواعل طبیعۃ کے اثرات ہوتے ہیں لیکن کوئی انسان یہ استطاعت رکھتا ہے کہ وہ خود کو اس طریقہ سے نکال لے جو رب تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں قائم کیا ہے، حقائق کی جستجو کرنے والے اس کا اعتراف کرتے ہیں، حقائق کو پا لینے والے بدرجہ اتم اس کا اعتراف کریں گے، انگریزوں کے بعد حکماء اور سیاست کے علماء قضاء کے تسلط کی طرف سہارا لیتے ہیں وہ اس کے اثبات کے لیے لمبی چوڑی گفتگو کرتے

ہیں لیکن ہمیں ان کی آراء سے استدلال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

تاریخ کا ایک ایسا علم ہے جو ہر قوم کے علماء کی بحث سے مستغنی ہے یہ وہ علم ہے جو اقوام کے عروج وزوال کے بارے عظیم حوادث کی طبائع اور ان کے خواص کے بارے گفتگو کرتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ ان واقعات سے عادات، اخلاق اور افکار میں کیا تغیر وتبدل پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ احساس باطن اور وجدان کے خصائص کو بیان کرتا ہے۔ یہ ان امور کو بھی بیان کرتا ہے جو ان کے بعد اقوام کی سیاحت کرتے ہیں اور شہروں کو آباد کرتے ہیں یا ان میں سے بعض کو فناء کے گھاٹ اتارتے ہیں اور ان کے اثرات مٹ جاتے ہیں۔ اس فن کو ادب کے عظیم فنون میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کا بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے کیونکہ یہ قضا وقدر اور اس یقین پر بحث کرتا ہے کہ بشر کے قوی اس ذات کے قبضہ میں ہیں جو کائنات کی مدبر ہے اور حادثات کو پھیرنے والی ہے۔ اگر بشر کی طاقت دائمی ہوتی ہے تو کوئی بلند منصب نیچے نہ آتا۔ کوئی قوی ضعیف نہ ہوتا کسی کے شرف میں کمی نہ آتی، نہ کسی کا اقتدار چھینا جاتا۔

اگر قضاء وقدر کا یہ اعتقاد جبر کی برائی سے خالی ہو تو اس سے جرأت پیش قدمی، شجاعت اور بسالت پیدا ہوتی ہے، یہ ان ہلاکت خیزیوں میں گرنے کی ترغیب دیتا ہے جن سے دل لرز جاتے ہیں اور جن سے چیتوں کے جگر پھٹ جاتے ہیں۔ یہ اعتقاد نفس کو ثابت قدمی اور ناپسندیدہ امور برداشت کرنا سکھاتا ہے۔ مشکل حالات کا مقابلہ کرنا سکھاتا ہے۔ یہ نفس کو جود وسخا سے آراستہ کرتا ہے یہ نفس کو دعوت دیتا ہے وہ ہر اس چیز کی طرف نکلے جو اس پر گراں ہو بلکہ یہ ارواح لٹانے پر ابھارتا ہے اس حق کے رستہ میں زندگی سے کنارہ کش ہو جانے کا حکم دیتا ہے جس نے اسے یہ عقیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مدت محدود ہے۔ رزق متعین ہے اور چیزیں رب تعالیٰ کے تصرف میں ہیں۔ وہ ان میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ وہ اپنے حق کا دفاع کرنے اپنی ملت یا امت کی شان بلند کرنے اور اس کے بارے اپنے فرائض ادا کرنے میں موت سے کیسے ڈر سکتا ہے۔ وہ اپنے اس مال میں فقر وفاقہ سے کیسے ڈر سکتا ہے۔ جو وہ حق کے غلبہ کے لیے صرف کرتا ہے۔ جو مال وہ احکامِ الٰہیہ اور انسانی معاشرہ کے اصولوں کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ اس آیتِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ پر مسلمانوں کی توصیف فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی فضیلت بھی بیان کی ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

اِیۡمَانًا ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ۝ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ۝

(آلِ عمران: ۱۷۳، ۱۷۴)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے کہ بلا شبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوش) ایمان کو اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الٰہی کی اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

مسلمان اپنے ابتدائی زمانہ میں دنیا کے ممالک اور گوشوں کی طرف تیزی سے گئے اور انہیں فتح کر لیا ان کا ان پر غلبہ ہو گیا انہوں نے عقل کو مبہوت کر دیا۔ ذہن کو حیران کر دیا۔ انہوں نے ممالک پر اپنا اقتدار جما لیا اقوام کو مغلوب کیا۔ ان کی سلطنت بیر نیز، اسپانیہ اور فرانس کی حد سے لے کر چین کی سلطنت تک پھیل گئی۔ حالانکہ ان کی تعداد قلیل تھی۔ حالانکہ وہ مختلف آب و ہوا اور مختلف ماحول کے عادی نہ تھے۔ انہوں نے بادشاہوں کو ذلیل کیا قیصر و کسریٰ کو رسوا کیا۔ انہوں نے یہ کارنامہ صرف اسی سال میں سرانجام دیا۔ اس امر کو خوارق العادات اور عظیم معجزات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے شہروں کو برباد کیا۔ انہوں نے پہاڑوں کی چوٹیوں کو اپنے گھوڑوں کے سموں کے نیچے روند ڈالا۔ ہر دل کو لرزا دیا، ہر عضو پر کپکپی طاری کر دی، ان ساری کامیابیوں میں ان کا قائد صرف یہ عقیدہ ہی تھا۔

اس عقیدہ کی وجہ سے ان کے قدم ایسے لشکروں کے سامنے جم گئے جن کی تعداد فضا کو بھر دیتی تھی۔ جن سے زمین تنگ تھی۔ لیکن انہوں نے انہیں شکست سے دوچار کیا اور انہیں واپس پلٹا دیا۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے ان کی تلواریں مشرق میں چمکیں اور ان کی چمک اہلِ مغرب کے میدانوں میں حیرت زدہ لوگوں پر پڑی، اسی عقیدہ نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنے اموال اور اپنی ساری مملوکہ اشیاء اعلائے کلمۂ حق کے لیے صرف کر دیں۔ انہیں نہ فقر کا اندیشہ تھا نہ فاقہ کا خوف۔ اسی عقیدہ نے ان پر اس امر کو آسان کر دیا کہ وہ اپنی اولاد، خواتین اور جوان کی زیر کفالت ہوتا ان سب کو اٹھا کر دور کے شہروں کے میدانوں میں لے جاتے گویا کہ باغ اور گلشن کی طرف جا

رہے ہوں گویا کہ انہوں نے رب تعالیٰ پر توکل کر کے ہر مصیبت سے اپنے لیے امان مانگ لی ہو۔ اسی پر اعتماد کی وجہ سے وہ ایسے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے ہوں جو انہیں ہر تکلیف سے بچا لیتا ہو۔ ان کی خواتین اور اولاد کے لشکروں کو پانی پلاتے تھے۔ ان کی ہر وہ خدمت بجا لاتے تھے جن کے وہ محتاج ہوتے تھے ان کی اولاد اور خواتین کسی صورت میں بھی مردوں سے پیچھے نہیں رہتی تھیں سوائے اسلحہ اٹھانے کے۔ نہ تو ان کی خواتین کو ڈر لگتا تھا نہ ان کی اولاد مرعوب ہوتی تھی۔

اسی عقیدہ کی وجہ سے وہ اس حد تک پہنچ گئے جس کا ذکر ہی دلوں کو پگھلا دیتا ہے۔ جگر کو پارہ پارہ کر دیتا ہے، حتیٰ کہ رعب کے ساتھ ان کی نصرت کی جاتی تھی۔ ان کے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا تھا، ان کے دشمنوں کو ان کی تلواروں کی چمک دیکھنے سے قبل اور ان کے نیزوں کی دمک دیکھنے سے قبل ہی شکست ہو جاتی تھی۔ بلکہ اس سے پہلے انہیں شکست ہو جاتی تھی کہ وہ ان کے لشکروں کی اطراف تک پہنچیں۔

(میرا گریہ ان جرأتمند اہلِ ایمان پر ہے جو گزر گئے۔ میرا رونا ان مسلمانوں پر بھی ہے جو بعد میں آئے۔ اے رحمت کے گروہ! یہ شفقت کے اولیائ! تم کہاں ہو؟ اے مروت کی علامات اے قوت کے کہسار! تم کہاں ہو؟ اے بہادری کی آرزو! اے مظلوم کی مدد! تم کہاں ہو؟ اے بزرگی اور شرف والو! تم کہاں ہو؟ اے عدل قائم کرنے والو! انصاف کے ساتھ لینے والو! حکمت کے ساتھ گفتگو کرنے والو! امت کی عمارت کی بنیاد رکھنے والو! تم کہاں ہو؟ کیا تم اپنی قبروں کے اندر سے نہیں دیکھ رہے کہ تمہارے بعد تمہارے جانشینوں پر کیا گزر رہی ہے، تمہاری اولاد پر کیا گزر رہی ہے۔ جنہوں نے تمہاری اشیاء کو اپنا ہونے کا دعویٰ کیا مگر وہ تمہارے رستہ سے انحراف کر گئے، تمہاری راہ سے پھر گئے، تمہارے طریق سے گمراہ ہو گئے۔ وہ گروہوں میں بٹ گئے۔ اب وہ کمزوری کی وجہ سے اس حالت تک پہنچ چکے ہیں کہ افسوس سے دل پگھل جاتے ہیں، غم سے جگر جل اٹھتے ہیں وہ دوسری اقوام کا شکار بن چکے ہیں وہ انہیں اپنے حوض سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ انہیں اپنی حدود سے دور نہیں کر سکتے۔ کیا تمہاری برزخ میں سے کوئی چیخنے والا چیختا نہیں ہے جو غافل کو بیدار کر دے، سونے والے کو جگا دے اور گمراہ کو سیدھے رستہ پر گامزن کر دے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

میں کہتا ہوں کہ مجھے اس بات میں اس وہم کرنے والے سے کوئی اندیشہ نہیں جو میں کر رہا ہوں کہ انسانی معاشرہ کے آغاز سے لے کر آج تک کوئی عظیم فاتح نہیں پایا گیا نہ ہی کوئی ایسا جنگجو

پایا گیا ہے جو درمیانے طبقہ سے تعلق رکھتا ہو، پھر وہ اپنی ہمت کی وجہ سے اعلیٰ منصب تک پہنچا ہو ان کے لیے مشکلات آسان ہوگئی ہوں۔ اس کے لیے گردنیں جھک گئی ہوں وہ ایسی مملکت کا تاجور بنا ہو جو تعجب میں ڈال دے اور سبب کی جستجو کی ترغیب دے مگر وہ قضا وقدر پر یقین رکھتا ہوگا۔ سبحان اللہ! انسان اپنی زندگی پر بڑا حریص ہے فطرت اور جبلت کے تقاضا پر اپنے وجود کا طمع کرتا ہے وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے وہ خطرات میں کود پڑتا ہے ہلاکتوں میں گر جاتا ہے موت کے ساتھ نبرد آزما ہوتا ہے، وہ چیز قضا وقدر پر اعتقاد ہی ہے۔ ان کا دل سمجھتا ہے کہ جو کچھ مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا اور کسی سے خوف کھانے سے کچھ نہیں ہوتا۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کورش فارسی (کیخسرو) پہلا فاتح ہے جو قدیم تاریخ میں جانا جاتا ہے اس کی وسیع فتوحات کی کامیابی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بھی قضاء وقدر پر یقین رکھتا تھا اسی عقیدہ کی وجہ سے وہ کسی خطرہ سے خدشہ نہیں رکھتا تھا۔ کوئی شدت اس کی عزیمت کو کمزور نہیں کر سکتی تھی اسکندر اکبر یونانی بھی ان لوگوں میں سے تھا جن کے نفوس میں یہ عقیدہ راسخ ہوتا ہے چنگیز خان تاتاری بھی اسی عقیدہ کا مالک تھا اس کی فتوحات مشہور ہیں۔ نابلیون اول عقیدۂ قضا پر سب سے زیادہ یقین رکھتا تھا۔ یہ وہی تھا تھوڑی سی فوج کے ہمراہ کثیر لشکر پر حملہ آور ہو جاتا تھا کامیابی اس کے قدم چومتی تھی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ یہ کتنا عمدہ عقیدہ ہے جو انسانی نفوس کو بزدلی کی گندگی سے پاک کرتا ہے۔ یہ بزدلی کسی بھی شخص کو کمال تک پہنچنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

ہم اس سے انکار سے کرتے کہ مسلمانوں میں سے بعض کے دلوں میں عقیدۂ جبر کے شوائب پیدا ہو گئے ہیں اس کا سبب وہ مصائب ہیں جن میں وہ آخری زمانہ میں مبتلا ہوئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس دور کے علماء راسخین اس عقیدہ کو ان بدعتوں سے خالص کرنے کی پوری کوشش کریں گے جو عصر حاضر میں اس کے ساتھ ہو گئی ہیں۔ عام مسلمانوں کو سلف صالحین کے طریقے یاد کرائیں گے کہ وہ کیا کرتے تھے۔ ان میں وہ چیز پھیلائیں گے جسے ہمارے آئمہ مثلاً امام غزالی علیہ الرحمۃ وغیرہ نے ثابت کیا ہے کہ توکل اور قضا پر بھروسہ رکھنا، اسے شرع نے ہم سے عمل میں طلب کیا ہے نہ کہ سستی اور کاہلی میں۔ ہمیں رب تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہم اپنے فرائض کو ترک کر دیں توکل کی دلیل دیتے ہوئے ہم اپنے واجبات چھوڑ دیں، یہ ملحدوں کی دلیل ہے۔ یہ ان کی حجت ہے جو صراطِ مستقیم سے بھٹک چکے ہیں۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی یہ شک نہیں کر سکتا کہ ان حالات میں ملت کا دفاع کرنا ہر مؤمن مکلف پر فرض عین ہے۔ اور مسلمانوں کے درمیان

اور ان کے ایسے سچے عقائد کے درمیان جو انہیں متحد کر دیں، ان کی عزیمت کو لوٹا دیں اور ان کی غیرت کو واپس کر دیں تا کہ وہ اپنی سابقہ شان وشوکت حاصل کر سکیں۔ اس دعوتِ خیر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں جن کی طرف ان کے علماء کرام بلائیں۔ یہ سب کچھ ان کے ذمہ ہے۔

مسلمانوں کے زوال اور انحطاط کا سبب نہ تو یہ عقیدہ ہے نہ ہی دیگر اسلامی عقائد ہیں۔ ان کی طرف سے یہ نسبت اسی طرح ہے جس طرح نقیض کی نسبت نقیض کی طرف کی جائے بلکہ یہ اسی طرح جس طرح حرارت کی نسبت برف کی طرف اور ٹھنڈک کی نسبت آگ کی طرف کر دی جائے۔

جی ہاں! مسلمانوں کی سعادت کے بعد ان پر عزت، غلبہ اور کامیابی کا نشہ چھا گیا، اس حالت پر انہیں دو طاقتور صدموں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک صدمہ مشرق کی طرف سے آیا۔ یہ چنگیز خان اور اس کی اولاد کی غارت گری تھی۔ دوسرا صدمہ مغرب کی طرف سے آیا۔ یہ یورپی اقوام کا ان پر دھاوا تھا خماری کی حالت میں صدمہ رائے کو ختم کر دیتا ہے، اور فطرتاً دہشت اور خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد حکومتیں بدلتی رہیں۔ مسند اقتدار پر ایسا شخص بیٹھتا تھا جو اس کا اہل نہ ہوتا تھا۔ ان کے امور کا وہ شخص بنا جو عمدہ انداز سے سیاست نہیں کر سکتا تھا ان کے امراء اور حکام کے اخلاق اور طبیعتوں میں فساد کے جراثیم تھے۔ یہ ان کی بدبختی اور شقاوت کا سبب تھے۔ ان کے نفوس میں کمزوری آ گئی ان میں سے اکثر کی نظریں ان جزئیات کو ملاحظہ کرنے تک محدود ہو گئیں جو ان کی ذات سے متجاوز نہ تھیں ہر ایک نے دوسرے کو پیشانی سے پکڑ لیا وہ اس کو نقصان پہنچانے کی جستجو میں رہنے لگا وہ ہر دروازہ میں اس کے لیے برائی تلاش کرنے لگا۔ اس کا کوئی صحیح سبب نہ تھا نہ ہی قوی داعی تھا۔ انہوں نے اسے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ معاملہ مایوسی اور کمزوری کی طرف لوٹ آیا۔ انہیں اس جگہ پہنچا دیا جس پر اب وہ ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں، جو کہتا ہوں وہ حق ہے کہ یہ امت اس وقت تک نہیں مرے گی جب ایسے مبارک عقائد ان کے دلوں میں جاگزیں رہیں گے، جب تک ان کے نشانات ان کے ذہنوں میں جگمگاتے رہیں گے ان کے حقائق علماء کرام کے سامنے رہیں گے۔ جب بھی ان پر نفسیاتی امراض یا عقلی بیماریوں کا حملہ ہوگا تو عقائد حقہ کی قوت ان کا دفاع کرے گی۔ معاملہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح ہم نے آغاز کیا تھا۔ وہ اپنی رسی سے آزاد ہو جائیں گے۔ وہ اپنے شہروں کو بچانے کے لیے حکمت اور بصیرت کے رستہ پر گامزن ہو جائیں گے ان میں طمع کرنے والی اقوام ان سے ڈریں گی اور وہ اپنی حد میں رہیں گی۔ یہ سب کچھ بعید نہیں ہے۔

تاریخی حادثات اسی کی تائید کرتے ہیں ذرا عثمانیوں کو دیکھو وہ تاتاری اور صلیبی جنگوں کے بعد اٹھے اور اپنے لشکر دنیا کی اطراف تک لے گئے۔ ان کے لیے فتوحات کے میدان وسیع ہو گئے۔ انہوں نے شہروں کو روند ڈالا۔ بادشاہوں کی ناک خاک میں ملا دی۔ انگریز ریاستیں ان کے سلطان کے قریب ہو گئیں حتیٰ کہ سلطان عثمانی کو سلطان اکبر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

ذرا دوبارہ دیکھو۔ تم پاؤ گے کہ ان کے نفوس پر ایک لرزہ طاری ہے، ان کی طبیعتوں میں حرکت آ گئی ہے اس کی وجہ وہ دھمکی ہے جو آخری حادثات نے انہیں برے انجام بارے دی ہے۔ یہ ایسی حرکت ہے مشرق و مغرب کے اکثر علاقوں کے اہلِ بصیرت کے افطار میں سرایت کر گئی ہے۔ ان کے بہترین لوگوں نے حق کے لیے مختلف جماعتیں بنا لی ہیں جنہوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ عدل، شریعت کی نصرت کریں گے تاکہ ان کے افکار پھیل جائیں۔ ان میں اتفاق پیدا ہو جائے۔ انہوں نے اپنا چھوٹے سے چھوٹا یہ کام کیا ہے کہ انہوں نے ایک عربی رسالہ کا اجراء کیا ہے تاکہ وہ جو کچھ وہ اس میں لکھیں وہ دور دراز کے لوگوں تک پہنچ سکے۔ ان کے اندر کے افکار کا وہ مطالعہ کر سکیں ہم دیکھتے ہیں کہ اس پاکباز جماعت کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ہم رب تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں ان کی نصرت فرمائے۔ ان کے مقصد کی تائید کرے ہمیں س کے کرم سے امید ہے کہ ان کی اس سعی پر ایسا اثر مرتب ہو گا جو اہلِ مشرق کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً فائدہ مند ہو گا۔

میراث کی حکمت

میراث کو ایک بہت بڑے فائدہ کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ یہ فطرتی محبت اور قرابت کے رابطہ کو تقویت دینے کے لیے ہے۔ مختصر یہ کہ میراث میں لوگوں کے لیے بہت بڑا فائدہ ہے ہم عنقریب اسے تفصیل سے بیان کریں گے۔ تاکہ سارے انسان اس سے آگاہ ہو جائیں تاکہ ان کے وہ شبہات ختم ہو جائیں جو ان پر طاری ہوتے ہیں وہ وسواس ختم ہو جائیں، لعین ابلیس جن میں انہیں مبتلا کرتا ہے۔

زوجیت کی وجہ سے میراث میں حکمت

خوب جان لو کہ شارع حکیم نے خاوندوں اور بیویوں کے لیے وراثت مقرر کی ہے اور

انہیں کئی وجوہات اور حیثیتوں سے اقارب کے ساتھ ملایا ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ زندگی کے معاملات میں زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہوتا ہے یہ بچوں اور اولاد کی تربیت میں ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں اس لیے یہ روا نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو ترکہ سے محروم کر دیا جائے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات خاوند مر جاتا ہے، وہ اپنی زوجہ کو اس عمر میں چھوڑ جاتا ہے جس میں نئی شادی کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ تاکہ دوسرا شخص اس کا خرچہ برداشت کرے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر خاوند مر جائے اور عورت غریب ہو تو وہ کسی ایسے شخص کو نہیں پائے گی جو اس پر خرچہ کرے۔ حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے اور وہ نیا نکاح کر سکے۔ اس طرح اس میں اور کئی جلیل حکمتیں کارفرما ہیں۔ عورت آٹھویں حصہ یا بعض حالات میں چوتھے حصہ کی وارث بنتی ہے اور مرد چوتھائی اور بعض حالات میں نصف ترکہ کا وارث بنتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکر کو مونث کے حصہ سے دوگنا ملتا ہے۔ نیز یہ کہ مرد عورت سے افضل ہے اس پر یہ اضافہ کر لو کہ مرد عورت کا خاوند اور اس کا نگران ہوتا ہے۔ ان سب میں بلیغ حکمت کارفرما ہے جس کی تفصیل آئندہ فصلوں میں بیان کی جائے گی۔

مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملنے میں حکمت

شارع حکیم نے مرد کو عورت کے حصے کا دوگنا دیا ہے لیکن اس سے وہ بھائی مستثنیٰ ہیں جو ماں کی طرف سے ہوں، کیونکہ ماں کی طرف سے بھائی اپنی ماں کی طرف سے وارث بنتے ہیں۔ وہ بھی مونث ہے۔ اسی لیے وہ وراثت میں برابر برابر شریک ہوتے ہیں۔ ان کا حصہ ثلث سے زائد نہیں ہوگا خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ اپنی ماں کے ہوتے ہوئے بھی وارث بنیں گے لیکن جب وہ اپنے آباء یا باقی اقارب کے وارث بنیں گے تو مرد کو عورت کے حصہ کا دوگنا ملے گا۔ مرد کو عورت کے حصہ کا دوگنا دینے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ مرد رزق کے حصول کے لیے کدو کاوش کرتا ہے۔ وہ اپنے اہلِ خانہ، اولاد اور ان لوگوں پر خرچہ کرتا ہے جن کو خرچہ دینا اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے بلکہ مرد ہی وہ ذات ہوتی ہے جس پر گھر کے خاص اور عام امور میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ لیکن عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے وہ ہمیشہ پردے میں رہتی ہے، گھر کے اندرونی کام کاج کرنے کے علاوہ اسے اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ خاوند اس پر اپنا پیسہ خرچ کرتا ہے۔ وہ شرعاً بھی اس کا مکلف ہوتا ہے، خواہ وہ عورت امیر اور آسودہ حال ہو۔ مرد خود کو ایسے امور سے

تھکا تا ہے جن پر عورت قدرت نہیں رکھتی۔ یہ مرد ہی ہے جو زمین کا جگر چاک کرتا ہے، اسے آباد کرنے میں سختیاں برداشت کرتا ہے یہ زمین کے گوشے گوشے میں پھرتا ہے اور تجارت کے لیے بحر و بر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ یہ مرد ہی ہے جو جنگ آزما ہوتا ہے۔ دین اور وطن کی حفاظت کے لیے خود کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ یہ مرد ہی ہے جو ایسے اعمال سرانجام دیتا ہے جس میں امت کے لیے مصلحت ہوتی ہے خواہ ان اعمال کا تعلق قضاء کے ساتھ ہو یا اموال کی حفاظت کے ساتھ۔ اس کے علاوہ دیگر اعمال اور افعال بھی وہ ہی سرانجام دیتا ہے۔

اسی لیے شارع حکیم نے مرد کو عورت کے حصہ کا دگنا دیا ہے کیونکہ مال انسان کا بڑا مددگار ہوتا ہے اس سے زندگی کی تھکاوٹیں کم ہو جاتی ہیں۔ روزگار کے اسباب آسان ہو جاتے ہیں، علامہ نسفی نے کیا خوب لکھا ہے:

> ''مرد عورت سے عقل، عزم، حزم، رائے، قوت، جہاد، روزہ اور نماز کے کمال، نبوت، خلافت، امامت، اذان، خطبہ، جماعت، جمعہ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تشریق کے اعتبار سے افضل ہے اسی طرح وہ حدود میں گواہی، قصاص میں گواہی، وراثت کے دُوگنا ہونے اور اس میں سرداری، نکاح اور طلاق کی ملکیت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے۔ نسب مرد کی طرف سے چلتا ہے۔ مرد حضرات کی داڑھی ہوتی ہے، عمامے بھی یہی باندھتے ہیں۔''

شریعت اسلامیہ میں بیٹی کی وراثت کی حکمت

زمانۂ جاہلیت میں طویل مدت تک بیٹی کی طرف دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ نہ ہی اسے کوئی اہمیت دی جاتی تھی نہ ہی اس کی طرف توجہ دی جاتی تھی۔ بہت سی بچیوں کو ان کے قریبی رشتہ دار زندہ درگور کر دیتے تھے، اس کے علاوہ ان کا اور کوئی گناہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ مؤنث ہوتی تھیں اسی لیے انہیں روزِ حشر کہا جائے گا:

اِذَاالْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (التکویر:۸)

ترجمہ: اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی سے) پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔

زمانۂ جاہلیت میں بچی کی حالت اسی طرح تھی۔ آباء و اجداد سے یہ حالت آگے بڑھتی

گئی، حتیٰ کہ اسلام کا مہرِ منیر طلوع ہو گیا، اس کے اس قبیح عادت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا اسی طرح عورت کی حالت بدل گئی۔ حتیٰ کہ اسے وہ مرتبہ نصیب ہو گیا جو اس سے پہلے اسے نہ مل سکا۔ اس کے لیے وراثت میں حصہ مقرر کیا گیا۔ یہ حصہ مرد کے حصہ کا نصف ہوتا ہے۔ اس میں دو حکمتیں ہیں:

1. اس کمزور مخلوق پر رحم کرتے ہوئے۔
2. اس قبیح عادت کو ختم کرنا جو زمانہ جاہلیت میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ شارع حکیم کی طرف سے ایک بلیغ حکمت ہے۔

اسلام میں عورت کا یہ مقام ہے۔ لیکن ذرا ان ممالک اور شہروں کی طرف دیکھو جو دینِ اسلام پر نہیں۔ تم پاؤ گے کہ انہوں نے اپنے قوانین میں بیٹی کو وراثت سے محروم کر دیا ہے خواہ وہ تربیت اور تعلیم کے جس مقام پر بھی ہو۔ ان سب کی اصل بدھ مذہب کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ بدھ مذہب میں بیٹی کی وراثت نہیں۔ شدید افسوس تو یہ ہے کہ شرقِ اقصیٰ کے بعض مسلمانوں نے بھی اس قبیح عادت کو اپنا لیا ہے لیکن عنقریب وہ اس کا قلع قمع کر دیں گے ان شاء اللہ! جب تک یہ حکمتیں اور جلیل فوائد پہنچیں گے، وہ مسلمان جو شرقِ اقصیٰ میں سکونت پذیر ہیں ان کے بارے ایک جید عالم دین نے فرمایا ہے:

''میری رائے میں ان مسلمانوں میں سے اکثریت کی اصل بدھ مذہب کی اصل کی طرف لوٹتی ہے، بدھ مذہب میں بیٹی کو وراثت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جب وہ اسلام میں داخل ہوئے تو وہ اس مذہب پر عمل پیرا تھے۔ انہوں نے یہ جستجو نہیں کی کہ اسلام نے بیٹی کو وراثت میں کیا حق دیا ہے وہ لوگ جو اہلِ اسلام کی طرف لوٹتے ہیں ان میں یہ عادت کسی دوسرے مذہب کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے صرف اہلِ چین میں سے مسلمان ہی اس عادت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ہندوستان میں ہندو بھی عورتوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جائے تو اسے بھی خود کو آگ میں پھینک دینا چاہیے، اگر وہ اس کے ساتھ نہ جلی تو وہ ان کے عقیدہ میں ساری زندگی ناپاک رہے گی۔ اس کی نجاست کی وجہ سے نہ تو کوئی اس کے ساتھ شادی کرے گا نہ ہی اسے کوئی مس کرے گا۔

اس طرح خواتین کو وراثت نہ دینے کا رواج پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے علاقے کے مسلمانوں میں بھی سرایت کر چکا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں ایک جمعۃ المبارک کے روز ایک انتہائی مہذب گھرانہ میں موجود تھا۔ انہوں نے ہمیں چائے پر مدعو کیا تھا: میری ایک طرف ایک

امریکی ڈاکٹر بیٹھی ہوئی تھی، جو طرابلس شام پیدا ہوئی۔ وہاں ہی اس نے تربیت حاصل کی اور امریکہ میں ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی پھر اپنے والد کے ساتھ طرابلس میں پریکٹس شروع کر دی، پھر وہ اپنے خاوند کے ساتھ لاہور مقیم ہو گئی، یہ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیڈی ڈاکٹر کی زبان طرابلس کے دیگر باشندوں کی طرح عربی تھی۔ گویا کہ وہ ان سے نکلی ہی نہ تھی۔ مصر اور طرابلس سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی۔ ان کی بڑی مشتاق تھی۔

اس کے پاس ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھی، یہ مسلمانوں کے ان قائدین میں سے ایک قائد کی زوجہ تھی جسے ہندوستان میں اہم مقام حاصل تھا۔ ان خاتون نے اس ڈاکٹر کے واسطہ سے مجھ سے بعض سوالات کیے ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا:

''کیا مصر میں خواتین کو حقِ وراثت ملتا ہے؟''

میں نے کہا:

''مصر میں خواتین کو وراثت کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنا پورا حق لیتی ہیں، شرعی عدالتیں ان کے لیے میراث میں حق کا فیصلہ کرتی ہیں اور نفاذ کرنے والی انتظامیہ اس فیصلہ کو نافذ کرتی ہیں۔''

اس نے کہا:

''پنجاب کی خواتین کو وراثت کا حق نہیں ملتا۔''

میں نے اس سے پہلے بھی سن رکھا تھا کہ ہندوستان میں اسلامی ممالک خواتین کو حقِ وراثت سے محروم کرنے کے لیے ہندوؤں کے رواج کی پیروی کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ میمن کا گروہ جن کا تعلق اہلِ سنت کے ساتھ ہے وہ دینِ اسلام پر سختی سے کاربند ہیں، وہ بھی اس رواج پر عمل پیرا ہیں۔ شریعت موسویہ سرزمین موعد میں بنت کی وراثت کی نص سے خالی تھی۔ لیکن صلفی جو کہ ملخی بن یوسف کے سبط کے ساتھ تعلق رکھتا تھا کی بیٹیوں پر ظلم کیا گیا تو تورات نے یہ نص بیان کر دی کہ وہ اپنے باپ کے قائم مقام ہیں۔ یہ نص الاصحاح نمبر ۲۷ میں موجود ہے۔

❶ صلفحا دین جلعاد بن ماکیر بن ملخی جس کا تعلق معلیٰ بن یوسف سے تھا کی بیٹیاں آگے آئیں۔ اس کی بیٹیوں کے نام یہ تھے:

① محلہ ② نوعتة ③ ملکتة ④ برصتة

۲- وہ موسیٰ، العازار، رؤساء اور ہر گروہ کے سامنے باب جنجۃ الاجتماع کے سامنے یہ کہتی ہوئی گر پڑیں۔

۳- ہمارا باپ جنگل میں مر گیا، مگر اس کے بیٹے نہ تھے۔

۴- ہمارے باپ کا نام قبیلہ سے صرف اس لیے نکال دیا جائے کیونکہ اس کا بیٹا نہیں۔ ہمارے باپ کے بھائیوں کو چھوڑ کر سلطنت ہمیں دی جائے۔

۵- موسیٰ بن دھوان اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے۔

۶- رب تعالیٰ نے موسیٰ سے فرماتے ہوئے کہا۔

۷- صلفحاء کی بیٹیوں نے حق کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ ان کے باپ کے بھائیوں کو چھوڑ کر ان کے باپ کی سلطنت انہیں دے دی جائے۔ ان کے باپ کا حصہ ان کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

۸- بنی اسرائیل کے نبی نے یہ کہتے ہوئے فرمایا: ''جو بھی مر گیا جس کا بیٹا نہ ہو تو اس کی سلطنت اس کی بیٹی کو ملے گی۔

۹- اگر اس کی بیٹی نہ ہو تو اس کی سلطنت اس کے بھائیوں کو دے دی جائے۔''

چین یا ہندوستان بیٹی کو حق وراثت سے محروم کرنا جان بوجھ کر رب تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ ایک رواج کی وجہ سے ہے جو ان میں سرایت کر گیا ہے۔ اور ان میں جڑ پکڑ چکی ہے کیونکہ وہ پہلے اسی دین پر تھے پھر اسلام قبول کر لیا یا یہ عادت ان میں ان کے پڑوسیوں اور ان لوگوں سے منتقل ہوئی ہے جن میں ان کی گزر بسر ہے۔

باپ اور ماں کی وراثت کی حکمت

جان لو کہ اس دنیاوی زندگی میں انسان کا وجود رب تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ والدین انسان کے وجود کے ظاہری اسباب ہیں کیونکہ وہ سارے لوگوں سے زیادہ اس کے قریبی ہیں اس لیے انہیں وراثت سے بالکل محروم نہیں کیا جائیگا۔ اگر بیٹا اپنے والدین کے لیے وہ سب کچھ خرچ کر ڈالے جو کچھ اس کے پاس ہے، اور ان کی خدمت میں ساری کوششیں صرف کر دے تو ان کا بعض حق بھی ادا نہیں کر سکتا۔ وہ یہ حق کیسے ادا کر سکتا ہے۔ والدین اپنی اولاد کی تربیت کرتے ہیں۔ یہ امر معروف ہے۔ بچے کو دودھ پلانے کے لیے اور یہ اذیت ناک چیز کو دور کرنے کے لیے والدہ ساری رات جاگتی ہے جب وہ بیمار ہو جاتا ہے تو والدہ کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔

اس کی سوچ مضطرب ہو جاتی ہے۔ باپ کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے وہ بیٹے کے علاج و معالجہ کے لیے مشقتیں جھیلتا ہے۔ وہ ان ڈاکٹرز کی فیس ادا کرتا ہے جو اس کا علاج کرتا ہے۔ جب وہ تعلیم کی عمر تک پہنچتا ہے تو والد اس کی تعلیم و تربیت پر رقم خرچ کرتا ہے۔ اسی طرح والد اپنے بچے کی تربیت کے لیے رقم خرچ کرتا ہے۔ یہ اس شخص پر مخفی نہیں جس میں تھوڑا سا بھی عقل ہے۔ اب والدین اس عمر کو پہنچ چکے ہوتے ہیں جس میں ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی رزق کمانا ممکن نہیں ہوتا یا تو بڑھاپے کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے۔ اسی لیے شارع حکیم نے اس ترکہ میں ان کا حصہ رکھا ہے جو ان کا بیٹا چھوڑ جائے۔ ان کے ساتھ رحم کرتے ہوئے اور بیٹوں پر والدین کا حق ادا کرنے کے لیے یہ حصہ مقرر کیا گیا۔

وراثت میں باپ اور ماں کا حصہ برابر رکھنے میں حکمت

اگرچہ شارع حکیم نے بعض حالات میں مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے اور مرد کے لیے عورت کے حصہ کا دوگنا مقرر کیا ہے۔ لیکن بعض حالات میں بعض ان مناسبات اور حالات کی رعایت کرتے ہوئے جو تقاضا کرتے ہیں کہ اس قاعدہ سے نکل کر ان دونوں کے مابین مساوات قائم کی جائے۔ ان حالات و مناسبات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے متوفی بیٹے کی وراثت میں برابر کے حصہ دار ہوں گے اگر اس کی اولاد ہوگی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ شارع حکیم نے ملاحظہ کیا کہ بیٹے کو عدم سے وجود میں لانے میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اگرچہ بعض حالات میں باپ ماں سے فوقیت رکھتا تھا۔ یہ اس کے عصبہ ہونے کی جہت سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بطور مثال اگر بیٹا مر جائے وہ باپ، ماں اور بیٹی چھوڑ جائے تو بیٹی کے لیے نصف اور ماں اور باپ کے لیے سدس سدس ہوگا۔ جبکہ باقی سدس عصبہ ہونے کے اعتبار سے باپ کو ملے گا۔ اسی لیے شارع حکیم نے والدین کا حصہ مقرر کیا ہے۔ یہ بہت بڑی حکمت ہے۔

رشتہ داروں کی میراث میں حکمت

شارع حکیم نے ملاحظہ کیا جب عصبہ کی جہت سے میت کے اقارب مفقود ہوں تو وراثت اس کے رشتہ داروں کو ان کے مراتب کے حساب سے دی جائے گی۔ یہ امر اس بات سے بہتر اور عمدہ ہے کہ اس میت کا ترکہ سارے مسلمانوں کو دے دیا جائے۔ یعنی اسے بیت المال میں دے

دیا جائے، کیونکہ عصبہ کے بعد رشتہ دار ہی وہ لوگ ہیں جو اس میت کو دوسرے رشتہ داروں سے قریبی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ میراث کے حقدار ٹھہرے۔ شارع حکیم نے قرابت کی ساری وجوہ کا اعتبار کیا ہے۔ حسب مرتبہ ہر ایک کو حصہ دیا ہے۔ جب تک نہ اس میں ظلم کی وجہ نہ ہو، اس صورت پر وراثت کی تقسیم کی ہے جو عدل کی حقیقی معنی میں ضامن ہے۔ حتیٰ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اس دور میں بھی بعض دوسرے ادیان کے لوگ بھی شریعت اسلامیہ کے مطابق وراثت کی تقسیم کرتے ہیں۔ ذرا شارع کی حکمت کو دیکھو اور اس دین قویم کی تعریف کرو۔

وراثت کے موانع کی حکمت

جان لو کہ شریعت بیضاء نے باہمی الفت، تعاون اور منفعت کو اقارب تک پہنچانے کے لیے وراثت شروع کی ہے جس طرح کہ ہم نے کسی اور مقام پر اس کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ ایسا قاتل جو کسی قریبی رشتہ دار کی وارثت کے حصول کے لیے اسے قتل کرے یا کسی اور سبب کے لیے اسے قتل کر دے تو اس نے قرابت داری کو قطع کیا۔ اس شخص کو اذیت دی جس کی حرمت کی پاسداری کا شرعی طور پر اسے حکم دیا گیا تھا۔ اسی لیے شارع حکیم نے اسے وراثت سے محروم کر دیا ہے۔ اسے روک دیا ہے۔ کہ مقتول کی وراثت کا حصہ دار بنے۔ رب تعالیٰ نے اس کا ارادہ ختم کر دیا کیونکہ اس نے ایک چیز کو اس کے وقت سے قبل حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سے محروم کر کے اسے سزا دی گئی۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر ایک شخص اپنی زوجہ کو اپنی مرض موت میں طلاق دے دی تا کہ وہ وراثت سے محروم ہو جائے تو شارع حکیم نے اس کے اس قول کو مردود کر دیا ہے اور اسے اس خاوند کی وراثت سے حصہ دیا ہے۔ جب کہ اس کا خاوند اس وقت مر جائے جب وہ عدت گزار رہی ہو۔

مقتول قاتل کی وراثت کا حصہ دار نہیں بنتا، شارع حکیم کی طرف سے اس میں ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ لوگوں کو ڈرایا جائے تا کہ وہ اس طرح کے جرم شنیع کا ارتکاب نہ کریں۔ جو فعل اپنے فاعل کو دنیا میں محرومی اور آخرت میں عذاب الیم کا مستحق بنا دے۔ اسی طرح کافر بھی مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔ کیونکہ وہ دین اور اس اخوت اسلامیہ سے نکل گیا ہے، جو مسلمانوں کے مابین قوی رابطہ ہے۔ اسی طرح غلام اپنے آقا کا وارث نہیں بنے گا کیونکہ غلام خود اس آقا کے مال میں شمار ہوتا ہے جو مر گیا ہے کوئی چیز بذاتِ خود اپنے نفس کی وارث نہیں بنتی۔ شارع حکیم نے کسی امر میں ہر ہر معاملہ میں احتیاط برتی ہے۔

وراثت سے محرومی

اس سے قبل تم میراث کی حکمت، زوجیت کی زوجہ سے وراثت میں حکمت، مرد کو عورت کے حصہ سے دوگنا ملنے میں حکمت اور شریعت اسلامیہ میں بیٹی کی میراث کی حکمت، ماں اور باپ کو وارث بنانے کی حکمت، ماں اور باپ کو وراثت میں برابر رکھنے کی حکمت، رشتہ داروں کی وراثت میں حکمت اور وراثت نہ ملنے کی حکمت سے آگاہ ہو گئے ہو۔ اب اس فصل میں ہم فضیلۃ الشیخ الاستاذ الاکبر شیخ محمود شلتوت، شیخ الجامع الازہر کے وہ قیمتی جملے لکھیں گے جو انہوں نے میراث سے محرومی کے متعلق لکھے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

"بعض لوگوں نے مجھ سے اس تصرف کے بارے حکم شرعی کے متعلق پوچھا جو بعض باپ اپنی موت سے قبل اپنے ترکہ میں کرتے ہیں تاکہ بعض ورثاء وراثت سے محروم ہو جائیں، مثلاً بیٹیاں وراثت سے محروم ہو جائیں، بیٹوں تک وراثت محدود ہو جائے۔ یا وہ بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دیں۔ وہ اس تصرف میں حکمِ الٰہی کی جستجو کرتے ہیں کیا اسلام نے ایسے تصرفات کو روا رکھا ہے اور مسلمان حاکم انہیں برقرار رکھ سکتا ہے یا یہ ایسے تصرفات ہیں اسلام جن کا انکار کرتا ہے اور مسلمان والی امر پر لازم ہے وہ اس کا مقابلہ کرے اور اس کے خلاف فیصلہ کرے۔ یہ سوال ہم سے بار بار کیا گیا اور سوال کرنے والوں نے اصرار کیا کہ اس کا جواب دیا جائے اور تفصیل سے بیان کیا جائے ایسا تصرف کرنے والوں کے بارے والیانِ مملکت پر کیا لازم ہے۔ اس اجتماعی اہم موضوع کے بارے اسلام کا کیا حکم ہے اسے لکھیں اور بتائیں کہ عدالت اسلامیہ نے مسلمانوں کے نفوس میں کیا امر مرتکز کرنے کی کوشش کی ہے، ہم نے سمجھا کہ ہم اس مسئلہ کا شرعی حکم لکھ دیں کیونکہ اس تصرف کے آثار ہم اکثر دیکھتے ہیں اور شق نمبر ۱۵ بھی وراثت سے محرومی کو شامل ہے۔

ابتداء اور آغاز کرنے والے شخص کو یہ جان لینا چاہیے کہ اسلام نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو منظم کیا ہے اس نے زندگی کی اطراف میں سے کسی جانب کو نہیں چھوڑا، مگر اس کے لیے تنظیم کی جہتوں کو واضح کر دیا جس سے انفرادی شخص کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اجتماعی طور پر سلامتی برقرار رہتی ہے اس سے انفرادی اور اجتماعی سعادت متحقق ہوتی ہے۔ وہ گروہ جس کی زندگی کو اسلام نے منظم کیا ہے وہ خاندان اور معاشرہ کی زندگی ہے۔ خاندان کی زندگی کو اسلام نے حقوق اور واجبات کی بنیاد پر منظم کیا ہے۔ انہیں آدمی اور اس کی بیوی، آدمی اور اس کے بیٹوں، آدمی اور ان

کے رشتہ اور اہلِ وطن کے مابین متبادل بنایا ہے۔ جبکہ اس نے معاشرہ کو تین عناصر کی بنیاد پر منظم کیا ہے۔

① دینی اخوت

② ادبی اور شہری اجتماعی یکجہتی

③ مشاورت، عدل اور امانات کی ادائیگی

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (النحل:۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو، اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ (النساء:۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے۔

ہم عنقریب ایک روایت بیان کریں گے تاکہ ان جہتوں کی تفصیل بیان ہو سکے جن میں قرآن کریم نے عدل، اس کے آثار اور اس کے مواضع کو واضح کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا۝ (النساء:۵۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے۔

قریبی رشتہ دار اور مختلف رشتہ داروں کے مابین حق میراث کو ثابت کر کے اسلام نے خاندان کی زندگی کو منظم کیا ہے۔

کتابِ الٰہی میں میراث

میراث وہ حق ہے جسے رب تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مقرر کیا ہے اسے محکم فریضہ بنایا ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس نے اسے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور اس کی حفاظت

میں مومنین کے ساتھ شفقت اور رحمت کا اشارہ کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے سورۃ النساء میں میراث کی آیات کی ابتدا اس طرح کی ہے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ (النساء:۱۱)

اس آیت طیبہ میں لوگوں پر یہ حکم لازم قرار دیا اور اس میں بھلائی کی جہت کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ اس کی بنیاد رب تعالیٰ کے علم اور حکمت پر ہے۔ ارشاد فرمایا:

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النساء:۱۱)

ترجمہ: تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہیں تمہیں نفع پہنچانے میں یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں) کو جاننے والا بڑا دانا ہے۔

کسی وارث کو وصیت یا قرض سے نقصان دینے سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (النساء:۱۲)

ترجمہ: بشرطیکہ اسے نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، (یہ نظامِ وراثت) حکم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔

آیاتِ طیبات کا اختتام اس طرح ہوا کہ جو احکام ان میں بیان کیے گئے ہیں یہ رب تعالیٰ کی حدود ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے بیان کی ہیں رب تعالیٰ ان کے علاوہ کسی اور عوض پر راضی نہیں ہوگا۔ پھر ان پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے انسان کو دائمی اجر و ثواب اور عظیم کامیابی نصیب ہوگی اور ان کی مخالفت اور نافرمانی پر دائمی سزا اور رسوا کن عذاب ملے گا۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

(النساء:۱۳، ۱۴)

ترجمہ: یہ حدیں ہیں اللہ کی (مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوں گی

جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اللہ کی (مقررہ) حدوں سے داخل کرے گا اسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہیگا اس میں اور اس کے لیے عذاب لیے ذلیل کرنے والا۔

سورۃ النساء کی آخری آیت جو میراث کی تیسری آیت ہے اور اسی پر سورۃ النساء اختتام پذیر ہو رہی ہے اس میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات پاک ہے جس نے زکوٰۃ کی تقسیم کو اپنے ذمہ کرم پر لیا اور زکوٰۃ کے مستحقین کا خود ذکر فرمایا۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (النساء:۱۷۶)

ترجمہ: صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام تا کہ گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

میراث میں خواہشات نفسانیہ کے مطابق تصرف

اس واضح اور عیاں تشریع کے سامنے اور اتنی شدید تحذیرات کے باوجود ہم بہت سے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں، ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو خود کو ایماندار سمجھتے ہیں۔ اس کی شریعت مطہرہ کی حکمت کو جانتے ہوئے میراث میں احکام الٰہیہ سے غفلت برتتے ہیں وہ اپنی موت سے قبل ہی اپنی خواہشات نفسانیہ کے مطابق اپنے اموال تقسیم کرتے ہیں۔ وہ مستحق کو محروم کر دیتے ہیں اور غیر مستحق کو دے دیتے ہیں۔ وہ ایسے پردہ کے پیچھے یہ کام کرتے ہیں جسے وہ جائز وصیت یا جھوٹے قرض کے اقرار یا تصوراتی خرید و فروخت کے تبادلہ سے ڈھانپ دیتے ہیں۔ ان جھوٹے پردوں سے وہ جسے میراث سے محروم کرنا چاہتے ہیں اسے محروم کر دیتے ہیں، وہ رب تعالیٰ کے حکم کو مغلوب کرنے کی سعی کرتے ہیں اس کی حکمت بالغہ کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اپنے خاندان کو فساد میں ڈالتے ہیں اور وہ اپنی غلط خواہش اور باطل تمنا کو پورا کرنے کے لیے اپنے گھر برباد کر دیتے ہیں۔

وصیت اور اس کو مشروع کرنے میں حکمت

جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے وصیت کو جائز قرار دیا ہے تا کہ انسان اس کے ذریعے اپنی بھلائی

کے امور میں کوتاہی کو دور کر سکے۔ رب تعالیٰ نے اس کے لیے جائز قرار دیا کہ وہ اپنے مال کا کچھ حصہ راہِ خدا میں دے دے۔ کسی کی مدد کر دے یا کسی کی ضرورت کو پورا کر دے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تمہاری وفات کے وقت تمہارے لیے جائز قرار دیا ہے کہ تم اپنے مال کے ثلث میں وصیت کرو۔ تاکہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہو جائے تاکہ وہ اس سے تمہارے اعمال میں اضافہ کرے۔''

وصیت رب تعالیٰ کے ہاں صرف اسی وقت مقبول ہوگی جب وہ اس بنیاد پر کی جائے تاکہ محتاجوں کی ضرورت پوری ہو سکے اور عاجز فقیروں کی اعانت ہو سکے اور اس سے کسی ایسے مستحق کی محرومی بھی لازم نہ آئے جس کو اس مال کی اشد ضرورت ہو۔ اسی لیے ناجائز وصیت یا ایسے دیگر امور مثلاً مکر وفریب سے کی ہوئی تصوراتی بیع، کسی غیر محتاج اجنبی یا اجنبیہ کو مکر وفریب سے دیا گیا ھبہ، یا صرف شخصی تعلقات کی بنا پر کسی کچھ عطا کرنا اکثر غیر شرعی ہوتے ہیں۔ یہ برا تصرف ہے اس سے روکا گیا ہے۔

وصیت اور اسی طرح کا کوئی دوسرا امر جو شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کے لیے ہو یا صرف بیوی اور اس کی اولاد کے لیے وصیت کرنا تاکہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد وراثت سے محروم ہو جائے یا دوسرا وارث اس سے محروم ہو جائے یہ بھی غلط تصرف ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے اسی طرح وصیت یا اس جیسا دوسرا امر جو صرف مردوں کے لیے ہو عورتیں اس سے محروم ہوں یہ بھی غلط تصرف ہے اور اس سے روکا گیا ہے۔ اسی طرح بانجھ عورت کے لیے وصیت وغیرہ بھی درست نہیں تاکہ دیگر رشتہ دار اور اقارب وراثت سے محروم ہو جائیں۔ یہ بھی غلط تصرف ہے اور اسے منع کیا گیا ہے۔ اس طرح ایک مومن اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ خود کو غضب الٰہی کے لیے پیش کرتا ہے۔ جس طرح وہ خاندان کے ٹوٹنے کا سبب بنتا ہے۔ ان کی اولاد اور عزیز و اقارب کی باہمی عداوت اور بغض شروع ہو جاتا ہے ہم نے دیکھا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے کہ اس تصرف کی وجہ سے بھائی اپنے بھائی کو، بیٹا اپنے باپ کو قتل کر دیتا ہے لڑکی اپنے باپ سے بغاوت کرتی ہے، وہ اور اس کا بھائی باہم نبرد آزما ہو جاتے ہیں، باپ اپنے بیٹوں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں خاندان کے رؤساء اپنے خاندان کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں مسلمان اسی طرح جاہلیت اور ظلم کے طریقہ کو اپناتے ہیں باپ ان برے حالات کا ادراک نہیں کر سکتے جو ان کے

برے تصرف کی وجہ سے ان خاندان اور اولاد کے سامنے آجاتے ہیں کیا انہوں نے کبھی نہیں سنا، کبھی نہیں دیکھا کہ دیگر خاندانوں کو کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ ایسے لوگوں کی پیروی کرنے سے رکیں جو غلط خواہشات اور گمراہ کن تمناؤں کی وجہ سے فساد برپا کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کے عہد ہمایوں کا ایک واقعہ

یہ حضرت نعمان کے والد ہیں جو انہیں اپنا کچھ مال دے دیتے ہیں۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنے بیٹے نعمان کو جو کچھ عطا کیا ہے اس کے بارے حضور ﷺ کو بتاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں آپ اس کے گواہ بن جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"کیا اس کے بھائیوں کو بھی ایسے عطیات سے نوازا ہے۔"

انہوں نے عرض کی:

"نہیں۔"

حضور ﷺ نے اس عطیہ کے ساتھ حضرت نعمان کو مختص کرنے سے منع فرمادیا، اور ان کے والد کو حکم دیا کہ وہ یہ عطیہ واپس لے لیں، اس سے رجوع کرلیں، اور اس پر گواہ بننے سے انکار کر دیا، فرمایا:

"ظلم پر مجھے گواہ نہ بناؤ۔"

انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے مابین عدل کرو۔"

ان کے عدل اور حق کے جذبات کو ابھارتے ہوئے فرمایا:

"تمہارے بیٹوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کے مابین عدل کرو، جس طرح کہ تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ بھلائی میں تمہارے ساتھ عدل کریں۔"

اس طرح حضور نے اس شخص کو روک دیا، جو رب تعالیٰ کے احکام کی حدود کو عبور کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے بیٹوں کے مابین عدل قائم ہوسکے اور جو کچھ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اس کی پاسداری ہوسکے، آج کل ہم جو حوادثات اور اس پر مرتب ہونے والے جرائم دیکھتے ہیں ان کی روک تھام کے لیے تصرف کے اس انکار میں ہمارے لیے کافی سبق ہے۔ ہم آئے روز اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں اور بستیوں اور شہروں میں دیکھتے ہیں۔ یہ ہمارے

معاشرہ کا ایک ایسا پہلو ہے جس کے بارے میں اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو بیدار کریں۔ اس برائی کی وجہ سے کئی دکھ پیدا ہوئے ہیں گھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے ہیں۔ دیواروں میں دراڑیں پڑی ہیں۔ اس امت کی کوئی زندگی نہیں ہوتی جس میں خاندان عریاں ہو جائے اور اس کے بیٹوں کے مابین عداوت کی آگ بھڑکنے لگے۔

اس برے تصرف سے مقابلہ

جب یہ حکم شرعی بھی ہے اور قانون بھی کہ اس احمق کو روکا جا سکتا ہے جو اپنا مال برباد کرتا ہو یا اس کا غلط استعمال کرتا ہو یا قرض خواہ کے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مقروض کے مال کو روکا جا سکتا ہے تو پھر ایسے باپوں کو روکنا زیادہ لازم ہے اور قانون اور عدل اس کا زیادہ تقاضا کرتے ہیں کہ ایسے آباء کو روک دیا جائے جو اپنی اولاد کو فتنوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ جو اپنے خاندان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں اور اس کے وجود کو تباہ کر دیتے ہیں۔ امت کے ایسے قانون ساز افراد جو اس کی بھلائی کے لیے کام کرتے ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اس عظیم خطرے کی طرف توجہ دیں اور حکمت آموز شریعت بیضاء کے ساتھ ایسے تصرفات سے روکیں جو اپنی روح اور آثار میں شر اور فساد کے عناصر اٹھائے ہوئے ہیں اور جرائم اور خونریزی کی طرف لے جاتے ہیں۔

ایسے تصرفات سے منع کرنے کی خاص حیثیات

مجھے ذرا اپنے علم سے بتاؤ کہ وہ لڑکی کس کی پناہ میں جائے گی جس کا پر ٹوٹ جائے، اس کے باپ نے اسے میراث سے محروم کر دیا ہو۔ اس کا خاوند یا مر گیا ہو یا اس نے اسے طلاق دے دی ہو وہ غریب ہو اور ایک دن کی خوراک بھی اس کے پاس نہ ہو۔ ایسا بیٹا کہاں جائے گا جس نے نہ کبھی زندگی کا بوجھ اٹھایا ہو اور نہ ہی اس کی تعلیم مکمل ہوئی ہو۔ اس کے باپ نے اسے وراثت سے محروم کر دیا ہو اور سارا ترکہ اس کے بھائی کے لیے لکھ دیا ہو۔ حالانکہ وہ دونوں ایک ہی شخص کی صلب سے پیدا ہوئے ہیں۔

اس شخص کے انتقام کی آگ کیسے ٹھنڈی ہو سکتی ہے جو کسی اجنبی مرد یا عورت کو دیکھے یا دونوں کو ملاحظہ کرے کہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار کے اموال کو ہڑپ کر رہے ہوں اور اس کا محرک اندھی شہوت اور غلط خواہش کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔

اس موضوع پر مسلمانوں سے خطاب

امابعد! اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اپنی اولاد کے مابین عدل کرو۔ تمہارے بیٹوں کا تم پر حق ہے کہ وہ بھلائی میں تمہارے ساتھ عدل کریں۔ اے قانون ساز افراد! اپنی امت کی حفاظت کرو۔ حکمت سے لبریز اور عادل شریعت کو فسادیوں کے ہاتھوں سے بچالو۔ ہم رب تعالیٰ سے ایسے امر کی توفیق مانگتے ہیں جس میں امت کی حیات اس کی عزت و آبرو کی حفاظت اور ناموس کی سلامتی ہے۔

ادب اور مکارم اخلاق کی حکمت

اللہ تعالیٰ تمہیں دین قویم کے آداب سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے تم سمجھ لو کہ لفظ ''ادب'' اگرچہ اس کے تین حروف ہیں لیکن اس کا مفہوم بہت بڑا ہے۔ اس کا فائدہ بہت عظیم ہے یہ جوامع کلمات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ عمدہ خصائل، فضیلت والی صفات، کمالات کی ساری اقسام، عمدہ عادات اور مکارم اخلاق کو شامل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بڑا عمدہ ادب سکھایا اور اس نے مجھے مکارم اخلاق کا حکم دیا۔''

علماء اور حکماء نے اس لفظ کے بارے کتنی گفتگو کی ہے۔ شعراء نے اس کے بارے کتنے شعر کہے ہیں حکماء نے کتنی کتب تالیف کی ہیں۔ فلاسفہ نے اس کے بارے کتنے افکار بیان کے ہیں۔ یہ لفظ ''استقامۃ'' کی طرح ہے حروف کم ہیں لیکن مفہوم بہت بڑا ہے۔

اللہ رب العزت کے ساتھ ادب کی حکمت

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب یہ ہے کہ تو اس کی اس طرح عبادت کرے جس طرح عبادت کرنے کا حق ہے تاکہ تو اس کے قریب ہو جائے جوں جوں تو اس کے قریب ہوتا جائے گا اس کے جلال سے تیرا خوف بڑھتا چلا جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''مجھے تم سب سے زیادہ رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں۔''

سلف صالحین میں سے بعض ایسے زاہد اور عبادت گزار بھی تھے جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تو انہیں بچھو ڈنگ مار لیتا یا ان کے جسم کو آگ سے داغا جاتا انہیں نہ درد ہوتا نہ ہی درد کا احساس ہوتا۔ کیونکہ اس کی روح، دل اور جسم پوری طرح خالق کائنات کی طرف متوجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب پر بہت سی گفتگو کی گئی ہے۔ عقول اسے سمجھنے سے قاصر ہیں لیکن یہ تین اصول پر منحصر ہے جن کے نیچے فروع ہیں۔

1. پہلی اصل یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے احکام کی پیروی کی جائے اور ہر اس چیز سے رکا جائے جس سے اس نے منع کیا ہے۔
2. ایسے وسائل اور اسباب تلاش کیے جائیں! جو بندے کو اس کے مولا کے قریب کر دیں۔ اور اس کے نزدیک اسے محبوب بنا دیں۔
3. نفس کے ساتھ جہاد کیا جائے کہ وہ کسی لغزش کا ارتکاب نہ کرے، کیونکہ اس کی تخلیق اس طرح ہوئی ہے کہ وہ برائی کا حکم دیتا ہے۔

روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ فرمایا:

''تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہو۔''

عرض کی گئی:

''یارسول اللہ! جہادِ اکبر کیا ہے؟''

فرمایا:

''نفس کے ساتھ جہاد۔''

اب تمہارے بعض ایسی آیات طیبات بیان کی جاتی ہیں جو رب تعالیٰ کے ساتھ ادب کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں جو ان کی پیروی کرے گا وہ اس کی رضا کے ساتھ کامیاب ہو جائے گا سے دنیا اور آخرت میں کامرانی، عظیم کامیابی، جزیل فضل اور وافر نعمتیں نصیب ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

(الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ (اور درست) بات کیا کرو تو اللہ

تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی۔

ذرا اس عظیم کامیابی کی طرف دیکھو، اس بہت بڑی بھلائی کو ملاحظہ کرو جسے انسان دنیا اور آخرت میں حاصل کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴿۲۹﴾ (الانفال:۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ بڑے فضل (و کرم) والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۳۵﴾ (المائدہ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو، اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔

یہ آیاتِ طیبہ تمام فضائل اور محامد کو شامل ہیں۔ کمالات کی ساری اقسام ان میں شامل ہیں، یہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے اپنے آقا کی اطاعت کی اور اس سے رک گیا جس سے اس نے منع کیا ہوا اس نے سجدہ کیا اور اس کا قرب حاصل کیا اور مضبوطی کے ساتھ عروۃ الوثقیٰ کو تھام لیا دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گیا۔

جان لو کہ رب تعالیٰ نے خیر اور شر کو پیدا کیا کائنات کی ہر حرکت اور سکون اسی کے حکم اور اذن سے ہوتا ہے وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ ہر امر کا مدبر ہے یہ عوالم اس کی قدرت اور بدیع حکمت کے مظاہر ہیں۔ جب تم اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ تم کسی بھی عمدہ فعل کی حسن تعبیر کے وقت نسبت اللہ رب العزت کی طرف کرو۔ ذوق سلیم اس ادب کا ادراک اس وقت کرتا ہے جب وہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ فرمان پڑھتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِۙ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِۙ﴿۷۹﴾ وَ اِذَا مَرِضْتُ

فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ (الشعراء: ۷۸ تا ۸۰)

ترجمہ: جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) میری رہنمائی کرتا ہے اور وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے۔

انہوں نے تخلیق، ہدایت، کھلانے اور پلانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور مرض کی نسبت اپنی طرف کی۔ یہ بلاغت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور رب تعالیٰ کے ادب کی انواع میں سے ایک نوع ہے۔ وہ قلب سلیم جو حکمت سے لبریز ہو اور وہ ذہین فطین شخص جو کسی کلام میں حسن ذوق کا اندازہ لگا سکتا ہے، وہ جنات کے اس قول میں بھی لذتِ مغّی کو چکھتا ہے۔

وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾ (الجن: ۱۰)

ترجمہ: اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں سے یا ان کے رب نے انہیں ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے۔

رب تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے ذرا دیکھو کہ انہوں نے شر میں نائب فاعل کو مخفی رکھا اور رشد میں فاعل کو ظاہر کیا، حالانکہ دونوں حالتوں میں فاعل واحد ہے۔

اللهم اجعلنا معك من المتادبين الخالصين واحشرنا في زمر الناجين الطاهرين۔

حضور نبی رحمت ﷺ کا ادب کرنے میں حکمت

حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ افضل اور معزز ہیں۔ آپ کا ادب کرنا واجبات میں سے اول ہے۔ قرب خدوندی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ کیونکہ آپ کا ادب اللہ تعالیٰ کا ادب ہی ہے۔ یہ رب تعالیٰ کا قرب عطا کرتا ہے، کیونکہ اس نے بہت سی آیات طیبات میں جن میں اطاعت اور جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے ان میں اپنی اطاعت کو حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے۔ شارع حکیم کو علم تھا کہ عقول آپ کی قدر کا عرفان پانے سے قاصر ہیں جیسا کہ امام بوصیری نے کہا ہے:

و مبلغ القول فيه انه بشر   و انه خير خلق الله كلهم

ترجمہ: آپ کے بارے گفتگو کی انتہا یہ ہے کہ آپ بشر کامل ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہترین ہیں۔

اس نے ہمیں اپنی کتاب حکیم میں بتا دیا اس نبی کریم ﷺ کا ہم کیسے ادب کریں جو سارے جہانوں کے لیے سراپا رحمت بن کر تشریف لائے۔ لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر یقین کے نور تک پہنچایا۔ آپ کو دین کی نصرت کے رستہ میں ستایا گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ہجرت کی، جہاد کیا، مشرکین کے ساتھ جنگ کی، حتیٰ کہ اسلام پھیل گیا بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہر مومن اور مومنہ کے گلے میں نعمت کبریٰ اور احسانِ عظیم کا طوق پڑ گیا، نعمتِ اسلام سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ کس طرح سے پیش آئیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ (الحجرات:۱-۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے باتیں کرتے ہو (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے انہی کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

اس سے یہ علم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے آداب میں سے ہے کہ ہر قول اور فعل کے امور میں سے کسی امر میں آپ سے آگے نہ بڑھیں جس طرح کہ تابع کے لیے درست نہیں کہ وہ متبوع سے آگے بڑھے، تم جانتے ہو کہ انسان جب ایسے شخص سے مخاطب ہوتا ہے جو اس سے کم مرتبہ ہو تو

اس کی آواز سے اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ یہ بات اسے اذیت دیتی ہے کہ کامل ایمان مومن اس بات پر کبھی بھی راضی نہیں ہوتا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے نفس نفیس کو اذیت دے۔ آپ کے ساتھ برائی سے پیش آئے یہ تو کسی چیز کے بارے میں ادب نہیں ہے یہ تو کبیرہ گناہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور:٦٢)

ترجمہ: پس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور ہوتے ہیں جب آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لیے تو (وہاں) سے چلے نہیں جاتے جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں بلاشبہ جو لوگ اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لیے تو اجازت دیجیے ان سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔

تم اس بات سے آگاہ ہو کہ ایک انسان کسی رئیس کے ماتحت ہو وہ کسی معاملہ میں بحث و مباحثہ کرنے کے لیے اپنے رئیس کے ساتھ جمع ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس سے جدا نہ ہو حتیٰ کہ رئیس اسے اذن دے دے۔ وہ رئیس جو اس کی مصلحت پر حریص ہے یہ ادب کامل ہے، ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔــلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ

اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝

(الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لیے باتیں شروع کر دیا کرو، تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کر جاتے ہیں۔ (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کی شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے۔ تمہارے دلوں کے لیے نیز ان کے دلوں کے لیے اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم ان کو اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔ بیشک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔

یہ آیاتِ طیبات بھی اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات والا اس امر کی سب سے زیادہ مستحق ہے کہ آپ حجرات مقدسہ میں آپ کی اجازت کے بغیر کوئی نہ داخل ہو۔ جب آپ اذن مرحمت فرما دیں اور کھانا آ جائے تو کوئی اس کی طرف اشارہ نہ کرے نہ ہی ایسی کلام کرے جس سے آداب میں خلل آئے جب کھانا کھا چکے تو اجازت لے کر چلا جائے یہ وہ آداب ہیں جو حضور ﷺ کے لیے امت پر واجب ہیں۔ یہ آیات طیبات اس امر پر بھی دلالت کر رہی ہیں کہ آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا احترام کیا جائے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ازواج مطہرات سے نکاح کرنا مسلمانوں پر کیوں حرام ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

(الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: نہ کسی مرد مومن کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملہ

میں اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

یہ آیت طیبہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ جو کچھ بھی حضور اکرم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے اسے بلاتر دد قبول کر لیا جائے کیونکہ آپ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے، اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ دنیاوی امور میں صحابہ کرام سے مشاورت کرتے تھے۔ کیونکہ اس کا تعلق قانون سازی کے ساتھ ہے، اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی رائے میں خود مختار نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی دانشمند ہو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر: ۷)

ترجمہ: اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرماویں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: بے شک تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں خوبصورت نمونہ ہے یہ نمونہ اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

یہ آیت طیبہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے آپ کے ہر فعل مبارک اور فرمان کی اقتدا کر کے آپ کا ادب کرنا لازم ہے کیونکہ اہلِ ایمان کے لیے آپ بہت بڑا نمونہ ہیں۔ اگرچہ بعض امور آپ ﷺ کے ساتھ مختص تھے یہ آیات اور اس طرح کی دیگر کثیر آیات حضور ﷺ اور آپ کے اہلِ بیت پاک کے آداب سکھا رہی ہیں، یہ پہچان لو رب تعالیٰ تمہیں نیک اعمال بجالانے کی توفیق دے۔

والدین کا ادب کرنے میں حکمت

ہم نے پہلے بھی رقم کیا ہے کہ والدین انسان کے وجود کا سبب ظاہری ہیں۔ انسان کا وجو

جلیل القدر نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ ہم والدین کے مقام و منصب پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ اس جگہ ہم کہتے ہیں:

''مسئلہ اولیٰ یہ ہے بیٹے کے لیے والدین کا احترام ایک طبعی امر ہے۔ اس کی وجہ قوی اور مضبوط رابطہ ہے۔ وہ ابوۃ کا تعلق ہے، نیز والدین کو پہلی حالت میں اپنے بچوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے، یہ غلبہ ان امور میں ہوتا ہے جن کا تعلق ان کے آداب اور تربیت کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن اس میں ایک اور حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ کہ ایک والد حصولِ رزق کے لیے کدوکاوش کرتا ہے تھکتا ہے اور اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لیے رزق کماتا ہے، اہل وعیال میں اس کی اولاد سب سے مقدم ہوتی ہے، اسی طرح وہ اولاد کی تربیت، تعلیم اور تادیب کے امور بجالاتا ہے' ایک انسان کی والدہ غالباً نو ماہ سے اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے۔ وہ وضع حمل، دودھ پلانے اور نگہبانی کرنے میں بہت تھکتی ہے۔ وہ تکالیف جو ایک ماں اپنی اولاد کی تربیت کیلیے اٹھاتی ہے ان کے بارے جو من میں آئے کہہ لو۔ ان میں سے کم سے کم یہ ہے کہ جب بچہ درد کا شکوہ کرتا ہے تو اس کی ماں ساری رات جاگتی رہتی ہے، اسی طرح اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ساری شب جاگ کر گزار دیتی ہے۔ اسی لیے ان کا ادب کرنا لازم ہے جس طرح کہ ان کی نافرمانی کبیرہ گناہ اور بہت بڑا عیب ہے۔ خوب جان لو کہ وہ ادب جو لوگوں پر عموماً واجب ہے جیسا کہ شارع حکیم نے اسے ثابت کیا ہے وہ وہی ادب ہے جو والدین کے لیے واجب ہے، اس پر اضافہ یہ ہے کہ بیٹا ان پر اس وقت خرچ کرے جب وہ دونوں بڑے ہو جائیں، وہ فقر کی حالت میں ہوں بیٹا غنی ہو، اس کے لیے ان پر خرچ کرنا ممکن ہو، مختصر یہ کہ ہر ہر امر میں والدین کی اطاعت کرے سوائے اس امر کے جسے شارع حکیم نے حرام کیا ہو، مثلاً کفر وغیرہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شارع احترامِ والدین کا کتنا خیال رکھتا ہے خواہ وہ کافر ہوں اب آپ کے لیے بعض قرآنی آیات تحریر کی جاتی ہیں۔

ارشاد فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

(لقمان: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں کے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لیے میری اولاد میں راسخ فرما دے بے شک میں توبہ کرتا ہوں، تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہم جن کی برائیوں سے یہ جنتیوں میں سے ہوں گے یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہلِ ایمان سے) کیا گیا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(لقمان: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، شکم میں اٹھائے رکھا اسے اس کی ماں نے کمزوری کے باوجود اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے، (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ آخر کار میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کا یہ کہنا نہ مان اور گزران کرو ان کے ساتھ دنیا میں خوبصورتی کے ساتھ اور پیروی کرو اس راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا پھر میری طرف ہی تم نے لوٹنا ہے پس آگاہ کروں گا میں تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ (النساء:۳۶)

ترجمہ: اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوس جو رشتہ دار ہے اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں ہے اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ:۲۱۵)

ترجمہ: آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں آپ فرمایئے جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی تم کرتے ہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے خوب جانتا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ۭ (الاسراء:۲۳،۲۴)

ترجمہ: حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اُف مت کہو اور انہیں مت جھڑکو اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو اور جھکا دو ان کے لیے تواضع اور

انکساری کے پر رحمت (ومحبت) سے اور عرض کرو اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (بڑی محبت اور پیار سے) مجھے پالا تھا جب میں بچہ تھا۔

صلہ رحمی کی حکمت

انسان اپنے قریبی رشتہ داروں پر رحم کرتا ہے، اگرچہ اس بات سے ہر کوئی آگاہ ہے کہ انسان طبعی طور پر اپنے رشتہ داروں کی طرف میلان رکھتا ہے ان پر مہربانی اور شفقت کرنا ایک ایسا امر ہے جس میں دو افراد میں بھی اختلاف نہیں ہے اس ضمن میں جو امر زیادہ سے زیادہ جانا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کے لیے جو دلائل دیے جاتے ہیں وہ فقط ان کی قرابت ہے یہ امر تو حیوانوں میں بھی ہے۔ ان میں شفقت ایک طبعی امر ہے حتیٰ کہ کسی بلی کے بچوں کو تکلیف دو تو وہ اپنے ہتھیاروں کے ساتھ ان کا بھی دفاع کرے گی اس پر سارے حیوانات کی مختلف اقسام کو قیاس کرلو لیکن وہ حکمت جس کی وجہ سے شارع حکیم نے صلہ رحمی پر ابھارا ہے وہ اس سبب اور دیگر اسباب کو شامل ہے وہ حکمتیں بہت سے لوگوں پر مخفی ہیں۔ ہم ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

انسان کے قریبی رشتہ دار مشکلات میں اس کا ساتھ دیتے ہیں جب انسان کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ انہی کے پاس جاتا ہے، لہٰذا وہ سارے لوگوں سے زیادہ اس امر کے مستحق ہوتے ہیں کہ وہ ان تک اپنی بھلائی پہنچائے اور اپنی مہربانی سے انہیں نوازے۔ نیز جب انسان غنی ہوتا ہے تو وہ اپنے رشتہ داروں میں سے ایسے افراد کو پاتا ہے جسے زمانہ نے ڈسا ہوتا ہے۔ وہ فقر میں گرا ہوتا ہے اگر وہ ان کے ساتھ ہمدردی نہ کرے گا تو لوگ اس کی مذمت کریں گے اس پر بخل کی تہمت لگائیں گے۔ بخل بہت برا عیب اور بری خصلت ہے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے جب انسان غنی ہو اور اس کے رشتہ دار ہوں ان پر خرچ نہ کرے تو ان کے نفوس میں عداوت، بغض اور کینہ پیدا ہو جائے گا بعض اوقات وہ اسے اذیت دینے سے بھی باز نہیں آئیں گے۔ اگر وہ ان پر مہربانی کرے گا تو اس کے لیے ان کی محبت بڑھ جائے گی، وہ اس کے مددگار بن جائیں گے۔ وہ مظاہر جن کو انسان اپنے عزت اور جاہ ومنصب کے لیے ظاہر کرتا ہے ان میں سے سب سے بڑا مظہر اپنے رشتہ داروں کے لیے سربلند ہونا اور ان پر فخر کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے انسان کے قریبی رشتہ دار احسان اور شفقت کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔

اقارب کے ساتھ ہمدردی کرنے میں ہر وہ امر شامل ہے جس میں منفعت ہو۔ حتیٰ کہ ان کے ساتھ ملاقات کرنا اور جب وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ اب بعض ایسی آیات تحریر کی جاتی ہیں جو رشتہ داروں کے ساتھ ہمدردی کرنے اور ان پر احسان کرنے پر ابھارتی ہیں ارشاد فرمایا:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۠ (الانفال:۷۵)

ترجمہ: اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں حکم الٰہی کے مطابق یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ (النساء:۱)

ترجمہ: اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں میں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطہ سے (اور ڈرو) رحموں (کے قطع کرنے سے) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (البقرۃ:۲۷)

ترجمہ: وہ جو توڑتے رہتے ہیں عہد خداوندی کو اسے پختہ باندھنے کے بعد اور کاٹتے رہتے ہیں اسے حکم فرمایا جسے اللہ نے جوڑنے کا اور فساد مچاتے رہتے ہیں زمین میں وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۰/۲۵)

ترجمہ: وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو اور جو لوگ جوڑتے ہیں اسے جس کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ جوڑا جائے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور خائف رہتے ہیں سخت حساب سے اور جو لوگ (مصائب و آلام میں) صبر کرتے رہے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور خرچ کرتے رہے اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر اور مدافعت کرتے رہتے ہیں نیکی سے برائی کی انہیں لوگوں کے لیے دارِ آخرت کی راحتیں ہیں (یعنی) سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو صالح ہوں گے ان کے باپ دادوں، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے (وہ بھی داخل ہوں گے) اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہو گئے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔ اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کیے ہوئے) وعدہ کو اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے بارے میں حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور (فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

انسان کا اپنے نفس کا ادب کرنے میں حکمت

حکمت آموز باتوں اور جوامع الکلم میں کہا گیا ہے کہ نفس کا ادب سبق کے ادب سے بہتر

ہے۔ انسان کے نفس کا ادب یہ ہے کہ انسان خود کو اخلاق فاضلہ اور آدابِ کاملہ سے مزین کرے۔ علماء اور حکماء نے اس ضمن میں نثر، شعر اور ضرب الامثال میں بہت کچھ کہا ہے۔ بلکہ کتابیں لکھی ہیں، عمدہ رسائل تحریر کیے ہیں لیکن کتنی بھی کتابیں تالیف کی جائیں وہ ان اوامر، نواہی کی مثل کب ہوسکتا ہے جو کتاب عزیز اور حدیث شریف میں آیا ہے ان کا تعلق انسان کے نفس کے آداب کے ساتھ ہی ہے ہم ان میں سے بعض عنقریب بیان کریں گے۔

خوب جان لو کہ یہ لازم ہے کہ باطنی اوصاف ان طبائع کے مطابق ہوں جن سے جسم مرکب ہوتا ہے وہ طبائع یبوست، برودت، حرارت اور رطوبت ہیں۔ اس امر کی تفصیل یہ ہے کہ جسم میں یہ طبائع اعتدال کے ساتھ پائے جاتے ہیں اس اعتدال کے ساتھ ان کا اندازہ لگایا جاتا ہے جو زندگی کا ضامن ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے جب حرارت اس اندازہ سے بڑھ جاتی ہے جو جسم کے اعتدال کی کفالت کرے اور صحت برقرار رکھے تو جسم کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر یہ کم ہو جائے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے سارے طبائع کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ سارے اوصاف باطنیہ فاضلہ کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے مثلاً شجاعت کا تعلق اوصاف فاضلہ کے ساتھ ہے لیکن جب یہ حد اعتدال سے بڑھ جاتی ہے تو وہ پستی کی طرف لوٹ آتی ہے وہ جسم کو ہلاکت میں پھینکتا ہے۔ حلم اوصاف فاضلہ میں سے ہے لیکن جب یہ حد اعتدال سے بڑھ جائے تو وہ بزدلی شمار ہوگا۔ کرم عمدہ خصائل میں سے ہے جب یہ حد اعتدال سے بڑھ جائے تو اسراف اور فضول خرچی ہے، اسی طرح وہ سارے امور ہیں جن کے بارے انسان پر لازم ہے کہ وہ ان کے درمیانی حالت کی اتباع کرے ان میں افراط وتفریط کا شکار نہ ہو۔ مختصر یہ کہ انسان کا اپنے نفس کا ادب یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو ایسے افعال سے روکے رکھے جن سے شارع حکیم نے منع کیا ہے، مثلاً شرم گاہ کی عریانی، اس کی طرف دیکھنا، جھوٹ کہنا یا سننا اور دل کو ایسی برائیوں سے روکے جن سے شارع حکیم نے منع کیا ہے، مثلاً حسد، کینہ، لوگوں کے لیے برائی مخفی رکھنا، باطل پر ڈٹ جانا، دھوکہ اور مکر وغیرہ۔ ہر وہ امر اس میں شامل ہے جن کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے جواب دہ ہو۔

اب کچھ آیاتِ طیبات تحریر کی جاتی ہیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ

عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (النور: ۳۰، ۳۱)

ترجمہ: اور آپ حکم دیجیے ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے باپوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے یا اپنے بھتیجوں کے لیے یا اپنے بھانجوں کے لیے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا ایسے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہشمند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم کرنے والی چیزوں پر اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے اور آدابِ فاضلہ کی تعلیم دیتے ہوئے کہا:

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۝ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۝ (لقمان: ۱۷ تا ۱۹)

ترجمہ: میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے

روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں اور (تکبر کرتے ہوئے) نہ پھیر لیا کرو اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے اور نہ چلا کرو زمین میں اتراتے ہوئے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند فرماتا کسی گھمنڈ کرنے والے، فخر کرنے والے کو، اور درمیانہ روی اختیار کرو، اپنی رفتار میں اور دھیمی کرو اپنی آواز۔ بے شک سب سے وحشت انگیز آواز گدھے کی آواز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝

(الحجرات:۱۱، ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تمسخر اڑایا کرے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان کا مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القب سے کسی کو بلاؤ، کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے (اس روش سے) تو وہی بے انصاف ہیں۔ اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو۔ کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، تم اسے مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَــهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِـيْمًا ۝

(النساء:۱۴۸)

ترجمہ: نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ برملا کہی جائے بری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ○ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○

(الاسراء:۳۶تا۳۸)

ترجمہ: اور نہ پیروی کرو اس چیز کی جس کا تمہیں علم نہیں ہے بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے (اس طرح) نہ تم زمین کو چیر سکتے ہو اور نہ تم پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کو برابر بلندی میں یہ سب (جن کا ذکر گزرا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو (سخت) ناپسند ہے۔

ساری تعلیمات کا خلاصہ ایک ہی حدیث پاک میں ہے، وہ آپ کا یہ فرمانِ عالی شان ہے:

''مجھے میرے رب نے ادب سکھایا، عمدہ انداز سے ادب سکھایا، اس نے مجھے مکارمِ اخلاق کا حکم دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور اس کے نبی کریم ﷺ نے بھی سچ فرمایا ہے۔

کھانے کے آداب کی حکمت

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی شریعت مطہرہ کو سمجھنے کی توفیق دے خوب جان لو کہ انسان کی صحت ساری اشیاء سے اہم ہے جس طرح کہ بعض حکماء نے کہا ہے: ''صحت تندرستوں کے سروں پر تاج ہے، جسے صرف مریض ہی جانتے ہیں۔ انسان کو صحت صرف اس وقت نصیب ہوتی ہے، جب وہ دین حق کے آداب فاضلہ اپنائے اور اس کے اوامر پر عمل پیرا ہو اور نواھی سے اجتناب کرے، اس میں کھانے کے آداب بھی شامل ہیں، کیونکہ کھانے کے بارے دین کی حدود پر ٹھہرنا ہی ہمارے جسموں کی صحت اور ابدان کی قوت کا ضامن ہے بلکہ حقیقی طب یہی ہے، ذرا رب تعالیٰ کا فرمان سنیں:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ○ (الاعراف:۳۱)

ترجمہ: اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک اللہ نہیں پسند کرتا فضول خرچی

کرنے والوں کو۔

اللہ رب العزت نے کھانے اور پینے کی طرف ہماری راہ نمائی فرمائی ہے تا کہ ہم پاکیزہ زندگی بسر کریں اور ہمیں اپنے دنیاوی اور اخروی اعمال پر تقویت ملے۔ اس نے ہمیں زیادہ کھانے اور پینے سے منع کیا ہے، حقیقت میں زیادہ کھانے اور پینے میں انسان کے جسم اور اس کے سارے اعضاء کے لیے بہت زیادہ نقصان ہے زیادہ کھانے سے چہرے کی رنگت زرد ہو جاتی ہے، جسم کمزور ہو جاتا ہے زیادہ ہوا پیدا ہوتی ہے، نفس تنگ ہو جاتا ہے اس لیے دل انوار قدسیہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ فکر ادراک کرنے سے کمزور ہو جاتی ہے، فکر انسان کے لیے سب سے بڑی چیز ہے کیونکہ یہ ایک ایسا دروازہ ہے جو انسان کو عبادات کے اسرار کی معرفت تک لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وہ حکمتیں سمجھا دیتا ہے جو اس نے کائنات میں رکھی ہیں۔ حضرت سیدنا لقمان نے اپنے فرزند دلبند کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

"اے میرے لخت جگر! جب معدہ بھر جائے تو فکر سو جاتا ہے، حکمت گنگ ہو جاتی ہے، اعضاء عبادت سے تھک جاتے ہیں۔"

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ابنِ آدم کا بھرا کوئی برتن اتنا برا نہیں جتنا بھرا ہوا پیٹ ہے۔ ابن آدم کے لیے وہ لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں۔ اگر اس نے ضرور کھانا ہی ہے تو تہائی حصہ کھانے کے لیے، تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے رکھے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اسراف میں سے یہ ہے کہ تو جو چاہے کھالے۔"

آیت طیبہ کے آخری حصہ "**انہ لا یحب المسرفین**" میں غور وفکر کرو۔ ہم میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں چاہتا کہ وہ خود پر غضب الٰہی کا سبب بنے۔ وہ اس کے احکام پر عمل پیرا ہو کر اور اس کے نواہی سے اجتناب کر کے اس کی رضا مستحق نہ بنے فانی خواہشات کی اتباع کر کے کون شخص اس کی جرأت کر سکتا ہے جو خواہشات جو آخرت میں اس کے عذاب کا سبب بنیں۔

یہ امر تو تم پر مخفی نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو تمہارے منہ تک پہنچتی ہے اور تم اسے چباتے ہو وہ ایسا رزق ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہماری جانب آتا ہے تا کہ ہم اس کا شکر ادا کریں اور

صحیح طرح اس کی عبادت کریں۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴿ (البقرۃ:۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر ادا کیا کرو اللہ تعالیٰ کا اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ وہ کھائیں جو کچھ ہمیں بطور رزق دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ حلال ہو اور ہم اس پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کریں، ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿ (النحل:۱۱۵)

ترجمہ: حرام کیے گئے ہیں تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا چوٹ سے مرا ہوا اوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت پس جو مجبور ہو جائے (ان کے کھانے پر بشرطیکہ) وہ لذت کا جویا نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو (تو کیوں حرج نہیں) بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۗ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ (المائدہ:۳)

ترجمہ: اور حرام ہے جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر (اور یہ بھی حرام) ہے کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ سب نافرمانی کے کام ہیں۔

ان آیات طیبات میں رب تعالیٰ کھانے اور پینے میں ہماری راہ نمائی حلال اور حرام کی طرف کر رہا ہے۔

جدید طب نے یہ بات ظاہر کر دی ہے کہ خنزیر کے جسم کے اجزاء کے درمیان بہت سے

کیڑے ہوتے ہیں۔ ان کا اثر اس کا گوشت پکنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، جب انسان اس کا گوشت کھا لیتا ہے اس میں ان کیڑوں کا اثر باقی ہوتا ہے تو ان سے اسے بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے بہت سی امراض اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس سے انسان کے اندر ایک کیڑا پیدا ہو جاتا ہے، اس کے ہوتے ہوئے انسان کو کھانے اور پینے کی لذت نصیب نہیں ہوتی، یہ انسان کے پیٹ میں موجود سب کچھ چٹ کر جاتا ہے۔ جب انسان بھوکا ہو تو یہ حرکت کرتا ہے، الٹ پلٹ ہوتا ہے، دائیں بائیں اچھلتا ہے، حتیٰ کہ انسان سمجھنے لگتا ہے کہ وہ درد کی شدت سے ابھی مر جائے گا۔ ذرا شارع حکیم کی حکمت کو دیکھو کہ اس نے خنزیر کا گوشت کیوں حرام کیا ہے۔

کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ انسان اس شخص کو پہلے کھانے دے جو پہل کرنے کا زیادہ مستحق ہو۔ مثلاً وہ شخص علم یا مقام یا عمر میں اس سے زیادہ ہو۔ ایسے افراد کو مقدم سمجھنا، ان آداب، مکارم اخلاق کی تکمیل پر دلالت کرتا ہے جن کے متعلق رب تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان سے آراستہ ہوں۔

کھانے کے آداب میں سے ہے کھانے میں تکلف سے کام نہ لیا جائے اور کھانے سے ناک بھوں نہ چڑھائی جائے، اس سے وہ شخص شرمندہ ہوتا ہے جو دستر خوان میں انسان کے پاس بیٹھا ہوتا ہے۔

کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان کھانے کے دوران اس چیز کا نام نہ لے جسے عموماً قبیح سمجھا جاتا ہو اور اس کی وجہ سے نفوس کو تکلیف ہوتی ہو۔

کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنی ناک صاف نہ کرے، نہ تھوک پھینکے اور نہ اتنی آواز سے ڈکار مارے جس کی آواز ساتھ والا انسان سن لے۔ یہ سارے امور اس دستر خوان کے موافق نہیں جہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوں۔ کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنے سامنے سے کھائے۔ اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے تاکہ شیطان کے ساتھ مماثلت نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ”جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے۔ دائیں ہاتھ سے ہے۔ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔“

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اس نے کہا کہ انسان اپنے سامنے سے کھائے۔ اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے، تاکہ شیطان کے ساتھ مماثلت نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے۔ دائیں ہاتھ سے پیے، شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔''

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا:

''میں ابھی بچہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت تھا، میرا ہاتھ کھانے کے پیالے میں آگے پیچھے ہو جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور وہ کھاؤ تمہارے سامنے ہے۔''

کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنے ہم نشیں کے کھانے کی طرف نہ دیکھے کیونکہ اس طرح وہ شرمندہ ہوگا۔ اور اسلام کے آداب میں سے نہیں کہ ہم نشین کو اس طرح شرمندہ کیا جائے۔ کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنی انگلیوں کو منہ کے اندر نہ لے جائے لقمہ کو ساری انگلیوں کے ساتھ نہ پکڑے۔ کھانے کو کم نہ سمجھے۔ اس میں عیب نہ نکالے۔ انسان کو قناعت کا خوگر اور آدابِ حسنہ کا مالک ہونا چاہیے۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت کرام سے کھانے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے عرض کی:

''یا رسول اللہ! ہمارے پاس سرکہ کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔''

آپ نے سرکہ منگوایا اور اس سے نوش جان کیا آپ فرما رہے تھے:

''سرکہ بہترین سالن ہے۔ سرکہ بہترین سالن ہے۔''

کھانے کے آداب میں سے ہے کہ انسان زیادہ کھانے نہ کھائے۔ اسراف نہ کرے۔ کیونکہ زیادہ بیماروں کا علاج زیادہ کھانا ہی ہے۔ شوگر کا سبب یہی ہے۔ جس میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ کھانے کے آداب میں سے ہے کہ انسان کھانے میں جلدی نہ کرے۔ بلکہ ٹھہر ٹھہر کر کھائے۔ کھانا اچھی طرح چبا کر کھائے۔ کھاتے وقت اپنے ہم نشیں کے ساتھ مزاحمت نہ کرے۔ ان اخلاق کو اپنائے، جنہیں اسلام لے کر آیا ہے، حتیٰ کہ ان لوگوں کے لیے وہ بلیغ حکمتیں اور بلند آداب عیاں ہو جائیں جو غیر مسلم ہیں۔ جو رب تعالیٰ نے اس دین متین میں رکھیں ہیں۔

جعلنا اللّٰہ و ایاك ممن اھتدی بھدیہ حتی نفوذ برضاہ ونکون من المقربین۔

لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے آداب

لوگوں کے ساتھ معاملات یا تو گفتگو کے ساتھ ہوتے ہیں، یا عمل کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جہاں تک گفتگو کے آداب کا تعلق ہے تو اس کی مثال یہ ہے کہ انسان سلام کا جواب اسی طرح دے جس طرح اسے سلام کیا ہوگا۔ یا اس سے عمدہ سلام کا جواب دے۔ اپنی فحش کلامی اور ایسے جھوٹ سے کسی کو تکلیف نہ دے جس سے لوگوں کو نقصان ہوتا ہو۔ عمل کے آداب یہ ہیں کہ لوگوں کے حقوق ہڑپ نہ کرے ایسی حرکت نہ کرے جس سے انسان کو اذیت ہوتی ہو۔ لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس انسان پر احسان کیا جائے جس نے برا سلوک کیا ہو، بشرطیکہ اس کے ساتھ احسان کرنے میں کسی کو نقصان نہ ہوتا ہو اگر اس میں مصلحت ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا تعلق اخلاق عالیہ کے ساتھ ہے لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنے جاہ و منصب کو مسلمانوں کی خدمت کے لیے استعمال کرے اس جاہ و منصب کو ضائع نہ کرے۔ کیونکہ روزِ حشر انسان سے اس کے جاہ و منصب کے بارے اسی طرح سوال کیا جائے گا، جس طرح اس کے مال کے بارے سوال ہوگا کہ کہاں خرچ کیا۔ انسان اپنے مسلمان بھائی کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے۔ خواہ وہ فقیر ہو یا غنی۔ کیونکہ اس مسلمانوں کے مابین باہمی الفت ومحبت پیدا ہوگی۔ اب بعض آیات قرآنیہ تحریر کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ (النساء: ۸۶)

ترجمہ: اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا کم از کم دہرا دو وہی لفظ بے شک اللہ تعالیٰ ہر وہ چیز کا حساب لینے والا ہے۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

(الضحیٰ: ۹ تا ۱۱)

ترجمہ: اور جو مانگنے آئے اسے مت جھڑکیے اور اپنے رب (کریم) نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجیے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ

وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿النور:۲۲﴾

ترجمہ: اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو۔ چاہیے یہ لوگ معاف کر دیں، اور درگزر کر دیں کیا تم پسند نہیں کرتے بخش دے، اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿الشعراء:۲۱۵، ۲۱۶﴾

ترجمہ: اور آپ نیچے کیا کیجیے اپنے پر دل کو ان لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہلِ ایمان سے پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرمادیں میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿الحجر:۸۸، ۸۹﴾

ترجمہ: نیچے کیجیے اپنے پروں کو مومنوں کے لیے اور فرمایئے کہ میں تو بلاشبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۗ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿فصلت:۳۴﴾

ترجمہ: نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی۔ برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائلِ حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہیں۔"

آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے معاذ! اگر تم اس طرح کر سکتے ہو کہ صبح و شام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے بارے کینہ نہ ہو تو یوں کر گزرو۔ یہ میری اور مجھ سے قبل انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے حوالے کرتا ہے جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے رب تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا کرتا ہے، جو مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، رب تعالیٰ روزِ حشر اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ جو کسی مظلوم کے ساتھ چلتا ہے تا کہ اس کا حق دلوائے رب تعالیٰ اس کے قدموں کو پل صراط پر ثابت فرمائے گا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے دنیا میں کسی مسلمان سے مصیبت دور کی تو رب تعالیٰ اس سے روزِ حشر کی تکالیف میں سے تکلیف دور کر دے گا جس نے دنیا میں کسی مسلمان کے لیے آسان پیدا کی۔ رب تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے ہاں اقوام پر نعمتوں کا ابر کرم برستا رہتا ہے، جب تک وہ مسلمانوں کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں وہ ابر کرم ان پر برستا رہتا ہے اور جب تک وہ اکتا نہیں جاتے جب وہ اکتا جاتے ہیں رب تعالیٰ وہ نعمتیں دوسری اقوام کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"کسی بندے پر رب تعالیٰ کی نعمتِ عظیم نہیں ہوتی مگر اس کی طرف لوگوں کی اذیت شدت اختیار کر جاتی ہے۔ جو لوگوں کو یہ شدت برداشت نہیں کرتا، تو اس کی نعمت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔"

روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! رب کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''رب تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔ رب تعالیٰ کے نزدیک اعمال میں سے پسندیدہ وہ سرور ہے جو تم کسی مسلمان کو پہنچاؤ، جس سے کسی مسلمان کی تکلیف دور ہو جائے یا تم کسی کا قرض ادا کرو یا اس کی بھوک دور کرو۔ اگر میں کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ چلوں تو یہ عمل مجھے اس مسجد میں ایک ماہ اعتکاف کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ جس نے اپنا غصہ پی لیا، اگر وہ غصے کی تکمیل کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ رب تعالیٰ روزِ حشر اس کے دل کو رضا سے بھر دے گا۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پورا کرنے کے لیے اس کے ساتھ چلا رب تعالیٰ اس روز اس کے قدموں کو ثابت قدم فرمائے گا، جب روز قدم پھسل جائیں گے۔''

میں گمان کرتا ہوں کہ اس ساری تفصیل کو پڑھنے کے بعد تم اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت پر کمر بستہ ہو جاؤ گے، تمہارا دل غریب، مسکین اور مجبور پر رحم کے جذبات سے معمور ہو جائے گا۔ اب وہ داستان پڑھو جسے میں تحریر کرنے لگا ہوں اور اس سے عبرت حاصل کرو۔

روایت ہے کہ حضرت حذیفہ عدوی نے فرمایا:

''میں یرموک کے روز اپنے چچازاد کی تلاش میں نکلا۔ میرے پاس کچھ پانی تھا۔''

میں نے کہا:

''اگر اس میں زندگی کی رمق ہوئی تو اسے یہ پانی پلاؤں گا۔''

میں اسے تلاش کرتے کرتے اس تک پہنچ گیا۔ میں نے اسے اشارہ کیا:

''پانی پلاؤں۔''

اس نے اشارہ کیا:

''ہاں۔''

ایک زخمی شخص اس کے قریب کراہ رہا تھا۔ میرے چچازاد نے مجھے اشارہ کیا کہ میں پانی اس کے پاس لے جاؤں۔ وہ حضرت ہشام بن عاص تھے میں نے کہا:

"پانی پلاؤں۔"

انہوں نے دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز سنی۔ حضرت ہشام نے مجھے اس کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے پاس آیا تو وہ مقام شہادت پر فائز ہو چکا تھا۔ میں حضرت ہشام کے پاس گیا تو وہ بھی شہادت کی قبائے رنگین زیب تن کر چکے تھے۔ میں اپنے چچازاد کے پاس گیا تو وہ بھی جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ جبکہ پانی حضرت حذیفہ کے ہاتھ میں ہی تھا۔

مسعودی سے روایت ہے کہ امام قدی نے کہا:

"میرے دو دوست تھے۔ ان میں سے ایک ہاشمی تھے۔ ہم ایک جان کی مانند تھے۔ مجھے سخت تنگ دستی نے آلیا۔ عید کا دن آ گیا۔ مجھے میری بیوی نے کہا:

"یہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے تو ہم نے مصیبت اور مشکل میں صبر کیا۔ لیکن ان بچوں کو دیکھ کر میرا دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ پڑوسیوں کے بچوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ عید کی وجہ سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ انہوں نے عمدہ کپڑے پہن رکھے ہیں۔ جبکہ ہمارے بچوں نے بوسیدہ کپڑے پہن رکھے ہیں۔ اگر تم کسی حیلے سے کچھ رقم کا بندوبست کرلو تو میں اس سے ان کے لیے لباس کا بندوبست کرلوں گی۔"

میں نے اپنے ہاشمی دوست کو خط لکھا اور اپنی تنگدستی کا تذکرہ کیا، انہوں نے میری طرف ایک تھیلی بھیجی جس پر مہر لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے لکھا کہ اس میں ایک ہزار دراہم ہیں۔ میں ابھی اپنی جگہ پر ہی تھا کہ مجھے میرے دوست کا خط ملا۔ انہوں نے بھی اس میں اپنی غربت کا ذکر کیا تھا۔ میں نے اس کی طرف وہ سربمہر تھیلی بھیج دی۔ میں مسجد کی طرف نکل گیا۔ میں نے اپنی بیوی سے حیا کرتے ہوئے ساری رات وہیں گزار دی۔ جب میں ان کے پاس گیا اس نے میرے اس عمل کو بنظر تحسین دیکھا اور مجھ پر ملامت نہ کی۔ میں اسی حالت پر تھا کہ مجھے میرا ہاشمی دوست ملا۔ اس کے ہمراہ اسی قسم کی تھیلی تھی۔ اس نے مجھے کہا:

"میں نے جو تھیلی تمہاری طرف بھیجی تھی مجھے سچ بتاؤ کہ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا۔"

میں نے اسے داستان سنا دی، اس نے مجھے کہا:

''جب تمہارا خط ملا تو اس وقت میرے پاس صرف یہ تھیلی تھی۔ جو میں نے تمہاری طرف بھیج دی، میں نے اپنے دوسرے دوست کو خط لکھا اور اس سے ہمدردی کرنے کے لیے کہا۔ اس نے مجھے وہ تھیلی بھیج دی جس پر میری ہی مہر لگی تھی۔''

امام واقدی نے کہا:

''ہم نے وہ ایک ہزار دراہم باہم تقسیم کر لیے۔ اس سے قبل ہم اس عورت کے لیے ایک ہزار دراہم نکال چکے تھے۔ یہ خبر خلیفہ مامون تک پہنچ گئی۔ انہوں نے مجھے بلایا اور مجھے اس داستان کے متعلق پوچھا۔ میں نے اسے ساری حکایت دلنشین بیان کر دی، انہوں نے ہمیں سات ہزار دینار دینے کا حکم دیا، ہم میں سے ہر ایک کو دو دو ہزار اور اس عورت کو ایک ہزار دینار دیے۔

روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اپنی تجارت کا نفع جمع فرماتے تھے۔ وہ شیوخ محدثین کی طرف بھیجتے تھے۔ اور فرماتے:

''یہ خرچ کرو، صرف رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ میں نے تمہیں اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دیا جو اس نے میرے ہاتھ سے رواں کیا۔''

امام یوسف فرماتے تھے:

''حضرت امام ابوحنیفہ سے جو بھی مانگا جاتا وہ ضرور عطا کرتے۔'' رضی اللہ عنہم اجمعین

ملاقات کے آداب کی حکمت

لوگوں کے باہم ملنے سے محبت و مؤدب کے جذبات مستحکم ہوتے ہیں جس طرح کہ دوستوں کے مابین قطع تعلقی بھائیوں اور دوستوں کے مابین محبت کی قلت کا سبب بنتی ہے۔ بعض اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ تعلقات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا مشاہدہ ہر قوم میں کیا جا سکتا ہے۔ مگر شریعت اسلامیہ نے ملاقات کے ایسے آداب کی وضاحت کی ہے جن کو بہت سے مسلمان اہمیت نہیں دیتے نہ ہی ان کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ دیگر اقوام خصوصاً مغربی اقوام ان پر عمل پیرا ہوتی ہیں۔ ملاقات کے آداب ان کے ہاں تہذیب کے قواعد میں سے اہم ترین شمار کیے جاتے ہیں۔

ملاقات کے آداب میں سے یہ ہے کہ انسان ان اوقات میں ملاقات نہ کرے جن میں

ملاقات کرنا مناسب نہیں، مثلاً ظہر کا وقت جس میں عموماً کھانا کھایا جاتا ہے پھر کھانے کے بعد آرام کیا جاتا ہے یا وہ اوقات جن میں انسان اپنی زندگی کے کام کاج نمٹانے میں مصروف ہوتا ہے۔ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت لی جائے۔ گھر کی کھڑکیوں کی طرف نہ دیکھا جائے، تاکہ میزبان کو یہ شک نہ ہو وہ شخص گھر میں موجود خواتین کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان مناسب وقت سے زیادہ نہ ٹھہرے، کیونکہ بعض اوقات وہ شخص کسی اہم کام میں مصروف ہوتا ہے جس سے ملاقات کرنا ہوتی ہے۔ اسی طرح تین بار سے زیادہ دفعہ دروازہ پر دستک نہ دی جائے۔ اگر جواب نہ ملے تو انسان واپس آجائے۔ ملاقات زیادہ نہ کی جائے کہ انسان اکتا نہ جائے۔ نہ ہی کم ملاقات کی جائے کہ انسان کی مذمت ہونے لگے۔ اب قرآن مجید کی بعض آیات طیبات پیش کی جاتی ہیں۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (آلِ عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (آلِ عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (الحجرات:۱۰)

ترجمہ: بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝

(النور:۲۷ تا ۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کرو ان گھروں میں رہنے والوں پر اور یہی بہتر ہے تمہارے لیے شاید تم (اس کی حکمتوں میں) غور وفکر کرو پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ ان میں داخل ہو حتیٰ کہ اجازت دی جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طرزِ معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے۔ کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں جن میں تمہارا سامان رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔''

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۠ (النور:٦١)

ترجمہ: اور جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلامتی کی دعا دو اپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے جو بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو تا کہ تم سمجھ لو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (النور:٥٨)

ترجمہ: اے ایمان والو! اذن طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لڑکے) جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے، تم میں سے تین مرتبہ نماز فجر سے پہلے اور جب تم کپڑے اتارتے ہو۔ دوپہر کو اور نمازِ عشا کے بعد، یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لیے نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج ہے۔ ان اوقات کے علاوہ کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمہارا ایک

دوسرے کے پاس۔ یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام۔ اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے۔''

مجلس کے آداب کی حکمت

محفل کے آداب کا مرجع ذوق ہے یہ ان لوگوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے جن کے ساتھ انسان بیٹھتا ہے۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان یا تو ایسے لوگوں میں بیٹھتا ہے جو درجہ میں اس سے کم ہوتے ہیں یا مقام میں اس سے اعلیٰ ہوتے ہیں یا قدر میں اس سے کم ہوتے ہیں یا اس کے قریب ہوتے ہیں یا اس کے دوست ہوتے ہیں ان کے مابین آداب کا تکلف نہیں ہوتا۔ مجلس کے آداب میں سے یہ ہے کہ انسان صدارت کی جگہ پر نہ بیٹھے۔ الا یہ کہ صدارت اس کا حق ہو۔ وہ گندے کپڑوں اور گندی بو کے ساتھ نہ بیٹھے۔ اس طرح ناک صاف نہ کرے کہ لوگ اس سے نفرت کریں نہ ہی اس طرح تھوکے۔ دوسرے کے لیے تنگی پیدا نہ کرے۔ فضول اور بے فائدہ گفتگو نہ کرے۔ کیونکہ کسی ہم نشین کو تنگ کرنا قبیح عمل ہے رب تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ اس نے ہمیں سکھایا ہے کہ مجلس کے آداب کیا ہونے چاہئیں۔ اس نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (المجادلہ:11)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے (آنے والوں کے لیے) جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادہ فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بہت بلند فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔

گفتگو کے آداب

ذوقِ سلیم، نرم رویہ اور اخلاق حسنہ کی علامات میں سے یہ ہے کہ انسان جب کسی دوسرے سے گفتگو کرے تو درج ذیل شرائط کی رعایت کرے۔

◆ ہر انسان کو اس کی سوچ اور مقام کے مطابق مخاطب کرے خاص لوگوں کو عام انداز سے اور عام لوگوں کو خاص انداز سے مخاطب نہ کرے۔ جب بات کی جائے تو کان لگا کر سنے۔ جب گفتگو کرے تو اچھے انداز سے کرے۔ کسی گفتگو کرنے والے کی گفتگو کو نہ کاٹے حتیٰ کہ وہ اپنی بات پوری کر لے۔ اس انسان سے گفتگو نہ کرے جو کسی دوسرے کے ساتھ گفتگو کر رہا ہو۔ اس کی گفتگو مطلق سوال نہ ہو یا دوسرے کی گفتگو مطلق جواب نہ ہو۔ مگر جب کہ مقام اس کا تقاضا کرے۔ گفتگو میں جھوٹ نہ بولے نہ چغل خوری کرے۔ نہ کسی کی غیبت بیان کرے۔ گفتگو میں نہ تو شیخی مارے نہ باچھیں کھول کر گفتگو کرے نہ ہی گفتگو کرنے والے کی آواز سے آواز بلند کرے۔ خصوصاً جبکہ مقام و منصب سے اس نے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو گفتگو میں طوالت سے کا تقاضا ہو تو طویل گفتگو کرنے اور اگر ایجاز کا تقاضا ہو تو مختصر گفتگو کرے۔ مختصر یہ کہ زبان کو ہر اس چیز سے روکے جو ذوقِ سلیم کے منافی ہو۔ اور آدابِ شریعت کے مخالف ہو۔ رب تعالیٰ ہمیں اسلامی آداب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

(المائدہ:۱۰۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لیے تو بری لگیں تمہیں اور اگر پوچھو گے ان کے متعلق جب کہ اتر رہا ہو قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لیے۔ معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو اور اللہ بہت بخشنے والا اور حلم والا ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات:۱۲)

ترجمہ: اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تم اسے مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ (یونس:٦٩)

ترجمہ: آپ فرمائیے جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ (الاسراء:٥٣)

ترجمہ: آپ حکم دیجیے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہت عمدہ ہوں بے شک شیطان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے سورج روکنے کے متعلق سوال کا جواب

شیخ جلیل، استاذ، امام، شیخ محمد بخیت المطیعی سے بعض انبیائے کرام کے لیے سورج روک دینے کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے اس سوال کا جواب ایسا دیا جو عقلی اور نقلی دلائل اور براہین سے آراستہ تھا۔ سائل نے معروف دیباجہ کے بعد کہا: ''ہمارے لیے رب تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر بیان کریں:

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝

(ص:٣٠تا٣٣)

ترجمہ: اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا۔ جب پیش کیے گئے سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑا ہونے والے تیز رفتار گھوڑے تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ وہ چھپ

گئے پردہ کے پیچھے (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس۔ تو ہاتھ پھیرنے
لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر۔

یہ بھی روایت ہے کہ سورج ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے لوٹایا گیا تھا۔ حضرت یوشع بن نون کے لیے بھی سورج روک دیا گیا تھا۔ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس میں اور جو کچھ علماء ہیئت سورج کی حرکات اور اس کے نظام کے بارے کہتے ہیں ان کے مابین تطبیق کیسے ممکن ہے کہ اسے طلوع وغروب میں سکون نہیں ملتا، حتیٰ کہ یہ اپنے مستقر تک پہنچ جائے اور حتیٰ کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے اور ستارے طلوع ہو جائیں۔

حضرت شیخ جلیل، استاذ، امام محمد بخیت مطیعی نے اس کا یہ جواب دیا:

"اس سے قبل کہ ہم اس کی صحت کے بارے غور وفکر کریں جو کچھ حضرت سلیمان اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے ردشمس کے لیے کہا گیا ہے اور جو کچھ حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ردِ شمس یا وقفِ شمس کے لیے کہا گیا ہے، ہم کہتے ہیں۔

علمائے ہیئت کہتے ہیں کہ نجمی دن ہمیشہ برابر زمانہ پر مشتمل ہوتا ہے، جبکہ شمسی دن کی کیفیت اس طرح نہیں ہوتی کیونکہ زمین اپنے بُعد اقرب میں نصف النہار کے خط میں سورج کو ظہور سے روک دے گی، اس وقت دن چوبیس گھنٹے سے زائد ہو جائے گا جبکہ بعد الابعد میں چوبیس گھنٹے مکمل نہیں ہوں گے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے رب تعالیٰ نے شمسی دن کو برابر زمانہ پر نہیں بنایا بلکہ کبھی وقت چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم۔ اس جگہ یوم سے مراد یومیہ گردش کا وہ مجموعہ ہے جو شب و روز کو شامل ہے۔ چوبیس گھنٹے سے زیادہ دن کی لمبائی کسی ایسی علت سے وابستہ ہوگی جس سے ہم آگاہ ہیں اور جسے حساب وکتاب کے ذریعے ہم جان لیتے ہیں وہ علت زمین کا بعد اقرب میں ہونا ہے جو سورج کو روک لیتی ہے جس طرح کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ جب اس علت کی بنا پر سورج کا رکنا جائز ہے تو کسی دوسری اس علت کی وجہ سے بھی جائز ہوگا۔ جسے صرف عظیم اور خبیر ذات جانتی ہے جس طرح کہ یہ بھی جائز ہے کہ رب تعالیٰ اسے علت کے بغیر بھی روک سکتا ہے۔

علماء ہیئت جو کچھ کہتے ہیں وہ طبعی اور عادی قوانین کی بنا پر کہتے ہیں لیکن معجزات جو رب تعالیٰ کے معمول کے اور ان قوانین کے خلاف ہوتا ہے بلکہ ان کی بنیاد ایسے خفیہ قوانین پر ہوتی ہے جس پر کسی بشر کو آگہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ عادی اور فطرتی

قوانین کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے معمول کے مخالف ہوتے ہیں اس لیے یہ اس طبعی اور عادی قوانین کے بھی مخالف ہوتے ہیں۔ اس وقت جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ سورج کے لوٹانے یا روکنے کو ایسے وجود پر محمول کیا جائے گا جس نے نصف النہار کے وقت سورج کے ظہور کو روک دیا حتیٰ کہ دن طویل ہو گیا اور گھنٹے چوبیس سے زائد ہو گئے۔

ردِ شمس کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ پیچھے لوٹ آیا یا اس کی رفتار میں خلل واقع ہو گیا یا یہ اپنی حرکت* سے رک گیا تا کہ یہ اس مؤقف کے منافی ہو جائے۔ جسے علماء ہیئت اپناتے ہیں۔ یہ اس امر کے مخالف ہو جو قطعی دلائل سے ثابت ہے یا جو معاینہ سے ثابت ہے۔ اس وقت ردِ شمس یا اسے روکنے کو اس پر محمول کیا جائے گا جو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور اشکال ختم ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم وہ امور بھی ذکر کرتے ہیں جو مفسرین نے ان واقعات کے بارے کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> "حضرت سلیمان علیہ السلام پر تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے۔ "الصافین" وہ گھوڑا ہوتا ہے جو اپنے اگلے پاؤں کو اکٹھا اور برابر رکھتا ہے۔ جو گھوڑا ایک طرف پر کھڑا ہوتا ہے اسے "التخیم" کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ نے اسی طرح کہا ہے یا اس سے مراد وہ گھوڑا ہے جو اپنا ایک اگلا پاؤں یا ٹانگ اٹھائے رکھتا ہے اور اپنے سم کے اگلے حصہ پر کھڑا رہتا ہے۔ اس گھوڑے کو التخیم بھی کہا جاتا ہے القتبی نے کہا ہے کہ گھوڑے وغیرہ میں سے کھڑے ہونے والے کو صافن کہا جاتا ہے "الجواد" کی جمع الجیاد ہے۔"

یہ مذکر اور مونث دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑے پیش کرنے کے لیے کہا۔ وہ ان پر پیش کیے جاتے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا ایک قول کے مطابق ان کی نماز عصر رہ گئی۔ یہ روایت الطبرسی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت قتادہ سے روایت کی ہے پھر کہا:

> "ہمارے علماء کی روایت میں ہے کہ نماز کا اول وقت گزر گیا۔"

جبائی کہتے ہیں کہ ان کا فرض نہیں رہا تھا بلکہ نفل رہ گئے تھے یہ نفل وہ دن کے آخری حصہ میں پڑھتے تھے، تو آپ نے فرمایا:

> "میں نے اپنے مال کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر ترجیح دی ہے۔" (یہ آیت

طیبہ کے ایک ترجمہ کے مطابق ہے)

آپ نے اپنی مشغولیت کا اعتراف اور اس پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے یوں فرمایا اور اس امر پر تمہید تھی جو بعد میں آپ سے صادر ہوا کہ آپ نے (ایک روایت کے مطابق) گھوڑے واپس منگوائے اور ان کی کونچیں کاٹ دیں۔ ''الخیر'' کا لفظ مال کے لیے بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ (البقرۃ:۱۸۰)

ترجمہ: بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ۔ (البقرۃ:۱۹۷)

ترجمہ: اور جو تم نیک کام کرو اللہ اسے جانتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۞ (العادیات:۸)

ترجمہ: اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔

ابوحیان نے کہا ہے کہ ''الخیر'' سے مراد گھوڑے ہیں۔ اہلِ عرب گھوڑوں کو الخیر کہتے تھے۔ یہ حضرت قتادہ سے روایت ہے شاید یہ اس خبر کی وجہ سے ہے جو ان کے ساتھ لگا دی گئی ہے۔ روایت ہے کہ خیر کو گھوڑوں کی پیشانی کے ساتھ روزِ حشر تک باندھ دیا گیا ہے۔ اَحْبَبْتُ، آثرت۔ یہ اس میں اپنی شہرت کی وجہ سے حقیقت کے ساتھ وابستہ ہے بعض افراد کے کلام کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں یہی حقیقت ہے۔ یہ ایسے افعال میں سے ہے جو ''علی'' کے ساتھ متعدی ہوتے ہیں۔ لیکن اس جگہ اسے عن کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اس میں انابت کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ''احببت'' کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور عن سے متعدی ہونے کی وجہ سے اس کے معنی کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اور عن کو معرفا یا بعیدا کے متعلق مقدر مانا جائے۔ یہ ''احببت'' میں ضمیر سے حال ہے۔ عن کے متعلق یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تعلیلیہ ہو۔ ان شاء اللہ اس کی مزید تفصیل عنقریب بیان کریں گے۔

ایک قول کے مطابق ''الذکر'' سے مراد معنی مصدری ہے اور اس کی اضافت فاعل کی طرف ہے دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد نماز ہے۔ حتی توارت بالحجاب ''احببت'' کے متعلق ہے اس طرح اس سے مراد محبت کا استمرار اور دوام ہوگا۔ یعنی گھوڑوں کی محبت پیدا ہوئی اور میں رب کے ذکر سے مشغول ہو گیا۔ یہ مشغولیت لگاتار رہی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ سورج

کے مغرب میں غروب ہونے کو پردہ نشیں لڑکی کے حجاب میں چلے جانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ "توارت" میں ضمیر سورج کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لیکن سورج کا ذکر پہلے نہیں کیا گیا کیونکہ "العشی" اس پر دلالت کر رہا ہے اور کئی علماء نے فرمایا ہے "ردوھا" میں "ھا" "ضمیر" الصافنات" کے لیے ہے۔ شاید تم یہ پسند کرو کہ یہ "الخیل" کی طرف لوٹنی چاہیے جس حال مشاہدہ دلالت کر رہا ہے یا الخیر کی طرف لوٹنی چاہیے۔ کیونکہ یہ الخیل کے معنی میں ہے۔

لیکن ہم نے یہ اس لیے کہا ہے کیونکہ "ردوھا" حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس کلام کا تتمہ ہے جو "انی احببت الخیر" سے شروع ہوا تھا۔ الصافنات اس میں مذکور نہیں کہ یہ ضمیر اس کی طرف لوٹے بلکہ الصافنات اللہ تعالیٰ کے کلام میں موجود ہے۔ رب کا کلام اس واقعہ کی حکایت بیان کر رہا ہے اور زمخشری کے نزدیک اس جگہ "قول" مضمر ہوگا یعنی قَالَ رُدُّوهَا عَلَیَّ یہ جملہ مستانفہ ہوگا گویا کہ سوال ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا کہا تو کہا گیا انہوں نے کہا: ردوھا علی۔

لیکن ابوحیان کہتے ہیں "قول" کو مضمر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ جملہ رب تعالیٰ کے فرمان "فقال انی احببت" میں قول کی حکایت کے تحت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "ردوھا" حضرت سلیمان علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے اور اس مقولہ میں شامل ہے جسے رب تعالیٰ اپنے فرمان میں بیان کیا ہے: فقال انی احببت خسب الخیر۔

لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ سب تقاضا کرتا ہے "ردوھا" میں ضمیر الصافنات کی طرف راجع نہ ہو۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کا قول بطور حکایت بیان کیا تو یہ رب تعالیٰ کا فرمان بن گیا۔ یہ سارا ایک ہی کلام ہے۔ یہ سارا قرآن پاک کا حصہ ہے۔ اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے اگر نمازی نے فقال انی احببت حب الخیر... پڑھا تو وہ قرآن پڑھنے والا ہی ہوگا۔ اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ فقہ میں معروف اختلاف کہ سورۃ الفاتحہ کے بعد سورہ یا اس کی آیت ملانا سنت ہے یا واجب ہے یا تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ملانا فرض ہے۔ اس اختلاف کی بنا پر یہ آیت پڑھنے والا سنت یا واجب یا فرض کو پورا کرنے والا ہوگا۔ سورت فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔ اس کو ترک کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، بشرطیکہ اتنا پڑھ لیا ہو جتنا پڑھنا ضروری ہو۔ اور حکایت میں یہ بھی لازم نہیں سے صرف لفظاً حکایت کر دیا گیا ہو بلکہ وہ معنی بھی حکایت ہوگی۔ جائز ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا ہو: "انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی وردھا علی" لیکن جب رب تعالیٰ نے یہ حکایت بیان کی ہو تو اس نے الصافنات کا ذکر پہلے کر دیا

ہو پھر ایجاز کی خاطر اس کی ضمیر ذکر کر دی ہو کیونکہ اس کا مرجع پہلے ذکر ہو چکا تھا کیونکہ ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ یہ ایک ہی کلام ہے جسے رب تعالیٰ نے حضور ﷺ پر نازل کیا ہے۔ اس بات میں کسی کو کوئی شک نہیں۔

فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ میں "الفاء" الفصیحہ ہے جو اس جملہ کی مراد بیان کر رہی ہے۔ جس کو حذف کر دیا گیا ہے حال کی اس پر دلالت ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ کا حکم فوراً مانا گیا۔ آپ کو گھوڑے پیش کیے گئے تو آپ ان کی گردنیں یا ٹانگیں کاٹنے لگے یا ان پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ "الباء" المسح کے متعلق ہے اور یہ "شَرَعَ یَمْسَحُ" کے معنی میں ہے۔ بعض علماء نے الباء کو زائدہ کہا ہے۔ یعنی شرع یمسح سوقھا و اعناقھا بالسیف۔ امام راغب نے کہا ہے کہ مسحہ بالسیف یہ مارنے سے کنایہ ہے۔ الکشاف میں ہے کہ یمسح السیف بسوقھا و اعناقھا۔ یقطعھا کے معنی میں ہے۔ مسح المسفر الکتاب اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی تلوار کے ساتھ کتاب کی اطراف کو کاٹ دے۔ حسن سے روایت ہے کہ انہوں نے گھوڑوں کی کونچیں کاٹ دیں گردنیں اڑا دیں۔ انہوں نے کسف سے مراد قطع لیا ہے۔ جس نے اس کو شین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس نے خطا کی ہے اس سے مراد قطع ہے۔ اس پر بعض روایات بھی دلالات کرتی ہیں۔ امام طبرانی نے اوسط میں، اسماعیلی نے اپنی معجم میں اور ابنِ مردویہ نے حسن سند کے ساتھ ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "فطفق مسحا بالسوق والاعناق" کے بارے فرمایا:

> "حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں تلوار کے ساتھ کاٹ دیں۔ انہوں نے رب تعالیٰ کے لیے قربانی دیتے ہوئے اس طرح کیا۔ ان کے دین گھوڑوں کو قربان کرنا جائز تھا۔"

شاید انہوں نے گھوڑوں کی کونچیں اس لیے کاٹی ہوں تاکہ انہیں آسانی کے ساتھ ذبح کیا جا سکے۔ دوسرا قول یہ ہے انہوں نے وہ گھوڑے راہِ خدا میں وقف کر دیے تھے اور مسح سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے ان گھوڑوں پر نشانات لگا دیے تھے تاکہ معلوم ہو سکے ان گھوڑوں کو راہِ خدا میں وقف کر دیا گیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ہمارے ہاں آگ سے داغا جاتا ہے یہ ہماری شریعت میں جائز ہے بشرطیکہ یہ داغنا چہرے پر نہ ہو۔ شاید حضرت سلیمان علیہ السلام نے تلوار سے نشان لگانے کو آگ سے داغنے سے آسان سمجھا ہو اور اسے پسند کیا ہو۔ یا اس دور میں لوگ اسی طرح

داغتے ہوں۔ اگرچہ یہ تلوار کے ساتھ تھا تو ہم اسے داغنے پر محمول کریں گے۔

روایت ہے جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ رب العزت نے انہیں عزت و کرامت عطا کرتے ہوئے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے گھوڑوں کو اس لیے ہلاک کرنے کا حکم دیا کیونکہ انہوں نے انہیں رب تعالیٰ کے ذکر سے پھیر دیا تھا یہ قول باطل ہے۔ کسی نبی یا رسول کی ذات اقدس اس سے بالاتر ہے کہ وہ محترم مال کو سرف اس لیے ہلاک کر دے کہ اس نے اسے رب تعالیٰ کی عبادت سے پھیر دیا تھا۔ اس کے لیے ایک اور رستہ بھی ہے وہ انہیں راہِ خدا میں صدقہ کر دے۔ کیونکہ یہ رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا زیادہ وسیلہ تھا۔ انہوں نے یہ گھوڑے فخر اور مباہات کے لیے نہیں رکھے تھے۔ معاذ اللہ! انہوں نے یہ گھوڑے راہِ خدا میں جہاد کے لیے رکھے تھے۔ انہوں نے انہیں اس لیے پیش کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ ان کے احوال سے آگاہ ہو جائیں تاکہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے پورا کیا جا سکے۔ یہ سب کچھ عبادت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک عبادت کی وجہ سے دوسری عبادت کی وجہ سے رہ گئے تھے۔ اس آیتِ طیبہ کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ مجمل بیان کیا ہے جمہور علماء کے نزدیک یہی مشہور ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوات ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سورج لوٹا دیا گیا تھا۔ بلکہ انہوں نے رردوھا میں "ھا" ضمیر کو الصافنات کی طرح راجع کیا ہے۔

بعض علما نے لکھا ہے کہ "حتی توارث بالحجاب" میں ضمیر الصافنات کی طرف راجع ہے سورج کی طرف راجع نہیں۔ جمہور علما کا یہی موقف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ "ردوھا" میں "ھا" ضمیر سورج کی طرف راجع ہے۔ خطاب ان ملائکہ کو ہے جو سورج پر مقرر ہیں، علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سورج لوٹانے کے لیے کہا کیونکہ گھوڑوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے ان کی نماز عصر رہ گئی تھی۔ ان کے لیے سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ انہوں نے نمازِ عصر پڑھ لی۔ یہ قول حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اس کا محاصل یہ ہے کہ عمدۃ القاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان آیات کے بارے پوچھا، انہوں نے فرمایا:

"ابنِ عباس! تم تک اس آیت کے بارے کیا پہنچا ہے؟"

میں نے انہیں کہا:

"میں نے حضرت کعب الاحبار کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن حضرت سلیمان

گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے، حتیٰ کہ سورج چھپ گیا، انہوں نے کہا:

"گھوڑے واپس لاؤ، وہ گھوڑے تعداد میں چودہ تھے۔ جب گھوڑے واپس لائے گئے انہوں نے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹ دیں اور انہیں ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے چودہ دن تک ان سے سلطنت چھین لی، کیونکہ انہوں نے گھوڑوں پر ظلم کیا تھا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کعب نے درست نہیں کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے گھوڑوں میں مصروف رہے، کیونکہ وہ جہاد کے لیے جانا چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ سورج چھپ گیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان ملائکہ سے کہا جو سورج پہ مقرر تھے کہ سورج کو واپس لے آؤ۔ وہ سورج واپس لے آئے حتیٰ کہ انہوں نے نمازِ عصر اس کے وقت پر ادا کی۔ انبیائے کرام نہ تو ظلم کرتے ہیں نہ ہی ظلم پر راضی ہوتے ہیں وہ معصوم اور مطہر ہوتے ہیں۔"

شاید اسی لیے علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ انہوں نے وہ گھوڑے راہِ خدا میں ذبح کر رہے تھے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ انہوں نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ ان سے پیار کرتے ہوئے پھیرا۔ ضمیر کو سورج کی طرف راجع کرنے میں امام رازی نے کئی اعتبار سے اعتراض کیا ہے۔

1. افلاک اور کواکب کو حرکت دینے پر صرف ربِ تعالیٰ کی ذات قادر ہے۔ ادب کے مناسب یہ تھا کہ وہ صرف رب تعالیٰ سے کہتے "ردھا" اگر تم کہو کہ جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے۔ جس طرح کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان: ربِ ارجعون۔ (المؤمنون: 99) اے میرے مالک مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ "ردوھا" میں اہانت کی بڑی نوع کا شعور ملتا ہے اس لفظ تعظیم کے لیے کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

2. اگر غروب کے بعد سورج واپس آتا تو سارے اہلِ دنیا اس کا مشاہدہ کرتے۔ کیونکہ غروب کے بعد طلوع کو سارے لوگ بڑے اشتیاق سے دیکھتے ہیں اور اگر اس طرح ہوتا تو بہت سے لوگ اسے آگے نقل کرتے لیکن کسی ایک نے بھی اس طرح کی ایک روایت

نقل نہیں کی جس سے اس روایت کا فاسد ہونا لازم آتا ہے۔

جو شخص یہ کہے کہ حضرت سلیمان ؓ کے لیے سورج لوٹانا اسی طرح ہے جس طرح حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے لوٹایا گیا تھا۔ یا جس طرح ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے کاروان کی تاخیر کے دن یا غزوۂ خندق کے روز لوٹایا تھا۔ جب آپ کی نمازِ عصر قضاء ہو گئی تھی۔ اور آپ ﷺ کی دعا کے طفیل حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے لیے سورج لوٹایا گیا تھا۔ حضرت اسماء بنت عمیس ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ آپ کا سرِ اقدس حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی گود میں تھا۔ انہوں نے نمازِ عصر نہ پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"اے علی! کیا نماز پڑھ لی ہے؟"

انہوں نے عرض کی:

"نہیں۔"

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مولا! علی تیری اطاعت اور تیرے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت میں تھے ان کے لیے سورج لوٹا دے۔"

حضرت اسماء ؓ فرماتی ہیں:

"مَیں نے دیکھا سورج غروب ہو چکا تھا، پھر میں نے اسے طلوع ہوتے دیکھا۔ اس کی دھوپ زمین پر پڑنے لگی۔"

یہ معجزہ خیبر میں صہباء کے مقام پر رونما ہوا ہو۔ اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے علامہ ابن جوزی نے اسے "الموضوعات" میں تحریر کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

"بلاشبہ یہ روایت موضوع ہے"

اس سند میں احمد بن داؤد ہے، یہ متروک الحدیث تھا، کذاب تھا۔ یہ تبصرہ دارقطنی کا ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں:

"یہ احادیث وضع کرتا تھا۔"

ابنِ جوزی کہتے ہیں:

"اس روایت کو ابنِ شاہین نے نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے، اس کو وضع کرنے والے کی غفلت یہ ہے کہ اس نے فضیلت کی صورت تو دیکھی لیکن اس نے یہ نہ سمجھا کہ اس کا

کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب نماز عصر قضا ہو جائے تو سورج کا واپس آ جانا، اسے ادا نہیں کر سکتا۔ ابنِ تیمیہ نے روافض کا رد کرتے ہوئے اس موضوع پر الگ رسالہ رقم کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ساری اسناد اور ان کے رجال کا ذکر کیا ہے اور اس روایت کو موضوع ثابت کیا ہے امام احمد نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

لیکن امام طحاوی، اور قاضی عیاض نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ الطبرانی کے معجم الکبیر میں حسن سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے، جس طرح شیخ الاسلام ابن عراقی نے شرح تقریب میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابنِ مردویہ نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ احمد بن صالح کہتے تھے:

''جو علم حاصل کرنا چاہے اسے اس حدیث پاک سے غافل نہیں ہونا چاہیے جسے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، کیونکہ وہ نبوت کی علامات میں سے ہے۔

حضرت احمد بن صالح کا یہ فرمان لکھنے کے بعد صاحب عمدۃ القاری کہتے ہیں:

''یہ حدیث متصل ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابنِ جوزی نے جو اسے موضوع کہا ہے۔ اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔''

لیکن عمدۃ القاری کے مصنف اس قول کے بارے کیا کریں گے جو دارقطنی، ابنِ حبان اور امام احمد نے کیا ہے، یہ جرح و تعدیل کرنے والے اکابر آئمہ میں سے ہیں۔ ان کا شمار ان افراد میں ہوتا ہے جن پر احادیث کی تصحیح، قبول اور رد میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس روایت میں بھی آئمہ کا اختلاف ہے جس میں ہے کہ غزوہ خندق کے روز بھی سورج لوٹایا گیا۔ بعض نے اسے ضعیف اور بعض نے موضوع کہا ہے۔ علامہ ابن حجر الہیثمی نے اس کی صحت کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح کارواں کی روایت میں بھی اختلاف ہے اس میں ردشمس کی وضاحت موجود نہیں۔ روایت ہے کہ جب حضور سید عالم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے، حضور ﷺ نے مشرکین مکہ کو کارواں کے بارے بتایا اور اس کارواں کی علامت بتائی۔ مشرکین نے پوچھا:

''وہ کارواں کب پہنچے گا؟''

آپ نے فرمایا:

''بدھ کے روز''

جب مقررہ دن آیا تو اہلِ مکہ اس قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ سورج ڈھل گیا لیکن وہ

کارواں نہ پہنچا۔ حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی۔ آپ کے لیے دن میں ایک ساعت اضافہ کر دیا گیا۔ سورج کو روک دیا گیا۔ روکنا لوٹانا نہیں ہوتا۔ اگر سورج کو لوٹایا گیا ہوتا تو اسے قریش بھی جان لیتے اور وہ وہی باتیں کرتے جو انہوں نے انشقاقِ قمر کے بارے کیں تھیں لیکن ان سے ایسی کوئی بات منقول نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ گویا کہ زمانہ میں برکت ڈال دی گئی تھی۔ صوفیائے کرام اسے نشر الزماں سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح حضرت یوشع علیہ السلام کے بارے کہا جاتا ہے۔ صحیح حدیث پاک ہے کہ سوائے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کسی اور کے لیے سورج نہیں روکا گیا۔ یہ روایت تمام آئمہ کے نزدیک صحیح ہے۔ یہ سابقہ ساری تفصیل کے معارض ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ سورج میرے علاوہ سوائے حضرت یوشع بن نون کے کسی اور کے لیے نہیں روکا گیا۔ لازمی امر ہے کہ متکلم اس کے قول کے تسلیم کر لینے کے بعد اپنے کلام کی عمومیت میں داخل نہیں ہوتا۔ اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے رد کی روایت کی مخالفت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ظاہر ہی ہے کہ ان کے لیے ردشمس کی نفی کا دعویٰ کرتا ہے، جو ان کے لیے سورج روکنے سے بڑا عمل ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ردشمس کا قول تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ ردشمس ممکن نہیں جیسے فلاسفہ گمان کرتے ہیں بلکہ اس کی وجہ اس کا ثابت نہ ہونا ہے۔ ذوقِ سلیم بھی اس کا انکار کرتا ہے کہ آیت طیبہ کو اس پر محمول کیا جائے جس طرح کہ امام رازی وغیرہ نے کہا ہے کہ طلب رد کے بعد یہ فرمان ہے۔ "فطفق" پھر ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ ردشمس کے بعد نماز قضا ہی ہوتی ہے۔ یہ بعض علماء کرام کا قول ہے۔ علامہ ابن حجر الہیثمی کے تحفہ میں ہے کہ اگر غروب کے بعد سورج لوٹ آئے تو وقت بھی لوٹ آئے گا جس طرح کہ ابن عمار نے کہا ہے لیکن علامہ زرکشی کے کلام کا فیصلہ اس کے برعکس ہے وہ یہ ہے کہ اگر سورج اپنے مقررہ وقت سے مؤخر ہو گیا تو اسکے غروب کے وقت کا اندازہ لگایا جائے گا۔ اگر سورج موجود بھی ہو تو وقت نکل جائے گا۔ لیکن یہ دونوں اقوال درست نہیں ہیں۔ ابن عماد کا کلام درست ہے۔ سورج کا پلٹنا آپ کا معجزہ ہونا اس کو نقصان نہیں دیتا۔ کیونکہ صرف لوٹنا تو معجزہ ہے۔ لیکن اس کے لوٹنے سے وقت باقی رہنا یہ شرعی حکم ہے۔ اسی لیے جب سورج لوٹ آیا تو حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کر کے پڑھی بلکہ سورج کے پلٹنے کا مقصد بھی یہی تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس تفصیل کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مجھے یاد نہیں آ رہا کہ اس ضمن میں ہمارے احناف کا مذہب کیا ہے؟''

صرف میں نے تفسیر بیضاوی کے حاشیہ شہاب الدین خفاجی میں جلیل آئمہ کا موقف پڑھا ہے انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ ظاہر ہے کہ ردِ شمس کے بعد نماز ادا ہوگی۔ اس میں علماء کرام نے بہت سے بحث کی ہے۔ لیکن یہ اس کا مقام نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ایک نبی جہاد کے لیے عازم سفر ہوئے۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

''میرے ساتھ ایسا شخص نہ آئے جس نے نکاح کیا ہو اور وہ اپنی زوجہ سے مباشرت کرنا چاہتا ہو لیکن اس نے ابھی تک اس کے ساتھ حق زوجیت ادا نہ کیا ہو۔ نہ ہی ایسا شخص میرے ساتھ آئے جس نے گھر تعمیر کیا ہو، لیکن اس پر چھت نہ ڈالا ہو، نہ ہی ایسا شخص آئے جس نے بکری خریدی ہو اور اسے اس کے حاملہ ہونے کا انتظار ہو۔''

وہ نبی جہاد پر روانہ ہوئے وہ نمازِ عصر یا اسی وقت کے قریب اس بستی کے قریب پہنچے۔ انہوں نے سورج سے کہا:

''تجھے بھی حکم دیا گیا ہے اور مجھے بھی حکم دیا گیا ہے، مولا! اس سورج کو ہم پر روک دے۔''

پس سورج کو روک دیا گیا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔

عمدۃ القاری میں ہے: ''اس روایت کو امام بخاری نے باب النکاح میں بھی نقل کیا ہے، امام مسلم نے اسے المغازی میں نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ نبی حضرت یوشع بن نون تھے۔ صرف ہمارے نبی اکرم ﷺ اور ان کے لیے سورج روکا گیا۔ حضور ﷺ کے لیے صرف شبِ معراج کی صبح کو روکا گیا، جب اس قافلہ کا انتظار ہو رہا تھا جس کے بارے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ اس روز سورج چمکنے کے وقت پہنچ جائے گا۔

سدی لکھتے ہیں:

''قریب تھا کہ اس کارواں کے آنے سے پہلے سورج غروب ہو جاتا۔ حضور ﷺ نے دعا کی، سورج کو روک دیا گیا، حتیٰ کہ وہ کارواں آ گیا جس طرح کہ آپ نے فرمایا تھا۔''

انہوں نے کہا:

"صرف حضور ﷺ کے لیے اس روز سورج کو روک دیا گیا یا پھر حضرت یوشع بن نون کے لیے سورج کو روک دیا گیا تھا۔ جب آپ کی نماز عصر رہ گئی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ آپ نے نماز ادا فرمائی۔"

علامہ عیاض نے یہ واقعہ "اکمال" میں ذکر کیا ہے، امام طحاوی نے لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے لیے فجر تاخیر سے طلوع ہوئی تھی۔ ابنِ اسحاق نے المبتداء میں ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنو اسرائیل کو ساتھ لے کر چلیں انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی ساتھ لے جائیں۔ وہ ان کو وہ تابوت نہ ملا حتیٰ کہ قریب تھا کہ صبح طلوع ہو جاتی۔ انہوں نے بنو اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر طلوع فجر کے وقت نکلیں گے۔ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ طلوع فجر کو مؤخر کر دے حتیٰ کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ سے فارغ ہو جائیں۔ اللہ رب العزت نے اسی طرح کیا۔ ضحاک نے اپنی تفسیر میں اسی طرح رقم کیا ہے۔ پھر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے وہ روایت نقل کی ہے، جو حضرت ابنِ عباس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت سلیمان کے واقعہ کے بارے نقل کی ہے۔ جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

یہ اس تفصیل کا لبِ لباب ہے جو علماء کرام نے اس موضوع پر رقم کی ہے، لیکن جو کچھ امام ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے سورج کو روکنا شبِ معراج کی صبح تھا جب قریش اس کاروان کا انتظار کر رہے تھے جس کے بارے آپ نے بتایا تھا کہ وہ اس روز سورج کے چمکنے سے قبل پہنچ آئیگا۔ لیکن سدی کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ قریب تھا کہ قافلہ آنے سے قبل سورج غروب ہو جاتا۔ آپ نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی، رب تعالیٰ نے سورج کو روک دیا، اگر یہ واقعہ غروب شمس سے کچھ پہلے کا ہو تو پھر یہ ایک ہی داستان ہے۔

امام زیلعی نے شرح کی کنز میں مطالع کے اختلاف پر گفتگو کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ کیا جب سورج غروب ہو جانے کے بعد لوٹ آئے اور اس افق سے غروب کے اثرات زائل ہو جائیں جس میں سورج غروب ہوا تھا۔ اور اس افق سے طلوعِ شمس کے اثرات ختم ہو جائیں جس میں وہ غروب ہو جانے کے بعد طلوع ہوا تھا اگر ہم یوں کہیں تو ہم براہینِ قاطعہ کے مقتضی کی

مخالفت کریں گے اور اس امر کا انکار کریں گے جو معاینہ سے ثابت ہے اور ایسا قول کریں گے جو دلائل کے ساتھ عقل کے نزدیک محال ہے۔ مشرق سے مغرب کی طرف سورج کی حرکت دائمی اور لگاتار ہے۔ خواہ ہم کہیں کہ یہ جبری حرکت ہے جو فلک اعظم کی حرکت کے تابع ہے، یا ظاہری حرکت ہے جو زمین کی حرکت کے تابع ہے جس طرح کہ ان آیات کا تقاضا جو بتاتی ہیں کہ سورج، چاند اور ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسخر ہیں، ان احادیث کے ظاہر کے مخالف ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ امر عیاں ہے کہ یہ روایات جو ردشمس یا سورج روکنے کے بارے ہیں یہ مشاہدہ اور آیاتِ قرآنیہ کے مخالف ہیں۔ ان کی تاویل کرنا ضروری ہے اور انہیں اس امر کی طرف لے جانا ضروری ہے جو یقین سے ثابت ہے۔ یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے متعلقہ حدیث کے علاوہ دیگر ساری روایات میں طعن کیا گیا ہے، ان کی صحت میں اختلاف ہے، بلکہ ان کے موضوع ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، لیکن اس حدیث میں کوئی طعن نہیں کیا گیا جو حضرت یوشع علیہ السلام کے متعلق ہے۔ یہ سارے آئمہ کے نزدیک صحیح ہے جس طرح کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سجدہ کے بارے ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس کی بھی تاویل کی گئی ہے کیونکہ یہ معاین اور مشاہد امر کے تقاضا کے مخالف ہے، لہٰذا حضرت یوشع علیہ السلام کے سورج روکے جانے کی تاویل کرنا پڑے گی۔ یا تو اس کی یہ تاویل کرنا پڑے گی جو ہم نے ابھی ابھی بیان کی ہے یا اس کی تاویل وہ کرنا پڑے گی جو صوفیائے کرام نے کہا ہے کہ زمانہ میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ رب تعالیٰ اس بندے کو توفیق دیتا ہے کہ وہ تھوڑے سے عرصہ میں بہت زیادہ کام کر جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ساری روایات اخبار احاد ہیں۔ ان کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے اصولی قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ حوادث جن کو نقل کرنے کے بہت سے دواعی ہوتے ہیں۔ ان کے بارے متواتر روایت ہی قبول کی جائے گی، اخبار احاد قبول نہیں کی جائیں گی، کیونکہ ان واقعات کے بارے جو خبر احاد روایت کی جاتی ہے جسے نقل کرنے کے دواعی بہت زیادہ ہوں وہ معنی میں منقطع ہوتی ہے۔ اگر اس طرح ہو تو اسے نقل کرنے کے دواعی وافر ہوتے ہیں۔ اسے کوئی ایک روایت نہیں کرتا ورنہ اس کے علم کا فساد لازم آئے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے ردشمس اور اسی طرح بقیہ اخبار احاد کے بارے کہا جائے گا۔ حتیٰ کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے بھی حبس شمس کے بارے اسی طرح کہا جائے گا۔ اسے رد کرنا یا اس کی تاویل کرنا لازم ہے۔ بہتر ہے کہ اس کی ایسی تاویل کی جائے جس میں عقلی اور نقلی دلیلوں پر عمل ہو

سکے۔ بلاشبہ اس ضمن میں تاویل کا باب سورج کے مدار سے وسیع ہے۔

جو کچھ حضرت علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ جب سورج لوٹ آئے گا تو وقت بھی لوٹ آئے گا۔ ابن عماد نے بھی اسی طرح کہا ہے لیکن علامہ زرکشی کے کلام کا تقاضا اس کے برعکس ہے، وہ عیاں بھی نہیں۔ کیونکہ ابن عماد کے کلام کا موضوع اس میں جب سورج حقیقت میں غروب ہو جانے کے بعد لوٹے۔ جس طرح کہ ردشمس کے مسئلہ میں ہے کہ وہ غروب کے بعد لوٹے اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جب سورج حقیقت میں غروب ہو گیا ہو، تو حقیقت میں مغرب کے وقت داخل ہو جائے گا۔ وقتِ عصر نکل جائیگا، پھر سورج کے لوٹنے کے بعد عصر کا وقت بھی لوٹ آئے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے سورج کے لوٹنے کے بعد مغرب کی نماز پڑھی تو اس کی نماز قبل از وقت ہوگی اور ابن عمار کے قول کے مطابق درست نہ ہوگی علامہ زرکشی کا کلام اس موضوع میں ہے کہ اگر سورج اپنے وقت مقررہ سے تاخیر سے غروب ہوا اس طرح کہ مکلف ان شہروں میں ہو جن میں دن لمبا ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ اس شہر میں مغرب کا وقت جو بلاد معتدلہ میں سے اس کے قریب ہو یا وہ شہر جس میں مکلف رہتا ہو اس میں وقت طلوع تو اس شہر کے مطابق ہو لیکن غروب کا وقت بلاد معتدلہ میں سے قریبی شہر سے موخر ہو۔ جب وہ وقت کا اندازہ بلاد معتدلہ میں سے اس شہر کے مطابق لگائے گا جو اس کے قریب ہوگا تو بلاشبہ اس وقت میں جو اس نے مغرب کے لیے اندازہ لگایا ہے عصر کا وقت نکل جائے گا اور مغرب کا وقت داخل ہو جائے گا۔ ان میں بڑا فرق ہے ان میں کوئی جوڑ نہیں۔ جس میں ہم غروب آفتاب کے بعد سورج کو لوٹنا فرض کریں جبکہ وہ بلاد معتدلہ میں اپنے معمول کے وقت میں غروب ہو چکا ہو، اور اس میں کہ سورج سطح زمین میں طویل مدت ٹھہرا رہے اور دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہو جائیں اس کا غروب مؤخر ہو۔ بلکہ زوال اور ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل یا دو مثل ہو جانا بھی مؤخر ہو جائے تو مکلف ان شہروں میں ہر ہر نماز کے لیے اپنے وقت کا اندازہ لگائے گا اور یہ اندازہ اس کے قریبی شہر جو بلادِ معتدلہ میں سے ہوگا کے اوقات کے موافق ہوگا، یہ بات فقہ کی کتب میں مشہور و معروف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "حتی توارت بالحجاب" میں ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے جس طرح کہ ردوھا میں "ھا" ضمیر ہے۔ اکثر علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ الحجاب سے مراد اصطبل ہے یعنی وہ اپنے اصطبل میں داخل ہو گئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مقابلہ کرتے ہوئے چھپ گئے۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے انہوں نے عن کو تعطیل کے لیے کہا ہے اور مسح

بالسوق والاعناق کو سابقہ مفہوم میں نہیں لیا۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ جب حضرت سلیمان کو گھوڑے پیش کیے گئے تو وہ مصروفِ نماز تھے انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ نماز میں ہیں غلام گھوڑے دور لے گئے حتیٰ کہ انہیں اصطبل میں داخل کر دیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: "انی احببت حب الخیر" گویا کہ انہوں نے کہا:

"مجھے نماز نے ان گھوڑوں کو دیکھنے سے مشغول کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ اصطبل میں چلے گئے۔ انہیں میرے پاس واپس لے کر آؤ۔"

جب گھوڑے واپس آئے تو وہ ان سے محبت کرتے ہوئے اور ان کے لیے عزت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر دستِ شفقت پھیرنے لگے۔ حضرات ابنِ عباس، امام زہری اور ابن کیسان سے یہی روایت ہے۔ الطبری نے اسے ہی ترجیح دی ہے۔ علامہ آلوسی نے اس جگہ طویل کلام کیا ہے، لیکن یہ جگہ تفصیل کے لیے موزوں نہیں۔

وہ امر جس کی طرف عقل سلیم اور طبع مستقیم میلان رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان "توارت" اور "ردوھا" میں ضمیریں گھوڑوں کی طرف راجع ہیں تا کہ ضمیروں کا انتشار لازم نہ آئے۔ نیز اس لیے بھی کہ جب کلام میں ایسی چیز ہو جس کی طرف مذکورہ ضمیر لوٹ سکتی ہو تو اس کی طرف ضمیر لگانا اولیٰ ہے اور دوسری چیز کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز کے موافق بھی یہی چیز ہے۔

بہر حال ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ جمہور کے نزدیک اس آیتِ طیبہ میں ردشمس کا قول نہیں کیا جا سکتا۔ "ردوھا" میں ھا ضمیر گھوڑوں کے لیے ہے اس طرح ہم "توارت" میں بھی ضمیر کو گھوڑوں کی طرف ہی لوٹائیں گے جیسا کہ ایک قوم نے اسے پسند کیا ہے وہ روایات جن میں سورج روکنے یا لوٹانے کا تذکرہ ہے تو ان کے بارے جو کچھ کہا گیا ہے تم اس سے خوب آگاہ ہو اس تحقیق کو پکڑ لو۔ جس کے علاوہ تمہیں اور کوئی توشہ نظر نہیں آئے گا۔ واللہ الموفق۔

سورۃ الکہف پڑھنے میں حکمت

جمعۃ المبارک کا روز مشہور و معروف ہے۔ اس میں بھلائی پر جمع ہونے کا حکم ہے۔ مثلاً نماز، حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا، معراج کے واقعات بیان کرنا، پندرہ شعبان کے فضائل بیان کرنا، شب قدر کے فضائل بیان کرنا اور حضور اکرم ﷺ کے میلاد پاک کے فضائل بیان کرنا وغیرہ۔

اسی طرح جمعۃ المبارک کے روز سورۃ الکہف پڑھنا بھی بالاتفاق جائز ہے خواہ اسے باآوازِ بلند پڑھا جائے بلند جگہ پر پڑھا جائے۔ اس سے منع کرنے کا کوئی مناسب سبب بھی نہیں ہے بلکہ اسے جمعۃ المبارک کے روز اور رات کو پڑھنا بعض آئمہ کے نزدیک سنت ہے۔ پہلے اسے بلند جگہ پر کھڑے ہوکر پڑھا جاتا تھا آج کل ہمارے زمانہ میں اسے نماز کے وقت سے قبل مسجد میں پڑھا جاتا ہے، اسے پہلی آذان سے قبل مسجد سے باہر مینارہ پر کھڑے ہوکر پڑھا جاتا ہے، سورۃ الکہف بھی تو قرآنِ پاک میں سے ہی ہے پورے قرآن پاک کی تلاوت کرنا، یا اس کا کچھ حصہ پڑھنا سارے زمان و مکان میں عبادت ہی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک سماعت کرنا بھی عبادت ہے، شارع کی طرف سے اس کے بارے کوئی خاص حکم نہیں اترا ہے۔ یہ عام نہی کے تحت بھی داخل نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے اسے پڑھنے کا تقاضا کے ہوتے ہوئے اسے ترک بھی نہیں کیا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کا مطلق حکم دیا گیا ہے اس پر قرآن کی نصوص اور عملاً اور قولاً مسلمانوں کا اجماع اس پر دلالت کر رہا ہے۔ قرآن پاک پڑھنے کی استثناء صرف خطبۃ کے وقت یا امام صاحب کے نکلنے کے وقت ہے اس کے علاوہ کسی وقت بھی اس کی تلاوت بدعت محرمہ یا مکروہ نہیں ہے۔ الا یہ کہ جس وقت کوئی ایسا مانع پایا جائے جو قرأت کے مانع ہو مثلاً حیض، نفاس، جنابت یا ایسی چیز جس سے اس کے آداب میں خلل آتا ہو تو اس وقت یہ اس عارض کی وجہ سے ممنوع ہے نہ کہ اس کی ذات کی وجہ سے۔ جس طرح کہ خطبہ سنتے وقت اس کی قرأت میں خلل آتا ہے اس لیے اس وقت قرأت سے روک دیا گیا ہے کیونکہ قرآن پاک پڑھنا بذاتِ خود قربت کا سبب ہے اسی طرح اس کی سماعت کرنا بھی قربِ الٰہی کا سبب ہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کی قرأت یا سننا اوقات میں سے کسی وقت بھی بدعت ہو سکے یا مقامات میں سے کسی مقامات پر یا سری یا جہری پڑھنا بدعت ہو سکے، کیونکہ اسے پڑھنے اور سننے کا حکم مطلق ہے، اور مخصوص احوال کے علاوہ اس کے متعلق کوئی نہی نازل نہیں ہوئی۔ یہ امر ان امور میں سے نہیں جنہیں آج کل مساجد میں کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان سے شارع حکیم نے منع کیا ہے۔ لیکن سورۃ الکہف کو جمعہ المبارک کو پڑھنے کے بارے بہت سی احادیث واردہیں۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جس نے روز جمعہ کو سورۃ الکہف پڑھی تو اس کے لیے نور پھیلایا جائے گا جو اس کے قدموں کے نیچے سے لے کر آسمان کی رفعتوں تک ہوگا۔ جو روزِ حشر تک اس کے لیے جگمگاتا رہے گا۔ اور دو جمعۃ المبارک کے مابین اس سے سرزد ہونے والے سارے گناہ بخش

دیے جائیں گے۔

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے جمعۃ المبارک کے روز سورۃ الکہف پڑھی تو اس کے لیے نور چمک رہا ہوگا جو اس کے اور بیت العتیق کے مابین ہوگا۔ اس لیے ہمارے شوافع آئمہ کے نزدیک اور بعض دیگر آئمہ کے نزدیک جمعۃ المبارک کے روز اسے پڑھنا سنت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے بار بار پڑھنا مستحب ہے۔

جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ تم میں سے بعض بعض پر باآواز بلند قرآن نہ پڑھیں، اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ سورۃ الکہف وغیرہا کو باآواز بلند اس طرح پڑھنے سے نہیں روکتی جس طرح یہ آج کل پڑھی جاتی ہے سوائے اس کے کہ جب ایک ہی مسجد میں بہت سے قاری جمع ہو جائیں اور ہر ایک دوسرے کی قرأت کو ناقابل سمجھ بنا دے یا کسی دوسرے نمازی کی نماز میں خلل آئے، جب اس طرح کی تشویش متحقق ہو جائے تو پھر مصلحت ختم ہو جاتی ہے تو حدیث پاک میں اس کے متعلق نہی ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہے۔

اگر اس حدیث کا معنی یہ ہو کہ تم میں سے بعض قرآن پاک کے ساتھ بعض کی مذمت نہ کریں۔ اور قرآن پاک کے ساتھ ایک دوسرے کو سب وشتم کا نشانہ نہ بنائیں تو اس حدیث پاک سے جو مقصد ہمارے لیے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم میں سے بعض دوسروں کی مذمت کرتے ہوئے یا سب وشتم کرتے ہوئے قرآن پاک کو استعمال نہ کریں وہ اس طرح کہ وہ اپنے مخالف کو ان گروہوں میں سے بنا دے جن کی مذمت قرآن پاک نے بیان کی ہے جس طرح وہ فساد کرنے والوں کا گروہ اور ظالمین کا گروہ وغیرہ۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی سورۃ الکہف کو پڑھنے سے منع نہیں کرتا۔

"نہ نقصان پہنچاؤ، نہ نقصان اٹھاؤ۔"

اسی طرح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کسی مومن کو نقصان پہنچایا وہ ملعون ہے۔"

آج کل سورۃ الکہف جس انداز سے پڑھی جاتی ہے اس میں کسی مومن یا اور کسی کے لیے نقصان نہیں ہے بلکہ اس میں بہت بڑا ثواب اور اجر ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اسے وقت سے قبل پڑھا جاتا ہے، جب مؤذن آذانِ اول دیتا ہے، قاری خاموش ہو جاتا ہے، اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس وقت کوئی نمازی تحیۃ المسجد پڑھ رہا ہو تو پھر بھی یہ مکروہ نہیں کیونکہ جو لوگ قرآنِ پاک کو

سن رہے ہوتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب یہ فرض کیا جائے کہ اس سے نمازی کو خلل آتا ہو لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس سے خلل نہیں آتا۔ ممکن ہے تمہارے دل میں یہ کھٹکے کہ جمعۃ المبارک کے روز لوگوں کا اس طرح مسجد میں اکٹھے ہو کر قرأت سننا بدعت ہے تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں:

''بہت سی احادیث طیبہ ایسی ہیں جن میں اکٹھے ہو کر ذکر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ قرآن پاک ذکر ہے، بلکہ یہ سارے اذکار سے افضل ہے۔ حضور کریم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان روایت لیا گیا ہے:

''کوئی قوم بھی رب تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے جمع نہیں ہوتی مگر ملائکہ اسے گھیر لیتے ہیں۔ رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے، رب تعالیٰ اس مخلوق میں انہیں یاد کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے۔'' (مسلم)

روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس قوم سے فرمایا:

''جو ذکرِ الٰہی کے لیے جمع تھی اور رب تعالیٰ کی اس لیے ستائش کر رہے تھے کہ اس نے انہیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔''

آپ نے فرمایا:

''میرے پاس جبرائیل امین آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ رب تعالیٰ تم پر ملائکہ میں فخر فرما رہا ہے۔''

ان احادیث میں بھلائی پر جمع ہونے اور اس کے لیے بیٹھنے کی فضیلت عیاں ہو رہی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ بھلائی پر جمع ہوتے ہیں، جو اس کا ذکر کرتے ہیں قرآن پاک پڑھتے ہیں اس کی سماعت کرتے ہیں یا دعائیں مانگتے ہیں یا ایسے امور بجا لاتے ہیں جن میں شرعاً بھلائی پائی جاتی ہے۔ اس کا یا تو خصوصیت کے ساتھ حکم دیا گیا ہے یا وہ عام حکم کے تحت داخل ہے۔ لوگ مسجد میں یا اس کے علاوہ کسی ایسی جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں جمع ہونے سے آداب میں خلل نہیں آتا۔ خواہ وہ بروزِ جمعۃ المبارک جمع ہوں یا کسی اور دن۔ وہ باآوازِ بلند پڑھیں یا آہستہ رب تعالیٰ ان پر فخر کرتا ہے۔ ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے۔ انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے رب تعالیٰ ان کی تعریف ان ملائکہ میں کرتے ہیں جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔ ان فضائل میں سے کون سی فضیلت افضل ہے۔

اس طرح حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لیے جمع ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ درود پاک سارے بھلائیوں کو جامع ہے۔ساری برکات کی کنجی ہے۔اللہ رب العزت نے اپنی کتاب حکیم نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿۵۶﴾ (الاحزاب:۵۶)

ترجمہ:اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب ومحبت سے) سلام عرض کیا کرو۔

یہ آیت طیبہ اشخاص، احوال، مقامات اور اوقات کے اعتبار سے عام ہے۔درود شریف کی فضیلت میں بہت سی احادیثِ طیبہ وارد ہیں۔

اسی طرح قرأت کے وقت جمع ہونا، معراج مصطفی ﷺ کا ذکر خیر سننے، شب برأت اور شب قدر کے فضائل سننے اور میلادِ پاک کا ذکر جمیل سننے کے لیے جمع ہونا جائز ہے۔معراج کے ذکر خیر کا تعلق سیرت النبی ﷺ کے ساتھ ہے۔اسی طرح اس مبارک شب میں ہونے والے معجزات اور خوارق العاداتِ امور کا تعلق بھی سیرت طیبہ کے ساتھ ہے۔اسی طرح شب برأت اور شب قدر کے فضائل بھی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ طیبہ پر مشتمل ہیں جو اس رات پڑھی جاتی ہیں۔اس طرح سامعین کو عمل صالح کی ترغیب ملتی ہے۔اسی طرح آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت ظہور پذیر ہونے والے واقعات عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔سید کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں فرحت وانبساط کا اظہار کیا جاتا ہے۔اس سے آپ کی محبت کے کمال پر دلالت ہوتی ہے۔

لیکن ان امور میں تکلف درست نہیں۔رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا آپ کی بارگاہِ والا میں صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتے وقت آواز تبدیل کر لینا درست نہیں جس طرح کہ لوگ دلائل الخیرات پڑھتے وقت یا محفلِ ذکر کے وقت تبدیل کر لیتے ہیں۔کانوں کو وہ آواز ناگوار لگتی ہے، ذوقِ سلیم اس سے نفرت کرتا ہے، ایک دانا یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا نام یا اس کے کسی عزیز کا نام اس قبیح آواز کے ساتھ لیا جائے بلکہ وہ اسے مذاق سمجھتا ہے۔سے اپنے لیے باعثِ حقارت سمجھتا ہے، جب کسی شخص کو اس کے نام کے ساتھ پکارو۔یا اسے بآوازِ بلند صدا دو اور اپنی آواز اس طرح تبدیل کرو جس طرح لوگ اللہ رب العزت کو یاد کرتے وقت یا درود پاک پڑھتے وقت آواز تبدیل

کرتے ہیں تو وہ شخص بھی اسے مذاق یا جنوں سمجھے گا۔ ضروری ہے کہ اس تکلف سے روک دیا جائے۔ اس طرح آواز تبدیل کرنے اور ہر اس برائی سے روک دیا جائے۔ جو قرآن پاک کی قرأت، ذکر اور ذکر کی محافل میں آ گئے ہیں۔ ذکر اور خیر سے منع نہیں کرنا چاہیے۔

الحمد للہ تعالیٰ آج بروز اتوار بوقت 10:00 بجے دن اس عظیم تصنیف کے ترجمہ سے فارغ ہوا۔ اللہ رب العزت اسے اپنی بارگاہ بے کس پناہ میں قبول فرمائے۔ اسے میرے لیے توشۂ آخرت بنائے اور ہم سب کو اس کے مندرجات پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

پروفیسر ذوالفقار علی ساقی
دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
ضلع سرگودھا

تصوف و طریقت — 170
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

خواتین کے دینی مسائل — 140
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

ضیاء الحدیث — 150
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

جمال مصطفیٰ ﷺ — 150
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ — 200
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

مزارات اولیاء اور توسل — 120
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

رسول خدا ﷺ کی نماز — 150
علامہ سید شاہ تراب الحق قادری

نماز کی کتاب — 50
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

مبلغ بنانے والی کتاب — 100
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

حضور ﷺ کی بچوں سے محبت — 50
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

فلاح دارین (تفسیر سورۂ عصر) — 100
علامہ سید شاہ تراب الحق قادری

دینی تعلیم — 60
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

تفسیر سورۃ فاتحہ — 40
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری